

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْحَقِّ وَهُدًى
وَرَحْمَةً وَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ

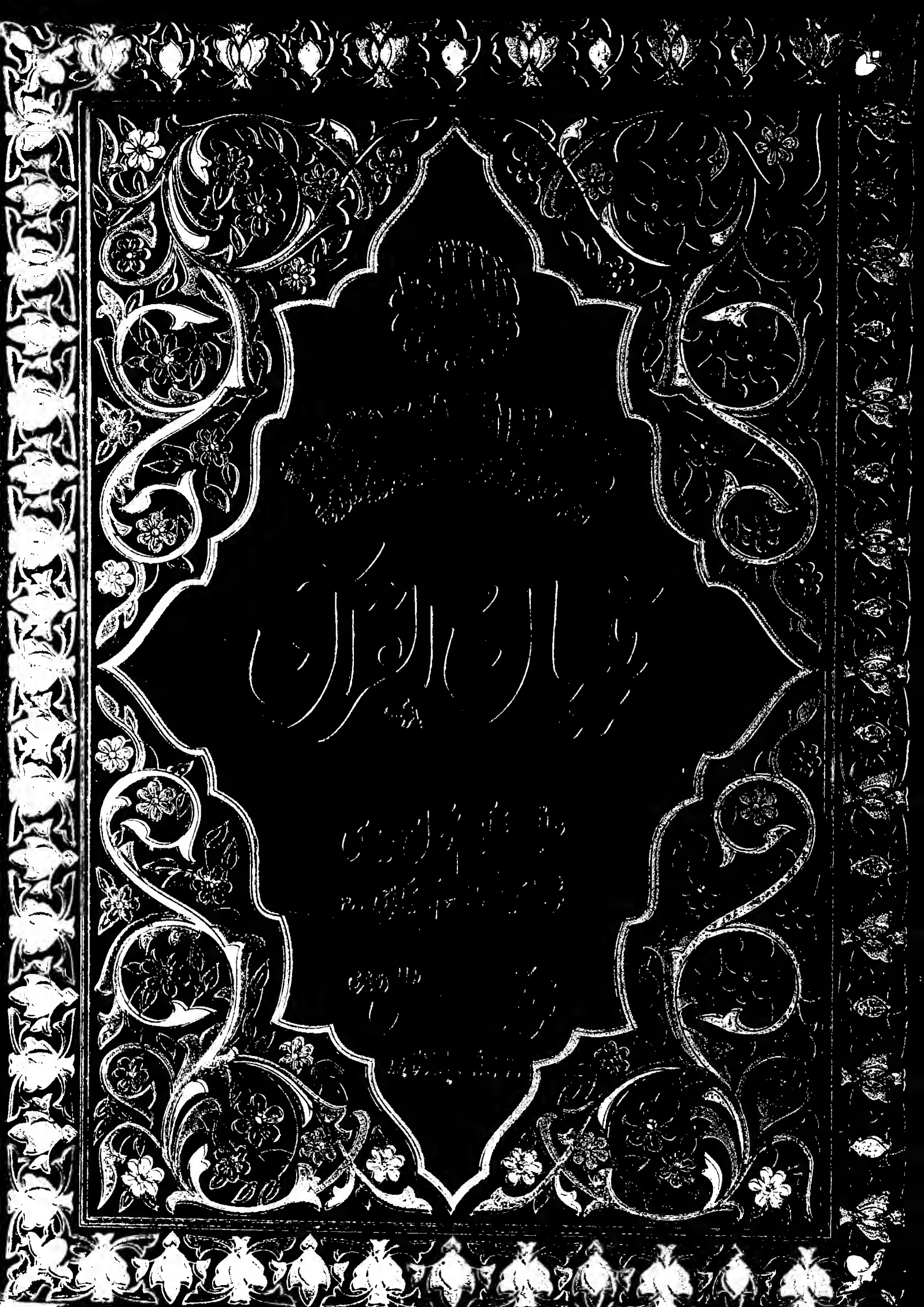
تِبْيَانُ الْقُرْآنِ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید کبیر طال (ترجمہ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مَوْلَانِ

الَّذِي كَلَّمَ

الْأَمِينِ

الْحَمِيدِ

الْحَكِيمِ

الْمَلِكِ

الْقَادِرِ

السَّلَامِ

الْمُؤْمِنِ

الْمُهَيَّمِ

الْعَزِيزِ

الْجَبَّارِ

الْمُتَكَبِّرِ

الْمُنْقِذِ

الْبَارِئِ

الْمُصَوِّرِ

الْغَفَّارِ

الْقَهَّارِ

الْوَهَّابِ

الْبَرَّاقِ

الْفَحَّاشِ

الْعَلِيمِ

الْقُضَّاءِ

الْبَاطِلِ

الْقُضَّاءِ

الْبَرِّاقِ

الْمُخَيَّرِ

الْحَكِيمِ

الْبَصِيرِ

السَّمِيعِ

الْمُبْدِئِ

الْعَادِلِ

الطَّافِ

الْعَظِيمِ

الْعَلِيمِ

الْعَظِيمِ

الْعَفْوِ

الشَّكُورِ

الْعَلِيِّ

الْكَبِيرِ

الْحَفِظِ

الْمُقِيتِ

الْحَسْبِ

الْجَلِيلِ

الْيَكِينِ

الْقَرِيبِ

الْمُجِيبِ

الْعَاسِعِ

الْحَكِيمِ

الْمُؤَدِّدِ

الْمُجِيبِ

الْعِشَّاءِ

الشَّهِيدِ

الْحَقِيقِ

الْمُكِينِ

الْقَوِيِّ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّلْحَقِّ وَهُدًى
وَرَحْمَةً وَرَبِّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ

تِبْيَانُ الْقُرْآنِ

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید کتب سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

وَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيِيحًا لِلْحَيَاةِ الدُّنْيَا
اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

صغیر

جلد دوم
آل عمران۔ النساء

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

ناشر

فریدی بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ ۲

marfat.com

Marfat.com

Copyright ©

All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔



تصحیح : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور
الطبع الاول : شوال ۱۴۲۰ھ / فروری ۲۰۰۰ء
الطبع الخامس : ربیع الاول ۱۴۲۵ھ / مئی ۲۰۰۵ء

Farid Book Stall®

Phone No: 092-42-7312173-7123435

Fax No. 092-42-7224899

Email: info@faridbookstall.com

Visit us at: www.faridbookstall.com

فرید بک اسٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۳۱۲۱۷۳-۷۱۲۳۴۳۵

فیکس نمبر ۰۹۲-۴۲-۷۲۲۴۸۹۹

ای میل: info@faridbookstall.com

ویب سائٹ: www.faridbookstall.com

marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
	اصل تورات کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات	۲۷	سورہ آل عمران
۴۳	موجودہ تورات کے محرف ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات	۲۹	سورہ آل عمران کے اسماء
۴۴	موجودہ تورات کی تصدیق کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۰	سورہ آل عمران کی سورہ بقرہ کے ساتھ وجہ اتصال
۴۴	موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے	۳۱	ارتباط اور مناسبت
۴۵	انجیل کا لفظی معنی، مصداق اور لفظی تحقیق	۳۵	سورہ آل عمران کے مضامین کا خلاصہ
۵۳	انجیل کی تاریخی حیثیت اور اس کے مشمولات	۳۵	الم ○ اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم (۱-۶)
۵۳	انجیل کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۳۶	سورہ بقرہ کی آخری اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں مناسبت
۵۳	موجودہ انجیل کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے	۳۷	سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول اور نصاریٰ نجران کے ساتھ آپ کے مناظرہ کا بیان
۵۴	احکام اسلام بہ مقابلہ تعلیمات انجیل	۳۸	موجودہ انجیل کی شہادت سے حضرت مسیح کا خدا یا خدا کا بیٹا نہ ہونا
۵۶	علم محیط اور قدرت کلمہ پر الوہیت کی بناء کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا نہ ہونا	۳۸	قرآن مجید کا کتاب حق ہونا
۵۹	هو الذی انزل علیک الکتاب منه آیات محکمات (۷-۹)	۳۸	تورات کا معنی، مصداق اور لفظی تحقیق
۶۰	آیات محکمات اور تشابہات کے ذکر کی مناسبت	۳۸	پرانے عہد نامہ کے مشمولات
۶۰	محکم کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۳۹	اصل تورات کے مشمولات
۶۱	تشابہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۳۹	موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ
۶۲	اصولین کے نزدیک محکم اور تشابہ کی تعریفیں	۴۰	حوادث روزگار کے ہاتھوں تورات کا تلف ہو جانا
۶۳	زانحین (جن کے دلوں میں کجی ہے) کا مصداق	۴۰	تورات کی نشاۃ ثانیہ
۶۳		۴۱	موجودہ تورات کے موضوع اور محرف ہونے کے ثبوت میں داخلی شہادتیں

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۱	اعتدال کے ساتھ مل کی طرف رغبت کا استجاب	۳۳	لا یعلم تاویلہ الا اللہ میں وقف کی تحقیق
۸۲	اعتدال کے ساتھ گھونڈوں اور مویشیوں کی طرف رغبت کا استجاب	۳۳	آیات تشابہت کو نازل کرنے کا قاعدہ
۸۳	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۳	آیات تشابہت میں غور و فکر کرنے والے علماء متاخرین کا نظریہ
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	علماء راغبین کی تعریف
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	دلوں کو ٹیڑھا کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	میں مذاہب
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	دل کو دین پر ثابت رکھنے کی دعا کے متعلق احادیث
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	خلف وعدہ کا عمل ہونا اور خلف وعید کا جائز ہونا
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	ان الذین کفروا لن تغنی عنہم اموالہم ولا اولادہم (۱۰-۱۱)
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	مال اور اولاد کے ذکر میں حسن ترتیب کا بیان
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	قوم فرعون کے ذکر کی خصوصیت
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	قد کان لکم ایۃ فی فتنین النقتنا (۱۳)
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	فتح کا مدار عددی برتری اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر ہے۔
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	زین للناس حب الشهوات من النساء و البنین (۱۸-۱۹)
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	مشکل الفاظ کے معانی
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط اور مناسبت
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	متاع دنیا کی تزئین اور آرائش اللہ کی جانب سے ہے
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	طور ابتلاء اور آزمائش ہے۔
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	دین اور دنیا میں توازن اور اعتدال قائم رکھنا اسلام ہے۔
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	اعتدال کے ساتھ عورتوں کی طرف رغبت کا استجاب
۸۴	اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استجاب	۳۴	اعتدال کے ساتھ بیٹوں کی طرف رغبت کا استجاب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۱۹	تحقیق	۱۲	لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء (۲۸-۳۰)
۲۰	اللہ کی محبت کا حصول جن نفوس قدسیہ کی محبت پر موقوف ہے	۱۳	کفار سے دوستی کی ممانعت کا آیات سابقہ سے
۲۱	جن افعال اور عبادات سے اللہ محبت کرتا ہے	۱۴	ارجلہ اور شان نزل
۲۲	جن افعال سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا	۱۵	کفار سے مولات (دستی) کی ممانعت کا معنی اور
۲۳	ان اللہ اصطفیٰ ادم و نوحا و ال ابراہیم (۳۳-۳۴)	۱۶	محل
۲۴	خاص انسانوں کا خاص فرشتوں سے اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا	۱۷	کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے مولات کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات
۲۵	حضرت آدم، حضرت نوح وغیرہم کے خصوصی ذکر کی توجیہ اور ان کی فضیلتوں کا بیان	۱۸	بد عقیدہ لوگوں سے مولات کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار
۲۶	انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی اور روحانی خصوصیات	۱۹	کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مواصلات (انسانی ہمدردی) کے متعلق آیات اور احادیث
۲۷	اذ قالت امراة عمران رب انی نذرت	۲۰	کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مجرّم معاملہ (معاشرتی برائیوں) کے متعلق احادیث
۲۸	(۳۵-۳۷)	۲۱	کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مدارات (زمر گفتگو اور ملائمت) کے متعلق احادیث
۲۹	عمران کی بیوی کی نذر ماننے کی تفصیل	۲۲	ممانعت کی تحقیق
۳۰	حضرت عیسیٰ کا مس شیطان سے محفوظ رہنا ہمارے	۲۳	ممانعت اور مدارات کا اصطلاحی فرق
۳۱	نہی ظہار کی انضیلت کے منافی نہیں ہے	۲۴	تقیہ کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے شرعی
۳۲	بچہ کا ہم رکنا، اس کو گھٹی دینا اور بچہ کی ولادت کے دیگر مسائل	۲۵	احکام
۳۳	حقیقہ کے متعلق احادیث، آثار اور اقوال تابعین	۲۶	تقیہ کے متعلق شیعہ کا نظریہ
۳۴	حقیقہ کے متعلق فقہاء منبہ کا نظریہ	۲۷	تقیہ کے بطلان پر نقلی اور عقلی دلائل
۳۵	حقیقہ کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۸	تقیہ کے متعلق ائمہ اہل سنت کے مذاہب
۳۶	حقیقہ کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۹	وہ اور وہ عید اور ترغیب اور ترہیب
۳۷	حقیقہ کے متعلق فقہاء حنفیہ کا نظریہ	۳۰	قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (۳۱-۳۲)
۳۸	حقیقہ کے متعلق احکام شرعیہ اور مسائل	۳۱	اہل رسول ﷺ کے حکم کا شان نزول اور آیات
۳۹	حقیقہ کو منسوخ قرار دینے کے دلائل پر بحث و نظر	۳۲	سابقہ سے مناسبت
۴۰	لام احمد رضا کا احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھنا	۳۳	محبت کے معنی اور اللہ اور رسول ﷺ کی محبت کی
۴۱	نذر کے بعض احکام اور میں کی لولاد پر ولادت	۳۴	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۱	توحید	۳۱	حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح
۳۱	مسح کا معنی	۳۲	حضرت زکریا علیہ السلام کا حضرت مریم کی گفت
۳۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کا بیان	۳۲	کرنا
۳۲	حضرت عیسیٰ کا پختہ عمر میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا	۳۲	ہنالک دعاز کر یا ربہ (۳۸-۳۹)
۳۳	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد	۳۳	حضرت زکریا علیہ السلام کے ولاد کی دعا کرنے کا
۳۵	مائدہ کا نزول اور اس میں شک کرنے والوں پر	۳۵	سبب
۳۵	عذاب آنا	۳۶	نمازی کو نذا کرنے کی بحث
۳۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور ان کے	۳۶	محراب میں نماز پڑھنے کی بحث
۳۶	مواعظ	۳۷	حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول	۳۷	حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا	۳۷	تصدیق کرنا
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول اور ان کی	۳۷	حضرت یحییٰ کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستبعد
۳۷	تدفین	۳۷	سمجھنے کی توجیہ
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام	۳۷	تین دن کے لیے حضرت زکریا کی زبان بند کرنے
۳۷	کے درمیان مدت کا شمار	۳۷	کے فوائد اور حکمتیں
۳۷	حضرت مریم کے حمل کی کیفیت	۳۷	واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله
۳۷	وبعلمہ الكتاب والحکمة والتورۃ و	۳۷	اصطفاک (۳۲-۳۳)
۳۷	الانجیل (۳۸-۵۱)	۳۷	زیر بحث آیت میں حضرت مریم کے فضائل
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم	۳۷	حضرت مریم کی فضیلت میں احادیث
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۳۷	زیر بحث آیت میں سجدہ کے ذکر کو رکوع کے ذکر پر
۳۷	فلما احس عیسیٰ منهم الکفر قال من	۳۷	مقدم کرنے کی توجیہات
۳۷	انصاری الی اللہ (۵۲-۵۳)	۳۷	بچہ کی پرورش کرنے کے حقداروں کا بیان
۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کی مخالفت کا سبب	۳۷	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل
۳۷	حوارین کا معنی اور مصداق	۳۷	رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا بیان
۳۷	اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت	۳۷	اذ قالت الملائكة يا مريم ان الله يبشرك
۳۷	عیسیٰ کی شبہ والنا	۳۷	(۳۵-۳۷)
۳۷	اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک و	۳۷	خلاصہ آیات اور وجہ ارتباط
۳۷	را فعک الی (۵۵-۵۸)	۳۷	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۰۱	نبوت کا وہی ہونا اور باقی فضائل کا کسی ہونا	۱۸۲	حضرت عیسیٰ کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق
۲۰۲	ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطارہ (۷۵-۷۷)	۱۸۳	ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم (۵۹-۶۳)
۲۰۲	اہل کتاب کے امانت داروں اور خاتونوں کا بیان	۱۸۵	حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کا رد
۲۰۳	کفار کی نیکیوں کے مقبول یا مردود ہونے کی بحث	۱۸۵	انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی حکمتیں
۲۰۴	یہودی غیر یہودی کامل کھانا کیوں جائز سمجھتے تھے		حضرت آدم کے پتلے سے کن ٹیکوں کے خطاب کی وضاحت
۲۰۵	غیر معروف طریقہ سے مخالفین کامل کھانے کا عدم جواز	۱۸۶	حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم کے درمیان وجوہ مماثلت
۲۰۷	غیر معروف اور غیر قانونی طریقوں سے کافر اقوام کا مل کھانے کے دلائل پر بحث و نظر	۱۸۷	نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ کی تفصیل
۲۰۹	حضرت ابو بکر کے قمار کی وضاحت	۱۸۸	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل
۲۱۰	دار الحرب، دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات	۱۸۹	مباہلہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم
۲۱۳	دار الکفر میں غیر قانونی طریقوں سے کافروں کا مل کھانے کا عدم جواز		الوہیت مسیح کے ابطال پر ایک عیسائی عالم سے امام رازی کا مناظرہ
	عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کے متعلق	۱۹۰	قل یا اهل الكتاب تعالوا الی کلمۃ (۶۲-۶۳)
۲۱۵	آیت کا نزول	۱۹۱	آیات سابقہ سے مناسبت اور شان نزول
۲۱۶	عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کی سزا کا بیان	۱۹۲	عقیدہ تثلیث اور اس کا ابطال
	و ان منهم لفريقا یلون السنتهم (۷۸-۸۰)	۱۹۳	اہل کتاب کو دعوت اسلام کا طریقہ
۲۱۸	ربط آیات اور شان نزول		یہود و نصاریٰ کی حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کا باطل ہونا اور مسلمانوں کی نسبت کا برحق ہونا
۲۱۹	”لسی“ کا معنی اور تورات میں لفظی یا معنوی تحریف کی تحقیق	۱۹۳	ماکان ابراهیم یہود یا ولا نصر انیا (۶۷-۷۱)
۲۲۱	بشر کا معنی		عوام اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا
۲۲۲	حکم کا معنی	۱۹۵	علماء اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا
۲۲۳	ربا نین کا معنی	۱۹۶	وقالت طائفة من اهل الكتاب امنوا بالذی انزل (۷۲-۷۳)
۲۲۵	ربط آیات اور شان نزول	۱۹۷	
	انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً متنع	۱۹۸	
۲۲۶	۴		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۳۷	چیزوں کو صدقہ کرنا	۲۳۷	کفر طاعت واحد ہے
۲۳۹	پسندیدہ اور محبوب مل کا معیار		واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتینکم
	کل الطعام کان حلالاً لبنی اسرائیل الا	۲۳۸	(۸۳-۸۴)
۲۵۱	ما حرم (۹۵-۹۳)	۲۳۸	ربط آیات اور خلاصہ تفسیر
۲۵۲	مناسبت اور شان نزول		تمام نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کے میثاق کی
	حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو	۲۳۹	تحقیق
۲۵۳	شرعاً حرام کیا تھا یا عرفاً	۲۳۰	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا عموم اور شمول
۲۵۴	اسلام میں احکام آسان ہیں		زمینوں اور آسمانوں اور تمام مخلوق کی اطاعت کا
۲۵۶	ان اول بیت وضع للناس (۹۷-۹۶)	۲۳۲	بیان
	کعبہ کے اول بیت ہونے کے سلسلہ میں روایات	۲۳۴	قل امناباللہ وما انزل علینا (۸۹-۸۳)
۲۵۷	اور رائج روایت کا بیان	۲۳۵	زیر تفسیر آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ مناسبت
۲۵۹	تعمیر کعبہ کی تاریخ	۲۳۶	انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے کا مفہوم
۲۶۱	کعبہ کے فضائل	۲۳۷	اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کا بیان
۲۶۵	مکہ مکرمہ کو مکہ اور مکہ کہنے کی مناسبت	۲۳۷	اسلام قبول نہ کرنے کے نقصان کا بیان
۲۶۵	بیت اللہ کے اسماء	۲۳۸	زیر تفسیر آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال
۲۶۶	کعبہ کی برکت اور ہدایت کا معنی	۲۳۹	اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا مطلب
۲۶۷	کعبہ اور مقام ابراہیم کی نشانیں		مردوں کو ہدایت نہ دینے کے اشکل کے جوابات
	حرم میں داخل ہونے والے مجرم کے مامون ہونے	۲۳۹	اور بحث و نظر
۲۶۸	میں مذاہب فقہاء		ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم اردلوا
۲۷۰	حرم میں قتل کے ٹکوتا "منوع ہونے پر بحث و نظر	۲۳۲	(۹۰-۹۱)
۲۷۰	قراۃ کا مکہ فتح کر کے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا	۲۳۲	مردین کے کفر میں زیادتی کا بیان
	کعبہ کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے اصحاب فیل	۲۳۳	مردین کی توبہ قبول نہ ہونے کا محمل
۲۷۱	کی طرح قراۃ پر عذاب کیوں نہیں آیا؟		ایمان کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے
۲۷۲	قراۃ کی تعریف	۲۳۴	کفار کی تین قسمیں
۲۷۳	قراۃ کے عقائد		لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون
	حج کی تعریف، شرائط، فرائض، واجبات، سنن اور	۲۳۵	(۹۲)
۲۷۴	آداب، ممنوعات اور مکروہات	۲۳۶	بر کا لغوی اور شرعی معنی
۲۷۵	حج کے فضائل		نیکی کے حصول کے لیے صحابہ کرام کا اپنی محبوب

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۹۶	(۱۰۹-۱۰۴)	۲۷۸	حج کی استطاعت کی تفصیل
۲۹۷	رہط آیات اور مناسبت	۲۷۹	قدرت کے بلوجود حج نہ کرنے والے پر وعید
۲۹۷	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق قرآن		حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے
۲۹۷	مجید کی مزید آیات	۲۸۰	حج کرنے کی مذمت
	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق احادیث		قل یا ہل الکتاب لم تکفرون بایات اللہ
۲۹۸	اور آثار	۲۸۰	(۹۸-۱۰۱)
۳۰۰	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تفصیل اور تحقیق	۲۸۱	کفر پر مذمت میں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ
	برائی سے روکنے کے لیے تادیب اور تعزیر کے	۲۸۲	اہل کتاب کے گمراہ کن حیلے
۳۰۱	مراتب		شاس بن قیس کا مسلمانوں میں عداوت کی آگ
۳۰۳	بغیر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے	۲۸۲	بھڑکانے کی ناکام سعی کرنا
	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک		صحابہ کرام اور بعد کے مسلمانوں کے لیے دین پر
۳۰۶	ہونا ضروری نہیں ہے	۲۸۳	استقامت کے ذرائع
	ہتھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ		یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ حق تقاہ
۳۰۶	کینے کا بطلان	۲۸۴	(۱۰۲-۱۰۳)
	کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو	۲۸۵	رہط آیات
۳۰۷	ترک نہ کیا جائے	۲۸۵	آیا اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم محکم ہے یا منسوخ؟
۳۰۷	امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے	۲۸۶	تقویٰ کے متعلق احادیث
۳۰۷	بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب	۲۸۷	لفظ تقویٰ کا لغوی اور شرعی معنی
	قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کی وہ علامات		تأیید اسلام پر قائم رہنے کے حکم کا ایک حدیث
۳۰۹	جن سے وہ پہچان لیے جائیں گے	۲۸۸	سے تعارض اور اس کا جواب
	حوض پر وارد ہونے والے مرتدین کے متعلق علم	۲۸۹	اللہ کی رسی کا بیان
۳۰۹	رسالت اور بحث و نظر	۲۹۰	عقائد حقہ میں اختلاف سے ممانعت
۳۱۱	عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا		باہمی بغض، حسد اور عصیت کی وجہ سے اختلاف
۳۱۳	کنتم خیر امة (۱۰-۱۱)	۲۹۱	کی ممانعت
۳۱۳	رہط آیات، مناسبت اور شان نزول	۲۹۲	فرعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش
۳۱۳	تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار		لوس اور خزیج پر اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی
۳۱۳	صحیح، صلیق اور کامل ایمان کا معیار	۲۹۵	احسانات
۳۱۷	مدینہ کے یہودیوں کی ذلت اور خواری کا بیان		ولنکن منکم امة یدعون الی الخیر

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۱	بدر میں مسلمانوں کے ضعف کا بیان	۳۱۷	مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سارے کے بغیر یہودی
۳۳۱	مسلمانوں کی مغلوبیت کے اسباب	۳۱۷	ریاست قائم نہیں کر سکتے
۳۳۲	جنگ بدر میں قتل ملائمہ کے متعلق احادیث اور آثار	۳۱۸	لیسوا سواء من اهل الكتاب (۱۱۵-۱۱۷)
۳۳۶	جنگ بدر میں قتل ملائمہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء	۳۱۹	ربط آیات اور مناسبت
۳۵۳	غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق مصنف کی تحقیق	۳۱۹	اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی صفات کی تفصیل اور تحقیق
۳۵۳	لیس لك من الامر شئ (۱۱۸-۱۱۹)	۳۲۱	ان الذين كفروا لن تغني عنهم اموالهم (۱۱۷-۱۱۸)
۳۵۳	لیس لك من الامر کے شان نزول میں متعدد اقوال	۳۲۲	آخرت میں کفار کے اعمال کا ضائع ہونا۔
۳۵۵	آپ کو کفار پر لعنت کرنے سے منع کرنا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے	۳۲۳	يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا بطانة (۱۱۸-۱۲۰)
۳۵۶	بعض کافروں کے خلاف دعاء ضرر کرنے اور لعنت کرنے کے متعلق احادیث	۳۲۳	کفار کو رازدار بنانے کی ممانعت اور اس کی حکمتیں
۳۵۶	بعض کافروں پر لعنت کرنا اور دعائے ضرر کرنا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں	۳۲۶	مسلمانوں کے کافروں سے محبت کرنے اور ان کے محبت نہ کرنے کے محال
۳۵۸	رسول اللہ ﷺ کو دعاء ضرر سے روکنے کی توجیہ اور بحث و نظر	۳۲۶	مسلمانوں کے خلاف کافروں کے غیظ و غضب کا بیان
۳۶۰	قوت نازلہ کا معنی	۳۲۷	نیک اور متقی مسلمانوں کا کفار کی سازشوں سے محفوظ رہنے کا محمل
۳۶۰	قوت نازلہ میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۳۲۸	غیر مسلموں سے دینی اور دنیاوی کام لینے کی تحقیق
۳۶۰	قوت نازلہ میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۳۳۰	واذ غلوت من اهلک تبوئ المؤمنین (۱۲۱-۱۲۷)
۳۶۱	قوت نازلہ میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۳۳۱	غزوہ بدر کا مختصر تذکرہ
۳۶۲	قوت نازلہ میں فقہاء احناف کا نظریہ	۳۳۳	غزوہ احد کا مختصر تذکرہ
۳۶۳	قوت نازلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ	۳۳۵	سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط
۳۶۳	اصحاب بدر معونہ کی شہادت کا بیان	۳۳۶	غزوہ احد کے لیے نبی ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور جنگ کی تیاری
۳۶۳	علم رسالت پر اعتراض کا جواب	۳۳۷	غزوہ احد کے متعلق احادیث اور آثار
۳۶۳	يا ايها الذين امنوا لا تاكلوا الربوا (۱۳۰-۱۳۲)	۳۴۰	ربط آیات اور مناسبت
۳۶۳		۳۴۱	بدر کا لغوی معنی اور جغرافیائی محل وقوع

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۳۸۹	کابیان	۳۶۲	آیات سابقہ سے مناسبت
	درایت اور روایت سے لوح محفوظ سے تمام امور	۳۶۵	سود مفرد اور سود مرکب کابیان
۳۹۳	کے لکھے جانے کابیان	۳۶۵	ربا الفضل کابیان
۳۹۶	نیت اور اخلاص کابیان	۳۶۶	ربا الفضل میں علت حرمت کی تحقیق
۳۹۷	وکاین من نبی قتل (۱۳۶-۱۳۸)	۳۶۷	سود میں منہک رہنے والا کفر کے خطرہ میں ہے
۳۹۸	مصائب میں ثابت قدمی پر سابقہ امتوں کا نمونہ		دورخ کا کفار کے لیے تیار کیا جانا آیا فساد مومنین
۳۹۸	آیات مذکورہ سے مستنبط مسائل	۳۶۷	کے دخول سے منع ہے یا نہیں؟
	یا ایہا الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفروا	۳۶۸	رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور منصب رسالت
۳۹۹	(۱۳۹-۱۵۳)	۳۷۰	وسار عوالی مغفرۃ (۱۳۶-۱۳۳)
۴۰۰	دینی معاملات میں کفار کی اطاعت سے ممانعت	۳۷۰	ربط آیات
۴۰۱	اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی پر دلیل کا نہ ہونا	۳۷۱	مغفرت اور جنت کے حصول کا ذریعہ
۴۰۱	جنگ احد میں مسلمانوں کی پسپائی کابیان	۳۷۲	غصہ ضبط کرنے کا طریقہ اور اس کی فضیلت
۴۰۲	”اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا“ کی تفسیریں	۳۷۳	معاف کرنے کی فضیلت
	مسلمانوں کو غم اٹھانے اور مصائب برداشت کرنے		گناہوں پر تادم ہونے اور توبہ کرنے والوں کے لیے
۴۰۳	کا علوی بنانا	۳۷۵	مغفرت کی نوید
۴۰۴	ثم انزل علیکم (۱۵۴-۱۵۵)	۳۷۸	گناہوں پر اصرار کا لغوی اور شرعی معنی
	رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر کے مسلمانوں کا سو جانا	۳۷۸	توبہ کی تعریف، ارکان اور شرائط
۴۰۵	اور منافقوں کا پریشانی سے جاگتے رہنا	۳۷۹	کیا گناہوں کو معین کر کے توبہ کرنا ضروری ہے
۴۰۶	اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنی	۳۸۰	قد خلت من قبلکم سنن (۱۳۳-۱۳۷)
۴۰۷	جنگ احد میں بھاگنے والے مسلمانوں کابیان	۳۸۱	ربط آیات
	جنگ احد میں بھاگنے کی وجہ سے حضرت عثمان پر	۳۸۲	قرآن مجید میں سنت کا مفہوم
۴۰۷	طعن کا جواب	۳۸۲	سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی
	جنگ احد میں مسلمانوں کی جس خطا کی وجہ سے	۳۸۳	مسلمانوں کے اعلیٰ اور غالب ہونے کے معنی
۴۰۸	شیطان نے ان کو لغزش دی		شہید کی تعریف اس کا شرعی حکم اور اس کی وجہ
۴۰۹	یا ایہا الذین امنوا لا تکونوا (۱۶۰-۱۶۱)	۳۸۵	نسبہ
۴۱۰	ربط آیات اور خلاصہ تفسیر	۳۸۶	فتح اور شکست کو گردش دینے کی اصل حکمت
	یوں کہنا منع ہے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو فلاں	۳۸۸	وما محمد الا رسول (۱۳۵-۱۳۴)
۴۱۰	معصیت نہ آتی		رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آپ ﷺ کی نماز جنازہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۳	فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کرنا	۴۲۱	مستقبل کے لیے اگر کالفظ کہنے کا جواز اور ماضی کے لیے اگر کالفظ کہنے کی ممانعت
۴۲۵	فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کرنا	۴۲۱	اس کی تحقیق کہ جملہ کی نیت نہ کرنا نفاق ہے
۴۲۶	ہبار بن الاسود کو معاف کرنا	۴۲۲	منافقین کے قول کے حسرت ہونے کی وجوہات
۴۲۶	منافقوں اور دیہاتیوں سے درگزر کرنا	۴۲۳	اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے کا بیان
۴۲۷	عفو اور درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۲۳	اللہ کی مغفرت اور رحمت کا دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے افضل اور بہتر ہونا
۴۲۷	عفو اور درگزر کے متعلق احادیث	۴۲۳	دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کی طلب کے مدارج میں امام رازی کا نظریہ
۴۲۸	نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے مختلف محال	۴۲۳	دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کی طلب کے مدارج میں امام غزالی کا نظریہ
۴۲۹	مشورہ کالغوی اور عربی معنی	۴۲۵	دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کی طلب کے مدارج میں مصنف کا نظریہ
۴۲۹	مشورہ کے متعلق احادیث	۴۲۶	دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات
۴۳۰	رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کیوں دیا گیا	۴۲۶	دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں احادیث
۴۳۰	کس قسم کے لوگوں سے مشورہ کیا جائے	۴۲۸	دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی طلب اخلاص کے منافی نہیں ہے
۴۳۱	توکل کا معنی	۴۲۹	نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات
۴۳۲	توکل کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۴۲۹	نبی ﷺ کے عفو و درگزر اور حسن اخلاق کے متعلق احادیث
۴۳۲	توکل کے متعلق احادیث	۴۳۰	سراقہ بن مالک کو معاف کرنا
۴۳۳	توکل کی صحیح تعریف	۴۳۰	عمیر بن وہب کو معاف کرنا
۴۳۳	کیا اسباب کو ترک کرنا اور مل جمع کرنا توکل کے خلاف ہے؟	۴۳۲	عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا
۴۳۵	اسباب حاصل کرنے کا حکم	۴۳۲	فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور ہند کو معاف کرنا
۴۳۶	اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا بھی مطلوب ہے اور توکل کے خلاف نہیں ہے	۴۳۳	فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کرنا
۴۳۸	اگر اللہ مدد نہ کرے تو کوئی مددگار نہیں		
۴۳۹	وماکان لنبی ان یغل (۲۱-۲۲)		
۴۴۰	مناسبت اور شان نزول		
۴۴۱	مل غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید		
۴۴۲	مل غنیمت سے متعلق دیگر مسائل		
۴۴۲	اموال مسلمین میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید		
۴۴۳	نیکو کاروں کا بدکاروں کی مثل نہ ہونا		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۴۰	مطلع ہونا	۴۴۵	ثواب اور عذاب کے مختلف درجات
۴۴۱	اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کی کامیابی پر خوش ہونا چاہئے	۴۴۵	آیات سابقہ سے مناسبت
۴۴۱	الذین استجابوا للہ والرسول (۱۷۵-۱۷۶)	۴۴۶	نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا عام انسانوں اور مومنوں کے لیے رحمت ہونا
۴۴۱	آیات مذکورہ کے شان نزول میں دو روایتیں	۴۴۷	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل اور مومنین پر وجوہ احسان
۴۴۳	ایمان میں زیادتی کا محمل	۴۴۷	سیدنا محمد ﷺ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے
۴۴۳	دین اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی	۴۵۱	حلاوت تزکیہ اور کتب و حکمت کی تعلیم کا بیان
۴۴۴	رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیان	۴۵۳	لو لما اصابکم مصیبة (۲۱۸-۲۱۹)
۴۴۵	دنیا میں کافروں کی خوشحالی سے دھوکا نہ کھلایا جائے	۴۵۳	بعض مسلمانوں اور منافقوں کے شہادت اور ان کے جوابات
۴۴۵	ان الذین اشتروا الکفر (۱۷۷-۱۷۹)	۴۵۵	ولا تحسبن الذین قتلوا (۱۷۱-۱۷۲)
۴۴۶	ایمان کے بدلہ میں کفر کو خریدنے کا محمل	۴۵۶	مناسبت اور شان نزول
۴۴۷	زندگی اور موت میں کون بہتر ہے اور موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں	۴۵۷	حیات شہداء کے متعلق احادیث
۴۴۸	کافروں کو گناہ کے لیے ڈھیل دینے کی توجیحات	۴۵۸	حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات
۴۴۹	اصحاب رسول (ﷺ) کے مومن اور طیب ہونے پر دلیل	۴۶۰	شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثل کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟
۴۸۰	انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے یا غیب کی خبروں کا علم ہے	۴۶۰	شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر
۴۸۱	انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کے متعلق علماء امت کی تصریحات	۴۶۲	شہادت کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث
۴۸۳	رسول اللہ ﷺ کے علم غیب اور علم ماکان و ما	۴۶۳	حکمی شہداء کے متعلق احادیث و آثار
۴۸۳	یکون کے متعلق احادیث	۴۶۷	حکمی شہداء کا خلاصہ
۴۸۵	ولا یحسبن الذین ینخلون (۱۸۰)	۴۶۸	حاصل شہداء کے متعلق مذاہب فقہاء
۴۸۵	بخل کا لغوی معنی	۴۶۸	شہداء کی نماز جنازہ کے متعلق مذاہب فقہاء
۴۸۶	بخل کا شرعی معنی اور اس کی اقسام	۴۶۹	شہداء کے رزق کا بیان
۴۸۷	بخل کی مذمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات		فوت شدہ مسلمانوں کا اپنے اقارب کے اعمال پر
۴۸۷	بخل کی مذمت کے متعلق احادیث و آثار		
۴۸۹	لقد سمع اللہ قول الذین (۱۸۱-۱۸۲)		

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۳	ننگی کی تعریف چاہنے پر عذاب کی وعید	۴۹۳	اسلام کے نظام زکوٰۃ پر یہودیوں کا اعتراض
۵۴	ان فی خلق السموت والارض (۱۹۰-۱۹۵)	۴۹۴	یہودیوں کے اعتراض مذکور کا جواب
۵۹	اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت پر دلیل		مخالف کے طعن کے جواب میں اس پر طعن کر کے
۵۱۷	بہ کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث	۴۹۴	اس کو ساکت کرنا
	کودھ کے بل نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف	۴۹۵	اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلام کفر ہے
۵۱۸	کے مسلک کی وضاحت	۴۹۶	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق معراج کا صلہ
	مخلوق میں غور و فکر کرنے کی ہدایت اور خالق میں		بچھلی امتوں میں قربانی، صداقت اور مال غنیمت کو
۵۲۰	غور و فکر کرنے کی ممانعت	۴۹۶	آسانی آگ کا کھا جانا
۵۲۰	من عرف نفسه فقد عرف ربه کی تحقیق	۴۹۸	یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب
	ایمان کے ساتھ گناہوں پر مواخذہ نہ ہونے کے	۴۹۸	رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کا بیان
۵۲۲	نظریہ کارو	۴۹۹	بینات، زبر اور کتاب منیر کا معنی
	گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے میں تکرار		جنگ احد کی ہزیمت پر مسلمانوں کو تسلی دینے کا
۵۲۳	کے جوابات	۴۹۹	بیان
	صالحین کے جوار اور قرب میں مدفون ہونے کی	۴۹۹	موت سے مستثنیٰ رہنے والے نفوس کا بیان
۵۲۴	کوشش کرنا		دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کو طلب کرنے کے
	دعا قبول ہونے کے علم کے بلوجود دعا کرنے کی	۵۰۰	متعلق احادیث اور بحث و نظر
۵۲۵	حکمتیں		دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی
۵۲۶	دعا کے قبول ہونے کا ایک طریقہ	۵۰۳	پیدا کرنے کے متعلق آیات
۵۲۷	تمام صحابہ کے مومن ہونے کی دلیل		دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی
۵۲۷	لا یغرنک تقلب الذین (۱۹۶-۲۰۰)	۵۰۳	پیدا کرنے کے متعلق احادیث
۵۲۸	غرور کا معنی اور شان نزول		کافروں اور بے دینوں کی زیادتیوں کو خندہ پیشانی
	کفار کے لیے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لیے	۵۰۷	سے برداشت کرنا
۵۲۸	نگی کے متعلق احادیث	۵۰۸	واذاخذ اللہ میثاق الذین (۱۸۷-۱۸۹)
	اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے قرب کا جنت سے	۵۰۹	ربط آیات اور شان نزول
۵۳۰	افضل ہونا	۵۱۰	علم چھپانے کی مذمت کے متعلق احادیث
۵۳۱	شان نزول	۵۱۰	عبداللہ بن لمیعہ کی روایت کی تحقیق
۵۳۲	غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ		بعض آیات میں عموم الفاظ کی بجائے خصوصیت
۵۳۳	ربط آیات	۵۱۲	مورد کا اعتبار

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۵۱	قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق احادیث	۵۳۳	مہر کا لغوی اور شرعی معنی
۵۵۲	قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق مذاہب ائمہ	۵۳۳	مہر کے متعلق احادیث
۵۵۲	احادیث صحیحہ صریحہ کا اقوال ائمہ پر مقدم ہونا	۵۳۵	صابدا کا لغوی معنی اور مہر اور مصاہبہ میں فرق
۵۵۸	نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کا بیان	۵۳۵	مصاہبہ کے متعلق احادیث
۵۵۹	تعدد ازواج کا آپ ﷺ کی خصوصیت ہونا	۵۳۶	مرباطہ کے معنی
۵۵۹	رسول اللہ ﷺ کے تعدد ازواج کی تفصیل دار حکمتیں	۵۳۶	آیت مذکورہ میں رابطہ کے محال
۵۶۱	نبی ﷺ کا تعدد ازواج مکمل ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہت	۵۳۷	اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کے متعلق احادیث
۵۶۱	نخلہ کا معنی	۵۳۹	سورۃ النساء
۵۶۲	مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے	۵۴۱	سورۃ النساء کا زمانہ نزول اور وجہ تسمیہ
۵۶۲	مہر اور کرنے کی تاکید اور مہر اور نہ کرنے پر وعید	۵۴۱	سورۃ النساء کے فضائل
۵۶۸	رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے مہر کا بیان	۵۴۱	سورۃ النساء کی سورۃ آل عمران کے ساتھ مناسبت
۵۶۹	رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں کے مہر کا بیان	۵۴۲	اور ارتباط
۵۷۰	مہر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات	۵۴۳	سورۃ النساء کے مضامین کا خلاصہ
۵۷۰	مہر کے ثبوت میں احادیث	۵۴۳	یا ایہا الناس اتقوا ربکم (۱)
۵۷۱	مہر کی مقدار کے متعلق فقہائے حنبلیہ کا مذہب	۵۴۳	خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت
۵۷۲	مہر کی مقدار کے متعلق فقہائے شافعیہ کا مذہب	۵۴۳	اسلام میں رنگ و نسل کا امتیاز نہیں ہے
۵۷۳	مہر کی مقدار میں غیر مقلدین اور علمائے شیعہ کا نظریہ	۵۴۳	رشتہ داروں سے تعلق توڑنے پر وعید اور تعلق جوڑنے پر بشارت
۵۷۵	مہر کی مقدار میں فقہائے مالکیہ کا نظریہ	۵۴۵	واتوا الیتمی اموالہم (۲-۳)
۵۷۸	مہر کی مقدار میں فقہائے احناف کا مذہب	۵۴۶	یتیم کا مال لوار کرنے کا حکم
۵۷۸	ٹیلی فون پر نکاح کا شرعی حکم	۵۴۷	یتیم کا مال کھانے اور اس کے ساتھ بد سلوکی کرنے کی مذمت اور حسن سلوک کی تعریف
۵۷۸	بیویوں کے درمیان عدل کا حکم اور بعض دوسرے مسائل	۵۴۸	نکاح کی ترغیب اور فضیلت کے متعلق احادیث
۵۷۸		۵۵۰	نکاح کی حکمتیں اور فوائد
		۵۵۲	غیر کفو میں نکاح کے جواز پر احادیث
		۵۵۳	کفو میں نکاح کی شرط کے متعلق مذاہب اربعہ
		۵۵۳	تعدد ازواج پر اعتراض کے جوابات
		۵۵۶	چار بیویوں پر اقتصار کی توجیہ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۵۹۷	شوہر اور بیوی کے احوال	۵۷۹	ولا تَنْوُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُم (۵-۶)
۵۹۸	کمالہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق		کم عقلوں کو مل نہ دینے اور یتیم کے مال کو ولی کا
	آیت مذکورہ میں بھائی بہن سے اخپانی بھائی بہن	۵۸۰	مل فرمانے کی توجیہ
۶۰۰	مرلو ہونے پر دلائل	۵۸۰	مل کم عقل کی ملک کرنا اس آیت کے منافی نہیں
۶۰۰	احکام وراثت کی اطاعت پر جنت کی بشارت	۵۸۱	حجر (قولی تصرف سے روکنا) کا لغوی اور شرعی معنی
	احکام وراثت کی نافرمانی کرنے والے پر دائمی عذاب	۵۸۱	حجر کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل
۶۰۱	کی وعید اور اس کی توجیہ		جو کسی منصب (آسامی) کے نااہل ہوں ان کو اس
۶۰۱	والنسی یاتین الفاحشة (۱۵-۲۲)	۵۸۲	کی ذمہ داری نہ سونپی جائے
۶۰۳	عورتوں کی بدکاری پر ابتدائی سزا کا بیان	۵۸۲	لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا معیار
۶۰۳	حدود میں عورتوں کی گواہی نامعتبر ہونے پر دلائل	۵۸۳	یتیم کا مال کھانے میں مذہب فقہاء
۶۰۵	حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب	۵۸۳	تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کی تحقیق
	کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد	۵۸۳	للرجال نصیب مما نرک الوالدان (۱۰-۷)
۶۰۵	قذف لگے گی؟	۵۸۵	زمانہ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو وارث نہ بنانا
۶۰۶	دو شخصوں کی بے حیائی کی تفسیر میں متعدد اقوال	۵۸۶	تقسیم وراثت میں ورثہ کا اقرب ہونا معیار ہے
۶۰۶	اغلام کی حرمت پر قرآن مجید کی آیات	۵۸۷	ورثہ کی ترکہ کی تقسیم کی تفصیل
۶۰۷	اغلام کی حرمت پر احادیث اور آثار		رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو دینا احسان نہیں
۶۰۸	عمل قوم لوط کی حد یا تعزیر میں مذہب اربعہ	۵۸۸	ان کا حق پہنچانا ہے
۶۱۰	جہالت سے گناہ کرنے پر مقبولیت توبہ کی تشریح	۵۸۸	قیسوں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے
۶۱۱	غزوہ موت کے وقت توبہ کا قبول نہ ہونا	۵۸۹	ظلماً" مل یتیم کھانے پر انتہائی سخت عذاب کی وجہ
۶۱۲	زمانہ جاہلیت کے مظالم سے عورتوں کو نجات دلانا	۵۸۹	ظلماً" قیسوں کا مال کھانے والوں کے متعلق احادیث
۶۱۳	زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے	۵۹۰	یوصیکم اللہ فی اولادکم (۱۱-۳)
۶۱۳	تظاہر کا معنی	۵۹۳	وراثت کے تفصیلی احکام
۶۱۳	حضرت عمرؓ کا زیادہ مہر رکھنے سے منع فرمانا	۵۹۳	اولاد کے احوال
	حضرت عمرؓ کے علم پر شیعہ کا اعتراض اور اس کا	۵۹۳	مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات
۶۱۵	جواب	۵۹۳	والدین کے احوال
	خلوت صحیحہ کی وجہ سے کمال مہر کے وجوب پر	۵۹۵	قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کے دلائل
۶۱۶	فقہائے احناف کے دلائل	۵۹۶	حادث امور کے ضعف کا بیان
	ہپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کے متعلق	۵۹۷	اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف کی تقویت

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۶۳۸	باندیوں سے نکاح کے احکام	۶۱۷	مذہب فقہاء
۶۳۹	یرید اللہ لبیبین لکم ویہدیکم (۳۱-۳۲)	۶۱۹	باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی سزا
۶۴۱	احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب	۶۱۹	حرمت علیکم امہاتکم (۲۳-۲۵)
	شریعت کا مزاج آسان احکام بیان کرنا ہے نہ کہ مشکل۔	۶۲۱	محرمات نکاح کا بیان
۶۴۲	مل حرام کی انواع اور اقسام	۶۲۱	نسبی محرمات کی تفصیل
	رشوت کی تعریف، وعید اور شرعی احکام	۶۲۱	رضائی محرمات کی تفصیل
۶۴۳	اپنے آپ کو قتل کرنے کی ممانعت کے تین محل	۶۲۲	رشتہ نکاح کے سبب محرمات کی تفصیل
۶۴۴	خودکشی کرنے والے کے عذاب کا بیان	۶۲۳	جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق
۶۴۵	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم	۶۲۵	ملی ندیہ کے بدلے میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث
۶۴۵	مغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تحقیق		مسلمان قیدیوں سے جلولہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث
۶۴۶	اصرار سے گناہ کبیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ	۶۲۶	جنگی قیدیوں کو احساناً بلا معاوضہ آزاد کرنے کے متعلق احادیث
۶۴۹	اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور اس کی عطا کے خلاف تمنا کرنے سے ممانعت	۶۲۷	جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے متعلق فقہائے اسلام کی آراء
۶۵۱	الرجال قوامون علی النساء (۳۲-۳۳)	۶۲۸	کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قاتل اعتراف ہے
۶۵۲	قرآن مجید سے عورتوں کی حاکمیت کا عدم جواز	۶۲۹	مہر کے مل ہونے پر دلیل
۶۵۶	قوام کا معنی	۶۳۰	جواز حد پر علمائے شیعہ کے دلائل
۶۵۶	عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں احادیث	۶۳۰	علمائے شیعہ کے نزدیک حد کے فقہی احکام
۶۵۶	عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں فقہاء اسلام کی آراء	۶۳۱	علمائے شیعہ کے جواز حد پر دلائل کے جوابات
۶۵۷	ملکہ بلقیس کی حکومت سے استدلال کا جواب	۶۳۲	حرمت حد پر قرآن مجید سے دلائل
۶۵۸	جنگ جمل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب	۶۳۳	حرمت حد پر احادیث سے دلائل
۶۵۸	بیویوں کو مارنے کے متعلق احادیث	۶۳۴	احادیث شیعہ سے حرمت حد پر دلائل
۶۵۹	بیویوں کو مارنے کے متعلق فقہاء کا نظریہ	۶۳۶	بعض مفسرین کا تسلع
۶۵۹	اختلاف زن و شوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل	۶۳۷	لہل کتاب باندیوں سے نکاح میں فقہاء کے مذاہب
۶۶۰		۶۳۸	غیر سید کا فاطمی سیدہ سے نکاح

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۸	کلام کے علم کی بحث	۲۱۳	اگر شوہر بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟
۷۸	حدیث تیمم سے استنباط شدہ مسائل	۲۱۳	عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات
۷۸	جنس کے لیے جواز تیمم میں صحابہ کا اختلاف	۲۱۵	قضاء علی الغائب کے متعلق مذہب ائمہ
۷۸	تیمم کی تعریف، شرائط اور مذہب فقہاء	۲۱۶	قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث
۷۸	تیمم کے بعض مسائل	۲۱۷	رفع حرج، مصلحت اور ضرورت کی بنا پر ائمہ ثلاثہ
۷۸	یہود کی تحریف کا بیان	۲۱۷	کے مذہب پر فیصلہ اور فتوے کا جواز
۷۸	لعنت کی اقسام اور کسی شخص پر لعنت کرنے کی تحقیق	۲۱۸	جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آبلو کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم
۷۸	شرک کی تعریف	۲۱۹	اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کا بیان
۷۸	کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے	۲۲۰	میں باپ کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان
۷۸	اپنی پاکیزگی اور فضیلت بیان کرنے کی ممانعت	۲۲۰	پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان
۷۸	غرض صحیح کی بناء پر اپنی پاکیزگی اور اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز	۲۲۱	غلاموں اور خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان
۷۸	الم تر الى الذين لو نوانصيبا (۵۱-۵۲)	۲۲۱	اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے وعید
۷۸	جنت اور طاغوت کا معنی	۲۲۲	جبر سے کار اور ایمان میں تقلید کا کافی ہونا
۷۸	یہود کے بھل کی مذمت	۲۲۳	اللہ کے ظلم نہ کرنے کا معنی
۷۸	یہود کے حسد کی مذمت	۲۲۳	اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب پر بڑھانے کا معنی
۷۸	دوزخ میں جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدلنے پر تعذیب بلا معصیت کی بحث	۲۲۴	تمام نبیوں کے صدق پر رسول اللہ ﷺ کی شمولیت
۷۸	روح اور جسم دونوں پر عذاب کی دلیل	۲۲۴	قیامت کے دن کفار کے مختلف احوال
۷۸	تعذیب بلا معصیت کے اشکال کے صحیح جوابات	۲۲۵	یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة
۷۸	روح اور جسم دونوں کے مستحق عذاب ہونے کی ایک مثال	۲۲۵	(۳۳-۵۰)
۷۸	اخروی نعمتوں کے لیے نیک اعمال چاہئیں	۲۲۶	حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کا شان نزول
۷۸	ربط آیات اور شان نزول	۲۲۶	تیمم کی مشروعیت کا سبب
۷۸	امانت ادا کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات	۲۲۷	حضرت عائشہ کے گمشدہ ہار کے متعلق رسول اللہ
۷۸	امانت ادا کرنے کے متعلق احادیث	۲۲۷	
۷۸	اللہ کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار	۲۲۷	

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۱۹	درجوں میں مساوات کو مستلزم نہیں	۷۰۱	خلق خدا کے ساتھ معاملہ میں لائت داری کا دائرہ کار
۷۱۹	نبی، صدیق، شہید اور صلح کی تعریفات	۷۰۲	اپنے نفس کے ساتھ معاملہ میں لائت داری کا دائرہ کار
۷۲۰	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات اور فضائل	۷۰۳	فقہاء کے آداب اور قاضی کے ظلم اور عدل کے متعلق احادیث
۷۲۰	یا ایہا الذین امنوا اخذوا حذرکم (۷۱-۷۲)	۷۰۵	کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی حیثیت پر استدلال
۷۲۲	ربط آیات اور خلاصہ مضمون	۷۰۵	اولی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال اور مصنف کا مختار
۷۲۲	جملہ کی تیاری اور اس کی طرف رغبت کا بیان	۷۰۶	اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت مستقل ہے اور اولی الامر کی اطاعت تابع ہے
۷۲۳	اخروی اجر و ثواب کے لیے جملہ کرنا	۷۰۶	قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اقوال صحابہ پر مقدم ہیں
۷۲۳	مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جملہ کرنا	۷۰۸	ائمہ اور فقہاء کے اقوال پر احادیث کو مقدم رکھنا
۷۲۳	مسلمانوں اور کافروں کی باہمی جنگ میں ہر ایک کا ہدف اور نصب العین	۷۰۸	ان کی بے لوثی نہیں ہے
۷۲۳	قرآن مجید کی ترغیب جملہ کے نکات	۷۰۹	دلائل کی بناء پر اکابر سے اختلاف کرنا ان کی بے ادبی نہیں ہے
۷۲۳	ترغیب جملہ کے متعلق احادیث	۷۰۹	علماء اور مجتہدین حضرات معصوم نہیں دلائل کے ساتھ ان کے ساتھ اختلاف کرنا جائز ہے
۷۲۶	الم تر الی الذین قبیل لهم کفوا (۸۷-۸۸)	۷۱۱	الم تر الی الذین یزعمون (۷۰-۷۱)
۷۲۹	شان نزول اور ربط آیات	۷۱۱	حضور ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل کر دینا
۷۳۰	اچھائی اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور برائی ہمارے گناہوں کے نتیجہ میں	۷۱۳	نبی ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز
۷۳۱	منصب رسالت	۷۱۴	گنبد خضراء کی زیارت کے لیے سفر کا جواز
۷۳۲	قرآن مجید میں اختلاف نہ ہونے کا بیان	۷۱۴	رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والا مومن نہیں ہے
۷۳۲	شان نزول	۷۱۸	نبی ﷺ کی زیارت کے لیے صحابہ کا اضطراب
۷۳۲	قیاس اور تقلید کے حجت ہونے کا بیان	۷۱۹	اہل جنت کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ان کے
۷۳۲	شان نزول اور ربط آیات		
۷۳۳	نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہیں		
۷۳۳	شفاعت کا معنی اور اس کی اقسام		
۷۳۳	نیکی کے کاموں میں شفاعت کے متعلق احادیث		
۷۳۵	اسلام میں سلام کے مقرر کردہ طریقہ کی افضلیت		
۷۳۵	مصافحہ اور معافہ کی فضیلت اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث		
۷۳۶			

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۴۳۷	قتل خطا، قتل شبہ عمد اور قتل عمد میں دیت کی مقدار	۴۳۸	کن لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے
۴۵۶	دیت کی لواٹگی کی مدت اور جن لوگوں کے ذمہ	۴۳۹	جن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے
۴۵۷	دیت کی لواٹگی ہے	۴۳۹	اقتناع کذب کا بیان
۴۵۸	عورت کی نصف دیت کی تحقیق	۴۳۹	اقتناع کذب پر لام رازی کے دلائل
۴۵۹	قتل خطا کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی حکمت	۴۴۰	اقتناع کذب پر علامہ تفتازانی کے دلائل
۴۵۹	درماء مقتول میں دیت کو تقسیم کرنے کے احکام	۴۴۰	اقتناع کذب پر میر سید شریف کے دلائل
۴۵۹	دار الحرب میں کسی مسلمان کو خطا "قتل کرنے پر دیت لازم نہ کرنے کی حکمت	۴۴۱	شرح مواقف کے دلائل پر علامہ میر سید شریف کے اعتراضات
۴۵۹	ذی کفر کی دیت میں مذہب ائمہ	۴۴۱	علامہ میر سید شریف کے اعتراضات کے جوابات
۴۵۹	ذی کفر کی نصف دیت پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل اور اس کا غیر مستحکم ہونا	۴۴۲	اقتناع کذب پر علامہ میر سید شریف کی تصریحات
۴۶۰	ذی کفر اور مسلم کی دیت کے مساوی ہونے پر لام اعظم کے دلائل	۴۴۲	اقتناع کذب کے "تعلق دیگر علماء کی تصریحات اور دلائل
۴۶۱	قتل خطا کے کفارہ کا بیان	۴۴۳	اقتناع کذب کے متعلق علمائے دیوبند کا عقیدہ
۴۶۱	قتل عمد کی تعریف اور اس کے متعلق احادیث	۴۴۳	خلف و عید کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے کذب کو مستلزم نہیں ہے
۴۶۲	قتل عمد پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب کا بیان	۴۴۵	فما لکم فی المناقین فتین (۹۱-۸۸)
۴۶۳	مسلمان کے قاتل کی مغفرت نہ ہونے کی توجیہات	۴۴۸	کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت
۴۶۳	سلام کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث	۴۴۸	ہجرت کی تعریف اور اس کی اقسام
۴۶۵	احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے	۴۴۹	قیامت تک ہجرت کا مشروع ہونا
۴۶۵	بلا عذر جہاد میں شریک نہ ہونے والے مجاہدین کے برابر نہیں ہیں	۴۴۹	اصل ہجرت گناہوں کو ترک کرنا ہے
۴۶۶	عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والے مجاہدین کے برابر ہیں	۴۵۰	ہجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات
۴۶۷	غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر	۴۵۰	جن کافروں سے جنگ نہ کرنے کا معاملہ ہو اس کی پابندی کی جائے گی
۴۶۷		۴۵۲	وماکان لمؤمن (۹۱-۹۲)
		۴۵۳	قتل خطا کی آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال
		۴۵۵	قتل خطا کا معنی اور اس کی دیگر اقسام
		۴۵۶	دیت کا معنی

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۷۹	آپ ﷺ کی صحت کے خلاف نہیں ہے	۷۹	ان الذین توفہم الملائکۃ (۹۷-۱۰۰)
۷۹	طعمہ کے معاملہ میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دینے	۷۹	فرضیت ہجرت کی آیات کا شان نزول
۷۹	کی توجیہات	۷۹	ہجرت کا شرعی حکم
۷۹	ولولا فضل اللہ علیک (۱۱۳-۱۱۵)	۷۹	مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب
۷۹	ماکان وما یکون کا علم	۷۹	دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام
۷۹	ماکان وما یکون کے علم کے متعلق احادیث	۷۹	حصول نفع کے لیے ہجرت کی اقسام
۷۹	طعمہ بن ابیہق (چوری کرنے والے منافق) کا انجام	۷۹	واذا ضربتم فی الارض (۱۰۱-۱۰۳)
۷۹	من یشاقق الرسول الایہ کو منسوخ قرار دینا	۷۹	نماز خوف کا شان نزول
۷۹	صحیح نہیں ہے	۷۹	نماز خوف پڑھنے کا طریقہ
۷۹	اجماع کا حجت ہونا نبی ﷺ کا معصوم ہونا اور دیگر	۷۹	سفر شرعی میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا وجوب
۷۹	مسائل	۷۹	مسافت شرعی کی مقدار میں مذاہب ائمہ
۷۹	ان اللہ لا یغفر لانیشرک بہ (۱۱۶-۱۱۷)	۷۹	مسافت قصر کا اندازہ بحساب انگریزی میل و کلومیٹر
۸۰	مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا	۷۹	سندری سفر میں مسافت شرعیہ کا معیار
۸۰	شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی	۷۹	کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے
۸۰	جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی	۷۹	ہوئے اللہ کا ذکر کرنا
۸۰	موسیٰ یوں کے کان چیرنے کا معنی	۷۹	حالت جنگ میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء
۸۰	تغییر خلق اللہ کا معنی	۷۹	نمازوں کے اوقات
۸۰	شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ	۷۹	ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا کرنے کا عدم
۸۰	ہوں گے	۷۹	جواز
۸۰	شیطان کے کیے ہوئے وعدہ کے غور ہونے کا بیان	۷۹	قطبین میں نمازوں اور روزوں کا مسئلہ
۸۰	ہر گناہ پر سزا ہونے کے اشکال کا جواب	۷۹	مناسبت اور شان نزول
۸۰	گناہگاروں کے لیے نوید مغفرت	۷۹	انا انزلنا الیک الكتاب بالحق (۱۰۵-۱۰۷)
۸۰	دین اسلام کے برحق اور واجب القبول ہونے پر	۷۹	ربط آیات
۸۰	دلائل	۷۹	منافقوں کے چوری کرنے اور بے قصور پر اس کی
۸۰	خلیل کا معنی اور حضرت ابراہیم کے خلیل اللہ	۷۹	تمت لگانے کے متعلق مختلف روایات
۸۰	ہونے کی وجوہات	۷۹	نبی ﷺ کا کبھی دلیل ظاہر اور کبھی علم غیب کے
۸۰	حضرت ابراہیم کا خلیل اللہ ہونا اور آپ ﷺ کا	۷۹	مطابق فیصلہ کرنا
۸۰	حبیب اللہ ہونا	۷۹	اللہ تعالیٰ کا آپ کو منافقوں کی حمایت سے منع فرمانا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۳۰	مسلمانوں سے وعدہ ظہر کے باوجود ظہر کفار کی توجیہ	۸۸	حضرت ابراہیم اور سیدنا محمد علیہما السلام کے مقام
۸۳۰	کافروں کا مسلمانوں پر ظہر نہ ہونے سے فتنہ	۸۸	خلت کا فرق
۸۳۲	احناف اور شوافع کا استنباط مسائل	۸۴	اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل
۸۳۲	لن المنافقین یخادعون اللہ (۳۲-۳۳)	۸۴	ویستفتونک فی النساء (۳۳-۳۷)
۸۳۲	منافقوں کے دھوکے کا معنی ابن کے دھوکے کی سزا	۸۴	وراثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان
۸۳۲	اور شان نزول	۸۵	فتویٰ کا معنی اس کے تقاضے اور مسائل
۸۳۲	گروں باری اور سستی سے نماز پڑھنے کے متعلق	۸۷	جیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان
۸۳۲	احادیث	۸۷	عورتوں کا اپنے بعض حقوق کو ساقط کر کے مرد سے
۸۳۵	ربا کاری سے عبادت کرنے کے متعلق احادیث	۸۸	صلح کر لینا
۸۳۵	اللہ تعالیٰ کا ذکر کم کرنے کا معنی	۸۹	صلح کرنے کے لیے اپنے بعض حقوق کو چھوڑنا
۸۳۶	منافق کا جذبہ ہونا	۸۹	دلی محبت میں بیویوں میں درمیان عدل کرنا ممکن
۸۳۶	ہدایت کے دو معنی اور ابن کے محل	۸۹	نہیں
۸۳۶	کافروں کے تبلیغ بچوں پر عذاب نہیں ہوگا	۸۹	بیویوں کے عدل نہ کرنے والوں کی سزا
۸۳۷	درک کے معنی اور دوزخ کے طبقات	۸۹	بندوں کی اطاعت اور ان کے شکر سے اللہ کے غنی
۸۳۷	خفاق کی علامتوں پر اشکال کے جوابات	۸۹	ہونے کا بیان
۸۳۹	خفاق کے عذاب سے نجات کی چار شرطیں	۸۹	صرف دنیاوی اجر طلب کرنے کی مذمت اور دنیا و
۸۳۹	شکر کو ایمان پر مقدم کرنے کے اسرار	۸۹	آخرت میں اجر طلب کرنے کی مدح
۸۴۰	شاکر، عظیم میں ربط اور مناسبت	۸۹	بابہا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط
۸۴۱	لا یحب اللہ الجہر بالسوء (۱۵۲-۱۵۳)	۸۹	(۱۳۵-۱۳۶)
۸۴۱	کسی کی برائی، غیبت اور چغلی کی ممانعت کے متعلق	۸۹	ربط آیات
۸۴۲	احادیث	۸۹	اپنے خلاف گواہی دینے کا معنی
۸۴۳	مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کو بیان کرنے کا جواز	۸۹	عدل کو گواہی پر مقدم کرنے کی وجہ
۸۴۳	غیبت کرنے کی مباح صورتیں	۸۹	کسی فریق کی رعایت کی وجہ سے گواہی نہ دینے کی
۸۴۷	یسئلک اهل الكتاب (۱۵۳-۱۵۴)	۸۹	ممانعت
۸۵۰	نبی علیہ السلام کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد	۸۹	ایمان والوں کو ایمان لانے کے حکم کی توجیہ
۸۵۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود کی سرکشی	۸۹	کفر اور معصیت پر راضی ہونا بھی کفر اور معصیت
۸۵۰	اور عناد	۸۹	ہے
۸۵۱	شریعت تورات کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد	۸۹	منافقوں کا مسلمانوں اور کافروں کو فریب دینا

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۸۸۱	یکبارگی کتاب نازل نہ کرنے کے اعتراض کا ایک اور جواب	۸۵۱	چار وجوہ سے یہود کا کفر
۸۸۱	رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذہب	۸۵۲	یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت موسیٰ پر بہتان باندھا
۸۸۳	رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت	۸۵۳	یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا
۸۸۴	سیدنا محمد ﷺ کی دعوت پر دلیل	۸۵۳	یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا
۸۸۴	حضرت عیسیٰ کی شان میں افراط و تفریط سے ممانعت	۸۵۴	یہود کا کفر، حضرت عیسیٰ کے قتل کے متعلق شک میں مبتلا ہونا اور آپس میں اختلاف کرنا
۸۸۵	حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے کا معنی	۸۵۵	امام رازی کے اعتراض کا جواب
۸۸۵	حضرت عیسیٰ کے روح من اللہ ہونے کا معنی	۸۵۶	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا بیان
۸۸۶	تشلیث کا بطلان	۸۵۸	ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علما امت کے تبصرے
۸۸۶	۱۰ نیت مسیح کا بطلان	۸۶۱	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان
۸۸۷	لن یسنکف المسیح (۱۷۶-۱۷۲)	۸۶۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں
۸۸۹	شان نزول	۸۶۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق احادیث
۸۸۹	نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث	۸۷۳	انا و حینا الیک کما و حینا (۱۷۱-۱۷۳)
۸۹۰	سیدنا محمد ﷺ کا برہان اور قرآن مجید کا نور ہونا	۸۷۶	سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر یہود کے اعتراض کا جواب
۸۹۲	آخری سورت اور آخری آیت کی تحقیق	۸۷۷	قرآن مجید کو یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں
۸۹۲	کلامہ کالغوی معنی	۸۷۸	نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث
۸۹۳	کلامہ کاشری معنی	۸۷۹	علم نبوت پر ایک اعتراض کا جواب
۸۹۳	کلامہ کے متعلق حضرت جابر کی حدیث	۸۷۹	حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے میں یہود کا رد
۸۹۳	مناسبت	۸۸۰	ہمارے نبی ﷺ کا اللہ سے ہم کلام ہونا اور تمام معجزات کا بدرجہ اتم جامع ہونا
۸۹۳	کلامہ کی دراشت کے چار احوال		
۸۹۳	ایک اشکال کا جواب		
۸۹۳	سورۃ النساء کے اول اور آخر میں مناسبت		
۸۹۳	اختتامی کلمات اور دعا		
۸۹۷	مآخذ مراجع		

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبياناً لكل شيء عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذي استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذي بلغ اليانما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدي بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيح الصالحين والمذنبين واختص بتنصيب المغفرة له في كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين - اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله - اعوذ بالله من شرور نفسي ومن سيئات اعمالي من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له اللهم ارني الحق حقاً وارزقني اتباعه اللهم ارني الباطل باطلا وارزقني اجتنابه اللهم اجعلني في تبيان القرآن على صراط مستقيم وثبتني فيه على منهج قويم واعصمني عن الخطأ والزلل في تحريره واحفظني من شر الحاسدين وزيف المعاندين في تقرير اللهم الق في قلبي اسرار القرآن واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علماً رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطاناً نصيراً - اللهم اجعله خالص الوجهك ومقبولاً عندك وعند رسولك واجعله شائعاً ومستفيضاً ومفيضاً ومرغوباً في اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبي صلى الله عليه وسلم في الدنيا وشفاعته في الآخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبي فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ و سلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے لوصاف سرہا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثل لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثل لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل، ان کے کال اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات اہل بیت المؤمنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بد اعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا لقاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے، مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے ”تبیان القرآن“ کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر، اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا، اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے، اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بازگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور، مقبول، محبوب اور اثر آفریں بنا دے، اس کو میری مغفرت کا ذریعہ، میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر، مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما، اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العالمین!

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ

(۳)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة آل عمران

یہ سورت ترتیب مصحف کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے سورہ انفال کے بعد ہے یہ سورت مدنی ہے اور اس میں بالاتفاق دو سو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔
سورہ آل عمران کے اسماء

اس سورت کا نام آل عمران ہے کیونکہ اس سورت میں آل عمران کو فضیلت دینے کا ذکر ہے آل عمران میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں حضرت مریم اور ان کی والدہ حضرت عمران کی زوجہ بھی ان میں شامل ہیں۔ آل عمران کے متعلق سب سے زیادہ آیات اس سورت میں نازل ہوئی ہیں جن کی تعداد اسی سے زیادہ ہے اس سورت کی جس آیت میں آل عمران کا لفظ ہے وہ یہ آیت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَاٰلَ عِمرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران : ۳۳)
بیشک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

نبی ﷺ نے سورہ آل عمران کا نام سورہ زہراء بھی رکھا ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین کو پڑھا کرو یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو کیونکہ وہ قیامت کے روز بادلوں کی طرح آئیں گی یا پرندوں کی جماعتوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کریں گی۔ سورہ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے، جاودہ کرنے والے اس کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

زہراء کا معنی ہے صاف اور روشن، چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں جو نور اور ہدایت ہے اس کی وجہ سے آپ نے ان دونوں کو زہراء فرمایا ہے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کو جو شبہات تھے اور ان کے متعلق غلط عقائد تھے اس سورت سے ان کا ازالہ ہو جاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا برگزیدہ بندہ اور معزز نبی ہونا واضح ہو جاتا ہے، تو چونکہ یہ سورت آل عمران کے مقام اور ان کی عظمت کو منکشف کرتی ہے اس لئے آپ نے اس کو زہراء فرمایا۔

اس سورت کا نام سورہ الکثر بھی ہے۔ کثر کا معنی ہے خزانہ۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ آل عمران فقیر کا کیا خوب کثر (خزانہ) ہے۔ وہ اس کو رات

کے آخری حصہ میں پڑھتا ہے (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۵، مطبوعہ نثرانیہ لبنان) اس سورت کو کنز اس لیے فرمایا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے اور نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا اس سے متعلق اسی سے زیادہ آیات ہیں۔

اس کا نام سورہ طیبہ بھی ہے، حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :
لام سعید بن منصور نے ابو عطف سے روایت کیا ہے کہ تورات میں آل عمران کا نام طیبہ ہے۔

(در مشورہ ج ۲ ص ۲، مطبوعہ ایران)

نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں مسین کے تمام لوصاف کو جمع کر کے ذکر فرمایا ہے :

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَنِتَّةِينَ وَالْمُنْفِقِينَ
مبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ کی اطاعت کرنے والے، (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے، اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سورہ آل عمران کی سورہ بقرہ کے ساتھ وجہ اتصال، ارتباط اور مناسبت

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران دونوں کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے اور دونوں میں ایک نوع کے حرف لائے گئے ہیں۔ یعنی الم (الف لام میم) اور دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی صفت بیان کی گئی ہے سورہ بقرہ میں قرآن مجید کی ہدایت پر ایمان لانے والوں یا ایمان نہ لانے والوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں اور سورہ آل عمران میں ان کج فکر مخالفین کا ذکر کیا ہے جو فتنہ پھیلانے کی غرض سے آیات مشابہات کے خود ساختہ معنی بیان کرتے ہیں اور ان علماء راغبین کا ذکر فرمایا ہے جو آیات محکمہ اور آیات مشابہہ دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور برحق ہیں۔

سورہ بقرہ میں تخلیق آدم کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور سورہ آل عمران میں تخلیق عیسیٰ (علیہما السلام) کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں کے ذکر میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں کی تخلیق عام اور معروف طریقہ کے خلاف ہوئی ہے۔ حضرت آدم کو مل اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا گیا اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

ان دونوں سورتوں میں اہل کتب یہود و نصاریٰ کے ساتھ مباحثہ کا ذکر ہے ان کے شبہات زائل کئے گئے ہیں اور ان کے خلاف اسلام کے حجت ہونے پر دلائل پیش کئے گئے ہیں لیکن سورہ بقرہ میں یہود کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے کیونکہ وضع اور ترتیب میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران پر مقدم ہے اور تخلیق اور ایجاد میں یہود نصاریٰ پر مقدم ہیں۔

دونوں سورتوں کے آخر میں دعاؤں کا ذکر ہے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم ہے سورہ بقرہ کے آخر میں ایسی دعاؤں کا ذکر ہے جن کا تعلق دین اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے مشکل احکام کا بوجھ نہ ڈالنے، خطا اور نسیان پر مواخذہ نہ کرنے، آسانی اور سہولت مہیا کرنے، دین پر ثابت قدم رہنے، آخرت میں مغفرت اور اجر و ثواب عطا کرنے اور اعداء اسلام کے خلاف مدد کرنے کی دعائیں ہیں اور سورہ آل عمران کے آخر میں گناہوں کی مغفرت نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ اور رسولوں کی وساطت سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کی دعا ہے۔

سورہ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا تھا : متقی لوگ ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (البقرہ : ۵-۴) اور سورہ آل عمران کے آخے میں فرمایا ہے : اور اللہ سے ڈرتے رہو (تقویٰ پر قائم رہو) تاکہ تم فلاح پاؤ (آل عمران : ۲۰۰) اس طرح سورہ بقرہ کی ابتداء اور سورہ آل عمران کی انتہاء میں یکسانیت ہے۔

سورہ آل عمران کے مضامین کا خلاصہ

سورہ بقرہ میں جس طرح اصول اور فروع، عقائد اور احکام کو بیان کیا گیا تھا اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی عقائد اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو بیان کیا گیا ہے اور عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے اور تثلیث کے معتقد تھے ان کے شبہات کو زائل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی صداقت کو بیان فرمایا ہے اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں اہل کتاب کے جو شکوک اور شبہات تھے ان کا ازالہ کیا گیا ہے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا گیا ہے۔ تقریباً ”نصف سورت عیسائیت کے رد پر مشتمل ہے اور تنائی سورت میں یہود کے قبح اور جرائم بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے منافقتات کا ذکر کیا گیا ہے۔ احکام شرعیہ میں فرضیت حج اور جہاد کو بیان فرمایا ہے۔ سود کی تحریم کو بیان کیا ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے اور منافقین پر زجر و توبخ کی ہے۔ عقائد اور احکام شرعیہ کی مناسبت سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرنے اور آسمانوں اور زمینوں میں جو اسرار اور عجائبات ہیں ان میں تفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ جہاد پر صبر و استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہنے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی تلقین کی ہے چنانچہ فرمایا ہے : اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (آل عمران : ۲۰۰)

سورہ آل عمران کی ابتدائی دس آیتیں قرآن مجید اور اس کے ماننے والوں کے احکام سے متعلق ہیں آیت : ۱۱ سے لے کر آیت : ۳۲ تک کا تعلق جنگ بدر کے ساتھ ہے اور اس کا زمانہ نزول ۲ھ ہے آیت : ۳۳ سے آیت : ۷۱ تک اڑتیس آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کے پاس آیا ان آیتوں میں عقیدہ تثلیث کو باطل کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام نبوت اور آپ کی وجاہت و کرامت کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے جو اللہ کی توحید کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی وجاہت اور اولیاء عظام کی کرامت میں کمی آتی ہے اور وہ نبیوں اور ولیوں کی شان کم کرنے کو ہی اللہ کی تعظیم اور کبریائی گردانتے ہیں۔ آیت : ۷۲ سے آیت : ۱۰۹ تک کا زمانہ نزول بھی ۲ھ ہے ۷۲ سے ۸۰ تک آٹھ آیتوں میں یہود کا رد کیا گیا ہے آیت : ۸۳ تک حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کے میثاق لینے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۹۲ تک یہ بیان فرمایا ہے اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور اخروی عذاب کو بیان فرمایا ہے۔ آیت ۹۳ سے آیت ۹۹ تک پھر یہود کا رد فرمایا ہے آیت ۱۰۰ سے آیت ۱۲۰ تک مسلمانوں سے خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اسلام کی ڈوری سے منسلک کر دیا اور وہ دوزخ کے آخری کنارے پر پہنچ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نجات دی۔ ان کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور ان

کو خیر امت قرار دیا، اور ان کو بار بار یہ تاکید کی ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور اپنے راز کی باتوں سے انہیں مطلع نہ کریں اور ان ہی آیتوں کے ضمن میں موقع اور محل کی مناسبت سے جگہ جگہ یہود کا رد بھی فرمایا ہے آیت ۳۱ سے ۱۲۷ تک جنگ بدر سے متعلق ہیں آیت ۱۲۸ میں نبی ﷺ کو کفار کے خلاف دماء ضرر کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ آیت ۱۲۹ بھی اسی کا تہمت ہے آیت ۱۳۰ سے آیت ۱۳۸ تک پھر مسلمانوں سے خطاب ہے ان پر سودی کاروبار کو حرام فرمایا ہے اور صدقہ و خیرات لرنے کا حکم دیا ہے اور کتلہ کے بعد فوراً توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ آیت ۱۳۹ سے لے کر آیت ۲۰۰ تک کا تعلق جنگ احد کے ساتھ ہے ان آیات میں مسلمانوں کو اس لغزش پر تنبیہ کی ہے جس کی وجہ سے ان کو جنگ احد میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور اس ہزیمت کے نتیجہ میں مسلمان جو افسردہ اور بد دل ہو گئے تھے ان کی ہمت بندھائی ہے اور ان کو حوصلہ فراہم کیا ہے۔

جنگ بدر کے متعلق زیادہ تفصیل سورہ الانفال میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک کافر عمرو بن الحضرمی قتل ہو گیا تھا نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن حبش رضی اللہ عنہ سے نہایت برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے وہ کلام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم مہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرمی کے قتل نے تمام اہل مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا اسی اثناء میں ابو سفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا اور ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ یہ خبر وہیں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ابو سفیان نے وہیں سے مکہ خبر بھیج دی قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مدافعت کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آگیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدسیہ شہید ہوئے ہیں جن میں سے چھ مجاہد اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر لوٹ گئی اور صنادید قریش میں سے جو لوگ بہلوری اور مردانگی میں نام آور تھے سب ایک ایک کر کے مارے گئے ان میں شیبہ، عقبہ، ابو جہل، ابوالہجرتی، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف وغیرہم تھے۔ ستر کافر قتل کئے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اسیران جنگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت رحم دلانہ سلوک کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے، نبی ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام امور پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورہ الانفال کی تفسیر میں آئے گی۔

معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے تمام مخالفین اسلام چونک پڑے۔ وہ اسلام کی دعوت اور تحریک کو اتنا قوی اور موثر خیال نہیں کرتے تھے اس لئے وہ سب اسلام کی اس تحریک کو اپنے لئے خطرہ خیال کرنے لگے۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے اطراف مدینہ کے یہودیوں سے جو معاہدے کئے تھے ان لوگوں نے ان کا مطلقاً لحاظ نہیں کیا اور جنگ بدر کے موقع پر ان اہل کتاب کی تمام ہمدردیاں کفار اور مشرکین کے ساتھ تھیں۔ جب ان لوگوں کی عمدہ ٹکنیاں حد سے تجلوز کر گئیں تو نبی ﷺ نے بنو قینقاع پر حملہ کیا اور ان کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ یہ یہودیوں کا سب سے زیادہ شریر قبیلہ تھا لیکن اس اقدام سے دوسرے یہودی قبائل کی آتش عناد اور بھڑک اٹھی اور انہوں نے مدینہ کے منافقوں اور حجاز کے

مشرک قبیلوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں اور ہمدرد کی شکست کے بعد قریش مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی یہودیوں نے اس پر مزید تیل چھڑکا اس کے نتیجے میں معرکہ بدر کے ایک سال بعد مکہ سے تین ہزار مشرکوں کا زبردست لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا اور احد پہاڑ کے دامن میں وہ جنگ برپا ہوئی جو غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے۔ مدینہ کی مدافعت کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ایک ہزار نفوس نکلے تھے مگر راستہ سے تین سو منافق اچانک پلٹ گئے اور آپ کے ساتھ جو سات سو نفوس رہ گئے تھے ان میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی تعداد شامل تھی جس نے دوران جنگ مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کرنے کی سعی بسیار کی، جنگ احد میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس میں منافقوں کی فتنہ انگیزیوں کے علاوہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ قرآن مجید کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور اصلاح کا طریقہ کار بتلایا ہے۔ نبی ﷺ نے احد پہاڑ کے ایک درہ پر حضرت عبداللہ بن جبریلؓ کی قیادت میں پچاس کے قریب تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرما دیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ فتح ہو یا شکست وہ لوگ اس جگہ سے نہ ہٹیں، مسلمانوں کے زبردست حملوں کی وجہ سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بدحواسی میں پیچھے ہٹے اور مطلع جنگ صاف ہو گیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کر دی یہ سہل دیکھ کر جو تیر انداز پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی اس درہ کی حفاظت چھوڑ کر مل غنیمت کی طرف لپکے حضرت عبداللہ بن جبریلؓ نے ان کو بہت روکا لیکن وہ نہ رکے خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حملہ آوروں میں تھے جب انہوں نے تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھی تو عقب سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبریلؓ چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہو گئے، مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے اچانک مڑ کر دیکھا تو ان پر تلواریں برس رہی تھیں بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے اس خبر سے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، قریش نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا اور ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ہند نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور نبی ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا، اس سورت میں جنگ احد کا مفصل حل بیان کیا گیا ہے، تاہم لائق غور چیز یہ ہے کہ پچاس کے قریب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی حکم عدولی کی تو اللہ نے مسلمانوں کو یہ سزا دی کہ ان کی جیتی ہوئی جنگ کو بار میں بدل دیا، اور یہ حکم عدولی صرف ایک بات میں تھی تو سوچئے کہ جب لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان دن رات سینکڑوں باتوں میں نبی ﷺ کی علی الاعلان حکم عدولی کریں گے تو وہ کس طرح کفار پر غالب آسکتے ہیں۔ آج دنیا کے تمام مسلمان ملکوں میں مسلم اقوام ذلت اور پستی کی زندگی گزار رہی ہیں مسلمانوں کے بیشتر علاقے کافروں کے قبضہ میں ہیں بنو اسرائیل جن کو اللہ تعالیٰ نے مغضوب اور لعنتی قرار دیا ہے جن پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگادی ہے آج اس لعنتی مغضوب اور ذلیل قوم کے ہاتھوں مسلمان مسلسل خوار ہو رہے ہیں، اسرائیل نے مسلمانوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے اور مسلمان عدوی برتری اور دولت کے تفوق کے باوجود اپنے مقبوضہ علاقوں کو اس سے نہیں چھڑا سکے۔ آج امریکہ تمام دنیا کی واحد سپر پاور ہے اور تمام مسلم ممالک اس کے اشارہ امرو کے مطابق اپنے کار سلطنت چلانے پر مجبور ہیں کافر غالب ہے اور مسلمان مغلوب ہیں، احد کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے نبی ﷺ کے احکام سے روگردانی کی ان سے غلبہ جاتا رہا اور وہ محرومی ہزیمت اور شکست سے دوچار ہو گئے اور کفار ان پر غالب آ گئے آج اگر ہم کفر کے غلبہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور اپنے

مقبوضہ علاقے کافروں سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور کافروں کی اجارہ داری اور بلا دستی ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اجتماعی طور پر روٹھے ہوئے خدا کو منانا ہو گا اور ہم نے اپنی انفرادی اور اجتماعی اور نجی اور قومی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی جو خلاف ورزیاں اپنا معمول اور دستور بنائی ہوئی ہیں ان کو یکسر ترک کرنا ہو گا اور اپنی معیشت، معاشرت، ثقافت، سیاست اور حکومت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی احکام اور اقدار کو جاری کرنا ہو گا اور ایمان محکم کے تقاضوں سے اپنی نجی اور قومی زندگی کو آراستہ کرنا ہو گا پھر کفر کی محکومی اور غلامی کی زنجیریں خود بخود کٹ جائیں گی مسلمانوں کو ایک بار پھر عروج ہو گا اور تمام دنیا کی امامت اور قیادت مسلمانوں کے ہی ہاتھوں میں ہو گی۔ پھر صرف مسلمان ہی دنیا کی واحد سپر پاور ہوں گے۔ غزوہ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کے بعد شکست خوردہ اور حوصلہ ہارے ہوئے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ال عمران : ۱۳۹)

سستی نہ کرو اور غمزدہ نہ ہو تم ہی سب سے سر بلند اور سب پر غالب رہو گے بشرطیکہ کہ تم کامل مومن ہو۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدِينَةُ وَهْيَ مِائَتَا آيَةٍ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورة آل عمران مدنی ہے ، اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدِينَةُ وَهْيَ مِائَتَا آيَةٍ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورة آل عمران مدنی ہے اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت تم فرمانے والا بہت مہربان ہے آیتیں ۲۰۰ رکوع ۲۰

الْحَمْدُ لِلَّهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَلَ عَلَيْكَ

الف لام میم ۰ اللہ ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے ، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے ۰

الْكِتَابِ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَ

اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات

الْإِنْجِيلَ ۝ ۳ مَنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ ۝

اور انجیل کو نازل کیا ۰ اس (کتاب) سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا ،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ

بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ

عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ ۴ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ

غالب انتقام والا ہے ۰ بیشک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ ۵ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ

اور نہ آسمان میں ۰ وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا

يَشَاءُ ۝ ۶ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۰

سورہ بقرہ کی آخری اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں مناسبت

سورہ بقرہ کی آخری آیت یہ تھی : "تو ہمارا مولیٰ (مالک اور مددگار) ہے سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما"۔ اس

دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران پیش کر دی جس میں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل فرمائیں۔ جن کی وجہ سے نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل فرمایا۔ اس طرح اس دعا کی استجابت ظاہر ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ھ میں نجران سے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان کا سردار عاقب عبد المسیح تھا اور ان کا عالم ابو حارثہ بن ملقمہ تھا انہوں نے کئی روز مدینہ میں قیام کیا اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مناظرہ کرتے رہے۔ وہ کبھی کہتے کہ حضرت عیسیٰ اللہ ہیں کبھی کہتے وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کبھی کہتے کہ وہ تین میں کے تیسرے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ ان کو یہ بتاتے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں اور یہ صفات حضرت عیسیٰ میں نہیں ہیں۔ وہ یہ تسلیم کرتے اور عنلا "انکار کرتے۔ آخر انہوں نے کہا کیا آپ حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور اس کی (پسندیدہ) روح نہیں مانتے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں اسی سے زیادہ آیات ان کے رد میں نازل فرمائیں اور عیسائیوں کی بد عقیدگیوں کا رد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو وہ بیٹے اور بیوی کا اعتقاد رکھتے ہیں اس کا قوی دلائل سے رد فرمایا اور حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیل سے ذکر فرمایا اور جب ان تمام دلائل کے بلوجود عیسائی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن وہ آپ سے مباہلہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

دوسری مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں فرمایا تھا : ”رسول پر ان کے رب کی طرف سے جو کلام نازل کیا گیا وہ اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی ایمان لائے“ اس لئے آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات، رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کی صفات اور آپ کے علاوہ دیگر رسولوں پر نازل ہونے والی کتابوں کی صفات بیان کی گئیں۔

سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول اور نصاریٰ نجران کے ساتھ آپ کے مناظرہ کا بیان جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نجران کے عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق بحث کرنے لگے اور کہنے لگے بتائیے حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے، انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی، انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کرنے والا ہے اس کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس کو رزق دینے والا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ان میں کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے علم دیئے بغیر عیسیٰ علیہ السلام کو کسی چیز کا علم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت بنائی کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ ہمارا رب نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے نہ اس کو

حدث (وضو ٹوٹا) لاحق ہوتا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ میں اس طرح رہے جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے۔ پھر ان کو وضع حمل ہوا جس طرح عورتوں کو وضع حمل ہوتا ہے جب حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ان کو غذا دی گئی جس طرح بچہ کو غذا دی جاتی ہے۔ پھر وہ کھانا کھاتے تھے پانی پیتے تھے اور ان کو حدث (وضو ٹوٹا) لاحق ہوتا تھا انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر جس شخص کی یہ صفات ہوں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ (آپ پہلے فرما چکے تھے کہ ہر بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور آپ نے جو بعد میں تقریر کی اس سے واضح ہو گیا کہ ممکن واجب کے، حادث قدم کے اور محتاج مستغنی کے مشابہ نہیں ہو سکتا) آپ کی اس تقریر سے وہ جان گئے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے لیکن انہوں نے عناداً انکار کیا تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں الف لام میم ○ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۰۹-۱۰۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : الف لام میم۔ (آل عمران : ۱)

الف لام میم حروف مقطعات ہیں بعض علماء نے کہا سورت کی ابتداء میں ان حروف کو تنبیہ کے لئے لایا گیا ہے جیسے ”الہم“ یا ”یا کو مخاطب کی تنبیہ کے لئے لایا جاتا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے ان حروف کی اور تاویلات کی ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک راز ہیں اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ان کا علم ہے یا جن عرفاء کاملین کو نبی ﷺ کی بارگاہ سے ان حروف کا علم عطا ہوا۔ اس کی پوری تحقیق اور مفصل بحث ہم سورہ بقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے (آل عمران : ۲)

سورہ بقرہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا معنی ہے مستحق عبادت ”حی“ کا معنی ہے صاحب حیات، اور حیات کا معنی ہے ایسی صفت جو احساس، حرکت بالا راہ اور علم کے ساتھ انصاف کو مستلزم ہو اور ”قیوم“ کا معنی ہے ہر چیز کو قائم کرنے والا، اس کے وجود اور بقاء کی حفاظت کرنے والا اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والا۔

موجودہ انجیل کی شہادت سے حضرت مسیح کا خدا یا خدا کا بیٹا نہ ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا وہ تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے لہذا سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ موجودہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بھوک لگتی تھی ان کو سولی دی گئی اور وہ درو سے چلائے۔ اور ظاہر ہے جس کا یہ حال ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

متی کی انجیل میں ہے :

اور مسیح کو پھر شر جارا ہوا سے بھوک لگی۔ متی باب : ۲۱ آیت : ۱۸

اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کے اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ متی باب : ۲۷ آیت : ۳۹-۴۰

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا کہ ایلہ۔ ایلہ لما شقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ متی باب : ۲۷ آیت : ۴۶

یسوع نے پھر بڑی آواز کے ساتھ چلا کر جان دے دی۔ متی باب : ۲۷ آیت : ۵۰
ان اقتباسات کو پڑھ کر کوئی صاحب عقل یہ باور نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے تھے البتہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

قرآن مجید کا کتاب حق ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ○ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب منتقم ہے۔ (آل عمران ۳-۴)

جمہور مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور تنزیل کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج نازل کرنا۔ اور قرآن مجید آپ پر ضرورت اور مصلحت کے اعتبار سے ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے حق کا معنی ہے صدق، قرآن کریم کی دی ہوئی ماضی کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں سب صلوٰۃ ہیں اور قرآن مجید کے وعد اور وعید بھی صادق ہیں۔ اس لئے قرآن مجید حق ہے، حق کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز اس وقت اس مقدار اور اس کیفیت میں آئی ہو کہ جس وقت، مقدار اور جس کیفیت میں اس کو ہونا چاہئے، اس لحاظ سے قرآن کریم کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ احکام صحیح وقت میں نازل ہوئے، صحیح مقدار (مثلاً کتنے فرائض ہوں) اور صحیح کیفیت (مثلاً کون سی چیز فرض کی جائے اور کون سی حرام) کے ساتھ نازل ہوئے، اس لئے قرآن مجید کی خبریں اور وعدے اور وعیدات بھی حق ہیں کیونکہ وہ صادق ہیں اور قرآن مجید کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ صحیح وقت، صحیح مقدار اور صحیح کیفیت کے ساتھ نازل ہوئے ہیں اس آیت میں تورات اور انجیل کا ذکر ہے پہلے ہم تورات کی تحقیق کریں گے اس کے بعد انجیل کا بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة - یلیق۔

تورات کا معنی، مصداق اور لفظی تحقیق

بعض علماء نے کہا ہے کہ تورات کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے، توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ تورات میں زیادہ تر مثالیں ہیں اس لئے اس کو توریہ کہا گیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں تورات کا معنی شریعت ہے۔ یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔

تورات موجودہ بائبل (کتاب مقدس) کا ایک حصہ ہے، کتاب مقدس کے دو اہم حصے ہیں۔ (۱) پرانا عہد نامہ (۲) نیا عہد نامہ۔ پرانا عہد نامہ نئے عہد نامے سے نسبتاً زیادہ ضخیم ہے، کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے لیکن یہودیوں کی مذہبی کتاب صرف پرانا عہد نامہ ہے۔

پرانے عہد نامہ کے مشمولات

پرانے عہد نامہ یہودیوں کے مختلف مقدس صحیفوں کا مجموعہ ہے علماء یہود نے عہد نامہ قدیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا

ہے۔ (۱) تورات (۲) صحائف انبیاء (۳) صحائف مقدسہ۔ تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس میں بنی نوع بشر کی پیدائش سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ تک اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک بحث کی گئی ہے بنی اسرائیل کے لئے جو معاشرتی قوانین اور عبادات کے طریقے وضع کئے گئے تھے وہ سب اس میں مندرج ہیں۔ اصل تورات حسب ذیل پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے۔

اصل تورات کے مشمولات

(۱) تگورین : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ آل یعقوب کی اہمیت نمایاں ہو اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام پیدائش ہے۔

(۲) خروج : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت اور کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیئے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

(۳) لاوین : اس میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقہ کا ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام احبار ہے۔

(۴) اعداد : اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے اردن اور ماوراء اردن کا علاقہ فتح کیا نیز اس میں تدریجی احکام اور قوانین کا بھی ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام گنتی ہے۔

(۵) تثنیہ : اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے اور قوانین کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے یہ صحیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔ یہ پانچ صحائف اصل تورات ہیں اس کے علاوہ عمد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میں آنے والے انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفوں کو بھی شامل کیا گیا ہے مثلاً "یوشع" قضاۃ ممویل اور ملوک وغیرہ زبور بھی ان صحائف میں شامل ہے بعض صحائف بعض صحائف کا جزو ہیں یہ کل ۳۴ صحیفے ہیں عمد نامہ قدیم (اردو) میں تورات کے پانچ صحائف کے بعد یہ ۳۴ صحائف شامل ہیں شروع میں ان ۳۹ صحائف کی فہرست ہے یہ تمام صحائف عبرانی زبان میں تھے البتہ دانیال اور عزرا آرمی زبان میں تھے۔

موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ

پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عمد نامہ قدیم لفظاً "لغظاً" وحی منزل من اللہ ہے اور جو کچھ بھی بین الدفتین (اس جلد میں) ہے۔ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اور یکن متونی ۲۵۴ پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عمد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں ایک اور عیسائی عالم پو فری متونی ۳۰۴ء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صحیفہ دانیال بائبل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر میں آیا اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متونی ۱۱۶۷ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں ایک فاضل جرمن عالم رانماروس متونی ۱۷۷۷ء نے ایک ضخیم تصنیف شائع کی جس میں اس نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا اسی طرح اور بہت سے محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ تورات حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد تالیف کی گئی ہے اور موجودہ تورات مع بقیہ صحائف وحی الہی نہیں ہیں۔

حوادث روزگار کے ہاتھوں تورات کا تلف ہو جانا

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی ۷۰۵ قبل مسیح سے ۳۳۵ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ ۷۰۰ ق م میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ ۵۸۶ ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کر دیا۔ اس تباہی میں تورات خاکستر ہو گئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلا وطن کر دیا گیا۔ ۵۳۸ ق م سے لے کر ۳۳۲ ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ ۳۳۲ ق م سے لے کر ۳۲۳ ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا اور ۶۳ ق م سے لے کر ۳۹۵ء تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے۔

تورات کی نشاۃ ثانیہ

اس بات کا کوئی محقق تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے عام خیال یہ ہے کہ عزرائی (حضرت عزیر) نے ان کو دوبارہ مرتب کیا ایک مروجہ روایت کے مطابق حضرت عزرا نے ۹۳ صحائف ۴۰ روز میں پانچ کاتبوں کو لکھوائے جن میں سے ۳۴ صحائف اب عمد نامہ قدیم میں شامل ہیں اور باقی ۶۰ صحائف غیر مستند قرار دیئے گئے (انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا)۔ عمد قدیم کا قدیم ترین نسخہ ۹۱۶ء کا تحریر شدہ ہے دوسری صدی عیسوی سے پہلے جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں عبارت میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اتنا تو خود علماء یہود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں ۱۸ مقلات ایسے ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمد "تبدیلیاں کیں" یہ تمام صحائف ایک مولف کے مرتب کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں رفتہ رفتہ اضافے ہوتے رہے اور وہ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔

یہود اصل تورات کو گم کر چکے تھے اور موجودہ تورات بعد میں مرتب کی گئی ہے اس کی شہادت پرانے عمد نامے میں بھی موجود ہے، کیونکہ پرانے عمد نامے میں لکھا ہے کہ جب یوسیاہ بادشاہ کے اٹھارویں برس میں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ مرمت ہوئی تو تورات اچانک مل گئی۔

اور سردار کاہن خلیقاء نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور خلیقاء نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اس کو پڑھا ○ اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خداموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں ○ اور سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ خلیقاء کاہن نے ایک کتاب میرے حوالہ کی ہے اور سافن نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا ○ جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے ○ اور بادشاہ نے خلیقاء کاہن اور سافن کے لئے انی قام اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو جو بادشاہ کا ملازم تھا یہ حکم دیا کہ ○ یہ کتاب جو ملی ہے اس کی باتوں کے بارے میں تم جا کر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو کیونکہ خداوند کا بڑا غضب اس سبب سے ہم پر بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اس میں ہمارے بارے میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرتے۔

(عمد نامہ قدیم : ص ۳۸۸ - مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

(۲- سلاطین - باب : ۲۲ آیت : ۱۸ - ۳)

موجودہ تورات کے موضوع اور محرف ہونے کے ثبوت میں داخلی شہادتیں

موجودہ تورات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق بہت ہی نازیبا اور توہین آمیز عبارات لکھی ہیں جس کتاب کے متعلق الہامی بلکہ کلام اللہ اور رشد و ہدایت کا ذریعہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو وہ کتاب یقیناً "ایسی نہیں ہو سکتی!" حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے :

اور نوح کاشنکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہو گیا۔ (پیدائش : باب : ۹ : آیت : ۲۱-۲۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۱ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے :

اور لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے ○ تب پہلو ٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ○ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلو ٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلو ٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں ○ (پیدائش باب : ۱۹ : آیت : ۳۶-۳۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا ○ ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے ○ اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچہڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ○ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کر دیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی ○ اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرائیں ○ پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے ○ (خروج : باب : ۳۲ : آیت : ۶-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۸۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی ۱۱ ج ۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور شام کے وقت داؤد اپنے بلیک پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹھلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہار ہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی ○ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حامل دریافت

کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العالم کی بیٹی بنت سبغ نہیں جو حتی لوریہ کی بیوی ہے؟ ○ لور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی نلپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی ○ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں ○ لور داؤد نے یو آب کو کہلا بھیجا کہ حتی لوریہ کو میرے پاس بھیج دے سو یو آب نے حتی لوریہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا ○

(۲- سمویل باب : ۱۱ آیت : ۷-۲) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

چند آیات کے بعد مذکور ہے :

صبح کو داؤد نے یو آب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے لوریہ کے ہاتھ بھیجا ○ لور اس نے خط میں یہ لکھا کہ لوریہ کو گھسٹان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جل جہنم ہو ○ لوریوں ہوا کہ جب یو آب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے لوریہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں ○ لور اس شہر کے لوگ نکلے اور یو آب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی لوریہ بھی مر گیا ○

(۲- سمویل باب : ۱۱ آیت : ۱۸-۱۵) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

جب لوریہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر لوریہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی ○ اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا ○

(۲- سمویل باب : ۱۱ آیت : ۲۷-۲۶) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی، عمونی، ادومی، صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا ○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی ○ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ○ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا ○ کیونکہ جب سلیمان بڑھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا ○ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا ○ اور سلیمان نے خدا کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔

(۱- سلاطین باب : ۱۱ آیت : ۷-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۳۳۰ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا۔ جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر ○ اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند

نے دیا تھا اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کاموں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا اس لئے میں سلطنت کو ضرور تجھ سے چھین کر تیرے خدام کو دوں گا ○

(۱- سلاطین- باب : ۱۱ آیت : ۷-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۳۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

تورات سے جو اقتباسات ہم نے پیش کئے ہیں ان میں اس بات کی قوی شہادت ہے کہ موجودہ تورات مکمل وحی الہی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی حد تک تحریف کردی گئی ہے یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ تورات تمام تر انسانی تالیف ہے کیونکہ اس میں اللہ کا کلام بھی موجود ہے اور ان ہی آیات کی قرآن مجید نے تصدیق کی ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔ سرورست ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تورات کے متعلق قرآن مجید کے کیا ارشادات ہیں :

اصل تورات کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات چند صحائف کا مجموعہ ہے :

آمَلَمْ يَنْبَأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى - کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں

(النجم : ۲۱) میں ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں اصول اور معتقدات بھی بیان کئے گئے تھے اور تمام فروعی مسائل اور احکام شرعیہ کے لئے بھی ہدایت دی گئی تھی اور وہ بنو اسرائیل کے لئے مکمل دستور حیات تھا۔

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ (بنو اسرائیل : ۲) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْأَنْوَاعِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَ تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (الاعراف : ۱۳۵) اور ہم نے ان کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر شے سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

قرآن مجید نے تورات کو ضیاء، نصیحت، فرقان، ہدایت اور نور فرمایا :

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ (الانبیاء : ۴۸) اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والے کتاب دی جو متقین کے لئے روشنی اور نصیحت ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (القصص : ۲۳) اور بیشک ہم نے پہلے زمانہ کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی درآں حایکہ اس میں لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کے انبیاء بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ اِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ

بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ

نور ہے اس کے مطابق انبیاء فیصلہ کرتے رہے جو ہمارے تابع فرمان تھے (ان لوگوں کا فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور اسی

کتاب اللہ (المائدہ : ۴۴)

کے مطابق اللہ والے اور علماء فعلہ کرتے رہے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

یہ بھی قرآن مجید کا امتیاز ہے ورنہ کسی اور مذہبی کتاب نے کسی دوسری مذہبی کتاب کی اس قدر تعریف اور ستائش نہیں کی۔

موجودہ تورات کے محرف ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ یہودی خود کتاب کو تصنیف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے :

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ

سوان لوگوں کے لئے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ تھوڑی قیمت حاصل کر لیں، سوان کے لئے اس سبب سے عذاب ہے کہ انہوں نے کتاب تصنیف کی اور ان کے لئے اس کے

(البقرہ : ۷۹) معاوضہ میں کمائی حاصل کرنے کے سبب سے عذاب ہے۔

بعض اوقات یہود آیات کو بدل دیتے تھے اور بعض اوقات آیات کو چھپا دیتے تھے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكُنُمُ الْحَقَّ وَانْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۸۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

بعض اوقات یہود تورات کا مطلب سمجھنے کے باوجود اس کی عبارت تبدیل کرتے تھے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يَحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (البقرہ : ۷۵)

بے شک ان (یہود) میں سے ایک گروہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تحریف کر دیتے تھے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ (المائدہ : ۸۳)

وہ کلام میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے ہیں اور جس حصہ کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کو بھول گئے، اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (المائدہ : ۸۱)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ (حم السجدة : ۳۵)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔

موجودہ تورات کی تصدیق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَأَمِنُوا بِمَا آنَزَلْتُ، مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ

(البقرہ : ۸۱) اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے نازل کیا ہے درآں حالیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے

پاس ہے۔

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرہ : ۹۷)
اس (جبریل) نے اللہ کے حکم سے (قرآن کو) آپ کے
دل پر نازل کیا درآں حایکہ وہ اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق
کرنے والا ہے۔

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ
(المائدہ : ۴۸)
اور ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے
درآں حایکہ یہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے
سامنے ہے اور اس کی محافظ اور نمکبان ہے۔

إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَفُصُّ عَلٰی بَنِي إِسْرَآئِيلَ
أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (النمل : ۷۶)
پیشک یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان
کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔
موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصل تورات تلف ہو چکی تھی حضرت عزیر نے لوگوں سے سن کر تورات کی آیات کو جمع
کیا تھا بعد میں ان صحائف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کے حالات زندگی اور ان کی
سیرت کے واقعات کو بھی لکھا گیا جن پانچ صحائف کے مجموعہ کو تورات کہا جاتا ہے یعنی پیدائش، خروج، احبار، گنتی اور
استثناء۔ ان میں سے پیدائش میں تو انبیاء سابقین کے حالات درج ہیں اور دوسرے چار صحیفوں میں حضرت موسیٰ اور ان کے
بعد کے انبیاء علیہم السلام کے حالات درج ہیں اور ان ہی صحائف میں تورات کی آیات بھی ہیں ان میں سے بعض آیات
بالکل اصل حالت میں موجود ہیں قرآن مجید نے جو فرمایا ہے کہ وہ تورات کا مصدق ہے اس کا تعلق ان ہی آیات سے ہے
ہم نے تورات کا مطالعہ کر کے بعض ان آیات کو تلاش کیا ہے جو قرآن کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور ہم اب ان آیات
کو بیان کر رہے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ قرآن مجید کی تصدیق کا تعلق کن کن آیات سے ہے نیز یہ بات ذہن میں رکھنی
چاہئے کہ قرآن مجید نے تورات کو محرف اور موضوع بھی فرمایا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی ہے اس کا واضح مفہوم یہ ہے
کہ کل موجودہ تورات کو قرآن مجید محرف اور موضوع نہیں فرماتا اور نہ کل کی تصدیق کرتا ہے ہم نے تورات کی بعض
محرف عبارات کی مثالیں پیش کی تھیں اور اب بعض اصل آیات کی مثالیں پیش کر رہے ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ محرف
آیات اور اصل آیات کی یہ بعض مثالیں ہیں کل نہیں ہیں۔

سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (استثناء باب : ۵ : آیت : ۳) (عہد نامہ قدیم : ص ۱۷۲)
اس کی تصدیق اس آیت میں ہے :

وَاللّٰهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ
الرَّحِيْمُ (البقرہ : ۲۱۳)
اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا
مستحق نہیں وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔
(استثناء باب ۱۰ آیت ۱۵) (عہد نامہ قدیم : ص ۱۷۶)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔
(البقرہ : ۲۸۳) سب اللہ ہی کا ہے۔
جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ

تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاث اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو اس لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ (احبار باب : ۲۶ آیت : ۱) (عہد نامہ قدیم : ۲۰)

وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ
اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

(الناریات : ۵۱)

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا۔
اور مشرکوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنائے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے۔ (الفرقان : ۳)

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے موجودہ تورات میں بھی یہ بشارتیں موجود ہیں :

خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی بپا کرے گا۔ تم اس کی سننا ○ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مرنے جاؤں ○ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ○ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی بپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا ○

(استثناء باب : ۱۸ آیت : ۱۸-۱۵) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۳)

وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتش شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ (استثناء باب : ۳۳ آیت : ۲) (عہد نامہ قدیم : ۲۰۱)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
(الاعراف : ۱۵۷)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آگیا اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے وہ تمہاری بھلائی چاہنے میں بہت حریص ہے اور مومنوں پر حمایت مشفق اور بہت مہربان ہے۔ (التوبہ : ۱۲۸)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ
(النجم : ۳-۳) اس پر وحی کی جاتی ہے۔

خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں سے چن لیا ہے تاکہ اس کی خاص امت ٹھہرے۔

(استثناء باب : ۷ آیت : ۶) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۳)

يُنْزِلُ اسْرَآئِيْلَ اَذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ
عَلَيْكُمْ وَاَنْتِي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ۔

(البقرہ : ۴۷) فضیلت دی۔

خداوند تم کو اپنے زوردار ہاتھ سے نکل لایا اور غلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو مخلص

(استثناء باب : ۷ : آیت : ۸) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۳)

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

وَاذْنَجَيْنَكُمْ مِنَ الْفِرْعَوْنَ (البقرہ : ۴۹)

اور اس نے مصر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حل کیا اور کیسے اس نے بحر قلزم کے پانی میں ان کو
فرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے ان کو کیسا ہلاک کیا کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں۔

(استثناء باب : ۱۱ : آیت : ۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۷)

اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر دیا سو تم کو

وَاذْفَرَفْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنَكُمْ وَاَعْرَفْنَا

نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا درآں حالیکہ تم دیکھ

الْفِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ (البقرہ : ۵۰)

رہے تھے۔

اور میں نے تمہارے گناہ کو یعنی اس چمڑے کو جو تم نے بنایا تھا لے کر آگ میں جلایا پھر اسے کوٹ کوٹ کر ایسا پیسا

کہ وہ گرد کی مانند باریک ہو گیا اور اس کی اس راکھ کو اس ندی میں جو پہاڑ سے نکل کر نیچے بہتی تھی ڈال دیا۔

(استثناء باب : ۹ : آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۵)

(موسیٰ نے سامری سے کہا) اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی

وَاَنْظُرْ اِلَى الْاِلْهٰكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا

پوجا میں تو ہم کر بیٹھا رہا، ہم اس کو ضرور جلا ڈالیں گے پھر اس کی

لَنَحْرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا (طہ : ۹۷)

راکھ) کو دریا میں بہا دیں گے۔

اور اس نے ان سے کہا خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی راہ سے تلوار لٹکا کر پھانک پھانک گھوم

کر سارے لشکر گاہ میں اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو۔ اور بنی لاوی

نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔

(خروج باب : ۳۲ : آیت : ۲۸-۲۷) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۵)

اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت

وَاذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

بے شک تم نے چمڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے

اَنْفُسَكُمْ بِاَتْخَادِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا اِلَى بَارِئِكُمْ

خالق کی طرف توبہ کرو، تو اپنی جانوں کو قتل کرو، تمہارے خالق

فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ فَاِلَيْكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ

کے نزدیک یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، سو اس نے تمہاری توبہ

فَتَابَ عَلَيْكُمْ (البقرہ : ۹۳)

قبول فرمایا۔

اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسے خداوند تیرے خدا نے حکم دیا ہے۔

(استثناء باب : ۲۷ : آیت : ۲۸) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۷)

لغت اس پر جو اپنے باپ یا مل کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین۔ (استثناء باب : ۲۷ : آیت : ۱۵) (معدنہ قدیم : ۳۳)

اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور مل باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بوجھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (تک) نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے بھگے رہنا اور کہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتُهُ وَيَالِ الَّذِينَ إِحْسَانًا رَامَا يَبْلُغْنَ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أِفْ وَلَا تَنْهَزْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا (بنو اسرائیل : ۲۲-۲۳)

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے ۝ تو اپنے بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے ۝ تیرے باپ کی بیوی کی بیٹی جو تیرے باپ سے پیدا ہوتی ہے تیری بہن ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری چچی ہے ۝ تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے ۝ تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں یہ بڑی خباثت ہے ۝ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سو کن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔

(احبار باب : ۱۸ : آیت : ۱۸-۱۷) (معدنہ قدیم : ۳۳-۳۴)

جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرو مگر جو مگر چکا ہے بے شک ایسا کام بے حیائی موجب غضب اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم محبت کر چکے ہو سو اگر تم نے ان سے محبت نہیں کی ہے

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ النَّبِيِّ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ النَّبِيِّ فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ النَّبِيِّ دَخَلْتُمْ بِهِنَ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ

الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا. (النساء : ۲۲-۲۳)

تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) تمہارے صلیبی بیٹیوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے، بے شک

اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے نپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لئے نہ جانا۔

(احبار، باب : ۱۸، آیت : ۱۹) (عہدنامہ قدیم : ۱۱۲)

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوا هُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ (البقرہ : ۲۲۲)

عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

جو جانور آپ ہی مرجائے تم اسے مت کھانا۔

(استثناء، باب : ۱۳، آیت : ۲۱) (عہدنامہ قدیم : ۱۸۰)

فقط اتنی احتیاط ضرور رکھنا کہ تو خون کو نہ کھانا کیونکہ خون ہی تو جان ہے سو تو گوشت کے ساتھ جان کو ہرگز نہ کھانا۔

(استثناء، باب : ۱۳، آیت : ۲۳) (عہدنامہ قدیم : ۱۷۹)

اور سور کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں پر وہ جگلی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے نپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا۔

(احبار، باب : ۱۱، آیت : ۸-۷) (عہدنامہ قدیم : ۱۰۳)

اور مردار یا درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور کو کھانے سے وہ اپنے آپ کو نجس نہ کر لے۔

(احبار، باب : ۲۲، آیت : ۸) (عہدنامہ قدیم : ۱۱۵)

حُزِرَ مَتَّ عَلَيْنِكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ لِيغْيِرَ اللَّهُ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ : ۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور (رگوں سے بہایا ہوا) خون اور خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت زبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا اور گر کر مرا ہوا اور سینگ مارنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے اللہ کے نام پر زبح کر لیا ہو۔

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، دانت کا بدلہ دانت، ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (استثناء، باب : ۱۹، آیت : ۲۱) (عہدنامہ قدیم : ۱۸۵)

اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنائے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے ○ یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کر دیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کر دیا جائے۔

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فَيَسْأَلُ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصًا (المائدہ : ۳۵)

اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔

تو کسی گھٹائی چیز کو مت کھانا ○ جن چوپایوں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری ○ اور ہرن اور

چکار اور چھوٹا ہرن اور بڑا کوئی اور سارے اور نیل گائے اور جنگلی بھیڑ۔ (استثناء باب : ۳۲ آیت : ۵-۳) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)
پاک پرندوں میں سے تم جسے چاہو کھا سکتے ہو ○ لیکن ان میں سے تم کسی کو نہ کھانا یعنی مطلب اور استخوان خوار
اور بحری عقاب ○ اور چیل اور باز اور گدھ اور ان کی اقسام ○ ہر قسم کا کول۔

(استثناء باب : ۳۲ آیت : ۳-۱۱) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

(الاعراف : ۱۵۷) وہ اسی نبی ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں

تو اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا ایلج کا یا کسی ایسی چیز کا سود جو بیابج پر دی جلیا کرتی ہے۔

(استثناء باب : ۲۳ آیت : ۱۱-۱۲) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۸)

وَاحْلَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ : ۲۷۵)

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔
جب تو خداوند اپنے خدا کی خاطر منت مانے تو اس کو پورا کرنے میں دیر نہ کرنا اس لئے کہ خداوند تیرا خدا ضرور اس کو
تجھ سے طلب کرے گا تب تو گنہ گار ٹھہرے گا ○ لیکن اگر تو منت نہ مانے تو تیرا کوئی گنہ نہیں۔

(استثناء باب : ۲۳ آیت : ۲۲-۲۳) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۸)

وَلْيُوفُوا نُصُورَهُمُ (الحجج : ۲۹)

اور (اللہ کے لئے ملنی ہوئی) اپنی نذرین پوری کریں۔
تو اپنے قبیلہ کی سب بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے قاضی اور حاکم مقرر کرنا جو صداقت سے لوگوں کی
عدالت کریں ○ تو انصاف کا خون نہ کرنا تو نہ تو کسی کی رور رعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانیشنہ کی آنکھوں کو
اندھا کر دیتی ہے اور صادق کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔ (استثناء باب : ۲۱ آیت : ۱۸-۱۹) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۲)

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء : ۵۸)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ
فصلہ کرو۔
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
وَتُدْخِلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِيَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) جان بوجھ کر کھاؤ
اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو ○ تو میں تمہارے لئے بروقت مینہ برسائوں گا
اور زمین سے اناج پیدا ہو گا اور میدان کے درخت پھلیں گے ○ یہاں تک کہ انگور جمع کرنے کے وقت تک تم دلاوتے رہو
گے اور جوتے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھلیا کرو گے اور چین سے اپنے ملک میں بے رہو
گے ○ اور میں ملک میں امن بخشوں گا اور تم سوؤ گے اور تم کو کوئی نہیں ڈرائے گا۔

(احبار باب : ۲۱ آیت : ۶-۳) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْلَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

آرْجُلِهِمْ (المائدہ : ۶۱)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور ان (احکام) کو قائم رکھتے جو ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے نازل کئے گئے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا ○ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھانک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے با جگہ دار بن کر تیری خدمت کریں ○ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا ○ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا ○ لیکن عورتوں اور بچوں اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا ○ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں ○ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا ○ بلکہ تو ان کو یعنی حتیٰ اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا ○ تاکہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لئے کئے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔

(استثناء، باب : ۲۰، آیت : ۱۸-۱۰) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۶-۱۸۵)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں ○ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی، باب : ۵، آیت : ۱۸-۱۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو غور سے پڑھنا چاہئے اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں :

سُوْ مُشْرِكِيْنَ كُوْ جِهْلٍ يَّأُوْ قَتْلٍ كَرْدُوْ اُوْر اَنْهِيْ يَكْلُوْ اُوْر اَنْ كَا
مَحَاصِرْ كَرُوْ اُوْر اَنْ كِيْ تَاكٍ مِيْ هَرْ گَهَاتِ كِيْ جَگْهَ بِيْثُوْ پَسِ اَكْرُوْهَ تَوْبَه
كْرِئِيْ اُوْر نَمَاز قَائِمْ كْرِئِيْ اُوْر زَكَاةُ دِيْ اَنْ كَارَا سَتَه چھوڑ دو۔
فَاَقْتُلُوْا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصِرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ
فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا الزَّكَاةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ (التوبه : ۵)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو پھر خواہ ان پر احسان کر کے انہیں (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو حتیٰ کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (حکم) یہی ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰى اِذَا اَخْنَعْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَتَاْقَ فَاِمَّا مِّنَّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءٌ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْرَارَهَا ذٰلِكَ (محمد : ۴)

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام قرار نہیں دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے ان

قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتَابَ حَتّٰى

يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (التوبه : ۲۹) سے قتل کو حتی کہ وہ مطلع ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اسلام کے نظریہ جہاد کی زیادہ وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے، اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر آپ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو، اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو، جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا، اور جنگ سے رک جانا، پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو، اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو ان کو وہ سولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں، اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہو گا ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے لیکن ان کو مل غنیمت اور مل فی سے جہاد کے بغیر کوئی حصہ نہیں ملے گا، اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو، اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو، اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے اللہ اور اس کے رسول کو (کسی عہد پر) ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ۷۵-۷۴ھ)

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ۷۵-۷۴ھ)

اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ تورات میں جس طرح کفار سے جزیہ لینے ورنہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہے اسلام میں بھی یہی حکم ہے اور قرآن مجید اسی کا مصدق ہے باقی تفصیلات میں کچھ فرق ہے اسلام نے جہاد کو زیادہ بہتر اور معتدل انداز میں پیش کیا ہے اس ضمنی وضاحت کے بعد ہم پھر اصل موضوع کی طرف آرہے ہیں :

اگر تیری بستیوں میں کہیں آپس کے خون یا آپس کے دعویٰ یا آپس کی مارپیٹ کی بابت کوئی جھگڑے کی بات اٹھے اور اس کا فیصلہ کرنا تیرے لئے نہایت ہی مشکل ہو تو تو اٹھ کر اس جگہ جسے خداوند تیرا خدا اپنے گا جانا اور لاوی کاہنوں اور ان دنوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر ان سے دریافت کرنا اور وہ تجھ کو فیصلہ کی بات بتائیں گے۔

(استثناء باب ۱۷، آیت : ۸-۹) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۳)

اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

(النحل : ۴۳)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے ○ تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھانک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔

(استثناء باب : ۲۲، آیت : ۲۳-۲۴) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۷)

اس آیت کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوكُمْ وَأَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ (المائدہ : ۴۳)

وہ کیسے آپ کو منصف بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔

سو یہ موجودہ تورات کی وہ آیات ہیں جن کا قرآن مجید مصدق ہے قرآن مجید کل موجودہ تورات کا مصدق نہیں ہے اور نہ کل موجودہ تورات کو محرف قرار دیتا ہے اور ہم نے موجودہ تورات سے دونوں قسم کی مثالیں پیش کر دی ہیں۔

انجیل کا لفظی معنی 'مصدق اور لفظی تحقیق

انجیل عبرانی زبان کا لفظ ہے عربی کے کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ نجل سے مشتق ہے نجل زمین سے پھوٹنے والے پانی کو کہتے ہیں اور چشمہ کے فراخ کرنے کو بھی کہتے ہیں انجیل بھی احکام الہی کا سرچشمہ ہے اور اس میں تورات کے مشکل احکام کو آسان کیا گیا ہے اس لئے اس میں نجل کی مناسبت پائی جاتی ہے، زحشری نے کہا ہے کہ تورات اور انجیل دونوں عجمی زبان کے لفظ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری تسلا اور مذہبا عیسائی تھے اور ان کی مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی، یونانی زبان میں انجیل کے معنی بشارت ہیں انجیل کو بشارت اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی بشارت دی۔ قرآن مجید میں ہے :

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِي إِسْرَءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (الصف : ۶)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے بنی اسرائیل بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں در آں حالیکہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

انجیل کی تاریخی حیثیت اور اس کے مشمولات

ہرچند کہ اصل انجیل اب من وعن باقی نہیں ہے اور موجودہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تالیف کی گئی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں جو خطبات اور کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے، آپ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کئی عرصہ کے بعد آپ کے مختلف حواریوں اور شاگردوں نے آپ کی سیرت کو مرتب کیا اور اس سیرت میں اس وحی ربانی کو بھی درج کر دیا جو حقیقت میں انجیل ہے، پھر اس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیرات ہوتے رہے اور کئی بیشی اور تحریف ہوتی رہی، عبرانی زبان سے اس کو سو سے زیادہ زبانوں میں منتقل کیا گیا، اس وقت دنیا میں چار انجیلیں موجود ہیں۔ متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل یہ انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور رسولوں کے اعمال ہیں یعنی حواریوں کے اور پولس، پطرس، یوحنا اور یعقوب کے مکاتب ہیں یعنی خطوط، اور یوحنا کا مکاشفہ ہے، اور جو مجموعہ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے اس کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں، اس کو کتاب مقدس اور بائبل بھی کہتے ہیں، بائبل لاطینی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی مجموعہ کتب ہے، اور یہ لفظ الہامی نوشتوں کے مجموعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیتھولک بائبل کے نوشتوں کی تعداد پرونٹنٹ بائبل کی تعداد سے زیادہ ہے ہم نے جو تفصیل درج کی ہے وہ پرونٹنٹ بائبل کے مطابق ہے۔

انجیل کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ
الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ

(المائدہ : ۴۶)

ہم نے ان کے پیچھے ان کے قدموں کے نشان پر عیسیٰ بن
مریم کو بھیجا اور آں حایکہ وہ تورات کی تصدیق کرنے والے
جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں
ہدایت اور نور ہے اور تورات کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس
کے سامنے ہے اور (اصل انجیل) ہدایت اور نصیحت ہے متقین
کے لئے۔

وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْإِنْجِيلِ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

(المائدہ : ۴۷)

اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے
اس میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے
مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ
إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ
أَرْجُلِهِمْ (المائدہ : ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو (احکام) ان کے لئے
ان کے رب کی طرف نازل ہوئے کو قائم رکھتے تو وہ ضرور اپنے
لوہر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ
تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ
رَبِّكُمْ (المائدہ : ۶۸)

آپ کہئے اے لکھ کتاب! تمہارا دیندار ہونا اس وقت تک
غیر معتبر ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور
ان احکام کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف
سے نازل کئے گئے ہیں۔

موجودہ انجیل کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔

(متی : باب : ۱۵ : آیت : ۲۳) (نیا عہد نامہ ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ (ال عمران : ۴۹) (مسح عیسیٰ بن مریم) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔
اور ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں، اندھوں، گونگوں، ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور
ان کو اس کے پاس پاؤں میں ڈال دیا اور اس نے انہیں اچھا کر دیا۔

(متی : باب : ۱۵ : آیت : ۳۰) (نیا عہد نامہ : ۱۹)

اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آکر منت کی اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس سے کہا اگر تو چاہے تو مجھے پاک
صاف کر سکتا ہے ○ اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایا اور اسے چھو کر اس سے کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا
اور فی الفور اس کا کوڑھ جاتا رہا اور وہ پاک صاف ہو گیا۔ (مرقس : باب : ۱ : آیت : ۴۰) (نیا عہد نامہ : ۳۵)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ عبادت خانہ کے سردار کے ہاں سے لوگوں نے آکر کہا تیری بیٹی مر گئی ○ (الی قولہ) وہ اس پر
بننے لگے لیکن وہ سب کو نکل کر جہاں لڑکی پڑی تھی اندر گیا ○ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا تیلتا قوی۔ جس کا ترجمہ

ہے اے لڑکی میں تجھ سے کتا ہوں اٹھ ○ وہ لڑکی فی الغور اٹھ کر چلنے پھرنے لگی کیونکہ وہ بارہ برس کی تھی اس پر لوگ بہت ہی حیران ہوئے۔

(مفسر 'باب : ۵' آیت : ۳۲-۳۵) (نیا عہد نامہ : ۳۹)

وَأَكْبَرْتُنِي الْآكُمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُخِي الْمَوْتَى
(ال عمران : ۳۹) اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔

(متی 'باب : ۵' آیت : ۱۸-۱۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ
(ال عمران : ۵۰) ہے۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بودیا ○ تو وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔ (متی 'باب : ۳۳' آیت : ۳۱-۳۲) (نیا عہد نامہ ص ۱۷)

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً
فَارَزَّهُ فَاَسْتَغْلَظَ فَاَسْتَوَى عَلَى سُوْقِهِ يُعْجَبُ
الزَّرَّاعُ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ (الفتح : ۲۹)
انجیل میں ان کی مثل ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی تو اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی جو کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ کافروں کا دل جلائے۔

مانگو تو تم کو دیا جائے گا ڈھونڈو تو پاؤ گے دروازہ کھٹکناؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔

(متی 'باب : ۷' آیت : ۷) (نیا عہد نامہ : ۱۰)

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ
(المومن : ۶۰) قبول کروں گا۔

اپنے واسطے زمین پر مل جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔

(متی 'باب : ۶' آیت : ۱۹) (نیا عہد نامہ : ۹)

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ○ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ
اخْلَدَهُ ○ كَلَّا لَيُعْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ
(الهمزة : ۲-۳)

جس نے مل جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مل (دنیا میں) اسے ہمیشہ (زندہ) رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ چوراہا چور کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔

بلکہ اپنے لئے آسمان پر مل جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔

(متی 'باب : ۶' آیت : ۲۰) (نیا عہد نامہ ص ۹)

الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَ

مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے حضور ثواب کے لئے بہتر ہیں اور امید

کے لئے بہت اچھی۔

خَيْرَ اَمَلًا (الکھف : ۴۶)

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں ○ لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا ○ میں تمہیں اطمینان دیتے جاتا ہوں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں جس طرح دنیا دیتی ہے میں تمہیں اس طرح نہیں دیتا۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے ○ تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے ○ اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو ○ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سرور آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔

(یوحنا : باب : ۱۴ آیت : ۳۰-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹۹)

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوزًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

احکام اسلام بہ مقابلہ تعلیمات انجیل

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا ○ بس اگر تیری وہی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکل کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے ○ اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔

(متی : باب : ۵ آیت : ۳۰-۲۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کے کسی عضو کو کاٹنے کا مجاز نہیں ہے اگر اس کے کسی عضو سے گناہ ہو جائے تو وہ صدق دل سے توبہ کر لے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے معاف فرمادے گا۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے وہ اس سے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔

(متی : باب : ۵ آیت : ۳۱-۳۲) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر بیوی کو بد چلنی کے علاوہ کسی اور سبب سے طلاق دی تو پھر بھی جائز ہے اور عدت کے بعد کوئی شخص اس سے نکاح کر لے تو یہ جائز ہے جائز نکاح کرنے کے بعد اس کے شوہر کا فعل زنا نہیں ہے۔

تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گل پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے ○ اور اگر کوئی تجھ پر نالاش کرے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے ○ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگاں میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادتی کرے تو اس سے اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے لیکن اسے معاف کر دینا زیادہ

بہتر ہے اور برائی کے جواب میں نیکی کرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے، لیکن کسی زیادتی اور برائی کرنے والے کو مزید زیادتی اور برائی کرنے کا موقع دینا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے ساتھ بدخواہی کرنے کے مترادف ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ
برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کرے اور
نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری : ۴۰)
وَلَمْ يَنْصَبِرْ وَعَقْرًا إِنَّ ذَٰلِكَ لِمِنْ الْأُمُورِ
اور جو صبر کرے اور معاف کرے تو یقیناً یہ ضرور ہمت
(الشوری : ۴۳) کے کاموں میں سے ہے۔

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پیئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟ ○ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاتتے نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ ○ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ ○ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں۔ (متی : باب ۶ : آیت ۲۸-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹)
اسلام میں کھانے پینے اور پہننے کی فکر کرنا اور اس کے لئے حلال ذرائع سے کسب معاش کرنا پسندیدہ فعل ہے بہ شرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ عبادت کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی اطاعت کرتا رہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي
سوجب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور
الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعه : ۱۰)
(کاروبار میں) اللہ کا فضل تلاش کرو۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے کاش کہ اس کی طاقت اللہ کے راستے میں خرچ ہوتی! اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستے میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے گا وہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

جب شام ہوئی تو وہ ان بارہ کے ساتھ آیا ○ اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا ○ وہ د لگیر ہونے لگے اور ایک ایک کر کے اس سے کہنے لگے کیا میں ہوں؟ ○ اس نے ان سے کہا وہ بارہ میں سے ایک ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے ○ کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے! اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا ○

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہود جو ان بارہ میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار
کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی ○ اور اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں

بوسہ لوں وہی ہے اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا ○ وہ آ کر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا اے بلیا اور اس کے بوسے لے ○ انہوں نے اس پر ہاتھ ڈال کر اسے پکڑ لیا ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر سردار کاہن کے نوکر پر چلائی اور اس کا کلاں اڑا دیا ○ یسوع نے ان سے کہا کیا تم تلواres اور لائیں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ ○ میں ہر روز تمہارے پاس بیگل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا لیکن یہ اس لئے ہوا ہے کہ نوشتے پورے ہوں ○ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ○ مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر لوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہولیا اسے لوگوں نے پکڑا ○ مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔ (مرقس: باب ۱۳: آیت ۵۲-۵۳) (نیا عہد نامہ: ۳۹)

انجیل کے اس بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک نے حضرت عیسیٰ کو پکڑ لیا اور جب مخالفین پکڑنے آئے تو تمام حواری حضرت عیسیٰ کو چھوڑ کر بھاگ گئے اس کے برعکس جب کفار قریش نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے گھر کا ننگی تلواروں کے ساتھ محاصرہ کیا تو حضرت علی آپ کی جگہ آپ کے بستر پر لیٹ گئے غار ثور میں حضرت ابو بکر نے سانپ کے بل پر اپنی ایڑی رکھ دی سانپ نے متواتر ڈنک مارے مگر حضرت ابو بکر نے اپنی ایڑی نہ ہٹائی مبلوا آپ کو کوئی گزند پہنچے، صحیح مسلم میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر خزع کے سردار حضرت سعد بن عبلوہ ؓ نے اٹھ کر کہا خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مقداد نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑیں ہم تو آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے اور پیچھے سے لڑیں گے، امام بیہقی نے روایت کیا ہے جب اہل مکہ حضرت زید بن ذنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے جانے لگے تو ابو سفیان نے کہا اے ابو زید! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور تمہارے بجائے ان کی گردن ماری جاتی؟ حضرت زید نے کہا خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اپنے اہل میں عافیت سے ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے پیر میں کٹنا چھ جائے۔

اور تیسرے پیر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا ایلہ۔ ایلہ لما شقتی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی: باب ۲۷: آیت ۴۶) (نیا عہد نامہ: ۳۳)

انجیل کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے چھوڑ دیا اور سیدنا محمد ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ
آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے

(الضحیٰ: ۳) بیزار ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق کتاب مقدس میں لکھا ہے:

کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ ہاں میں نے اپنے گھر کے اندر ان کی شرارت دیکھی خداوند فرماتا ہے ○ اس لئے ان کی راہ ان کے حق میں ایسی ہوگی جیسے تاریکی میں پھسلنی جگہ وہ اس میں رگیدے جائیں گے اور وہاں گریں گے کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں ان پر بلا لاؤں گا یعنی ان کی سزا کا سال ○ اور میں نے سامریہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے انہوں نے بعل کے نام سے نبوت کی میری قوم اسرائیل کو گمراہ کیا ○ میں نے یروشلم کے نبیوں میں ایک ہولناک بات دیکھی وہ زنا کار جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں یہاں تک کہ کوئی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔

(یرمیاہ: باب ۲۳: آیت ۱۱-۱۳) (عدنانہ قدیم: ۷۲۶)

قرآن مجید حضرت اسحق، حضرت یعقوب، حضرت نوح، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے:

كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ (الانعام: ۸۵)

یہ سب ہدایت یافتہ اور صالح ہیں اور حضرت اسماعیل، حضرت ایسح، حضرت یونس اور حضرت لوط کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ (الانعام: ۸۶)

اور ہم نے ان سب کو ان کے زمانہ میں تمام جہان والوں

پر فضیلت دی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمانوں میں وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران: ۶-۵)

علم محیط اور قدرت کاملہ پر الوہیت کی بناء کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا نہ ہونا

اللہ تعالیٰ تمام کلیات اور جزئیات اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آسمان اور زمین کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان میں سب سے بڑی چیز آسمان اور زمین ہے سو یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو فرمایا ہے وہ ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے تو یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور کمال علم اور کمال قدرت پر ہی الوہیت کا مدار ہے کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنا اس کو قائم رکھنا ان کی ضروریات اور ان کی بہتری کی چیزوں کو فراہم کرنا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنا اور اس کے مطابق ان کو جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور وہی انجام دے سکتا ہے جس کا علم ہر شے پر محیط ہو اور اس کو ہر چیز پر قدرت ہو۔

اس آیت میں عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے تھے اور ان کا شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے یہ ان کا کمال علم ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے یہ کمال قدرت ہے اور علم اور قدرت کے کمال پر ہی مدار الوہیت ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کو زائل فرمایا ہے کہ اللہ (خدا) وہ ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو دو چار غیب کی باتیں جان لینے سے کوئی شخص خدا نہیں ہوتا جب کہ وہ دو چار باتیں بھی خدا کی بتائی ہوئی ہوں۔ اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام چیزوں کو جاننے والے نہیں تھے۔ اسی طرح دو چار چیزیں بنا دینے سے کوئی خدا نہیں ہوتا جب کہ ان کا بنانا بھی خدا کی دی ہوئی قدرت سے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مختلف مراحل طے کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ان کی صورت بنائی اور جس طرح چاہا ان کی صورت بنائی اس عمل میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے علم اور قدرت کے بیان کے بعد فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں پہلے دلیل بیان کی پھر دعویٰ کا ذکر فرمایا پھر فرمایا وہ عزیز اور حکیم ہے حکمت کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا یہ اس کے علم محیط کا تقاضا ہے اور عزیز کا معنی ہے غالب اور یہ اس کی قدرت کا تقاضا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ

وہی (اللہ) ہے، جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے (اس کتاب کی) بعض آیات واضح ہیں جو اس کتاب

أَمْ الْكِتَابَ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ

کی اصل بنیاد ہیں، اور اس کی بعض آیات متشابہ ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کمی ہے

فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ

وہ فتنہ جوئی کے لیے اور متشابہ کا محل نکالنے کے لیے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں،

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ

حالانکہ متشابہ کے محل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر

أَمْتَابِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ

ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور صرف عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ۷

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھانہ کرنا، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا

رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۸ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے ۷ اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمائے

لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۹

والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ۷

آیات محکمات اور متشابہات کے ذکر کی مناسبت

عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے :

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ

اور اس کا کلمہ ہے، جس کو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ

کی طرف سے روح ہے۔

وقف النبی
صلی اللہ علیہ وسلم
وقف منزل

۱۹

عیسائیوں نے یہ کہا کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا کلمہ اور اس کی روح کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ قرآن مجید میں محکم آیات بھی ہیں اور مشابہ آیات بھی ہیں اور یہ آیت تشابہات میں سے ہے اور تشابہات کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ محکم کالغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ حکم کے معنی ہیں منع کرنا، حکمت کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ عقل اس کے خلاف کرنے کو منع کرتی ہے، اس لئے محکم کا معنی ہے جس میں اشتباہ اور خفاء ممنوع ہو اور محکم وہ آیات ہیں جن میں تاویل اور نسخ ممنوع ہو۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۳۵۳ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

محکم وہ آیت ہے جس میں لفظ کی جہت سے کوئی شبہ پیدا ہونہ معنی کی جہت سے۔

(المفردات ص ۱۲۸ مطبوعۃ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

جس لفظ کی مراد تبدیل، تغیر، تخصیص اور تاویل سے محفوظ ہو وہ محکم ہے اس کی مثال وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں جیسے ”اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے“ اس آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۸۹ مطبوعۃ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے محکمات وہ آیات ہیں جو ناسخ ہیں، اور ان میں حلال، حرام، حدود اور فرائض کا بیان ہے اور یہ کہ کس پر ایمان لایا جائے اور کس پر عمل کیا جائے اور تشابہات وہ آیات ہیں جو منسوخ ہیں وہ مقدم اور موخر ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن کا صرف ایک معنی اور ایک محمل ہے اور اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور تشابہ وہ آیات ہیں جن میں کئی تاویلات کی گنجائش ہے۔

ابن زید نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں اور ان کے رسولوں کے واقعات اور قصص بیان فرمائے اور سیدنا محمد ﷺ اور آپ کی امت کے لئے ان کی تفصیل کی، اور تشابہ وہ آیات ہیں جن میں ان واقعات کو بار بار بار ذکر فرمایا ہے اور ان کے الفاظ اور معانی میں اختلاف ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا محکم وہ آیات ہیں جن کے معنی اور ان کی تاویل اور تفسیر علماء کو معلوم ہے اور تشابہ وہ آیات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی ان کا علم نہیں ہے، آیات تشابہات میں حروف مقطوعہ ہیں جو اوائل سور میں مذکور ہیں جیسے ”الم، الر، المص“ وغیرہ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت، اور سورج کب مغرب سے طلوع ہوگا، اور قیامت کب واقع ہوگی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۱۶، ۱۱۵ مطبوعۃ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

متشابهہ کالغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

جس لفظ کا معنی اس لفظ سے معلوم نہ ہو سکے وہ متشابهہ ہے، اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس کو محکم کی طرف لوٹانے سے اس کا معنی معلوم ہو جائے دوسری قسم وہ ہے جس کی حقیقت کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور جو شخص اس کے معنی کے درپے ہو وہ بدعتی اور فتنہ پرور ہے، بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر لفظ سے اس کی مراد ظاہر ہو تو اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال نہ رکھے تو وہ محکم ہے اور اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال رکھتا ہو لیکن اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو مفسر ہے اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہو لیکن عبارت اس کی وجہ سے لائی گئی ہو تو نص ہے ورنہ وہ ظاہر ہے، اور اگر کسی عارض کی بناء پر لفظ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ مخفی ہے اور اگر اس لفظ کی وجہ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ مشکل ہے اور اگر عقل یا نقل سے اس کا اور اک ہو سکے تو وہ مجمل ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کا اور اک نہ ہو سکے تو وہ متشابهہ ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

متشابهہ کی تین قسمیں ہیں : (اول) جس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابتہ الارض کے نکلنے کا وقت وغیرہ (ثانی) جس کی معرفت کا انسان کے لئے کوئی ذریعہ ہو جیسے مشکل اور غیر مانوس الفاظ اور مجمل احکام (ثالث) جو ان دونوں کے درمیان ہو علماء راغبین کے لئے اس کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دعا کی تھی : اے اللہ اس کو دین کی فقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما، اس دعا سے اسی قسم کی متشابهہ آیات کا علم مراد ہے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے بھی اسی قسم کی دعا کی ہے۔ (المفردات ص ۲۵۵ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۲۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں :

جس کا معنی نفس لفظ کی وجہ سے مخفی ہو اور اس کی معرفت کی بالکل امید نہ ہو جیسے اوائل سور میں حروف مقطعات

ہیں۔ (کتاب التعلیقات ص ۸۶ مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

اصولین کے نزدیک محکم اور متشابهہ کی تعریفیں

علامہ عبد العزیز بن احمد بخاری متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں :

لفظ سے جس معنی کا ارادہ کیا گیا ہے اگر اس میں نسخ اور تبدیل متنع ہو تو وہ محکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محکم اپنے معنی کا فائدہ پہنچانے میں انتہائی واضح ہوتا ہے اور چونکہ وہ معنی منسوخ نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو محکم کہتے ہیں ہمارے عام مصولین کی یہی رائے ہے، اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔ (۱) جس میں صرف ایک محمل کی گنجائش ہو۔ (۲) عقل کے نزدیک وہ واضح ہو۔ (۳) وہ ناخ ہو۔ (۴) اس کے معنی کا علم اور اس کی مراد معلوم ہو۔ (۵) تمام اہل اسلام کے نزدیک اس کا معنی ظاہر ہو اور کسی کا اس معنی میں اختلاف نہ ہو۔ (۶) جو فرائض اور حدود کے بیان پر مشتمل ہو۔ (۷) جو حلال اور حرام کے بیان پر مشتمل ہو۔ محکم کی یہ متعدد تعریفیں ہیں لیکن صحیح تعریف پہلی ہے۔

(كشف الاسرار ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۳۱۱ھ)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۴۵۰ھ متشابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں :

جب کسی لفظ سے اس کی مراد مشتبہ ہو اور اس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو حتیٰ کہ اس کی مراد کی طلب ساقط ہو جائے اور اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد واجب ہو تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔

(کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۳۹-۱۳۸، مطبوعہ دار الکتب العربیہ ۱۳۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی کے لئے اور متشابہ کا محمل نکالنے کے لئے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (اَلْعِمْرَانُ : ۷)

زانحین (جن کے دلوں میں کجی ہے) کا مصداق

”جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے“ اس سے مراد نجران کے عیسائی ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے پر استدلال کیا یہ ربیع کا قول ہے، اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہودی عالم جی بن اخطب اور اس کے اصحاب کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے مختلف سورتوں کے اوائل سے حروف مقطعات پڑھے تو وہ ابجد کے حساب سے ان کے عدد نکال کر اس دین کی مدت کا حساب کرنے لگے، اور جب آپ نے کئی حروف پڑھے تو وہ کہنے لگے ہم پر حساب مشتبہ ہو گیا کہ ہم قلیل عدد کا اعتبار کریں یا کثیر کاتب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اس کتاب میں آیات محکمات بھی ہیں اور تشابہات بھی ہیں۔ قنادہ نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد منکرین بعثت ہیں، اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مبتدعین ہیں، قرآن مجید کا ظاہر لفظ عموم کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے عموم میں ہر وہ فرقہ داخل ہے جس کے دل میں کجی ہے۔

لَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ مِثْلَ وَقْفِ كِي تَحْقِيقِ

”حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا“ اس میں اختلاف ہے کہ آیت کے اس حصہ پر وقف کیا جائے گا یا والراحمون فی العلم کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا اور اس پر وقف کیا جائے گا، دوسری صورت میں یہ معنی ہوگا حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم، حسن، عروہ، عمر بن عبدالعزیز، ابی نہیک اسدی، مالک بن انس، کسائی، فراء، جبائی، اخفش اور ابو عبیدہ کے نزدیک الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا معنی ہے اللہ کے سوا اور کوئی متشابہ کے علم کو نہیں جانتا، علامہ خطابی اور فخر الدین رازی کا بھی یہی موقف ہے۔ مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن جعفر بن زبیر اور اکثر متکلمین کے نزدیک والراحمون فی العلم پر وقف ہے اور معنی ہے ”حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا“ پہلی تفسیر راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تشابہات کے علم کے درپے ہونے والوں کی مذمت کی ہے، نیز وقت وقوع قیامت، حضرت عیسیٰ کے نزول اور دجال کے خروج اور دابۃ الارض کے ظہور کا وقت بھی تشابہات میں ہے اور اس کو ماہر علماء نہیں جانتے نیز اللہ تعالیٰ نے ماہر علماء کی مدح اس بات میں کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ”ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے“ حضرت ابن عباس نے فرمایا قرآن مجید کی تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وہ تفسیر جس میں جمل نہیں ہے۔ (۲) وہ تفسیر جس کو عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جان لیتے ہیں۔ (۳) وہ تفسیر جس کو صرف علماء ماہرین ہی جانتے ہیں۔ (۴) وہ

تفسیر جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن مجید میں ہے :

الَّذِينَ هُمْ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوُوا (طہ : ۵)

رحمن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

یہ آیت بھی مشابہات میں سے ہے امام مالک سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا استوی کا مطلب (قائم، قرار گزین) معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے امام مالک کے اس جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس آیت میں وقف لا اللہ پر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۸-۲۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

آیات مشابہات کو نازل کرنے کا فائدہ

علماء متقدمین کا یہی مذہب تھا کہ آیات مشابہات کے معنی کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہے، ان پر یہ اعتراض ہوا کہ پھر آیات مشابہات کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس میں علماء کا امتحان ہے جس طرح جاہل کے لئے تحصیل علم مشکل ہے اسی طرح علماء کے لئے کسی لفظ کے معنی میں تدبر اور تفکر نہ کرنا مشکل ہے، سو آیات مشابہات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے علماء کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ ان آیات میں تدبر اور تفکر کرنے سے باز رہیں، نیز علماء امت کو ان آیات مشابہات کے معنی معلوم نہیں ہیں لیکن نبی ﷺ کو ان آیات کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے۔

ملا احمد جیون جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

آیات مشابہات کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس کی مراد حق ہے اگرچہ قیامت سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں ہوگا، اور قیامت کے بعد ان کا معنی ہر شخص پر منکشف ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، اور یہ امت کے حق میں ہے لیکن نبی ﷺ کو ان کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے ورنہ آپ سے خطاب کرنا بے سود ہوگا اور یہ مہمل الفاظ کے ساتھ خطاب کرنے کے مترادف ہو گیا ایسے ہو گا جیسے حبشی کے ساتھ کوئی شخص عربی میں گفتگو کرے

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۹۳، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

آیات مشابہات میں غور و فکر کرنے والے علماء متاخرین کا نظریہ

علماء متقدمین آیات مشابہات میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کو ان کا معنی بیان کرتے تھے، لیکن متاخرین علماء احناف نے جب یہ دیکھا کہ بد مذہب لوگ ان آیات کے ظاہری معنی بتا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں مثلاً "وجہ اللہ سے اللہ کا چہرہ بیان کرتے ہیں" یہ اللہ کا ہاتھ "یوم یکشف عن ساق" سے اللہ کے لئے پنڈلی ثابت کرتے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ کرنے کے لئے ان آیات کی تاویلات کیں، اور یہ تصریح کر دی کہ یہ تاویلات ظنی ہیں اور ان آیات مشابہات کے صحیح محمل اور حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابو بکر محمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات مشابہات میں بحث کر رہے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، نیز حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا عنقریب لوگ قرآن کے مشابہ میں بحث کریں گے تو تم سنت کا علم رکھنے والے لوگوں کو لازم

پڑلینا۔ (الشریعہ ص ۷۶-۷۷، مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۴۱۳ھ)

ملا احمد جو پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

متاخرین علماء نے جب یہ دیکھا کہ طہرین آیات صفات کے ظاہری معانی سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت، مکان اور اعضاء ثابت کر رہے ہیں اور حضرت آدم کو اللہ کی روح کا عین ثابت کر رہے ہیں، اور انہوں نے دیکھا کہ عوام کا شریعت پر اعتقاد ضعف کا شکار ہو رہا ہے تو انہوں نے ان آیات کی ایسی تاویل کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا جس سے ان آیات کے ذریعہ فاسد عقائد نہ بیان کئے جائیں، اور وہ معانی اہل سنت و جماعت کے عقائد کے موافق ہوں، متاخرین کے بیان کردہ معانی کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

ونفخت فیہ من روحی (الحجر : ۲۹) اس کا ظاہری معنی ہے : اور میں اس میں اپنی روح سے پھونک دوں، متاخرین نے اس میں یہ تاویل کی : اور میں اس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح سے پھونک دوں۔

اللہ نور السموات والارض (النور : ۳۵) اس کا ظاہری معنی ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کی روشنی ہے، اس کی تاویل ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔

ید اللہ فوق ایدیہم (الفتح : ۱۰) : ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس کی تاویل ہے : ان کی قدرتوں پر اللہ کی قدرت ہے۔

فسم وجہ اللہ (البقرہ : ۱۱۵) سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے، اس کی تاویل ہے : سو وہیں اللہ کی ذات ہے۔

وجاء ربک (القمر : ۲۲) : اور آپ کا رب آیا، اس کی تاویل ہے : اور آپ کے رب کا حکم آیا۔

الرحمن علی العرش استوی (طہ : ۵) : رحمن عرش پر قائم ہے۔ اس کی تاویل ہے : عرش پر اللہ کی حکومت اور اس کا تسلط ہے۔

یحسر ثنی علی ما فرطت فی جنب اللہ (الزمر : ۵۶) : ہائے افسوس ان کو تاہیوں پر جو میں نے اللہ کے پہلو میں کیں۔ یعنی اللہ کے جوار رحمت میں، اللہ کے حضور کے قرب میں، یا اللہ کے متعلق۔

متاخرین نے آیات صفات کے علاوہ حروف مقطعات میں بھی تاویلات کی ہیں الم (الف لام میم) کے متعلق کہا الف سے اللہ کی طرف لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے، یعنی اللہ نے جبریل کو سیدنا محمد ﷺ کی طرف قرآن دے کر بھیجا۔ یا اس کا معنی ہے میں اللہ جاننے والا ہوں۔ المص کا مطلب ہے میں اللہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہوں۔ ”الرحم“ کا معنی ہے میں اللہ دیکھتا ہوں گھٹیا حصّ میں کاف کریم سے، ہا ہادی سے یا حکیم سے، عین علیم سے اور صاد صادق سے کنایہ ہے ”لم“ کا معنی ہے اہل بیت کی طہارت کی قسم، طسم میں طازی الطول سے سین قدوس سے میم رحمن سے کنایہ ہے، اس طرح ”حم“ میں حماء اور میم رحمن سے عین علیم سے سین قدوس سے اور قاف قاہر سے کنایہ ہے باقی حروف مقطعات بھی، اسی قیاس پر ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ان آیات کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو ان آیات کی تاویل کے درپے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے، تو پھر ان متاخرین و ان آیات کا معنی کیسے معلوم ہو گیا؟ اور کیا وہ اس وعید کے مصداق نہیں بنے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے حقیقی معنی اور ان کے قطعی محمل کو اللہ کے سوا کوئی

میں جانتا، اور اللہ تعالیٰ نے اسی علم کی اپنے غیر سے نفی کی ہے اور علماء متاخرین نے جو توہیل کی ہے وہ ظنی ہے اور وہ من کے محال میں سے ایک محمل ہے، اور کبھی ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو ان آیات کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کے خلاف ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کے منافی ہیں۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۸۷-۸۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علماء راغبین کی تعریف

علماء راغبین سے مراد ایسے علماء ہیں جنہوں نے دین کا پختہ علم حاصل کیا اور قرآن اور حدیث میں مہارت حاصل کی اور تمام اصول اور فروع پر حاوی ہوں، ان سے عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کے متعلق جو بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دینے پر قادر ہوں۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

علماء راغبین سے مراد ایسے علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہوں، اور ان کو دلائل یقینیہ سے معلوم ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور جب وہ کسی آیت کو دیکھیں کہ اس کا ظاہری معنی قطعی طور پر مراد نہیں ہے تو وہ قطعیت سے جان لیں کہ یہ آیت متشابہہ ہے اور اس کی مراد کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے قرآن مجید میں غور کرتے ہیں اور جس آیت کا معنی ظاہری دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے اس کو محکم قرار دیتے ہیں اور جس کا ظاہر دلائل شرعیہ کے خلاف ہوتا ہے اس کو متشابہہ قرار دیتے ہیں، اس آیت سے متکلمین کی قدر و منزلت کا علم ہوتا ہے جو دلائل عقلیہ سے بحث کرتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ، لغت، قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفسیر کرنے کے لئے لغت، قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار میں تبحر درکار ہے اور جو شخص ان علوم میں تبحر حاصل کئے بغیر قرآن مجید کی تفسیر کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوگا، اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ (تفسیر کبرج ۲ ص ۳۰۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ علماء راغبین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہوں اور جس شخص کو اصول اور فروع کے مسائل حفظ ہوں اور وہ عمل سے خالی ہو یا بد عمل ہو وہ علماء راغبین میں سے نہیں ہے قرآن مجید میں ہے :

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا (الجمعه : ۵)

ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔

اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم میں راجح کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنی قسم پوری کرے اور اس کی زبان سچی ہو اور اس کا دل (حق پر) مستقیم ہو اور اس کا پیٹ اور اس کی شرم گاہ حرام سے محفوظ ہو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۷، مطبوعہ مکتبہ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔ (آل عمران : ۸)

راغبین فی العلم یہ دعا کرتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔ یا اس دعا کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جن کے دلوں میں کجی ہے اور وہ فتنہ جوئی کے لئے آیات متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ دعا تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کجی پیدا نہ کرے۔ دلوں کو ٹیڑھا کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں مذہب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا پیدا کرنے والا ہے شر کا خالق نہیں ہے، اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے، کسی شخص کے دل میں کجی اور گمراہی کو پیدا کرنا شر ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں اہل سنت کی دلیل ہے باقی رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی انسان کے دل کو ٹیڑھا کر دیا تو اب اس کے گمراہ ہونے اور بد عقیدہ اور بد عمل ہونے میں اس کا کیا قصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان برائی کا سب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں برائی پیدا کر دیتا ہے، انسان کا سب ہے اور اللہ خالق ہے، جب انسان کج روی کا سب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ٹیڑھا کر دیتا ہے، اس کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے :

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (الصف : ۵)

پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل کو ٹیڑھے کر دیے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس دعا کا ایک محمل یہ ہے : ہمیں شیطان اور اپنے نفسوں کے شر سے محفوظ رکھ تاکہ ہمارے دل ٹیڑھے نہ ہوں ایک اور محمل یہ ہے : ہم کو ایسی آفات اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرما جس کے نتیجے میں ہمارے دل ٹیڑھے ہو جائیں یا ہم پر لطف و کرم کرنے کے بعد ان الطاف اور عنایات کو ہم سے سلب نہ کر جس کے نتیجے میں ہم فتنہ میں پڑ جائیں اور ہمارے دل ٹیڑھے ہو جائیں۔

بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا فرماتے تھے : اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے : اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ دل کو دین پر ثابت قدم رکھنے کی دعا کے متعلق احادیث حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ترمذی، امام ابن جریر، امام طبرانی، اور امام ابن مردویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے اللہ! دلوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا دل بدل جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس قدر بنو آدم اور بشر ہیں سب کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، اگر اللہ چاہتا ہے تو انہیں مستقیم رکھتا ہے اور اللہ چاہتا ہے تو انہیں ٹیڑھا کر دیتا ہے، تو ہم اپنے اللہ سے جو ہمارا رب ہے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد

ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرمائے بے شک وہ بہت عطا کرنے والا ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک دعا سکھادیں جو میں اپنے لئے کیا کروں! آپ نے فرمایا تم یہ دعا کیا کرو : اے اللہ! محمد نبی کے رب! میرے گناہ کو بخش دے میرے دل کے غیظ کو دور کر دے، اور جب تک مجھے زندہ رکھے مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰، مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۲، جامع ترمذی ص ۵۰۷، جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۵، المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۸، ۳۶۶)

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد اور امام ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں! آپ نے فرمایا ہر دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، جب وہ چاہتا ہے تو اس دل کو مستقیم رکھتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے اس کو ٹیڑھا کر دیتا ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰، مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱)

امام ابن شیبہ، امام احمد اور امام بخاری نے الادب المفرد میں، امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ہم آپ پر اور جو کچھ آپ لے کر آئے اس پر ایمان لائے ہیں، کیا اب آپ کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ ان دلوں کو بدلتا رہتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹، الادب المفرد ص ۱۷۶، جامع ترمذی ص ۳۱۲، جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۶، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵) امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے دل چڑیا کی طرح دن میں سات مرتبہ الٹ پلٹ ہوتے ہیں۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : یہ دل جنگل میں پڑے ہوئے ایک پر کی طرح ہے جس کو ہوا الٹی پلٹتی رہتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰) (الدر المنثور ج ۲ ص ۹-۸، مطبوعہ مکتبۃ آیتہ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! بے شک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے۔ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۹) خلف وعدہ کا محال ہونا اور خلف وعید کا جائز ہونا

علماء راغبین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ہدایت دینے کے بعد ان کے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہدایت یافتہ ہونے اور دلوں میں کجی نہ ہونے کا ثمرہ قیامت کے دن ظاہر ہو گا اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں، اور جزاء اور سزا کے جاری ہونے کے لئے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں، اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ہی انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔

”بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا“ اللہ تعالیٰ نے صالحین کو نیک کاموں پر انعام دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعدہ کہتے ہیں اور فاسق مومنین کو برے اعمال پر سزا دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعید کہتے ہیں، اس پر اتفاق ہے کہ خلف وعدہ محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں سے جو ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا، کیونکہ کریم جب کسی انعام کا وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہیں کرتا، اور اگر وہ اس وعدہ کے خلاف کرے تو یہ اس کا عیب شمار کیا جاتا ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے، اور اگر کریم کسی مجرم کو سزائی خبر دے اور پھر اس کو سزا نہ دے اور اپنی وعید کے خلاف کرے تو اس پر اس کی مدح کی جاتی ہے اور اسے اس کے محاسن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے خلف وعید جائز ہے مثلاً ”اللہ تعالیٰ نے سود خوروں، قاتلوں اور جھوٹوں پر عذاب کی وعید سنائی ہے لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وعید کے خلاف کرے اور کسی مسلمان کو ان گناہوں پر عذاب نہ دے۔ اب یہ سوال ہو گا کہ اگر خلف وعید کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کا کذب ہونا لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا کذب ہونا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ جن آیات میں عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے وہ عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں یعنی اللہ تعالیٰ قاتل اور سود خور کو دوزخ کا عذاب دے گا۔ بشرطیکہ اس کو معاف نہ کرے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے فسق مومنین کو معاف کر دیا اور عذاب نہیں دیا تو اس کا کلام جھوٹا نہیں ہو گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ۚ ۱۰ كَذَابِ الْفِرْعَوْنَ ۚ

اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ○ ان کا طریقہ بھی قوم فرعون اور

وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۚ

ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۚ ۱۱ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْرٌ ۖ وَاسْتَغْلِبُونَ وَ

اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور

تُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَيُسَّ إِلَيْهِمْ ۚ ۱۲

جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی بڑا ٹھکانا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ

ان کی اولاد اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (آل عمران : ۱۰)

مال اور اولاد کے ذکر میں حسن ترتیب کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے احوال بیان فرمائے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں اور قیامت کے وقوع اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں، اب اس آیت سے کفار کے احوال کا ذکر شروع فرمایا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ مومنوں کے بعد کافروں کا ذکر فرماتا ہے۔

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ جن یہودیوں اور مدینہ کے منافقوں نے نبی ﷺ کی نبوت کے برحق ہونے کی معرفت کے باوجود آپ کا انکار کیا اور اپنے دلوں کی کجی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات قشامات کی خود ساختہ تلوہات کیں ان لوگوں کو قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور ان کے پاس دنیا میں جو مال اور اولاد کی کثرت ہے وہ قیامت کے دن کسی کام نہیں آئے گی۔

علامہ ابوالیمان اندلسی نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ ایک نصرانی ابو حارثہ بن ملقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) لیکن اگر میں نے لوگوں پر ان کی نبوت کے برحق ہونے کو ظاہر کر دیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے وہ سب مال واپس لے لیں گے جو انہوں نے مجھے دیے ہیں، اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے مال اور اولاد پر فخر کیا کرتے تھے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کو شامل ہے اس آیت میں مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ انسان مصائب سے خود کو بچانے، فتنہ پھیلانے اور کسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے اولاد کی نسبت مال سے زیادہ کام لیتا ہے اور مال پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی طرح اور آیتوں میں بھی مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے :

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ
عِندَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
اور (اے لوگو!) نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب کر دیں ہاں! جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے۔ (سبا : ۳۷)

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ
(الانفال : ۲۸) اور یقین رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ
زُزْيَنَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ
وَالْأَوْلَادِ (الحديد : ۲۰) یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا (عارضی) زینت اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (الشعراء : ۸۸) جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

البتہ انسان طبعی طور پر مال کی بہ نسبت اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے اس لئے جہاں انسان کی محبت کا ذکر فرمایا وہاں مال پر اولاد کے ذکر کو مقدم فرمایا :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ
لوگوں کے لئے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور

وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرَ الْمُقَنْطَرَةَ مِنَ الذَّهَبِ سونے اور چاندی کے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ مویٹیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نمابندی گئی ہے۔

(آل عمران : ۳)

سو جس جگہ مصائب سے خود کو بچانے، قرب حاصل کرنے اور فتنہ جوئی کا ذکر تھا وہاں مال کے ذکر کو اولاد کے ذکر پر
مقدم فرمایا اور جس جگہ محبت کا بیان تھا وہاں اولاد کے ذکر کو مال کے ذکر پر مقدم فرمایا اور یہ انتہائی نکتہ خیز ترتیب اور اعجاز
آفریں بلاغت ہے جو سوا اس قادر قیوم کے اور کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کا طریقہ بھی قوم فرعون اور ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنہوں نے ہماری
آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۱)
قوم فرعون کے ذکر کی خصوصیت

اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ان کا
مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے اب یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت
کی تکذیب کی ہے ان کا طریقہ پہلے زمانہ کے کافروں کی مثل ہے سو جس طرح اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث اپنی
گرفت میں لے لیا تھا اور ان کو عذاب دیا تھا سو اسی طرح ان پر بھی گرفت کی جائے گی اور ان کو بھی عذاب ہوگا۔ پچھلی
امتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قوم فرعون کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ یہاں بنو اسرائیل کے ساتھ کلام
ہے اور ان کو معلوم ہے کہ جب قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق کر دیا بنی
اسرائیل کو ان پر مسلط کر دیا اور قوم فرعون کے ملک کا بنو اسرائیل کو وارث کر دیا اور انجام کار فرعون کا ٹھکانہ دوزخ ہے سو
یہی حال سیدنا محمد ﷺ کے مخالفوں اور کافروں کا ہو گا دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار کرے گا
اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ
کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قریش کو شکست فاش
دی تو مدینہ پہنچنے کے بعد آپ بنو قینقاع کے بازار میں گئے اور آپ نے یہود کو جمع کر کے فرمایا : اے جماعت یہود! اسلام
قبول کر لو ورنہ تمہارا بھی قریش کی طرح حشر ہوگا، یہود نے جواب دیا : اے محمد! (ﷺ) آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں
آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا جب ہم سے معرکہ ہو گا تو پتہ چل جائے گا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
فرمائی : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ

بیشک تمہارے لیے ان دو جماعتوں میں ایک نشانِ حق جو (میدانِ بدر میں) باہم صف آرا ہوئے ایک جماعت اللہ کی راہ میں

اللَّهُ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَهُمْ رَأْيِ الْعَيْنِ وَاللَّهُ

جنگ کر رہی تھی اور دوسری جماعت کافر تھی، وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو کھلی آنکھوں سے اپنے سے دگن دیکھ رہے تھے اور اللہ

يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿١٣﴾

اپنی مدد کے ذریعہ جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے، بیشک اس واقعہ میں آنکھوں والوں کے لیے ضرور عبرت ہے ○

فتح کا مدار عددی برتری اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا : تم غنچہ پرب مغلوب کئے جاؤ گے، کیونکہ یہود نے سیدنا محمد ﷺ کے سامنے بہت لاف گزاف کی تھی اور کہا تھا کہ آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پہلی آیت پر دلیل قائم کی ہے کہ واقعہ بدر اس پر دلیل ہے کہ کفار تعداد میں بہت زیادہ تھے ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو مظفر اور منصور کیا، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ غلبہ اور فتح کا دار مدار صرف اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت پر ہے، یہودیہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس اسلحہ کی فراوانی ہے اور ان کو عددی برتری حاصل ہے اس لئے وہ غالب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذعوم کو باطل کر دیا۔

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ان دو جماعتوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اور مشرکین مکہ کی جماعتیں ہیں اور اس آیت میں جس جنگ کا ذکر ہے وہ معرکہ بدر ہے، روایت ہے کہ جنگ بدر میں مشرکوں کی تعداد نو سو پچاس تھی ان میں ابو سفیان اور ابو جہل ایک سو گھڑ سواروں کی قیادت کر رہے تھے ان کے پاس سات سو اونٹ تھے تمام گھڑ سوار لوہے میں غرق تھے ان کے علاوہ پیادوں میں بھی زرہ پوش تھے، اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ہر چار آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا کل چھ زرہ ہیں تھیں اور دو گھوڑے سوار تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۰) دونوں جماعتوں کی ان صفات کو سامنے رکھ کر جب ہم بدر میں مسلمانوں کی فتح کو دیکھتے ہیں تو یہ کہے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بہت بڑی نشانی رکھی تھی۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو حق اور باطل کا یہ اولین معرکہ برپا ہوا تھا۔

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی پر حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے مقابلہ میں کفار کی تعداد تین گنا زیادہ

تھی اور اسلحہ بھی بہت زیادہ تھا اس معرکہ میں ساٹھ سے کچھ اوپر مہاجر اور دو سو چالیس سے کچھ اوپر انصار تھے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳) ان کا جنگ سے پہلا سابقہ تھا خصوصاً "انصار زیادہ تر زراعت پیشہ تھے اور ان کا کوئی جنگی تجربہ نہیں تھا، اس کے برخلاف مشرکین مکہ میں سب جنگ کے ماہر اور تجربہ کار تھے اور ماہر اور جنگ کا تجربہ رکھنے والی زیادہ تعداد اور زیادہ اسلحہ پر مشتمل جماعت پر ایک کم تعداد کم اسلحہ اور نا تجربہ کار جماعت کا غالب آجانا اللہ کی بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے۔

(۲) جس روز جنگ ہوئی تھی اس سے پہلی شب کو قریش کے لشکر میں شراب کے جام لٹکھائے جا رہے تھے، ساتھ

آنے والی لونڈیاں نالچ گارہی تھیں۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۳۳۲) دوسری جانب مسلمانوں کے لشکر میں نمازیں پڑھی جارہی تھیں صبح روزہ رکھنے کی تیاریاں تھیں اللہ کے حضور فتح اور نصرت کے لئے دعائیں اور التجائیں تھیں سب سے زیادہ خود نبی ﷺ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن دعا کی : اے اللہ! اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرما، اے اللہ! اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا : آپ کے لئے یہ دعا کافی ہے آپ باہر آئے در آل حالیکہ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے :

سَيَهْرُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونِ الدُّبُرَ
عنقریب کافروں کا یہ جتھا شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ

(القمر : ۲۵) پھر کربھائیں گے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے اصحاب تین سو انیس نفر تھے۔ پھر نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ پھیلا کر مسلسل اللہ سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے رداء مبارک ڈھلک گئی، آپ دعا فرما رہے تھے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر، اے اللہ! تو نے مجھ سے جس کا وعدہ فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا کر، اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، حضرت ابو بکر آئے انہوں نے آپ کے شانوں سے ڈھلکی ہوئی چادر کو پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالا پھر آپ سے لپٹ گئے اور کہا اے نبی اللہ! آپ نے اپنے رب سے کافی دعا کر لی ہے وہ عنقریب آپ سے کئے ہوئے اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا سو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳ مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِآلِيفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (الانفال : ۹-۱۰)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں، اور اللہ نے اس (نزل ملائکہ) کو صرف خوش خبری بنایا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۳۹ مطبوعہ کراچی، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲-۳۰ مطبوعہ بیروت)

نبی ﷺ کا دعائیں کرنا اظہار عبودیت کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بہت پہلے کافروں کی شکست سے مطلع کر دیا تھا اور آپ نے صحابہ کرام کو بتا دیا کہ معرکہ بدر میں فلاں کافر اس جگہ گرے گا اور فلاں کافر اس جگہ گرے گا۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا

(یعنی جس جگہ آپ نے جس کافر کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ نور محمد امجد

الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶، ج ۳ ص ۲۵۸، ۲۰۹، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۸ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ معرکہ بدر میں یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور اس سے دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والوں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بلوجود کثرت اور قوت شکست کی ذلت میں مبتلا کیا اور اس میں دوسری نشانی یہ ہے کہ اس میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے پہلے ہی پیش گوئی فرمادی تھی کہ کون کافر کس جگہ گر کر مرے گا اور اس میں اس علم غیب کا بیان ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(۳) معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تیسری نشانی یہ تھی کہ مشرکین مکہ کو مسلمان اپنے سے وگنی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے یعنی ان کو مسلمانوں کی تعداد دو ہزار دکھائی دے رہی تھی جس کی وجہ سے ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی اور وہ خوف زدہ ہو گئے۔

(۴) چوتھی نشانی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لئے جنگ بدر میں فرشتوں کو نازل کیا، لیکن یہ واضح رہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو طمانیت اور ان کو بشارت دینے کے لئے تھا کافروں سے لڑنے کے لئے نہیں تھا ورنہ ایک ہزار فرشتوں کو نازل کرنے کی کیا وجہ تھی صرف ایک فرشتہ ہی کافروں کو تسنہس کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور اگر فرشتے کافروں سے لڑے ہوں تو پھر کفر اور اسلام کے اس پہلے معرکہ بدر کی تاریخ ساز جنگ میں صحابہ کا کیا حصہ رہ جاتا ہے اور ان کا یہ کون سا کارنامہ رہ جاتا ہے! نیز قرآن مجید نے فرشتوں کو نازل کرنے کی وجہ صرف مسلمانوں کے لئے طمانیت اور بشارت بیان کی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کی وجہ کو طمانیت اور بشارت میں منحصر کر کے بیان کیا ہے اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کی ہے۔

زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَ

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے

الْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی

الْمُسَوِّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ

کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے۔ یہ (سب) دنیا کی زندگی کا

الدُّنْيَا ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَآءِ ۝ قُلْ أَوْ نَبِّئُكُمْ

ساہان ہے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے ۝ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ان (سب)

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرٰی

سے بہتر چیز کی خبر (دوں)؛ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَاَنْزَلَ مِنْ سَمٰوٰتٍ مَّوٰٓءٍ

کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا

مِّنَ اللّٰهِ وَاللَّهُ بِصِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ الَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا

ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ۝ جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بیشک ہم

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِنَّا عِندَكَ اِلٰٓذِیْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا

ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۝ جو صبر کرنے والے،

الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُفْلِحِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ

سچ بولنے والے، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے، رات کے پچھلے پہر اٹھ کر مغفرت

بِالْاَسْحَارِ ۝ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ

طلب کرنے والے ہیں ۝ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علمائے

اُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(شہادت دی) در آں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ۝ بہت بڑا اور علامت ہے

مشکل الفاظ کے معانی

”حب“ کے معنی ہیں : کسی چیز کی طرف دل کا مائل ہونا۔ شہوت : جس چیز کی طرف نفس کی تحریک اور ترغیب

ہو۔ قنطیر : قنطار کی جمع ہے، قنطار ایک مخصوص وزن ہے اس کی تعبیر ۵۰ کلو گرام کے ساتھ کی گئی ہے۔ مقنطرہ :

قنطرہ کا اسم مفعول ہے قنطرہ کا معنی پل ہے، مل کے بہت بڑے ڈھیر کو بھی قنطرہ کہتے ہیں۔ ذہب : سونا، فضہ :

چاندی، خیل : جمع ہے اس کا واحد فرس ہے جو من غیر لفظ ہے اس کا معنی ہے گھوڑے۔ نعم : اونٹ، اس کی جمع انعام

ہے اور جمع کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری سب پر آتا ہے۔ نعلہ شتر مرغ کو کہتے ہیں، رضوان : رضا، جنت کے خازن کا نام بھی رضوان ہے، اسرار : سحر کی جمع ہے اس کا اطلاق طلوع فجر سے پہلے وقت پر ہوتا ہے۔
سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط اور مناسبت۔

اس سے پہلے ہم نے علامہ ابوالیمان اندلسی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ایک نصرانی ابو حارثہ بن ملقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے برحق رسول ہیں لیکن اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے اپنا تمام دیا ہو مال و دولت واپس لے لیں گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مال اور دنیا کی اور چیزوں کی محبت فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر و ثواب ہے تو تم فانی چیزوں کی خاطر دائمی چیزوں کو ترک نہ کرو، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے آیت کے اخیر میں فرمایا تھا کہ معرکہ بدر میں آنکھوں والوں کے لئے ضرور عبرت ہے، اس آیت میں عبرت کی تفصیل کی ہے کہ دنیا کی عارضی لذتوں میں منہمک ہو کر آخرت کی دائمی نعمتوں سے غافل نہ ہو۔
متاع دنیا کی تزیین اور آرائش اللہ کی جانب سے بہ طور ابتلاء اور آزمائش ہے

عورتوں، بیٹوں اور مال و دولت کو انسان کی نظر میں بہت خوش نما اور حسین بنا دیا گیا ہے اور اس کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دی گئی ہے اور یہ محبت اس کے دل میں اس طرح مرکوز ہے کہ یہ اس کی طبعی محبت اور اس کا فطری تقاضا بن گئی ہے، اب اس چیز میں بحث کی گئی ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کو مزین کرنے والا کون ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کو مزین کرنے والا شیطان ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

وَلَا ذَرِيَّةَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَاهُمْ
اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے کاموں کو مزین
(الانفال : ۳۸) کر دیا۔

شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور باطل چیزوں کی شہوت کو انسان کی نگاہ میں حسین اور خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے جیسا کہ خود شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا :

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي
الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِينَ (الحجر : ۳۰-۳۹)
شیطان نے کہا : اے میرے رب! کیونکہ تو نے مجھے
گمراہ کیا (تو) میں ضرور ان کے لئے زمین میں (برے کاموں کو)
مزین کر دوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوا تیرے
ان بندوں کے جو ان میں سے اصحاب اخلاص ہیں۔

اور جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ خیر اور شر ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے شیطان کا مزین کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہے اور انسان کے دل میں ان چیزوں کی شہوت کو مزین کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تزیین ابتلاء اور امتحان کے لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ کون لوگ ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر یاد الہی سے غافل ہو جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہیں ان چیزوں کی محبت اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت سے نہیں روکتی، اور جن کے دلوں میں ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جو اپنی میٹھی نیند اور اپنی ازواج کے قرب کی لذت کو چھوڑ کر رات کے پچھلے پراٹھتے ہیں اور سجدوں اور قیام میں صبح کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ
بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کے لئے

أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا - (الكهف : ۷)

زینت بتایا تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں (اور یہ ظاہر کریں)
کہ ان میں سے کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے۔

كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ
مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ -
(الانعام : ۱۰۸) ان کاموں کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے۔

دین اور دنیا میں توازن اور اعتدال قائم رکھنا اسلام ہے

زیر بحث آیت میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کی شہوات کی محبت کو مزین کر دیا گیا ہے اور یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور ان سے بہتر چیز آخرت کی نعمتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں سے محبت نہیں کرنی چاہئے یا ان سے نفرت کرنی چاہئے یا ان کو چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں زیادہ اشتغال اور اسماک نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ انسان دنیا کی زینت اور خوشنالی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے۔ بلکہ انسان معتدل طریقہ پر گامزن ہو اسلام دین فطرت ہے اس میں دین اور دنیا دونوں کے احکام موجود ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ خُذْ وَزَيْنَتَكَ مَعَكَ كُلَّ مَسْجِدٍ
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زَيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِي اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ لَّمَّا حَرَّمَ رَبِّيَ
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنٌ وَالْاَنۡثٰمَ وَالنَّبَغَ
يَغَيِّرُ الْحَقَّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهٖ
سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا نَعْلَمُوْنَ
(الاعراف : ۳۲-۳۱)

اے بنو آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس زیب تن کر لیا کرو اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (آپ کہنے کے لئے کہ اللہ کی اس زینت کو اس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور اللہ کے رزق میں سے پاک اور لذیذ چیزیں (اس نے حرام کی ہیں) آپ کہنے کے لئے یہ چیزیں ایمان والوں کے لئے اس دنیا کی زندگی میں (بھی) ہیں اور آخرت میں تو صرف انہی کے لئے ہیں ہم علم والوں کے لئے اسی طرح آیات کی تفصیل کرتے ہیں ○ آپ کہنے کے لئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زینت کو اور پاک اور لذیذ چیزوں کو اپنے بندوں پر حرام نہیں فرمایا بلکہ ان چیزوں میں اسراف اور حد سے بڑھنے کو حرام فرمایا ہے اور اسی طرح بے حیائی کے کاموں فسق و فجور اور شرک کو حرام فرمایا ہے۔

احادیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جائز طریقے سے اعتدال کے ساتھ دنیا کی زیب و زینت کو حاصل کرنا

موجب اجر و ثواب ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس حسین ہو اور اس کی جوتی حسین ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند فرماتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے اثر دیکھنے کو پسند فرماتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ عمل تزویج کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص محض اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے یہ عمل کرے تو بھی اس کو اجر ہو گا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرتا تو آیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح اگر وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵-۳۲۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متاع دنیا سے بہرہ اندوز ہونا ممنوع نہیں ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے، ہاں ممنوع یہ ہے کہ انسان صرف دین کے حقوق ادا کرے اور دنیا کے حقوق فراموش کر دے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو آپس میں بھائی بنا دیا حضرت سلمان، حضرت ابودرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام درداء (حضرت ابودرداء کی زوجہ) کو میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھا تو ان سے کہا یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پھر حضرت ابودرداء آئے اور حضرت سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور حضرت سلمان سے کہا آپ کھائیں میں روزہ دار ہوں، حضرت سلمان نے کہا جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا، پھر حضرت ابودرداء نے کھانا کھلایا جب رات ہوئی حضرت ابودرداء کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، حضرت سلمان نے کہا سو جاؤ سو وہ سو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نماز کے لئے اٹھے انہوں نے پھر کہا سو جاؤ۔ جب رات کا آخری حصہ ہو گیا تو حضرت سلمان نے کہا اب نماز کے لئے اٹھو اور دونوں نے (تہجد کی) نماز پڑھی، حضرت سلمان نے ان سے کہا تمہارا رب کا تم پر حق ہے اور تمہارا نفس کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ سو ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو، حضرت ابودرداء نے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا! اے عبداللہ! کیا مجھے

یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم (ہر روز) دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ نہ کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور نیند بھی لو، کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم مہینہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرو ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو تمہیں پھر دہر (زمانہ) کے روزوں کا اجر مل جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں تین شخص (حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم : مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۶۷۷) آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا۔ کہاں ہم اور کہاں نبی ﷺ آپ کے اگلے اور پیچھے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی تو مغفرت کر دی گئی ہے، ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا تھا سنو! بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸-۷۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ عورتوں، بچوں، مال و دولت اور اسباب زینت سے جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متمتع اور مستفید ہونا اسلام میں مطلوب ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع ہے، نہ یہ کرے کہ دن رات عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو کر راہبوں کی طرح تارک الدنیا ہو جائے، نہ دنیا داروں کی طرح ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر دین اور شریعت کے تقاضوں کو فراموش کر دے، اسلام نے دین اور دنیا دونوں کے متعلق ہدایات دی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا، اسلام دہریت اور رہبانیت دونوں کے خلاف ہے اور عبادات، معاملات اور سیاسیات کا جامع ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں چھ چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان کی شہوات کی محبت مزین کی گئی ہے عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، مویشی اور کھیتیں۔ فرمایا کہ یہ دنیا کی زندگی کا متاع ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ ہم اجمالی طور پر ان چھ چیزوں کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے احکام بیان کریں گے، سب سے پہلے عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات کو بیان کرتے ہیں :

اعتدال کے ساتھ عورتوں کی طرف رغبت کا استحباب

اپنی منکوحہ عورتوں سے اعتدال کے ساتھ انس اور محبت کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ

(الروم : ۲۱) اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی متعلق فرمایا :

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا کی تین چیزوں کی محبت میرے دل میں رکھی گئی ہے۔ عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

عورتوں پر زیادہ اعتماد اور ان کے ساتھ زیادہ اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ نقصان

وہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطریا عید الاضحیٰ میں عید گاہ گئے۔ آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا : اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ تم زیادہ تر دوزخی ہو۔ عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خلود کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ ایسی ناقصات عقل اور ناقصات دین نہیں دیکھیں جو بہت زیادہ ہوشیار مرد کی عقل کو بھی سلب کر لیں انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ ان کی عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ (پھر فرمایا) کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آجائے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اعتدال کے ساتھ بیٹوں کی طرف رغبت کا استجاب

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے وجود کو انسان کے حق میں نعمت قرار دیا ہے کیونکہ بیٹے کے وجود سے انسان کی نسل آگے چلتی ہے اور دنیا میں باپ کا ذکر اور چرچا بیٹوں سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ اَوْثَانِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (النحل : ۷۲)

اس نے چوپایوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائی۔

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغ اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بنادے گا۔

اَمْذَكُم بِاَعْلَامٍ وَبَنِيْنَ (الشعراء : ۱۳۳)

وَيُؤْتِيْكُمْ مِّنْ اَمْوَالٍ وَبَنِيْنَ وَيَجْعَلُ لَكُمْ جَنَّتٍ وَيَجْعَلُ لَكُمْ اَنْهَارًا (نوح : ۱۲)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اپنے ماں باپ کے لئے دعا کرتا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

اولاد کے ساتھ محبت میں افراط اور شدت اشتغال سے روکنے کے لئے فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (المنافقون : ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔

اعتدال کے ساتھ مال کی طرف رغبت کا استحباب

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر رزق میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔ (النحل : ۷۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال میں زیادتی کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے، نیز فرمایا :

وَسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ (النساء : ۳۲)

اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فقراء مہاجرین نے آکر عرض کیا : یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں، وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ سو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم سبقت کرنے والوں کا اجر پاؤ اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر سبقت کرو اور کوئی شخص تم سے افضل نہ ہو مگر وہ جو تمہاری مثل اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو۔ ابو صالح نے کہا پھر فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا ہمارے مالدار بھائیوں کو ہماری تسبیحات پڑھنے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ہماری طرح تسبیحات پڑھنا شروع کر دیں (یعنی وہ پھر مالی عبادت کرنے کی وجہ سے ہم سے بڑھ گئے) آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۹-۲۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب مال و دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی اطاعت میں خرچ کیا جائے اور اگر مال و دولت کو محض مال و دولت کی خاطر جمع کیا جائے تو اس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مذمت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

أَلْهَكُمُ التَّكَاثُرُ ۚ حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۚ

تمہیں زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کر دیا۔ حتیٰ کہ تم (مرکز قبروں میں پہنچ گئے۔ (النکاث : ۱-۲)

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۖ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝
كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝

جس نے مل جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا وہ گن کر رہا ہے کہ
اس کا مل اس کو دنیا میں پیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ چورا

(الہمزہ : ۲-۳) چورا کدینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی مل میں شدید اشتغال اور استغراق کی مذمت فرمائی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :
اے لوگو! نبی ﷺ فرماتے تھے کہ اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک ولوی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ اسے دوسری
واوی بھی مل جائے اور اگر اس کو دوسری واوی بھی دے دی جائے تو وہ چاہے گا اسے تیسری واوی بھی مل جائے ابن آدم کے
پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو اللہ سے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۳-۹۵۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۳۸۱ھ)

اعتدال کے ساتھ گھڑوں اور مویشیوں کی طرف رغبت کا استعجاب
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا
تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ
وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ وَنَحْمِلُ أَنْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ
تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا يَشِقُّ الْإِنْفُسُ أَنْ رَئِبَكُمْ لِرُؤُفٍ
رَّحِيمٍ ۝ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا
وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ (النحل : ۵-۸)

اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لئے گرم لباس
ہے اور (مزید) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو
اور ان میں تمہارے لئے زینت ہے جب تم شام کو ان کو چرا کر
واپس لاتے ہو اور جب انہیں چرنے چھوڑ جاتے ہو ۝ اور وہ
مویشی تمہارا وزنی سلمان اٹھا کر ان شہروں میں لے جاتے ہیں جہاں
تم جہلی مشقت اٹھائے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک تمہارا
رب نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے ۝ اور اس نے
تمہاری سواری اور زینت کے لئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا
کئے اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔

اور (اے مسلمانو!) ان کے خلاف جتنی تم میں استطاعت ہے
ہتھیاروں کی فراہمی اور گھوڑے باندھنے کی تیاری کر لو ان سے تم
اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر دھاک بٹھاؤ اور ان کے سوا
دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ
لَا تَعْلَمُونَهُمُ (الانفال : ۶۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک گھوڑا کسی شخص کے
لیے باعث اجر ہے ایک گھوڑا باعث ستر ہے اور ایک گھوڑا باعث عذاب ہے۔ جس گھوڑے کو اس نے اللہ کی راہ میں
باندھا وہ اس کے لئے باعث اجر ہے اس کو وہ کسی چراگاہ یا باغ میں چرنے کے لئے چھوڑ دے تو جتنی دور وہ چرنے کے لئے

جائے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ پانی پینے کے لئے یا لید کرنے کے لئے جتنے قدم چلے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی، اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ستر ہے (یعنی گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ) یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے لوگوں سے مستغنی ہونے اور سوال سے بچنے کے لئے باندھا ہو پھر اس گھوڑے پر سواری کرنے اور اس پر بوجھ لادنے میں وہ اللہ کے حق کو فراموش نہ کرتا ہو (یعنی اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو) اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ضرر اور عذاب ہے۔ یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے تکبر، ریاکاری اور مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ سے باندھا ہو۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ گھوڑوں اور مویشیوں میں اللہ تعالیٰ نے زینت رکھی ہے اور انسان کے دل میں ان کی محبت و ولایت فرمائی ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے اور بندوں کے ساتھ صلہ رحم کرنے کے لئے ان کو اعتدال کے ساتھ جمع کرے تو یہ مستحب ہے اور باعث اجر و ثواب اور سبب مغفرت ہے اور اگر ان کو نمود و نمائش اور فخر اور تکبر کے لئے جمع کرے تو ان کا جمع کرنا باعث ضرر اور گناہ ہے۔

اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استحباب

کھیتی باڑی کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ○ أَأَنْتُمْ تَنْزُرُ عَوْنَهُ أَمْ نَحْنُ
الزَّارِعُونَ ○ (الواقعة: ۶۳-۶۴) ہم اگلنے والے ہیں؟

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کوئی پودا اگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے یا انسان یا جانور تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اہل خیبر سے معاملہ طے کیا کہ کھیتوں سے جو فصل کی پیداوار حاصل ہوگی اور باغات سے جو پھل حاصل ہوں گے تو (ان کے کام کرنے کے عوض) نصف وہ لیں گے اور (زمین کی ملکیت کی وجہ سے) نصف نبی ﷺ لیں گے۔ نبی ﷺ اس میں سے اپنی ازواج مطہرات کو اسی وسق (۴۸۰ من) کھجوریں اور بیس وسق (۱۲۰ من) جو عطا فرماتے تھے۔ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا خواہ خود زمین میں کاشت کریں یا غلہ کی مقدار مذکور لیں، بعض نے (حساب سے) غلہ لیا اور بعض نے خود کاشت کا انتظام کیا۔ حضرت عائشہ نے کاشت کاری کو اختیار کیا تھا۔

نبی ﷺ نے زراعت اور کھیتی باڑی میں زیادہ انہماک اور شدت اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بل کی پھلی اور کچھ آلات زراعت دیکھے تو کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم کے گھر میں بھی یہ آلات داخل کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ذلت میں مبتلا کر دے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۳-۳۴، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہوات کی محبت انسان کے لئے مزن

کردی گئی ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان ان چھ چیزوں کو بالکل ترک کر دے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ان کی محبت میں دُوب کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کو فراموش نہ کرے اور توازن اور اعتدال کے ساتھ ان چیزوں کی محبت میں مشغول رہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ کیا میں تم کو ان (سب) سے بہتر چیزوں کی خبر (نہ) دوں؟ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ○ (آل عمران ۱۶-۱۵)

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اچھے ٹھکانے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس میں باغات ہیں جن میں مسلمان ہمیشہ رہیں گے اور حیض اور نفاس اور برائیوں سے پاک اور صاف بیویاں ہیں یہ انسان کے جسم کی لذتیں ہیں اور روح کی لذت کے لئے اللہ کی رضا ہے اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ عزوجل اہل جنت سے فرمائے گا : اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لئے حاضر ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے رب! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے! تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے اے رب! اس سے زیادہ افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا حلال کر دیتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا! (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے افضل فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں انسان کو جس وقت دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اس وقت بھی اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ جانے کب یہ نعمتیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں، نیز دنیا میں انسان کو اگر کسی ایک وجہ سے راحت میسر ہوتی ہے تو کسی اور طرف سے مصیبت اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص بھی رنج اور فکر سے خالی نہیں ہے، اس کے برعکس آخرت کی نعمتوں میں کسی اعتبار سے فکر اور رنج کی آمیزش نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت میں باغات ہیں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے، اللہ سے ڈرنے والوں سے مراد متقی لوگ ہیں اور متقی وہ مومن ہے جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صفات پر اصرار سے مجتنب ہو اور کامل متقی وہ ہے جو خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی محترز ہو۔

کوئی شخص بھی توبہ اور استغفار سے مستغنی نہیں ہے

دوسری آیت میں ہے وہ متقی یہ کہتے ہیں کہ : اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو

بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا! امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ صرف ایمان کی وجہ سے بندہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ جو شخص تمام عبادات کا حامل ہو اور کامل متقی ہو اس کی مغفرت کا نہ ہونا عبث اور قبیح ہے لہذا اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے اور جو صرف ایمان سے متصف ہو اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں وہ گناہوں کی معافی کے لئے دعا کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے ایمان کے بعد ان کے استغفار کا ذکر کیا ہے، امام رازی نے اپنے موقف پر اس آیت کو بھی پیش کیا ہے :

رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ
اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ
عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّفْنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝
اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی سے یہ ندا سنی کہ
(اے لوگو!) اپنے رب پر ایمان لے، تو ہم ایمان لانے سے
ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو

(آل عمران : ۱۹۳) منادے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کر۔

امام رازی کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یہ ذکر ہے کہ ان لوگوں نے صرف اپنے ایمان لانے کا ذکر کر کے گناہوں سے استغفار کیا ہے یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جمیع طاعات کرنے کے بعد استغفار کیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۱۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر انسان صرف ایمان لایا ہو اور اس کو عبادت کا موقع نہ ملا ہو یا موقع ملنے کے باوجود اس نے عبادت نہ کی ہو یا گناہ کئے ہوں تب اس کا استغفار کرنا صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جو کامل متقی ہو اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوگی گناہوں کی مغفرت کے لئے نہیں ہوگی، کیونکہ انسان زندگی کا ہر سانس اطاعت الہی میں گزارنے کے باوجود اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر سے عہد بر آ نہیں ہو سکتا اور یہ عدل و انصاف سے ہرگز بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے شکر میں کوتاہی کرنے پر گرفت کرے اور اس کو عذاب دے، اس لئے بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی استغفار کرنے اور تفسیر طاعت پر معافی مانگنے سے مستغنی نہیں ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، البتہ تم ہمیشہ نیک کام کرتے رہو۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو ضرور عذاب دے گا در آل حایکہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز اس آیت کے بعد جو قرآن مجید کی آیت ہے اس میں صاف اور صریح طور پر نیک لوگوں کے استغفار کرنے کا ذکر

ہے :

الصَّٰبِرِیْنَ وَالصَّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ
وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران : ۱۷)
جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ کی اطاعت کرنے
والے اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور رات کے

آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سیدنا محمد ﷺ سے بڑھ کر کون اطاعت شعار اور عبادت گزار ہے اور آپ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے، امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نبی ﷺ معصوم ہیں نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ، کبیرہ گناہ سوا "یا عدا" "صورۃ" یا حقیقتاً "آپ سے کبھی صادر نہیں ہوا" پھر آپ کا استغفار کرنا اور توبہ کرنا اس لئے تھا کہ فی نفسہ توبہ اور استغفار عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا
آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر : ۳)

اور آپ کا توبہ اور استغفار کرنا اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (البقرہ : ۲۲۲)
بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یا آپ نے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں یا ترک اولیٰ کی وجہ سے استغفار کیا، یا بعض اوقات آپ امت کی تبلیغ کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات، ازواج مطہرات کے حقوق، جہاد اور اس نوع کے دیگر کاموں میں مشغول ہوتے اور آپ کا جو خاص مقام تھا کہ اللہ کے حضور میں اس طرح متوجہ ہوتے کہ اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے، ان امور میں اشتغال کی وجہ سے اس مقام میں فرق آجاتا آپ اس پر توبہ اور استغفار کرتے، ہرچند کہ ان امور میں مشغول ہونا بھی عظیم عبادت میں سے ہے، یا آپ کا حال دامن "ترقی پذیر تھا اور آپ اگلے حال کو دیکھ کر پچھلے حال پر استغفار کرتے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی کماحقہ عبادت نہیں ہو سکی اگرچہ آپ سب سے بڑے عبادت گزار تھے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ کی تمام نعمتوں پر کماحقہ شکر ادا نہیں ہو سکا یا اس لئے کہ اللہ کی جیسی حمد و ثناء ہونی چاہئے تھی نہیں ہو سکی یا تواضعاً استغفار کرتے یا تعلیم امت کے لئے استغفار کرتے۔ بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ کوئی شخص بھی اللہ سے توبہ اور استغفار کرنے سے مستغنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے، (راہ خدا میں) خرچ کرنے والے، رات کے پچھلے پہراٹھ کر استغفار کرنے والے ہیں۔

رات کے پچھلے پہراٹھ کر استغفار کرنے کی خصوصیت اور استغفار کی فضیلت

صبر کا معنی ہے ہر وہ ناگوار اور ناپسندیدہ چیز جس کو برداشت کرنا، مشکل اور دشوار ہو اس کو برداشت کرنا، اس آیت میں صبر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشقت کو برداشت کرتے ہیں، حرام کاموں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو روکتے ہیں جن کی نیتوں میں صدق اور اخلاص ہے۔ جن کے دل ایمان پر ثابت قدم ہیں جو ہر وقت سچ بولتے ہیں، خلوت اور جلوت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رات کے آخری پہراٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور

استغفار کرتے ہیں۔

”قانتین“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی عبادت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پناہ مانگتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں مل خرچ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرض، واجب اور مستحب ہر قسم کے صدقات ظاہر اور خفیہ ہر طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ اس آیت میں ”قانتین“ یعنی اطاعت گزاروں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں، اس میں یہ نکتہ ہے کہ بندے سے وہ استغفار مطلوب ہے جو ترک معصیت اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقرون ہو اور اگر انسان اپنی معصیت پر برقرار رہے اور خالی زبان سے استغفار کرتا رہے تو اس کا یہ استغفار کفنی نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص جو گناہوں پر اصرار کرتا رہے اور زبان سے استغفار کرتا رہے تو وہ گویا اپنے رب سے استغفار کر رہا ہے۔

استغفار کے لئے رات کے آخری حصہ کی تخصیص کی گئی ہے کیونکہ اس وقت سکون اور سناٹا ہوتا ہے اور بندہ خدا کے سامنے جو آہ وزاری اور نالہ و فریاد کرتا ہے اسے دیکھنے والا کوئی تیسرا نہیں ہوتا، نیز یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ سحر کے وقت رات کی ظلمت جاری ہوتی ہے اور صبح کا نور آ رہا ہوتا ہے اور ظلمت کے مقابلہ میں نور اس طرح ہے جس طرح موت کے مقابلہ میں حیات ہوتی ہے اور یہ عالم کبیر کی حیات ہے اور انسان عالم صغیر ہے جب وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے تو نیند کے بعد اس کی بیداری بھی موت کے بعد بہ منزلہ حیات ہے اور یہ وہ وقت ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت انسان کو بہت میٹھی نیند آتی ہے اور اس کا انتہائی میٹھی نیند کو چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لئے کھڑا ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے انتہائی محبت کرنے والا اور اس کا بہت اطاعت گزار ہے اس لئے اس وقت استغفار کرنے والوں پر اللہ بہت مہربان ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جب تیسرا حصہ باقی رہتا ہے آسمان دنیا کی طرف نازل (متوجہ) ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں! کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں، اور کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کی مغفرت کروں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جس نے تہجد کی نماز پڑھی اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کیا اس کا نام سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

استغفار بلکہ ہر دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان حضور قلب اور خشوع اور خضوع سے دعا کرے یہ نہ ہو کہ دل اور دماغ کہیں اور ہوں اور اللہ سے دعا کر رہا ہو۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تم کو قبولیت کا یقین ہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لو میں مشغول اور غافل قلب کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

یوں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کے لئے قرآن اور حدیث میں بہت سی دعائیں ہیں لیکن جس دعا کو نبی ﷺ نے سید الاستغفار فرمایا ہے وہ یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ دعا کرے : اے اللہ تو میرا رب ہے! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں، میں اپنی بد اعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں میں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں سو میری مغفرت فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت کرنے والا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور اس دن شام سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا اور جس نے رات کو یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور وہ اسی رات کو صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کو حل کر دے گا، ہر تنگی میں اس کے لئے فراخی کر دے گا اور جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (گواہی دی) در آں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۸)

مشکل الفاظ کے معانی

شہادت کا معنی ہے کسی یقینی بات کی خبر دینا یا کسی امر واقعی کا اظہار اور بیان کرنا۔ یہ اظہار یا تو مشاہدہ حسیہ پر مبنی ہوتا ہے یا مشاہدہ معنویہ پر مبنی ہوتا ہے۔ مشاہدہ معنویہ سے مراد دلائل اور براہین ہیں۔ اولو العلم۔ اصحاب علم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دلائل اور براہین سے لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام، فقہاء مجتہدین اور علماء ہیں۔ قانما بالقسط۔ اس سے مراد ہے اپنی تدبیر سے نظام عالم کو کیفیت متوسطہ پر قائم رکھنے والا اور دین اور شریعت میں متوسط عقائد اور احکام کا مکلف کرنے والا۔

آیت مذکور کے شان نزول میں متعدد اقوال

علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۳ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

شام کے دو عالم مدینہ منورہ آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر اس نبی کے شہر سے بہت مشابہ ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہے، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی کتاب میں لکھی ہوئی نعت سے پہچان لیا ان دونوں نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا آپ محمد ہیں؟ (ﷺ) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کیا آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے ایک شہادت کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے

آپ نے فرمایا تم مجھ سے سوال کرو۔ انہوں نے کہا یہ بتلائیے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (الآیہ) تو وہ دونوں مسلمان ہو گئے، ابن جبر نے کہا بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام بت سجدے میں گر پڑے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے مناظرہ کیا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اپنے دین کو اسلام کی بجائے یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کر دیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۵۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ)

علماء دین کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کے شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اور خود انسان کے نفس میں اپنی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کر دیئے ہیں اور فرشتوں اور رسولوں کو اپنی الوہیت اور وحدانیت کی خبر دی ہے اور رسولوں نے علماء اور عوام کو خبر دی ہے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں نے اور علماء نے اللہ کے واحد اور مستحق عبادت ہونے کی خبر دی ہے۔

اس آیت میں علماء دین کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی شہادت کے بعد علماء دین کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی علماء کی فضیلت مذکور ہے ان میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا (طہ : ۱۱۴)

اگر علم کے علاوہ کسی اور چیز میں فضیلت ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس چیز میں زیادتی کے حصول کی تلقین فرماتا۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۚ (الزمر : ۹) آپ کہئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ برابر ہیں۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۚ (الفاطر : ۲۸)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۴۴) اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔

بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں علماء دین کی فضیلت کا بیان ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جو قوم کتاب اللہ کی تلاوت کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرے ان پر سیکنہ نازل ہوتی ہے، انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کو فرشتے

گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس فرشتوں میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کوئے تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵، مطبوعہ نور محمد راجح الطباع کراچی ۱۴۵۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک قبیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہ خدا اگر اللہ تمہارے سب سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹، مطبوعہ مطبع مجبلی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کر لیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کو اس کے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنائے گا جو سب جنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۸۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ بابلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عابد تھا دوسرا عالم تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جس طرح میری تم میں سے کسی کوئی شخص پر فضیلت ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چوٹی بھی اپنے سوراخ میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ : جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور بے شک طالب علم کی رضا جوئی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں بھی عالم کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کی ستاروں پر اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے علم کو حاصل کر لیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کر لیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

ابو جعفر نے کہا عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ

بے شک اللہ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود

أَوْثُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَيْنَهُمْ ط

جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا ،

وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۱۹ فَإِنْ

اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۱۹ اور (اے محبوب)

حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ط وَقُلْ

اگر پھر بھی یہ آپ کے بھگڑا کریں تو آپ کہیے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے اور

لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ

آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے بھیسے کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے

اهْتَدَوْا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ ۚ وَاللَّهُ بِصِيرِ الْعِبَادِ ۝۲۰

تو وہ ہدایت پا گئے ہیں اور اگر انھوں نے رد گردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ۲۰

اسلام کا لغوی اور اصطلاحی معنی

اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اصطلاح شرع کے اعتبار سے اسلام کا معنی ہے نبی ﷺ اللہ کے پاس سے جو خبریں اور احکام لے کر آئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کو ماننا اور یہی ایمان کا اصطلاحی معنی ہے اور اس اعتبار سے ایمان اور اسلام واحد ہیں البتہ لغت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے، ایمان کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو مامون اور بے خوف کرنا۔ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اپنے آپ کو دوزخ کے دائمی عذاب سے محفوظ کر لیتا ہے، اور اسلام کا لغوی معنی ہے اطاعت کرنا سلامتی میں داخل ہونا اور اخلاص، جب انسان اسلام قبول کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے دنیا میں اس کی جان اور مال سلامتی میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ عذاب سے سلامت رہتا ہے، اور جو شخص جتنا پکا مسلمان ہوتا ہے اس کے دین میں اتنا زیادہ اخلاص ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہم نے وضاحت کے ساتھ دین کا معنی بیان کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں جو عقائد اور اصول مشترک رہے ہیں ان کا نام دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **لوز اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے بلوجود جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عتلا کے باعث تھا اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔** (آل عمران : ۸۹)

اہل کتاب کے اختلاف کا بیان

اس آیت میں جن اہل کتاب کے اختلاف کا ذکر ہے اس کے مصداق کی تعین میں حسب ذیل اقوال ہیں :

(۱) اس سے مراد یہود ہیں اور ان کے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر ائین بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا۔ پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد در اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے بلوجود باہمی حسد اور عتلا کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

(۲) اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور بلوجود انجیل کی تعلیمات کے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا اور انہیں عبد اللہ کی بجائے ابن اللہ کہا۔

(۳) اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور ان کا آپس میں اختلاف یہ تھا کہ یہود نے کہا کہ عزیر ابن اللہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن اللہ ہیں اور ان دونوں نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ قریش مکہ کی بہ نسبت نبوت کے ہم زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ ان پڑھ لوگ ہیں اور ہم اہل کتاب ہیں بلوجود اس کے کہ ان کے پاس سیدنا محمد ﷺ کی تصدیق کے متعلق علم آچکا تھا ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق اوصاف، علامات اور پیش گوئیاں تھیں۔ قرآن مجید میں ایسی آیات نازل ہو رہی تھیں جن کی تائید اور تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور نبی ﷺ سے ایسے معجزات کا ظہور ہو رہا تھا جن سے آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر کا اور ان کی تمام بد اعمالیوں کا علم ہے اس نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے وہ بہت جلد ان کا حساب لے گا اور ان کو ان کے جرائم کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **اور (اے محبوب!) اگر پھر بھی یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لئے اسلام قبول کر لیا ہے۔**

یہ آیت سیدنا محمد ﷺ کے دین کے تمام مخالفین کو شامل ہے عام ازیں کہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ مجوس ہوں یا بت پرست ہوں اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے علم آنے کے بلوجود سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں اختلاف کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے جواب میں یہ کہیں کہ میں نے تو اللہ کے حضور میں اپنا سر نیاز خم کر دیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے نبی ﷺ اپنی نبوت کے صدق پر معجزات کو ظاہر کر چکے تھے، درخت آپ کے بلانے پر چلے آئے۔ ہرنی نے آپ سے کلام کیا۔ گوہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر آپ پر سلام عرض کرتے تھے چاند اور سورج آپ کے زیر تصرف تھے نیز اس سے پہلے جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بھی آپ کے دین کے صدق کا بیان تھا۔ جب الھی القیوم فرمایا تو عیسائیوں کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ خدا وہ ہے جو ہمیشہ زندہ ہو، حضرت عیسیٰ پہلے نہ تھے پھر پیدا ہوئے اور مسیحی عقیدہ کے مطابق ان کو سولی دی گئی اور وہ فوت ہو گئے اور بہر حال

قیامت سے پہلے ایک دن انہوں نے فوت ہونا ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے اس معجزہ کا ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت قلیل تھی لیکن کافروں کو دوچند نظر آتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی شہادت کا ذکر کیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی بد عقیدگیوں اور ان کے تمام شہادت کا رد فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلائل قائم کئے اگر اس سب کے باوجود یہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو بہر حال اپنا سر نیاز اللہ کے سامنے خم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے کیا تم نے اسلام قبول کر لیا؟ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو وہ ہدایت پا گئے ہیں اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس آیت میں ان پڑھ لوگوں کو بھی مخاطب کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم نے لکھا تھا کہ اس آیت میں تمام کفار سے خطاب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کیا تم نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ آپ ان سے کہئے کہ تم اسلام قبول کر لو۔ امر کے بجائے استفہام سے خطاب فرمایا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا مخاطب بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہے اور وہ انصاف پسند نہیں ہے، کیونکہ منصف مزاج شخص کے سامنے جب کوئی چیز دلیل سے ثابت ہو جائے تو پھر وہ حیل و حجت نہیں کرتا اور اس کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۝۳۰

بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے ہیں

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمُ ۝۳۱

اور عدل و انصاف کا حکم دینے والے لوگوں کو قتل کرتے ہیں آپ ان کو دردناک

بَعْدَ اِیَّامٍ ۝۳۲ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا

عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع

وَالْاٰخِرَةُ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ ۝۳۳ اَلَمْ تَدْرِ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا

ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب

نَصِیًّا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ لِحُكْمِ بَیِّنَةٍ ثُمَّ

کا علم دیا گیا، انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرے

يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

پہران میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے ۱۰ اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب ہے کہ انہوں نے

تَمَسَّنَا النَّارَ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةٍ وَّغَرَّهَمُ فِيْ دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا

نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی، اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے

يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَوَفِّيْتُ

دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر بندھتے تھے ۱۰ اور کیا حال ہو گا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ۱۰ آپ یوں عرض کیجیے اے اللہ مالک کے

الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَن تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّن تَشَاءُ وَ

مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور

تُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيْدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

توجہ سے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے، سب بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے، بیشک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوَلِّجُ الْاَيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي الْاَيْلِ

چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ۱۰ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ

اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے

مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

بے حساب رزق دیتا ہے ۱۰

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا

ہے اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ وہ اعراض کرنے والے کون لوگ ہیں، آل عمران کی اس آیت : ۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے ان

لوگوں کی تین صفات بیان کی ہیں : (۱) یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں (۲) نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں (۳) عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء وناصحین کو قتل کرتے ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! قیامت کے دن کن لوگوں کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس شخص نے نبی کو قتل کیا یا نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی : بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں (الآیہ) پھر آپ نے فرمایا اے ابو عبیدہ! بنو اسرائیل نے صبح کے اول وقت میں تینتالیس نبیوں کو قتل کر دیا، تو بنو اسرائیل کے ایک سو بارہ عبادت گزار علماء کھڑے ہوئے انہوں نے ان کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو بنو اسرائیل نے اس دن کے آخری حصہ میں ان سب کو قتل کر دیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۵-۳۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کا انکار اللہ تعالیٰ کی تمام آیتوں کا انکار ہے

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں حالانکہ یہود اللہ تعالیٰ کو، فرشتوں کو، آسمانی کتابوں کو، انبیاء سابقین کو، قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب اور عذاب و ثواب کو ماننے والے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور تورات اور قرآن مجید میں آپ کی نبوت کے متعلق جو آیات ہیں ان کا انکار کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار اس کی تمام آیتوں کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ جس خدا نے باقی آیات نازل کی ہیں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے متعلق آیتیں بھی اسی نے نازل کی ہیں اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرنا تمام آیات الہیہ کا انکار کرنا ہے اس وجہ سے فرمایا یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی سری شہادت

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نبیوں کو قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء وناصحین کو قتل کرتے ہیں، حالانکہ یہ قتل تو ان مخاطبین یہود کے آباء اجداد نے کیا تھا تو اس فعل پر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء اجداد کی سیرت کو لائق تحسین اور قتل تقلید گردانتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، اس لئے ان افعال پر ان یہودیوں کی بھی مذمت کی گئی دوسرا جواب یہ ہے کہ اپنے آباء اجداد کی روش پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے بھی سیدنا محمد ﷺ کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور مشرکین کے ساتھ ساز باز کر کے نبی ﷺ اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور خیبر میں ایک یہودی عورت نے نبی ﷺ کو زہر آلود گوشت کا لقمہ کھلایا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس زہر کے اثر کو فی الفور روک لیا لیکن تین سال بعد اسی زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی اور آپ نے بھی سری شہادت پائی۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض سے نبی ﷺ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے فرمایا : اے عائشہ! میں ہمیشہ اس طعام کے درد کو محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھلایا تھا اور اب اس زہر کے اثر سے میرے قلب کی رگ کے منقطع ہونے کا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۷ مطبوعہ کراچی)

ظالم حکام کے سامنے حق بیان کرنا افضل جہاد ہے

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے بنو اسرائیل نے ایک سو بارہ علماء کو قتل کر دیا، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ عزیمت اور شریعت میں اصل یہ ہے کہ مسلمان جان کی پرواہ کئے بغیر حق کا اظہار کرے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے راستہ میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا اس وقت آپ نے رکاب میں پیر رکھا ہوا تھا : کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۶ مطبوعہ کراچی)

اس حدیث کو امام ابو داؤد (ج ۲ ص ۴۱) امام ترمذی (ص ۳۱۶) ابن ماجہ (ص ۲۸۹) امام حمیدی (ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۱) امام بیہقی (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۳) اور امام احمد (ج ۳ ص ۶۱) نے بھی روایت کیا ہے، اور یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سے شہداء سب سے زیادہ مکرم ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس نے کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور حاکم نے اس شخص کو شہید کر دیا۔ (مسند بزار)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے حق ظاہر ہونے کے بعد اس کو بیان کرنے سے اور کسی بڑی بات کا ذکر کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ لوگوں کا دباؤ موت کو قریب کرتا ہے نہ رزق کو دور کرتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۲) (مسند احمد ج ۳ ص ۹۲-۸۷-۸۶-۸۵-۸۴-۸۳-۸۲-۸۱-۸۰-۷۹-۷۸-۷۷-۷۶-۷۵-۷۴-۷۳-۷۲-۷۱-۷۰-۶۹-۶۸-۶۷-۶۶-۶۵-۶۴-۶۳-۶۲-۶۱-۶۰-۵۹-۵۸-۵۷-۵۶-۵۵-۵۴-۵۳-۵۲-۵۱-۵۰-۴۹-۴۸-۴۷-۴۶-۴۵-۴۴-۴۳-۴۲-۴۱-۴۰-۳۹-۳۸-۳۷-۳۶-۳۵-۳۴-۳۳-۳۲-۳۱-۳۰-۲۹-۲۸-۲۷-۲۶-۲۵-۲۴-۲۳-۲۲-۲۱-۲۰-۱۹-۱۸-۱۷-۱۶-۱۵-۱۴-۱۳-۱۲-۱۱-۱۰-۹-۸-۷-۶-۵-۴-۳-۲-۱)

نیز حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص ہے جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کو (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا تو اس حاکم نے اس کو شہید کر دیا۔ (المعجم الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور برائی سے منع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے برے لوگوں کو تم پر مسلط کر دے گا پھر تمہارے نیک لوگ (بھی) دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (مجمع ج ۷ ص ۲۶۶)

مصیبت سے بچنے کے لئے کلمہ حق نہ کہنے کا جواز اصل، عزیمت اور افضل تو یہی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان کا خطرہ ہو پھر بھی وہ اظہار حق سے باز نہ رہے لیکن شریعت میں یہ رخصت بھی دی گئی ہے کہ جب حق بات کہنے سے اس کی اپنی یا کسی اور کی جان کا خطرہ ہو تو وہ اپنے آپ کو

خطرو میں نہ ڈالے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے خود کو ذلت میں ڈالنا جائز نہیں ہے آپ سے پوچھا گیا کہ ذلت میں ڈالنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا وہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۴-۲۷۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجاج سے خطبہ میں ایسی چیزیں سنیں جن کا میں انکار کرتا تھا میں نے اس کا رد کرنے کا ارادہ کیا پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث یاد آئی کہ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر کی سند جید ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الاوسط میں حضرت علی سے بھی روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۵، ۲۷۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۱۰ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آیا میں اپنے امام کو نیکی کو حکم دوں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ تم کو قتل کر دے گا تو پھر نہ دو۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۹۶، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ ○ (آل عمران : ۲۲-۲۱) یہود کے جرائم پر سزاؤں کا ترتیب

ان یہودیوں کے تین جرائم بیان کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنا، نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور علماءناہین کو قتل کرنا، اب اس کے مقابلہ میں ان کے لئے تین سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کے اعمال کا دنیا میں ضائع ہونا۔ آخرت میں ضائع ہونا اور ان کے لئے کسی مددگار کا نہ ہونا۔ دنیا میں ان کے اعمال کے ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے کئے ہوئے اچھے کاموں کی دنیا میں تحسین نہیں ہوگی، جہاد میں ان کو قتل کر دیا جائے گا اور میدان جہاد میں ان کا جو مال ہاتھ آئے گا وہ بطور مال غنیمت ضبط کر لیا جائے گا اور جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں گے ان کو غلام بنانا جائز ہوگا، اور آخرت میں اعمال ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت میں ان کی نیکیوں پر ان کو اجر و ثواب کے بدلہ عذاب ہوگا، اور تیسری سزا یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی شفاعت سے محروم ہوں گے، انہیں جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جن کاموں پر انہیں عذاب ہوگا یہ ان کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ اچھے کام ہیں تو پھر ان کے لئے یہ خوشخبری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتب کا علم دیا گیا، انہیں کتب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے، پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے۔

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا : اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لئے اسلام قبول کر لیا ہے، اور یہ بتایا تھا کہ انہوں نے عنوا "اعراض کیا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے عنوا کی انتہاء یہ ہے کہ انہیں ان کی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے تو وہ اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یودیوں کے مدرسہ میں گئے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ان یودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا اے محمد! (ﷺ) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی ملت پر۔ انہوں نے کہا ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا تو رات لاؤ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہے۔ انہوں نے اس سے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتب کا علم دیا گیا انہیں کتب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے تو پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر باندھتے تھے۔

(آل عمران : ۲۴)

یہود جو اللہ پر افتراء باندھتے تھے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ ہمیں صرف گنتی کے چند دن آگ جلائے گی وہ کہتے تھے کہ انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی سو ان کو چالیس دن کا عذاب ہو گا نیز وہ کہتے تھے کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اس لئے ان سے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہو گا اور وہ سیدنا محمد ﷺ سے کہتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور آپ باطل پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کیا حال ہو گا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(آل عمران : ۲۵)

اس آیت میں یہود کے افعال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کے مخاطبین کو اس پر تعجب کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود کو جمع فرمائے گا جس دن نسب منقطع ہو جائیں گے اور کسی شخص کے کام نہ اس کا مال آئے گا نہ اس کی اولاد کام آئے گی اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَنُصِّعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ (الانبیاء : ۴۷)

قیامت کے دن ہم انصاف کی میزائیں رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔

بلا توبہ مرتکب کبیرہ مرنے والے مومن کی مغفرت میں مذاہب

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مومن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ توبہ کئے بغیر مر جائے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو اس کے ایمان کی جزا بھی تو دینی ہے اب یا تو وہ ایمان کی جزا پانے کے بعد جنت سے نکال کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا یا گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد اس کو جنت میں داخل کیا جائے دوسری صورت میں ہمارا مدعا ثابت ہے اور پہلی صورت اجماعاً باطل ہے نیز قرآن مجید میں ہے کسی شخص کو جنت میں داخل کرنے کے بعد اس کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُحَرَّرِينَ انہیں جنت میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے (الحجر : ۴۸) جائیں گے۔

اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتکب کبیرہ مومن کو جنت سے نکال کر دوزخ میں ڈال دیا جائے اس لئے یا تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم یا نبی ﷺ کی شفاعت سے اس مومن کو بخش دے گا جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مر گیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اسے جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کی سزا کے لئے دوزخ میں ڈالے گا اور پھر اس شخص کو اس کے ایمان کی جزا دینے کے لئے جنت میں داخل کر دے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے گناہ کی وجہ سے اس کا ایمان ضائع کر دیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بداعتہ "باطل ہے۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ ایک لحظہ کا ایمان ستر سال کے کفر کو ساقط کر دیتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ستر سال کا ایمان ایک لحظہ کے گناہ سے ساقط ہو جائے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (الزلزال : ۷) سو جس نے ذرہ برابر (بھی) نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا۔

اگر کسی مومن کو اس کے ایمان کی جزا نہ دی جائے تو اس آیت کے خلاف ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ یوں عرض کیجئے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ (آل عمران : ۳۶)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور یہ ظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ یہ دعا کریں : اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔

لےتا ہے یعنی ملک اور بادشاہی اللہ کے اختیار میں ہے اس پر بندوں کا اقتدار نہیں ہے۔

روم اور فارس کی فتح کی پیش گوئی

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۶۱ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا اور آپ نے اپنی امت سے روم اور فارس کی سلطنتوں کا وعدہ کیا تو یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہ روم اور فارس کے ملک اور کہیں محمد ﷺ یہ بہت بعید بات ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ جب غزوہ احزاب میں نبی ﷺ نے خندق کے نشان لگائے اور ہر دس آدمیوں کی جماعت کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودتے ہوئے ایک ایسی چٹان آگئی جو کسی کدال اور پھلوڑے سے نہ ٹوٹتی تھی تب صحابہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے پاس بھیجا اور انہوں نے آکر آپ کو بتایا۔ نبی ﷺ نے حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک ضرب لگائی تو آپ کی ضرب سے چنگاریاں اڑیں اور اندھیری رات میں بجلی کی طرح روشنی پیدا ہوئی آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا مسلمانوں نے بھی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس روشنی میں مجھے حیرہ کے محلات نظر آئے، پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے روم کے محلات نظر آئے، پھر تیسری ضرب لگائی تو فرمایا اس روشنی میں مجھے صنعاء کے محلات نظر آئے اور مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر خبر دی کہ میری امت ان تمام ملکوں پر قابض اور غالب ہوگی سو تمہیں خوش خبری ہو۔ یہ سن کر منافقوں نے کہا تم کو اپنے نبی پر تعجب نہیں ہوتا وہ تم سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور وہ تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ یثرب سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات کو دیکھ رہا ہے اور وہ ملک تمہارے لئے فتح ہوں گے حالانکہ تم مارے خوف کے خندقیں کھود رہے ہو، اور تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان خندقوں سے باہر نکل کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکو، تب یہ آیت نازل ہوئی : آپ دعا کیجئے اے اللہ ملک کے مالک! تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک چھین لیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا : اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو فارس اور روم کے ملکوں پر غلبہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے مقلات اسی طرح ہیں انہیں جب کسی دعا کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث میں آپ کے کئی معجزات کا بیان ہے جو چٹان کسی سے نہ ٹوٹتی تھی وہ آپ کی ایک ضرب سے ٹوٹ کر بکھر گئی آپ نے اپنی ضرب سے پیدا ہونے والی چمک میں دور دراز ملکوں کے محلات دیکھے آپ نے اپنی امت کو روم اور فارس پر فتح کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی۔

سیدنا محمد ﷺ کے نبی ہونے پر مخالفین کے اعتراض کا جواب

”مالک الملک“ میں ملک سے مراد سلطنت اور غلبہ ہے ایک قول ہے اس سے مراد مال اور غلام ہیں اور مجاہد نے کہا اس سے مراد نبوت ہے، ملک سے نبوت مراد ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ علماء ربانین کی مخلوق کے باطن پر حکومت ہوتی ہے اور بادشاہوں کی مخلوق کے ظاہر پر حکومت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حکم مخلوق کے ظاہر اور باطن دونوں پر نافذ ہوتا ہے اور علماء ہوں یا حکام دونوں نبی علیہ السلام کے حکم کے تابع ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا ملک بادشاہوں کے

ملک سے زیادہ عظیم اور وقیع ہے۔ اور ہر مشرکین نبی ﷺ کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ تعجب سے کہتے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو رسول بناتا تب بھی اس کو کسی پیکر انسانی میں بھیجتا اور وہ پھر اسی شبہ میں مبتلا ہوتے اور بعض مشرک یہ کہتے تھے کہ اگر کسی بشر نے ہی رسول ہونا تھا تو اللہ تعالیٰ کسی بہت بڑے دولت مند یا کسی بہت بڑے سردار کو رسول بناتا ایک خاک نشین یتیم کو اللہ نے رسول کیسے بنا دیا؟ یہود کہتے تھے کہ نبوت تو ہمارے آباء اور اسلاف میں تھی قریش ان پڑھ لوگ ہیں ان میں نبی کیسے مبعوث ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان تمام منکروں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سبحانہ مالک الملک ہے، نبوت کا مالک ہے وہ جس کو چاہے نبوت عطا فرمائے، اس تقریر پر یہ اعتراض ہے کہ پھر ملک چھیننے کا معنی ہو گا کہ وہ جس سے چاہے نبوت چھین لیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے نبوت سلب نہیں فرماتا! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کی نسل میں نبوت رکھے اور اس میں نسل در نسل نبی آتے رہیں پھر اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کی نسل میں نبوت رکھ دے تو یہ بات صادق آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی نسل سے نبوت کو سلب کر لیا اور دوسرے شخص کو نبوت عطا کر دی اور یہاں ایسا ہی ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بنو اسرائیل کی نسل میں نبوت رکھی اور پھر یہ نبوت بنو اسماعیل کی نسل میں سے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کر دی۔

اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے لیکن یہاں فرمایا ہے کہ سب خیر تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور شر کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اوب کا تقاضا ہے اللہ کی طرف شر کی نسبت نہ کی جائے بلکہ شر کی نسبت اس کے کاسب کی طرف کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تورات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عظیم مظاہر میں سے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے سردیوں میں بتدریج رات لمبی ہوتی رہتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا رہتا ہے اور گرمیوں میں دن بتدریج لمبا ہوتا رہتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی رہتی ہے کبھی دن اور رات میں بہت فرق ہوتا ہے اور کبھی دونوں معتدل ہوتے ہیں اور قطبین میں یہ فرق بہت زیادہ ہو جاتا ہے وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور بلغاریہ میں سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹہ بعد صبح طلوع ہو جاتی ہے اور وہاں کے رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یا تو اس سے مادی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ بیج سے درخت کو نکالتا ہے، نطفہ سے انسان کو اور انڈے سے پرندے کو یا اس سے معنوی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ جاہل سے عالم کو پیدا کرتا ہے اور کافر سے مومن کو پیدا کرتا ہے، اور مردہ کو زندہ سے نکالنا اس کے برعکس ہے جیسے بیج کو درخت سے نطفہ کو انسان اور جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے مال اور رزق سے بے حساب عطا فرماتا ہے۔ یعنی اے اللہ! تو اس پر قادر ہے کہ عجم سے ملک چھین کر عرب کو عطا فرمادے اور بنو اسرائیل سے نبوت لے کر بنو اسماعیل کو عطا فرمادے۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہو آل عمران کی اس آیت میں ہے : اللہم مالک الملک تؤتی الملک من نشاء الایۃ
(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں جریر بن فرقہ ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۷۲۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

ایمان والے ، مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں ،

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا

اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان

مِنْهُمْ تُقْنَهُ وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ط وَاللَّهُ الْمَصِيرُ ۝۲۸

سے بچاؤ کرنا چاہو ، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۝

قُلْ إِنْ تُخْفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ

آپ کہیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر

قَدِيرٌ ۝۲۹ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ط

ہے ۝ وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی

وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَتَذَكَّرُ أَنْ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدٌ أَبْعَدُ ط

کی ہوئی بُرائی کو (بھی) اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ

وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ط وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے ۝

کفار سے دوستی کی ممانعت کا آیات سابقہ سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور حمد و ثناء اور اس سے دعا کس طرح کرنی چاہئے، سو وہ اللہ کے ساتھ معاملہ کا بیان تھا اور اس آیت میں بندوں کے ساتھ معاملہ کا بیان ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت رکھیں اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت نہ رکھیں، نیز اس سے پہلی آیت میں کفار کا بیان تھا اور اس آیت میں کفار کے ساتھ محبت اور ان سے رغبت رکھنے سے منع فرمایا ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت نہ رکھیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے محبت رکھیں کیونکہ وہی مالک الملک ہے وہ جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کعب بن اشرف، ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید کی بعض انصار صحابہ سے باطنی دوستی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کریں، حضرت رفاعہ بن منذر، حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت سعد بن خثیمہ نے ان انصار سے کہا کہ وہ ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے سے اجتناب کریں لیکن یہ مسلمان نہیں مانے اور ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے پر مصر رہے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں (یا اللہ کی عبادت میں یا اللہ والوں کی جماعت اور اللہ کے مقررین میں) بالکل نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۱۵۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس آیت کو اس حدیث کا عنوان بنایا ہے، وہ حدیث یہ ہے: امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں جاؤ وہاں ایک عورت سفر کر رہی ہوگی اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے لو۔ ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم روضہ میں پہنچ گئے تو وہاں وہ مسافرہ تھی ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا وہ خط نکالو ورنہ تمہارے کپڑے اتار دیئے جائیں گے، تب اس نے اپنے بالوں کے مجھے سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ اس خط میں حضرت حاطب نے مکہ کے مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کے بعض اذلت کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قربت داروں میں سے نہیں ہوں، میں ان سے مل کر رہنے والا ہوں، آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ والوں کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ مکہ میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے اموال کی حفاظت کر لیں گے تو میں نے یہ چاہا کہ جب مکہ والوں کے ساتھ میری کوئی رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کر دوں اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں میں نے یہ فعل کسی کفر یا ارتداد یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا

یہ شخص بدر میں حاضر ہو چکا ہے تمہیں کیا پتا ہے کہ بے شک اللہ تل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۲ ج ۲ ص ۵۶۷ مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۴۳۸ھ)

کفار سے مولات (دوستی) کی ممانعت کا معنی اور محل۔

اس آیت میں کفار کے ساتھ مولات سے منع فرمایا ہے۔ مولات کا معنی ہے محبت اور قلبی لگؤ۔ یہ محبت رشتہ داری کی وجہ سے ہوتی ہے یا پرانی دوستی کی وجہ سے ہوتی ہے یا نئی ششمالی کی وجہ سے ہوتی ہے جو غیر اختیاری ہوتی ہے اور جو چیز غیر اختیاری ہو وہ شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے یہاں نفس محبت سے ممانعت مراد نہیں ہے بلکہ انسان محبت کی بناء پر جو معاملہ اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے اور محبت کے جن تقاضوں پر عمل کرتا ہے ان معاملات اور تقاضوں پر عمل کرنے سے ممانعت مراد ہے۔ مثلاً ”محبوب کی تعظیم اور تکریم کرنا“ محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا اور اس کی تعریف و توصیف کرنا“ اس کا بہ کثرت ذکر کرنا اور اس کی رضا جوئی کی کوشش کرنا سو کفار کی تعظیم و تکریم کرنا ان کی تعریف و توصیف کرنا“ ان کا بہ کثرت ذکر کرنا“ اور ان کے احکام کو باقی احکام پر ترجیح دینا“ ان کی رضا جوئی کی کوشش کرنا اپنے دین اور عبادت کے معاملات میں ان سے مدد حاصل کرنا اور ان کو ہم راز بنانا“ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا یہ تمام امور ان کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔ البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جس طرح مالک نوکروں سے مدد لیتا ہے اور تفوق اور برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا جائز ہے اسی وجہ سے لیل کتب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کے مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بغیر کسی معاشی مجبوری اور اضطرار کے ان کی نوکری اور ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف جارہے تھے جب آپ بحرۃ الومہ (مدینہ سے چار میل دور ایک مقام) پر پہنچے تو ایک شخص ملا جس کی جرات اور طاقت کا بہت چرچا تھا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس نے کہا میں آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں تاکہ مل غنیمت میں سے مجھے بھی حصہ ملے رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: واپس چلے جاؤ میں کسی مشرک کی مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا وہ دوبارہ پھر آیا اور مدد کی پیش کش کی آپ نے پھر یہی فرمایا میں کسی مشرک سے مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا بلا آخر وہ مسلمان ہو گیا اور آپ نے اس کو ساتھ لے لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عزت و وقار اور غلبہ کے ساتھ مشرکین کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے اور ذلت اور خواری کے ساتھ مشرکوں کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۸ مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۴۳۵ھ)

اس تفصیل کے ساتھ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مولات جائز نہیں ہے البتہ ان کے ساتھ مواصلت (انسانی ہمدردی کا معاملہ کرنا) مدارات (گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کرنا) اور مجرد معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کرنا جائز ہے اور مدائنت (دنیا داری کے لئے حق کو چھپانا) جائز نہیں ہے۔ ہم ان تمام امور پر قرآن مجید اور مستند احادیث سے استدلال کریں گے پہلے مولات کی ممانعت پر قرآن مجید کی مزید چند آیات پیش کرتے ہیں۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة - بلیق۔

کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے مولات کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ
أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ فِيهِمُ بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَ
كُم مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنه : ۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ قَدْ يَكْسِبُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبْسُ الْكُفَّارُ مِنْ
أَصْحَابِ الْقُبُورِ (الممتحنه : ۱۳)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ
مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ
إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ

(المجادلة : ۲۲)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ
الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي
شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ
وَالِىَ اللَّهُ الْمَصِيرُ - (ال عمران : ۲۸)

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ
(هود : ۱۱۳)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةَ مَنْ دُونِكُمْ
لَا يَأْتِيَنَّكُمْ خَبْرًا (ال عمران : ۱۱۸)

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ
عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا
يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى مَعَ
الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (الانعام : ۶۸)

إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتَ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا
تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ
إِنَّكُمْ إِذَا قَاتَلْتُمُوهُمْ (النساء : ۷۶)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو
دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو
تمہارے پاس آیا ہے۔

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے
غضب فرمایا، بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے، جیسے کفار قبر
والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

(اے محبوب!) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے
ہیں آپ انہیں اس حل پر نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے
محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں
خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے
قریبی رشتہ دار!

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں، اور جو ایسا
کرے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، البتہ اگر تم ان سے جان بچانا
چاہو (تو دوستی کے اظہار میں حرج نہیں) اور اللہ تمہیں اپنے
(غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی طرف مائل نہ ہو ورنہ
تمہیں دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری تباہی میں کمی
نہیں کریں گے۔

اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں
کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے حتیٰ کہ وہ کسی اور بات
میں بحث کرنے لگیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے
بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ نہ بیٹھ۔

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا استہزاء
کیا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات
میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ اس وقت تم (بھی) انہی کی
مثل ہو جاؤ گے۔

آخر الذکر دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے پاس اس وقت بیٹھنا منع ہے جب وہ اسلام کے
خلاف باتیں کر رہے ہوں ان کی مجلس میں مطلقاً بیٹھنا منع نہیں ہے۔ البتہ کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے محبت اور دوستی رکھنا

مطلقاً حرام اور ممنوع ہے، جیسا کہ باقی ذکر کردہ آیات سے واضح ہو گیا۔
بد عقیدہ لوگوں سے معاملات کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی تاویل کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے اجتناب کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : قدر یہ اس امت کے مجوس ہیں وہ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر تقدیر ہیں وہ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : منکرین تقدیر کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۹۳-۲۷۵ ملتقطاً، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیشمی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ تھا اس سے مراد بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں، ان کی توبہ نہیں ہے میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (معجم صغیر، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

علامہ احمد بن حجر ہیشمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرمایا اور میرے لئے اصحاب اور سرال کو منتخب فرمایا، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا ان کے ساتھ پینا نہ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء ج ۱ ص ۱۴۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا گمراہ فرقوں کے پاس نہ بیٹھو، نہ ان سے بحث کرو، کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے

کہ وہ اپنی گمراہی میں تم کو مبتلا کر دیں گے یا تمہارے عقائد کو تم پر مشتبہ کر دیں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۹۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰، مطبوعہ بیروت)

نیز امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

ابو جعفر کہتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں کج بخشی کرتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

وضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں، حضرت یوشع نے عرض کیا : اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مواسات (انسانی ہمدردی) کے متعلق آیات اور احادیث

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کرنا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرنا تو مطلقاً حرام اور ممنوع ہے البتہ غیر حربی کافروں اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کے جذبہ سے نیکی اور صلہ رحمی کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے :

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ
وَلَمْ يَخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا
إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ۔
اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل کرنے سے
نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی، اور تمہیں
تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں

(الممتحنة : ۸) کو پسند فرماتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں میری والدہ میرے پاس آئیں وہ اس وقت مشرک تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا : میری والدہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا : ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قلیلہ بنت عبد العزیٰ اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس گویا ترس (ایک قسم کی سبزی) اور گھی کا ہدیہ لے کر آئی حضرت اسماء نے اس کا ہدیہ لینے سے انکار کیا اور اس کو اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا۔ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ عدل اور نیکی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کو گھر میں آنے کی اجازت دینے کا حکم دیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۹ھ)

امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی متوفی ۳۶۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے بادشاہ نے رسول اللہ ﷺ کو کچھ ہدیے بھیجے جن میں ایک سوٹھ کا گھڑا تھا آپ نے اس کو اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا، آپ نے ہر انسان کو ایک ٹکڑا دیا اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دومتہ الجندل کے ایک عیسائی سردار نے آپ کو گوند کا ایک گھڑا ہدیہ کیا آپ نے اپنے اصحاب کو اس کا ایک ایک ٹکڑا عطا کیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵، ص ۱۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کو مشک، عنبر اور کانور سے مرکب خوشبو کی ایک شیشی ہدیہ کی اور مسلمان ہو گیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶، ص ۲۱۳، مطبوعہ بیروت)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ایشی متوفی ۸۰۷ھ، امام بزار کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش کو سخت قحط سالی پہنچی حتیٰ کہ انہوں نے سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی کھالیں اور اس وقت قریش میں رسول اللہ ﷺ اور عباس بن عبد المطلب سے زیادہ کوئی خوش حال نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عباس سے کہا اے چچا! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں اور قریش کو جس قحط سالی کا سامنا ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ آئیے ان کے پاس چلیں اور ان سے ان کے بعض بچوں کو لے لیں پس وہ گئے اور کہا اے ابوطالب! آپ کو اپنی قوم کا حال معلوم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی بھی یہی کیفیت ہے، ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ اپنے بعض بچوں کو ہمیں دے دیں، ابوطالب نے کہا میرے لئے عقیل چھوڑ دو اور جو تمہیں پسند ہو وہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیا اور عباس نے جعفر کو لے لیا وہ دونوں جب تک مستغنی نہ ہوئے ان کے پاس رہے، سلیمان بن داؤد نے کہا حضرت جعفر عباس کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ (مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۵۳، دار الکتب العربیہ بیروت)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مجروحہ معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کے متعلق احادیث

ذی کافروں اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ معاشرتی برتاؤ کرنا، خرید و فروخت، قرض کالین دین، بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ کرنا جائز ہے البتہ مرتدین سے کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک طویل القامت لمبے اور بکھرے ہوئے بالوں والا مشرک آیا جو بکری لے جا رہا تھا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا یہ بکری فروخت کرو گے یا بطور تحفہ دو گے؟ اس نے کہا بلکہ میں فروخت کروں گا۔ نبی ﷺ نے اس سے بکری خرید لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے اوحار پر طعام خرید اور لوہے کی ایک زرہ گروی رکھ دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور چربی لے کر گئے در آں حایکہ نبی ﷺ نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ نے اپنے اہل کے لئے اس سے جو لئے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۹۵-۲۷۷، ملتبھا، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے عیادۃ المشرک کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لئے گئے۔ آپ نے اس سے فرمایا اسلام قبول کرلو۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی ﷺ ان کی عیادت کے لئے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵-۸۳۴، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۱ھ)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادیسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا وہ دونوں کھڑے ہو گئے انہیں بتایا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا، انہوں نے کہا نبی ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا آپ سے کہا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے آپ نے فرمایا کیا یہ روح نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۵، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۱ھ)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مدارات (نرم گفتگو اور ملائمت) کے متعلق احادیث کافروں، ظالموں اور بد عقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نرم رویہ اور ملائمت کے ساتھ پیش آنا، ان سے میٹھی باتیں کرنا اور ان سے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے ملنا مدارات ہے تاکہ انسان ان کی اذیت رسانی، بد زبانی اور ان کے ہاتھوں بے عزتی سے محفوظ رہے، اور یہ کفار سے دوستی، محبت اور موالات کے حکم میں نہیں ہے جو کہ ممنوع ہے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں کے ساتھ مدارات کرنا صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عقل کی اصل مدارات ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے۔

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانے کے بعد بڑی عقل مندی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتوں میں سے کوئی خصلت بھی نہ ہو اس کے عمل میں کسی قاتل ذکر چیز کا گمان نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جو اس کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روکے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل سے باز رہے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

وہیب کی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں تین صفات نہ ہوں اس کے عمل کا اعتبار نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جس کی وجہ سے وہ حرام کاموں سے باز رہے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل کو لوٹا دے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے لوگوں کی

مدارات کرے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۳۳۴-۳۳۹ ملتقطاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا مکمل یہ ہے کہ

لوگوں کے ساتھ محبت ہے رہا جائے، اور کوئی شخص مشورہ سے مستغنی نہیں ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں برے ہیں وہ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۵۰۱-۵۰۰، مطبوعہ بیروت)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۴۵ھ بیان کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان لانے کے بعد عقل کا مکمل یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے، مشورہ کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہوگا، جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں نیک ہوں گے۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۶۱، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

(تمذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۰۱-۳۰۰، مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۲۴۳، مطبوعہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت طلب کی اس وقت میں بھی آپ کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اجازت دے دی اور اس سے بہت نرم گفتگو کی جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق جو فرمایا تھا پھر آپ نے اس کے ساتھ ملائمت کے ساتھ بات کی؟ آپ نے فرمایا : اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں سے ہنس کر ملتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع، کراچی ۱۴۳۸ھ)

مدارات کے جواز میں اور بہت احادیث ہیں تاہم اتنی مدارات نہیں کرنی چاہئے جس سے دینی حیثیت جاتی رہے اور مدارات کرنے والے کے متعلق مداہنت کا گمان کیا جائے۔

مداہنت کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيَذْهَبُونَ

انہوں نے یہی چاہا کہ (دین کے معاملہ میں) آپ ان سے بے جا (القلم : ۹) نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

دل میں جو بات چھپائی ہے اس کے خلاف بیان کرنا مداہنت ہے۔ ابوالیشم نے کہا کہ مداہنت کا معنی ہے قول میں نرمی اور کلام میں کسی کی موافقت کرنا، ہمارے شیخ نے کہا اصل میں مداہنت کا معنی ہے کسی چیز کو تیل لگا کر حسی طور پر نرم کرنا، بعد میں اس کا استعمال معنوی نرمی میں ہوا اس کا مجازاً استعمال بہ طور تحقیر کیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنے دین یا اپنی رائے میں متصلب نہیں ہوتا وہ اس میں مداہنت کرتا ہے اور اب مداہنت کا لفظ اسی معنی میں حقیقت عرفیہ ہے اور مدارات کا معنی کلام میں مطلقاً نرمی کرنا ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۰۵، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۴۰۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کسی کی ناحق طرف داری کرنا مداخلت ہے جو شخص نیکی کا حکم دے نہ برائی کو مٹائے حقوق کو ضائع کرے اور دکھاوا کرے وہ مداخلت ہے۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۲۹۳، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں :

مداخلت یہ ہے کہ کوئی شخص برائی دیکھے اور اس کو نہ مٹائے اور باوجود قادر ہونے کے شرم کے سبب دینی بے غیرتی اور بے حمیت سے رشوت لے کر یا کسی کی جانب داری کے سبب اس سے منع نہ کرے۔

(اشعة اللمعات ج ۳ ص ۱۷۴، مطبوعہ مطبع تج کمار لکھنؤ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی حدود میں مداخلت کرنے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والوں کی مثال یہ ہے کہ بحری جہاز میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کچھ لوگ بالائی منزل میں بیٹھے ہوں اور کچھ نچلی منزل میں، نچلی منزل والے پانی کے لئے بالائی منزل میں جاتے ہوں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تب نچلی منزل والوں نے ایک کلباڑی لے کر جہاز کے نچلے حصے کو توڑنا شروع کیا (تاکہ سمندر سے پانی لے لیں) پھر بالائی منزل والوں نے توڑنے والوں سے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تم کو ہمارے پانی لینے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے، اب اگر انہوں نے توڑنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ ان کو بھی بچالیں گے اور خود کو بھی، اور اگر انہوں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود کو بھی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

مداخلت اور مداخلت کا اصطلاحی فرق

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں :

مداخلت ممنوع ہے اور مداخلت مطلوب ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ مداخلت کا شرعی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص برائی کو دیکھے اور وہ اس کو روکنے پر قادر بھی ہو لیکن برائی کرنے والے یا کسی اور کی جانب داری کی وجہ سے یا خوف کے سبب یا طمع کی وجہ سے یا دینی بے حمیت کی وجہ سے اس برائی کو نہ روکے، اور مداخلت یہ ہے کہ اپنی جان یا مال یا عزت کے تحفظ کی خاطر اور متوقع شر اور ضرر سے بچنے کے لئے خاموش رہے، خلاصہ یہ ہے کہ کسی باطل کام میں بے دینوں کی حمایت کرنا مداخلت ہے اور دین داروں کے حق کی حفاظت کی خاطر نرمی کرنا مداخلت ہے۔

(مرقات ج ۹ ص ۳۳۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

مداخلت اور مداخلت میں فرق یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور ظالموں سے بچنے کے لئے جو نرمی کی جائے وہ مداخلت ہے اور ذاتی منفعت، طلب دنیا اور لوگوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے دین کے معاملہ میں جو نرمی کی جائے وہ مداخلت ہے۔ (اشعة اللمعات ج ۳ ص ۱۷۴، مطبوعہ مطبع تج کمار لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان سے

(آل عمران : ۲۸)

تقیہ کی تعریف اس کی اقسام اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں تقیہ کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ تقیہ کی تعریف یہ ہے : جان، عزت اور مل کو دشمنوں کے شر سے بچانا، اور دشمن دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی دشمنی دین کے اختلاف کی وجہ سے ہو جیسے کافر اور مسلمان، دوسرے وہ جن کی دشمنی اغراض دنیوی کی وجہ سے ہو مثلاً "مل، متاع، ملک اور لہارت کی وجہ سے عدوت ہو" اس وجہ سے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہو گئیں۔

تقیہ کی پہلی قسم جو دین کے اختلاف کی وجہ سے عدوت پر مبنی ہو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ ہر وہ مومن جو کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں مخالفین کے غلبہ کی وجہ سے اس کے لئے دین کا اظہار کرنا ممکن نہ ہو اس پر اس جگہ سے ایسی جگہ ہجرت کرنا واجب ہے جہاں وہ دین کا اظہار کر سکے، اور اس کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ دینی دشمنوں کی سرزمین میں رہے اور اپنے ضعف کا عذر ظاہر کر کے اپنے دین کو چھپائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، اگر ہجرت نہ کرنے میں ان کا کوئی عذر شرعی ہو مثلاً "وہ لوگ بچے، عورتیں اور یتیم ہیں یا قید میں ہوں یا ان سے مخالفین نے یہ کہا ہو کہ اگر تم نے ہجرت کی تو ہم تم کو قتل کر دیں گے یا تمہاری اولاد یا تمہارے مل باپ کو قتل کر دیں گے خواہ ان کی گردنیں اڑا دیں یا ان کو قید میں رکھ کر بھوکا مار دیں اور اس بات کا ظن غالب ہو کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائیں گے، اس صورت میں ان کے لئے کافروں کی سرزمین میں رہنا جائز ہے اور یہ ضرورت تقیہ کر کے ان کی موافقت کرنا جائز ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس علاقہ سے نکلنے کا حیلہ تلاش کریں اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے وہاں سے نکل بھاگیں اور اگر مخالفین کسی منفعت کو سلب کرنے کی دھمکی دیں یا ایسی مشقت میں ڈالنے کی دھمکی دیں جس کا برداشت کرنا ممکن ہو مثلاً "قید میں ڈال دیں اور قید میں کھانا دیں یا ان کو ماریں لیکن ایسی ضرب نہ ہو جس سے انسان مر جائے تو پھر تقیہ کرنا اور ان کے دین کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے اور جس صورت میں تقیہ جائز ہے اس صورت میں بھی ان کی موافقت کی رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ وہ اس صورت میں بھی تقیہ نہ کرے اور اپنے دین کا اظہار کرے اور اگر اس کو دین کے اظہار کے جرم میں مار ڈالا جائے تو وہ شہید ہے۔

جب کوئی مسلمان کفار کے علاقہ میں ہو اور اس کو دین کے اظہار کے سبب اپنی جان، مل اور عزت کا خطرہ ہو تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا واجب ہے اور تقیہ کرنا اور کفار کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ :

قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْنَاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ○ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حل میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے (ان سے) کہتے ہیں کہ تم کس حل میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ مگر وہ لوگ جو (واقعی) بے بس اور مجبور ہیں وہ

سُبْحَانَكَ يَا وَلِيَّكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَغْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا (النساء : ۹۹-۹۷)

مرد، عورتیں اور بچے جو نکلنے کا کوئی حیلہ نہ پائیں اور نہ راستے سے واقف ہوں تو قریب ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے اور

اللہ بہت معاف فرمانے والا ہے حد بخشش والا ہے۔

جبر اور اکراہ کی صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرنا رخصت اور تقیہ کو ترک کرنا عزیمت ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے :

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ میلہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے دو اصحاب کو گرفتار کر لیا ان میں سے ایک سے پوچھا : کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں، تو اس کو رہا کر دیا، پھر دوسرے کو بلا کر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا ہاں، پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں اور تین بار سوال کے جواب میں یہی کہا میلہ نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا، جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا جو شخص قتل ہوا اور اپنے صدق اور یقین پر گامزن رہا اس نے فضیلت کو حاصل کیا اس کو مبارک ہو، دوسرے نے رخصت پر عمل کیا اس پر اسے کوئی ملامت نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۰ للبحاص)

تقیہ کی دوسری قسم یعنی جب مل و متاع اور امارت کی وجہ سے لوگوں سے عداوت ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس صورت میں آیا ہجرت واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا اس صورت میں بھی ہجرت واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ : ۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مل کو ضائع کرنے کی بھی شریعت میں ممانعت ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہجرت واجب نہیں ہوتی، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اپنی جان یا اپنے رشتہ داروں کی جان کا یا اپنی اور ان کی عزت کا خطرہ ہو تو حق یہ ہے کہ ہجرت واجب ہوتی ہے لیکن یہ عبادت اور قرب الہی نہیں ہے جس کی وجہ سے ثواب حاصل ہو، کیونکہ اس ہجرت کا وجوب محض دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہے دین کی حفاظت کی وجہ سے نہیں ہے اور ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا، کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ ہر واجب عبادت نہیں ہوتا بلکہ بہت سے واجبات پر ثواب نہیں ملتا جیسے سخت بھوک کے وقت کچھ کھانا واجب ہے اور اس پر ثواب نہیں ہے، اسی طرح بیماری میں جن چیزوں کے کھانے سے ضرر کا یقین ہو یا اس پر ظن غالب ہو ان سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس صحت کی حالت میں مضر صحت اور زہریلی اشیاء کو کھانے سے احتراز کرنا واجب ہے۔ یہ ہجرت بھی اسی قسم کی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی مثل نہیں ہے، ہر چند کہ یہ اعلیٰ درجہ کی ہجرت نہیں ہے لیکن یہ ہجرت بھی ہر واجب پر ثواب سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح مفید اشیاء کو کھانا اور مضر اشیاء سے اجتناب کرنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا صحیح نہیں ہے۔

یہ کے متعلق شیعہ کا نظریہ

شیعہ علماء کی تقیہ میں بہت مختلف اور مضطرب عبارات ہیں بعض علماء نے یہ کہا کہ ضرورت کے وقت تمام اقوال

میں تقیہ کرنا جائز ہے اور بعض اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے تقیہ واجب ہوتا ہے اور ایسے کسی فعل میں تقیہ کرنا جائز نہیں جس سے مومن کا قتل ہو یا اس کے قتل کئے جانے کا ظن غالب ہو۔ مفید نے کہا بھی تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ نہ کرنا افضل ہوتا ہے۔ ابو جعفر طوسی نے کہا ظاہر الروایات میں یہ ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کرنا واجب ہے اور بعض علماء نے یہ کہا مال کے خطرہ کے وقت بھی تقیہ کرنا واجب ہے اور عزت کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا مستحسن ہے۔ حتیٰ کہ سنت یہ ہے کہ جب شیعہ اہل سنت کے ساتھ جمع ہوں تو نماز روزہ اور باقی دینی امور اہل سنت کے مطابق کریں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی سنی کی اقتداء میں تقیہ نماز پڑھی اس نے گویا نبی (ﷺ) کی اقتداء میں نماز پڑھی اور بعد میں اس نماز کے اعادہ میں ان کے مختلف اقوال ہیں کسی ایک سنی سے مذہب شیعہ کو بچانے کے لئے تقیہ کی فضیلت میں ان کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے جائز ہے بعض نے کہا معمولی سے خوف یا معمولی سے لالچ کی بناء پر تقیہ ”کفر کو ظاہر کرنا واجب ہے“ علماء شیعہ کے نزدیک تقیہ دین کی عظیم اصل ہے حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی تقیہ منسوب کیا ہے ان کی تقیہ سے اہم غرض خلفاء راشدین، رضی اللہ عنہم کی خلافت کو باطل کرنا ہے۔ اللہ ان سے پناہ میں رکھے۔

تقیہ کے بطلان پر نقلی اور عقلی دلائل

کتب شیعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد اجداد کا تقیہ نہ کرنا ثابت ہے اور اس سے تقیہ کی وہ فضیلت بھی باطل ہوتی ہے جس کا انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ نبج البلاغت جو ان کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب ہے اس میں لکھا ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں تم کو صدق سے نقصان اور کذب سے نفع ہو وہاں تم کذب پر صدق کو ترجیح دو۔ (نبج البلاغت ص ۲۹۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

کہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اور کہاں ان کا ”ان اکر کم عند اللہ ان شکم“ کی یہ تفسیر کرنا ”اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو زیادہ تقیہ کرے“ اور اسی نبج البلاغت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : خدا کی قسم اگر میرا دشمنوں سے مقابلہ ہو در آں حالیکہ میں اکیلا ہوں اور ان کی تعداد سے زمین بھری ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی نہ گھبراہٹ ہوگی کیونکہ جس گمراہی میں وہ مبتلاء ہیں اور اس کے مقابلہ میں میں جس ہدایت پر ہوں اس پر مجھے بصیرت ہے اور مجھے اپنے رب پر یقین ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور حسن ثواب کی امید ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ارشاد میں یہ دلالت ہے کہ حضرت امیر اکیلے ہوں اور دشمن بہت ہوں تب بھی وہ نہیں ڈرتے تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ تقیہ نہ کرنا بے دینی ہو نیز عیاشی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کر کے مسجد میں داخل ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آئے اور اس کی گدی پر ضرب لگا کر فرمایا افسوس! تو بے وضو نماز پڑھ رہا ہے! اس نے کہا مجھے عمر نے کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لے گئے اور بہ آواز بلند فرمایا : دیکھو یہ تمہارے متعلق کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں اس کو میں نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہ آواز بلند گفتگو کی اور تقیہ نہیں کیا۔

تقیہ کے بطلان پر واضح دلیل یہ ہے کہ تقیہ خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو قسم کا ہے ایک جان کی ہلاکت کا اور دوسرا تکلیف، اذیت، مشقت بدنی اور سب و شتم کا۔ اول الذکر یعنی جان کا خوف حضرات ائمہ میں دو وجوہوں سے

مشتفی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ کی طبعی موت ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے جیسا کہ کلینی نے کافی میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور اس مسئلہ کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے، اور اس پر تمام امامیہ کا اجماع بیان کیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام ائمہ کو ماکلن و مایکون کا علم ہوتا ہے پس ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مدت حیات کتنی ہے اور موت کی کیا کیفیت ہے اور کس وقت میں موت واقع ہوگی وہ تمام تفصیل اور کیفیات پر مطلع ہوتے ہیں، لہذا موت کے وقت سے پہلے ان کو موت سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ تقیہ کرنا چاہئے۔ ثانی الذکر خوف کی وجہ بدن کی تکلیف اور اذیت اور سب و شتم اور بے عزتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا ہمیشہ سے صالحین کا طریقہ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہمیشہ مشقتوں کو برداشت کرتے رہے ہیں اور بسا اوقات انہوں نے جابر سلطانوں سے مقابلہ کیا اور اپنے جد کریم ﷺ کے دین کی نصرت کے لئے حضرات اہل بیت کا اذیتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا اور تکلیفوں پر صبر کرنا دوسرے صلحاء امت کی بہ نسبت انہیں زیادہ لائق ہے پھر ان تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے تقیہ کرنے اور باطل کی موافقت کرنے کی کیا حاجت ہے!

نیز اگر تقیہ واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ "تقیہ کر لیتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے میں چھ ماہ تک توقف نہ کرتے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ "یزید کی بیعت کر لیتے اور اپنے رفقاء سمیت کربلا میں شہید نہ ہوتے، کیا حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ علم نہیں تھا کہ جان کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا واجب ہے اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ امام الائمہ تبارک واجب تھے۔

علماء شیعہ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف جو تقیہ کی نسبت کی ہے اس کے بطلان کے لئے قرآن مجید کی یہ آیات کافی

ہیں :

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا۔
جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔

(الاحزاب : ۳۹) والا۔
يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَلَوْ أَنْ تَفْعَلَ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔
اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر اور المائدہ : ۶۷)

(ضرر) سے بچائے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی قرآن مجید میں آیات ہیں جو تقیہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

تقیہ کے متعلق ائمہ اہل سنت کے مذاہب

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں :

اضطرار کی حالت میں تقیہ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے، اور یہ واجب نہیں ہے بلکہ تقیہ کو ترک کرنا افضل ہے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے کفر نہیں کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا وہ اس شخص سے افضل ہے جس نے تقیہ کیا، مشرکین نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا حتیٰ کہ ان کو شہید کر دیا

مسلمانوں کے نزدیک وہ حضرت عمار بن یاسر سے زیادہ افضل تھے جنہوں نے تقیہ "کفر کو ظاہر کیا"

(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۰ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۸۰ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ تقیہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اور اس کو ترک کرنا افضل ہے، کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ کفر نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قتل کر دیا جائے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جو جان بچانے کے لئے تقیہ "کفر کو ظاہر کرے" اسی طرح ہر وہ کام جس میں دین کا اعزاز ہو اس کو بہ روئے کار لانا خولہ قتل ہونا پڑے رخصت کی بہ نسبت افضل ہے، امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا اگر آپ کو تلوار پر پیش کیا جائے تو آپ تقیہ "جواب دیں گے؟ فرمایا نہیں۔ امام احمد نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جلیل جہالت کا اظہار کر رہا ہو تو حق کیسے ظاہر ہوگا؟ اور جو چیز ہم تک تو اتر اور تسلسل سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کو خرچ کر دیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کی اور نہ کسی جابر کے ظلم کی۔

امام رازی نے کہا کہ ضرورت کی بناء پر تقیہ کی رخصت کا تعلق صرف اظہار حق اور دین کے ساتھ ہے اور جس چیز میں ضرورت کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو اس میں تقیہ کرنے کی اجازت نہیں ہے مثلاً "جان بچانے کے لئے کسی کو قتل کرنا" زنا کرنا، کسی کا مال چھیننا، جھوٹی گواہی دینا۔ پاک دامن عورتوں پر سمت لگانا اور مسلمانوں کے رازوں سے کفار کو مطلع کرنا اس قسم کے امور کو تقیہ "انجام دینا بالکل جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار غالب ہوں تو ان کے ساتھ تقیہ کی رخصت ہے، مگر امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایسی صورت حل پیدا ہو جائے تو جان اور مال کی حفاظت کے لئے ان کے درمیان بھی تقیہ کرنا جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۲۸ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان کافروں کے درمیان گھر جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے نرمی سے جواب دے در آں حالیکہ اس کا دل تصدیق سے مطمئن ہو اور جب تک قتل کا اعضاء کاٹنے کا یا سخت ایذا پہنچانے کا خطرہ نہ ہو تقیہ کرنا جائز نہیں ہے، اور جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ثابت قدمی سے دین پر جمار ہے اور کفریہ کلمہ نہ کہے اگرچہ اس کی رخصت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

تقیہ کرنے کی رخصت ہے یہ عزیمت نہیں ہے۔ امام احمد سے پوچھا گیا کہ آپ کے سر پر تلوار رکھ دی جائے تو کیا آپ تقیہ سے جواب دیں گے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جلیل جہالت پھیلا رہا ہو تو حق کی ظاہر ہوگا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۷۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص کافروں میں رہتا ہو اور اس کو اپنی جان اور مال کا خطرہ ہو تو وہ ان سے نرمی کے ساتھ بات کرے اور دشمنی ظاہر نہ کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ان سے اس طرح باتیں کرے جس سے ان کی محبت اور دوستی ظاہر ہو لیکن دل

سے محبت نہ رکھے بلکہ دشمن جانے، نیز جس صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے وہاں بھی حق کا اور ایمان کا اظہار کرنا افضل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۲۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (آل عمران : ۲۹)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ظاہری اور باطنی موافقت اور دوستی رکھنے سے منع فرمایا تھا اور جان، مال اور عزت کے خطرہ کے وقت ان سے تقیہ "ظاہری موافقت کی اجازت دی تھی" اب اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید فرمائی ہے کہ تقیہ کے وقت اگر ان سے باطنی موافقت کی تو اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قدرت کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ دلوں کے حال کو جاننے والا بھی ہے اور معصیت پر مواخذہ کرنے پر قادر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی کی ہوئی برائی کو (بھی) حاضر پائے گا اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ (آل عمران : ۳۰)

وعد اور وعید اور ترغیب اور ترہیب

اس آیت کے پہلے حصہ میں ترہیب ہے اور دوسرے حصہ میں ترغیب ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن اپنی کی ہوئی نیکی اور برائی کو حاضر پائے گا۔ اس پر یہ سوال ہے کہ انسان کے کئے ہوئے اعمال تو اس سے صادر ہونے کے بعد باقی نہیں رہتے پھر قیامت کے دن یہ اعمال کیسے موجود ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن صحائف اعمال موجود ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (البجاثیہ : ۲۹) بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے۔

یَوْمَ يَنفَعُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (البجاثیہ : ۲۹) جس دن اللہ سب کو جمع کرے گا پھر ان کے کئے ہوئے کاموں کی ان کو خبر دے گا، اللہ نے ان سب کو محفوظ کر لیا ہے، اور وہ انہیں

(المجادلہ : ۶) بھول چکے ہیں، اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

مومن جن گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحیفہ اعمال سے مٹا دیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ متوقع ہے کہ جن گناہوں پر بندے نے توبہ کر لی ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے کئے ہوئے عمل کی جزا پائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (الزلزال : ۷-۸) سو جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس (کی سزا) کو دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہیں اپنی ذات کے غضب سے ڈراتا ہے اس میں وعید کا بیان ہے اس کے ساتھ ہی فرمایا اللہ عباد (اپنے بندوں) پر نہایت مہربان ہے، وعید کے بعد وعدہ کا ذکر فرمایا کیونکہ ایمان خوف اور امید کے مابین ہے اور وعدہ میں روف مبالغہ کا صیغہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کی وعید پر اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مکمل علم اور وسعت قدرت کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر ظاہر اور ہر باطن چیز کے مواخذہ پر قادر ہے۔

ہے سو اس کے غضب سے ڈرنا چاہئے اس کے ساتھ اپنے رؤف ہونے کا ذکر کیا کیونکہ وہ بندہ کے گناہوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ وہ بندوں کو اللہ سے توبہ کرنے اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کی مصلحت دیتا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عباد کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ وہ عباد پر رؤف ہے اور قرآن مجید میں عباد کا لفظ زیادہ تر نیکو کاروں پر آیا ہے :

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا رَحْمَنُ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (الفرقان : ۳۳)

(الفرقان : ۳۳)

اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا :

وَلَا غَوْ يَنْتَهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ (الحجر : ۳۹-۴۰)

اور میں ضرور ان سب کو گرہ کروں گا مگر ان سے جو ان میں سے چن لئے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کی وعید کا ذکر کیا پھر مومنین اور صالحین کے لئے وعدہ کا ذکر کیا اور یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح کفار اور فساق کو سزا دینے والا ہے اسی طرح مطیعین اور محسنین کو جزا دینے والا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ

آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہوں

لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ

کو بکشت دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۝ آپ کہیے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝

پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ۝

اتباع رسول کے حکم کا شان نزول اور آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی اور جب کہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی پیروی کرنا ہے جو آپ کا پیرو کار ہے وہ اللہ کا محب ہے اور جو آپ کی پیروی سے محروم ہے وہ اللہ کی محبت سے محروم ہے۔

مخلوق کے کمال کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرے اور اللہ کی ان پر عنایت یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کے لئے تمام مخلوق پر یہ واجب کر دیا ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی اطاعت کریں امام احمد حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے کوئی امر جائز نہ ہوتا (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸ مطبوعہ بیروت) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع واجب ہے تو جو لوگ حضرت موسیٰ کی طرف

مُسَوَّب اور ان کے امتی ہیں ان پر تو سیدنا محمد ﷺ کی اتباع بطریق اولیٰ واجب ہوگی۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی اتباع کریں گے، امام بخاری نے روایت کیا ہے : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ کراچی ۱۳۸۱ھ) سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کریں گے تو ان کی ملت کے پیروکاروں پر بہ طریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی پیروی کریں۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیتوں میں بطور تہدید اور وعید لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اب ایک اور طریقہ سے ان کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے، وہ یہ ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ مسجد حرام میں گئے وہاں قریش بنوں کو سجدہ کر رہے تھے، آپ نے فرمایا اے جماعت قریش! بہ خدا تم ملت ابراہیم کی مخالفت کر رہے ہو۔ قریش نے جواب دیا ہم اللہ کی محبت میں ان کی عبادت کر رہے ہیں تاکہ یہ بت ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ عیسائیوں نے کہا ہم اللہ کی محبت میں مسیح کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی، خلاصہ یہ ہے کہ جو فریق بھی اللہ کی محبت کا مدعی ہو اور اس کی رضا اور اس کی اطاعت کا طالب ہو تو آپ اس سے کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویٰ میں صادق ہو تو اللہ کے حکم کو مانو اور اس پر عمل کرو، اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔

محبت کا معنی اور اللہ اور رسول کی محبت کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

انسان جس چیز کو اپنے گمان کے مطابق اچھا گمان کرے اس چیز کے ارادہ کرنے کو محبت کہتے ہیں، اس کی تین صورتیں ہیں۔ انسان لذت کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان عمدہ کھانوں اور حسین عورتوں سے محبت کرتا ہے، اور کبھی انسان نفع کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان اطباء اور حکماء سے محبت کرتا ہے اور کبھی انسان فضل اور کمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان علماء اور اولیاء اللہ سے محبت کرتا ہے، بہادروں اور غیوں سے محبت کرتا ہے، ملک اور قوم کے لئے نمایاں کام کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ کبھی ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کو بھی محبت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :

الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

(ابراہیم : ۳)

اللہ تعالیٰ جو بندہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے وہ ان پر انعام و اکرام کرتا ہے اور اس کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازتا ہے۔

اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یعنی ان کو ثواب عطا

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اَلْاِمْرَانُ : ۳۴)

فرماتا ہے۔)

اور جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے بندہ اللہ کے قرب اور اس کی رضا کا طالب ہے۔

(المفردات ص ۱۰۵، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

ابن عرفہ نے کہا اہل عرب کے نزدیک کسی شے کے ارادہ اور اس کے قصد کو محبت کہتے ہیں، ازہری نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معنی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کے احکام پر عمل کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو اپنی مغفرت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”بیشک وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔“ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کافروں کو نہیں بخشے گا۔ سہل بن عبد اللہ نے کہا اللہ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے اور قرآن سے محبت کی علامت نبی ﷺ سے محبت کرنا ہے اور نبی ﷺ سے محبت کی علامت سنت سے محبت کرنا ہے اور ان سب سے محبت کی علامت آخرت سے محبت کرنا ہے، اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ قدر ضرورت کے علاوہ دنیا سے بغض رکھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۶۱-۶۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

اللہ کی محبت کا حصول جن نفوس قدسیہ کی محبت پر موقوف ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی لولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔ یہ کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، اور وہ جس شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا آگ میں ڈالے جانے کی طرح مکروہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو طعن اور تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا، اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ عنقریب اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو جبرائیل اس بندہ سے محبت کرتا ہے، پھر جبرائیل آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۲، مطبوعہ کراچی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کے لئے رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا، آپ کے اصحاب اور اہل بیت سے محبت رکھنا اور آپ کی امت کے اولیاء اللہ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور جو شخص ان نفوس قدسیہ کی محبت سے محروم ہو وہ کبھی اللہ کی محبت حاصل نہیں کر سکتا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو اللہ اپنا محبوب بنا لیتا ہے سو ہم قرآن اور سنت کی روشنی میں وہ افعال بیان کرنا چاہتے ہیں جن کو کرنے سے اللہ بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے اور وہ افعال جن کو کرنے سے اللہ کی محبت سے محروم رہتا ہے۔

جن افعال اور عبادات سے اللہ محبت کرتا ہے

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرہ: ۱۹۵)
إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ

(البقرہ: ۲۲۲)

اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (ال عمران: ۷۶)

پس بے شک اللہ، اللہ سے ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (ال عمران: ۱۴۶)

اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (ال عمران: ۱۵۹)

بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (المائدہ: ۴۲)

بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يِقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا

بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں

كَأَنَّهُمْ بَنِيَانٌ مَّرْصُومٌ (الصف: ۴)

سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں، جن چیزوں سے بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے جن کو میں نے اس پر فرض کیا ہے، اور بندہ نوافل کے ساتھ ہمیشہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کفن ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال

کرتے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳ مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی انہوں نے کہا۔ السلام علیکم (تم پر موت ہو) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے اس کو سمجھ لیا میں نے کہا تم پر موت اور لعنت ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھہرو! اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کرنے سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۰ مطبوعہ نور محمد اصح الطباع کراچی ۸۳۸ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلائیے جب میں وہ عمل کر لوں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سے بے رغبتی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے ہاتھوں میں جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ مومن سے محبت کرتا ہے جو تنگ دست ہو، سوال سے بچتا ہو اور عیال دار ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۰۳-۳۰۴ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جن افعال سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

اور حد سے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ (البقرہ : ۱۹۰)

اور اللہ کسی ناشکرے، گنہ گار سے محبت نہیں کرتا

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ (البقرہ : ۲۷۶)

اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (ال عمران : ۵۷)

بے شک اللہ کسی خائن اور بڑے گنہ گار سے محبت نہیں کرتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا (النساء : ۱۰۷)

اللہ اس شخص سے محبت نہیں کرتا جو بری بات کو آشکارا کرے

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالشُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ

ماسوا اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

(النساء : ۱۳۸)

اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (المائدہ : ۶۴)

اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں سے

وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ

محبت نہیں رکھتا۔

(الاعراف : ۳۱)

بے شک وہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (النحل : ۲۳)

بے شک اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (القصص : ۷۶)

بے شک اللہ کسی اکڑنے والے تکبر سے محبت نہیں کرتا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (القمان : ۱۸)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مال ضائع کرنے سے زیادہ سوال کرنے سے اور بحث کرنے سے محبت نہیں کرتا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جاہل بوڑھے، ظالم امیر اور متکبر فقیر سے محبت نہیں کرتا اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں حارث نام کاروی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۵، مطبوعہ بیروت)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

بنو ضمرہ کے ایک شخص نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ماں باپ کی نافرمانی سے محبت نہیں کرتا۔ (المصنف ج ۸ ص ۲۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل بد خلق اور بد زبان سے محبت نہیں کرتا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہ آیت اس حکم کی تاکید ہے ”میری اتباع کرو“ علامہ ابوالحیاء اندلسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی : ”آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا“۔ تو عبد اللہ بن ابی نے اپنے اصحاب سے کہا کہ محمد (ﷺ) اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی مثل قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسی عیسیٰ بن مریم سے محبت کی گئی تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(الحجۃ المحیط ج ۳ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى

بیک اشرف نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر بزرگی

الْعَالَمِينَ ۝ ذُرِّيَّتَهُ مَعْصُرًا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

دی ○ ان میں سے بعض، بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے

خاص انسانوں کا خاص فرشتوں سے اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے رسولوں کی فضیلت اور ان کے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں مکلفین اور غیر مکلفین اور بلاشبہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں، اور مکلفین کی چار قسمیں ہیں ملائکہ، شیطان، جن اور انسان، شیطان اور اس کی ذریات تو کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَكُيُودُونَ إِلَىٰ أُولِيَآئِهِمْ
رَبِّهِمْ وَأَن لَّهُمْ فِيهَا مَلَكٌ مُّشْرِكٌ ۖ
وَأَن لَّهُمْ فِيهَا مَلَكٌ مُّشْرِكٌ ۖ
(الانعام : ۳۱)

اور جنات میں سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر ہیں، قرآن مجید میں ہے :

وَأَنَّا مَتَّيْنَا الْمُسْلِمُونَ وَمَتَّيْنَا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ
فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۖ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا
لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن : ۱۵-۱۴)

بشر، شیاطین اور جنات سے بالاتر افضل ہیں اور ملائکہ اور بشر کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔ معزز ملائکہ کو افضل قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ملائکہ کو رسل بشر سے بھی افضل کہتے ہیں، اور اہل سنت کے نزدیک رسل ملائکہ تو عوام بشر سے افضل ہیں لیکن رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں (عوام بشر سے مومنین صالحین مراد ہیں کفار اور فساق سے بالاتر ملائکہ افضل ہیں) رسل بشر کا عوام ملائکہ سے افضل ہونا تو بالبداهت ہے اور رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہ طور تعظیم اور تکریم سجدہ کریں اور حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی تعظیم کا حکم دیا جائے دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا - (البقرہ : ۳۱) اور اللہ نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

اس آیت کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ حضرت آدم کو فرشتوں پر فضیلت دی اور ان کے علم کی زیادتی کو بیان فرمایا اور ان کی تعظیم اور تکریم کے استحقاق کی وجہ بیان فرمائی۔ اور عوام بشر کی عوام ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ انسان فضائل اور علمی اور عملی کمالات حاصل کرتا ہے جب کہ اس کی طبیعت میں اس کے خلاف شہوانی اور غضبانی موانع اور عوائق موجود ہیں اور اس کو اپنی بھوک مٹانے، تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کے لئے کسب معاش کی احتیاج ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موانع اور صوارف کے باوجود عبادت اور ریاضت کرنا اور علمی اور عملی کمال حاصل کرنا زیادہ دشوار ہے اور اس میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ فرشتوں کی عبادت سے زیادہ افضل ہے کیونکہ ان کی عبادت میں کوئی مانع اور شغل نہیں ہے اور چوتھی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے اپنے اپنے زمانہ میں) تمام جہانوں پر برتری دی (آل عمران : ۳۳) اور تمام جہانوں میں فرشتے بھی داخل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عوام ملائکہ سے عوام بشر افضل ہیں اور ملائکہ کے اس عموم

سے رسل ملائکہ بالاجماع مستثنیٰ ہیں، اسی طرح آل ابراہیم اور آل عمران کے عموم سے کفار اور فساق عقلاً مستثنیٰ ہیں اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم، حضرت نوح اور حضرت ابراہیم تو تمام فرشتوں سے افضل ہیں خواہ رسل ملائکہ ہوں یا عوام ملائکہ اور حضرت ابراہیم اور حضرت عمران کی اولاد میں سے مومنین اور صالحین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حضرت آدم، حضرت نوح وغیرہم کے خصوصی ذکر کی توجیہ اور ان کی فضیلتوں کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان فضیلت یافتہ اور بزرگ شخصیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ آدم اصغر ہیں اور دنیا میں رہنے والے تمام انسان ان ہی کی اصل سے ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کا ذکر فرمایا اور رسول اللہ ﷺ بھی آل ابراہیم میں مندرج ہیں، جن کی اتباع اور اطاعت کا خصوصیت کے ساتھ اس سے پہلی آیت میں حکم دیا گیا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس میں مندرج ہیں، اور اس کے بعد آل عمران کا ذکر فرمایا اور اس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مندرج ہیں، آل ابراہیم کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ یہودی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے ساتھ مخصوص کرتے تھے اور آل عمران کا خصوصیت کے ساتھ ذکر عیسائیوں کی وجہ سے کیا، اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا ان کو بزرگی دی اور فضیلت عطا فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی وجہ سے فضیلت عطا فرمائی انہیں بنی نوع انسان کا مبدء بنایا۔ وہ پہلے نبی ہیں۔ ان کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم عطا فرمایا اور فرشتوں کے سامنے ان کی علمی برتری ظاہر فرمائی، انہیں مسجود ملائکہ بنایا، ان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا، ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا، ان کو جنت میں رکھا، اس کے علاوہ حضرت آدم کی اور بہت فضیلتیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے یہ ہے کہ زمین پر وہ پہلے تشریف لائے تھے۔ بیٹوں، بہنوں، پھوپھیوں، خالائوں اور دیگر تمام ذوی الارحام کے ساتھ نکاح کی تحریم کا حکم سب سے پہلے ان پر نازل ہوا۔ حضرت آدم کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کے وہی والد ہیں۔ آل ابراہیم کی یہ فضیلت ہے کہ ان کو نبوت اور کتاب عطا کی۔ اس آیت میں جو آل عمران کا لفظ آیا ہے اس میں عمران سے مراد کون ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں اور وہی حضرت مریم بتول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے باپ ہیں۔ یہ حسن اور وہب کا قول ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ عمران ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد ہیں اور وہ عمران بن نصیر ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے لیکن پہلا قول رائج ہے کیونکہ اس آیت کے بعد دلی آیاتوں میں جس عمران کا ذکر ہے وہ قطعی طور پر حضرت مریم کے والد ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی اور روحانی خصوصیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ امام رازی نے علامہ طبری کی کتاب المنہاج سے یہ نقل کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں عام انسان کی جسمانی قوتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ انہوں نے پہلے حواس خمسہ کا ذکر کیا ہے اس کا بیان حسب ذیل ہے :

(۱) قوت باصرہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی قوت باصرہ متناہ کمل کو پہنچی ہوئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کو قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری)۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَكَذَٰلِكَ يُرِيّٰ اِبْرٰهٖمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام : ۷۷) پوشلی (کل مخلوقات) دکھائی اور اس لئے کہ وہ دیکھ کر یقین کرنے والوں سے (بھی) ہو جائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصراتی قوی کردی کہ انہوں نے تحت اثری سے لے کر عرش علیٰ تک تمام مخلوق کو دیکھ لیا۔

(۲) قوت سامعہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ قوی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان چرچاتا ہے اور اسے چرچانے کا حق ہے۔ آسمان میں ہر قدم پر ایک فرشتہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے۔ (ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے آسمان کے چرچانے کی آواز سنی، نیز نبی ﷺ نے پتھروں اور درختوں کا کلام سنا اونٹ، گاوہ، اور ہرنی کا کلام سنا، جنت اور فرشتوں کا کلام سنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ عزوجل کا کلام سنا۔ اسی طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا کلام سنا :

حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى وَادِ التَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَا حِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ (النمل : ۱۸-۱۹)

حتیٰ کہ جب (سلیمان اور ان کے لشکری) چیونٹیوں کے میدان پر آئے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ (کہیں) سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے! درآں حالیکہ انہیں خبر نہ ہو، تو (سلیمان) اس کی بات پر مسکرا کر ہنس پڑے۔

(۳) قوت شامہ : جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی سونگھنے کی قوت تھی کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا :

اٰدْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَالْقُوْهُ عَلٰى وُجُوْهِ اَبْنٰى بَاتِ بَصِيْرًا ۚ وَاَنْتَوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمُ اِنِّىْ لَاجِدٌ رِّيحٍ يُّوْسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّتُوْنَ ۝ (یوسف : ۹۳-۹۴)

میرے اس کرتے کو لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے (گھر والوں سے) کہا بے شک میں ضرور یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے ناقص العقل نہ کہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ادھر قافلہ مصر سے روانہ ہوا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے کرتے سے ان کی خوشبو آگئی۔

(۴) قوت ذائقہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو خیبر میں ایک یہودی عورت نے زہر آلود لقمہ کھلایا تو اس لقمہ نے

آپ سے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور اسی باب سے یہ واقعات ہیں کہ جب آپ نے اپنا لعب وہن حضرت ابوبکر کی زہر خورہ ایزی میں، حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں، حضرت رافع بن خدیج کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں اور حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں ڈالا تو ان کو شفاء ہو گئی۔ حضرت جابر کی ہنڈیا میں لعب وہن ڈالا تو کم کھانا بہت زیادہ آدمیوں کو کفائی ہو گیا اور اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

(۵) قوت لامہ : جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ گلزار ہو گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام برص کے مریضوں اور ماور زائد ہوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفا یاب ہو جاتے، اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے کجھور کے ستون سے ٹیک لگائی تو اس میں حیات آگئی جب آپ اسے چھوڑ کر منبر پر بیٹھے تو وہ آپ کے فراق میں اونٹنی کی طرح چیخنے لگا۔ جب آپ نے احد پہاڑ پر قدم رکھا تو اس میں حیات آگئی، وہ ہلنے لگا آپ نے فرمایا اے احد! پر سکون ہو جا تو وہ ساکن ہو گیا۔ یہ تو حواس خمسہ ظاہرہ کا بیان ہے اور آپ کے حواس باطنہ کی غیر معمولی قوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان حواس باطنہ میں سے ایک قوت حافظہ ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَنُقَرِّئُكَ فَلَا تَنْسَى (الا علی : ۶)

اب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہ بھولیں گے۔ اور ان حواس میں سے ایک قوت ذکوت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ایک ہزار باب سکھائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ایک ہزار باب مستنبط کر لئے ہیں جب ایک ولی کی قوت ذکوت کا یہ عالم ہے تو نبی ﷺ کی قوت ذکوت کا کیا عالم ہو گا۔

قوت محرکہ : نبی ﷺ کا معراج پر جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا، حضرت ادریس اور حضرت الیاس کا آسمانوں پر اٹھایا جانا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، اور قرآن مجید میں جسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت ان کے سامنے حاضر کر دیا :

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اَرْسِلُكَ يَهْ قَبْلَ
اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرَفُكَ (النمل : ۲۰)

اور جب نبی کے صحابی اور ان کے ولی کی قوت محرکہ کا یہ حال ہے تو خود نبی ﷺ کی قوت محرکہ کا کیا عالم ہو گا۔ جب انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں اس قدر کامل ہوتی ہیں تو ان کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی متہما کمال پر ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نفس قدسیہ تمام انسانوں کی نفوس سے اپنی ماہیت میں مختلف ہوتا ہے اور ان کے نفس کے کمال کے لوازم سے یہ ہے کہ وہ ذکوت، ذہانت اور قوت عقلیہ میں عام انسانوں سے بہت بلند و برتر ہوں اور جسمانیات اور شہوات سے تنزہ میں بھی عام لوگوں سے بہت فائق ہوں، اور جب ان کی روح انتہائی صاف اور مشرف ہو اور بدن بھی بہت منزہ اور پاکیزہ ہو تو ان کی قوت محرکہ اور قوت عاقلہ انتہائی کامل ہوں گی، کیوں کہ روح فاعل ہے اور بدن قابل ہے اور روح کے انوار بدن تک پہنچتے ہیں اور جب فاعل اور قابل دونوں کامل ہوں تو ان کے آثار بھی بہت قوی اور بہت مشرف ہوں گے، اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم علوی کے ساکنین پر حضرت آدم کو فضیلت دی پھر قوت روحانیہ کے کمال کو ان کی اولاد میں سے حضرت شیش میں رکھا اور ان کی اولاد میں سے حضرت نوح میں پھر ان کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم میں اس کمال کو رکھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو شاخیں ظاہر ہوئیں حضرت اسماعیل اور

حضرت اسحاقؑ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی روح قدسیہ کے ظہور کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبداء بنایا، اور حضرت اسحاق کو دو شاخوں کا مبداء بنایا حضرت یعقوب اور عیسو، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں نبوت رکھی اور عیسو کی نسل میں بلوشاہت رکھی اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور جب سیدنا محمد ﷺ کا ظہور ہوا تو نبوت کا نور اور بلوشاہت کا نور دونوں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منتقل کر دیئے گئے اور قیامت تک کے لئے دین کی امامت اور ریاست کی فرمانروائی آپ کی امت کو سونپ دی گئی، چنانچہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء ریاست کے سربراہ بھی تھے اور دین کے امام بھی تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۲ (مع زیادة) مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان میں سے بعض، بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض، بعض کی حقیقی اولاد ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے سوا باقی سب حضرت آدم کی اولاد ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کی معنوی اولاد ہیں اور توحید، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں ایک دوسرے کے قبیح ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا ہے اور ان کے کاموں اور ان کے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جس کے اقوال اور افعال کی استقامت کا اس کو علم ہوتا ہے اس کو منتخب فرما لیتا ہے اور اسی کو فضیلت عطا فرماتا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام : ۱۲۴) اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے
إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ۔
رحمت کی توقع اور (ہمارے جلال کے) خوف سے ہم سے دعا کرتے تھے اور ہمارے لئے عاجزی کرنے والے تھے۔ (الانبیاء : ۹۰)

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ ہم آل ابراہیم اور آل عمران سے ہیں اس لئے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ اقوال باطل ہیں لیکن ان کے علماء اغراض باطلہ کی بنا پر یہ کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے باطل اقوال کو سننے والا ہے اور ان کی اغراض فاسدہ کو جاننے والا ہے، تو اس آیت کا اول حصہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت میں ہے اور اس کا آخری حصہ ان کے منکرین کی مذمت اور تنہید میں ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي

جب عمران کی بیوی نے عرض کیا اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اس کی میں نے تیرے لیے

مَحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

نذر کرنا، (خفاں تیرے لیے، دیگر نذراریوں سے) آزاد کرنا، ہوا، تو میری طرف سے (اس نذر کو) قبول فرما، بیشک تو بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

پھر جب اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے عرض کیا، اے میرے رب: میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعْتُ وَلَیْسَ الذَّكَرُ کَالْاُنْثٰی وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ

کہ اس کے ہاں کیا پیدا ہوا ہے اور (میرا مطلب) لڑکا (اللہ کی دی ہوئی) لڑکی کی مثل نہیں ہو سکتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا

وَ اِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا

تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروردان چڑھایا اور زکریا کو

زَکَرِیَّا کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا

اس کا نفیل بنایا، جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق

رِزْقًا قَالِیْمَرِیْمَ اِنِّیْ لَکَ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

(موجود) پاتے، انھوں نے کہا اے مریم! تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس آیا ہے

اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ○

عمران کی بیوی کی نذر ماننے کی تفصیل

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں :

عمران کی بیوی حضرت مریم کی ماں ہیں اور حضرت عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کی نانی ہیں، ان کا نام نہ بنت فاقوز بنت قتیل ہے اور ان کے خلود کا نام عمران بن یاسم ہے یہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران نے دو بہنوں سے شادی کی، حضرت زکریا کی بیوی سے حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت عمران کی بیوی سے حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ جب حضرت عمران فوت ہوئے تو ان کی بیوی نہ حضرت مریم سے حاملہ تھیں۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ وہ عمر سیدہ ہو چکی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ان کے گھر کے پاس ایک درخت تھا ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ سے اپنے بچے کو دانہ کھلا رہا تھا اس وقت ان

کے دل میں بچہ کی تمنا پیدا ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو بچہ عطا فرمائے تو انہیں حضرت مریم کا حمل ہو گیا اور حضرت عمران فوت ہو گئے، جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے تو انہوں نے اس کی اللہ کے لئے نذر مان لی یعنی وہ اس کو عبوت لگا کے لئے وقف کر دیں گی اور وہ بچہ دنیا کی کسی چیز سے نفع نہیں اٹھائے گا، اور جب ان کے ہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے، کیونکہ انہوں نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر مان لی تھی اور لڑکی اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے خدمت کے بہت سے کام سرانجام نہیں دے سکتی، اور بعض احوال میں (مثلاً "حیض اور نفاس میں) مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے جس لڑکے کے حصول کی دعا کی تھی وہ اس مرتبہ کا نہیں ہے جس پائے کی میری دی ہوئی لڑکی ہے۔

(جامع البیان ج ۵۹-۵۷ ملخصاً مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت عیسیٰ کا مس شیطان سے محفوظ رہنا ہمارے نبی کی فضیلت کے منافی نہیں ہے

عمران کی بیوی نے کہا میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے ان کی زبان میں مریم کا معنی عبوت کرنے والی، اللہ کا قرب حاصل کرنے والی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور خشوع اور خضوع کرنے والی ہے، اور انہوں نے کہا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو آدم میں سے جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے تو وہ شیطان کے چھونے سے چیخ مار کر روتا ہے ماسوا مریم اور اس کے بیٹے کے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

علامہ شرف الدین طیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو ولادت کے وقت مس شیطان سے مستثنیٰ کرنے سے ہمارے نبی پر ان کی فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ ہمارے نبی ﷺ کے بہت سے ایسے فضائل اور معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو حاصل تھے نہ کسی اور نبی کو، اور افضل میں مفضول کی خصل کا ہونا لازم نہیں ہے۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۲۰۶)

ملا علی قاری نے طیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اس کی نظیر طبرانی کی یہ حدیث ہے ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ہم (ارادہ) کیا ہے سوا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے۔ (مرقات ج ۱ ص ۳۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ علامہ طیبی کی تحریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

مشہور یہ ہے کہ فضیلت کلی فضیلت جزئی کے منافی نہیں ہے لیکن بندہ ضعیف یہ کہتا ہے کہ نبی ﷺ بنو آدم کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں اور اس حدیث میں آپ نے دوسرے فرزندان آدم کی خبر دی ہے اور طہارت میں آپ کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت شیطان آپ پر کسی قسم کا تصرف کر سکے، بعض شارحین نے کہا ہے کہ جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے تو اس کی ذات عموماً "کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اس کا قریب نہ ہوتا ہے۔

شیخ محمد ادریس کاندھلوی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اس تقریر کو لمعات کے حوالے سے لکھا ہے۔

(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۸۲ مطبوعہ مطبع تج کمار لکھنؤ التعلیق الصبح ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ لاہور)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس فضیلت کے حصول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شریک ہیں علامہ قرطبی نے کہا یہ قنادہ کا قول ہے۔ (عمدة القاری ج ۱۵ ص ۱۷۷، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۲۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ کی دعا مستجاب ہو گئی اور شیطان تمام اولاد آدم کی کوکھ میں انگلی چبھوتا ہے حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء کے بھی انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ قنادہ نے کہا شیطان ہر نوزائیدہ بچے کے پہلو میں انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے ان کے درمیان حجاب کر دیا گیا تو اس کی انگلی حجاب پر لگی اور حجاب کے پار نافذ نہیں ہوئی، اور بچہ کے انگلی چبھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان اس بچہ کو گمراہ کرنے یا بہکانے پر قادر ہو گیا ہے کیونکہ کتنے انبیاء علیہم السلام کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان نے حملے کئے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عِبَادِي لَكُنْزٌ لِّكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الحجر: ۴۲) بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں

علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا کیا جاتا ہے تو مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ اگرچہ شیطان کے انگلی چبھونے سے محفوظ رہے لیکن شیطان کے ہر وقت ساتھ اور لازم رہنے سے محفوظ نہیں رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۶۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان کے انگلی نہ چبھونے سے زیادہ فضیلت اس میں ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام اس کے انگلی چبھونے کے باوجود اس کے شر سے محفوظ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ فضیلت اور خصوصیت ہے کہ آپ کے ساتھ جو شیطان اور ہمزاد پیدا کیا گیا تھا آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے اس کی بھی کلیا پلٹ گئی وہ شیطان مسلمان ہو گیا اور بجائے ورغلانے اور بہکانے کے آپ کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دینے لگا۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان لگا دیا جاتا ہے (سفیان کی روایت میں ہے اور ایک فرشتہ لگا دیا جاتا ہے) صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے بھلائی کے سوا کوئی اور مشورہ نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کی فیض آفریں نگاہ سے شیطان کا مسلمان ہو جانا بہت عظیم فضیلت ہے اور یہ فضیلت بشمول حضرت عیسیٰ کے کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

بچہ کا نام رکھنا، اس کو گھٹی دینا، اور بچہ کی ولادت کے دیگر مسائل

ان آیات میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے اور یہود کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ انبیاء صرف بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے، اور مشرکین کا رد ہے جن کا زعم تھا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ

نے نبی ﷺ کو گزشتہ نبیوں اور امتوں کے ان احوال سے مطلع فرمایا جن کی تصدیق ان کی کتابوں میں موجود تھی اور یہ آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلیل ہے۔

نبی کی ولادت اور اعلان نبوت سے پہلے جو امور خلاف عادت ظاہر ہوں ان کو ارباب کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم ایسی خاتون سے پیدا ہوئیں جو بوڑھی اور بانجھ تھیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارباب ہے اسی طرح حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا یہ بھی ان کے معمول کے خلاف تھا تاکہ ان کی پاکیزہ سیرت ان کے بیٹے کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کا عنوان بن جائے۔

عمران کی بیوی آمنہ نے اپنی بیٹی کے ولادت کے دن ان کا نام مریم رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کے دن نام رکھنا جائز ہے ہرچند کہ یہ شریعت سابقہ ہے لیکن ہماری شریعت میں بھی اس کی تائید ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اس کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کو کھجور کی گھٹی کھائی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ یہ حضرت ابو موسیٰ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ سفر پر چلے گئے۔ اس اثناء میں وہ بیٹا فوت ہو گیا جب واپس آئے تو حضرت ام سلیم سے پوچھا میرا بیٹا کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا پہلے سے زیادہ پرسکون ہے۔ ان کو شام کا کھانا کھلایا اور رات کو حضرت ابو طلحہ نے ان سے عمل زوجیت کیا۔ صبح کو حضرت ام سلیم نے کہا اب بیٹے کو دفن کر دو۔ حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ سے ماجرا بیان کیا آپ نے پوچھا تم نے رات اس عمل میں گزاری؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے دعا کی اے اللہ ان دونوں کو برکت عطا فرما تو ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ مجھ سے حضرت ابو طلحہ نے کہا تم اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے جاؤ میں اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا اور میرے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیجیں۔ نبی ﷺ نے بچہ کو لے کر پوچھا کیا اس کے ساتھ کچھ چیز بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے کھجور لی اور اس کو چبا کر اس بچہ کے منہ میں رکھا اور اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

اس حدیث کے مسائل میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص تھکا ماندہ سفر سے آئے تو فوراً اس کو غمناک خبر نہیں سنانی چاہئے۔ بچہ کی موت پر ماں باپ کو پرسکون رہنا چاہئے۔ بچہ پیدا ہو تو کسی بزرگ سے اس کے منہ میں گھٹی ڈالوانی چاہئے اس سے برکت کی دعا کرانی چاہئے اور بچہ کا اچھا نام رکھنا چاہئے۔ خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے نام پر اس کا نام رکھنا چاہئے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے نام رکھو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہے اور سب سے سچا نام حارث اور ہمام ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرہ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو تمہارے ناموں اور تمہارے

بائیں کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اپنے اچھے نام رکھو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۰، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے آباء سے منسوب کر کے پکارا جائے گا مثلاً
فلاں بن فلاں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے
اس کی تحقیق ان شاء اللہ سورہ احزاب میں آئے گی۔ ولادت کے دن بچہ کے نام رکھنے کے علاوہ اور بھی شرعی احکام ہیں ان
احکام میں سے ہم عقیقہ کا بیان کر رہے ہیں، پہلے ہم اس کے ثبوت میں احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد مذاہب فقہاء
بیان کریں گے۔

عقیقہ کے متعلق احادیث، آثار اور اقوال تابعین

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سلیمان بن عامر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس کی طرف
سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ
نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کرو) اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نہ ہو یا ماوہ۔
امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی (سنن دارمی ج ۲ ص ۸) اور امام احمد (مسند احمد ج ۶ ص ۳۵۶-۳۵۷-۳۸۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت سمرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہے۔ ولادت کے
ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے، اور اس کے بال مونڈے جائیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ
حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ
عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی
طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کئے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں جن احادیث کا ذکر ہے وہ سب سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں بھی مذکور ہیں۔ اگر یہ
اعتراض کیا جائے کہ سنن ابوداؤد میں حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کو ذبح کرنے کا تذکرہ
ہے اور سنن نسائی میں دو دو مینڈھے ذبح کرنے کا ذکر ہے تو اس کی کیا توجیہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے ان کی ولادت کے دن ایک ایک مینڈھا ذبح کیا اور ساتویں دن ایک ایک مینڈھا اور ذبح کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک
مینڈھا آپ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو دو دو مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تو

جس نے ایک ایک مینڈھے کے ذبح کی روایت کی اس نے آپ کی طرف ذبح کی حقیقی نسبت کی اور جس نے دو دو کو ذبح کرنے کی روایت کی اس نے آپ کی طرف مجازاً نسبت کی۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عائشہ اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کئے۔ (المصنف ج ۴ ص ۳۳۰)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو درداء، حضرت جابر اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (المصنف ج ۸ ص ۴۷-۴۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کئے۔

محمد بن علی بن حسین روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی اور امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی کے دو بیٹوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۹۹ مطبوعہ ملتان)
امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا۔
(المصنف ج ۴ ص ۳۲۹ مطبوعہ بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰ مطبوعہ ملتان)
امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

عطاء بیان کرتے ہیں کہ ام اسباع نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا میں اپنی اولاد کی طرف سے عقیقہ کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۰ مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کرنے کا حکم دیا نیز حضرت عائشہ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں سنت ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری سنت ہے۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۱ مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :
نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے جو بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)
امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ ہے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ ہے۔

سے ایک بکری کا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۱۸۳)

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک اپنے بیٹوں کی طرف سے اونٹ ذبح کر کے عقیقہ کرتے تھے۔

(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۳۴، مطبوعہ بیروت)

حافظ الیشی نے لکھا ہے اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے جو عقیقہ کیا تھا اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ دائی کے پاس بھیجی جائے اور اس کی کسی ہڈی کو نہ توڑا جائے۔

ابن ابی ذئب بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے نہ سر کو اور نہ بچہ کو اس کے خون میں لتھیڑا جائے۔

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین عقیقہ میں ان تمام باتوں کو مکروہ کہتے تھے جو قربانی میں مکروہ ہیں اور ان کے نزدیک عقیقہ بہ منزلہ قربانی ہے اس کے گوشت کو کھایا جائے اور کھلایا جائے۔

حضرت سرہ جلیجی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے بچہ کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے ساتویں دن اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا۔ اس کا نام رکھا۔ اس کا سر مونڈا۔ اس کا ختنہ کیا اور اس کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۵-۵۲ ملقطاً، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

عطا کہتے تھے کہ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے اگر اس دن نہ کر سکیں تو اگلے ساتویں دن موخر کر دیں اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ساتویں دن ہی عقیقہ کا قصد کرتے ہیں اور عقیقہ کرنے والے خود بھی گوشت کھائیں اور لوگوں کو ہدیہ بھی دیں۔ ابن عیینہ نے کہا میں نے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ کہا نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے ابن عیینہ نے کہا کیا اس کے گوشت کو صدقہ کر دیں؟ کہا نہیں اگر چاہیں تو صدقہ کریں اور چاہیں تو خود کھالیں۔

(المصنف ج ۴ ص ۳۳۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ جلیجی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عقیقہ ساتویں دن کیا جائے اور چودھویں دن اور اکیسویں دن۔

(سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۳، مطبوعہ نشر السنہ لمطان)

جو دن بھی سات سے تقسیم ہو جائے اس میں عقیقہ کرنا سنت ہے اگر بچہ مثلاً منگل کو پیدا ہوا ہے تو جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے وہ سات دن سے تقسیم ہوگا۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ عبد اللہ بن احمد ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ کرنا سنت ہے۔ عام اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، فقہائے اہل بیت اور تمام ائمہ کا یہی نظریہ ہے ماسوا فقہاء احناف کے انہوں نے کہا یہ سنت نہیں۔ بلکہ امر جاہلیت سے ہے۔ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو ناپسند کرتا ہے گویا آپ نے لفظ عقوق کو ناپسند فرمایا۔ (اس کا معنی قطع کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی ہے) اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہے تو جانور ذبح کرے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۷-۳۶، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۷، ابو داؤد اور نسائی میں اس کے بعد مذکور ہے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری)۔ امام مالک نے اس حدیث کو اپنی موطا میں روایت کیا ہے۔ حسن بصری اور داؤد (ظاہری) نے کہا عقیقہ کرنا واجب ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ پانچ نمازوں کی طرح عقیقہ کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ حضرت سرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ حضرت ابو ہریرہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ امام احمد نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے۔ عقیقہ کے استحباب پر یہ احادیث دلیل ہیں اور حضرت ام کرز سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے اور عقیقہ کے استحباب پر اجماع ہے۔ ابو الزناد نے کہا عقیقہ کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ امام احمد نے کہا عقیقہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا ہے اور آپ کے اصحاب نے عقیقہ کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا لڑکا عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے یہ کہا کہ عقیقہ جاہلیت کے افعال میں سے ہے اور ان کے ساتھ حسن ظن یہ ہے کہ ان کو یہ احادیث نہیں پہنچیں۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

عقیقہ کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابو اسحق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ سنت ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مولود کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور یہ واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں عقوق کو پسند نہیں کرتا، اور جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ آپ نے عقیقہ کو محبت پر معلق کیا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے نیز عقیقہ بغیر کسی جنایت (جرم) اور نذر کے خون بہانا ہے لہذا یہ قربانی کی طرح واجب نہیں ہے (شوافع کے نزدیک قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور سنت یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے کیونکہ حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا لڑکے کے لئے دو بکریاں اور لڑکی کے لئے ایک بکری، نیز عقیقہ خوشی کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر لڑکی کی بہ نسبت زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لئے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ (المہذب ج ۱ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عقیقہ کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام مالک بن انس اسی متونی ۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اہل سے جو شخص بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے اور آپ اپنی اولاد کی طرف سے ایک ایک بکری کا عقیقہ کرتے تھے۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے۔

محمد بن حارث تیمی بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے خواہ چڑیا سے کیا جائے۔ (یہ مبالغہ فرمایا)

امام مالک فرماتے ہیں ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا گیا۔

ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عروہ بن زبیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا ایک ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کرتے تھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عقیقہ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص عقیقہ کرے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرے اور عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے لیکن عقیقہ مستحب ہے اور ہمارے نزدیک یہ وہ کام ہے جس کو ہمیشہ لوگ کرتے رہے ہیں جو شخص اپنے بیٹے کی طرف سے عقیقہ کرے وہ بہ منزلہ قربانی ہے اس میں کانے، لاغر، سینگ، ٹوٹے ہوئے اور بیمار جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس کی کھال اور گوشت کو فروخت نہیں کیا جائے گا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے گا۔ گھروالے اس کے گوشت کو کھائیں گے اور اس میں سے صدقہ کریں گے اور بچہ کو اس کے خون میں لتھیرا جائے گا۔ (موطالام مالک ص ۳۹۵-۳۹۳، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

امام مالک نے عقیقہ میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرنے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر اور عروہ بن زبیر نے جو بیٹوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی ہے وہ کسی عذر پر محمول ہے اسی طرح ہڈیاں توڑنا بھی احادیث کے خلاف ہے اور خون میں لتھیرنا بھی احادیث کے خلاف ہے۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

امام محمد بن حسن شیبانی متونی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں :

امام محمد از امام ابو یوسف از امام ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔

(الجامع الصغیر ص ۵۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۱۱ھ)

نیز امام محمد لکھتے ہیں :

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عقیقہ کیا گیا پھر قربانی نے ہر اس ذبیحہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور رمضان کے روزوں نے ہر اس روزہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا، ہم کو اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ (موطالام محمد ص ۸۹-۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جاتا ہے ہم نے عقیقہ اور عتیرہ کا منسوخ ہونا اس روایت سے پہچانا : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رمضان کے روزے نے ہر پہلے روزے کو منسوخ کر دیا اور قربانی نے اس سے پہلے کے ہر ذبیحہ کو منسوخ کر دیا اور غسل جنابت نے اس سے پہلے کے ہر غسل کو منسوخ کر دیا اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو سنا تھا کیونکہ اجتہاد سے کسی چیز کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ (الی قولہ) امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔ اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی اور جب فضیلت منسوخ ہوگئی تو اس کا صرف مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی ۱۳۰۰ھ)

اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے :

ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کی طرف سے بکری ذبح کرنا اور لوگوں کی دعوت کرنا اور بچہ کے بل مونڈنا عقیقہ ہے یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔ اسی طرح کردری کی وجہ میں ہے۔ امام محمد نے عقیقہ کے متعلق ذکر کیا ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کا اشارہ اباحت کی طرف ہے اس لئے اس کا سنت ہونا ممنوع ہے اور امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے اسی طرح بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲، مطبوعہ مطبع کبری امیرہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

عقیقہ کے متعلق احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ نفل ہے اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے اور عقیقہ کی تعریف یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے سات دن گزرنے کے بعد ایک بکری ذبح کی جائے اور امام شافعی (بلکہ ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک عقیقہ سنت ہے پھر جب کوئی شخص عقیقہ کرنے کا ارادہ کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے کیونکہ عقیقہ ولادت کی خوشی کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی ہوتی ہے اور اگر لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک بکری کو ذبح کیا تھا (سنن ابو داؤد میں اسی طرح ہے اور سنن نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبد الرزاق اور سنن بیہقی میں ہے آپ نے ان کی طرف سے دو دو بکریاں ذبح کیں اور یہی صحیح ہے) عقیقہ میں بھیڑ اور دنبہ چھ ماہ سے کم کا نہ ہو اور بکری ایک سل سے کم نہ ہو عقیقہ کا جانور قربانی کے جانور کی طرح عیوب اور نقائص سے بری ہو کیونکہ عقیقہ بھی قربانی کی طرح شرعاً جانور کا خون بہانا ہے اگر عقیقہ کو ساتویں دن پر موخر یا مقدم کر دیا جائے تو پھر بھی جائز ہے۔ البتہ ساتواں دن افضل ہے اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ کر لیں اور نیک شگون کے لئے ہڈیوں کو نہ توڑیں تاکہ اس بچہ کی ہڈیاں سلامت رہیں۔ عقیقہ کے گوشت کو خود کھائیں، کھلائیں اور صدقہ کریں۔ فصل الکراہتہ والاستحسان میں مذکور ہے کہ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عقیقہ حق ہے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ نبی ﷺ نے بعثت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا ہے۔ عقیقہ کی دعایہ ہے : ذبح کے وقت کہے۔ اے اللہ یہ میرے

ملاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس جانور کا خون میرے بیٹے کے خون کے عوض ہے اور اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض ہے اس کی ہڈیاں اس کی ہڈیوں کے عوض ہیں اس کی کھال اس کی کھال کے عوض ہے اس کے بال اس کے بال کے عوض ہیں۔ اے اللہ! اس جانور کو میرے بیٹے کی جہنم سے آزادی کا فیہ بنا دے۔

عقیقہ کی ہڈیوں کو توڑنا نہ جائے اور اس کی ران دائی کو دی جائے اور گوشت پکالیا جائے اور بچہ کے سر کو اس کے خون میں لتھیرنا مکروہ ہے۔ (العقود الدریۃ ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۲ مطبوعہ دارالاشاعت العربیہ کوئٹہ)

عقیقہ کو منسوخ قرار دینے کے دلائل پر بحث و نظر

امام محمد شیبانی نے فرمایا ہے کہ عقیقہ رسم جاہلیت میں سے ہے اور یہ ابتداء اسلام میں بھی مشروع رہا ہے بعد میں قربانی نے اس کو منسوخ کر دیا اس لئے عقیقہ نہ کیا جائے علامہ کاسانی نے اس پر متفرع کیا ہے کہ عقیقہ کرنا مکروہ ہے اور وجہ میں اس کی اباحت کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کار ثواب نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک عقیقہ کو قربانی سے منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہجرت کے پہلے سال قربانی مشروع ہو گئی تھی۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام کیا اور قربانی کرتے رہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۷ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) اگر قربانی سے عقیقہ منسوخ ہو گیا تھا تو قربانی مشروع ہونے کے بعد عقیقہ نہیں ہونا چاہئے تھا حالانکہ ہجرت کے پہلے سال سے قربانی مشروع ہو گئی تھی اور تین ہجری کو حسن بن علی پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت) اور چار ہجری کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ بیروت) اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کا عقیقہ کیا۔ اگر قربانی کے بعد عقیقہ منسوخ ہو گیا ہوتا تو آپ ان کا عقیقہ نہ کرتے اور آپ کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ عروہ بن الزبیر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ عقیقہ کے قائل تھے۔ بہ کثرت احادیث صحیحہ میں آپ نے عقیقہ کا حکم دیا اور متعدد صحابہ کرام اور فقہاء تابعین عقیقہ کو سنت قرار دیتے تھے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بھی بالاتفاق عقیقہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں اور جس چیز کا سنت ہونا اتنی کثیر احادیث سے ثابت ہو وہ مکروہ یا مباح کیسے ہو سکتی ہے۔

امام احمد رضا کا احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ بلند پایہ محقق تھے وہ اندھی تقلید سے بہت بلند تھے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا لیکن امام احمد رضا نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے پیش نظر عقیقہ کو سنت لکھا فرماتے ہیں :

عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے اور یہی افضل ہے ورنہ چودہویں، اکیسویں دن اور خصی جانور عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے اور عقیقہ کا گوشت آباء و اجداد بھی کھا سکتے ہیں۔ مثل قربانی اس میں بھی تین حصہ کرنا مستحب ہے اور اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تقولاً نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں۔ پسر کے عقیقہ میں دو جانور درکار ہیں اور یہی کافی ہے اگرچہ خصی

نہ ہو۔

نیز فرماتے ہیں :

باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کر سکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے۔ عقیقہ پر میں کہ باپ ذبح کرے، مایوں پڑھے :

اللہم ہذہ عقیقۃ ابنی فلان (فلاں کی جگہ بیٹے کا نام لے) دمہا بدمہ و لحمہا بلحمہ و عظمہا بعظمہ و جلدہا بجلدہ و شعرہا بشعرہ اللہم اجعلہا فداء لابنی من النار بسم اللہ اللہ اکبر۔
فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھنا ہو لے۔ دختر ہو تو دونوں جگہ ابنی کی جگہ بنتی اور پانچوں جگہ ہ کی جگہ ہائے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ فلاں بن فلاں یا فلانہ بنت فلاں کہے، بچہ کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔ ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں اور نہ توڑنا بہتر اور دفن کر دینا افضل۔ عقیقہ ساتویں دن افضل ہے نہ ہو سکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں۔ ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو۔ وقت دن کا ہو رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ کم سے کم ایک تو ہے ہی اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ گوشت بنانے کی اجرت دماؤں میں مجرا کر سکتا ہے۔ سری پائے خود کھائے خواہ اقرباء یا مساکین جسے چاہے خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے۔ شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق مقرر نہ فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۵۴۲-۵۴۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نذر کے بعض احکام اور ماں کی اولاد پر ولایت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں :

عمران کی بیوی حنہؓ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی جو نذر مانی تھی اس طرح کی نذر ماننا ہماری شریعت میں بھی صحیح ہے، مثلاً "انسان یہ نذر مانے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کی پرورش اور تربیت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں کرائے گا اور اس کے سوا اس کو اور کسی کام میں مشغول نہیں رکھے گا، اور اس کو قرآن مجید، احادیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم دے گا" یہ نذر صحیح ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی عبادت ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر سے کوئی چیز واجب ہو جاتی ہے اور جس عبادت کی نذر مانی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے اور یہ کہ نذر پورا کرنے کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ کہ کسی مجہول چیز کی نذر ماننا جائز ہے کیونکہ حنہؓ نے اپنے پیٹ کے بچہ کی نذر مانی تھی اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی اپنی اولاد پر ایک قسم کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کی تادیب، تعلیم اور تربیت کا حق رکھتی ہے اگر وہ اس کی مالک نہ ہوتی تو اپنی اولاد میں اس کی نذر نہ مانتی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی بچہ کا نام رکھنے کا حق ہے اور اس کا رکھا ہوا نام صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول کر لیا یعنی حنہؓ نے مریم کو بیت المقدس کی عبادت کے لئے وقف کرنے کی جو اخلاص کے ساتھ نذر مانی تھی اس کو قبول کر لیا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرمایا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا۔ (آل عمران : ۳۷)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عبادت گاہ کی خدمت کے لئے وقف کئے جانے کو قبول فرمایا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت مریم کی عمدہ پرورش کے متعلق امام رازی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں حضرت مریم کی نشوونما اتنی ہوتی تھی جتنی عام بچوں کی ایک سال میں ہوتی ہے اور دین داری میں بھی ان کی تربیت بہت اچھی تھی وہ بہت زیادہ نیک کام کرتی تھیں۔ پاکباز رہتی تھیں اور عبادت کرتی تھیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں :

زکریا بن حنا اور زکریا بن دان بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے زکریا بن ادن بن مسلم بن صدوف۔ ان کا نسب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں۔ یہ بنی اسرائیل سے ہیں۔ شینہ نام کی دمشق کی ایک بستی میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت ان کے بیٹے یحییٰ کو قتل کیا گیا تو یہ دمشق میں تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت زکریا نجار (برہمن) تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد زکریا بن دان ان انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں میں سے تھے جو بیت المقدس میں وحی لکھتے تھے اور عمران بن ماٹان حضرت مریم کے والد تھے اور بنو اسرائیل کے بادشاہوں کے بیٹوں میں سے تھے اور حضرت سلیمان کی اولاد تھے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۲۹۸ البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶۱ ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء کے بیٹوں سے یا ان کی نسل اور ان کی جنس سے کسی نہ کسی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے دیگر کاموں اور ذمہ داریوں سے الگ کر کے وقف کر دیا جاتا تھا اور حضرت زکریا نے حضرت مریم بنت عمران کی بہن سے شادی کی تھی اور وہ حضرت یحییٰ کی ماں تھیں اور حضرت مریم بنت عمران آل داؤد سے تھیں جو یہود ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے نواسے تھے۔

مکحول نے کہا حضرت زکریا اور عمران نے دو بہنوں سے شادی کی تھی حضرت یحییٰ کی ماں حضرت زکریا کے نکاح میں تھیں اور حضرت مریم کی ماں عمران کے نکاح میں تھیں۔ وہ جب اولاد سے مایوس ہو گئیں تو ان کے ہاں مریم پیدا ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے حضرت زکریا نے رات کو اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی اور کہا اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہو گئی ہے اور میرا سر سفید ہو گیا ہے اے میرے رب تو نے اس سے پہلے میری دعا کو کبھی مسترد نہیں کیا اس لئے میری اس دعا کو بھی مسترد نہ کرنا اور مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے (کہ کہیں وہ میرے بعد دین میں فتنہ نہ پیدا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ بنا۔ (مریم : ۶-۳)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں : حضرت زکریا اور ان کی بیوی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی سو جس وقت وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے جس جگہ قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایک سفید پوش شخص آئے یہ

حضرت جبرئیل تھے انہوں نے کہا اے زکریا! اللہ آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام نہیں بنایا۔ (مریم : ۷)

پھر وہ (یحییٰ) اللہ کی طرف سے ایک کلمہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (آل عمران : ۳۹) یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہوں گے، پھر فرمایا کہ یحییٰ سید اور حضور ہوں گے یعنی حلیم ہوں گے اور عورتوں سے اجتناب کرنے والے ہوں گے۔

یزید بن ابی منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا وہیں عبادت گزاروں نے موٹے کپڑے اور اونی ٹوپیاں پہنی ہوئی ہیں، اور مجتہدین نے اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونوں میں زنجیروں سے باندھ رکھا ہے جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے ماں باپ کی طرف لوٹے راستہ میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا اے یحییٰ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو حضرت یحییٰ نے کہا میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا کہ ان کے بھی اونی کپڑے بنادیں انہوں نے بنادیئے اور وہ بیت المقدس کی طرف چلے گئے وہ دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو عبادت کرتے، حتیٰ کہ پندرہ برس گزر گئے پھر ان پر خوف کا غلبہ ہوا اور وہ جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل گئے۔ حضرت یحییٰ کے ماں باپ ان کی طلب میں نکلے تو ان کو بحیرہ اردن کے پاس غاروں میں دیکھا وہ ایک کھاڑی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پیرپانی میں ڈوبے ہوئے تھے، قریب تھا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جاتے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ! تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ تیرے نزدیک میرا مقام کیا ہے۔ ان کے ماں باپ کے پاس جو کی روٹی اور پانی تھا انہوں نے ان سے کھانے اور پینے کے لئے کہا انہوں نے قسم کا کفارہ دیا اور ماں باپ کا کہا مان لیا اور ماں باپ ان کو بیت المقدس واپس لے آئے۔ حضرت یحییٰ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ شجر و حجر بھی ان کے ساتھ رونے لگتے، ان کے رونے کی وجہ سے حضرت زکریا بھی روتے حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحییٰ اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ آنسوؤں نے ان کے رخساروں کو جلا دیا اور ان کی داڑھیں نظر آنے لگیں جن پر ان کی والدہ نے روٹی کا منہ رکھا۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا بھاگے اور ایک کھوکھلے درخت میں داخل ہو گئے اس درخت پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ جب ان کی پشت پر آرا چلنے لگا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے زکریا! تم رونا بند کرو ورنہ میں تمام روئے زمین کو اس کے رہنے والوں سمیت پلٹ دوں گا۔ پھر حضرت زکریا خاموش ہو گئے اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شب معراج آسمان پر رسول اللہ ﷺ کی حضرت زکریا سے ملاقات ہوئی، آپ نے ان کو سلام کر کے فرمایا اے ابو یحییٰ مجھے اپنے قتل کئے جانے کی کیفیت کی خبر دیجئے اور آپ کو بنو اسرائیل نے کیوں قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! میں آپ کو بتاتا ہوں، یحییٰ اپنے زمانے کے سب سے نیک آدمی تھے اور سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے سید و حضور! اور ان کو عورتوں کی ضرورت نہیں تھی بنو اسرائیل کے ایک بادشاہ کی عورت ان پر فریفتہ ہو گئی، وہ بدکار تھی، اس نے ان کو بلوایا۔ اللہ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یحییٰ نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی اور بادشاہ کی عادت یہ تھی کہ وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا، بادشاہ عید کے دن باہر نکلا اس کی عورت

نے اس کو رخصت کیا، بادشاہ کو اس پر تعجب ہوا کیوں کہ اس سے پہلے وہ اس کو رخصت نہیں کرتی تھی بادشاہ نے کہا سوال کرو! تم نے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا ہے میں نے تم کو وہ چیز عطا کی ہے اس نے کہا میں یحییٰ بن زکریا کا خون چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کچھ اور مانگ لو۔ اس نے کہا مجھے یہی چاہئے۔ بادشاہ نے کہا وہ تمہیں مل جائے گا۔ اس عورت نے یحییٰ کے پاس ایک سپاہی بھیجا وہ اس وقت محراب میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کی ایک جانب نماز پڑھ رہا تھا۔ ان کو ذبح کر دیا گیا اور ان کا سر اور خون ایک طشت میں رکھ کر اس عورت کو پیش کیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا آپ کے صبر کی کیا کیفیت تھی فرمایا میں نے اپنی نماز نہیں توڑی۔ جب حضرت یحییٰ کا سر اس عورت کے سامنے پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ، اس کے گھر والوں اور تمام درباریوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ جب صبح ہوئی تو بنو اسرائیل نے کہا زکریا کا خدا زکریا کی وجہ سے غضب میں آگیا۔ آؤ ہم اپنے بادشاہ کی وجہ سے غضب میں آئیں اور زکریا کو قتل کر دیں، وہ مجھے قتل کرنے کے لئے ڈھونڈنے نکلے میں ان سے بھاگا۔ ابلیس ان کی قیادت کر رہا تھا اور میری طرف رہنمائی کر رہا تھا۔ جب مجھے یہ خطرہ ہوا کہ میں ان کو باز نہیں رکھ سکوں گا تو میں نے اپنے آپ کو ایک درخت پر پیش کیا درخت نے آواز دی میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ وہ درخت شق ہو گیا، اور میں اس میں داخل ہو گیا، میں جب درخت میں داخل ہوا تو میری چادر کا ایک پلو باہر رہ گیا تھا اور درخت جڑ گیا تھا۔ ابلیس نے اس چادر کے پلو کو پکڑ لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں وہ اس درخت میں داخل ہو گیا ہے اور یہ اس کی چادر کا پلو ہے! وہ اپنے جاوے کے زور سے اس درخت میں داخل ہو گیا ہے انہوں نے کہا ہم اس درخت کو جلا دیتے ہیں، اس نے کہا اس کو آری سے کاٹ کر دو ٹکڑے کر دو تو مجھے آری کے ساتھ کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا اے زکریا! کیا آپ نے کوئی درد اور تکلیف محسوس کی۔ حضرت زکریا نے کہا نہیں وہ تکلیف اس درخت نے محسوس کی اللہ تعالیٰ نے میری روح اس درخت میں منتقل کر دی تھی۔

وہب بن منبہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نبی کے لئے درخت شق ہوا تھا اور وہ اس میں داخل ہوئے تھے وہ حضرت عیسیٰ سے پہلے اشیاء نام کے نبی تھے اور حضرت زکریا نے طبعی موت پائی تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۹ ص ۵۱-۵۲ ملخصاً "مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حضرت زکریا کا حضرت مریم کی کفالت کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور ان کو کاہن بن عمران کے بیٹے کے پاس لے گئیں جو اس زمانہ میں بیت المقدس کے دربار میں تھے اور ان سے کہا اس نذر میں مانی ہوئی لڑکی کو سنبھالو یہ میری بیٹی ہے میں نے اس کو اپنی ذمہ داری اور اپنی ولایت سے آزاد کر دیا۔ عبادت گاہ میں حائض داخل نہیں ہو سکتی تھی اور میں اس کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گی۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے اور عمران ان کو نمازیں پڑھاتے تھے اور ان کی قربانیوں کے منتظم تھے۔ حضرت زکریا نے کہا یہ لڑکی مجھے دے دو کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ باقی لوگوں نے کہا ہم اس فیصلہ پر خوش نہیں ہیں یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے، پھر انہوں نے حضرت مریم کی پرورش کے لئے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی۔ یہ وہ قلم تھے جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔ حضرت زکریا کے نام کا قرعہ نکل آیا اور انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی۔ سدی کی روایت میں ہے کہ وہ لوگ دریا اردن میں گئے اور جن قلموں سے

تورات لکھتے تھے وہ دریا میں ڈال دیئے کہ جس کا قلم پانی میں سیدھا کھڑا رہے گا وہ حضرت مریم کی پرورش کرے گا۔ بقی تمام لوگوں کے قلم پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا کا قلم پانی میں اس طرح کھڑا رہا جس طرح زمین میں نیزہ گاڑ دیتے ہیں۔ تب انہوں نے حضرت مریم کو لے لیا اور ان کی کفالت کی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۳-۱۴۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عیلت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے، انہوں نے کہا : اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران : ۳۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں : ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سردیوں میں گرمیوں کے، اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھتے تھے مجاہد نے بیان کیا ہے وہ ان کے پاس بے موسمی انگور دیکھتے تھے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی ماں کے فوت ہونے کے بعد حضرت زکریا نے حضرت مریم کو ان کی خالہ حضرت یحییٰ کی ماں کی تحویل میں دے دیا۔ حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گئیں تو ان کی ماں کی نذر کے مطابق ان کو عبادت گاہ میں پہنچا دیا۔ وہ وہاں پلتی بڑھتی رہیں۔ پھر بنو اسرائیل تنگی اور قحط سالی کا شکار ہو گئے اور حضرت زکریا کو ان کی پرورش کرنے میں ضعف لاحق ہوا، انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا تم کو معلوم ہے کہ اب میں اس کی پرورش سے عاجز ہو رہا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ جن مصائب کا شکار ہیں وہ ہمیں بھی درپیش ہیں وہ ایک دوسرے پر یہ ذمہ داری ڈالنے لگے اور ان کے لئے پرورش کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے پھر قرعہ اندازی کی اور اس دفعہ جرتج نام کے ایک شخص کا قرعہ نکلا حضرت مریم نے جب جرتج کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھے تو فرمایا۔ اے جرتج اللہ سے حسن ظن رکھو وہ ہم دونوں کو رزق عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی برکت سے جرتج کو غیر معمولی رزق عطا فرمانے لگا۔ حضرت زکریا نے جب رزق کی یہ فراوانی دیکھی تو پوچھا اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ حضرت مریم نے کہا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے، اور محراب کا معنی ہے مجلس میں سب سے مشرف مقام۔ جائے صدارت اور محفل میں مقدم جگہ۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۳۰ھ)

هٰذَا لَكَ دَعَا ذَكَرَ يَا رَبِّهِ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ

اس جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ۖ ۳۸ فَنَادَتْهُ الْمَلِكَةُ وَهِيَ

عطا فرما، بیشک تو ہی دعا سننے والا ہے ۰ تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں

قَائِمٌ يُصَلِّي فِي السُّحُورِ أَنْ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِخَيْرٍ مُصَدِّقًا

کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا کہ (اے زکریا) بیشک اللہ آپ کو بخیر کی خوشخبری دیتا ہے، جو

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَأَحْصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۹﴾

(یعنی) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، سزاوار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک دوستوں میں سے ہوں گے

قَالَ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي

انہوں نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ

عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ

ہے۔ فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے

لِي آيَةً ط قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمْزًا ط

لیے کوئی علامت مقرر کر دیجیے، فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کرو گے

وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

اور اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور اس کی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو ○

حضرت زکریا علیہ السلام کے اولاد کی دعا کرنے کا سبب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کا حال دیکھا کہ ان کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل آتے ہیں تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جو بے موسم کے پھل دینے پر قادر ہے وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ مجھے بے موسم کی یعنی بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کرنے پر راغب ہوئے، انہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پھر چپکے چپکے اپنے رب سے دعا کی : اے رب میری ہڈی کمزور ہو چکی ہے اور میرا سر سفید ہو گیا ہے اور میں کبھی تجھ سے دعا کر کے نامراد نہیں ہوا اور مجھے اپنے بعد اپنے وارثوں سے (دین میں فتنہ ڈالنے کا) خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا۔

بعض علماء اس آیت میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے پاس جا کر دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کے لئے ولی کی بارگاہ میں جانا پڑتا ہے اور جب نبی

کے لئے بھی ولی کے پاس جائے بغیر چارہ نہیں تو عام آدمیوں کا کیا ذکر ہے، اور اس آیت سے وہ نبی پر ولی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور یہ فکر محض گمراہی ہے، حضرت زکریا کا دعا کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے اور تب ان کا ذہن اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جب بے موسم کے پھل دے سکتا ہے تو بے موسم کی اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا اے زکریا! بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو (بیسی) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، سردار! اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور نیک بندوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۳۹)

ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ کی ولادت کی نوید سنائی اور جمہور نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ندا کرنے والے حضرت جبرائیل تھے اور چونکہ حضرت جبرائیل جماعت ملائکہ کے رئیس ہیں اس لئے ان کو ملائکہ سے تعبیر فرمایا۔ یا اس وجہ سے کہ حضرت جبرائیل تمام ملائکہ کی صفات جمیلہ کے جامع ہیں۔

نمازی کو ندا کرنے کی بحث

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اس کو ندا کرنا اور اس سے کلام کرنا جائز ہے، لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے یا حضرت جبریل علیہ السلام نے ندا کی اور ان سے کلام کیا اور اس پر عام آدمیوں کے کلام کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں یہ شریعت سابقہ ہے ہماری شریعت میں نماز میں کلام کرنا ممنوع ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے باتیں کیا کرتے تھے، ایک نمازی اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی : وقوموا للہ قانتین (البقرہ : ۲۳۸) اور اللہ کے سامنے خاموشی اور ادب سے کھڑے رہو۔ پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (جامع ترمذی ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا بھی ہو سکتی ہے یعنی حضرت زکریا اس وقت دعا کر رہے تھے۔ واضح رہے کہ فرض نماز میں رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں ہے، کیونکہ آپ کے بلانے پر جانے اور آپ سے باتیں کرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نفل نماز میں ماں کے بلانے پر چلا جائے اور اس نفل نماز کو دوبارہ پڑھ لے اور باپ کے بلانے پر نفل نماز میں بھی جانا جائز نہیں ہے اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع میں کی ہے۔

محراب میں نماز پڑھنے کی بحث

اس آیت میں مذکور ہے حضرت یحییٰ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے علامہ ابوالحیاء اندلسی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اس سے منع کرتے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالحیاء اندلسی کا استدلال کئی وجہ سے صحیح نہیں ہے اول اس لئے کہ امام ابوحنیفہ مطلقاً "محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ جماعت سے نماز پڑھاتے وقت امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں

کیونکہ عبادت میں امام کی مخصوص جگہ نصاریٰ کی عبادت کے مشابہ ہے، اور وہ یہاں ثابت نہیں ہے کہ حضرت زکریا اس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جبکہ یہاں صلوٰۃ ۰ معنی دعا کا بھی احتمال ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں محراب کا معنی ہے عبادت کا حجرہ، اور امام ابو حنیفہ نے اس معروف محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہا ہے جو مسجد کے وسط میں ایک مخصوص شکل سے بنائی جاتی ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث میں نبی ﷺ نے عبادت میں یہود و نصاریٰ کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی اور فرشتوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ زکریا نے کہا : اے میرے رب میرا لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں۔ فرمایا یوں ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا وہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم تندرست ہو گے۔ تو وہ اپنے (ماننے والوں) لوگوں کے سامنے عبادت کے حجرہ سے باہر نکلے سوان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

(مریم : ۷۷)

پھر حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف یہ وحی کی :

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنَاہُ الْحِكْمَ صَبِيًّا ۝ وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَّكَانَ تَقِيًّا ۝ وَبَرًّا ۝ وَاِلٰدِيْہٖوَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلٰیہِ یَوْمَ وُلِدَ وَاٰتٰیہٗ یَمُوْتُ وَاٰتٰیہٗ یُعٰثُ حَيًّا ۝

اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی نبوت دی۔ اور اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ نہایت متقی تھے۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔ اور ان پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔

(مریم : ۱۵-۱۲)

○ وہ زندہ اٹھائے جائیں گے

ان تین اوقات میں سلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ابن آدم پر یہ تین اوقات بہت سخت ہوتے ہیں ان اوقات میں وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا :

وَالسَّلَامُ عَلٰی یَوْمٍ وُلِدْتُ وَاَمُوْتُ وَاَمُوْتُ وَاَمُوْتُ وَاَمُوْتُ ۝

اور مجھ پر سلام ہو میری ولادت کے دن اور میری وفات کے دن

○ اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا

(مریم : ۳۳)

قائد نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے فرمایا آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں، حضرت یحییٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اور آپ پر

اللہ نے سلام بھیجا ہے، تو حضرت یحییٰ نے جان لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ہی فضیلت دی ہے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ارادہ کیا ہے ماسوا یحییٰ بن زکریا کے، اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے زیادہ افضل ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن وہب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس آئے تو وہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ذکر کر رہے تھے، کسی نے کہا موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ کسی نے کہا عیسیٰ روح اللہ ہیں، کسی نے کہا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا شہید کہاں ہے؟ شہید کہاں ہے؟ جو اون کے کپڑے پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور گناہوں سے ڈرتے تھے، اور حافظ ابن عساکر نے حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی (نوع کے) گناہ کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سید اور حضور فرمایا ہے پھر انہوں نے زمین سے کوئی چیز اٹھا کر کہا ان کے پاس بس اتنی چیز تھی پھر ان کو ذبح کر دیا گیا۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حارث اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ قریب تھا کہ حضرت یحییٰ اس میں تاخیر کرتے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا آپ کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا یا آپ انہیں تبلیغ کریں یا پھر میں تبلیغ کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے کہا اے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے مجھ سے پہلے ان کلمات کی تبلیغ کر دی تو مجھے عذاب ہو گا یا مجھ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ پھر حضرت یحییٰ نے بیت المقدس میں بنو اسرائیل کو جمع کیا اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو بھی ان پانچ چیزوں کی تعلیم دوں۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خالص مال سے سونے یا چاندی کے بدلہ ایک غلام خریدے اور وہ غلام اپنے مالک کے سوا کسی اور کی خدمت کرے اور مالک کی آمدنی کسی اور شخص تک پہنچائے۔ تم میں سے کون شخص پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تم کو رزق دیا تو تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور کو بالکل شریک نہ کرو۔ جب تک بندہ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ بھی اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اس لئے جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر توجہ نہ کرو، اور اللہ نے تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوگوں کی ایک جماعت میں مشک کی تھیلی ہو جس سے سب لوگوں کو مشک کی خوشبو آرہی ہو، اور بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے، اور اللہ نے تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا اور اس کی گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے پھر وہ اس کی گردن اڑانے کے لئے آئے تو اس نے کہا تمہاری کیا رائے ہے میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ دے دوں! پھر وہ اپنا تھوڑا اور زیادہ مال انہیں دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے، اور میں تم کو اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے اس کا دشمن دوڑ رہا ہو تو وہ ایک مضبوط قلعے میں آکر قلعہ بند ہو جائے اور جب کوئی شخص اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے تو وہ ایک مضبوط قلعہ میں شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت حارث اشعری نے کہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور

میں بھی تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے جماعت کے ساتھ رہنا، حکم سننا اور اطاعت کرنا، اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے نکلا اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ اتار دیا الایہ کہ وہ واپس آجائے اور جس نے زمانہ جاہلیت کی چیخ و پکار کی اس نے جہنم سے مٹی ڈال لی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو۔ آپ نے فرمایا خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو اور مسلمان ہونے کا زعم کیا ہو۔ مسلمانوں کو مسلمان کہہ کر بلاؤ کیونکہ اللہ عزوجل نے اللہ کے بندوں کو مسلمان اور مومن کہا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ، امام ترمذی، امام ابو داؤد و طیالسی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ لوگوں سے الگ رہتے تھے۔ وہ جنگلوں سے مانوس تھے۔ درختوں کے پتے کھاتے۔ دریاؤں کا پانی پیتے۔ کبھی کبھی مٹیوں کو کھا لیتے اور کہتے تھے اے یحییٰ! تم سے زیادہ انعام یافتہ کون ہوگا۔ امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ان کے ماں باپ انہیں ڈھونڈنے نکلے تو وہ دریا اردن کے پاس ملے ان کی عبادت اور ان میں اللہ کا خوف دیکھ کر وہ بہت روئے۔ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا ہری ہری گھاس کھاتے تھے اور خوف خدا سے بہت روتے تھے۔ وہیب بن ورد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زکریا سے ان کے بیٹے یحییٰ گم ہو گئے وہ تین دن ان کو ڈھونڈتے پھرے بالآخر وہ کھودی ہوئی قبر میں ملے وہاں بیٹھے ہوئے خوف خدا سے رو رہے تھے انہوں نے کہا اے بیٹے! میں تم کو تین دن سے ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں قبر میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہو! حضرت یحییٰ نے کہا اے میرے ابو! کیا آپ ہی نے مجھے یہ خبر نہیں دی تھی کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک جنگل ہے جس کو صرف رونے والوں کے آنسوؤں سے ہی طے کیا جاسکتا ہے۔ امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ نے کہا اہل جنت جنت کی نعمتوں کی لذت کی وجہ سے نہیں سوتے، سو اسی طرح صدیقین کو چاہئے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی وجہ سے نہ سوئیں پھر فرمایا ان دونوں نعمتوں میں کتنا فرق ہے۔ وہ بہت زیادہ روتے تھے حتیٰ کہ مسلسل آنسو بہنے کی وجہ سے ان کے رخساروں میں نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ کے قتل کے کئی اسباب ذکر کئے گئے ہیں کہ اس زمانہ میں دمشق کا ایک حکمران اپنی کسی محرم سے نکاح کرنا چاہتا تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس بادشاہ کو اس کام سے منع کیا، اس وجہ سے اس عورت کے دل میں حضرت یحییٰ کے خلاف بغض پیدا ہو گیا جب اس عورت اور بادشاہ کے درمیان شناسائی پیدا ہو گئی تو اس عورت نے بادشاہ سے حضرت یحییٰ کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کر کے ان کا سر اس عورت کے سامنے پیش کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عورت بھی اسی ساعت مر گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس بادشاہ کی عورت حضرت یحییٰ پر فریفتہ ہو گئی اس نے حضرت یحییٰ سے اپنی مقصد برآری چاہی، حضرت یحییٰ نے انکار کیا جب وہ حضرت یحییٰ سے مایوس ہو گئی تو اس نے بادشاہ کو حضرت یحییٰ کے قتل پر تیار کیا اور بادشاہ نے کسی کو بھیج کر حضرت یحییٰ کو قتل کرایا اور ان کا سر مبارک کاٹ کر ایک طشت میں اس عورت کو پیش کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۳-۵۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۳ھ)

حضرت یحییٰ کے قتل کا جو پہلا سبب لکھا ہے موجودہ انجیل میں بھی اس کی تصدیق ہے :

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیس کے سبب سے اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے نکاح کر لیا تھا اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا

تجھے روا نہیں ○ پس ہیرودیس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا ○ کیونکہ یہودیوں میں یوحنا کو راستہ باز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا ○ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گیل کے رئیسوں کی ضیافت کی ○ اور اسی ہیرودیس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بلو شہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا ○ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدمی سلطنت تک تجھے دوں گا ○ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ○ وہ فی الفور بلو شہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک قتل میں ابھی مجھے منگوادے ○ بلو شہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا ○ پس بلو شہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا ○ اور ایک قتل میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا ○ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی ○

(مرقس: باب ۶: آیت ۲۹-۱۸ نیا عہد نامہ ص ۳۰-۳۹ مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمتہ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے۔

(آل عمران : ۳۹)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا

یحییٰ کے معنی ہیں زندہ ہوتا ہے یا زندہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام یحییٰ رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا۔ یا وہ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قتل کئے جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے۔ امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کی بیوی نے حضرت مریم سے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تمہارے پیٹ کے بچہ کے لئے حرکت کرتا ہے، پھر حضرت زکریا کی بیوی کے ہاں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت مریم کے ہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے مصدق تھے اس لئے اس آیت میں فرمایا ہے جو کلمتہ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ خالصہ زاد بھائی تھے اور حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے کہتی تھیں کہ میں محسوس کرتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے وہ اس کو سجدہ کرتا ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ حضرت یحییٰ نے اپنی ماں کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کو سجدہ کر کے ان کی تصدیق کی وہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرنے والے تھے، حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو سید فرمایا ہے اس کا معنی ہے وہ علم اور عبودیت میں سردار تھے۔ قتادہ نے کہا وہ علم، حلم اور تقویٰ میں سردار تھے۔ مجاہد نے کہا سید کا معنی ہے جو اللہ کے نزدیک کریم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حضور بھی فرمایا ہے، حضور کا معنی ہے جو عورتوں سے خواہش پوری نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن العاص رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی گناہ ہو گا۔ الحدیث۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۷۳، ۱۷۴ مطبوعہ بیروت)

حضرت یحییٰ کا عورتوں کی خواہش پوری نہ کرنا اپنی پاکبازی کی وجہ سے تھا کسی عجز کی وجہ سے نہ تھا، انبیاء کرام ہر قسم کے عیب سے منزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ حضرت یحییٰ کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستعد سمجھنے کی توجیہ

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت زکریا نے اپنے ہاں بیٹے کو کیوں اس قدر مستعد سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کے بڑھاپے کو زائل کر کے ان کو جوانی عطا فرمائے گا اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کو دور فرمائے گا پھر بیٹا ہو گا یا ان کی اسی حالت کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا عطا فرمائے گا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی نعمت سے مایوس ہو پھر اچانک اس کو اس نعمت کے ملنے کی خوشخبری مل جائے تو وہ خوشی سے از خود رفته ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے یہ کس طرح ہو گا؟ تیسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو جب غیر متوقع طور پر کسی نعمت کے ملنے کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ اس کے متعلق بار بار سوال کرتا ہے تاکہ جواب میں پھر اس نعمت کے دیئے جانے کی خوش خبری دی جائے اور اس خبر کی تاکید اور تقریر ہو اور اسے سن کر اسے مزید اطمینان اور شرح صدر حاصل ہو، چوتھا جواب یہ ہے کہ ان کے دعا کرنے کے ساٹھ سال بعد یہ بشارت دی گئی حتیٰ کے بشارت کے وقت وہ اپنی دعا کو بھول چکے تھے، پھر جب انہوں نے سخت بڑھاپے کی حالت میں یہ خوش خبری سنی تو فطری طور پر انہوں نے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت مقرر کر دیجئے فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے اور اپنے رب کا ذکر اور اسکی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو۔

تین دن کے لئے حضرت زکریا کی زبان بند کرنے کے فوائد اور حکمتیں

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی ولادت کی خوش خبری اور اپنی دعا کی قبولیت سے غیر معمولی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر انعام اور اکرام فرمایا اس لئے انہوں نے یہ چاہا کہ اس کی کوئی علامت مقرر کر دی جائے جو استقرار حمل پر دلالت کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ علامت مقرر کر دی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔ اس آیت میں تین دنوں کا ذکر ہے اور سورہ موم میں تین راتوں کا ذکر ہے اور ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت تین دن اور تین راتیں حاصل رہی تھی۔ اس علامت کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے بات کرنے سے روک دیا تھا اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ ان کی زبان کا بند ہو جانا استقرار نطفہ کی علامت بن گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دنیاوی امور میں باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بند کر دیا اور تسبیح، تہلیل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے پر ان کی زبان کو قدرت دے دی۔ اس طرح یہ ایک چیز استقرار حمل کی علامت بھی بن گئی اور اس نعمت پر

شکرا ادا کرنے کا ذریعہ بھی بن گئی، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ لوگوں سے بات تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تہلیل اور ذکر کر سکتے تھے، اور چونکہ ان کو پہلے بتا دیا گیا تھا کہ استقرار حمل کے وقت تمہاری زبان بند ہو جائے گی حالانکہ ان کا بدن صحیح و سلامت تھا اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوا تو یہ ایک اور وجہ سے معجزہ ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استقرار حمل کی علامت یہ بیان فرمائی کہ جب استقرار حمل ہو گا تو تمہیں یہ حکم دیا جائے گا کہ تم لوگوں سے تین دن تین راتیں بات نہ کرو اور تسبیح، تہلیل، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا شکرا ادا کرتے رہو اور لوگوں سے بات کرنے کی اگر ضرورت پیش آئے تو اشاروں سے بات کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کا آنا استقرار حمل کی علامت ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم لوگوں سے صرف رمز کی بات کر سکو گے، رمز کا معنی ہے حرکت کرنا اور یہاں رمز سے مراد ہے اشارہ کرنا، خواہ اشارہ ہاتھ سے ہو، سر سے ہو، بھوں سے ہو، آنکھ سے ہو یا ہونٹ سے ہو، نیز اس آیت میں فرمایا ہے اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح کرو، اس پر یہ سوال ہے کہ ذکر کے بعد تسبیح کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ تسبیح کرنا بھی ذکر ہی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ذکر سے مراد ہے زبان کے ساتھ ذکر کرنا اور صبح اور شام کی تسبیح سے مراد ہے قلب کے ساتھ ذکر کرنا، کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں پہلے وہ بہ کثرت زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر جب اللہ کے ذکر کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا ہے تو پھر ان کا قلب زاہر ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح سے مراد ہے شام اور صبح کو نماز پڑھنا کیونکہ نماز تسبیح پر مشتمل ہے اور تسبیح نماز کا جز ہے تو یہاں کل پر جز کا اطلاق ہے، قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی نماز پر تسبیح کا اطلاق ہے:

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ۔ اللہ کے لئے نماز پڑھو جب تم شام کا وقت پاؤ اور جب تم صبح کا

(الروم : ۱۷) وقت پاؤ

نیز شام اور صبح کے وقت نماز پڑھنا اس آیت کے موافق ہے :

اقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (ہود : ۱۱۳) دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم رکھو۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ يَمْرُؤُاِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكَ وَطَهَّرَكَ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہان

وَاصْطَفٰكَ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ يَمْرُؤُا قَتْلِي لِرَبِّكَ

کی عورتوں پر برگزیدگی دی ○ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو

وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۳۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ

اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ○ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم

نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ

آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لیے اپنے قلموں کو ڈال رہے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٣﴾

تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے حضرت مریم کی کفالت اور پرورش کی تھی اور اب اس آیت میں خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا ہے جن کی انہوں نے پرورش کی تھی۔ اس آیت میں فرمایا ہے جب فرشتوں نے کہا اے مریم! یہاں فرشتوں سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور ان کو فرشتوں کی جماعت سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ ان میں تمام فرشتوں کے کمالات موجود ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بجائے حضرت جبرائیل کا ذکر فرمایا ہے :

فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا
(مریم : ۱۷) سانسے مکمل بشر کی صورت میں آیا۔

زیر بحث آیت میں حضرت مریم کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حضرت مریم کی طرف بھیجا اور ان کی طرف وحی نازل کی۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو صرف مردوں کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رَجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ اٰهْلِ الْقُرْاٰی (یوسف : ۱۰۹)
اور ہم نے آپ سے پہلے (بھی) مردوں کے سوا اور کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔

اس لئے حضرت مریم کی طرف حضرت جبرائیل کا آنا حضرت مریم کی کرامت اور ولایت کی دلیل ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارباب اور حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں حضرت مریم کی تین فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا اصفاء کیا (ان کو چن لیا۔ منتخب کر لیا) ان کی تطہیر کی اور ان کا تمام جہانوں کی عورتوں پر اصفاء کیا (تمام جہانوں کی عورتوں میں سے چن لیا اور ان پر فضیلت دی) سو اس آیت میں دو مرتبہ ان کو چن لینے کا ذکر ہے اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔

پہلے اصفاء کا معنی یہ ہے کہ عورت ہونے کے باوجود حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا، ان کے علاوہ اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول نہیں کیا گیا، حضرت مریم کی پرورش کے دوران ان کے لئے جنت سے بے موسم کے پھل آتے تھے اور حضرت مریم نے بالمشافہ حضرت جبریل کا کلام سنا۔

حضرت مریم کی تطہیر کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کفر اور مصیبت کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی

طرح ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی ازواج کے متعلق فرمایا :

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب : ۳۳) \ ہٹا دے اور رکھے اور تمہیں پاک رکھے اور خوب پاکیزہ رکھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا، نیز حضرت مریم کو حیض سے پاک رکھا۔ یہ فضیلت حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی حاصل تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حیض سے پاک رکھا۔ علامہ ابن حجر ہیتمی نے لکھا ہے کہ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری بیٹی آدمیوں میں حور ہے اس کو حیض اور نفاس نہیں آتا اس کا نام فاطمہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اس کو نار سے الگ کر دیا۔

(الصواعق المحرقة ص ۱۲۰، مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ مصر ۱۳۸۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بری عادتوں اور برے کاموں سے پاک رکھا اور یہودیوں نے حضرت مریم پر بدکاری کی جو تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت اور بہتان سے حضرت مریم کو پاک اور بری کر دیا۔

دوسرے اسطفاء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اپنی ماں کی برات اور پاک دامنی بیان فرمائی۔

حضرت مریم کی فضیلت میں احادیث

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں بہت کامل ہیں عورتوں میں صرف عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہوئی ہیں۔

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سب سے نیک مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے نیک خدیجہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں اور مریم بنت عمران ہیں اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام احمد، امام ترمذی تصحیح سند کے ساتھ، امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام جہانوں کی عورتوں سے تمہیں یہ کافی ہیں : مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ۔

امام ابن جریر نے حضرت عمار بن سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی عورتوں پر خدیجہ کو اس طرح فضیلت دی گئی ہے جس طرح مریم کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی

درویش کی سردار مریم بنت عمران ہیں، پھر فاطمہ ہیں، پھر خدیجہ ہیں، پھر فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔

امام ابن عساکر نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جہان کی سردار چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور ان میں سب سے افضل فاطمہ ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ اور خدیجہ بنت خویلد کے بعد تمام جہانوں کی سردار فاطمہ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (آل عمران : ۴۳)

زیر بحث آیت میں سجدہ کے ذکر کو رکوع کے ذکر پر مقدم کرنے کی توجیہات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم پر اپنے مخصوص انعامات کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں ان انعامات پر شکر ادا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ نماز میں پہلے رکوع ہے اور پھر سجدہ ہے اس لئے بہ ظاہر پہلے رکوع اور پھر سجدہ کا ذکر کرنا چاہئے تھا جبکہ اس آیت میں اس کے برعکس پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے اس کی کیا توجیہ ہے علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) نماز سے مقصود اللہ کے سامنے عاجزی پیش کرنا اور ذلت کا اظہار کرنا ہے اور سجدہ میں انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہے کیونکہ سجدہ میں انسان اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور اپنے جسم کے مکرم اور مشرف عضو کو اس جگہ رکھ دیتا ہے جو لوگوں کے پیروں تلے آتی ہے اور چونکہ نماز کا اہم مقصود سجدہ سے ادا ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں پہلے سجدہ کا اور پھر رکوع کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) بندے کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب سجدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

واسجدوا تقرب (العلق : ۱۹) سجدہ کرو اور (اللہ سے مزید) قریب ہو جاؤ

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۱، مطبوعہ کراچی)

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ثوبان سے ہوئی، میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتلائیے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ مجھے جنت میں داخل کر دے یا میں نے کہا جو عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو وہ مجھے بتلائیے۔ آپ خاموش ہو گئے میں نے پھر سوال کیا آپ پھر خاموش ہو گئے میں نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تم اللہ کے لئے بکثرت سجدے کرو، کیونکہ جب تم اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس سے تمہارے ایک درجہ کو بلند کرتا ہے اور تمہارے ایک گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ نور محمد اصحاطہ کراچی ۱۹۷۵ء)

اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ وہ عمل ہے جو بندہ کو خدا کے قریب کرتا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے اس لئے اس آیت میں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۳) احادیث میں نماز کو سجدہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن الزبیر سے فرمایا کہ اے میرے بھانجے! نبی ﷺ نے کبھی میرے پاس عصر کے بعد دو سجدوں (دو رکعت نماز) کو ترک نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ نور محمد اصحاطہ کراچی ۱۹۷۵ء)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو سجدے (دو رکعت نماز) کئے اور ظہر کے بعد دو سجدے اور مغرب کے بعد دو سجدے اور عشاء کے بعد دو سجدے اور جمعہ کے بعد دو سجدے۔ رہی مغرب اور عشاء تو وہ آپ نے گھر میں پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۷-۱۵۶ مطبوعہ کراچی) یعنی مغرب اور عشاء کے نفل۔

اور کسی چیز کو اس کے اعلیٰ اور اشرف جز کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور نماز کو سجدہ سے تعبیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ سجدہ نماز کے اجزا اور ارکان میں سے اعلیٰ اور اشرف رکن ہے اس لئے یہاں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۴) علاوہ ازیں واو مطلقاً "جمع کے لئے آتی ہے اس کا تقاضا ترتیب نہیں ہے اس لئے آیت میں سجدہ کا پہلے مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ نماز میں بھی پہلے سجدہ ہو اور پھر رکوع ہو اور یہاں مقدم ذکر کرنے کی وہ وجہ ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں اور جن آیات میں پہلے رکوع کا اور پھر سجدہ کا ذکر ہے وہ اصل کے مطابق ہے اور توجیہ اس کی کی جاتی ہے جو خلاف ظاہر ہو۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا کی شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے ہو۔

(۶) اور یہ بھی احتمال ہے کہ سجدہ کرو سے مراد یہ ہو کہ تمنا نماز پڑھو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اس سے مراد یہ ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہو کہ بیت المقدس کے مجاورین کے ساتھ مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان میں محتلط نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ کے حکم سے مراد نماز پڑھنا ہو اور رکوع کے حکم سے مراد خضوع و خشوع ہو۔

بچہ کی پرورش کرنے کے حقداروں کا بیان

حضرت مریم کی پرورش ان کی خالہ نے کی اس سے معلوم ہوا کہ دور کے رشتہ داروں میں پرورش کرنے کی زیادہ حقدار بچہ کی خالہ ہے امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا خالہ بہ منزلہ ماں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ بھی اے چچا اے چچا کہتی ہوئی آپ کے ساتھ چل پڑی، حضرت علی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اپنی بیچازاد بہن کو لے لو۔ انہوں نے اس کو اٹھالیا پھر اس کی پرورش کے

حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر میں نزاع ہو۔ حضرت علیؓ نے کہا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے حضرت زید نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ نبی ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور فرمایا خالہ (پرورش کرنے میں) بہ منزلہ ماں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الرغینانی الحنفی لکھتے ہیں :

جب خاوند اور بیوی میں تفریق ہو جائے تو ماں پرورش کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ طرف تھا اور میری گود خیمہ تھی اور میرا پستان ڈول تھا اور اب اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم کہیں شادی نہ کرو اس کی پرورش کی تم زیادہ حقدار ہو نیز ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پرورش کرنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے اس لئے پرورش کرنے کے لئے وہ زیادہ مناسب ہے اور پرورش کا خرچ باپ پر ہو گا اور ماں کو پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگر بچہ کی ماں نہ ہو تو دادی سے نانی اولیٰ ہے اور اگر نانی نہ ہو تو بہنوں سے دادی اولیٰ ہے، اور اگر دادی نہ ہو تو پھوپھی اور خالہ سے بہنیں اولیٰ ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ خالہ اولیٰ ہے کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کی کہ خالہ والدہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ورفع ابو یہ علی العرش (یوسف : ۱۰۰) حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو عرش پر بٹھایا۔ اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ ان کی خالہ اور ان کے والد تھے۔ پھر خالہ، پھوپھی سے اولیٰ ہے کیونکہ اس کی ماں کے ساتھ قربت ہے اور اگر بچہ کی ماں کی طرف سے کوئی رشتہ دار نہ ہو اور مرد پرورش کرنے میں نزاع کریں تو ان میں سے جو باپ کا زیادہ قریب رشتہ دار ہو گا وہ پرورش کرے گا، ماں اور نانی بچہ کی پرورش کی اس وقت تک زیادہ حقدار ہیں جب تک کہ اگر وہ لڑکا ہو تو خود سے کھانے پینے اور کپڑے پہننے لگ جائے اور خود سے استنجاء کرنے لگے اور اگر لڑکی ہو تو اس کے بالغ ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کرنے کا حق ہے، کیونکہ عورتوں کی تربیت وہی کر سکتی ہیں اور اس کے بعد لڑکی کی حفاظت کی ضرورت ہوگی اور اس کی طاقبت باپ زیادہ رکھتا ہے، اگر مطلقہ عورت بچہ کو لے کر کسی اور شہر جانا چاہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں باپ کو ضرر ہے ہاں اگر اپنے وطن لے جانا چاہے جس شہر میں اس کی شادی ہوئی تھی تو پھر جائز ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۴۳۶-۴۳۷ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بہت عبادت کرنے والی اور اللہ سے بہت ڈرنے والی اور اس کی فرمانبرداری بندی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم کے علاوہ اور کسی عورت کا نام نہیں لیا۔ اس میں ان گمراہ فرقوں کا لطیف رد ہے جو حضرت مریم کو اللہ کی بیوی کہتے تھے، کیونکہ معروف یہ ہے کہ لوگ باقی عورتوں کا نام لیتے ہیں اور اپنی بیوی کا نام نہیں لیتے۔ اس کا کنایتاً ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کا کنایتاً نام لیا سو حضرت مریم کے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لئے اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○ (آل عمران : ۴۴)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

ان آیات میں حضرت زکریا، حضرت یحییٰ علیہما السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے گزشتہ واقعات کی خبر دی گئی ہے اور یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جن پر آپ از خود مطلع تھے نہ آپ کی قوم کا کوئی اور فرد مطلع تھا نہ آپ نے کتب میں جا کر کسی سے ان کے متعلق کچھ سنا تھا نہ کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اور نہ ہی آپ ان کے زمانہ میں موجود تھے کہ آپ نے ان واقعات کا مشاہدہ کر لیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کا ذریعہ اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے یا اس چیز کے متعلق پڑھنا ہے یا اس کے متعلق کسی سے کچھ سنانا ہے اور یہ تینوں ذرائع متضمنی تھے تو ثابت ہو گیا کہ آپ نے ان گزشتہ واقعات کی جو صحیح صحیح خبریں بیان کی ہیں ان کے علم کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعہ وحی نازل کر کے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا اور آپ پر وحی نازل کرنے کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے۔ سو مشرکین اور اہل کتاب دونوں کے نزدیک آپ کی نبوت ثابت ہوگی کیونکہ آپ کے بیان کردہ واقعات ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے واقعات کے مطابق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات اور حالات سے بھی آپ کو وحی سے مطلع فرمایا اور یہ تمام واقعات اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اسی تھے آپ نے کسی انسان سے پڑھے یا سنے بغیر یہ تمام واقعات بیان فرمائے یہ بھی آپ پر وحی نازل ہونے اور آپ کی نبوت کا ثبوت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو بیان کر کے فرمایا :

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْلُوْا لَكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ کُفْرًا ۚ کُلٌّ مِّنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّکُمْ تَعْلَمُوْنَ (۳۲)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں نہ آپ (از خود) انہیں جانتے تھے اور نہ اس سے پہلے آپ کی قوم کے لوگ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے آپ کو مطلع فرمایا اور اس کے بعد فرمایا :

وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْعُرْبِ اِذْ قَضٰیۤنَاۤ اِلٰی مُوْسٰی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشّٰہِدِیْنَ (القصص : ۲۴)

اور آپ طور کی جانب غربی میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت آپ حاضرین میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے احوال سے آپ کو مطلع فرمایا اور یہ اطلاع صرف وحی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور وحی کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے نیز ان آیات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ہم نے ”یؤمنون بالغیب“ کی تفسیر میں علم غیب پر تفصیل سے بحث کی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیوب میں سے بعض کا علم عطا فرمایا ہے لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب کا علم ہے، امام احمد رضا قادری نے میر سید شریف سے نقل کیا ہے کہ جب علم غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے متبادر ذاتی ہوتا ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) ہاں یہ کہنا درست ہے کہ آپ کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا آپ غیب پر مطلع کئے گئے ہیں، قرآن مجید کی جن آیات میں آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بتائے بغیر یا اس کی وحی کے بغیر آپ از خود غیب کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی تعلیم سے ہر چیز آپ پر

منکشف ہو گئی اور آپ نے اس کو جان لیا، امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے میرے کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا میں نے اس کی انگلیوں کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا، امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

مذکورہ حدیث کو طابع نور محمد نے جامع ترمذی کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے اور فاروقی کتب خانہ ملتان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ حدیث اصل کے مطابق کتاب کے متن میں موجود ہے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان) اسی طرح محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کے متن میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۱۷۵، ۱۷۳، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے

اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ وَرَجِيْهَا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہے

وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۵ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْهَدٰى وَكُهْلًا وَّهِنَ

اور اللہ کے مقربین میں سے ہے ۝ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی اور

الصّٰلِحِيْنَ ۝۴۶ قَالَتْ رَبِّ اَنۡىٰ يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِيْ

نیکوں میں سے ہوگا ۝ مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا، مجھے تو کسی آدمی نے مس تک

بَشَرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا

نہیں کیا، فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرمالتا ہے

فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۷

تو اسے فرماتا ہے ”ہو جا“ اور وہ فوراً ہو جاتی ہے ۝

خلاصہ آیات اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کے احوال بیان فرمائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرابت دار تھے۔ اس تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور واقعات بیان فرمائے ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے ارشاد فرما رہا ہے : اے رسول مکرّم! اس وقت کو یاد کیجئے جب جبرائیل نے مریم سے کہا اللہ آپ کو عیسیٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے صرف کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس آیت میں اگرچہ ملائکہ کا لفظ ہے مگر اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور ان کو ملائکہ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اللہ کے نزدیک معزز اور مقربین میں سے ہیں اور وہ لوگوں سے پالنے میں بھی باتیں کریں گے اور پختہ عمر میں بھی باتیں کریں گے اور وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ حضرت مریم نے متعجب ہو کر کہا ان کے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو گا ان کا تو خاوند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اس کے نزدیک بغیر باپ کے بچہ کو پیدا کرنا کوئی مستبعد اور تعجب خیز بات نہیں ہے اس نے ابتداً ”آسمان اور زمین کو پیدا کیا“ حوا کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم کو عورت اور مرد دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ نیز اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر فرمایا تھا جن کو بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے پیدا کیا تھا یہ بھی عام معمول اور عادت کے خلاف پیدائش تھی اور اس وقت بھی یہی فرمایا تھا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے اب اس سے بھی زیادہ معمول اور عادت کے خلاف پیدائش کی اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اس آیت میں بھی فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی توجیہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ (آل عمران

: ۳۵) ایک اور آیت میں فرمایا :

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَ كَلِمَتُهُ .
(النساء : ۱۷۱)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ اللہ کی (پسندیدہ) روح اور اس کا کلمہ ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا کئے گئے ہیں یوں تو اس کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا کی گئی ہے لیکن ان چیزوں کے کچھ مادی اور ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے لئے مٹی کا پتلا بنایا گیا۔ عام انسانوں کی پیدائش کے لئے مرد و زن کے اختلاط اور نطفہ کو ظاہری سبب بنایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر کسی ظاہری اور مادی سبب کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا کیا گیا اس لئے آپ کو کلمۃ اللہ فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح عادل سلطان کو ظل اللہ اور نور اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت اور اس کے نور کے ظہور کا سبب ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ظہور کا سبب ہیں اور کلمہ ”کن“ کے تصرفات کے منظر اور دلیل ہیں اس لئے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے ظہور اور حدوث کا مبدع ہے اس لئے ”کلمتہ“ اور ”کلمتہ منہ“ فرمایا اور اپنی طرف اضافت فرمائی ہے اور یہاں ”من“ کا لفظ تبعیض اور جزئیت کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض عیسائیوں کا گمان ہے، بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں کلمتہ منہ (آل عمران ۴۵) مذکور ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا جز ہیں اور یہ ان کے ابن اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں ”من“ تبعیض کے لئے نہیں بلکہ ابتداء کے لئے ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی ابتداء بغیر باپ کے واسطے کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ ”کن“ سے ہوئی ہے جس طرح قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ : ۳)

اور اس نے تمہارے نفع کے لئے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے تمام اس کی طرف سے ہیں۔

ظاہر ہے یہاں بھی لفظ ”من“ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کا جز ہیں اور اس کے بیٹے ہیں بلکہ یہاں بھی لفظ ”من“ ابتداء کے لئے ہے یعنی سب چیزوں کے صدور کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہوئی ہے اور اس نے ہر چیز کو کلمہ ”کن“ سے پیدا کیا لیکن ان سب چیزوں کو کلمتہ اللہ اس لئے نہیں فرمایا کہ ان چیزوں کو بعض ظاہری اور مادی واسطوں سے پیدا فرمایا ہے۔

مسیح کا معنی

مسیح اور عیسیٰ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ عبرانی زبان کے لفظ ہیں، ابو عبیدہ اور لیث نے کہا مسیح عبرانی زبان میں مسیح تھا اور عربی زبان میں یہ مسیح ہو گیا۔ اور عیسیٰ اصل میں یسوع تھا جیسے کہا ہے کہ موسیٰ اصل میں موسیٰ یا میثا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور مشتق ہیں اکثر علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بیماروں کے اوپر ہاتھ پھیرتے (مسح کرتے) تو وہ تندرست ہو جاتے، احمد بن یحییٰ نے کہا آپ کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ آپ بہت جلد قطع مسافت کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ قیاموں کے سر پر شفقت سے بہ کثرت ہاتھ پھیرتے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مسیح کا معنی رگڑنا اور مٹانا بھی ہے، چونکہ آپ کے مفروضہ گناہ رگڑ دیئے گئے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا، پانچویں وجہ یہ ہے کہ جس مبارک تیل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے جسموں پر مالش کی جاتی تھی اسی تیل کے ساتھ آپ کے جسم کی مالش کی گئی، علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیل کو انبیاء علیہم السلام کی علامت بنا دیا ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے ان کے جسم پر تیل کی مالش کی ہوئی تھی، ساتویں وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے حضرت جبریل نے ان پر اپنے پروں کے ساتھ مسح کیا تاکہ وہ مس شیطان سے محفوظ رہیں یہ سات وجوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کا لقب دینے کی ہیں، اور دجل لعین کو جو مسیح کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسح العین ہو گا یعنی اس کی ایک آنکھ رگڑی ہوئی یا مٹی ہوئی ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کا بیان

حضرت عیسیٰ کو عیسیٰ بن مریم فرمایا اور مل کی طرف ان کی نسبت کی ہے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دنیا اور آخرت میں وجیہ ہوں گے وجیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس شخص کے لئے عزت، شرف اور

قدرو منزلت ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بنو اسرائیل نے ایک جسمانی عیب کی تمسک لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کی اور ان کی وجاہت بیان فرمائی :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ
فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا

(الاحزاب : ۴۹) وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں۔

وجہ کا معنی ہے چہرہ۔ وجہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی نیکیوں اور مقبولیت کی وجہ سے سرخرو ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کئی وجہ سے اللہ کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہیں، ایک یہ کہ وہ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں انکی دعا سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مارزوا اندھے بینا ہو جاتے تھے۔ اور برص والے تندرست ہو جاتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ یہود کی لگائی ہوئی تمہتوں سے دنیا میں بری ہوئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب جزیل کا وعدہ فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ مقربین میں سے ہیں اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جب انہیں پھانسی دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمانوں پر اٹھالے گا، یہود اور نصاریٰ دونوں اس پر متفق تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی اور صلیب پر چڑھا کر سولی دی گئی، اور جس شخص کو سولی دی جائے اس کو عیسائی لعنتی کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی کتب مقدس میں لکھا ہے :

”سج جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔“ (گلیتوں باب : ۳ : آیت : ۱۳، نیا عہد نامہ ص ۱۸۰، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک وہ دنیا اور آخرت میں معزز، قدرو منزلت والے اور مقربین میں سے ہیں۔ یہود اور عیسائی دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تمسک لگاتے تھے کہ ان کو سولی دی گئی، اسلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برأت بیان کی اور یہ اعلان کیا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کسی اور شخص کو سولی دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ کا پختہ عمر میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگوں سے پنگوڑے میں اور حالت کھل میں باتیں کریں گے اور نیکیوں میں سے ہوں گے۔

(آل عمران : ۴۶)

”کھل“ کا معنی ہے جب شباب پختہ اور تام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پنگوڑے میں باتیں کرنا تو قاتل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ذکر کیا ہے، اس سوال کے متعدد جوابات ہیں : ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بچپن سے کھولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تغیرات آتے رہیں گے، اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تغیر اور تبدل نہ آسکے کیونکہ تغیر حدوث کو مستلزم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھالیا گیا، پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کھولت اور پختہ عمر کے

ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد بھی چالیس سال کے ہوں گے، سو ان کا پگھوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ لیل و نهار کی گردش اور ہزاروں سال کا گذرنا ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے یعنی یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب میں حضرت عیسیٰ کے میلاد کو بیان کیجئے، جب مریم بیت المقدس سے نکل کر اس کی مشرقی جانب چلی گئیں، وہ ایسی جگہ چلی گئیں جہاں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ایک پہاڑ تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے ان کے پاس اپنی روح یعنی حضرت جبرائیل کو بھیجا وہ ان کے سامنے مکمل انسانی صورت میں آئے ان کا رنگ سفید تھا اور بل گھونگھریالے تھے، مریم نے جب ان کو اپنے سامنے دیکھا تو کہل میں تم سے رحمن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تم اس سے ڈرنے والے ہو تو، کیونکہ حضرت جبریل کی صورت اس شخص کے مشابہ تھی جس نے ان کے ساتھ ہی بیت المقدس میں پرورش پائی تھی وہ قوم بنی اسرائیل سے تھا اور اس کا نام یوسف تھا اور وہ بھی بیت المقدس کے خدام میں سے تھا، مریم کو خدشہ ہوا کہیں وہ شیطان کے ورغلانے سے تو نہیں آیا جبریل نے کہا میں تو محض تمہارے رب کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں ماکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گا مجھے تو کسی خلوند نے نہیں چھوا اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ جبریل نے کہا اسی طرح ہو گا آپ کے رب پر یہ آسان ہے یعنی بغیر مرد کے پیدا کرنا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم اس کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت پر) نشانی بنائیں گے اور وہ ہماری طرف سے اس شخص کے لئے رحمت ہو گا جو اس کی تصدیق کرے گا، اور وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے گا یعنی اپنے ہاتھ سے کتاب لکھے گا اور حکمت کی یعنی سنت کی تعلیم دے گا، اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہو گا اور میں اس کے ہاتھ سے اپنی نشانیاں اور عجیب و غریب امور کو ظاہر کروں گا، پھر مریم حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہو گئیں، حضرت ابن عباس نے کہا جبریل علیہ السلام قریب آئے اور انہوں نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ پھونک حضرت مریم کے پیٹ میں چلی گئی اور اس سے مریم کو اسی طرح حمل ہو گیا جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح پیدا ہوئے جس طرح عورتوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ (آل عمران : ۳۹-۴۸، مریم : ۲۲، مریم : ۱۷)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی روح ان روحوں میں سے تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں میثاق لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے بشر کی صورت میں حضرت مریم کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا پھر وہ اس روح سے حاملہ ہو گئیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت مریم بیان کرتی ہیں کہ جب میں کسی سے بات کرتی تو حضرت عیسیٰ پیٹ میں تسبیح کرتے رہتے تھے اور جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا تو وہ مجھ سے بات کرتے اور میں ان سے بات کرتی۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بچپن میں بار

بارگویائی عطا فرمائی انہوں نے تین مرتبہ کلام کیا پھر وہ اس طرح بہ تدریج بالغ ہو گئے جس طرح بچے بالغ ہوتے ہیں جب وہ بچپن میں کلام کرتے تھے تو وہ اللہ کی اس طرح حمد کرتے کہ اس سے پہلے کلاموں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد نہیں سنی تھی۔ وہ کہتے اے اللہ! تو قریب ہونے کے بلوجود بہت بلند ہے تو اپنی مخلوق میں سے ہر چیز سے بلند ہے۔ تو اپنی ساری مخلوق کو دیکھتا ہے اور مخلوق تجھے دیکھنے کے لئے حیران ہے، تو نے ہی اندھیروں کو اپنے نور سے روشن کیا تو نے عرش کے ارکان کو منور کیا، کوئی شخص اپنی صفت سے تیری صفت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے اللہ تو برکت والا ہے، تو تمام مخلوق کا خالق ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کی تقدیر بنانے والا ہے تو مخلوق کو ابتداء میں پیدا کرنے والا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی گویائی کو روک لیا حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اس وقت میں نے سیدھے بالوں والے گندمی رنگت کے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ابن مریم ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے شب معراج کا واقعہ بیان کیا اور حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم سب سے زیادہ تمہارے پیغمبر کے مشابہ ہیں یا فرمایا ان کی اولاد میں سب سے زیادہ میں ان سے مشابہ ہوں، رہے موسیٰ تو وہ گندمی رنگ کے لمبے قد کے آدمی ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شموہ سے ہیں اور رہے حضرت عیسیٰ تو وہ سرخ رنگ کے ہیں اور ان کا درمیانی قد ہے ان کے بل سیدھے ہیں اور ان کے چہرے پر تل زیادہ ہیں۔

جب ان کی عمر سات سال ہوئی تو ان کی ماں نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا جب معلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی چیز بتاتا تو آپ اس کے بتانے سے پہلے اس کو جان لیتے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۳-۸۵، ملقط، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے بچپن میں بہت عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا یہ بات یہود تک بھی پہنچ گئی اور بنو اسرائیل نے ان کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا اور انکی والدہ کو ان کے متعلق خوف دامن گیر ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو لے کر مصر چلی جائیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے :

وَأَوْيَتْهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ۔ اور ہم نے ان کو ایک اونچی ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو بسنے (المؤمنون : ۵۰) کے لائق تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرہ سال کے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر سے ایلینا (بیت المقدس کا شہر) جانے کا حکم دیا۔ ان کے ماموں زاد بھائی ان کو دراز گوش پر سوار کرا کر ایلینا لائے اور انہوں نے وہیں پر اقامت کی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور ان کو تورات کا علم سکھایا اور انہیں مردے زندہ کرنے، بیماروں کو تندرست کرنے کے معجزات دیئے، اور لوگ جن چیزوں کو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ان کے غیوب کا علم دیا۔ لوگ ان کے آنے پر چہ میگوئیاں کرنے لگے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے عجیب و غریب کاموں کے صدور

کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے حضرت عیسیٰ نے ان کو اللہ کی دعوت دی اور ان کا پیغام لوگوں میں پھیل گیا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لاریب محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور بے شک عیسیٰ اللہ کے بندے ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں اور بے شک جنت حق ہے اور نار حق ہے تو وہ شخص خواہ کوئی عمل کرے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۵-۹۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

مائدہ کا نزول اور اس میں شک کرنے والوں پر عذاب آنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے کہا تم تیس دن کے روزے رکھو پھر تم اللہ سے جو دعا بھی کرو گے اللہ اس کو قبول فرمائے گا، انہوں نے تیس دن کے روزے رکھ لئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان نازل فرمائے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بہت خشوع اور خضوع سے دعا کی اے اللہ! ہمارے رب! ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے اور تیری نشانی ہو جائے اور تو ہمیں رزق عطا فرما تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (المائدہ : ۱۱۴) سو دو اوپر تلے بادلوں کے درمیان ایک دسترخوان نازل ہوا لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے، حضرت ابن عباس نے کہا فرشتے اس دسترخوان کو اٹھائے ہوئے تھے اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں تمام لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھالیا۔ حضرت سلمان نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اے عیسیٰ یہ مائدہ ہے اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔ (المائدہ : ۱۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کی تبلیغ کر دی۔ حواریوں کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اس مائدہ کا نزول اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے تو نہیں ہے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھوکوں، لہجوں، اندھوں، کوڑھیوں اور دیوانوں کو بلایا اور فرمایا اپنے رب کے رزق، اپنے نبی کی دعا اور اپنے رب کی نشانی سے کھاؤ اس کی برکت تمہارے لئے ہوگی اور اس کی نحوست دوسروں کے لئے ہوگی، انہوں نے وہ کھانا کھلایا اور وہ تیرہ سو مرد اور عورتیں اس کھانے سے سیر ہو گئے، حضرت عیسیٰ نے دسترخوان کی طرف دیکھا تو وہ پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ پھر وہ دسترخوان اوپر اٹھالیا گیا وہ اس کے سائے کو دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا، جس فقیر نے بھی اس دسترخوان سے کھلایا وہ تادم حیات کھانے سے مستغنی رہا اور جس بیمار نے بھی اس دسترخوان سے کھلایا وہ تادم حیات صحت مند رہا، اس کے بعد حواری اور باقی سب لوگ تادم ہوئے، پھر دوبارہ جب مائدہ نازل ہوا تو امیر اور غریب مرد اور عورت بچے اور بوڑھے بیمار اور تندرست سب لوگ ہر جگہ سے اس مائدہ پر ٹوٹ پڑے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باریاں مقرر کر دیں، پھر ایک دن مائدہ نازل ہوا اور ایک دن غائب رہتا۔ چالیس روز تک یہی معمول رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرا یہ رزق صرف یمیوں، لہجوں اور فقراء کو دینا اور اغنیا کو نہ دینا۔ اس بات سے اغنیا ناراض ہو گئے انہوں نے برائیوں کو پھیلایا اور اس میں شک کیا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے کلمۃ اللہ وروح اللہ! کیا واقعی یہ مائدہ ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے تباہی ہو تم ہلاک ہو گئے اور

تم پر عذاب نازل ہو گا الایہ کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور تم پر رحم فرمائے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی :

اِنْ تُعَذِّبْنَهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (المائدہ : ۸۸)

بخش دے تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو عذاب نازل ہونے کی خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تینتیس آدمیوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا اور وہ صبح کو گھاس میں لید اور گندگی تلاش کر کے کھا رہے تھے۔ رات کو وہ اپنے بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ بے خوفی سے سوئے تھے اور صبح اٹھے تو وہ مسخ ہو کر خنزیر بن چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ لور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا نام لے لے کر پکارتے تھے اور فرماتے تھے اے فلاں! کیا میں نے تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرایا تھا؟ وہ اثبات میں سر ملاتے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۱۱-۱۱۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اس کی تصدیق ان آیات میں ہے :

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَآئِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (المائدہ : ۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔

مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَ وَالْخَنَازِيرَ (المائدہ : ۶۰)

جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور ان کے مواظ

جعفر بن برقان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا کرتے تھے 'اے اللہ! میں نے اس حل میں صبح کی ہے کہ میں اپنی ناپسندیدہ چیز کو دور نہیں کر سکتا' اور جس کی مجھے امید ہے اس کے نفع کا مالک نہیں ہوں، صبح کو معاملہ میرے غیر کے ہاتھ میں ہے کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ اے اللہ میرے دشمنوں کو میری وجہ سے خوش نہ کر، اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ نہ کر اور میری معیبت میرے دین میں نہ ڈال اور مجھ پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

یونس بن عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کہتے تھے اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ اس سے بے پرواہ نہ ہو جائے کہ کون شخص دنیا کھا رہا ہے۔

فضل بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ (المومنون : ۵۱) یہ عیسیٰ بن مریم ہیں جو اپنی ماں کی سوت کاتنے کی کمالی سے کھاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درختوں کے پتے کھاتے اور کالباس پہنتے جہاں شام ہو جاتی وہیں رات گزار لیتے، ان کی اولاد تھی جس کے مرنے کا ڈر نہ ہوتا ان کا گھر تھا جس کے اجڑنے کی فکر نہ ہو۔ صبح کا کھانا رات کے لئے بچا کر نہیں رکھتے تھے اور رات کا کھانا صبح کے لئے نہیں رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہر دن اپنے ساتھ رزق لاتا ہے۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔ ان سے حواریوں نے کہا : اے روح اللہ!

آپ نے فرمایا : ہاں یہ محض اللہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے کہا ہم بھی اللہ پر یقین رکھنے والوں میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان سے پوچھا اگر تم کو راستہ میں موتی اور پتھر دونوں ملیں تو تم کس کو اٹھاؤ گے؟ انہوں نے کہا موتی کو۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم جب تک تمہاری نظر میں موتی، یا قوت اور پتھر برابر نہ ہو جائیں۔ حسن نے کہا اگر اللہ ہمیں صرف اس وجہ سے عذاب دے کہ ہم دنیا سے محبت رکھتے ہیں تو اس کا عذاب دینا برحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس چیز سے محبت رکھتے ہو جس سے میں بغض رکھتا ہوں! اور قرآن مجید میں ہے :

نُرِيدُونَ عَرَصَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ

تم متاع دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔

(الانفال : ۶۷)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جو کی روٹی کھاتے تھے اور پیدل چلتے تھے۔ سواریوں پر سواری نہیں کرتے تھے، نہ گھروں میں رہتے تھے نہ چراغ روشن کرتے تھے، سوتی کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ نہ عورتوں کو چھوتے تھے، نہ خوشبو لگاتے تھے، کوئی چیز ملائے بغیر پانی پیتے تھے نہ اس کو ٹھنڈا کرتے تھے، انہوں نے کبھی سر میں تیل نہیں لگایا نہ کبھی سر اور داڑھی کو کسی چیز سے دھویا۔ زمین پر کوئی چیز بچھائے بغیر لیٹتے بیٹھتے تھے۔ وہ صبح اور شام کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ دنیا کی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے تھے، کمزوروں، لپاہوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے تھے جب ان کے قریب کھانا لایا جاتا تو اس کو زمین پر رکھ دیتے۔ انہوں نے کھانے میں سالن کبھی نہیں کھلیا، وہ صرف اتنا کھاتے تھے جس سے رفق حیات برقرار رہے اور فرماتے تھے یہ چیزیں اس کے لئے ہیں جو مرے گا اور اس کو حساب بہت زیادہ دینا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم سے کہا گیا کہ آپ شادی کر لیں فرمایا شادی سے میں کیا کروں گا، کہا آپ کی اولاد ہوگی، آپ نے فرمایا اگر اولاد زندہ رہی تو وہ آزمائش ہے اور اگر مر گئی تو غم اور اندوہ ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت کو چھوڑ دیا ہے تم ان کے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا اے حواریو! اللہ کا ڈر اور جنت کی محبت مشقت پر صبر کو پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی رونق سے دور کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جو کی روٹی کھاؤ اور ساوہ پانی پیو اور امن اور عافیت کے ساتھ دنیا سے گزر جاؤ، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے، اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے، اور اللہ کے بندے ناز و نعمت سے نہیں رہتے، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں بدترین شخص وہ عالم ہے جو اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہے۔

عتبہ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے ابن آدم تو ضعیف ہے، تو جہل بھی ہو اللہ سے ڈر، اور اپنی حلال کی کمائی سے کھاؤ اور مسجد کو گھر بنا، اور دنیا میں مسمان کی طرح رہ، اور اپنے نفس کو رونے کا عادی بنا اور دل کو غور و فکر کا اور جسم کو صبر کا، اور کل کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ تیرا گناہ لکھا جائے گا۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرماتے تھے : میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے، اور دیکھنے سے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور مل میں بڑی بیماری ہے۔ ان کے اصحاب

نے پوچھا میں کیا بیماری ہے۔ فرمایا فخر اور تکبر انہوں نے کہا اگر وہ تکبر نہ کرے تو فرمایا مل کی اصلاح اسے اللہ کی یاد سے غافل رکھے گی۔

نیز سفیان ثوری بیان کرتے ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں جیسے پانی اور آگ ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ابن شوزب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے گناہوں پر رو رہے تھے، آپ نے فرمایا تم گناہوں کو ترک کر دو تمہیں بخش دیا جائے گا۔

ابو عبید اللہ صوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کے طالب کی مثل سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جتنا زیادہ پانی پئے گا اتنی زیادہ پیاس بڑھے گی حتیٰ کہ وہ پانی اس کو ہلاک کر دے گا۔

یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں تم جتنی تواضع کرو گے تم کو اتنا بلند کیا جائے گا، اور جتنا تم رحم کرو گے اتنا تم پر رحم کیا جائے گا، اور جس قدر تم لوگوں کی ضرورتیں پوری کرو گے اسی قدر اللہ تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا۔

ابن شاہور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : وہ شخص قاتل رشک ہے جس نے عتاب انعام کی وجہ سے حاضر خواہش کو ترک کر دیا۔

سالم بن ابی الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا وہ آنکھ قاتل رشک ہے جو سو گئی در آں حالیکہ اس کے دل نے گناہ کا منصوبہ نہیں بنایا اور کوئی گناہ کئے بغیر بیدار ہوئی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے یہ تو اس کی نیکی کا بدلہ ہے، نیکی یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے حواریوں کا ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزر ہوا۔ حواریوں نے کہا اس کی بدبو کتنی سخت ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں وہ ان کو غیبت کرنے سے روکتے تھے۔

عبد العزیز بن حصین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بد اخلاق ہوتا ہے وہ اپنے نفس کو عذاب دیتا ہے، جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا جمل جاتا رہتا ہے۔ جو شخص لوگوں سے جھگڑا کرتا ہے اس کی عزت جاتی رہتی ہے اور جو شخص بہت فکر کرتا ہے وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ فضیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور گناہوں کو ترک نہیں کرتا اس کو ملکوت میں کذاب لکھا جاتا ہے۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا خالص عمل کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا جس عمل کے متعلق تمہاری یہ خواہش نہ ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ پوچھا نصح اللہ کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا لوگوں کے حقوق سے پہلے اللہ کا حق ادا کرو، اور جب تمہارے سامنے دو کام ہوں ایک دنیا کے لئے اور ایک اللہ کے لئے تو جو کام اللہ کے لئے ہو اس کو پہلے کرو، نیز حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پاسکتا حتیٰ کہ یہ خواہش نہ کرے کہ اللہ کی عیبت

پراس کی تعریف کی جائے۔

ہلال بن یسف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) روزہ رکھے تو اپنی داڑھی میں تیل لگائے اور ہونٹوں پر ہاتھ پھیرے اور لوگوں کے سامنے اس طرح آئے گویا وہ روزہ سے نہیں ہے اور جب دائیں ہاتھ سے کچھ دے تو بائیں ہاتھ سے مخفی رکھے اور جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) نماز پڑھے تو کمرہ بند کر لے۔

ابن جلس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا جو نیک کام کرے وہ ثواب کی امید رکھے اور جو برے کام کرے وہ سزا کو بعید نہ جانے، اور جو شخص بغیر استحقاق کے عزت حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کے مطابق ذلت میں مبتلا کر دے گا، اور جو شخص ظلم سے کسی کامل لے گا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر ظلم کے فقر میں مبتلا کر دے گا۔

عمران بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا اگر تم میرے بھائی اور اصحاب ہو تو اپنے آپ کو لوگوں کے بغض اور دشمنی کا سامنا کرنے کے لئے تیار رکھو، کیونکہ جب تک تم اپنی خواہشوں کو ترک نہیں کرو گے اپنے مطلوب کو حاصل نہیں کر سکو گے، اور جب تک تم اپنی ناپسندیدہ چیزوں پر صبر نہیں کرو گے اپنے مقصود کو حاصل نہیں کر سکو گے، وہ شخص لائق رشک ہے جس کی آنکھ اس کے دل میں ہے اور اس کا دل اس کی آنکھ میں نہیں ہے۔

مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے حواریو! اللہ کے نافرمانوں سے بغض رکھ کر اللہ کے محبوب بن جاؤ، اور ان سے دور ہو کر اللہ کا قرب حاصل کرو انہوں نے پوچھا اے روح اللہ! ہم کس کی مجلس میں بیٹھیں؟ فرمایا ان لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھو جن کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے، اور جس کی باتیں سن کر تم نیک عمل زیادہ کرو اور جس کے کام تمہیں آخرت کی طرف راغب کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے بنو اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا اے حواریوں کی جماعت! تم نااہل لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو تم اس حکمت پر ظلم کرو گے، اور اہل کے سامنے حکمت کو نہ چھپاؤ ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے، تین قسم کے امور ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہے ان پر عمل کرو دوسرے وہ ہیں جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہے ان سے اجتناب کرو تیسرے وہ جو مشتبہ ہیں ان کا علم اللہ کے حوالے کر دو۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا خنزیر پر موتی مت پھینکو خنزیر موتیوں سے کچھ نہیں کرے گا اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے اس کو حکمت کی بات نہ سناؤ کیونکہ حکمت موتیوں سے بہتر ہے، اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے وہ خنزیر سے بدتر ہے۔

عمران کوئی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا گیا سب سے بڑا فتنہ کس شخص کا ہے؟ فرمایا عالم کی لغزش کا کیونکہ جب عالم لغزش کرتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم لغزش کرتا ہے۔

سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا : اے علماء سوء تم پر افسوس ہے! تم چھلنی کی طرح نہ بنو اس سے صاف آٹا چھن کر نکل جاتا ہے اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے اور یہی تمہارا حل ہے تمہارے منہ سے حکمت کی باتیں نکل جاتی ہیں اور تمہارے سینوں میں کھوٹ باقی رہ جاتا ہے، تم پر افسوس ہے جو آدمی دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اس کے کپڑے ضرور بھجکتے ہیں خواہ وہ ان کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کرے اسی طرح جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے

وہ گناہوں سے نہیں بچتا۔ اے علماء سوء! (بد عمل علماء) تم نے دنیا اپنے سروں پر رکھی ہے اور آخرت اپنے قدموں کے نیچے۔ اے علماء سوء! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہو تم جنت میں داخل کیوں نہیں ہوتے؟ اللہ کے نزدیک سب سے برا شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم کے بدلے دنیا طلب کرتا ہے۔ تم دنیا کے لئے عمل کرتے ہو اور تمہیں دنیا میں بغیر عمل کے رزق دیا جاتا ہے، اور تم آخرت کے لئے عمل نہیں کرتے اور آخرت میں بغیر عمل کے رزق نہیں ملے گا اے علماء سوء! تم پر افسوس ہے تم اجر لیتے ہو اور عمل ضائع کرتے ہو، قریب ہے کہ مالک اپنا عمل طلب کرے گا اور عنقریب تم اس بھری دنیا سے قبر کے اندھیروں کی طرف چلے جاؤ گے۔ اللہ نے جس طرح تمہیں نماز اور روزے کا حکم دیا ہے اسی طرح گناہوں سے روکا ہے وہ شخص اہل علم میں کس طرح شمار ہوگا جو اپنے رزق سے ناراض ہو اور اپنی منزل کو حقیر جانے، اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہوگا جو اللہ کی تقدیر سے راضی نہ ہو، اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہوگا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اور وہ شخص کیسے اہل علم میں شمار ہوگا جو آخرت کی طرف جاتے ہوئے بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو اور جس کے نزدیک اس کو ضرر دینے والی چیزیں نفع آور چیزوں سے زیادہ مرغوب ہوں، اور وہ شخص اہل علم میں کیسے شمار ہوگا جس کا کلام آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہونہ کہ عمل کرنے کے لئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۳، ملخصاً "مطبوعہ دار الفکر بیروت" ۱۴۰۳ھ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول

امام ابن عساکر لکھتے ہیں :

حضرت یعلیٰ بن شداد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ چھ رمضان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی، اور بارہ رمضان کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی، اور تورات کے نازل ہونے کے چار سو بیاسی سال بعد زبور نازل ہوئی تھی، اور زبور نازل ہونے کے ایک ہزار پچاس سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور چوبیس رمضان کو ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۲۰۹، "مطبوعہ دار الفکر بیروت" ۱۴۰۳ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ۵۷۵ھ لکھتے ہیں :

گذشتہ انبیاء میں کسی نبی کے زمانہ میں اتنے عجیب و غریب واقعات نہیں ہوئے جتنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا، اور آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا سبب یہ تھا کہ بنو اسرائیل کا ایک بڑا ظالم بادشاہ تھا اس کا نام داؤد بن بوذا تھا، اس نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کے لئے کسی کو روانہ کیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور جس وقت ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر چونتیس سال تھی اور ان کی نبوت کا زمانہ بیس سال تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی :

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (ال عمران : ۵۵)

والا ہوں۔

یعنی آپ کو یہود سے نجات دینے والا ہوں وہ آپ کو قتل کرنے کے لئے نہیں پہنچ سکیں گے، حضرت ابن عباس نے

کی تفسیر میں کہا میں آپ کو آسمان پر اٹھاؤں گا پھر آخر زمانہ میں آپ پر وفات طاری کروں گا۔

(ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتب اور نبوت دے دی گئی تھی۔) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب یہود نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندے تک پہنچو، حضرت جبریل علیہ السلام نیچے اترے ان کے پر کے اوپر ایک سطر میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، حضرت جبریل نے کہا: اے عیسیٰ آپ دعا کیجئے: اے اللہ میں تیرے اسم واحد احد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں، اے اللہ! میں تیرے اسم صمد کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے اسم عظیم کے واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ میں صبح اور شام جس مصیبت میں گرفتار ہوں تو اس کو مجھ سے دور کر دے۔ حضرت عیسیٰ نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی طرف یہ وحی کی کہ میرے بندے کو اوپر اٹھاؤ، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے بنو ہاشم! اے بنو عبد المطلب! اے بنو عبد مناف! ان کلمات سے دعا کرو قسم اس ذات کی جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے جس قوم نے بھی ان کلمات کے ساتھ دعا کی تو عرش، سات آسمان اور سات زمینیں جلنے لگیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ اپنے اصحاب کے پاس گئے اور وہ ایک گھر میں بارہ آدمی تھے، حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا۔ پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میرے بدلہ میں قتل کر دیا جائے اور وہ میرے درجہ میں پہنچ جائے۔ ایک سب سے کم عمر کا نوجوان اٹھا اور اس نے کہا میں۔ آپ نے دوبارہ پوچھا اس نے دوبارہ پیش کش کی پھر تیسری بار پوچھا اس نے پھر پیش کش کی تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ کو روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو انہوں نے اس شخص کو پکڑ لیا جس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور اس کو قتل کیا اور اس کو سولی دے دی، اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا کفر کیا، پھر ان کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے۔ دوسرے فرقے نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمانوں کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام نستوریہ ہے، اور ایک فرقہ نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے انہوں نے جب تک چاہا ہم میں رہے پھر اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا یہ لوگ مسلمان ہیں پھر دونوں کافر فرقے مسلمانوں پر غالب آ گئے۔ پھر اسلام کا نور مدہم رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ پھر بنو اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور ایک جماعت بدستور کفر پر برقرار رہی (الصف: ۱۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وصیت سے فارغ ہوئے اور شمعوں کو اپنا خلیفہ بنایا اور یہود نے بوزا کو قتل کر دیا اور کہا وہ عیسیٰ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ سولی دی لیکن ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ کا) ہم شکل بنادیا گیا اور بے شک جن لوگوں نے ان کے متعلق اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں انہیں یقین بالکل نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل

سین کیا ○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا اور اللہ بڑا غالب، بڑی حکمت والا ہے۔ ○ (النساء : ۱۵۸-۱۵۷) رہے یہود اور نصاریٰ تو وہ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے اور حواریوں کو یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں کئے گئے اور انہوں نے یہود اور نصاریٰ کے قول کا انکار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور اللہ نے آسمان سے ایک بادل نازل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بادل پر چڑھ گئے ان کی ماں ان سے چٹ گئیں اور رونے لگیں۔ بادل نے کہا اس کو چھوڑ دو اللہ اس کو آسمان کی طرف اٹھائے گا۔ پھر قرب قیامت میں ان کو زمین والوں پر شرف عطا کرے گا اور ان کو زمین پر اتارے گا پھر جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر رہیں گے اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین کو عدل اور امن سے بھر دے گا پھر حضرت مریم نے ان کو چھوڑ دیا ان کی طرف دیکھتی رہیں اور انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتی رہیں پھر حضرت عیسیٰ نے ان پر ایک چادر ڈال دی اور کہا آپ کے اور میرے درمیان قیامت کے دن یہ چادر علامت ہوگی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۳۹-۱۳۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول اور ان کی تدفین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں ابن مریم نازل ہوں گے حکم، عادل، امام، انصاف کرنے والے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ کو موقوف کر دیں گے اور مل کو تقسیم کریں گے حتیٰ کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو! عیسیٰ بن مریم کے اور میرے درمیان کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔ سنو وہ میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے، سنو وہ دجل کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ ختم ہو جائے گی۔ سنو تم میں سے جو ان کو پالے وہ ان کو میرا سلام کہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عزوجل عیسیٰ بن مریم کو ضرور زمین پر اتارے گا وہ فیصلہ کریں گے، عدل کریں گے، امام اور منصف ہوں گے وہ حرمین کے راستہ میں حج اور عمرہ کے لئے سفر کریں گے اور وہ میری قبر پر ضرور کھڑے ہوں گے اور وہ مجھ کو ضرور سلام کریں گے اور میں ان کو ضرور جواب دوں گا اور ایک روایت میں ہے اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں ”یا محمد“ تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ قرآن مجید میں ہے :

وَلَنُتِمِّنَّنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۔ اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لے آئے گا۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت حضرت عیسیٰ کے خروج کے متعلق ہے۔ مجاہد اور حسن بصری نے کہا اس وقت ہر شخص اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں۔ اور اس کے آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں اور میرے اہل بیت سے ممدی اس کے وسط میں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گمان ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی کیا آپ مجھے یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن کر دی جاؤں؟ آپ نے فرمایا تمہارے لئے وہاں کہاں جگہ ہے؟ اس جگہ صرف میری قبر ہوگی اور ابو بکر اور عمر کی قبر ہوگی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبر ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نبی ﷺ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ ابو مودود نے کہا حضرت عائشہ کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی صفت میں یہ پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ دفن کئے جائیں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۵۴-۱۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے درمیان مدت کا شمار شعبی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک پانچ ہزار پانچ سو سال کا زمانہ ہے، اور طوفان نوح سے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک تین ہزار دو سو چوالیس سال ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی پیدائش تک دو ہزار سات سو تیرہ سال ہیں، اور داؤد علیہ السلام سے لے کر ان کی پیدائش تک ایک ہزار نو سو پچاس سال ہیں، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے لے کر سیدنا محمد ﷺ کی ہجرت تک نو سو تینتیس سال ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۸۶)

اور سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے مس تک نہیں کیا، فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اسے فرماتا ہے، ”ہو جا“ اور وہ فوراً ”ہو جاتی ہے۔“ (آل عمران : ۴۷)

حضرت مریم کے حمل کی کیفیت

جب حضرت جبریل آدمی کی صورت میں حضرت مریم کے پاس آئے اور ان کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی تو حضرت مریم نے اس بچہ کی ولادت کے طریقہ کو جاننا چاہا کہ ان کا کسی سے نکاح ہوا ہے نہ وہ فاحشہ اور بدکار ہیں یعنی بہ ظاہر کوئی حلال سبب میسر ہے نہ حرام تو پھر بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور فرمایا یہ آپ کے رب کے لئے آسان ہے، ابن جریج نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت جبریل نے حضرت مریم کی آستین اور گریبان میں پھونک ماری اور وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ کا نفع جبریل سے پیدا ہونا جائز نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بچہ فرشتہ اور انسان کے اجزاء سے مرکب ہو۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کی ذریت سے میثاق لیا تو اولاد کے بعض پانی کو ان کے آباء کی پشتوں میں رکھا اور بعض پانی کو ان کے امہات کے ارحام میں رکھا اور جب یہ دونوں پانی جمع ہو جاتے ہیں تو بچہ پیدا ہو جاتا ہے، اور حضرت عیسیٰ کے دونوں پانی حضرت مریم میں رکھ دیئے۔ بعض پانی ان کے رحم میں رکھا اور بعض پانی ان کی پشت میں رکھا۔ حضرت جبریل نے جب پھونک ماری تو حضرت مریم کی طبیعت میں بیجان ہوا اور جو پانی ان کی پشت میں تھا وہ ان کی پشت سے منتقل ہو کر ان کے رحم میں آگیا اور جب یہ دونوں پانی محتلط ہو گئے تو حضرت مریم حاملہ ہو گئیں۔

نیز کہا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو فرماتا ہے ”ہو جا“ اور وہ چیز ہو جاتی ہے، اس پر مفصل بحث تو البقرہ

۷۷ میں ہم کرچکے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کام کو کرنا کسی عمل اور آلہ پر موقوف نہیں ہے وہ جب چاہتا ہے کسی چیز کو آلہ اور مادہ کے بغیر فی الفور پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نفس اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز کو فلاں کیفیت سے ہونا ہے سو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَرَسُولًا

اور اللہ اسے لکھنے کا اور شریعت کا اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گا ○ اور وہ ہمارا رسول

إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ ۚ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ أَنِّي

کی طرف رسول ہو گا (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں

أَخْلَقْتُ لَكُم مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنفَخُ فِيهِ فَيَكُونُ

تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے

طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُجِي السُّوْتَىٰ

اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھے اور بری زدہ کو شفا دیتا ہوں اور

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَاْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ

اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھر میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم

إِنِّي فِي ذَٰلِكَ لَآيَةٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

مومن ہو تو بیشک ان سب چیزوں میں تمہارے لیے قوی نشانی ہے ○ اور میرے سامنے جو تورات

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلِأَحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي هُرِّمَ

ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، تاکہ تمہارے لیے کچھ ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

میرے حکم کی تعمیل اور میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۚ

بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم

اس آیت میں کتاب کی مختار تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد لکھنا ہے، امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ کتاب سے مراد ہاتھ سے لکھنا ہے اور قلدہ سے روایت کیا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے، علامہ ابوالحیاء اندلسی نے لکھا ہے کہ کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گذشتہ تمام آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمایا اور خصوصاً "تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے میرے نزدیک کتاب سے مراد لکھنے کی تعلیم دینا ہے اور حکمت سے مراد علوم اور تہذیب الاخلاق کی تعلیم ہے، کیونکہ انسان کا مکمل یہ ہے کہ وہ حقیقت کو جانے نیک اعمال کا علم حاصل کرے اور ان دونوں کے مجموعہ کے علم کو حکمت کہتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کو کتابت اور علوم عقلیہ اور شرعیہ کا علم عطا کر دیا تو ان کو تورات کا علم عطا فرمایا اور تورات کے علم کو موخر اس لئے کیا کہ تورات اللہ کی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار عظیمہ ہیں، اور انسان جب تک علوم کثیرہ حاصل نہ کرے اس کے لئے اللہ کی کتاب میں غور و خوض کرنا ممکن نہیں ہے، پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل کی ہوئی کتابوں کے اسرار کو جان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی۔ (تفسیر کبرج ص ۲۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہو گا یہ کہتا ہوا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں۔ (آل عمران : ۴۹)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ تمام بنو اسرائیل کی طرف رسول تھے اور اس میں بعض یہودیوں کے اس قول کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک مخصوص قوم کے رسول تھے۔ اس آیت میں ایک نشانی سے مراد جنس نشانی ہے جو ان تمام نشانیوں کو شامل ہے جن کا ذکر اس آیت کے اگلے حصہ میں کیا ہے :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی ایک صورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہو جاتی ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں مکتب کے لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور فرمایا میں تمہارے لئے اس مٹی سے ایک پرندہ بنا دیتا ہوں۔ لڑکوں نے کہا کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اپنے رب کے حکم سے ایسا کر سکتا ہوں، پھر آپ نے مٹی اٹھا کر ایک پرندہ کی ایک صورت بنائی اور اس میں پھونک مار دی۔ پھر فرمایا "تو اللہ کے اذن سے اڑنے والا ہو جا" وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر اڑنے لگا۔ لڑکوں نے جا کر اپنے معلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا، انہوں نے لوگوں میں یہ خبر پھیلا دی۔ لوگ اس سے خوف زدہ ہو گئے اور بنو اسرائیل نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب ان کی ماں حضرت مریم کو ان کی جان کا خوف دامن گیر ہوا تو وہ ان کو لے کر اس شہر سے چلی گئیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے پرندہ بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پوچھا کون سے پرندہ کو بنانا مشکل ہے تو بتلایا گیا چرگوز کو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندہ کی صرف صورت بناتے تھے اور اس کا پتلا بناتے تھے اور اس میں جان اللہ ڈالتا تھا کیونکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

ذَٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُّبِينٍ ۚ (الانعام : ۱۰۲)

ہر چیز کا خالق ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔
هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللّٰهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ ۚ وَلَا رِزْقٍ لَهُ ۚ (الفاطر : ۳)

یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات کو ظاہر کیا تو منکرین نے ہٹ دھرمی کی اور ان سے چمگلاڑ پیدا کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی لے کر چمگلاڑ کی صورت بنائی اور اس میں پھونک ماری تو وہ فضا میں اڑنے لگی۔ وہب بن منبہ نے کہا جب تک لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے تھے وہ اڑتی رہتی تھی اور جب وہ ان کی نظر سے غائب ہو جاتی تو مرکز زمین پر گر جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۵۲-۳۵۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں اللہ کے اذن سے ماور زوا اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفاء دیتا ہوں۔
علامہ ابوالیمان اندلسی لکھتے ہیں :

اکثر اہل لغت کا قول یہ ہے کہ اکمہ وہ شخص ہے جو ماور زوا اندھا ہو، اور اس امت میں قتادہ بن وعلامہ السدوسی کے سوا کوئی ماور زوا اندھا نہیں ہوا، یہ صاحب تفسیر تھے، حضرت ابن عباس، حسن بصری اور سدی کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مطلقاً "ناہینا شخص ہے۔"

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ دعا کر کے بیماروں کو شفا دیتے تھے یا ان پر ہاتھ پھیر کر۔ روایت ہے کہ بعض اوقات ایک دن میں ان کے پاس پچاس ہزار بیمار جمع ہو گئے، جو ان کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ آگئے اور جو نہیں آ سکے ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود چلے گئے، حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس جنس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دے کر بھیجا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماور زوا اندھوں اور برص کے مریضوں کا علاج کیا جن کی بیماریوں کو لا علاج سمجھا جاتا تھا، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا دے کر بھیجا جس کا معارضہ کرنے سے اس زمانہ کے تمام جادوگر عاجز رہے، اور نبی ﷺ کے زمانہ میں بلاغت کا شہرہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا۔ جس کی نظیر لانے سے تمام عرب عاجز رہے اور آج تک پوری دنیا علوم کی ترقی اور اسلام کی مخالفت کے باوجود عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ (آل عمران : ۴۹)

ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا۔ ایک شخص حضرت عیسیٰ کا دوست تھا جس کا نام عازر تھا آپ نے اس کے مرنے کے تین دن بعد اس کو زندہ کر دیا وہ کافی عرصہ زندہ رہا حتیٰ کہ اس کی اولاد ہوئی۔ دوسرا شخص ایک بڑھیا کا بیٹا تھا وہ اپنے جنازہ سے اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی کافی عرصہ زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ تیسری بنت عاشر تھی وہ زندہ ہونے کے بعد اپنی اولاد سے نفع یاب ہوئی، اور لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ سام بن نوح کو زندہ کریں تاکہ وہ لوگوں کو کشتی کے حال کی خبر دے۔ وہ قبر سے نکلے اور پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی، ان کے آدمے سر پر

یہ کہنے کے آثار تھے ان کی عمر پانچ سو سال تھی انہوں نے کہا مجھے قیامت کے خوف نے بوڑھا کر دیا۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ میت یا قبر یا میت کی کھوپڑی پر اپنی لاشیں مار کر اس کو زندہ کرتے، وہ جس انسان کو زندہ کرتے وہ باتیں کرتا اور کافی عرصہ زندہ رہتا، اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جلد مرجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔

(آل عمران : ۴۹)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے غیب کی خبریں دیتے تھے۔ سدی نے روایت کی ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور ان کو ان کے ماں باپ کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دیتے، اور بچہ کو بتاتے کہ تمہاری ماں نے فلاں چیز تم سے چھپا کر رکھی ہے۔ پھر بچہ گھر جا کر روتا حتیٰ کہ وہ اس چیز کو حاصل کر لیتا۔ پھر ان کے گھر والوں نے کہا اس جادوگر کے ساتھ مت کھیلا کرو اور سب بچوں کو ایک گھر میں جمع کر دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو گھر والوں نے کہا وہ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پوچھا پھر اس گھر میں کون ہے؟ انہوں نے کہا خنزیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تو پھر خنزیر ہی ہیں۔ سو وہ سب خنزیر بن گئے۔ دو سرا قول یہ ہے کہ غیب کی خبریں دینے کا واقعہ اس وقت ظاہر ہوا جب مائدہ نازل ہوا، کیونکہ لوگوں کو منع کیا گیا تھا کہ وہ اس مائدہ سے کوئی چیز بچا کر نہ رکھیں اور اس کو ذخیرہ نہ کریں، اور وہ لوگ آپ کی حکم عدولی کر کے ذخیرہ کرتے تھے تو آپ خبر دیتے تھے کہ فلاں شخص نے مائدہ سے کھانا بچا کر ذخیرہ کیا ہے۔ بعض لوگ مختلف آلات کے ذریعے غیب کی خبریں بتا دیتے ہیں یہ معجزہ نہیں ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ بغیر کسی آلہ اور ذریعہ کے محض وحی سے غیب کی خبر دی جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمہارے لئے قوی نشانی ہے۔ (آل عمران : ۴۹) یعنی یہ مذکور الصدر پانچ چیزیں زبردست اور قوی ترین معجزات ہیں جو میرے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص بھی دلیل سے کسی بات کو مانتا ہو اس پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میرے سامنے جو تورات ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لئے بعض ایسی چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں، اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (آل عمران : ۵۰)

ہر نبی پر واجب ہے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرے کیونکہ تمام نبیوں کی تصدیق کا ذریعہ معجزہ ہے اور جب ہر نبی نے اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزہ پیش کیا ہے تو پھر ہر نبی کی تصدیق کرنا واجب ہے، اور ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے یہ غرض ہو کہ وہ تورات کو مقرر اور ثابت رکھیں۔ منکرین کے شبہات کا ازالہ کریں اور غالی یہودیوں نے دین میں جو تحریف کر دی ہے اس تحریف کو ازل کریں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ وہ ہفتہ کے

دن کی تعظیم کرتے تھے اور نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا کہ میں تم کو تورات کی کسی بات کی مخالفت کی دعوت نہیں دیتا، البتہ بعض چیزیں جو تورات میں حرام کر دی گئیں میں ان کو حلال کرتا ہوں اور بعض مشکل احکام کو منسوخ کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۶-۱۹۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابوالحیام عبداللہ بن یوسف اندلسی متوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے لونٹ کا گوشت اور چربی کو حلال کر دیا اور کئی قسم کی مچھلیاں حلال کر دیں اور جس پر ندے پر نشانات نہ ہوں ان کو حلال کر دیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۲۸۸-۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مصدق تھے تو انہوں نے تورات کی بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے آسمانی کتاب ہونے کے مصدق تھے اور اس کے کہ تورات کے زمانہ میں تورات کے احکام برحق تھے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے زمانہ میں تورات کی حرام کردہ بعض چیزیں حلال کرنا اور تورات کے بعض احکام کو منسوخ کرنا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جزوی احکام میں ہر رسول کی شریعت دوسرے رسول سے مختلف ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت کو ثابت فرمایا۔ پھر انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا یعنی میں تم کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دوں ان پر عمل کرنے میں اور جن کاموں سے روکوں ان سے اجتناب کرنے میں اللہ کے خوف سے میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

(آل عمران : ۵۱)

صراط مستقیم سے مراد ہے اعتقاد حق اور اعمال صالحہ، اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی وہ پیغام ہے جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور اسی کو دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادت اور معاملات کے طریقے الگ الگ ہیں اور اس کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَىٰ

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا اللہ کی طرف میرے کون مددگار

اللَّهُ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَمَّا بِلِلَّهِ وَاشْهَدُوا

ہیں، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے (راستہ میں) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ

يَا أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ

ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں ○ اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم نے رسول

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَكْرُؤًا مَّا كَرِهَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ

کی پیروی کی، تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی

خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾

اور اللہ سب سے عمدہ خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کی مخالفت کا سبب

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا، اور سورہ مریم میں اس کو زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرمایا اور لوگوں کے سامنے اپنی رسالت کے پیش کرنے اور اپنی اطاعت کی دعوت دینے کا ذکر فرمایا، اور ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب نبی لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کو پیش کرتے ہیں تو زیادہ تر لوگ نبی کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کے دین کو قبول کر لیتے ہیں اور نبی کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ مخالفین آپ کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا اللہ کے دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

مخالفت کی وجہ میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں ایک واقعہ یہ ہے کہ یہود کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس مسیح کی تورات میں بشارت دی گئی ہے وہ یہی ہیں اور وہ ان کے دین کے بعض احکام کو منسوخ کر دیں گے۔ تو وہ ابتداء امر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا اعلان کیا تو ان کا غضب اور زیادہ ہو گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینی شروع کر دی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

حوار بن کا معنی اور مصداق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو حواری کہتے ہیں۔ کبھی اور ابوروق نے بیان کیا ہے کہ یہ بارہ شخص تھے۔ امام ابو جعفر طبری روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حور کے معنی سفید ہیں ان کو حواری اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے کپڑے سفید تھے۔ ابو ارقطہ نے بیان کیا ہے کہ یہ کپڑے دھو کر سفید اور صاف کرتے تھے اس لئے ان کو حواری کہتے ہیں۔ قتادہ نے نبی ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ حواری اس کو کہتے ہیں جو نبی کا خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھے۔ سخاک نے کہا

حواری انبیاء علیہم السلام کے اصفیاء اور قلمین کو کہتے ہیں۔ حواری کے ان معانی میں تحقیق کے زیادہ قریب وہ قول ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے ان کو حواری کہا جاتا ہے، کیونکہ عرب بہت سفید چیز کو حور کہتے ہیں، اور چونکہ حضرت عیسیٰ کے اصحاب کو حواری کہا جاتا تھا تو پھر کسی شخص کے قلمص مصاحب کو حواری کہا جانے لگا۔ اسی لئے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۱-۲۰۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔ (آل عمران : ۵۴)

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکر اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو مخفی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسائی کو طمع کاری سے نفع رسائی بنایا جائے، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ڈھیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجلج نے کہا اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے، جس طرح قرآن مجید میں ہے اللہ یسئہزہی بہم یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے، اور یہ اس کا معنی ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شبہ کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لئے بھاگ کر ایک گھر میں آئے۔ حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ ان کے بادشاہ نے ایک خبیث شخص یوزا سے کہا جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا۔ پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا، اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے

خلاف خفیہ تدبیر قرآنی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۹۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

حافظ علامہ الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی اور اس زمانہ کے کافر بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا اور کہا یہ شخص لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کو بادشاہ کی اطاعت کرنے سے منع کرتا ہے اور رعایا کو خراب کرتا ہے اور باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالتا ہے، اور کئی بہتان تراشے اور کہا یہ شخص ولد الزنا ہے، حتیٰ کہ انہوں نے بادشاہ کو غضب ناک کر دیا۔ بادشاہ نے ان کی طلب میں اپنے اہلکاروں کو روانہ کیا تاکہ وہ اس کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیں۔ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے گھر میں پکڑ لیا اور یہ گمان کیا وہ کامیاب ہو گئے ہیں تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے درمیان سے نجات دے دی اور اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے ان آدمیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی جو اس وقت ان کے گھر میں تھا۔ جب وہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو رات کے اندھیرے میں انہوں نے اس شخص کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ اس کی اہانت کی۔ اس کے سر پر کلٹے ڈالے اور اس کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف خفیہ تدبیر تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ان کے درمیان سے نجات دی، اور ان کے سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا اور ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳ مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

إِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي إِنْ مَتَوَفَّيْكَ وَرَأْفُكَ إِلَىٰ وَ

(اے رسول محرم! یاد کیجیے) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا

مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاجْعَلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں، اور آپ کے پیروکاروں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ

فوقیت دینے والا ہوں، پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ

پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ۵۵۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا ان

كَفَرُوا فَأَعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

مردگار نہیں ہو گا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک

الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُ ۖ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٤﴾

عمل کیے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○

ذَلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٦﴾

یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں ○

حضرت عیسیٰ کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے : اے عیسیٰ! میں تم کو وفات دوں گا اور تم کو اپنی
طرف اٹھاؤں گا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میں تم پر موت طاری کروں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا لیکن یہ معنی حدیث کے خلاف
ہے۔ امام ابن جریر طبری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے فرمایا عیسیٰ پر موت نہیں آئی وہ قیامت
سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲) اس لئے یہاں ”توفی“ کے معنی میں غور کرنا ضروری
ہے، وفات کے معنی ہیں پورا کرنا، موت کو بھی وفات اس لئے کہتے ہیں کہ موت کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

وانی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے قرآن مجید میں ہے :

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ (بنو اسرائیل : ۳۵)

وَوَفَّيْتُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ (الزمر : ۷۰) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے، اور نیند بھی موت کی بہن ہے کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (المفردات ص ۵۲۹-۵۲۸، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا (الزمر : ۴۲)

اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں بلکہ اپنی طرف اٹھالوں گا۔ (تفسیر کبرج ۲ ص ۲۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متعدد محال بیان کئے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھالے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کر لوں گا اور آپ

اپنی طرف اٹھا لوں گا اور میں عنقریب آپ کو کانے دجال کے خلاف بھیجوں گا آپ اس کو قتل کریں گے پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا یہ معنی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے آپ نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا او مطلق جمع کے لئے آتی ہے ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے اس آیت کا معنی یہ ہے : اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کروں گا پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے پھر وفات پائیں گے پھر مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابو جعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام انبیاء علاقائی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے وہ زمین پر نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا۔ ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ وہ بھیگے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ فیاضی سے مال تقسیم کریں گے اسلام کے لئے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کر دے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہوگا اونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے، بیل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ۔ اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کر دیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہوگا اور وہ مقام روحاء پر حج یا عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲-۲۰۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چند گھنٹوں کے لئے موت آئی تھی مگر پھر ان کو زندہ کر دیا گیا لیکن یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ زمین پر نازل ہونے کے بعد طبعی وفات پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران : ۵۶)

دنیا کا عذاب یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کئے جائیں گے، گرفتار ہوں گے اور ان کو جزیہ دینا ہوگا، نیز

ان کے حق میں مصائب اور آلام بھی دنیاوی عذاب ہیں، اس وعید کے بعد مسلمانوں کو بشارت دی : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (آل عمران : ۵۷) پھر یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں (آل عمران : ۵۸) اس آیت میں حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جن کا گذشتہ آیات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ طَخَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ

بیک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اس کو مٹی سے بنایا پھر

ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۵۹﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ

اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا ○ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کا بیان) ہے۔ سو (اے مخاطب)

الْمُتَرَدِّينَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنْ

تم شک کرنے والوں میں سے ہو جانا ○ پھر (اے رسولِ مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ جاتی

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَ

کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور

نِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ۚ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ

تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں، پھر ہم مقابلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ

اللَّهُ عَلَى الْكَذِبِيِّنَ ﴿۶۱﴾ إِنَّ هَذَا هُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا

کی لعنت بھیجیں ○ بیک یہی بیان حق ہے اور اللہ

مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۲﴾ فَإِنْ

کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بیشک اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○ پھر (بھی)

تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۶۳﴾

اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○

حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کارو

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حسن بیان کرتے ہیں کہ نجران کے دوراہب (سید اور عاقب : الدر المنثور ج ۲ ص ۷۳) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ہم اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو۔ اسلام قبول کرنے سے تمہیں تین چیزیں مانع ہیں۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ تم خنزیر کھاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ ان دونوں نے کہا پھر عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی : بے شک عیسیٰ کی مثل اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت میں قیاس سے استدلال کرنے کا جواز ہے۔ عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے کہتے تھے کہ وہ عام عادت اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرت آدم کی پیدائش اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، اور حضرت آدم باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ دونوں اللہ کے کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے اور جب حضرت آدم علیہ السلام بھی کلمہ ”کن“ سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کا روم کے عیسائیوں سے مباحثہ ہوا ان سے پوچھا تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کیونکہ ان کا باپ نہیں تھا۔ علماء نے کہا تو پھر حضرت آدم عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ علماء نے کہا حضرت عیسیٰ نے چار مردے زندہ کئے ہیں اور حضرت حزقیل نے آٹھ ہزار مردے زندہ کئے تھے۔ انہوں نے کہا وہ نادر زاو اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔ علماء نے کہا پھر جہیں عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ آگ میں جل جانے کے باوجود صحیح و سالم نکل آئے اور ہمارے نبی ﷺ نے حضرت قنابہ کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لگا دی اور آپ کی دعا سے ایک نابینا بینا ہو گیا۔ (البحر المحیط ج ۳ ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جاسودہ ہو گیا۔ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی حکمتیں۔

حضرت آدم کو مٹی سے بنانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ان کی اصل فطرت میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ عناصر اربعہ میں سے مٹی سب سے نیچے ہوتی ہے، دوسری حکمت یہ ہے کہ مٹی دوسری چیزوں کو چھپا لیتی ہے اس سے انسان کی اصل فطرت میں ستر (لوگوں کے عیوب پر پردہ رکھنے) کی صفت آئے گی۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اس لئے ان کو مٹی کا بنایا گیا تاکہ ان کی مٹی کے ساتھ قوی مناسبت ہو۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے بنایا تاکہ وہ اس مٹی سے شہوت حرص اور غضب کی آگ کو بجھا سکے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ عناصر اربعہ میں سب سے روشن آگ ہے اللہ تعالیٰ نے آگ سے شیاطین کو پیدا کیا اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیا اور سب سے لطیف ہوا ہے۔ (ایک قول کے مطابق) فرشتوں کو ہوا سے پیدا کیا اور ان کو انتہائی شدت اور قوت عطا فرمائی اور پانی جو بہت رقیق ہے اس سے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو فضاء میں معلق کر دیا اور مٹی جو عناصر اربعہ میں

سب سے کثیف، تاریک اور نچلے درجہ میں تھی اس سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اپنی معرفت، ہدایت، نورانیت اور محبت عطا فرمائی اور اس کو سب پر فائق اور سر بلند کر دیا اور تمام مخلوقات میں انسان کو سرخرو اور بلند کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ
وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَصَّلْنَا هُمْ عَلَى كَثِيرٍ
مِّمَّا خَلَقْنَا تَفْصِيلاً ○ (بنو اسرائیل : ۷۰)

اور بے شک ہم نے بنو آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی مخلوق میں بہت سی چیزوں پر واضح فضیلت دی۔

حضرت آدم کے پہلے سے ”کن فیکون“ کے خطاب کی وضاحت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ”کن“ (ہو جا) ”فیکون“ (سو وہ ہو گیا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت آدم کی تخلیق کی گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ”کن“ فرمایا۔ حالانکہ تخلیق ”کن“ سے ہی ہوتی ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ ”خلق من تراب“ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی سے تخلیق کا ارادہ کیا۔ پھر فرمایا ”کن“ تو وہ ہو گئے دو سرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر ”کن“ فرما کر اس میں جان ڈال دی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا۔ ”خلق من تراب“ آدم کو مٹی سے بنایا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے کیسے بنایا تو فرمایا ہم اس سے ”کن“ کہا تو وہ ہو گئے خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”ثم“ تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ”فیکون“ مضارع کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے ہوتا ہے یا ہو گا۔ بہ ظاہر فکان فرمنا چاہئے تھا جس کا معنی ہے ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے : اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کا رب جس چیز کے لئے ”کن“ فرماتا ہے وہ لامحالہ ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے پھر اس سے (آدم سے) فرمایا ”کن“ تو وہ ہو گئے۔ ”کن“ فرمانے سے پہلے تو حضرت آدم وجود میں آئے ہی نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا ”کن“ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازل میں جو حضرت آدم کا وجود علمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اب علم تفصیلی اور وجود خارجی میں بھی آ جاؤ۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم کے درمیان وجوہ مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثل آدم کی طرح ہے۔ یہ مماثلت کئی وجوہ سے ہے۔ (۱) یہ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ (۲) دونوں کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے۔ (۳) دونوں نبی ہیں۔ (۴) دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ (۵) دونوں کی مخالفت کی گئی حضرت آدم کی ابلیس نے مخالفت کی اور حضرت عیسیٰ کی یسود نے مخالفت کی۔ (۶) اس مخالفت کی وجہ سے حضرت آدم آسمانوں سے زمین کی طرف آئے اور حضرت عیسیٰ زمین سے آسمانوں کی طرف گئے۔ (۷) حضرت آدم پھر کامیاب ہو کر جنت میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ پھر کامیاب ہو کر زمین پر آئیں گے۔ (۸) اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم کا اظہار فرمایا حضرت آدم کے علم کے متعلق فرمایا وعلم ادم الاسماء کلھا (البقرہ : ۳۱) اور حضرت عیسیٰ کے علم کے متعلق فرمایا ويعلمہ الكتاب والحكمة (آل عمران : ۴۸) (۹) دونوں میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ونفخت فیہ من روحي (الحجر : ۲۹ ص : ۷۲) اور حضرت عیسیٰ کے متعلق

فرمایا : نفخنا فيه من روحنا (الانبياء : ۹۱، التحريم : ۱۲) (۱۰) دونوں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں دونوں کھاتے پیتے تھے اور دونوں کے لئے موت مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کابیان) ہے سو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

(آل عمران : ۶۰)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید میں شک کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن دراصل یہ آپ کی امت کے افراد سے خطاب ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ قرآن مجید میں شک نہ کریں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن مجید پر یقین رکھنے اور شک نہ کرنے کی صفت پر دائم اور مستمر رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر (اے رسول مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ جتی کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں پھر ہم مباہلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (آل عمران : ۶۱)

نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ کی تفصیل

نجران کے وفد کے سامنے پہلے نبی ﷺ نے اس پر دلائل پیش کئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں اور اس مسئلہ میں عیسائیوں کے تمام شبہات کو مکمل طور پر زائل کیا، اور جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا کہ وہ ہٹ دھرمی سے کسی دلیل کو نہیں مان رہے تو انہیں عاجز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو مباہلہ کرنے کے لئے بلایا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا نصاریٰ کے سردار اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ان کی دعا قبول کر کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا سو تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا، پھر انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اللہ کا عذاب اہل نجران کے نزدیک آچکا تھا، اور اگر یہ مباہلہ کرتے تو انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جاتا اور ان کی وادی میں آگ بھڑکتی رہتی اور اہل نجران کو لمبا میٹ کر دیا جاتا حتیٰ کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال ختم ہونے سے پہلے تمام عیسائی فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(المستدرک ج ۲ ص ۵۹۳، دلائل النبوة لابی نعیم ج ۲ ص ۲۹۸، طبری ج ۶ ص ۴۸۲-۴۸۳، الد ر المنثور ج ۲ ص ۳۸-۳۹)

کنز العمال ج ۲ ص ۳۸۰

امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور امام ابو عیسیٰ ترمذی متونی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا : اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۲۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں کا اطلاق کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ باہر تشریف لائے در آں حالیکہ آپ نے کسی کو چادر میں لیا ہوا تھا جس کا مجھے پتہ نہیں چلا جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا آپ نے چادر میں کس کو لیا ہوا ہے؟ آپ نے چادر کھولی تو آپ کے زانو پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، سو تو بھی ان سے محبت کر اور تو اس سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کرے

(جامع ترمذی ص ۵۳۹، مطبوعہ کراچی)

واضح رہے کہ آپ کی دیگر صاحبزادیوں سے اولاد کا سلسلہ قائم اور جاری نہیں رہا۔ آپ کی آل کے سلسلہ کا فروغ صرف نسب فاطمی سے مقدر تھا۔ نیز آپ کی اولاد کی خصوصیت میں یہ دلیل ہے۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متونی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے سبب اور نسب کے۔

(مسند رک ج ۳ ص ۳۲، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۸۱، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۷۱، الطالب العالیہ ج ۳ ص ۱۷۷)

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶، ج ۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ دارا حیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۲ھ، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۲، ۲۷۱، مطبوعہ بیروت)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

مناظرہ اور مجادلہ میں مبالغہ کرنا حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہے کیونکہ اس میں جھوٹے فریق پر لعنت ثابت ہو جاتی ہے اور اس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ اگر آپ کو اپنی نبوت پر یقین واثق نہ ہوتا تو آپ ان کو مبالغہ کی دعوت نہ دیتے اور ثانی یہ کہ فریق مخالف کے سردار عاقب نے مبالغہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گیا اور وہ اس شرط پر واپس چلے گئے کہ ہر سال ایک ہزار حطے صفر میں اور ایک ہزار حطے رجب میں بھیجیں گے۔ امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متونی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عامر سے روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم مبالغہ سے انکار کرتے ہو تو اسلام قبول کرلو جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہ تمہارے ہوں گے اور جو چیزیں ان پر فرض ہیں وہ تم پر فرض ہوں گی اور اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے تو پھر ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عرب کے ساتھ جنگ کی طاقت

میں رکھتے لیکن ہم جزیہ ادا کریں گے سو رسول اللہ ﷺ نے ان پر دو ہزار حلے مقرر کئے ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

مباہلہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں : مباہلہ کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ دعا کرنا۔

(المفردات ص ۶۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

امام ابن جریر نے لکھا ہے، مباہلہ کا معنی ہے فریق مخالف کے لئے ہلاکت اور لعنت کی دعا کرنا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

لعنت میں ابتال کے دو معنی ہیں۔ عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرنا، اور لعنت کرنا، اور یہ دونوں قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں، کلبی سے روایت ہے بہت کوشش کے ساتھ دعا کرنا اور عطاء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مباہلہ کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین واثق ہو اور فریق مخالف کے کفر پر ہونے کا یقین ہو کیونکہ مباہلہ میں یہ دعا کی جاتی ہے :

اے اللہ! ہم میں سے جو فریق جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما، اور لعنت صرف کافر پر جائز ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کسی شخص سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس کو مباہلہ کی دعوت دی اور یہ آیت پڑھی اور مسجد حرام میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کے دعا کی، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کا جو جرنوالہ کے مولوی عبد العزیز سے علم غیب پر مناظرہ ہوا آپ نے مشکوٰۃ سے یہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی سو میں نے جان لیا جو کچھ تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے، مولوی عبد العزیز نے کہا مشکوٰۃ بے سند کتاب ہے میں اس کو نہیں مانتا حضرت نے جامع ترمذی سے یہ حدیث نکل کر دکھائی اس نے طیش میں آکر ترمذی شریف کو پھینک دیا، حضرت نے فرمایا تم نے حدیث کی بے ادبی کی ہے اب میں تم سے مناظرہ نہیں کرتا مجھ سے مباہلہ کرلو۔ پھر دونوں نے یہ الفاظ کہے کہ ہم میں سے جو فریق باطل ہو وہ دوسرے فریق کے سامنے ایک سل کے اندر خدا کے قہر و غضب میں مبتلا ہو کر مر جائے، مولوی عبد العزیز جب جو جرنوالہ پہنچے اور صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کا درس دینے بیٹھے اور بولنا چلا تو الفاظ منہ سے نہ نکلے زبان باہر نکل آئی کلنی دنوں تک علاج کی کوشش کی مگر لیکن ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ کوئی مرض ہو تو علاج کیا جائے یہ تو اللہ کا عذاب ہے بالآخر سل پورا ہونے سے پہلے ہی وہ عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔

الوہیت مسیح کے ابطال پر ایک عیسائی عالم سے امام رازی کا مناظرہ

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جن دنوں میں خوارزم میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ ایک عیسائی بہت تحقیق اور تدقیق کا مدعی ہے۔ ہم نے علمی گفتگو شروع کر دی اس نے مجھ سے پوچھا کہ (سیدنا حضرت) محمد ﷺ کی نبوت پر کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا جس طرح ہم تک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات کی خبر تواتر سے پہنچی ہے اسی طرح ہم تک تواتر سے سیدنا محمد ﷺ کے معجزات کی خبر پہنچی ہے، سو جس طرح ہم اس خبر تواتر کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں اسی طرح ہم اس خبر تواتر کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں۔ اس عیسائی عالم نے کہا لیکن میں حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں خدا مانتا ہوں میں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا دعویٰ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) خدا اس کو کہتے ہیں جو لذات واجب الوجود ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ جسم ہو نہ کسی چیز میں ہو نہ عرض ہو، اور وہ تغیر اور حدوث کی علامات سے منزہ ہو اور حضرت عیسیٰ جسم اور متغیر تھے وہ پہلے معدوم تھے پھر پیدا ہوئے ان پر بچپن، جوانی اور ادھیر عمری کے جسمانی تغیرات آئے، وہ کھاتے پیتے تھے، بول و براز کرتے تھے، سوتے جاگتے تھے اور تمہارے قول کے مطابق ان کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا اور بد اہت عقل اس پر شاہد ہے کہ جس شخص کے یہ احوال ہوں وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۲) تمہارے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرے اور جب ان کو سولی پر چڑھایا گیا تو وہ بہت چیخنے اور چلائے۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو چھپنے کی کیا ضرورت تھی اور چیخنے چلانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) اگر حضرت عیسیٰ خدا تھے تو جب یہود نے ان کو قتل کر دیا تھا تو بغیر خدا کے یہ کائنات کیسے زندہ رہی؟

(۴) یہ تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی بہت عبادت کرتے تھے جو شخص خود خدا ہو وہ عبادت کیوں کرے گا؟

پھر میں نے اس عیسائی عالم سے پوچھا تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا حضرت عیسیٰ سے بہت عجیب و غریب امور کا ظہور ہوا۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا، مادر زائد ہوں اور برص کے مریضوں کو شفا دی، میں نے اس سے کہا لاٹھی کو سانپ بنا دینا عقل کے نزدیک مردہ کو زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے کیونکہ مردہ آدمی کے بدن اور زندہ آدمی کے بدن میں مشابہت ہوتی ہے جب کہ لاٹھی اور سانپ میں کوئی مشابہت نہیں ہے اور جب لاٹھی کو سانپ بنا دینے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا لازم نہیں آیا تو چار مردے زندہ کرنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۶۶۳-۶۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک یہی بیان حق ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک اللہ ہی غلبہ والا

حکمت والا ہے ○ پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○ (آل عمران ۶۳-۶۲)

اس میں ان دلائل کی طرف اشارہ ہے جو بیان کئے جا چکے سو وہ دلائل اور مباہلہ اور جو ذکر ان کے بیان پر مشتمل ہے وہ سب حق ہے اور رشد و ہدایت ہے، پھر ان دلائل سے یہی مطلوب ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

میں ہے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ اس میں بھی عیسائیوں کا رد ہے کیونکہ چند مردوں کو زندہ کرنے اور چند بیماروں کو شفا دینے کی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ صرف اتنی قدرت سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تم کو خود اعتراف ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرتے تھے اور یہودیوں نے ان کو قتل کر دیا تھا اور خدا کسی سے مغلوب نہیں ہوتا خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے، اور اسی کی قاہر قدرت سے تمام نظام عالم جاری و ساری ہے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اس لئے خدا کہتے تھے کہ انہوں نے چند غیب کی خبریں دیں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا صرف اتنے علم سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خدا وہ ہے جو تمام معلومات اور تمام عواقب امور کا عالم ہو اور کائنات کے ماضی اور مستقبل کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہ ہو، اور اگر وہ اس سے اعراض کریں کہ خدا کے لئے تمام مقدورات پر قادر اور غالب ہونا اور تمام معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہونا ضروری ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس طرح غالب اور عالم نہ ہونے کے باوجود ان کو خدا مانیں تو پھر آپ ان سے بحث نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ اللہ ان کے فساد اور ان کے اغراض فاسدہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کی خبر لے گا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے اے اہل کتاب؛ آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلم) ہے

أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

(وہ یہ کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو

بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا

چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو

بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۳﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي أِبْرَاهِيمَ

ہم مسلمان ہیں ○ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو

وَمَا أُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهَا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۶۴﴾

حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے ○

هَآأَنْتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجُّوهُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ

سنو! تم وہی لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمہیں کچھ (نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز

فِي مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۶۶﴾

میں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے ۵

آیات سابقہ سے مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے بطلان اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے احقاق اور اثبات پر دلائل پیش کیے اور جب عیسائیوں نے ان دلائل کو حلیم نہیں کیا تو پھر آپ نے ان کو مہبلہ کی دعوت دی وہ مہبلہ کرنے سے خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے زلت اور پسپائی کے ساتھ جزیہ دینا قبول کر لیا، اور نبی ﷺ اس پر حلیص تھے کہ وہ ایمان لے آئیں اور اسلام قبول کر لیں، تب اللہ تعالیٰ نے مناظرہ اور مہبلہ کے بجائے ایک اور طریقہ سے ان کے سامنے دعوت اسلام کو پیش کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا طریقہ ہے جو ہر عقل سلیم رکھنے والے شخص کے نزدیک قاتل قبول ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہیں کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم اور تم ایسی چیز کو مان لیں جو ہم دونوں کے درمیان متفق علیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے، سیاق و سباق کے مطابق یہاں اہل کتاب سے مراد نجران کے عیسائی ہیں، تاہم یہاں دو اور قول ہیں ایک یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جب انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو آپ نے فرمایا : آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

سہی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو دعوت دی اور فرمایا آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں اہل کتاب سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں کسی ایک کو معین نہیں کیا گیا، اسی طرح امام واحدی متوفی ۱۳۵۸ھ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے، اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو رب بنایا اور بنو اسرائیل نے حضرت عزیر کو رب بنایا۔

(الوسیط ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عقیدہ تثلیث اور اس کا ابطال

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو اس آیت میں تین چیزوں کی دعوت دی ہے کہ (۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ (۲) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور عیسائی اللہ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھیراتے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہاں تین اقاہم ہیں (تین اعلیٰ یا تین چیزیں) باپ، بیٹا اور روح القدس، اور یہ تینوں ذوات

ہیں اور اقنوم کلمہ ناموت مسیح میں داخل ہو گیا اور اقنوم روح القدس ناموت مریم میں داخل ہو گیا، اس طرح انہوں نے ان دونوں اقانیم کو ذوات قدیمہ مان کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا۔ (۳) اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ مانیں سو انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو رب مان لیا یعنی ان کے ساتھ رب کا معاملہ کیا، کیونکہ وہ چیزوں کو حلال اور حرام قرار دینے میں ان کی اطاعت کرتے تھے، نیز وہ اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے تھے، اور وہ یہ کہتے تھے کہ جو راہب زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اس میں لاہوت کا اثر حلول کر جاتا ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

عیسائیوں کے یہ تینوں عقائد باطل ہیں، حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا اس لیے باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور سے پہلے ان کی خدائی کا نام و نشان تک نہ تھا اور صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ ہی معبود تھا۔ اس لیے واجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور کے بعد بھی وہی معبود اور وہی خدا ہو، اسی طرح ان کا دو اقانیم کو الوہیت میں شریک کرنا بھی باطل ہے کیونکہ ایک چیز کا دوسری چیز میں حلول کرنا تغیر کو مستلزم ہے اور تغیر حدوث کو مستلزم ہے اور جو حادث ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتا، اس لیے ان کا کلمہ اور روح القدس کی اقانیم کو قدیم کہنا باطل ہے، اور جب ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے تو احکام شرعیہ کے حلال اور حرام کرنے کا بھی اسی کو اختیار ہے اور اس میں اسی کی اطاعت ہوگی اور عیسائیوں کا اشیاء کی حلت اور حرمت میں اپنے علماء اور پیروں کی اطاعت کرنا اور ان کے ساتھ رب کا معاملہ کرنا باطل ہے۔

اہل کتاب کو دعوت اسلام کا طریقہ

نبی ﷺ نے امراء اہل کتاب کو جو اسلام کی دعوت دی یہ آیت اس دعوت کی اصل عظیم ہے، نبی ﷺ نے ہر قہر کو جو اسلام کی دعوت دی تو آپ نے اپنے مکتوب میں اس آیت کو لکھا، امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے خبر دی کہ ہر قہر نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب کو منگوایا جو حضرت وحیہ کلبیؓ کے ہاتھ بصری کے امیر کی طرف بھیجا گیا تھا، بصری کے امیر نے وہ مکتوب ہر قہر کو دیا اس میں لکھا ہوا تھا، بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے امیر ہر قہر کے نام ہے، اس پر سلام ہو جو ہدایت کا قبیح ہے، اللہ کی حمد و ثناء کے بعد واضح ہو کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے اور اگر تم نے روگردانی کی تو تمہارے پیروکاروں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تم پر ہوگا، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلم) ہے (وہ یہ ہے کہ) ہم اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو ہم مسلمان ہیں ○

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵-۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو، حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں کیا تم نہیں سمجھتے (آل عمران : ۶۵)

یہود و نصاریٰ کی حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کا باطل ہونا اور مسلمانوں کی نسبت کا برحق ہونا

یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تم دونوں یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہو حالانکہ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے کئی زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، نیز حضرت ابراہیم یسود کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ حضرت ابراہیم موحّد تھے اور یسود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ وہ موحّد تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ مسلمان بھی تو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیروکار کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان حضرت ابراہیم کو اپنے دین کا تابع نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیم کے تابع ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید رسالت اور معلو اور دیگر اصول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں جب کہ یسود اور نصاریٰ توحید کے قائل نہیں اور معلو پر بھی ان کا صحیح ایمان نہیں ہے۔ یسود صرف چند دن عذاب کے قائل ہیں اور نصاریٰ کفارہ مسیح کی وجہ سے مطلقاً عذاب کے قائل نہیں، نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے کو مسلم فرمایا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں :

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنے لیے مسلمان رکھ اور ہماری اولاد اُمّة مُسْلِمَةٌ لَكَ (البقرہ : ۱۲۸)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ ۙ اَبْرٰهٖمَ ۙ هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۶۱ تمہارے بپ ابراہیم کا دین، اس (اللہ) نے تمہارا نام پہلے سے قبل و فی هذا (الحج : ۷۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو! تم وہی لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمہیں (کچھ نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز میں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے۔

(آل عمران : ۶۶)

یسود اور نصاریٰ کو اس کا علم تھا کہ تورات اور انجیل کی شریعت قرآن مجید کی شریعت سے مختلف ہے، ان کے اس زعم کی تو ایک وجہ ہے لیکن ان کو اس کا تو بالکل علم نہیں تھا کہ قرآن کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے، لہذا ان کے اس قول کی کوئی صحیح توجیہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے اور اللہ ہی کو اس کا علم ہے کہ کون سی شریعت کس شریعت کے موافق ہے اور کس شریعت کے مخالف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم جو کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم کا دین ہمارے موافق ہے تو اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اصول اور عقائد میں موافقت یا احکام شرعیہ میں موافقت، اگر تمہاری مراد اصول اور عقائد میں موافقت ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور سب کے اصول اور عقائد واحد ہیں اس لحاظ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دین بھی حضرت ابراہیم کے موافق ہے اور اگر اس سے مراد احکام شرعیہ میں موافقت ہے تو لازم آئے گا سیدنا محمد ﷺ صاحب شریعت نہ ہوں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہوں، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دونوں صورتیں اختیار کر سکتے ہیں یعنی ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد میں موافق ہے جب کہ موجودہ یہودیت اور نصرانیت ان کے موافق نہیں ہے، کیونکہ یہودی عزیر کو اللہ کو بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد میں اللہ وحدہ لا شریک ہے اور یہ توحید صرف اسلام کے موافق ہے، اسی طرح نبوت

اور آخرت کے متعلق بھی حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد اسلام کے موافق ہیں یہودیت اور نصرانیت کے اصول اور عقائد کے موافق نہیں ہیں اس لیے اصول اور عقائد کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اسلام کے موافق ہے اور حضرت ابراہیم کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی ان کی موافقت کے دعویٰ دارتھے اور فروع اور احکام شرعیہ کے لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے بعض احکام شریعت ابراہیم کے موافق ہیں مثلاً مناسک حج، قربانی، وضو کی سنتیں، ختنہ اور غیر ضروری بالوں کا کٹنا، ناخنوں کو تراشنا وغیرہ یہ ملت ابراہیم کے احکام ہیں جن کو اسلام نے مقرر اور ثابت رکھا اس لیے فروع کے اعتبار سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے موافق ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان

مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۷۷ اِنَّ اَوَّلِيَ النَّاسِ

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ بیشک تمام لوگوں میں ابراہیم

يَا اِبْرٰهِيْمُ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور

اَللّٰهُ وَلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۷۸ وَدَّتْ طَّٰفِيفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ○ اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کائنات وہ تمہیں

لَوْ يُضِلُّوْكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۷۹

گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے ○

يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۰

اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو ○

يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ

اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا تے ہو اور کیوں حق کو

الْحَقُّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧٧﴾

چھپاتے ہو؛ حالانکہ تم جانتے ہو - ۷۷

یہ آیت آیات سابقہ کا تتمہ ہے، یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے اس بات میں بحث کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے یا نصرانی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوؤں کی تکذیب کی اور فرمایا سیدنا محمد ﷺ اور ان کی امت ہی حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی شریعت پر ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دین اور کوئی ملت ان کے طریقہ پر نہیں ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مشرکین ہوں جو بت پرستی کرتے ہیں، حضرت ابراہیم تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلم تھے اور یہی سیدنا محمد ﷺ کی دعوت، آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہے، امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عامریان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ نے کہا وہ ہمارے دین پر ہیں تو اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی: ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اس کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ﴿آل عمران: ۶۸﴾

اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کے دعویٰ کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین، ان کی شریعت اور ان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ نبی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے متبعین اور آپ پر ایمان لانے والے، اور جو سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کی مدد کرنے والا ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ مددگار ہوتے ہیں اور ان نبیوں میں سے میرے مددگار میرے باپ اور میرے رب کے خلیل ہیں، پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ، جامع ترمذی ص ۳۲۶، مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں۔ (آل عمران: ۶۹)

عوام اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ دلائل سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے، اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو دین سے منحرف کرنے کی ناکام کوشش بھی کرتے ہیں، مثلاً وہ کہتے تھے کہ جب (سیدنا) محمد (ﷺ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں؟ اور وہ کہتے تھے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت دائمی ہے اور قیامت تک رہے گی، اور مسلمان جو کہتے تھے کہ اسلام نے سابقہ شریعتوں کو

سبح کر رہا ہے اس پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ اللہ کسی حکم کو نازل کرنے کے بعد اس کو منسوخ کر دے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس حکم میں کیا خرابیاں ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گمراہ کرنے سے مسلمانوں کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ ان پر اثر ہو گا البتہ اس گمراہ کرنے کا گناہ اور وبال انہیں ہو گا، نیز یہاں فرمایا ہے کہ اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کیونکہ تمام اہل کتاب ایسے نہیں تھے یہود و نصاریٰ میں سے بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تھے اور ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے :

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ (ال عمران : ۷۳)

اہل کتاب میں سے بعض لوگ حق پر قائم ہیں، وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں درآں حالیکہ وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْنَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ (المائدہ : ۶۶)

بعض اہل کتاب معتدل ہیں، اور زیادہ تر لوگ کیا ہی برے کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہیں اس کا شعور نہیں ہے، یعنی انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال صرف ان ہی کو لاحق ہو گا، یا وہ دین اسلام کے برحق ہونے کا شعور نہیں رکھتے، حالانکہ اسلام کی صداقت پر اس قدر کثیر دلائل اور براہین ہیں کہ ادنیٰ تاہل کرنے سے انسان پر اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے، یا انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مکرو فریب کے جو طریقے استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے مطلع فرما دیتا ہے اور یوں ان کی سعی رائیگاں جاتی ہے

علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت معاذ، حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، یہودیوں میں سے بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقلع نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی، ایک قول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں اور بعض یہودیوں نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : یہود نے حضرت معاذ اور حضرت عمار سے کہا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دین محمد کی اتباع کر لی تو یہ آیت نازل ہوئی، اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے سامنے احد کا واقعہ ذکر کر کے ان کو عار دلایا۔

(المحرر المحیط ج ۳ ص ۲۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہو۔

(آل عمران : ۷۰)

علماء اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عوام اہل کتاب کا ذکر فرمایا تھا جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل کا علم اور شعور نہیں تھا اور وہ بغیر علم اور شعور کے محض عناد سے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے، اس آیت میں علماء اہل کتاب کا ذکر فرمایا ہے جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ کی علامات

کے متعلق آیات کا علم تھا اور وہ ان آیات اور علامات پر شہد اور گواہ تھے لیکن جب عوام اہل کتب یا عوام مسلمین ان سے ان آیات کے متعلق سوال کرتے تو وہ صاف انکار کر دیتے حالانکہ ان کو ان آیات کا علم تھا وہ اصل تورات کا کفر نہیں کرتے تھے بلکہ ان آیات کے سیدنا محمد ﷺ پر اطلاق اور انطباق کا کفر کرتے تھے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے اور نبی ﷺ نے ان کے سامنے بہت سے معجزات کو ظاہر کیا پھر چاہئے تھا کہ جن معجزات کا وہ مشہدہ کر چکے ہیں ان کی بناء پر سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مان لیتے لیکن انہوں نے عناداً انکار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار اللہ تعالیٰ کے معجزات اور اس کی آیات کا انکار کرنا ہے۔ اور اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی نظیر کوئی شخص نہیں لاسکا تھا اس لیے اس کا معجزہ ظاہر ہو چکا تھا اور وہ اس کے معجزہ ہونے کے شہد اور گواہ تھے اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی آیات سے انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملا تے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپاتے ہو؟

(آل عمران : ۷۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے اہل کتب! انبیاء علیہم السلام جس حق کو لے کر آئے ہیں تم اس میں اس باطل کی آمیزش کیوں کرتے ہو جس کو تمہارے احبار اور رہبان نے اپنی فاسد تلويلات سے وضع کیا ہے اور اسلام کے خلاف جو شبہات ڈالے ہیں اور آیات میں جو تبدیلی اور تحریف کی ہے تم (سیدنا) محمد ﷺ کی صفات آپ کی علامات اور شان کے بیان کو چھپاتے ہو، حالانکہ یہ سب کچھ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ بشارت ہے کہ بنو اسماعیل سے ایک نبی مبعوث ہو گا جو لوگوں کو کتب اور حکمت کی تعلیم دے گا، حالانکہ تم کو علم ہے کہ ان آیات کے چھپانے میں اور ان میں تحریف کرنے میں تم خطا اور باطل پر ہو اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا سبب صرف حسد اور عناد ہے۔

علماء اہل کتب کی واردات کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کا انکار کرتے تھے حالانکہ وہ اس پر شاہد تھے کہ تورات اور انجیل میں ایسی آیات ہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں ان کے اس طریقہ کی مذمت کی ہے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کو چھپاتے تھے اور کبھی ان آیات میں تحریف کر دیتے اور کبھی ان کی باطل تویل کرتے اور کبھی مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات پیدا کرتے، حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے، اس دوسرے طریقہ کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کی ہے۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید نے کہا حق وہ آیات ہیں جو اللہ نے حضرت موسیٰ پر تورات میں نازل کیں اور باطل وہ ہے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ

اور اہل کتب کے ایک گروہ نے کہا تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر

عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ لَعَلَّهُمْ

نازل ہوا ہے اور شام کو اس کا کفر کرو، شاید کہ وہ (مسلمان، دین سے)

يَرْجِعُونَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تَوْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنْ

پھر جانیں ○ اور تم صرف اس شخص کی بات مانو جو تمہارے دین کا پیروکار ہو، آپ کہیے کہ بیشک

الْهُدَى هُدَى اللَّهِ أَنْ يُؤْتِي أَحَدٌ مَثَلًا مَا أَوْتَيْنَاهُ

(اصل) ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور انھوں نے کہا، تم یہ بھی نہ مانو کہ) جو کچھ تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا

يُحَاجُّوكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنْ الْفَضْلُ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

کتا ہے یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رکے پاس کوئی حجت قائم کر سکتا ہے، آپ کہیے کہ بیشک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے، وہ جس کو چاہتا

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِ ﴿۷۳﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ

ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے ○ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر

يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۷۴﴾

چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کس طرح یہود مسلمانوں کو ورغلانے اور ان کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں اس آیت میں بھی ان کی اسی نوع کی سازشیں اور تلیس کا ذکر فرمایا ہے :

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عربینہ (مدینہ کی بستی) کے بارہ علماء یہود نے ایک دوسرے سے کہا دن کے اول وقت میں دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور یہ کہو کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد حق اور صادق ہیں اور جب دن کا آخری حصہ ہو تو ان کا کفر کر دو اور بیان کرو کہ ہم نے اپنے علماء اور احبار کی طرف رجوع کیا اور ان سے سوال کیا تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ محمد (ﷺ) جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور تم نے جس دین کو اختیار کیا ہے وہ بالکل غیر معتبر ہے اور اب ہم نے اپنے سابق دین کی طرف رجوع کر لیا ہے اور یہ تمہارے دین سے بہتر ہے شاید اس ترکیب سے مسلمان شک میں پڑ جائیں اور کہیں کہ یہ لوگ صبح ہمارے ساتھ تھے اب کیا ہوا جو یہ اسلام کو چھوڑ گئے تب اللہ عز و جل نے اپنے رسول ﷺ کو ان کی اس سازش سے بروقت خبردار کر دیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش سے نبی ﷺ کو بوقتِ خبردار کر دیا اس میں حسبِ ذیل حکمتیں ہیں :

- (۱) یہودیوں نے مخفی طور پر یہ حیلہ کیا تھا اور کسی اجنبی کو اس حیلہ سے مطلع نہیں کیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس سازش کی خبر دی تو یہ غیب کی خبر ہوئی اور اس سے آپ کا مطلع علی الغیب ہونا ثابت ہوا اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔
- (۲) جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کی اس سازش سے مطلع فرمایا تو اب ان کا اس سازش پر عمل کرنا بے سود ہو گیا اور جس کا ایمان ضعیف تھا اس پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔
- (۳) جب یہودیوں کی اس سازش کا راز فاش ہو گیا تو آئندہ اس قسم کے مکرو فریب اور سازشیں کرنے کے لیے ان کے حوصلے نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور انہوں نے کہا) تم یہ بھی نہ مانو کہ جو تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جاسکتا ہے یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رب کے پاس کوئی حجت قائم کر سکتا ہے۔ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں بھی یہود کے کلام کا تتمہ بیان کیا گیا ہے چونکہ یہود کا یہ زعم تھا کہ نبوت صرف بنو اسرائیل کے ساتھ مختص ہے اس لیے انہوں نے آپس میں کہا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جیسا دین اور جیسی کتاب تمہیں دی گئی ہے وہ کسی اور کو بھی دی جائے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تمہارے خلاف تمہارے رب کے سامنے کوئی حجت پیش کر سکے اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اپنے ہم مذہب یہودیوں کے سوا اپنے اسرار اور راز کی باتیں اور کسی پر ظاہر نہ کرو اور اس آخری نبی کے متعلق جو پیش گوئیاں ہماری کتاب میں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ ان کا اس نبی پر ایمان اور پختہ ہو گا اور قیامت کے دن وہ تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمہارے پاس جو علم اور حکمت کی باتیں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ وہ تم سے یہ باتیں سیکھ لیں گے اور تمہارے برابر ہو جائیں گے اور وہ تم سے علم اور حکمت کی باتیں سیکھ کر ان کو تمہارے خلاف قیامت کے دن اللہ کے سامنے بطور حجت پیش کریں گے۔ ان دو جملوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں اللہ تعالیٰ جس کو ان کی طرف ہدایت دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری سازشیں، مکرو فریب اور دجل و تلیس کوئی اثر نہیں کر سکتا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے۔ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس زعم فاسد کا رد کیا ہے کہ نبوت صرف بنو اسرائیل میں رہے گی، اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا نبوت ہو یا کوئی اور نعمت ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے ایمان اور علم و حکمت سے نوازتا ہے اور جس کو چاہے گمراہی میں پڑے رہنے دیتا ہے اس کی بھر اور بصیرت کو سلب کر لیتا ہے اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے، کل خیر اور فضل مطلق اسی کے ہاتھ میں ہے اور نبوت بنو اسرائیل میں منحصر نہیں ہے اور نہ کسی کے نسب اور شرف کی نبوت پر اجارہ داری ہے نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت علم والا ہے اس میں یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون اس کا اہل ہے جس کو وہ اپنا فضل عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۚ (الأنعام : ۱۲۳) اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(آل عمران : ۷۴)

نبوت کا وہی ہونا اور باقی فضائل کا کسی ہونا

جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ یہ اس کی رحمت کے لائق ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ خصوصاً وہ رحمت جس سے مراد نبوت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے جو نبوت کے قابل ہو وہ اس شخص کو صفاء باطن اور پاکیزہ فطرت کے ساتھ پیدا کرتا ہے تاکہ اس پر بہ تدریج وحی نازل فرمائے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا
اور جب وہ (یوسف) اپنی پوری قوت کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ (یوسف : ۲۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔“ (الانعام : ۱۲۴) یہی وجہ ہے کہ نبوت کسب سے حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بنانا چاہتا ہے اس کی اہلیت رکھنے والا شخص پیدا فرمادیتا ہے بلکہ عام انسانوں کے اعتبار سے نبی کی حقیقت میں ایک زائد خصوصیت ہوتی ہے اور وہ ہے حصول وحی کی استعداد اور صلاحیت، عام انسان صرف حواس اور عقل سے شہادت اور ظاہر کا ادراک کرتے ہیں اور نبی میں ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے، جنات اور فرشتوں کو دیکھتا ہے اور فرشتوں کا کلام سنتا ہے، سو اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتا ہے اس میں ایسی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے جس کی بناء پر اس پر وحی نازل کی جاسکے اور عام انسانوں میں یہ صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ
خَارِشًا مُّتُصِّدِعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (الحشر : ۲۱)
اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) تو ضرور اسے (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا۔

نبوت کے علاوہ دیگر فضائل مثلاً علم و حکمت، نیکی اور تقویٰ وغیرہ کو کسب سے حاصل کرنا ممکن ہے، اس کے باوجود ان صفات کی بھی پہلے صلاحیت اور استعداد کا حاصل ہونا ضروری ہے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نظر عنایت ہو تو یہ صفات حاصل ہوتی ہیں، اور جب کہ رحمت نبوت اور دیگر تمام نیک صفات کو شامل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل ذکر نہیں کی، بلکہ اجمالاً فرمایا اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص فرما لیتا ہے یعنی اس کے علم کے مطابق جو شخص جس رحمت کا اہل ہو اور اس کو اس رحمت سے نوازا اس کی حکمت کا تقاضا ہو وہ اس کو اس رحمت سے نواز دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ بڑے فضل والا ہے، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ارادہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف متوجہ اور راغب ہوتا ہے تاکہ اللہ اس پر اپنے فضل اور رحمت سے تجلی فرمائے اس کو برائیوں اور گناہوں سے پاک اور صاف کرے اور اس کو نیکیوں اور خوبیوں سے مزین فرمائے۔

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنطَارٍ يُودِّعَ إِلَيْكَ

اور (اے مخاطب) اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھو تو وہ تم

وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ إِلَّا يُودِّعَ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ

کو دادا کر رہے گے اور بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو دادا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم ان کے

عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينِ

سرپر کھڑے رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ان پر ٹھہ لوگوں کا مال ہرپ کرنے

سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

پران کی کوئی گرفت نہیں ہوگی اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ○

بَلَى مَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٧٦﴾

کیوں نہیں! جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے ○

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا

بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں

أُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا

ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا اور نہ

يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يَزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾

قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اہل کتاب کے امانت داروں اور خاندانوں کا بیان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے کہا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ ہمیں دیا گیا ہے اس

کی مثل کسی اور کو بھی دی جائے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا تمام مذاہب میں مذموم ہے اس کے باوجود وہ

خیانت کرتے ہیں اور جو لوگ مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں جھوٹے ہیں وہ خالق کے ساتھ معاملہ میں کب سچے ہو سکتے

ہیں! نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ اہل کتاب کی دو قسمیں ہیں، بعض معاملات میں ایماندار ہیں اور بعض

خائن ہیں تاکہ مسلمان ان سے تعلق قائم کرنے میں ہوشیار رہیں۔ کیونکہ اہل کتب خائن ہیں وہ مسلمانوں کا مال ہڑپ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

امام واحدی ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے پاس بارہ سو اوقیہ (ایک اوقیہ چوتھائی چھٹانک کے برابر ہے) سونا رکھا، انہوں نے وہ سونا اس کو ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی، اور ایک شخص نے فحاش میں عازوراء نام کے ایک یہودی عالم کے پاس ایک دینار امانت رکھا تو اس نے اس میں خیانت کی (الوسیط ج ۱ ص ۴۵۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عملاً اس کے سر پر کھڑا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے مسلسل مطالبہ کرتا رہے خواہ کھڑا ہو یا نہ ہو، سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑے، ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور اس سے مطالبہ کرتا رہے، امام ابو حنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرض خواہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس وقت تک مقروض کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ وہ اس کا قرض ادا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خیانت کی وجہ بیان فرمائی کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ان، ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے پر ان کی کوئی گرفت نہیں ہوگی، یہودی اسلام اور قرآن کے مخالف تھے اس کے باوجود ان میں جو نیک لوگ تھے اور امانت ادا کرتے تھے قرآن مجید نے ان کی نیکی کو ظاہر فرمایا، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کی خیانت کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ اور قوموں میں بھی خائن موجود ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کو جائز سمجھتے تھے بلکہ اس کو کارِ ثواب قرار دیتے تھے۔

کفار کی نیکیوں کے مقبول یا مردود ہونے کی بحث

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے، جس کا فائدہ اس کو دنیا میں نیک نامی ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ) ہمارے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ آخرت میں کفار کے عذاب میں کمی ہونا صراحتہ "قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا يَخْفَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ○ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی نہ انہیں ملت دی جائے گی۔ (البقرہ : ۲۴)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا اور یہ نہ ہو گا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے ملت مل جائے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۴۲ھ لکھتے ہیں :

داخل ہونے کے بعد کسی وقت ان پر سے جہنم کا عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ داخل ہونے سے قبل ان کو کسی ایسا کوئی ملت دی جائے گی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں

رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا مسکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کو اس کا فائدہ ہو گا آپ نے فرمایا ان نیکیوں سے اس کو نفع نہیں ہو گا اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا۔ اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۵)

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان اعمال سے نفع نہیں ہو گا ان کو ثواب ہو گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

علامہ عینی نے علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ابولہب اور جن کفار کے مطلق تخفیف عذاب کی تصریح ہے وہ ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۹۵)

یہودی غیر یہودی کامل کھانا کیوں جائز سمجھتے تھے؟

(۱) یہودی اپنے دین میں سخت متعصب تھے وہ کہتے تھے جو دین میں ان کا مخالف ہو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور جس طرح بن پڑے اس کامل لوٹنا بھی جائز ہے۔

(۲) یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ساری مخلوق ہماری غلام ہے اس لیے وہ ہر غیر یہودی کامل اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔

(۳) یہودی مطلقاً "غیر کے مل کو حلال نہیں سمجھتے تھے بلکہ عرب کے جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کے مل کو کھانا اپنے لیے جائز گردانتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہودی جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کامل کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی تحقیر اور اپنا تفوق بیان کرنا تھا وہ اس پر تکبر کرتے تھے کہ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان کو مسلمانوں سے پہلے کتب دی گئی اس لیے وہ خود کو اہل کتب اور مسلمانوں کو امیین کہتے تھے اور جو شخص دین میں ان کا مخالف ہو اس کے حقوق کے استحصال کو جائز سمجھتے تھے اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص جاہل ہو یا امی ہو اس کے حقوق کو ضائع کرنا جائز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے ساتھ معاملات میں تفریق تو کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ غیر اسرائیلی کے مل کو ناجائز طور پر ہڑپ کر لیا جائے لیکن انہوں نے اپنے سوء فہم اور کم عقلی سے یہ سمجھ لیا کہ غیر اسرائیلی کامل کھانا جائز ہے تورات کی عبارت یہ ہے :

تو پردیسی (اجنبی، غیر اسرائیلی) کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔

(استثناء باب : ۲۳ آیت : ۲۰ پرانا عدد ۱۸۸)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ غیر اسرائیلی سے اسرائیلی کا سود لینا جائز ہے یہ نہیں کہا کہ غیر اسرائیلی کا اصل مل ہڑپ کر لینا جائز ہے اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ موجودہ تورات میں جو یہ آیت لکھی ہوئی ہے اصل تورات میں بھی یہ حکم اسی طرح تھا جب کہ قرآن مجید میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت محرف ہے کیونکہ جب غیر اسرائیلی سے سود لینا جائز ہو گا تو غیر اسرائیلی سے اس کی اصل رقم سے زائد رقم وصول کرنا جائز ہو گا۔ اور یہی غیر اسرائیلی کا ناحق مل کھانا ہے جس کو یہودی جائز سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا : وہ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آل عمران : ۷۵)

امام ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا عربوں کا مال لوٹنے پر ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہود سے کہا گیا کہ تم اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتیں واپس کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ عربوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ قبل از اسلام کچھ لوگوں نے یہودیوں کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا، پھر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے یہودیوں سے اپنے مال کی قیمت کا تقاضا کیا، یہودیوں نے کہا ہمارے پاس تمہاری کوئی امانت نہیں ہے، نہ ہم نے تمہارا کوئی مال ادا کرنا ہے، کیونکہ تم نے اپنا سابق دین ترک کر دیا ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہماری کتاب میں اسی طرح لکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

غیر معروف طریقہ سے مخالفین کا مال کھانے کا عدم جواز

سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے، ماسوا امانت کے کیونکہ وہ ادا کی جائے گی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۷-۲۲۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے بھی روایت کیا ہے (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۵۹) اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کا امام عبد بن حمید، امام ابن منذر، امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ ایران) امام رازی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ بیروت)

امام ابن جریر کے علاوہ باقی ائمہ نے اس اضافہ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے : نیک ہو یا بد ہر شخص کی امانت ادا کی جائے گی۔

نیز امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

معصہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم اہل کتاب سے جہاد کرتے ہیں تو ان کے باغوں سے پھلوں کو کھا لیتے ہیں انہوں نے کہا تم اسی طرح تبویل کرتے ہو جس طرح اہل کتاب نے کہا تھا کہ امین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

معصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم اہل ذمہ کے اموال میں مرغیاں اور بکریاں دیکھتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ ایسا ہے جس طرح یہودی یہ کہتے تھے کہ امین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، تحقیق یہ ہے کہ جب اہل کتاب جزیہ ادا کر دیں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۹ھ)

بعض یورپی ممالک میں بعض علماء اسلام یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ یورپ، امریکہ اور افریقہ کے کافر ممالک میں سود کا لین دین جائز ہے اور غیر معروف طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز ہے مثلاً ایک شخص شہر میں خود کو بے روزگار ظاہر کر کے حکومت سے بیوزگاری کا وظیفہ لے اور دوسرے شہر میں کوئی ملازمت کرے اور حکومت کو فریب دے کر وظیفہ لیتا رہے تو

یہ جائز ہے، یا خلوند اور بیوی جھوٹ بول کر طلاق ظاہر کریں اور دونوں الگ الگ رہائش حکومت سے حاصل کر لیں اور ایک رہائش کو خفیہ طور پر کرایہ پر اٹھادیں، یا ایک شخص کسی ادارہ سے تنخواہ زیادہ وصول کرے اور کفالت میں تنخواہ کم دکھائے تاکہ حکومت سے کم آمدنی کی مراعات حاصل کرے تو یہ تمام امور شرعاً جائز ہیں کیونکہ کافر کامل کھانا جائز ہے۔

یہ طریقہ بالکل یہودیوں کا طریقہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مل کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسلام ایک عالم گیر دین ہے، اسلام نے ایمان داری اور راستبازی کی تعلیم دی ہے، ایسی دیانت اور امانت کی تعلیم دی جس سے متاثر ہو کر دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں، نہ یہ کہ اسلام میں دوسرے مذہب کے لوگوں سے دھوکے اور فریب سے رقم بٹورنے کا جواز بیان کیا جائے جس سے دوسری اقوام متغیر ہوں۔ اسلام کی ہدایت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے، میدان جنگ اور جہاد میں جو قوم مسلمانوں سے بالفعل برسرِ پیکار ہو ان کی جان اور ان کے اموال محترم نہیں ہیں۔ ان کو دور ان جہاد قتل کر دیا جائے گا اور جو زندہ بچیں گے ان کو گرفتار کر لیا جائے گا اور میدان جنگ میں کافروں کا جو مل طے گا وہ مال غنیمت ہے، امام اس مال کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے روانہ کرے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

یا کافر اپنی املاک چھوڑ کر چلے جائیں اور مسلمان ان املاک پر بغیر جنگ کے قبضہ کر لیں جیسے مذک تھا اس کو مل نے کہتے ہیں، اس کے علاوہ کافروں کا مال لینے کی کوئی جائز صورت نہیں ہے، جو کافر جزیہ دے رہے ہوں ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اور جن کافر ملکوں سے ان کے معاملے ہوں ان کے مل بھی کسی غیر معروف طریقہ سے لینا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف یہودیوں کا نظریہ تھا کہ جو لوگ دین میں ان کے مخالف ہوں ان کا مال غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے لینا جائز ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

حقوق اور امانات کی ادائیگی میں اللہ کے دین میں مومن اور غیر مومن کی مطلقاً تفریق نہیں ہے، کیونکہ حق مقدس ہے اور کسی شخص کے دین کی وجہ سے اس کا حق بالکل متاثر نہیں ہوتا، اور رہے یہود تو وہ عہد پورا کرنے کو حق واجب نہیں کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کے بعد فرمایا :

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(ال عمران : ۷۵)

اس آیت میں ان کافروں کا رد ہے جو از خود چیزوں کو حرام اور حلال قرار دیتے تھے اور ان کو شریعت اور دین بتاتے تھے۔

اللہ کے ساتھ عہد پورا کرنا یہ ہے کہ اس کے احکام پر وجوباً عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے لازماً اجتناب کیا جائے۔ اور لوگوں سے معاملات، عقود اور امانات کی ادائیگی کا جو عہد کیا ہے اس کو پورا کیا جائے۔ اس عہد کو پورا کرنا بھی ایمان سے ہے بلکہ یہ ایمان کی اعلیٰ خصال میں سے ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے اور اس کی محبت اور رضا کا مستحق قرار پاتا ہے، اور جو شخص عہد شکنی کرے وہ بالکل اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ گروہ منافقین میں سے ہے اور باطل اور غیر معروف طریقہ سے مل کھانے کی وجہ سے انسان اللہ کے غضب

اور اس کی ناراضگی کا مستحق ہوتا ہے، امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ناحق کھلیا وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس سے ناراض ہوگا، اور امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے، اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص امانت دار نہ ہو وہ مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور عہد توڑنے والے اور امانت میں خیانت کرنے والے کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا، چوری، شراب نوشی، جوئے اور مل باپ کی نافرمانی اور دیگر تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ ہے، کیونکہ عہد شکنی کافساد اور اس کا ضرر بہت بڑا اور بہت عام اور بہت شامل ہے۔

(تفسیر منیر ج ۳ ص ۲۷۰-۲۶۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

غیر معروف اور غیر قانونی طریقوں سے کافرا قوام کا مال کھانے کے دلائل پر بحث و نظر

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسر جنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دار الحرب ہوتا ہے اور اس وقت دار الحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسر جنگ نہیں ہیں۔ ان سے سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور جرمنی وغیرہ ایسے ملک دار الحرب نہیں بلکہ دارا لکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال مسلمانوں پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال ان پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ قَدْ

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

(النساء : ۲۹)

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا، سو مسلمانوں کے لئے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔ اولاً "تو یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ جائز نہیں ہے، ثانیاً "یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کے ساتھ خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بد کردار قوم کے نام سے معروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ

اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا

(النور : ۳۳) عارضی فائدہ طلب کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کریں تو کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارا لکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر اس سے کاروبار کرنا شروع کر دیں؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی

وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (الانفال : ۲۷) امانتوں میں خیانت نہ کرو در آں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کر لیا کریں؟

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لئے بہانہ نہ بناؤ۔

(النحل : ۹۳)

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ اے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں

آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

(النور : ۱۹)

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشا یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں۔ مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی ﷺ کی راستبازی، پارسیائی، امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی ﷺ کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کافر سے لڑائی تیر و تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے۔ اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کر دیا جس کو پھیلانے کے لئے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کر سکے گا؟

جو لوگ دارا لکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لئے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح لے لیا جائے روا ہے، غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً "وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بَدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا اے ان (یہودیوں) میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس

مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَا إِلِكٍ بَاتَهُمْ قَالُوا لَيْسَ ایک اشرنی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر نہ کھڑے رہو

عَلَيْنَا فِي الْأَمْتَيْنِ سَبِيلٌ وَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ
الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔

وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہہ دیا
کہ امین (مسلمانوں) کا مل لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی اور یہ

(ال عمران : ۷۵) لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

غور کیجئے جو لوگ دارا کفر میں حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان کے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل
میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟
حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف
سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دارالحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم
وصول کر لی اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر
عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔
قاضی بیضاوی، بغوی، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے
شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار
گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے پھر
جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے۔ منع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم
شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن
ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آگئے حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء
سے اونٹ لے لئے اور نبی ﷺ کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا یہ سخت (مال حرام) ہے اس کو صدقہ کر دو
حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا
تسلح ہے، جامع ترمذی میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر
کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر روایت کو
عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو بہت غریب (اجنبی) قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۳۱-۳۳۲ مطبوعہ دارالاندلس بیروت)

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے :

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی الم غلبت الروم فی ادنی الارض وہم من بعد غلبہم
سیغلبون فی بضع سنین ○ الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے
کے چند سالوں بعد غالب ہو جائیں گے۔ جن دنوں یہ آیت نازل ہوئی ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور
مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ

قول ہے: **وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ** جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔ اور قریش یہ چاہتے تھے کہ اہل نبی غالب ہو جائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعثت پر ایمان رکھتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابو بکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کر دیا۔ اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابو بکر سے کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہو جائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابو بکر نے کہا کیوں نہیں اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابو بکر اور مشرکین نے شرط لگائی مشرکین نے کہا ”بضع سنین“ تین سالوں سے لے کر نو سالوں تک ہے تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کر لو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی پھر چھ سال گذر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے اور مشرکین نے حضرت ابو بکر سے شرط وصول کر لی اور پھر جب ساتویں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہو گئے تو پھر مسلمانوں نے حضرت ابو بکر پر تنقید کی کہ انہوں نے ”بضع سنین“ کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ”بضع سنین“ فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو بکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مل ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں :

(۱) حضرت ابو بکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں یعنی بعض روایات میں حضرت ابو بکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) قمار کا یہ واقعہ بلا اتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳) نبی ﷺ نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابو بکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کرو۔ (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برات کی نیت سے اس کو صدقہ کرے)

دار الحرب، دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو، دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان، مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذی بھی محفوظ نہ ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

(المبسوط ج ۱۰ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سرخسی نے دار الحرب کی تیسری شرط یہ بیان کی ہے کہ اس میں مشرکین شرک کے احکام ظاہر کریں، علامہ

شامی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں :

یعنی شرک کے احکام مشہور ہوں اور اس میں اہل اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیا جائے۔ (ہندیہ) اور ظاہر یہ ہے کہ اگر

اس میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے احکام جاری ہوں تو پھر وہ دار الحرب نہیں ہوگا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً "بر سر جنگ" ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہیں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین تھا وہیں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہیں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً "جرم" تھا ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دار الحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ممالک میں آتے جاتے ہیں مسلمانوں کی جان مال اور عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہیں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ برطانیہ ہالینڈ جرمنی اور افریقی ممالک یہ ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دارا کفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ممالک کو دارالاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً "دارالاسلام ہیں حقیقتاً" دارا کفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دارا کفر پر مجازاً "دار الحرب کا بھی اطلاق کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتاً "دارالاسلام ہیں نہ دار الحرب بلکہ یہ دارا کفر ہیں کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دار الحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دارالاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

معراج الدرایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے جو شرک کفار کے ہاتھوں میں ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام ظاہر نہیں کئے بلکہ قاضی اور حاکم مسلمان ہیں جو ضرورت کی وجہ سے یا بلا ضرورت کفار کی اطاعت کرتے ہیں اور ہر وہ شر جس میں کفار کی طرف سے حاکم مقرر ہو اس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور حد قائم کرنا اور قاضیوں کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ شرعاً "مسلمان کافروں پر غالب ہیں اور اگر حاکم کفار ہوں پھر بھی مسلمانوں کے لئے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کسی شخص کو قاضی بنا دیا جائے گا اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کو تلاش کریں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۴۱-۵۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مبسوط کی اس عبارت میں کافروں کے ملک کو جو بلاد اسلام یا دارالاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے ظاہر ہے یہ حقیقی اطلاق نہیں ہے کیونکہ دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہاں اسلامی شعائر اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو لیکن کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً "دارالاسلام ہے حقیقتاً" دارالاسلام ہے نہ حقیقتاً "دار الحرب ہے" قبل از تقسیم ہندوستان کو جو علماء نے دارالاسلام قرار دیا تھا اس کا یہی مطلب تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت تھی نہ احکام اسلامیہ کا غلبہ تھا اس لئے ہندوستان حقیقتاً "دارا کفر ہی تھا اور حقیقتاً "دار الحرب اس لئے نہیں تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ حاصل تھا۔

شمس اللہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

مسلمان تاجر جب گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ کے ساتھ امن لے کر دارالحرب جائیں در آن حایکہ وہ اس گھوڑے اور اسلحہ کو کافروں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ تاجر کو اپنے مصالح کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پس جس طرح تاجر کے لئے یہ چیزیں دارالاسلام میں ممنوع نہیں ہیں اسی طرح دارالحرب میں بھی ممنوع نہیں ہیں۔ (شرح السیر الکبیر ج ۳ ص ۷۱، مطبوعہ المکتب للحركة الثورة الاسلامیة افغانستان ۱۳۰۵ھ) فقہاء نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان تاجر کے لئے سواری اور اسلحہ کو دارالحرب میں تجارت کے لئے لے جا کر فروخت کرنا جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اشیاء اور جن چیزوں کا تعلق آلات حرب سے نہ ہو ان کو دارالحرب میں لے جا کر فروخت کرنا اور ان کی تجارت کرنا جائز ہے۔

ہم نے یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ فقہاء دارا کفر پر بھی مجازاً "دارالحرب کا اطلاق کر دیتے ہیں کیونکہ دارالحرب کی تو یہ تعریف ہے جہاں مسلمان اور ذمی کو جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو اس لئے ایسی جگہ مسلمان تاجروں کا تجارت کے لئے جانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس لئے یہ دارالحرب نہیں ہے اب تک کی بحث سے جو تعریفات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

دارالاسلام : وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور شعائر اسلامی اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو۔
دارالحرب : وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو، اسی طرح ذمی کو بھی تحفظ حاصل نہ ہو۔
دارا کفر : وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو، اس علاقے کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہوں، مسلمان وہاں تجارت کے لئے جاتے ہوں، مسلمانوں کو وہاں جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو اور احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔

ان تعریفات کے اعتبار سے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور افریقی ممالک جہاں مسلمان امن اور آزادی کے ساتھ رہتے ہیں یہ سب دارا کفر ہیں یہاں جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سود کا لین دین کسی طرح جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقود فاسدہ سے لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر فقہاء احناف نے درجہ کراہت میں کافروں کے مال لینے کو جائز کہا ہے تو دارالحرب میں کہا ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں۔ فقہاء نے ایسے ممالک پر مجازاً "دارالحرب کا اطلاق کیا ہے اور مجازاً" دارالاسلام کا اطلاق بھی کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ممالک دارا کفر ہیں، دارالحرب ہیں نہ دارالاسلام۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۷۸۸ھ لکھتے ہیں :

اگر دارالحرب میں اہل اسلام کے احکام جاری کر دیئے جائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے مثلاً "جمعہ اور عید پڑھائی جائے۔ خواہ اس میں کافر اصلی باقی رہیں اور خواہ وہ علاقہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔

یہ دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریضیں ہیں اور دارا کفر کی تعریف علامہ شامی کی اس عبارت سے مستفاد ہوتی ہے: رہے وہ ممالک جن کے والی کفار ہیں تو مسلمانوں کے لئے ان ملکوں میں جمعہ اور عید کی نماز قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے وہاں قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمان والی کو (بہ شرط)

(علامت) طلب کریں اور ہم اس سے پہلے جمعہ کے باب میں اس کو برازیہ سے نقل کر چکے ہیں۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت۔ ۱۴۰۷ھ)

دارا کفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانے کا عدم جواز

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا تمام کافر ملکوں کے ساتھ حکومت پاکستان کے سفارتی تعلقات ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ مسلمان ان کافر ملکوں میں جاسکتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ملکوں میں آسکتے ہیں اور جو لوگ ویزہ لے کر کسی ملک میں جائیں ان کو اس ملک میں امان حاصل ہوتی ہے اور ان کی جان اور مال کی حفاظت کرنا اس حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ شخص کسی مال کو غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے حاصل نہیں کر سکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ مال حرام ہو گا اور اس پر اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اس کو شرعی اصطلاح میں مستامن کہتے ہیں :

علامہ حنفی حنفی لکھتے ہیں :

مستامن کا معنی ہے جو امان کا طالب ہو اور یہ وہ شخص ہے جو کسی دوسرے ملک میں امان لے کر داخل ہو خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا حربی، مسلمان دار الحرب (یعنی دارا کفر) میں امان لے کر داخل ہوا تو اس پر ان کی جان، مال اور ان کی عورتوں کی عزت کے درپے ہونا حرام ہے، کیونکہ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں (علامہ شامی نے لکھا ہے کیونکہ مسلمان جب امان لے کر ان کے ملک میں داخل ہوا تو وہ اس بات کا ضامن ہو گیا کہ وہ ان کی جان، مال اور عزت کے درپے نہیں ہو گا اور عہد شکنی کرنا حرام ہے، ہاں اگر کافروں کا حکمران عہد شکنی کرے اور اس مسلمان کا مال لوٹ لے یا اس کو قید کر لے یا کوئی اور کافر ایسا کام کرے اور حکمران کو اس کا علم ہو اور وہ اس کو منع نہ کرے تو پھر مسلمان پر بھی ان شرائط کی پابندی نہیں ہے کیونکہ انہی کافروں نے عہد شکنی کی ہے۔ (بحر، ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۷) اگر کوئی مسلمان وہاں سے (غیر قانونی طور پر) کوئی مال لے کر دارالاسلام میں آیا تو وہ اس کی ملکیت میں حرام چیز ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر وہ ان سے کوئی چیز چھین کر لایا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جس شخص کی چیز ہے وہ اس کو واپس کرے۔

(در مختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۳-۲۴۷، ملقطاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ حاکم نے کافی میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں نے کافروں کے ملک میں ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نقد یا اودھار فروخت کیا یا کوئی چیز ان کے ہاتھ خمر (انگوری شراب) یا خنزیر یا مردار کے عوض فروخت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی رضامندی سے ان سے مال حاصل کر لے، یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہمارے نزدیک امام ابو یوسف کا قول ہی صحیح ہے کیونکہ اسلام عالم گیر مذہب ہے اور اس کے احکام قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہیں اسلام نے شراب، خنزیر، مردار اور سود کو مطلقاً حرام کیا ہے، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان کی حرمت کے لئے کوئی استثناء نہیں ہے دارالاسلام ہو، دارا کفر ہو یا دار الحرب ہو ہر جگہ شراب، خنزیر، مردار اور سود حرام ہیں، اور جو لوگ غیر قانونی طریقہ سے کافروں کے مال لینے کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دارا کفر میں مسلمانوں کے لئے خنزیر اور

شراب کی بیع کو جائز کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔

پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں نے جن کافر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملکوں میں ان کے باشندوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور ان کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی تعلقات بھی ہیں سو یہ ان کے ساتھ معاہدہ امن و سلامتی اور بقاء باہمی کے وعدہ کے قائم مقام ہے، اس لیے کسی مسلمان کا ایسے کسی کافر ملک میں جا کر دھوکے اور فراڈ کے ذریعہ ان کا پیسہ بھرتا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

جو مسلمان کافر ملک میں امان حاصل کر کے (ویزہ لے کر) جائے اس پر ان کے ساتھ عہد شکنی کرنا اور دھوکہ دینا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ غدر (عہد شکنی) حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کی دیر (مقعد) پر ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جس سے اس کی عہد شکنی پہچانی جائے گی، اگر اس مسلمان نے کافروں سے عہد شکنی اور دھوکا دہی سے ان کا مل حاصل کر لیا اور اس مل کو دارالاسلام میں لے آیا تو دوسرے مسلمانوں کو اگر علم ہو تو ان کے لیے اس مل کو خریدنا حرام ہے کیونکہ وہ مل کسب خبیث سے حاصل ہوا ہے اور اس مل کو خریدنے سے اس کسب خبیث کی حوصلہ افزائی ہوگی اور یہ مسلمانوں کے لیے مکروہ ہے، اور اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ جب انہوں نے اپنے کافر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان کا مل لے کر مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے یہ چاہا کہ رسول اللہ ﷺ اس مل میں سے خمس (پانچواں حصہ) لے لیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اسلام تو مقبول ہے لیکن تمہارا مل غدر (عہد شکنی اور دھوکا دہی پر مبنی ہے) سو ہمیں اس مل کی ضرورت نہیں ہے۔

(المبسوط ۱۰ ص ۹۷-۹۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۸ھ)

نیز علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں :

جب مسلمان مشرکین کی کسی قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ کریں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مل لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ قائم ہے، اور اس معاہدہ کی وجہ سے ان کی جان اور مل مسلمانوں کی جان اور مل کی طرح محترم ہے، سو جس طرح مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مل لینا جائز نہیں ہے، اسی طرح جن مشرکوں سے معاہدہ ہو ان کی رضامندی کے بغیر ان کا مل لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ بغیر رضامندی کے ان کا مل لینا غدر اور عہد شکنی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عہد پورا کیا جائے اور اس میں غدر نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاہدہ ہونے کے بعد کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے اصحاب نے ہمارے کھیتوں میں سے سبزیاں اور لسن لے لیے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اس کا کوئی مل حق کے سوا لینا جائز نہیں ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج ۲ ص ۳۳، مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ، افغانستان ۱۳۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان دارالحرب (دارا کفر) میں تجارت کے لیے داخل ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی جانوں اور مالوں کے درپے ہو، کیونکہ وہ ان سے امان طلب کرنے کے بعد اس بات کا ضامن ہو گیا ہے کہ وہ ان کی جان اور مال میں

عرض نہیں کرے گا اور نہ امت کے بعد تعرض کرنا غدر (عہد شکنی) ہے اور غدر حرام ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۸۳، مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ بدر الدین عینی نے اس کی شرح میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳)

(البنایہ ج ۶ ص ۶۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۱ھ)

احادیث اور فقہاء کے ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ دارا کفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیوں نہیں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے۔

(آل عمران : ۷۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کا رد کیا ہے کہ ”ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہو گی“ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیوں نہیں ان کی اس پر گرفت ہو گی، عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عہد پورا کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے کہ جس شخص نے عہد پورا کیا اور عہد شکنی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔

عہد پورا کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ اطاعت و چیزوں میں منحصر ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت اور عہد پورا کرنا ان دونوں چیزوں پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے عہد پورا کرنے سے اس کے حکم پر عمل ہوتا ہے اور یہ اللہ کی تعظیم ہے اور عہد پورا کرنے سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مخلوق پر شفقت بھی ہے، اور جو شخص بندوں سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا وہ اللہ سے بھی کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا اور بندہ کا اللہ سے عہد یہ ہے کہ وہ اس کے تمام احکام پر عمل کرے اور اس کی عبادت بجالائے اور ان تمام کاموں سے باز رہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ اور بندوں سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا تو وہ کامل متقی بن جائے گا اور انہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں، ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (آل عمران : ۷۷)

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کے متعلق آیت کا نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے حلف اٹھایا تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال کھالے وہ جس وقت اللہ سے ملاقات کرے گا وہ اس پر غضبناک ہو گا، اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی : ان الذین یشترون بعہد اللہ وایمانہم ثمنًا قلیلًا

الایہ (آل عمران : ۷۷) پھر حضرت اشعث بن قیس آئے اور پوچھا حضرت ابو عبد الرحمن نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ انہوں نے بتایا اس طرح حدیث بیان کی ہے، انہوں نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی، میرے عم زاویہ زمین میں میرا کنواں تھا میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فرمایا تم اس کے ثبوت میں گواہ لاؤ، ورنہ پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ تو اس پر قسم کھالے گا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس قسم کے ذریعہ وہ مسلمان کامل کھالے وہ جب قیامت کے دن اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ امرء القیس اور حضرموت کے ایک شخص کے درمیان کوئی تنازعہ تھا، دونوں نے اپنا مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا آپ نے حضری سے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا، حضری نے کہا یا رسول اللہ! اگر اس نے قسم کھالی تو پھر یہ میری زمین لے لے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کامل کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضب ناک ہوگا، امرء القیس نے کہا : یا رسول اللہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود قسم نہ کھائے اور اپنا حق ترک کر دے اس کی کیا جزاء ہے؟ آپ نے فرمایا جنت! اس نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں قسم کو ترک کرتا ہوں، عدی نے کہا پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ)

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کی ہوئی کتاب کے ذریعہ جن لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کریں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام لائے ہیں ان کی تصدیق اور ان کا اقرار کریں گے، ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے، اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کو کامل کھاتے ہیں، اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا مال خریدتے ہیں، ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کی جو نعمتیں تیار کی ہیں، ان سے وہ محروم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسی بات نہیں کرے گا جس سے ان کو خوشی ہو اور نہ ان کی طرف رحمت کی نظر فرمائے گا اور نہ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک فرمائے گا اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کی سزا کا بیان

ہرچند کہ اس آیت کا شان نزول چند خاص لوگوں کے متعلق ہے لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں : جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں اور اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے، اس لیے ہر عہد شکنی کرنے والے اور مال دنیا کی خاطر جھوٹی قسم کھانے والے کا یہی حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی پانچ سزائیں بیان فرمائیں ہیں۔ (۱) ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲) آخرت میں اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔ (۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ (۴) ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا۔ (۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے، ان پانچوں وعیدوں کی تشریح حسب ذیل ہے :

(۱) ان کے لیے آخرت کی خیر اور نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں، معتزلہ اسی آیت سے استدلال کرتے تھے کہ عہد شکنی

کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اور جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور بغیر توبہ کے مر جائے وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم رہے گا بلکہ اس کو دائمی عذاب ہو گا ہمارے نزدیک یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور عدم عفو کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو دائمی عذاب دے گا یا اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے تو اس کو دائمی عذاب دے گا یا یہ آیت محض انشاء تخویف کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرانے کے لیے فرمایا فی الواقع ایسا نہیں کرے گا اور وعید کے خلاف کرنا عین کرم ہے یا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استحقاق بیان فرمایا ہے یعنی عہد شکنی اور جھوٹی قسم کھانے والے اس سزا کے مستحق ہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کو ضرور یہ سزا دے گا یا یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی یہ آیت کافروں کے ساتھ خاص ہے اور کافروں میں سے جو عہد شکنی کرے گا یا جھوٹی قسم کھائے گا اس کی یہ سزا ہوگی۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے کلام فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا :

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ (الاعراف : ۶)
فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۖ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الحجر : ۹۳-۹۴)
پس ضرور ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور ہم ضرور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔
سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ سوال بغیر کلام کے متصور نہیں ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا یہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ جو شخص کسی سے ناراض ہو وہ اس سے بات نہیں کرتا دو سرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کاملین اور اولیاء عارفین سے براہ راست اور بالمشافہ بات کرے گا اور کفار اور ساق اور فجار سے بالمشافہ بات نہیں کرے گا بلکہ فرشتوں کے وساطت سے بات کرے گا اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوشی سے بات نہیں کرے گا اور نہ ان سے ایسی بات کرے گا جس سے وہ خوش ہوں۔

(۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا : اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھے گا نہیں کیونکہ کائنات کی کوئی چیز اللہ سے اوجھل اور مخفی نہیں ہے بلکہ اس کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف محبت اور رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا : اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک اور صاف نہیں کرے گا بلکہ ان کے گناہوں کی ان کو سزا دے گا اور ان کو معاف نہیں کرے گا دو سرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے نیک بندوں کی تعریف اور ستائش کرے گا ان کی تعریف نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف فرشتوں کے واسطے سے بھی کرے گا اور بلا واسطہ بھی ان کی تعریف فرمائے گا فرشتوں کے واسطے سے یہ تعریف ہے :

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ
سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ
اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازہ سے (یہ کہتے ہوئے) ان پر داخل ہوں گے تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر۔
(الرعد : ۲۳-۲۴)

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نیک بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرمائی ہے :

التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ
الزَّائِعُونَ السَّاجِدُونَ الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ
وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبہ : ۳)

جو توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، مہلت کرنے والے ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، رکوہ کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، نیکی کا حکم دینے والے ہیں، برائی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مومنوں کو بشارت دیجئے۔

اور اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کی تعریف فرمائے گا :

سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبِّ رَحِيمٍ (یسس : ۳۶)

(۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے : پہلے چار امور میں اللہ تعالیٰ نے ان سے ثواب کی نفی کی ہے اور اس آخری امر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفِرِيقًا يُقَالُونَ أَلَسْنَاهُمْ بِالْكِتَابِ لَتَحْسِبُوهُ

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ کتاب (تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتا ہے تاکہ تم یہ گمان کرو کہ

مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ

یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے

اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ

(منزل) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (منزل) نہیں ہے اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَ

بولتے ہیں ○ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت

الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن

دُونَ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ

جاؤ، لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے

الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٤٩﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا

ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو ○ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں

الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا ۖ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ

اور نبیوں کو رب بنا لو ، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا

أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥٠﴾

حکم دے گا : ○

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود عہود اور مویشی کو توڑتے ہیں یہ بھی ان کی بڑی گمراہی اور معصیت تھی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زیادہ بڑی گمراہی اور بڑی معصیت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ بعض آیات کو چھپا لیتے ہیں اور بعض آیات اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے تھے اور اپنی طرف سے کلام گھڑ کر یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

”لی“ کا معنی اور تورات میں لفظی یا معنوی تحریف کی تحقیق

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

ابن جریر نے بیان کیا ہے ”لی“ کا معنی ہے کسی چیز کو مروڑنا اور پلٹ دینا جب کوئی کسی شخص کا ہاتھ مروڑ دے تو کہتے ہیں لوی یدہ اور جب کوئی پہلوان دوسرے پہلوان کی پشت زمین سے نہ لگا سکے تو کہتے ہیں ”لوی ظہر۔“

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱ مطبوعہ بیروت)

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

”لوی لسانہ“ (زبان مروڑنا) کذب اور من گھڑت باتیں کرنے سے کنایہ ہے۔

(المفردات ص ۴۵۷ مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

امام رازی لکھتے ہیں :

قل نے بیان کیا ہے کہ زبان مروڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی لفظ کو پڑھتے وقت اس کی حرکات اور اعراب میں

تبدیلی کر دیتے تھے جس سے اس کا معنی بدل جاتا تھا، عربی میں بھی اس کی بہت مثالیں ہیں، اسی طرح عبرانی میں بھی اس کی مثالیں ہیں، خاص طور پر تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ اس میں اس قسم کی تحریف کرتے تھے۔

لام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے، کیونکہ تورات کا متن مشہور تھا، اگر وہ اس میں لفظی تبدیلی کرتے تو سب لوگوں کو ان کی تحریف کا پتا چل جاتا، اور اس سے ان کی بجلی ہوتی اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ ان پر اعتراضات کرتے تھے اور ان کی باطل تلویل اور تشریح کرتے تھے اور ان آیات کے صحیح معنی پر شبہات واقع کرتے تھے۔

لام رازی کی علمی عظمت اور جلالت قدر کے ہم معترف ہیں اس کے بلوجود ہمیں ان کی اس تحقیق سے اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے، بعض اوقات وہ الفاظ بدل دیتے، بعض اوقات وہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر یہ کہتے کہ یہ اللہ نے فرمایا ہے اور بعض اوقات وہ بعض آیات کو چھپا لیتے یا تورات سے حذف کر دیتے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تورات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف شراب پینے اور زنا کرنے کی نسبت بیان کی گئی ہے حتیٰ کہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی، اور اس میں کوئی عاقل شک نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے، بلکہ ان کا خود ساختہ کلام ہے، ہم نے آل عمران کی آیت : ۳ کی تشریح میں ان محرف آیات کو باحوالہ بیان کیا ہے۔ نیز تورات میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کا صراحہ "بیان ہے جس کو انہوں نے تورات میں حذف کر دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوزًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِيزُ بَيْنَهُمُ الْقَتِيلَ وَيُحْذِرُهُمْ عَلَيْهِمْ الْخُفْيَةُ وَيَصْصَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : ۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور ان کو برائی سے روکتے ہیں، اور پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ہٹاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان پر (مشکل احکام کے) جو بوجھ اور طوق تھے ان کو اتارتے ہیں۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کفار پر بہت سخت ہیں، آپس میں بڑے نرم دل ہیں (اے مخالف!) تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کے چہوں میں (الفتح : ۲۹) ہے، ان کی یہ صفات تورات میں ہیں۔

یہود نے تورات میں سے سیدنا محمد ﷺ کا ذکر اور آپ کی ان صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح آپ کے اصحاب کا ذکر اور ان کی صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح اور بہت سے احکام کو چھپا لیا، اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ

اے اہل کتب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا جو تم سے بہت سی ایسی چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے اور

بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔

وَتَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ (المائدہ : ۱۵)

قرآن مجید کی جن آیتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے وہ حسب ذیل ہیں :

بعض یہودی اللہ کے کلموں میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ سے کہتے ہیں کہ) سینے در آں حالیکہ آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری باتیں سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر اور نہایت درست ہوتا، لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی تو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں اور جس (کلام) کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی وہ اس کے ایک بڑے حصے کو بھول گئے، بجز ان میں سے چند آدمیوں کے۔

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو (ہمارا تحریف کیا ہوا) یہ حکم دیا جائے تو اسے مان لو، اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرو۔

بے شک ان میں سے ایک فریق اللہ کا کلام سننے اور اس کو سمجھنے کے بعد اس میں دیدہ دانستہ تحریف کر دیتا تھا۔

مَنْ الَّذِي هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَارَاعِنَا لَيًّا بِالِاسْتِنْتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمًا وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء : ۴۶)

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ (المائدہ : ۴۳)

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا (المائدہ : ۴۱)

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

(البقرہ : ۷۵)

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ

(البقرہ : ۷۵)

فَقِيلَ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (البقرہ : ۷۹)

تو ظالموں سے جو قول کہا گیا تھا اس کو انہوں نے دوسرے قول سے تبدیل کر دیا۔

سو ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات کے علاوہ ہم نے امام ابن جریر طبری کے حوالے سے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں بھی اس پر دلیل ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقائی متوفی ۸۸۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں :

بعض اوقات وہ اس طرح تحریف کرتے تھے کہ مثلاً لا تقتلوا النفس الا بالحق کو الا بالحد پڑھتے، اصل آیت کا معنی تھا کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہو گیا کہ کسی شخص کو حد کے سوا قتل نہ کرو، اسی طرح من زنی فارجموہ کو فحجموہ پڑھتے تھے۔ اصل آیت کا معنی ہے جس نے زنا کیا اس کو رجم کرو۔

اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہو گیا جس نے زنا کیا اس کا منہ کالا کرو۔

(نظم الدرر ج ۲ ص ۳۷۳، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قاہرہ ۱۳۳۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ یہودی تحریف کئی قسم کی تھی بعض اوقات وہ زبان موڑ کر لفظ کو کچھ کا کچھ پڑھ دیتے تھے، جس سے معنی بدل جاتا تھا، جیسے راعنا کو راعینا پڑھ دیتے تھے، بعض اوقات آیات کو حذف کر دیتے اور احکام چھپا لیتے تھے، اور بعض اوقات آیات کو تبدیل کر دیتے تھے، بعض اوقات خود ایک مضمون تصنیف کر کے کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کے متعلق انہوں نے توہین آمیز واقعات لکھے ہیں اور بعض اوقات تورات کی آیت میں باطل تلویل کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت میں ہے :

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ : ۲۲)
اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔

اس تفصیل اور تحقیق سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہودی تورات کی آیات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے، بلکہ تورات کی آیات کے صحیح معنی اور درست محمل پر اشکالات اور خدشات وارد کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اپنی فصاحت اور بلاغت اور حلاوت اور جلالت کے اعتبار سے انسان کے کلام سے کسی صاحب فہم پر ملتبس اور مشتبہ نہیں ہو سکتا، البتہ عام لوگوں کو مغالطہ ہو سکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ تم یہ گمان کرو کہ یہ کتاب کا حصہ ہے، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ تحریف کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ان کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ (آل عمران : ۷۹)

اس آیت کے اہم الفاظ کے معنی حسب ذیل ہیں :

بشر کا معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں :

بشر انسان کو کہتے ہیں، واحد ہو یا جمع ہو اس کی جمع ابشار ہے، بشر کا معنی انسان کی ظاہری کھل ہے، اور کھل کو کھل سے ملانا مباشرت ہے، اور بشارت اور بشری کا معنی خوشخبری دینا ہے۔

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۶۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بشر، انسان اور آدمی میں فرق ہے، ظاہری کھل اور چہرے، مہرے کے اعتبار سے بشر کہتے ہیں، حقیقت کے اعتبار سے انسان کہتے ہیں اور نسل اور نسب کے اعتبار سے آدمی کہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

کھل کے ظاہر کو بشر کہتے ہیں اور کھل کے باطن کو آدمہ کہتے ہیں، انسان کو اس کی ظاہری کھل کے اعتبار سے بشر

ہتے ہیں کیونکہ جانوروں کی کھالوں پر بڑے بڑے ہل ہوتے ہیں یا اون ہوتا ہے، قرآن مجید میں جب انسان کے جسم اور اس کے ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے تو پھر اس پر بشر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا

اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔

(الفرقان : ۵۴)

بے شک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

إِنِّي خَلَقْتُ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ (ص : ۷۱)

کفار جب انبیاء علیہم السلام کی قدر و منزلت کو گھٹانا چاہتے تھے تو ان کو بشر کہتے تھے، قرآن مجید میں ہے :

فَقَالَ إِنَّ هَذَا آرَاءُ سِحْرٍ يُؤْتَرُ ۚ إِنَّ هَذَا

اس (کافر) نے کہا یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا

آ رہا ہے ○ یہ صرف ایک بشر کا قول ہے۔

إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر : ۲۵-۲۴)

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا تَرَاكَ

سو قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا : (اے نوح!) ہم

تمہیں اپنی مثل بشری دیکھتے ہیں۔

إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود : ۶۷)

انہوں (کافروں) نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔

قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا

(بنو اسرائیل : ۹۴)

قرآن مجید میں ہے آپ کہنے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انسان بشریت میں انبیاء علیہم السلام کے مساوی ہیں اور علوم و معارف اور اعمال حسنہ کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یوحی الہی ”میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“ کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ ہرچند کہ انبیاء علیہم السلام بشریت میں عام انسانوں کے مساوی ہیں لیکن وحی کی خصوصیت کی وجہ سے عام انسانوں سے متمیز ہیں۔ (عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں بشریت بہ منزلہ جنس ہے اور استعداد نزول وحی اور اوراک غیب، انبیاء علیہم السلام کے لیے بہ منزلہ فصل متمیز ہے، حواس اور عقل سے اوراک کرنا عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے جس سے وہ عالم شہادت میں اوراک کرتے ہیں اور عالم غیب کا اوراک کرنا، جنت اور فرشتوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا اور حامل وحی ہونا، یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے، اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے) :

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا

آپ کہنے کہ میں بشری ہوں تمہاری طرح (خدا نہیں ہوں)

مَجْهُودٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا

إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ (الکہف : ۱۱۰، حم السجدة : ۶)

حضرت جبرائیل جب حضرت مریم کے سامنے بشری صورت میں آئے تو فرمایا فَنَمَثِلُ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم :

۱۷) یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت جبرائیل بشری صورت میں آئے اور جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو اچانک بے

حجب دیکھا تو بے ساختہ کہا حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا (یوسف : ۳۱) یہاں مراد یہ ہے کہ مصر کی عورتوں نے حضرت

یوسف کو بہت عظیم اور بلند جانا اور ان کے جو ہر ذات اور حقیقت کو بشر سے بہت بلند سمجھا، بشارت اور مباشرت کے الفاظ

بھی اسی لفظ سے بنے ہیں جب انسان کوئی خوشخبری سنے تو اس کے چہرے کی کھل پر خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے، اس لیے

اس کو بشارت کہتے ہیں اور مباشرت میں مرد اور عورت اپنے جسموں کی کھل کو ملاتے ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست

کرتے ہیں، قرآن مجید اور احادیث میں ان دونوں لفظوں کا بھی استعمال ہے۔

(المفردات ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

حکم کا معنی

حکم کا معنی ہے شریعت کی فقہ (سمجھ) اور قرآن کی فہم اور اس کا تقاضا شریعت پر عمل کرنا ہے۔
علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سدی نے کہا اس سے مراد نبوت ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقائق قرآن کی فہم ہے، ابن زید نے کہا اس سے مراد اللہ کی آیات اور اس کی حکمتوں کو جانتا ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ علوم اور معارف ہیں جن سے اولوالعزم رسل مختص ہیں اور باقی انبیاء ان کے تابع ہیں۔ (المفردات ص ۳۸، مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالیمان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۵۵۳ھ لکھتے ہیں :

بعض علماء نے کہا حکم سے مراد یہاں سنت ہے، کیونکہ اس آیت میں کتب کے بعد حکم کا ذکر فرمایا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ حکم سے مراد یہاں قضاء ہے یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تدریجاً مراتب کا ذکر فرمایا ہے پہلے کتاب کا ذکر فرمایا جس سے علم حاصل ہوتا ہے، پھر اس سے ترقی کر کے قضا کا ذکر فرمایا کیونکہ جب انسان کو علم میں مہارت تامہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے، پھر اس کے بعد سب سے بلند مرتبہ کا ذکر فرمایا جو نبوت ہے اور تمام خیرات کا مجمع ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۳۴ھ)

اس تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان پہلے عالم بنتا ہے پھر قاضی بن جاتا ہے پھر نبی بن جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے نبی بنانا ہوتا ہے اس کو ایسی صفات مخصوصہ کے ساتھ پیدا کرتا ہے جو نبی کے لیے ضروری ہیں، پھر پہلے مرتبہ میں اس کے علم کو ظاہر فرماتا ہے، پھر اس کی قضاء کے مرتبہ کو ظاہر فرماتا ہے پھر اس کو مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور اس کو اعلان نبوت کا حکم دیتا ہے۔

ربانین کا معنی

ربانین کا واحد ربانی ہے، یہ رب کی طرف منسوب ہے، اسی طرح مولوی وہ شخص ہے جو مولا کی طرف منسوب ہے، اس کا معنی ہے مولا والا، اسی طرح ربانی کا معنی ہے رب والا، ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو علم کے تقاضوں پر ہمیشہ عمل کرے۔ فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات پر عامل ہو اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو، جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”ربانین بن جاؤ۔“ (آل عمران : ۷۹) کی تفسیر میں فرمایا : حکماء، علماء اور فقہاء بن جاؤ، ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو بڑے علوم (حقائق اور دقائق) سے پہلے چھوٹے علوم (مسائل) کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

ربانی، ربان کی طرف منسوب ہے ربان عطشان اور سکران کی طرح صفت مشبہ ہے، بعض نے کہا یہ رب کی طرف

منسوب ہے جو شخص علوم کی تعلیم دے وہ ربانی ہے، بعض نے کہا جو شخص علم سے اپنے نفس کی تربیت اور اصلاح کرے وہ ربانی ہے، بعض نے کہا یہ رب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس میں نون زائد ہے جیسے جسمانی میں نون زائد ہے، سو ربانی مولوی کی طرح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس امت کا ربانی ہوں، اس کی جمع ربانیوں ہے۔

(المفردات ص ۱۸۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۲ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو رب کے دین کا عالم ہو اور اپنے علم کے مطابق عمل کرے، کیونکہ جب وہ علم کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ عالم نہیں ہوگا، ابو رزین نے کہا ربانی عالم حکیم کو کہتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ربانین حکماء علماء ہیں، ابن جریر نے کہا حکماء اتقیاء ہیں، ضحاک نے کہا کسی شخص کو بھی قرآن مجید حفظ کرنے میں مشقت کو ترک کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن تم ربانی بن جاؤ، ابن زید نے کہا ربانین حکام اور احبار اور علماء ہیں، مجاہد نے کہا ربانین کا مرتبہ احبار سے زیادہ ہے، نحاس نے کہا ربانی وہ عالم ہے جو سیاست پر نظر رکھتا ہو، ابو عبیدہ نے کہا ربانی وہ شخص ہے جو حلال اور حرام اور امر اور نہی کا عالم ہو اور اس امت کی خبروں اور ماکلن و مایکون کا عارف ہو، جس دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس پر اللہ عز و جل کا یہ حق ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرے اور دین میں تفقہ حاصل کرے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا لیکن ربانین بن جاؤ۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی تحریف کو بیان فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اہل کتاب کی عادت اور ان کا طریقہ کتاب میں تحریف اور تبدیل کرنا ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کی من جملہ تحریفات میں سے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے خدا ہونے کے دعویٰ دار تھے اور وہ اپنی امت کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تھے حالانکہ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو رافع قرطبی نے کہا جب نجران کے احبار یہود اور علماء نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا اے محمد! (ﷺ) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی تھی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دینے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی :

کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ لٹل کتب کا ایک گروہ اپنی کتب کی تحریف کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی جعلیت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار العرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً "ممتنع" ہے

ہم نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا عقلاً ممکن نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مجھے معبود بنا لو، اور اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے یعنی حرام ہے تو اس سے عیسائیوں کی تکذیب نہیں ہوگی مثلاً ایک شخص کسی کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے اور آپ یہ کہیں کہ شراب پینا تو حرام ہے اس سے اس کے دعویٰ کی تکذیب نہیں ہوگی، اس کے دعویٰ کی تکذیب اس وقت ہوگی جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ شراب پینا اس کے لیے عقلاً ممکن ہی نہیں ہے، اس آیت کی نظیر درج ذیل آیات ہیں :

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ (مريم : ٣٥)

اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُبْنُوا شَجَرًا هَا

تمہارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم (ازخود) بانوں کے

(النمل : ۶۰) درخت اگاتے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

اللہ کے لذن کے بغیر کسی نفس کے لیے مرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ کے لڑن کے بغیر کسی نفس کے لیے مرنا ممکن نہیں ہے۔

(آل عمران : ۱۳۵)
 اسی نسخ پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے : کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ اس امتناع عقلی پر حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ کرتا ہے، اور اپنے صدق پر معجزہ کو پیش کرتا ہے، اگر وہ خود الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت باطل ہو جائے گی اور لازم آئے گا کہ وہ صادق ہو اور صادق نہ ہو اور یہ محل ہے۔ معجزہ کے اظہار کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صادق ہو اور الوہیت کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ وہ صادق نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۲) اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو اللہ اس کی شہ رگ کو کاٹ دے گا اور ماضی کے واقعات شہید ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۚ لَا خَافُنَا مِنْهُ بِالْأَيْمِينِ ۚ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۚ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝

اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا افتراء باندھتا ۝ تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ۝ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ۝ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔

اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا انفریاء پاندھتا تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ○ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ○ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔

(الحاقه : ۴۷-۴۴)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کرتا تو وہ مغلوب ہو جاتا، اور اس دوسری آیت میں فرمایا :

کَتَبَ اللَّهُ لَا عِلْبِينَ أَنَا وَرَسُولِي ط

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بہ ضرور

(المجادلہ : ۲۱) غالب ہو کر رہیں گے۔

سو اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ پر افتراء باندھے تو لازم آئے گا کہ وہ مغلوب ہو اور مغلوب نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محل عقلی ہے۔

(۳) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں کہ ان صفات کے ساتھ الوہیت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو کتب اور وحی عطا فرماتا ہے اور کتب اور وحی صرف نفوس طاہرہ اور ارواح طیبہ کو ہی دی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ - اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام : ۱۲۴)

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمَنْ - اللہ چن لیتا ہے رسولوں کو فرشتوں میں سے اور انسانوں میں

سے۔

التَّائِس (الحج : ۷۵)

اور نفس طاہرہ سے اس قسم کا دعویٰ متنع ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی دو قوتیں ہیں نظری اور عملی اور جب تک قوت نظریہ علوم اور معارف حقیقہ کے ساتھ کامل نہ ہو اس وقت تک قوت عملیہ اخلاق ذمہ سے طاہر نہیں ہوتی، اور نہ اس میں وحی اور نبوت کے قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا مکمل الوہیت کا دعویٰ کرنے سے مانع ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے کسی بندہ کو نبوت اور رسالت سے مشرف فرماتا ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ بندہ اس قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۸۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ کفر ملت واحدہ ہے

بعض مفسرین نے کہا اس کا فاعل سیدنا محمد ﷺ ہیں، یعنی نہ محمد تم کو یہ حکم دیں گے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، بعض نے کہا اس کا فاعل حضرت عیسیٰ ہیں اور بعض نے کہا اس کا فاعل انبیاء ہیں، اس آیت میں فرشتوں اور نبیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ صابئین فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور بعض اہل کتب حضرت عزیر کی اور بعض حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

نیز اس میں فرمایا ہے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونا زیادہ قبیح ہے، کیونکہ کفر کا حکم دینا ہر حال میں مذموم ہے، اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے، کیونکہ جنہوں نے فرشتوں کو رب بنایا وہ صابئین اور بت پرست تھے، اور جنہوں نے نبیوں کو رب بنایا وہ یہود، نصاریٰ اور مجوس تھے اس اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو کافر فرمایا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ

اور (اے رسول) یاد کیجیے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ

تھائے پاس وہ عظیم رسول آجائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر یقین رکھو

بِهِ وَلِتُنصِرُنَّهُ ۚ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ

ایمان لانا اور ضرور ہمدردان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول

إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا وَقَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ

کر لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں

الشَّاهِدِينَ ۚ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

میں سے ہوں ۝ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ

الْفَاسِقُونَ ۝۸۲ أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ

نافرمان ہیں ۝ کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طُوعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝۸۳

اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے

رابط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سورت کے شروع سے اب تک جتنی آیات ذکر کی گئی ہیں ان میں اہل کتاب کی تحریفات اور خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کے جو اوصاف ذکر کیے گئے تھے ان کو چھپایا یا ان کو تبدیل کر دیا اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو اس تحریف اور خیانت سے منع کیا جائے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے پر برا لگیجے کیا جائے، زیر تفسیر آیت میں بھی اس مقصود کی تاکید کی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں یا بعثت کے بعد بذریعہ وحی یہ ميثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے گا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور آپ کی مہمات میں آپ کی نصرت اور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لینے کے بعد اس کی تاکید کے

لیے ان سے صراحتہ "اقرار کرایا پھر اس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا تم سب اس پر گواہ رہنا اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں" پھر اس کے بعد فرمایا "پھر اس کے بعد جو عہد سے پھر وہی لوگ نافرمان ہیں" اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی طرف متوجہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد اس عہد سے پھر انبیاء علیہم السلام سے متصور نہیں ہے، اور چونکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر اس امت کے زمانہ میں وہ نبی امی مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہو گا کہ وہ اس نبی امی پر ایمان لے آئیں جس نبی کی امت نے بھی اس عہد سے روگردانی کی وہ فاسق اور نافرمان ہوگی۔ علامہ سید محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو یعنی بہ فرض محال اگر نبیوں میں سے بھی کوئی اس عہد سے پھر تو وہ بھی فاسق ہو جائے گا اور اس میں ان کی امتوں سے تعریضاً خطاب ہے یعنی صراحتہ "انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد اور کنایتہ" ان کی امتوں کی طرف اسناد ہے، جیسا کہ اس آیت میں ہے : (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (الزمر : ۶۵)

اگر آپ نے (بہ فرض محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور البتہ آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

لیکن راجح یہی ہے کہ یہ کلام امتوں کی طرف متوجہ ہے، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : اے محمد! (ﷺ) تمام امتوں میں سے جو شخص بھی اس عہد کو پکا کرنے کے بعد پورا نہیں کرے گا تو وہ فاسق ہوگا۔ تمام نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کے میثاق کی تحقیق اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اہل کتاب سے لیا تھا، یا نبیوں سے ایک دوسرے کی تصدیق کے متعلق لیا تھا یعنی ہر نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے یا تمام نبیوں سے سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے کا پختہ عہد اور میثاق لیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں : سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس میثاق کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے لیا یعنی جب ان کی قوم کے پاس سیدنا محمد ﷺ آجائیں تو وہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ کی نبوت کا اقرار کریں۔

قلوہ نے اس کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ بعض نبی بعض دوسرے نبیوں کی تصدیق کریں اور اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کریں، پھر انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کی اور اپنی امتوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔ لیکن راجح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں یا بذریعہ وحی یہ عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ میں سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہو گئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عز و جل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد (ﷺ) مبعوث ہو گئے تو وہ ضروبہ ضرور اس پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور اس کی نصرت کرے گا اور پھر وہ نبی اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیتا تھا۔

سہی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ میثاق لیا کہ وہ سیدنا محمد (ﷺ) پر ایمان لائے گا اور ان کی نصرت کرے گا بہ شرطیکہ وہ اس وقت زندہ ہو ورنہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لیتا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں وہ مبعوث ہو جائیں تو وہ ان پر ایمان لائیں، ان کی تصدیق کریں اور ان کی نصرت کریں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۹-۲۴۱، ملقطاً مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اگر یہ شبہ ہو کہ اس آیت میں ان انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کا ذکر ہے جن پر کتب نازل کی گئی ہے اور وہ صرف تین سو تیرہ رسول ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام نبیوں سے یہ میثاق لیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے جن نبیوں پر کتب نازل نہیں کی گئی وہ بھی ان نبیوں کے حکم میں ہیں جن پر کتب نازل کی گئی ہے کیونکہ ان کو نبوت اور حکمت دی گئی ہے، نیز جن انبیاء علیہم السلام کو کتب نہیں دی گئی ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ سابق نبی کی کتب پر عمل کریں، نیز اس آیت میں کتب اور حکمت سے مراد دین ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور توحید، نبوت، تقدیر، قیامت، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حشر و نشر، حلب و کتب اور جزا و سزا پر ایمان رکھنے میں تمام نبی ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ البتہ شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا تمام انبیاء علایٰ بھائی ہیں ان کی مائیں (شرائع) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۳۸ھ)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں نے جس دین کو پیش کیا اور اللہ کی طرف سے جو پیغام سنایا سیدنا محمد (ﷺ) اور قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی، اس لیے تمام نبیوں اور ان کی امتوں پر یہ واجب تھا کہ اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے۔

سیدنا محمد (ﷺ) کی نبوت کا عموم اور شمول

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام سیدنا محمد (ﷺ) کی تقدیراً امت ہیں اور ہم آپ کی تحقیقاً امت ہیں، اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو آپ پر ایمان لانا اور آپ کی نصرت کرنا ان پر ضروری تھا اور ہم آپ پر بالفعل ایمان لائے ہیں، نیز قرآن مجید میں ہے :

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا
وَنَذِيرًا (سبا : ۲۸)

اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے درآں حالیکہ آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا مجھے تمام نبیوں پر چھ اوصاف کی وجہ سے فضیلت

ہی کی ہے، مجھے جوامع الکلم دیئے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے مل غنیمت حلال کر دیا گیا، اور تمام روئے زمین کو میرے لیے ملکہ تیمم اور مسجد بنادیا گیا، اور مجھے تمام مخلوق کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک (حضرت) موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام بو یعلیٰ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۲۲۷-۲۲۸، مطبوعہ بیروت) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۰۰، مطبوعہ بیروت)

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بزار کی سند میں جابر جعفی ہے وہ ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں قاسم بن محمد اسدی ہے اس کا حال مجھے معلوم نہیں، البتہ سند کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۳)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام احمد، امام دیلمی اور امام ابو نصر بجزی کے حوالوں سے درج کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۱۳۷، مطبوعہ ایران)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

بعض احادیث میں ہے اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا، سو سیدنا محمد ﷺ دانا قیامت تک کے لیے رسول اور خاتم النبیین ہیں، آپ جس زمانہ میں بھی مبعوث ہوتے تو آپ ہی امام اعظم ہوتے، اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کی اطاعت مقدم اور واجب ہے، یہی وجہ ہے جب سب نبی مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے تو آپ ہی نے سب کی امامت فرمائی اور جب اللہ عز و جل میدان حشر میں اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا تو آپ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کریں گے، اور مقام محمود صرف آپ ہی کے سزاوار ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ بیروت)

حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہو گا، حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء اور مرسلین آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، تمام رسولوں کی آپ قیادت فرمائیں گے، تمام اولین و آخرین میں آپ مکرم ہوں گے، آپ ہی کوڑ کے سلق ہوں گے، سب سے پہلے آپ شفاعت کریں گے آپ کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی اور دخول جنت کا افتتاح آپ سے ہو گا!

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں عارفین نے کہا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ ہی نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے ماسوا تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے تابع ہیں۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۰، مطبوعہ بیروت)

شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۳۹۷ھ لکھتے ہیں :

باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقق معنی خاتمت پر موقوف ہے۔ (تخذیر الناس ص ۳۹، مطبوعہ کراچی)

واسطہ فی العروض اس واسطہ کو کہتے ہیں جو وصف کے ساتھ حقیقتہً "متصف ہو اور موصوف بالذات ہو اور ذوالواسطہ اس وصف کے ساتھ مجازاً "متصف ہو مثلاً جب کشتی چل رہی ہو تو کشتی حرکت کے ساتھ حقیقتہً "متصف ہے" اور کشتی میں بیٹھا ہوا شخص کشتی کے واسطہ سے مجازاً "حرکت کے ساتھ متصف ہے" حقیقتہً "حرکت کے ساتھ متصف نہیں ہے اگر سیدنا محمد ﷺ کو وصف نبوت کے لیے واسطہ فی العروض قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ باقی انبیاء علیہم السلام نبوت کے ساتھ مجازاً "متصف ہوں اور آپ حقیقتہً "متصف ہوں آپ حقیقی نبی ہوں اور باقی انبیاء مجازاً" نبی ہوں اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے :

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ رُسُلِهِ (البقرہ : ۲۸۵) ہم رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

اس لیے تحقیق یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اور باقی انبیاء علیہم السلام سب حقیقی نبی ہیں اور آپ باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے واسطہ فی الثبوت ہیں غیر سفیر محض ہیں، یہ اس واسطہ کو کہتے ہیں جس میں واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں وصف کے ساتھ حقیقتہً "متصف ہوں" پہلے واسطہ متصف ہو اور پھر ذوالواسطہ متصف ہو جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم حرکت کرے تو قلم کی حرکت ہاتھ کے واسطے سے ہے لیکن دونوں حرکت کے ساتھ حقیقتہً "متصف ہیں پہلے ہاتھ حرکت کرتا ہے اور پھر اس کے واسطے سے قلم حرکت کرتا ہے سو اسی طرح پہلے سیدنا محمد ﷺ نبوت کے ساتھ متصف ہوئے پھر آپ کے واسطے سے باقی انبیاء نبوت کے ساتھ متصف ہوئے اور سیدنا محمد ﷺ اس اقصاف میں واسطہ فی الثبوت غیر سفیر محض ہیں اور آپ اور باقی انبیاء حقیقی نبی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹتے جائیں گے۔ (آل عمران : ۸۳)

زمینوں اور آسمانوں اور تمام مخلوق کی اطاعت کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر یہ واجب اور لازم کر دیا ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائیں، لہذا ثابت ہوا کہ اللہ کا دین سیدنا محمد ﷺ کا لایا ہوا دین ہے، اور جو شخص اس دین کو ناپسند کرے گا وہ اللہ کے دین کو ناپسند کرے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے فرمایا : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ اور کسی دین کو تلاش کرتے ہیں، اس کے بعد فرمایا : حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے اس کے لیے اسلام لائی، اسلام کا اصطلاحی معنی ہے : سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو ماننا، قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا، اور اسلام کا لغوی معنی ہے : اطاعت سے سر تسلیم خم کرنا اور یہاں لغوی معنی مراد ہے، آسمانوں اور زمینوں پر مخلوق نے خوشی یا ناخوشی سے اس کی اطاعت کی، اس اطاعت کا معنی لام رازی نے یہ بیان فرمایا ہے:

اللہ سبحانہ کے ماسوا ہر چیز ممکن لذات ہے اور ہر ممکن اپنے وجود اور عدم میں اس کا محتاج ہے اور اپنے وجود اور عدم میں اللہ کا محتاج ہونا یہی اس کے اطاعت گزار ہونے کا معنی ہے کہ اس کے ایجا کرنے سے ممکن موجود ہو جائے اور اس کے فنا کرنے سے ممکن معدوم ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی ہر مخلوق اپنے وجود اور عدم میں اللہ کی اطاعت گزار ہے اور

جو اللہ تعالیٰ نے صبر کر دیا ہے کہ سب اسی کے اطاعت گزار ہیں، اس کا معنی ہے کہ اللہ ہی خلاق واحد ہے اس کے سوا اور کوئی نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو فنا کر سکتا ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں کا بھی یہی معنی ہے۔
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طٰوْعًا وَكَرْهًا (الرعد : ۱۵)
اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔

وَلَا يَنْفَعُ مَنْ شَعِيَ اِلَّا يَسْبَحُ بِحَمْدِهِ وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل : ۲۳)
اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

امام رازی نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کی اطاعت کی تفسیر ان کے امکان اور احتیاج سے کی ہے یہ بہت عمدہ تفسیر ہے تاہم یہ کہنا بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان تمام مخلوق کا جو تکوینی نظام بنایا ہے وہ سب خوشی یا ناخوشی سے اس نظام کے مطابق عمل کر رہے ہیں، کواکب سیارہ کی گردش، مہر و ماہ کا طلوع اور غروب، زمین کی حرکت، بارش کا ہونا، سمندروں اور دریاؤں کی روانی، نباتات کی روئیدگی، طوفانوں کا اٹھنا، زلزلوں کا آنا اور ہر ذی روح کا مقررہ وقت پر پیدا ہونا اور مرجانا، تمام جواہر، موالید اور عناصر اس تکوینی نظام کے تحت اپنا اپنا کام خوشی یا ناخوشی سے انجام دے رہے ہیں۔

انسان کے جسم کی رگوں میں خون گردش کر رہا ہے، انسان غذا کو کھا کر حلق کے نیچے اتار لیتا ہے پھر اس کھائی ہوئی غذا کو خون، گوشت اور ہڈیوں میں منتقل کرنے کے لیے اس کے جسمانی اعضاء اس تکوینی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں۔ دل، ہسپھرے، جگر اور معدہ ایک مقررہ وقت تک یہ کام انجام دیتے رہتے ہیں، غرض انسان کے باہر جو پھیلی ہوئی کائنات اور عالم کبیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ اور انسان کے اندر جو عالم صغیر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے کوئی چیز اس کی اطاعت سے باہر نہیں ہے، ایک درمیان میں یہ خاک کا پتلا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے کر انسان بنا دیا پھر اس کو یہ موقع دیا کہ وہ عالم کبیر کو اللہ کا اطاعت گزار دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرے یا خود اپنے نفس اور عالم صغیر میں جھانک کر دیکھ لے اور اس سے نصیحت حاصل کرے۔ جب اس کا اپنا نفس اور کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی سے باہر نہیں ہے تو وہ خود اس کے حضور اطاعت سے سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتا!

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاَفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَنْبَغِيْنَ لَهُمْ اَنْهُ الْحَقُّ (حَم السجدة : ۵۳)
عنقریب ہم عالم کے اطراف میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں حتیٰ کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یقیناً وہی (قرآن) حق ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات : ۲۱-۲۰)
اور زمین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں کیا تم (ان سے) بصیرت حاصل نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کے خوشی یا ناخوشی سے اطاعت گزار ہونے کے دو معنی ہیں ایک وہ جو لام رازی نے بیان فرمایا کہ ہر مخلوق کا اپنے وجود اور عدم میں اللہ تعالیٰ کا محتج ہونا اس کی اطاعت گزاری ہے اور دوسرا

وہ معنی جو ہم نے بیان کیا کہ تمام ممکنات کا اللہ تعالیٰ کے ہتھے ہوئے حکومتی نظام کے تحت خوشی یا ناخوشی سے کام کرنا اس کی اطاعت گزاری ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اٰبَرٰهِيْمَ

آپ کیسے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور

وِاسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ وَمَا اُوْتِيَ

اسحق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور

مُوسٰى وَعِيسٰى وَالتِّيْسُوْنَ مِنْ تَرٰثِهِمْ لَا نَفَرَقُ بَيْنَ

عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم (ایمان لانے میں) ان میں سے

اَحَدٍ مِنْهُمْ زَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۸۴ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں ۝ اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْاۤ اَبْعَدَ اِيْمَانِهِمْ

میں سے ہو گا ۝ اللہ اس قوم کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے

وَشَهِدُوْا اَنَّ الرّٰسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا

حالانکہ وہ لوگ (پہلے) یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۸۶ اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمُ

کو ہدایت نہیں دیتا ۝ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی

لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۷ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ۝ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے

لَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے

كَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾

جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے

زیر تفسیر آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ میثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ جب ان کے پاس وہ رسول آجائیں جو ان پر نازل کی ہوئی کتابوں اور ان کے دین کی تصدیق کریں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس رسول پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے : ”آپ کہئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا“ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد ﷺ ہی وہ رسول ہیں جن پر ایمان لانے کے متعلق نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا تھا اور آپ کے زمانہ میں جس قدر اہل کتاب تھے ان سب پر ضروری تھا کہ وہ آپ پر ایمان لاتے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ اس آیت سے متصل پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟

اور اللہ تعالیٰ نے اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کس دین کو اختیار کیا جائے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلایا کہ جو کتاب سیدنا محمد ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء پر جو کتابیں اور احکام نازل کئے گئے تھے ان سب پر ایمان لانا یہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔ (آل عمران : ۸۴)

”آپ کہئے“ یہ واحد کا صیغہ ہے اور ”ہم اللہ پر ایمان لائے“ یہ جمع کا صیغہ ہے، یہ ظاہریوں ہونا چاہئے تھا ”آپ کہئے“ میں اللہ پر ایمان لایا“ اس خلاف ظاہر اسلوب کی وجہ یہ ہے کہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کی طرف پیغام لانے والے صرف واحد ہیں اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں، اس لیے پہلے صیغہ واحد سے خطاب کر کے فرمایا آپ کہئے۔ پھر ہم اللہ پر ایمان لائے۔“ صیغہ جمع کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ اس پیغام پر ایمان لانے کے صرف آپ مکلف ہیں، بلکہ تمام امت اس کی مکلف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واحد کا صیغہ تواضع، انکسار اور عاجزی کے اظہار کے لیے لاتے ہیں اور جمع کا صیغہ تعظیم اور اجلال کے لیے لاتے ہیں اور اللہ کے سامنے آپ متواضع اور منکسر ہیں اس لیے واحد کا صیغہ سے فرمایا آپ کہئے اور امت کے سامنے آپ معظم اور مکرم اور صاحب جلال ہیں، اس لیے فرمایا آپ امت سے ہم اللہ پر ایمان لائے، جیسے امراء اور حکام، عوام کے سامنے خود کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور ہم اس پر ایمان لائے) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور ہیشیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ (آل عمران : ۸۴)

انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے کا مفہوم

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۷۲۶ھ لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان پر کس طرح ایمان لایا جائے، بعض علماء نے یہ کہا کہ جب ان کی شریعت منسوخ ہو گئی تو ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی، اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ انبیاء اور رسل تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ اب انبیاء اور رسل ہیں اور بعض علماء نے یہ کہا کہ ان کی شریعت کا منسوخ ہونا ان کی نبوت کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اب بھی انبیاء اور رسل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۸۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ میں تحقیق دوسرا قول ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء سابقین اب بھی نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں، ہر چند کہ اب وہ کتابیں بعینہ باقی نہیں ہیں اور اہل کتب نے ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔ یہ آیت سورہ بقرہ میں بھی ہے وہاں پر ارشاد ہے :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ
رسول اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی
(البقرہ : ۲۸۵) جانب سے نازل کیا گیا۔

اور یہاں ارشاد ہے :

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا
آپ کہئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا
(آل عمران : ۸۴) گیا۔

سورہ بقرہ میں ”الی“ کا لفظ ہے اور یہاں ”علی“ کا لفظ ہے۔ ”الی“ کا معنی اللہ کی طرف سے اور ”علی“ کا معنی رسول پر ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ کا کلام اور اس کی کتابیں اللہ کی طرف سے رسول پر نازل ہوتی ہیں سورہ بقرہ میں اللہ کی جانب کا اعتبار کیا اور فرمایا جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور یہاں رسول کا اعتبار کیا اور فرمایا اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں منزل اور دوسری آیت میں منزل علیہ کا اعتبار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہم ایمان لانے میں ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔
اس میں یہود کی طرف تعریض ہے کہ وہ بعض نبیوں پر ایمان لاتے تھے اور بعض پر ایمان نہیں لاتے تھے، اس کے برعکس ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور نفس نبوت میں کسی نبی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔
(آل عمران : ۸۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہم مسلمان ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر حج کرنے کا حکم نازل کیا، مسلمانوں نے حج کر لیا اور کفار بیٹھے رہے۔

نیز اس آیت نے درج ذیل آیت کے مفہوم کو منسوخ کر دیا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى
وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يُحْزَنُونَ (البقرہ: ۶۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور
نصاری اور صابئین جو بھی اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس
نے نیک عمل کیے تو ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے نہ ان پر
کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور صابئین کا دین بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین اللہ کے نزدیک ہرگز قبول نہیں ہو گا، اور سورہ بقرہ کی
ظاہر آیت سے جو مفہوم نکل رہا تھا اس کو اس آیت سے منسوخ فرمادیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کا بیان

علامہ ابوالحیاء اندلسی اور بعض دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلام سے مراد یہاں اسلام کا لغوی معنی ہے یعنی ظاہری
اطاعت اور فرمانبرداری، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد اسلام کا شرعی اور اصطلاحی معنی ہے یعنی وہ عقائد اور احکام
جن کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور جس دین کی آپ نے تبلیغ کی۔

امام رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف ہیں کیونکہ اگر ایمان اسلام کا غیر ہو تو
لازم آئے گا کہ پھر ایمان غیر مقبول ہو۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ
کوئی اور دین مقبول نہیں ہے، اس لیے یہ جائز ہے کہ ایمان سے مراد عقائد اور احکام کی تصدیق ہو اور اسلام سے مراد ان
عقائد کا اقرار اور ان احکام پر عمل کرنا ہو، تاہم صحیح یہی ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں اور دونوں سے مراد ان
عقائد اور احکام کی تصدیق ہے جن کے ساتھ نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا، البتہ درج ذیل آیت میں اسلام کا لغوی معنی یعنی
اطاعت کرنا مراد ہے: (تفسیر کبرج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ
قُولُوا أَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴)

دہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے، آپ کہئے تم ایمان نہیں
لائے لیکن کہو ہم نے اطاعت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسلام قبول نہ کرنے کے نقصان کا بیان

نقصان کا معنی ہے اصل مال کا ضائع ہو جانا، اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اس فطرت سلیمہ کو ضائع کر دیا
جس پر وہ پیدا کیا گیا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے
میں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں جیسے جانور سے مکمل جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو!
اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶، ۳۳۷، مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کی صلاحیت رکھتا ہے اور آخرت کی فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس یہی اصل سرمایہ ہے اور جب اس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کر لیا تو اس نے اپنے اصل سرمایہ کو ضائع کر دیا اور اب اس کے پاس اخروی کامیابی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اب وہ آخرت میں ثواب سے محروم ہو گا اور عذاب میں مبتلا ہو گا، اسے اسلام قبول نہ کرنے کا افسوس ہو گا اور دوسرے لوہان کے احکام پر عمل کرنے کی مشقت اٹھانے کی وجہ سے پشیمانی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی، حالانکہ وہ لوگ پہلے یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
(آل عمران : ۸۶)

زیر تفسیر آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :
عکرمہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایک شخص مسلمان ہوا، پھر مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ لاحق ہو گیا، پھر وہ تادم ہوا اور اس نے اپنی قوم کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھیجا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی۔ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے۔ ان کی قوم نے ان کو پیغام بھیجا، پھر وہ مسلمان ہو گئے۔
مجاہد نے بیان کیا کہ حارث بن سويد آئے اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے، پھر حارث دوبارہ کافر ہو کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے، تب اللہ عز و جل نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں، ان کی قوم کے ایک شخص نے ان کے سامنے ان آیات کو پڑھا، حارث نے کہا بے شک تم نے سچ کہا، اور بے شک رسول اللہ ﷺ تم سے زیادہ صلوٰۃ ہیں اور بے شک اللہ عز و جل تینوں میں سب سے زیادہ صادق ہے، حارث دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔

حسن بصری نے کہا یہ آیتیں یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں، جو اپنی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کی صفات پڑھتے تھے اور ان کا اقرار کرتے تھے اور ان کے حق ہونے کی شہادت دیتے تھے اور جب آپ ان کے علاوہ دوسری قوم سے مبعوث ہو گئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اور آپ کا اقرار کرنے کے بعد آپ کا کفر کیا۔

ایک اور سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنی آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کا ذکر پڑھتے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے اور جب آپ مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

امام ابو جعفر نے کہا ان اقوال میں حق کے زیادہ مشابہ اور آیات قرآن کے زیادہ قریب وہ قول ہے جو حسن بصری سے منقول ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کے راستوں کو پیدا کیا اور انسان کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ خیر اور شر کو متمیز کر سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی معرفت اور اپنے پسندیدہ اعمال کی طرف رہنمائی کرنے اور ناپسندیدہ اعمال سے روکنے کے لیے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو نازل کیا اور ان کی توضیح اور تشریح کے لیے ہر دور میں علماء ربانین اور مجددین کو پیدا فرمایا۔ درج ذیل آیات میں اس امر پر روشنی پڑتی ہے :

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝
وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد : ۱۰-۸)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ۝ اور زبان اور دو ہونٹ ۝ اور ہم نے اسے (خیر اور شر کے) دو واضح راستے دکھا دیے۔

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ۝ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ (القیامہ : ۱۵-۱۴)

بلکہ انسان خود اپنے اوپر شاہد ہے ۝ خواہ وہ اپنے تمام عذر (بھی) پیش کر دے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا
(بنو اسرائیل : ۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں حتیٰ کہ ہم رسول بھیج دیں۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ نے خیر اور شر کو متمیز کرنے کے لیے انسان کو عقل اور شعور عطا کیا اور اپنی معرفت اور اپنے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے رسول بھیجے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عام ہدایت ہے جو اس نے ہر انسان کو عطا کی ہے اور کوئی شخص اللہ کے خلاف یہ حجت نہیں پیش کر سکتا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت نہیں دی اس لیے وہ معذور ہے۔

مرتدوں کو ہدایت نہ دینے کے اشکل کے جوابات اور بحث و نظر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے : ”اللہ اس قوم کو کیونکر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی“ حالانکہ پہلے یہ لوگ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

اس آیت پر یہ اشکل وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان ظالمین اور مرتدین کو ہدایت نہیں دی تو پھر ان کا دوبارہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا اور توبہ نہ کرنا اور اپنے کفر اور ارتداد پر برقرار رہنا کیوں کر لائق مذمت اور باعث عذاب ہو گا! امام رازی نے معتزلہ کی طرف سے اس اشکل کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ہدایت سے مراد وہ الطاف اور عنایات ہیں جو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ مومنین کو عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت میں مزید ترقی عطا فرماتا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے :

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت : ۲۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھا دیں گے اور بے شک اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا

(مریم : ۷۶) ہے۔

یَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَ
يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (المائدہ : ۲۱)

اللہ اس (رسول اور کتاب) کے ذریعہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو سلامتی کی راہوں کی اتباع کرتے ہیں، اور ان کو اپنے لُؤن سے تاریکیوں سے نکل کر نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں کو اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں پر وہ الطاف اور عنایت نہیں فرماتا جو ہدایت یافتہ مومنوں پر فرماتا ہے، لیکن یہ جواب اس آیت کے سیاق اور سباق کے خلاف ہے کیونکہ اس کے متصل بعد دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :
”ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے، سو اللہ بہت بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا صریح مفہوم یہی ہے کہ جن لوگوں پر کھلی ہوئی نشانیاں اور دلائل اور معجزات سے ہدایت بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہو گئی اور اس کو انہوں نے تسلیم بھی کر لیا اور پھر کسی دنیاوی اور باطل غرض کی وجہ سے وہ مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ از خود اسلام کی اور توبہ کی ہدایت نہیں دیتا الا یہ کہ وہ خود اپنے اس ارتداد پر نادم اور تائب ہوں، تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور معتزلہ کے جواب کا اس اشکل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس اشکل کا دوسرا جواب امام رازی اور علامہ ابوالحیاء اندلسی وغیرہا نے متکلمین اہل سنت کی طرف سے یہ نقل کیا ہے کہ بندہ جس فعل کو کرنے کا قصد (کسب) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس فعل کو پیدا فرمادیتا ہے تو جن مرتدوں اور ظالموں نے ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنے اور توبہ کرنے کا قصد ہی نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت کیونکر پیدا فرمائے گا ہاں جو مرتدین بعد میں نادم ہوئے اور انہوں نے اسلام کی طرف رجوع کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت کو پیدا فرمادیا۔ معتزلہ نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر مومنوں میں اللہ تعالیٰ ہدایت پیدا کرتا ہے تو کافروں میں کفر بھی اس کے پیدا کرنے سے ہو گا اور پھر کافر اپنے کفر میں معذور ہو گا، لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کافر جب کفر کا ارادہ کرتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس میں کفر کو پیدا کرتا ہے اور اس کو سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جائے گی، دراصل معتزلہ اور اہل سنت میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے مومن اپنے ایمان کا خالق ہے اور کافر اپنے کفر کا، اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ہر فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، البتہ انسان جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور اس کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی فعل کو پیدا فرمادیتا ہے، انسان کا کسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کو جزاء اور سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

اس اشکل کا دوسرا جواب جس کی طرف میرا ذہن متوجہ ہوا وہ یہ ہے کہ جو لوگ حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اس کو قبول کرنے کے بعد اس سے مرتد ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور سزا از خود ہدایت نہیں دیتا البتہ اگر وہ اس ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

اور اس اشکل کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جان چکے پھر اس کو مان چکے اس کے بعد وہ کسی باطل غرض کی بناء پر مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو جبراً "ہدایت نہیں دیتا کہ ان کو بہ زور اسلام میں داخل کر دے" ہاں! جو از خود تادم اور تائب ہو اور اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالتا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ہدایت کے تین مرحلے ہیں آخری مرحلہ اس کا ہدایت آخرت کا ہے۔ اس مرحلہ میں غایت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے اور بندہ اپنی مساعی کے ثمر سے بہرہ مند اور اپنی جدوجہد زندگی کے حاصل سے با مراد ہوتا ہے۔ ہدایت کا لفظ اس معنی میں بھی قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ "یہ ہدی" اس آیت میں اس معنی میں ہے۔

(تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷)

اصلاحی صاحب کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتدوں کو دین اسلام کی طرف ہدایت تو دیتا ہے لیکن ان کو آخرت میں جنت کی ہدایت نہیں دیتا جب کہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو از خود اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا "الا یہ کہ وہ خود اسلام کی طرف پلٹ آئیں" نیز یہاں پر اصل اشکل یہ تھا کہ جب اللہ مرتدوں اور ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر ان کے توبہ نہ کرنے اور اسلام کی طرف نہ لوٹنے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اصلاحی صاحب کی تقریر میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

نیز شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

استاذ مرحوم اس ہدایت کا عام مفہوم ہی مراد لیتے ہیں، ان کے نزدیک یہاں بنی اسرائیل کے لیے جس ہدایت کی نفی کی ہے وہ من حیث القوم ہے، من حیث الافراد نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایسے شدید جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے اسلام کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی کے استاذ گرامی فراہی صاحب کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جاننے اور پھر ماننے کے بعد کافر ہو گئے اور ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل من حیث القوم پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ پوری قوم بنو اسرائیل پہلے مسلمان ہوئی اور پھر اس کے بعد کافر ہو گئی اور یہ بالکل بدیہی ہے البتہ بنو اسرائیل کے بعض افراد پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اسلام کی صداقت کو پہچان کر مسلمان ہو گئے اور پھر اغراض باطلہ کی وجہ سے پھر کفر کی طرف لوٹ گئے، ان میں سے بعض تادم مرگ کفر پر برقرار رہے اور بعض تادم اور تائب ہو کر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنے استاذ شیخ اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں :

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثل ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بد معاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصی عنایت فرمائی ہے، اور اس کے جواب میں کہا جاوے کہ ایسے بد معاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے، یعنی یہ امر خصوصیت ہی نہیں اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قاتل خصوصیت

نہیں ہو سکتا اگر شائستہ بن جاوے۔ (بیان القرآن) (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ کراچی)

اس تفسیر کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے، اس آیت سے یہ مطلب کہل نکلتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحتاً "استثناء بیان فرمایا ہے : سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے، سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اس آیت پر ہونے والے اشکال کو چھیڑا ہی نہیں اور سرسری تفسیر کر کے گزر گئے، حالانکہ تفسیر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن مجید پر وارد ہونے والے اشکالات کو دور کیا جائے اور اس میں پیدا ہونے والی الجھنوں سے ذہنوں کو صاف کیا جائے اور بعض مفسرین نے یہاں قیل و قیل کی اور موشگافیاں نکالیں لیکن ان کا ذہن اصل اشکال اور اعتراض کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا كُفْرًا إِنَّ

بیشک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا ان کی توبہ

تُقبلُ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّاكُوتُونَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ○ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُّقبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

کفر کیا اور وہ حالت کفر میں مر گئے، ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (دوڑے) زمین کو بھر کر سونا

مِلَّةَ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

(بھی) فدیہ میں سے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان ہی لوگوں کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَمَالَهُمْ مِنْ نُصْرِينَ ۚ

دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔

(آل عمران : ۹۰)

مرتدین کے کفر میں زیادتی کا بیان

جو لوگ مرتد ہو گئے، اور انہوں نے ارتداد کے بعد اور زیادہ کفر کیا اس کفر میں زیادتی کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی

ہیں :

(۱) اہل کتاب سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے تھے، پھر جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے

آپ کا کفر کیا پھر وقتاً فوقتاً آپ پر طعن کر کے اور مومنین کے دلوں میں آپ کی نبوت کے خلاف شکوک و شبہات ڈال کر کتاب میں تحریف کر کے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ کر اور کھلے ہوئے معجزات دیکھنے کے باوجود ہٹ دھرمی سے آپ کا مسلسل انکار کر کے زیادہ کفر کرتے رہے۔

(۲) یہود پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کر کے کافر ہو گئے، پھر سیدنا محمد ﷺ اور قرآن مجید کا انکار کر کے انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔

(۳) یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے، پھر ان کا زیادہ کفر یہ تھا کہ وہ مکہ میں آپ کے خلاف گھات لگا کر بیٹھ گئے، تاکہ آپ کو نقصان پہنچائیں۔

(۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد ہو گئے اور کفر میں ان کی زیادتی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے نفاقاً مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں مرتدین کے کفر میں زیادتی کے متعلق مطلقاً یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مرتد کا اپنے ارتداد پر اصرار کرنا اور اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا یہ بھی اس کے کفر میں زیادتی ہے۔

مرتدین کی توبہ قبول نہ ہونے کا محمل

اس آیت میں فرمایا ہے : ”بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔“ اس سے معلوم ہوا کہ مرتدین کی توبہ قبول نہیں ہوگی، حالانکہ اس سے پہلی آیت میں مرتدین کے متعلق فرمایا تھا : ”سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے، سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔“ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی، اور یہ ان دو آیتوں میں تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس آیت میں جو فرمایا ہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں :

(۱) جو لوگ غرہ موت اور نزع روح کے وقت توبہ کریں یا اخروی عذاب کو دیکھ کر توبہ کریں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، قرآن مجید میں ہے :

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا أَحْصَرَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (النساء : ۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوگی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں۔ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

(۲) جو لوگ حالت کفر پر مر جاتے ہیں ان کی توبہ مرنے کے بعد قبول نہیں ہوگی جیسا کہ مذکور الصدر آیت کے آخر میں فرمایا ہے۔

(۳) جو لوگ ایک کفر سے تائب ہو کر دوسرے کفر کی طرف لوٹتے ہیں مثلاً یہودیت سے نصرانیت کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

(۴) کفر پر مرنا توبہ قبول نہ ہونے کا سبب ہے، اس آیت میں مسبب کا ذکر ہے اور اس سے سبب کا ارادہ کیا ہے اور توبہ قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ مرتد ہو گئے اور بار بار کفر کرتے رہے (جیسے بعض معاندین یہود اور منافقین تھے)

وہ کفر پر مریں گے۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے حالت کفر اور ارتداد میں اپنے گناہوں سے توبہ کی ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ گناہوں سے توبہ کے لیے ایمان شرط ہے، اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس نے اپنے کفر اور ارتداد سے توبہ کی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

(۶) جن لوگوں نے صرف زبان سے توبہ کی، اخلاص اور صدق نیت سے توبہ نہیں کی، ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔
(۷) جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر کفر میں زیادتی کی پھر اس کفر میں زیادتی سے توبہ کی اور اصل کفر سے توبہ نہیں کی ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے ”وہی لوگ گمراہ ہیں۔“ حالانکہ ان کے علاوہ دیگر کفار بھی گمراہ ہیں، پھر یہ حصر کیونکر صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ بار بار کفر کریں وہ مکمل گمراہ ہیں، اگرچہ دوسرے بھی گمراہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ حالت کفر میں مر گئے ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (روئے) زمین کو بھر کر سونا بھی فدیہ میں دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران : ۹۱)

ایمان کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں

مذکور الصدر آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ان کے ایمان مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے تین قسمیں بیان

فرمائی ہیں :

(۱) جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے اور تادم مرگ کفر پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا، اور اس کو جبراً یا سزاء ”ہدایت نہیں دیتا“ اس کے لیے سخت سزا ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی نہ اس کو مہلت دی جائے گی، البتہ ان میں سے جو شخص تادم اور تائب ہو گیا اور اس نے بد اعمالیوں کی تلافی کی اور نیک عمل کر لیے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس کے لیے رحمت اور مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

(۲) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور مسلسل کفر کرتے رہے اور موت کو دیکھ کر توبہ کی یا صرف زبان سے توبہ کی اور دل سے توبہ نہیں کی، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا۔

(۳) جو کافر کفر پر فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا خواہ اس نے عبادت کی نیت سے روئے زمین کے برابر سونا خیرات کیا ہو، اور نہ روئے زمین کے برابر سونا آخرت میں اس کے عذاب کا فدیہ ہو سکتا ہے قرآن مجید میں ہے :

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَنُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (المائدہ : ۳۶)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی ہی اور چیزیں (بھی) ہوں تاکہ وہ ان کو قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دیں، تو وہ ان سے قبول نہیں کی جائیں گی اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے قیامت کے دن ایک کافر کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ بتا کہ اگر تیرے پاس اتنا سونا ہو کہ تمام زمین کو بھر لے، کیا تو اس کو فدیہ میں دے گا؟ وہ کہے گا : ہاں! اس سے کہا جائے گا تجھ سے تو دنیا میں اس سے کہیں آسان چیز (اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے) کا سوال کیا گیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۸، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے سورہ مائدہ کی اس آیت کو تلاوت فرمایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کافر تو کسی کھجور کی کھوکھلی گٹھلی جیسی حقیر چیز کا بھی مالک نہیں ہو گا تو اس کے متعلق تمام زمین بھر سونا فدیہ کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کافر نے اتنا سونا خیرات کیا ہو پھر بھی وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت کے دن کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دینا چاہے تو یہ فدیہ قیامت کے دن اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

نیز اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان بہت نیکیاں کرتا تھا، مہمانوں کو کھلاتا تھا، قیدیوں کو آزاد کرتا تھا، بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، کیا اس کو اس سے نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا نہیں، اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا : اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ کفار کا کوئی مددگار نہیں ہو گا، اور اس میں حصر فرمایا ہے یعنی صرف ان ہی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی اس آیت میں مومنین کے لیے شفاعت کے قبول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اگر مومنوں کے لیے بھی شفاعت قبول نہ ہو تو اول تو حصر صحیح نہیں رہے گا۔ ثانیاً اگر مسلمانوں اور کافروں دونوں کے حق میں شفاعت کا مقبول نہ ہونا مشترک ہو تو یہ چیز صرف کافروں کے لیے کیوں کر حسرت و حرمان اور وعید کا سبب بن سکتی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا

تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور تم جس چیز کو بھی خرچ

مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۙ (۹۲)

کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ۝

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافر اگر قیامت کے دن بالفرض روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو وہ مقبول نہیں ہو گا، تب یہ سوال پیدا ہوا کہ صدقہ کب قبول ہو گا، کس کا قبول ہو گا اور کون سے صدقہ کی قبولیت زیادہ متوقع ہے، تب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صدقہ کرنا بر (نیکی) ہے اور ابرار کا صدقہ قبول ہو گا، اور نیکی تب حاصل ہو گی جب ان چیزوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے جو انسان کو سب سے زیادہ پسند ہوں۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۳۰۵ھ لکھتے ہیں :

پر کا معنی ہے صلہ، جب کوئی شخص صلہ رحمی کرے تو کہتے ہیں اس نے برکی، قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت اسی معنی میں ہے :

لَا يَنْهَكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي
الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ
تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ
جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں
تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ بر
کرنے یعنی عدل اور احسان کا سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا، بے
شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (المنتحنہ : ۸)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ
تم اس وقت تک ہرگز بر یعنی نیکی نہ پاسکو گے جب تک تم
اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔ (ال عمران : ۹۲)

ابو منصور نے کہا بردنیا اور آخرت کی خیر کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو ہدایت، نعمت اور اچھی چیزیں عطا
فرمائی ہیں وہ دنیا کی خیر ہے اور جنت میں دائمی نعمتوں کا حصول آخرت کی خیر ہے (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم سے ہم کو دنیا
اور آخرت کی خیر عطا فرمائے آمین) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ہمیشہ سچائی پر رہو کیونکہ سچائی برکی ہدایت دیتی ہے، شمر نے
کہا اس حدیث میں برکی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء نے کہا بر سے مراد صلاح (درستی) ہے اور بعض نے کہا بر سے
مراد خیر ہے، اور میرے علم میں اس سے زیادہ جامع برکی اور کوئی تفسیر نہیں ہے، کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بر ہے، ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ بعض اہل لغت نے کہا کہ بر کا اصل معنی وسعت
ہے بحر کے مقابلہ میں بر کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے، پھر یہ لفظ شفقت، احسان اور صلہ میں مشہور ہو گیا، مصنف (صاحب
قاموس) نے بصائر میں کہا ہے کہ بر کا معنی ہے فعل خیر میں توسع، کبھی یہ لفظ اللہ عز و جل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور
البر الرحیم کہا جاتا ہے اور کبھی بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور بر العبد رہ کہا جاتا ہے یعنی بندے نے زیادہ
عبادت کی، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو ثواب عطا کرنے اور بندے کی طرف منسوب ہو تو اطاعت کے معنی میں
ہے، اطاعت کی ایک قسم اعتقاد ہے اور دوسری اعمال، قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت ان دونوں قسموں کو شامل ہے :

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى
حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ
السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ
وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا
وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ
اصل بر (نیکی) یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی
طرف پھیر لو، البتہ اصل بر اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ، روز
آخرت، فرشتوں، (آسمانی) کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے، اور مال
سے محبت کے باوجود (اللہ کے لیے) رشتہ داروں، مسکینوں،
مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے مال دے
اور نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور عہد کرنے کے بعد عہد
پورا کرنے والے اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے۔ یہی

أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
(البقرة : ۱۷۷)
لوگ (بریں) صادق ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔

روایت ہے کہ نبی ﷺ سے بر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی، کیونکہ یہ آیت اعتقاد، اعمال، فرائض، نوافل، بر والدین اور ان کے ساتھ حسن سلوک میں وسعت پر مشتمل ہے۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۳۷-۳۶، مطبوعہ المطبعة الخيرية مصر ۱۳۰۶ھ)

نیکی کے حصول کے لیے صحابہ کرام کا اپنی محبوب چیزوں کو صدقہ کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں کھجوروں کے لحاظ سے سب سے زیادہ مالدار تھے، اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر کا باغ تھا، یہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا، رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا میٹھا پانی پیتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی : ”تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو“ تب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک اللہ فرماتا ہے : تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔“ اور بے شک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیر کا ہے، اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور میں اللہ کے نزدیک اس کی نیکی اور آخرت میں اس کے اجر کی توقع رکھتا ہوں، یا رسول اللہ! آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو رکھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھوڑو، یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے، اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں کو دے دو، حضرت ابو طلحہ نے کہا یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا، پھر حضرت ابو طلحہ نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(۱) زمینوں اور باغات کو اپنی ملکیت میں رکھنا جائز ہے، اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو زمینوں کی شخصی ملکیت کو ناجائز کہتے ہیں، اور اس میں اس روایت کا بھی رد ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ زمینوں کو نہ رکھو ورنہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(ب) دوست کے باغ سے پانی پینا اور پھل کھانا جائز ہے اسی طرح اس کے مکان سے کھانا، کھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کا دوست اس سے خوش ہوتا ہو، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کا باغات میں جانا جائز ہے۔

(ج) علماء اور صالحین سے مشورہ لینا جائز ہے، خواہ مشورہ صدقہ و خیرات سے متعلق ہو یا کسی اور نقلی عبادت سے، یا دنیا کا کوئی معاملہ ہو، اور اپنی محبوب چیز کو خرچ کرنے کے متعلق بھی مشورہ کرنا جائز ہے۔

(د) اگر کسی مال کو مطلق وقف کیا جائے اور اس کے خرچ کرنے کی مدد کو متعین نہ کیا جائے پھر بھی وقف کرنا صحیح ہے، اور جب تک قبول نہ کیا جائے وکالت صحیح نہیں ہے۔

(۵) اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے دیگر غریبوں پر نقلی صدقہ کرنا دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے افضل ہے، اور اس

کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ”تمہارے لیے دو اجر ہیں رشتہ داروں سے حسن سلوک کا اور صدقہ کا۔“ نیز صحیح بخاری (کتاب الحبہ) میں ہے کہ جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا تو آپ نے فرمایا اگر تم یہ اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں زیادہ اجر ہوتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ایوب بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی خدمت میں اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ اللہ کی راہ میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ گھوڑا (ان کے بیٹے) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا، حضرت زید بن حارثہ اس پر رنجیدہ ہوئے، جب نبی ﷺ نے ان کی اس کیفیت کو دیکھا تو آپ نے فرمایا سنو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس صدقہ کو قبول کر لیا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ آیت یاد آئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو میں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں غور کیا کہ کون سی نعمت مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، تو میں نے دیکھا کہ ایک رومی کنیز تھی جو مجھے زیادہ محبوب تھی میں نے کہا یہ اللہ کے لیے آزاد ہے، سوا اب اگر میں اس کی طرف لوٹا تو اس سے نکاح کر لیتا۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۷۱، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو لکھا کہ وہ ان کے لیے قیدیوں میں سے ایک کنیز خرید لیں، حضرت عمر نے اس کنیز کو بلایا اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ”تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔“ پھر آپ نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔

امام عبد بن حمید ثابت بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید نے کہا اے اللہ! تجھے علم ہے کہ مجھے اپنے مال میں سے اس گھوڑے کے سوا اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے، حضرت زید نے وہ گھوڑا مسکینوں پر خرچ کر دیا، پھر حضرت زید نے دیکھا کہ وہ لوگ اس گھوڑے کو فروخت کر رہے تھے، انہوں نے نبی ﷺ سے اس گھوڑے کو خریدنے کے متعلق سوال کیا، آپ نے ان کو خریدنے سے منع فرمایا۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (بچی ہوئی) گوہ لائی گئی آپ نے اس کو خود کھلایا نہ اس سے منع فرمایا، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آیا ہم یہ مسکینوں کو کھلا دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو تم خود نہیں کھاتے وہ دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ۔ امام ابن المنذر نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر شکر خرید کر اس کو صدقہ کر دیتے، ہم نے مشورہ دیا اگر آپ اس شکر کے بدلہ طعام خرید لیں تو اس سے ان کو بہت فائدہ ہو گا! حضرت ابن عمر نے فرمایا میں جانتا ہوں تم جو کچھ کہہ رہے ہو، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ ”تم ہر گونگی حاصل نہیں کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔“

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ، ایران)

پسندیدہ اور محبوب مال کا معیار

مال محبوب میں محبت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی طرف نفس کا میلان ہو اور اس چیز میں اس کا دل انکار ہے، اسی وجہ سے اس چیز کو خرچ کرنا نفس پر بہت شاق اور دشوار ہوتا ہے اور اسی بناء پر ان مسلمانوں کی مدح کی گئی ہے جو اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَيْثُ مَسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۖ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ
لَا نَرْيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (الدھر : ۹-۸)

بعض علماء نے کہا مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ انسان کو خود اس مال کی ضرورت ہو، کیونکہ جو لوگ اپنی ضروریات کے باوجود مال کو دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے :

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقِ شَحْنَ نَفْسِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُونَ (الحشر : ۹)

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہ صحیح اور لائق استعمال ہو، ردی، خبیث اور ناقابل استعمال نہ ہو جیسے گلے سڑے پھل، خراب ہو جانے کے بعد بدبودار کھانا، بہت زیادہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ
مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ
إِلَّا أَنْ تُعْمِضُوا فِيهِ (البقرہ : ۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی کمائی سے عمدہ چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور جو ردی اور ناکارہ چیز ہو اس کو دینے کا ارادہ (بھی) نہ کرو کہ (راہ خدا میں) اس میں سے خرچ کرنے لگو، حالانکہ تم خود بھی اس کو لینے والے نہیں ہو سو اس کے کہ تم چشم پوشی کرو۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہو سکا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطالعی کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کا بھی یہی محمل ہے کہ انسان اپنے لیے ردی اور ناقابل استعمال چیز پسند نہیں کرتا، سو وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس کو پسند نہ کرے۔

بعض دفعہ ایک چیز کسی کے مزاج کے موافق اور دوسرے شخص کی طبیعت کے مخالف ہوتی ہے مثلاً زیا بیٹس کے

مریض کے لیے میٹھی چیز اور بلند فشار دم (ہائی بلڈ پریشر) کے مریض کے لیے نمکین چیز اور کلسرول اور یرقان کے مریض کے لیے چکنائی اور گوشت منع ہیں۔ گردہ میں پتھری کے مریض کے لیے چاول اور کیلشیم پر مشتمل دوسری اجناس منع ہیں جب کہ دوسرے تندرست شخص کے لیے ان چیزوں کا کھانا منع نہیں ہے، اس لیے اس آیت اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شوگر کا مریض کسی صحت مند شخص کو میٹھی اور نشاستہ والی چیز نہ دے، بلکہ وہ کسی شوگر کے مریض کو کھانے کے لیے ایسی چیز نہ دے جس کو وہ خود اس بیماری میں نقصان دہ سمجھتا ہے۔ البتہ صحت مند لوگوں کو ان چیزوں کا دینا اس آیت اور اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہے۔

اسی طرح اہل ثروت بعض چیزوں کے استعمال کو اپنے معیار کے اعتبار سے لائق استعمال نہیں سمجھتے جب کہ ان کے نوکروں اور دوسرے غریب کے لیے وہ چیزیں بہر حال نعمت ہوتی ہیں مثلاً قتل استعمال پرانے کپڑے، پرانے بستر اور دوسری کار آمد چیزیں، ہاں وہ اہل ثروت اپنے ہم مرتبہ دوسرے اہل ثروت کو ایسی چیزیں نہ دیں جن کو وہ اپنے معیار سے کم تر خیال کرتے ہیں۔ امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت اور اس کے رتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطلاع کراچی ۱۳۷۵ھ)

مثلاً اگر کسی شخص کے ہاں امیر تاجر مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کے رتبہ کے لحاظ سے کی جائے گی، اور اگر کوئی غریب یا مزدور مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کی حیثیت کے لحاظ سے کی جائے گی۔ اسی طرح رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی حسب حیثیت سلوک کیا جائے گا۔

علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے مراد آیا صدقہ واجبہ ہے یا صدقہ نفلیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے صدقہ واجبہ مثلاً زکوٰۃ مراد ہے اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اس سے مراد عام صدقات ہیں خواہ صدقات واجبہ ہوں یا صدقہ نفلیہ، یعنی مسلمان جس چیز کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ ایسی چیز ہو جس کو وہ خود بھی اپنے لیے پسند کرتا ہو اور وہ چیز ردی، ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو، اور اگر وہ چیز اس کی پسندیدہ اور محبوب ہے تو یہ بڑی فضیلت کی بات ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ناقابل استعمال چیز کا تو دینا جائز نہیں ہے اور پسندیدہ نفیس اور محبوب چیز کا دینا فضیلت اور رضائے الہی کا موجب ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمہاری پسندیدہ ہیں، اس آیت میں ”من“ کا لفظ ہے اگر یہ من تبغیضہ ہو تو معنی ہو گا تم اس وقت تک ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی بعض پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو اور اس صورت میں پسندیدہ چیزوں سے محبوب اور نفیس چیزیں مراد ہوں گی، اور اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ نیکی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں اپنی تمام پسندیدہ چیزوں کو دینا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر کسی شخص نے زندگی میں دو چار بار بھی اپنی پسندیدہ اور محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی ہیں تو اس کا ابرار اور نیکیوں میں شمار ہو گا اور اگر یہ ”من“ بیانیہ ہو تو اس کا معنی ہو گا : تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم ان چیزوں کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں اور اب یہ ضروری ہو گا کہ کسی ناپسندیدہ چیز کو خرچ نہ کیا جائے اور اس صورت میں پسندیدہ کا معنی ہو گا جو چیزیں فی نفسہ صحیح اور لائق استعمال ہوں، اور اللہ کی راہ میں کوئی ردی اور ناکارہ چیز نہ دی

جائے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اس آیت میں ”من“ تبغیضہ اور ”من“ بیانیہ دونوں درست ہیں اور ”من“ تبغیضہ پسندیدہ سے مراد محبوب چیزیں اور ”من“ بیانیہ ہو تو اس سے مراد قابل استعمال چیزیں ہیں، بعض علماء اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے یہاں پر من کو مطلقاً تبغیضہ پر محمول کیا اور بعض نے ”من“ کو مطلقاً بیانیہ پر محمول کیا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں بر سے کیا مراد ہے، بعض علماء نے کہا اس سے مراد اعمال مقبولہ ہیں، بعض علماء نے کہا اس سے مراد ثواب اور جنت ہے اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور اس کا احسان ہے۔ یعنی جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو نہ خرچ کرو، اس وقت تک تمہارے اعمال مقبول نہیں ہو سکتے یا تم کو جنت نہیں ملے گی یا تم اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اکرام اور احسان کو نہیں پاسکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزا دے گا، خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اس کو علم ہے کہ تم نے اس وجہ سے خرچ کیا ہے اور اس خرچ کا باعث اور محرک کیا چیز ہے۔ آیا تم محض اخلاص سے اس کی رضا جوئی کے لیے خرچ کر رہے ہو یا نام و نمود کے لیے خرچ کر رہے ہو اور اللہ کی راہ میں عمدہ اور نفیس چیز خرچ کر رہے ہو یا ردی اور ناکارہ چیز خرچ کر رہے ہو، سو اللہ تمہارے خرچ کرنے کے اعتبار سے تم کو جزا دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ

ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے

عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتَّبِعُوا

اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، آپ کہیے اگر تم پسے ہو تو تورات

بِالتَّوْرَةِ فَاتَّبِعُوا هَآءِ انْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمِنْ افْتَرَىٰ

کو لا کر اس کی تلوادت کرو ○ پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾

پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ

آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ۝

مناسبت اور شان نزول

علامہ ابوالحیسان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

ابو روق اور ابن السائب نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے کہا اگر آپ ملت ابراہیم پر ہیں تو آپ اونٹ کا گوشت کیوں کھاتے ہیں؟ اور اونٹنیوں کا دودھ کیوں پیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے بپ ابراہیم پر حلال تھیں، اور ہم بھی اس کو حلال قرار دیتے ہیں، یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت سے حرام چلی آ رہی ہیں حتیٰ کہ ہماری شریعت میں بھی حرام ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا، ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (المحر المیطح ج ۳ ص ۲۱۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۲۳ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

شہر بن حوشب نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے کہا اے ابوالقاسم! آپ ہمیں چند ایسی باتیں بتائیے جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہم آپ سے ان کے متعلق سوال کرتے ہیں، انہوں نے جو سوالات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، جس نے تورات کو موسیٰ پر نازل کیا ہے، کیا تم کو علم ہے یعقوب علیہ السلام بہت سخت بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری بہت طول پکڑ گئی، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بیماری سے شفا دے دی تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب مشروب اور محبوب طعام کو اپنے اوپر حرام کر دیں گے، اور ان کے نزدیک محبوب طعام اونٹ کا گوشت تھا اور محبوب مشروب اونٹنیوں کا دودھ، تو یہودیوں نے کہا ہاں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ بیروت، جامع البیان ج ۴ ص ۵، مطبوعہ بیروت)

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جب تک انسان اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کرے وہ نیکی نہیں پاسکتا، اور اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب طعام اور مشروب کو چھوڑ دیا۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے اصول اور بنیادی عقائد پر یہود کے شہادت کا جواب دیا تھا اور اس آیت میں دین کی فروع اور فقہی مسائل میں یہود کے اعتراض اور شہادت کا جواب دیا ہے۔

نیز اس سے پہلی آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مقرر فرمایا تھا اور اس آیت میں بھی آپ کی نبوت پر دلیل ہے اول تو اس لیے کہ یہود نسخ کے منکر تھے اور اپنی شریعت کو قیامت تک کے لیے نافذ مانتے تھے، اس آیت میں ان پر یہ ثابت کیا گیا کہ پہلے اونٹ کا گوشت حرام نہیں تھا۔ حضرت یعقوب نے اس کو حرام کیا ہے، اس سے نسخ ثابت ہو گیا اور جب نسخ جائز ہو گیا تو یہودی شریعت کا منسوخ ہونا اور سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا نافذ ہونا جائز ہو گیا، مانیا اس لیے کہ سیدنا محمد ﷺ

ہی تھے، آپ نے کسی کتب میں پڑھا نہیں تھا نہ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے بتادیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور اونٹنیوں کا دودھ حرام کیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو شرعاً حرام کیا تھا یا عرفاً

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا، حالانکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے، بندوں کے اختیار میں نہیں ہے، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں :

(۱) یہ ہو سکتا ہے کہ انسان کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اس کو حرام کر دے مثلاً انسان اپنی بیوی کو طلاق مغلطہ دے کر اپنے اوپر حرام کر لے، پھر اللہ تعالیٰ بھی اس عورت کو اس پر حرام کر دے۔

(ب) انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کے ذریعہ کسی چیز کا حلال یا حرام ہونا معلوم کرتے ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ معلوم کیا تھا کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے، اس کی مثل یہ ہے کہ امام شافعی نبیذ کو حرام قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں یا جو مچھلی دریا میں مر کر سطح آب پر آجائے، امام ابو حنیفہ اس کو حرام کہتے ہیں اور امام شافعی اس کو حلال کہتے ہیں اور یہ حلت اور حرمت اجتہادی ہے، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو اپنے اجتہاد سے حرام قرار دیا تھا۔

(ج) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یعقوب کا اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دینا ایسا ہو جیسے ہماری شریعت میں نذر ماننا، اور جس طرح ہماری شریعت میں نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اسی طرح ان کی شریعت میں کسی چیز کی تحریم کو پورا کرنا واجب ہو۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے یہ جوابات بھی بہت عمدہ ہیں تاہم میری تحقیق یہ ہے کہ اس اعتراض کی اس وقت گنجائش ہوتی جب حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے کو شرعاً حرام قرار دے دیتے، جب کہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو اپنے طبعی مرغوبات سے روک لیا تھا، جیسا کہ حضرت عمر کو شہد ملا ہوا پانی پسند تھا مگر وہ خوف خدا اور حساب کی سختی کے ڈر سے اس کو نہیں پیتے تھے اور جس طرح بہت سے زہلو ریاضت اور مجاہدہ کے لیے اپنے آپ کو طبعی مرغوبات سے روک لیتے ہیں اور ان کو شرعاً حرام نہیں کہتے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بہت پسند تھا لیکن انہوں نے اللہ کی رضا جوئی کے لیے اپنے نفس کے تقاضوں کی مخالفت کی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اور یہ شرعی تحریم نہیں تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو شرعاً حلال یا حرام کرنا بلا استقلال اللہ کا اختیار ہے اور وہی مستقل شارع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نیابت سے انبیاء علیہم السلام بھی اشیاء کو حلال اور حرام کرتے ہیں، اور ان کے کیے ہوئے حلال اور حرام پر عمل کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح اللہ کے حلال اور حرام کئے ہوئے پر عمل کرنا، قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے :

وہ پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ

ان پر حرام کرتے ہیں۔

الْخَبَائِثِ (الاعراف : ۱۵۷)

قرآن مجید میں جانوروں میں سے خنزیر کو حرام کیا ہے لیکن نبی ﷺ نے کتے کو بھی حرام کر دیا اور کیلیوں سے بھاڑنے والے تمام درندوں کو اور بچوں سے بھاڑنے والے تمام پرندوں کو اور حشرات الارض کو حرام کر دیا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے ہر قسم کا طعام حلال تھا اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے! حالانکہ کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کل طعام سے مراد وہ طعام ہیں جن کے متعلق یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حضرت نوح اور ابراہیم کی شریعت سے لے کر آج تک حلال چلے آ رہے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لام استغراق کے لیے نہیں ہے بلکہ عمد کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ طعام کی یہ نوع (لونٹ کا گوشت اور دودھ) پہلے بنی اسرائیل پر حلال تھی اس کے بعد حرام ہوئی۔ اس لیے بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کا قول صحیح ہے اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچ فرمایا کہ لونٹ کے گوشت کو حرام کرنا حضرت یعقوب کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا اور سیدنا محمد ﷺ کا ملت ابراہیم کے مطابق لونٹ کا گوشت کھانا صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ (آل عمران : ۹۳)

اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو کہ لونٹ کے گوشت کا حرام ہونا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعت سے چلا آ رہا ہے تو تورات میں یہ نکل کر دکھاؤ، کیونکہ تورات میں ان کے دعویٰ کے مطابق یہ بات نہیں تھی بلکہ تورات میں یہی لکھا تھا کہ یہ چیزیں شروع سے حلال ہیں اور تحریم بعد میں شروع ہوئی ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ تورات لانے کی جرأت نہیں کر سکے بلکہ یہ حکم سن کر مبہوت ہو گئے اور نبی ﷺ نے جو ان سے تورات لانے کا مطالبہ کیا تھا اس میں نبی ﷺ کے صدق کی واضح دلیل ہے کیونکہ نبی ﷺ اسی تھے آپ نے آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا تھا اور نہ آپ نے پچھلی امتوں کی تاریخ پڑھی تھی اس کے بلوجود آپ کا اس یقین سے یہ مطالبہ کرنا کہ تورات میں یہ بات نہیں ہے آپ کی نبوت پر روشن دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (آل عمران : ۹۴)

اسلام میں احکام آسان ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے جو لوگ ان باتوں کو اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کریں جو اس میں نہیں ہیں اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں اپنی طرف سے اضافہ کریں اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کر لیا تو ان کے اس حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سخت احکام نازل فرمائے :

فِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَبِيبَاتٍ أُحِلَّت لَّهُمْ وَبَصَدَّتْهُنَّ عَنِ سَبِيلِ اللّٰهِ كَثِيرًا۔
تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی حلال چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) بہت زیادہ اللہ کے راستہ سے روکتے تھے۔ (النساء : ۱۶۰)

جب کہ ہماری شریعت اس کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط
اللہ نے دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

(الحج : ۷۸)

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ
اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تم کو مشکل
(البقرة : ۱۸۵) میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے کوئی شخص دین میں سختی نہیں کرے گا مگر دین اس پر غالب آجائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور لوگوں کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ ج ۱ ص ۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ان تعلیمات کے خلاف ہمارے بعض علماء ڈھونڈ ڈھونڈ کر، مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں : مثلاً وہ کہتے ہیں کہ چلتی ترین میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، سجدہ میں اگر انگلیاں اٹھ گئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی، قمیص کے کالر اور گھڑی کے چین کو ناجائز کہتے ہیں، ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرنا جائز نہیں ہے، انتقال خون جائز نہیں ہے، ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اگر کسی کی ڈاڑھی ایک مشت سے ایک سوت کے برابر بھی کم ہو تو وہ اور ڈاڑھی منڈانے والا برابر ہے، وہ فاسق معن ہے، جس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعلیٰ ہے، جس عورت کا شوہر مفقود الخیر ہو (لاپتہ ہو) وہ اس شوہر کی ۹۰ نوے برس عمر ہونے تک انتظار کرے، اگر کسی عورت کا شوہر اس عورت کو اپنے گھر رکھے نہ خرچ دے نہ اس کو طلاق دے، تو جب تک اس عورت کو خود اس کا شوہر طلاق نہ دے وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور عدالت کو اس کا نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے، اس قسم کے اور مسائل ہیں جن میں یہ انتہا پسند علماء مشکل احکام بیان کر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی پیروی کرنے والے تھے۔

(آل عمران : ۹۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج اور چاند کی عبادت کرنے سے منع کر دیا تھا، اسی طرح انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا تھا، جس طرح عرب بت پرستی کرتے تھے یا یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اس سے غرض یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ دین کے اصول اور عقائد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں اور دین کی فروع اور بعض احکام شرعیہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں، اصول میں موافقت اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے، سو سیدنا محمد ﷺ بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں، اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا سو آپ نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے اس لیے یہود کو دعوت دی ہے کہ تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى

بیشک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت

لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ

جہانِ عالم کی ہدایت کا سب سے پہلا اس میں واضح نشانیاں ہیں مقامِ ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں

كَانَ آمِنًا ۖ وَدَلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ۖ فَمَنْ اسْتَطَاعَ

داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔ بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت

إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

رکتے ہوں اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بیشک اللہ سارے جہانوں سے بے پروا ہے ۰

اس آیت کی آیات سابقہ سے مناسبت کی حسب ذیل وجہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) سابقہ آیات میں بھی یہود کے شہادت کے جوابات دیئے گئے تھے اور اس آیت سے بھی یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا مقصود ہے جس کو وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں پیش کرتے تھے، جب نبی ﷺ نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنا لیا تو یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے اور وہ زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جائے کیونکہ بیت المقدس کو کعبہ سے پہلے بنایا گیا ہے، اور اسی جگہ حشر ہو گا، اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کا یہی قبلہ ہے لہذا کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف نمازوں میں منہ کرنا زیادہ لائق ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اللہ کی عبادت کے واسطے لوگوں کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ کعبہ ہے، جو مکہ میں ہے سو کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے، لہذا نمازوں میں اس کی طرف منہ کرنا چاہئے۔

(۲) اس سے پہلی آیت میں نوح کو ثابت کیا گیا تھا کیونکہ اونٹ کا گوشت پہلے حلال تھا اور پھر حرام کر دیا گیا، سو اسی طرح سیدنا محمد ﷺ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۳) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیم پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا اور ملتِ ابراہیم کا عظیم شعار حج ہے، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۴) یہود و نصاریٰ میں سے ہر فرقہ اس کا مدعی تھا کہ وہ ملتِ ابراہیم پر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ ملتِ ابراہیم میں حج کعبہ ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں حج نہیں کرتے لہذا دونوں میں سے کوئی بھی ملتِ ابراہیم پر نہیں ہے۔

(۵) مجاہد سے منقول ہے کہ یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس افضل ہے، کیونکہ وہ انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے اور ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ بلکہ کعبہ افضل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ عبادت کا پہلا گھر مکہ میں

کعبہ ہے لہذا وہی افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ (آل عمران : ۹۶)

کعبہ کے اول بیت ہونے کے سلسلہ میں روایات اور رائج روایت کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سوال کیا زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام میں نے کہا پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷)

اس حدیث کو امام مسلم (ج ۱ ص ۱۹۹) امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۱۳) امام ابن ماجہ (سنن ابن ماجہ ص ۵۵) امام احمد (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۴۱۱، مطبوعہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان دونوں مسجدوں کے ابتداء بنانے اور ان کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتداء کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان نے ابتداء مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا، کیونکہ پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا تھا، پھر ان کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو، اور اس کے بعد حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے، علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان نے ان مسجدوں کو ابتداء بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی، بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا، ایک قول ہے کہ فرشتوں نے بنایا تھا، ایک قول ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام نے بنایا تھا، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا، جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ہشام نے کتاب النبیان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ کو بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں، اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھالیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس کو مہیا کیا، اور امام ابن ابی حاتم نے قندہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا : ”اے آدم! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے

گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے، آپ اس بیت کی طرف چلے جائیں۔" حضرت آدم کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تاکہ آپ کی بعض اولاد کے لیے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۰۹-۳۰۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

ابن عرعرہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا لوگوں کے لیے زمین پر سب سے پہلے جو گھر بنایا گیا وہ مکہ میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : نہیں، پھر نوح علیہ السلام کی قوم مکمل رہتی تھی؟ اور ہود علیہ السلام کی قوم مکمل رہتی تھی؟ لیکن جو گھر لوگوں کے لیے برکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا وہ مکہ میں تھا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے عبادت کے لیے نہیں بنایا گیا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی رہائش کے لیے تو پہلے بہت سے مکانات بنائے گئے تھے لیکن لوگوں کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ مکہ میں کعبہ تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام ابن جریر نے اس کے بعد ذکر کیا ہے:

مطرح سے روایت ہے کہ بیت اللہ سے پہلے بھی گھر تھے لیکن یہ پہلا گھر تھا جس کو عبادت کے لیے بنایا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو بنایا، اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا پھر اس کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں، اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے گرد حضرت آدم نے طواف کیا اور آپ کے بعد مومنین نے طواف کیا۔ پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھالیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے محفوظ رکھا، پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا، اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ زمین پر لوگوں کے رہنے کے لیے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا، امام بخاری نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ہشام سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اس کے چالیس سال بعد انہوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، باقی جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے زمین پر کعبہ بنایا، یا کعبہ کو حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اتارا، یہ روایات ہمارے نزدیک مرجوح ہیں، ہم نے ان روایات کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو بنانے کے سلسلہ میں تمام کلیدی روایات کا استیعاب ہو جائے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا، اور انہوں نے امام ابن ہشام کی کتاب التبتان سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت آدم نے پہلے مکہ میں بیت اللہ کو بنایا پھر اس کے بعد بیت المقدس کو بنایا۔ (عمدة القاری ج ۱۵ ص ۲۶۲، مطبوعہ ادارة البیضاء المیزیہ مصر ۱۳۳۸ھ)

تعمیر کعبہ کی تاریخ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی ﷺ اور عباس پھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی ﷺ سے کہا اپنی چادر اپنی گردن کے نیچے رکھ لیں (تاکہ آپ کی گردن میں پتھر نہ چھیں) آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں، آپ نے فرمایا میری چادر مجھے دو، پھر آپ کی چادر آپ پر باندھ دی۔ یہ حدیث درایت صحیح نہیں ہے کیونکہ جس وقت قریش نے کعبہ کی تعمیر کی اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی اور اس وقت حضرت عباس حضور کو چادر اتارنے کے لیے نہیں کہہ سکتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا : اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانہ جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا، اور اس میں اس حصہ (حطیم) کو داخل کر دیتا جو اس سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کو زمین سے ملا دیتا، اور اس میں دو دروازے بناتا ایک شرقی دروازہ، ایک غربی دروازہ، اور اس کو میں اساس ابراہیم کے مطابق کر دیتا، یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو کعبہ کے منہدم کرنے پر برا لگایا، یزید بن رومان کہتے ہیں میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کو دوبارہ بنایا اور اس میں حطیم کو داخل کر لیا اور میں نے حضرت ابراہیم کی رکھی ہوئی بنیاد کے پتھر دیکھے جو اونٹ کے کوہن کے برابر تھے، جریر کہتے ہیں کہ میں نے اندازہ کیا اس بنیاد سے حطیم تک چھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۱-۲۱۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

کعبہ کی تعمیر اور اس کی تجدید اور اصلاح کئی مرتبہ کی گئی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) پہلی بار کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا، علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

امام بیہقی نے دلائل النبوة میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز و جل نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ میرے لیے ایک بیت بناؤ، جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لیے نشان ڈالے، حضرت آدم زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا مٹی نکالتی تھیں، انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا، پھر یہ ندا کی گئی کہ اے آدم یہ کافی ہے، جب حضرت آدم نے یہ بیت بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے، پھر صدیاں گزرتی گئیں حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔

(۲) کتاب التبتان میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہو گئی اور انہوں نے کعبہ کو منہدم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتیٰ کہ تور جوش مارنے لگے۔ ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا، زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس

ہاتھ تھا اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک باشت کم کر دیا اور حطیم کو چھوڑ دیا اور جب حضرت ابن الزبیر نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کر کے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔

(۳) جرہم کے ایام میں کعبہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ کی ایک دیوار منہدم ہو گئی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو بنایا نہیں گیا تھا صرف اس کی مرمت کی گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہو کر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہو گیا تو اس کو قریش نے بنایا اس وقت رسول اللہ ﷺ جو ان تھے امام حاکم نے اس حدیث کی اصل کو صحیح قرار دیا ہے۔ (حضرت ابراہیم اور قریش کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر سال کا عرصہ ہے)

(۴) امام محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں بیان کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال کی تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لیے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے، پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پھر جمع کیے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آگئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا، حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوزمے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا، اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ داخل ہوئے لوگوں نے کہا یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ، پھر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھالیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کر دیا۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۲۱۷-۲۱۸، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر ۱۳۳۸ھ)

(۵) اس کے بعد ۶۳ھ یا ۶۵ھ ہجری میں حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کر کے رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق بناء ابراہیم پر کعبہ کو بنادیا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا۔

(۶) پھر تتر (۷۳ھ) میں عبد الملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی بناء کو منہدم کر دیا اور دوبارہ قریش کی بناء پر کعبہ کو بنادیا اور آج تک کعبہ اسی بناء قریش پر قائم ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حافظ ابن عبد البر اور قاضی عیاض وغیرہ نے لکھا ہے کہ رشید یا مہدی یا منصور نے دوبارہ کعبہ کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے مطابق بنانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں امام مالک سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہیں کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے، تو پھر اس نے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا، فاکھی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن الزبیر کعبہ کو بنانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو اس وقت منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بعد کوئی اور امیر آئے گا تو پھر اس میں تغیر کرے گا اس کو اسی طرح رہنے دو۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۴۳۸، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ کعبہ کو دس بار بنایا گیا، پہلی بار فرشتوں نے بنایا، دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے، تیسری بار ان کی اولاد نے، چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے، پانچویں بار عمالقہ نے، چھٹی بار جرہم نے، ساتویں بار نبی ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے، آٹھویں بار نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے قریش نے، نویں بار حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اور دسویں بار حجاج بن یوسف نے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول وہی ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے مدلل اور باحوالہ بیان کیا ہے۔

کعبہ کے فضائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا : اس شہر کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کے کانٹوں کو (بھی) نہیں کاٹا جائے گا، نہ اس کے جانوروں کو بھگایا جائے گا اور نہ اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی شخص اس کی گری ہوئی چیز اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۱، مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ہرچند کہ اس حدیث میں مکہ مکرمہ کی فضیلت ہے لیکن مکہ مکرمہ کی یہ فضیلت کعبہ کی وجہ سے ہے اور کعبہ ہی کی وجہ سے مکہ کو حرم بنایا گیا ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور سوائے نیکی کے اور کوئی بات نہ کی تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگ ایک سال تک اس بیت کی زیارت نہ کریں تو وہ بارش سے محروم ہو جائیں گے۔

سلیمان بن یسار بیان کرتے ہیں کہ کعبہ سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی فضیلت کے متعلق احادیث بیان کیں، شام کے ایک آدمی نے ان سے کہا : اے ابو عباس! آپ بیت المقدس کا بہت ذکر کرتے ہیں اور بیت اللہ کا اتنا ذکر نہیں کرتے؟ کعبہ نے ان سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں کعبہ کی جان ہے! اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر اس بیت سے افضل کوئی بیت پیدا نہیں کیا، اس بیت کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں، اور وہ ان سے کلام کرتا ہے، اور اس کا ایک دل ہے جس سے وہ تغزل کرتا ہے، یہ سن کر ابو حفص نام کے ایک شخص نے کہا کیا پھر کلام کرتا ہے، کعبہ نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! کعبہ نے اپنے رب سے یہ شکایت کی کہ میری زیارت کرنے والے اور میری طرف آنے والے کم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف یہ وحی کی کہ میں تمہاری طرف ایک نئی تورات نازل کروں گا، اور ایسے بندے بھیجوں گا جو رات کو جاگ کر سجدے کریں گے، اور تمہارے فراق میں روئیں گے اور تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے، اور جس نے تمہارے گرد سات طواف کیے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس بیت کے گرد سر منڈائے گا قیامت کے دن اس کو ہر بل کے بدلہ میں ایک نور

حاصل ہو گا۔ (المسنف ج ۵ ص ۱۳-۱۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر روز کعبہ کے گرد ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ساتھ رحمتیں کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے، چالیس اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۰۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ماسوا مسجد حرام (کعبہ) کے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا، پچیس نمازوں کے برابر ہے، اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ج ۱ ص ۴۵۳، مطبوعہ بیروت)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں :

عام محدثین یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی مسجد سے سو گنا افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک لاکھ گنا افضل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنا باقی مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔

(الاستاذ کار ج ۷ ص ۲۲۶، مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۳۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے گا، مسجد حرام، مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے طور پر جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی سفر کرنے والے کے لیے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے ماسوا مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے، الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۶۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور حافظ بدر الدین عینی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین مسجدوں کے علاوہ مطلقاً سفر کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ کسی اور مسجد کی خصوصیت کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنے کے قصد سے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے روزگار، علم دین کے حصول اور سیدنا محمد ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

لہذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی ﷺ کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے، نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

طلب علم، تجارت، نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے، نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(عمدة القاری ج ۷ ص ۲۵۴، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية مصر، ۱۳۳۸ھ)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۱-۱۶۰، مطبوعہ دار لکھنویروت)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہو بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہو بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۴۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عز الدین بن حماد الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں :

امام ابو سعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کئے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی، اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے، اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے، اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے، اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے، تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے پچھلے عملوں سے فارغ ہو گئے، اب از سر نو عمل شروع کرو، اور اس کو اس کے خاندان کے ستر نفوس کے حق میں شفاعت کرنے والا بنایا جائے گا۔ (اخبار مکہ ج ۲ ص ۵-۴)

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کے سات طواف کئے اور اس نے ان کلمات کے سوا اور کوئی کلام نہیں کیا : سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس نے یہ کلمات پڑھتے ہوئے طواف کیا وہ اللہ کی رحمت میں ڈوبا ہوا طواف کرے گا۔

امام فاکھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ طواف کرنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے شفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا امن والوں میں حشر کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد پچاس طواف کیے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے مراد پچاس مرتبہ سات طواف کرنا ہے، کیونکہ صرف ایک طواف کے ساتھ عبادت نہیں کی جاتی، امام عبدالرزاق اور امام فاکھی نے یہ روایت کیا ہے کہ جس نے پچاس مرتبہ سات طواف کیے تو وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو، اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ پچاس مرتبہ سات طواف ایک ہی وقت میں کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے صحیفہ اعمال میں پچاس بار سات طواف کرنے کا عمل ہونا چاہئے۔

امام سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور پچاس مرتبہ سات طواف کیے وہ اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

امام سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں آیا اور وہ اسی بیت کا ارادہ کر کے آیا تھا پھر اس نے طواف کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک آسمان پر اس کے سب سے معزز فرشتے وہ ہیں جو اس کے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں اور زمین پر اس کے نزدیک سب سے معزز وہ انسان ہیں جو اس کے بیت کے گرد طواف کرتے ہیں۔ (ہدایہ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

نیز علامہ عزالدین بن جماعہ الکنتانی لکھتے ہیں :

بیت اللہ کی آیات میں سے یہ ہیں کہ دلوں میں اس کی ہیبت واقع ہوتی ہے اس کے پاس دل جھک جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے اور اس پر بیٹھتے نہیں ہیں، البتہ اگر کوئی پرندہ بیمار ہو تو طلب شفاء کے لیے اس کے اوپر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منیٰ پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ بہت تنگ جگہ ہے لیکن جب لوگ یہاں آتے ہیں تو یہ وسیع ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منیٰ رحم کی طرح ہے، جب عورت کو حمل ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کو وسیع کر دیتا ہے۔ (ہدایہ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۹-۳۷، مطبوعہ بیروت)

مکہ مکرمہ کو بکہ اور مکہ کہنے کی مناسبت

اس آیت میں فرمایا ہے ”لوگوں کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے“ بکہ اور مکہ ایک شہر کے دو نام ہیں، اور چونکہ باء اور میم دونوں قریب الخرج ہیں اس لیے بکہ اور مکہ دونوں کہنا صحیح ہیں، مکہ مکرمہ کو بکہ کہنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) بک کا معنی ہے ایک دوسرے کو دھکا دینا، اور مکہ میں بہت رش اور ازدحام ہوتا ہے اس لیے لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں۔

(۲) چونکہ مکہ مکرمہ بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ بکاء سے بنا ہو اور چونکہ یہاں آکر لوگ یاد خدا میں اور خوف خدا سے بہت روتے ہیں اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں، اور مکہ کہنے کی یہ وجہ ہیں :

(۱) تمک الذنوب کا معنی ہے گناہوں کو زائل کرنا، چونکہ اس شہر میں عبادت کرنے اور حج اور عمرہ کرنے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

(۲) تمک العظم کا معنی ہے ہڈی کے اندر جو کچھ ہو اس کو کھینچ لینا، اور یہ شہر دوسرے شہروں کے لوگوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں

(۳) اس شہر میں پانی کم ہے گویا اس کا پانی کھینچ لیا گیا اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ مکہ پورے شہر کا نام ہے اور بکہ خاص مسجد حرام کا نام ہے کیونکہ بک کا معنی ازدحام ہے اور ازدحام اور ایک دوسرے کو دھکا دینا مسجد حرام میں طواف کے وقت ہوتا ہے، اور بعض علماء نے اس کے برعکس کہا کیونکہ قرآن مجید میں ہے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے اس سے متبادریں ہوتا ہے کہ یہاں بکہ شہر کو فرمایا ہے۔ بیت اللہ کے اسماء

بیت اللہ کے اسماء حسب ذیل ہیں :

(۱) بیت اللہ کا مشہور نام کعبہ ہے قرآن مجید میں ہے :

جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا
لِّلنَّاسِ (المائدہ : ۹۷)

کعبہ کا معنی شرف اور بلندی ہے، اور بیت اللہ بھی مشرف اور بلند ہے اس لیے اس کو کعبہ کہتے ہیں۔

(۲) بیت اللہ کو ایست العتیق بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (الحج : ۲۹)

اور وہ ایست العتیق کا طواف کریں۔

اس بیت کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے قدیم بیت ہے، اور عتیق کا معنی قدیم ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک آسمان اور زمین سے پہلے اس بیت کو بنایا گیا، عتیق کا دوسرا معنی ہے آزاد، اور بعض روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو طوفان نوح میں غرق ہونے سے آزاد رکھا، اور طوفان کے وقت اس کو اوپر اٹھالیا گیا، عتیق کا معنی قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اتنا قوی بنایا ہے کہ جو شخص اس کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو خود تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو

مخص اس بیت کی زیارت کے قصد سے آئے اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

(۳) بیت اللہ کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۚ لَيْلًا مِّنَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بنی اسرائیل : ۱)
سبحان ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے قلیل حصہ
میں مسجد حرام سے لے گیا۔

بیت اللہ کو مسجد حرام اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے اس شہر میں قتل کو حرام کر
دیا ہے، اور یہ دائمی حرمت ہے، نیز اس شہر میں شکار کو حرام کر دیا ہے، اس شہر کے درختوں کو اور اس کی گھاس کاٹنے کو حرام
کر دیا ہے، اس شہر کے جانوروں کو ستانا اور پریشان کرنا حرام ہے۔ اس میں حدود کو جاری کرنا حرام ہے اور اس شہر کے یہ تمام
احکام اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : برکت والا اور تمام جہن والوں کی ہدایت کا سبب ہے (آل عمران : ۹۶)
کعبہ کی برکت اور ہدایت کا معنی

برکت کا ایک معنی ہے کسی چیز کا بڑھنا اور زائد ہونا، اس لحاظ سے کعبہ اس لیے برکت والا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز کا
اجر دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے، جیسا کہ پہلے سنن ابن ماجہ اور الاسد کار کے حوالوں سے بیان کر چکے
ہیں، اور کعبہ میں حج کرنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے، امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں جملع کیا نہ
جملع کے متعلق کوئی بات کی اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) لوٹے گا جس دن وہ اپنی ماں کے
بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ
ہو جاتا ہے اور حج مبرور کی جزاء صرف جنت ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۶، مطبوعہ نور محمد راضی المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حج مبرور کی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور تعریف یہ ہے کہ اس حج کے دوران کوئی گناہ نہ کیا ہو، ایک قول یہ ہے کہ حج
کرنے کے بعد انسان پہلے سے زیادہ نیک ہو جائے اور دوبارہ گناہوں کو نہ کرے، دوسرا قول یہ ہے کہ جو حج ریاکاری کے لیے
نہ کیا جائے، تیسرا قول یہ ہے کہ جس حج کے بعد انسان گناہ نہ کرے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس نے حج کیا اور جملع یا اس سے
متعلق باتیں نہیں کیں اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس دن تھا جس دن اپنی ماں کے بطن سے
پیدا ہوا تھا، اس سے مراد یہ ہے کہ حج کے احرام سے لے کر حج مکمل ہونے تک۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۲۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۰۷ھ)

برکت کا دوسرا معنی دوام اور بقاء ہے، اور چونکہ روئے زمین پر ہر وقت کسی نہ کسی جگہ نماز کا وقت ہوتا ہے اس لیے
ہر وقت کعبہ کی طرف توجہ کر کے عبادت کی جاتی ہے اور خود کعبہ میں بھی ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے کعبہ کی طرف
توجہ نہ کر کے اور خود کعبہ میں دعا نما عبادت کی جاتی ہے۔

کعبہ تمام "المکین" کے لیے ہدایت ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) کعبہ تمام روئے زمین کے نمازی پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ہے اور وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لیے کعبہ تمام جہاں والوں کے لیے سمت قبلہ کی ہدایت ہے۔

(۲) کعبہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور کعبہ میں جو عجائب اور غرائب ہیں وہ سیدنا محمد ﷺ کے صدق اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اس اعتبار سے کعبہ تمام جہاں والوں کے لیے ہدایت ہے۔

(۳) کعبہ تمام جہاں والوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے جو خلوص نیت سے کعبہ کی زیارت کرے، کعبہ کا طواف کرے اور اس میں نمازیں پڑھے کعبہ ان کو جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے۔

کعبہ اور مقام ابراہیم کی نشانیاں

ان نشانیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) اس بیت کے بیت اللہ ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ بیت غیر آباد بیابان میں بنایا گیا جس کے اطراف میں پھلوں اور کھیتوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رہنے والوں کے لیے رزق پہنچانے کا بہترین انتظام کر دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر والوں کے لیے پھلوں کے حصول کی دعا کی تھی، سو تمام دنیا کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجاب دعا کا ثمر ہے۔

(۲) اس بیت میں اس بات کی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ یہی وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا تھا، اسی مقام کو حضرت ابراہیم نے ہجرت کے بعد اپنی رہائش کے لیے منتخب فرمایا، اسی کے پاس صفا اور مروہ کی وہ پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ بے قراری سے دوڑ رہی تھیں، یہیں پر زمزم نام کا وہ کنواں ہے جو حضرت جبرائیل کے پر مارنے سے جاری ہوا تھا، حضرت ہاجرہ نے اس بتے ہوئے چشمہ کو روکنے کے لیے زمزم کہا تھا اسی نام سے یہ کنواں آج تک موسوم ہے۔ اسی کے پاس منیٰ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے، یہیں پر وہ جمرات ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

(۳) اسی بیت کے شر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب! اس شہر کو امن

(ابراہیم: ۳۵) والا بنادے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پونے تین ہزار سال تک جاہلیت کے سبب تمام ملک عرب بد امنی کا شکار رہا اور اس شورش زدہ ملک میں صرف کعبہ کی سرزمین ہی ایسا حصہ تھی جس میں ہمیشہ امن رہا، بلکہ اسی کعبہ کی بدولت باقی ملک عرب میں بھی چار ماہ کے لیے امن ہو جاتا تھا۔

(۴) یہ کعبہ کی ہی فیض آفرینی ہے کہ حدود حرم میں وہ جانور بھی امن سے رہتے ہیں جن کا دوسری جگہوں پر شکار کر لیا جاتا ہے، بلکہ سرزمین کعبہ میں لگنے والے درخت کٹنے سے محفوظ رہتے ہیں اور حدود حرم میں مجرموں پر حد نہیں لگائی جاتی۔

(۵) جب سے بیت اللہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی سرزمین کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ رکھا سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے

پہلے ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے لہیلوں کے ذریعہ ہاتھیوں کی اس فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔
(۶) مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس میں ٹخنوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشن ثبت ہیں اور یودو نصاریٰ کی عداوت اور بغض کے بلوغد اس پتھر کا پونے تین ہزار سل سے محفوظ چلا آتا زیروست نشانی ہے۔
(۷) یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے اپنا سرد حلویا تھا دو سرا قول یہ ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔ (آل عمران : ۹۷)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا أَمْنًا وَنُحَاطُفُ
النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت : ۶۷)
اور حرم والوں کے آس پاس سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔
أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا أَمْنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ
ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رَزَقًا (القصص : ۵۷)
کیا ہم نے انہیں حرم میں نہیں بسایا؟ جو امن والا ہے اس کی
طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں۔
وَأَدْجَعْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا
اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کا مرجع اور مقام امن بنا
(البقرہ : ۱۲۵) دیا۔

حرم میں داخل ہونے والے مجرم کے ماموں ہونے میں مذہب فقہاء
علامہ ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں :

یہ آیت سورۃ "خبر ہے اور معنی" امر ہے ہمیں حرم میں قتل کرنے سے روکا گیا ہے اب یہ حکم دو حل سے خالی
نہیں ہے یا تو ہمیں ظلماً قتل کرنے سے روکا گیا ہے یا عدلاً قتل کرنے سے روکا گیا ہے یعنی جو شخص قتل کیے جانے کا مستحق
ہو اس کو بھی قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔ اگر اس آیت میں صرف ظلماً قتل کرنے سے روکا گیا ہے تو پھر حرم کی کوئی
خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ظلماً قتل کرنا کسی جگہ بھی جائز نہیں ہے لہذا اس سے متعین ہو گیا کہ جو شخص اپنے جرم کی
وجہ سے حرم میں قتل کیے جانے کا مستحق ہو حرم میں اس کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔

جو شخص غیر حرم میں کوئی جرم کرے پھر حرم میں آکر پناہ لے اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہ اور
ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص غیر حرم میں قتل کرے پھر حرم میں آکر پناہ لے تو جب تک وہ حرم میں رہے گا
اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا البتہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز دی جائے گی حتی
کہ وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آجائے پھر اس سے قصاص لے لیا جائے گا اور اگر اس نے حرم میں قتل کیا ہے تو پھر اس
سے حرم میں ہی قصاص لے لیا جائے گا اور اگر اس کے جرم کی سزا قتل سے کم ہے تو پھر بھی اس پر حرم میں سزا نافذ کر دی
جائے گی امام مالک اور امام شافعی (اور اسی طرح امام احمد) یہ کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں حرم میں قصاص لے لیا جائے گا۔
(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱ مطبوعہ سبیل الیڈمی لاہور ۱۴۰۰ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص ایسا جرم کرے جس پر حد لگتی ہو

مطلوع کرے یا چوری کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس سے بیچ کی جائے نہ اس کو پناہ دی جائے حتیٰ کہ وہ زچ ہو جائے اور پھر حرم سے باہر آجائے پھر اس پر حد قائم کی جائے کیونکہ حرم شدت کو زیادہ کرتا ہے۔

عطایان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے حرم کے علاوہ کہیں جرم کیا پھر اس نے حرم میں آکر پناہ لی اس کو کوئی چیز پیش کی جائے گی اور نہ اس سے بیچ کی جائے گی اور نہ اس سے کلام کیا جائے گا اور نہ اس کو پناہ دی جائے گی حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آجائے اور جب وہ حرم سے باہر آجائے گا تو اس کو پکڑ لیا جائے گا اور پھر اس پر حد قائم کی جائے گی۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے کوئی جرم کیا پھر بیت اللہ میں آکر پناہ لی وہ مامون ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز پر سزا دیں حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے اور جب وہ باہر آئے تو اس پر حد قائم کر دیں۔

عطایان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں حضرت عمر کے قاتل کو حرم میں دیکھوں تو اس کو کچھ نہیں کہوں گا۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص کوئی جرم کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس کو پناہ دی جائے نہ بٹھایا جائے نہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے نہ کھلایا جائے نہ پلایا جائے حتیٰ کہ وہ حرم سے باہر آجائے سعید بن جبیر کی روایت میں ہے جب وہ حرم سے باہر آجائے تو اس پر حد قائم کر دی جائے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۰-۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہ تمام آثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی واضح دلیل ہیں اور یہی آیت کریمہ ”وَمَنْ دَخَلَ كَانَ آمِنًا“ کا صریح مدلول ہے ائمہ ثلاثہ اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جو شخص حرم میں داخل ہو گیا وہ آخرت میں عذاب مامون ہو جائے گا امام رازی نے اس آیت کی ایک یہ تاویل بھی کی ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے لیے جائے گا وہ مامون ہو گا لیکن یہ تمام تاویلات ضعیف ہیں علامہ ابوبکر جصاص نے اس آیت کی یہ تقریر کی ہے کہ اگر اس آیت کو خبر پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہو گا جو شخص بھی حرم میں داخل ہو وہ مامون ہو گیا حالانکہ حرم اور مشاہدہ اس کا مذہب ہے کیونکہ کئی لوگ حرم مکہ میں داخل ہوتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں اس لیے یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں داخل ہو اس کو مامون رکھو اور اگر وہ جرم کر کے آیا ہو تو اس پر حد جاری نہ کرو اور اس لحاظ سے اس آیت کا واقع کے خلاف ہونا لازم نہیں آتا اور اگر امام رازی کی تاویل کے مطابق یہ کہا جائے کہ جو شخص حرم میں داخل ہو وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہو گیا تو اس کے معارض یہ ہے کہ بعض گنہ گار مسلمان یا بعض منافقین حرم میں داخل ہونے کے بلوچہ عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو بد عقیدہ اور گمراہ لوگ حرم میں رہتے ہیں وہ بھی عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو حج کرنے کے بعد العیاذ باللہ مرتد ہو گیا وہ بھی مامون نہیں ہو گا اس لیے اس آیت کی تقریر وہی ہے جو علامہ ابوبکر رازی حنفی نے کی ہے کہ یہ آیت بہ ظاہر خبر ہے اور حقیقت میں امر ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں آجائے اس کو مامون رکھو اور ہم نے جو آثار ذکر کیے ہیں ان کا ائمہ ثلاثہ کے جواب نہیں ہے۔

حرم میں قتل کے ٹکویٹا" ممنوع ہونے پر بحث و نظر

حرم مکہ میں تشریعا "قتل ممنوع ہے" اور وہاں ٹکویٹا" قتل ممنوع نہیں ہے (حرم میں قتل تشریعا" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حرم میں قتل نہ کیا جائے اور حرم میں قتل ٹکویٹا" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حرم میں قتل نہیں ہوگا) ذوالقعدہ ۷۷۲ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما پر حجاج بن یوسف نے جو حرم میں حملہ کیا اور جمادی الثانیہ ۷۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ میں شہید کیا وہ ناجائز اور مکملہ کبیرہ تھا اور اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حرم شریف شرعا" مامون ہے ٹکویٹا" مامون نہیں ہے، بعض علماء نے حرم کو ٹکویٹا" بھی مامون لکھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

دوسرے حرم میں داخل ہونے والے کامامون و محفوظ ہونا یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ٹکویٹا" طور پر ہر قوم و ملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈال دی ہے، اور وہ سب عموما" ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں، حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے۔

حجاج بن یوسف نے جو حرم میں قتل کیا اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں :

اور ٹکویٹا" طور بھی اس کو احترام بیت اللہ کے منافی اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا وہ بھی جانتا تھا کہ میں ایک سنگین جرم کر رہا ہوں لیکن سیاست و حکومت کی مصلح نے اس کو اندھا کیا ہوا تھا۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۲۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

اس توجیہ کے ظاہر البطلان ہونے کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۳۱۷ھ میں قاہر محمد بن المعتض باللہ کے دور خلافت میں قرامطہ نے حرم مکہ پر حملہ کیا اور بے شمار حجاج کو تہ تیغ کیا کعبہ کی بے حرمتی کی اور حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور بائیس سال کے بعد اس کو واپس کیا اور انہوں نے حرم میں جو خون ریزی کی تھی وہ جرم سمجھ کر نہیں کی تھی، کہ وہ کوئی جرم کر رہے ہیں اس سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ حرم میں قتل کرنا تشریعا" ممنوع ہے اور ٹکویٹا" ممنوع نہیں ہے۔

قرامطہ کا مکہ فتح کر کے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۷ھ لکھتے ہیں :

قرامطہ نے ۸ ذوالحجہ کو مکہ پر حملہ کیا اور حجاج کے اموال لوٹ لیے اور ان کو تہ تیغ کیا، مکہ کے راستوں، گھاٹیوں، مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے اندر بے شمار حجاج کو قتل کیا گیا، اور قرامطہ کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا، اور اس کے گرد حجاج کی لاشیں گر رہی تھیں اور حرمت والے مہینہ میں، مسجد حرام میں ۸ ذوالحجہ کے معظم دن مسلمانوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور ابو طاہر ملعون کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں، میں ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہوں اور میں ہی مخلوق کو فنا کرتا ہوں، لوگ اس سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے لپٹتے تھے اور انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ اسی حال میں قتل کیے جا رہے تھے اور حالت طواف میں قتل کیے جا رہے تھے بعض محدثین بھی اس دن طواف کر رہے تھے ان کو بھی طواف

کے بعد قتل کر دیا گیا۔

جب قرمطی ملعون حجاج کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ مقتولین کو زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا جائے اور بہت سے حجاج کو حرم کی جگہوں میں دفن کر دیا گیا اور بہت سوں کو مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا، ان حجاج کو غسل دیا گیا نہ کفن دیا گیا نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی، وہ سب حالت احرام میں شہید ہوئے تھے، اس ملعون نے زمزم کا گنبد گرا دیا اور کعبہ کے دروازہ کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور اس کے پردے اتارنے کا حکم دیا، اس نے وہ پردے پھاڑ کر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیئے، اس نے کعبہ کے میزبان کو بھی اکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا پھر اس نے ایک بھاری آلہ کے ذریعہ حجر اسود کو اکھاڑ کر کعبہ سے الگ کر لیا، اور وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ابابیل نامی پرندے کہاں ہیں؟ اور وہ نشان زدہ کنکریاں کہاں ہیں؟ پھر وہ حجر اسود کو اپنے ساتھ اپنے ملک (الاحساء، خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ کی راہ پر ہے) میں لے گئے، بائیس سال تک ان کے پاس حجر اسود رہا، اس کے بعد انہوں نے اس کو واپس کیا جیسا کہ ہم ۳۳۹ھ کے حالات میں ذکر کریں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جب قرمطی حجر اسود لے کر اپنے ملک میں پہنچا تو امیر مکہ اپنے اہل بیت اور لشکر کو لے کر اس کے پیچھے گیا اور اس کی خوشامد کی کہ وہ حجر اسود اس کو واپس کر دے تاکہ وہ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ دے اور اس کے عوض اس کے پاس جس قدر بھی مال تھا وہ اس کو پیش کر دیا، لیکن قرمطی نہیں مانا، پھر امیر مکہ نے اس سے جنگ کی، قرمطی نے اس کو اور اس کے اکثر اہل بیت کو قتل کر دیا، اور حجر اسود اور حجاج کے دیگر اموال قرمطی کے قبضہ میں رہے، اس ملعون نے مسجد حرام میں اس قدر الحاد کیا جو پہلے کبھی ہوا تھا نہ بعد میں ہوا، اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایسی سزا دے گا جیسی اس سے پہلے کسی کو نہ دی ہوگی، قرامطہ نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ وہ کفار اور زندیق تھے اور اس صدی میں افریقہ میں زمین کے مغرب میں جو فاطمیین نمودار ہوئے تھے انہوں نے ان کا بھیس بدل لیا تھا، ان کے امیر کا لقب مہدی تھا، اس کا نام ابو محمد عبید اللہ بن میمون القدرح تھا، یہ سلمیہ میں رہتا تھا، یہ اصل میں یہودی تھا، پھر اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا، پھر یہ افریقی ممالک میں داخل ہو گیا، اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ فاطمی سید ہے، بربر کی ایک بڑی جماعت اور دوسرے جاہلوں نے اس کی تصدیق کر دی، اور اس نے حکومت قائم کر لی اور یہ جملہ نامی شہر کا بادشاہ بن گیا، پھر اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام مہدیہ رکھا، اور قرامطہ اس کے ساتھ پیغام رسانی رکھتے تھے۔ یہ سب ان کی سیاست تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۶۰-۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کعبہ کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے اصحاب الفیل کی طرح قرامطہ پر عذاب کیوں نہیں آیا؟

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اصحاب الفیل نصاریٰ تھے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں اس طرح کی خوریزی نہیں کی تھی جیسی قرامطہ نے کی اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرامطہ، یہود، نصاریٰ، مجوس بلکہ بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں اور انہوں نے مکہ مکرمہ کی اور مسجد حرام کی ایسی بے حرمتی کی ہے جو کسی نے بھی نہیں کی تو پھر ان پر اس طرح جلد عذاب کیوں نہیں آیا جس طرح اصحاب الفیل پر آیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصحاب الفیل پر فوری گرفت بیت اللہ کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے کی گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عظمت والے شہر میں نبی ﷺ کو مبعوث کرنا تھا اور جس زمین کے خطہ مبارکہ میں آپ کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ اصحاب الفیل اس خطہ زمین کی اہانت کرنا چاہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فوراً ہلاک کر دیا اور اس سے پہلے کی شریعتوں میں مکہ مکرمہ اور کعبہ کی فضیلت نہیں بیان کی گئی تھی، اگر اصحاب

افیل اس شرمیں داخل ہو کر اس کو تباہ کر دیتے تو پھر لوگوں کے لیے اس کی فضیلت کا اعتراف کرنا بہت مشکل ہوتا اور رہے یہ قرامطہ تو انہوں نے حرم شریف کی بے حرمتی شرعی احکام اور قواعد کے مقرر ہونے کے بعد کی ہے اور جب سب کو بداعتہ "معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ کے دین میں مکہ اور کعبہ محترم ہیں اور ہر مومن کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے حرم میں بہت بڑا الحاد کیا ہے اور یہ بہت بڑے ملحد اور کافر ہیں۔ اس لیے ان کو فوراً سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کو روز قیامت کے لیے موخر کر دیا، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا، پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی :

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ
الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ
الْأَبْصَارُ ○ (ابراہیم : ۴۲)

ظالموں کے کاموں سے اللہ کو ہرگز غافل نہ کرو وہ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

لَا يَغْنَرُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ○
مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا وَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبَشَسَ الْإِمَّهَادُ ○

(اے مخاطب!) کافروں کا (تکبر کے ساتھ) ملکوں میں پھرنا، تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے، (یہ حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے!

(آل عمران : ۱۹۷) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے!
نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ان کو تھوڑا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو سخت عذاب کی طرف کھینچ لیں گے۔
(البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرامطہ کی تاریخ

صحیح معنی میں عربوں اور لیبیوں کی باغی جماعتوں کا نام قرامطہ تھا، جو ۲۶۴ھ سے عراق زیریں میں زنج کی جنگ غلامی کے بعد منظم ہوئیں جس کی بنیاد اشتراکی نظام پر رکھی گئی، پر جوش تبلیغ کے باعث اس خفیہ جماعت کا دائرہ عوام، کسانوں اور اہل حرفت تک وسیع ہو گیا، خلیفہ بغداد سے آزاد ہو کر انہوں نے الاحساء (خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ مکرمہ کی راہ پر ہے۔ منہ) میں ایک ریاست کی بنیاد رکھ لی، اور خراسان، شام اور یمن میں ان کے ایسے اڈے قائم ہو گئے جہاں سے ہمیشہ شور شیں ہوتی رہتی تھیں۔

نویں صدی عیسوی کے درمیان انہوں نے ساری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، پھر اسماعیلی خاندان نے اس تحریک پر اپنا قبضہ کر لیا انہوں نے ۲۹۷ھ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے ایک حریف سلطنت قائم کی یہ تحریک ناکام رہی آخر کار دولت فاطمیہ کے ساتھ اس تحریک کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اشتقاقی اعتبار سے اس باغیانہ تحریک کے اولین قائد حمدان قرط (یہ ایک ملحد شخص تھا) کی طرف یہ نام منسوب ہے، قرامطہ کی تحریک بغاوت کا آغاز حمدان نے واسطہ کے مضافات سے شروع کیا، ۲۷۷ھ میں اس نے کوفہ کے مشرق میں اپنے رفقاء کے لیے دارالہجرت کی بنیاد ڈالی جن کے متعلق رضا کارانہ چندے (مثلاً صدقہ فطر اور خمس وغیرہ) جماعت کے مشترکہ خزانے میں جمع ہوتے تھے، عراق زیریں میں بزور شمشیر قرامطہ کی تحریک ختم کر دی گئی اور ۲۹۳ھ میں اس کی سیاسی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد اس تحریک نے الاحساء میں پھر سر اٹھایا ۲۸۲ھ میں عبدالقیس کے ربیعہ قبیلہ کی اعانت سے البہلی نے

احساء کے سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک آزاد ریاست قائم کر لی جو قرامہ کی پشت پناہ اور خلافت بغداد کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گئی، الجبلی کے بیٹے اور جانشین ابوطاہر سلیمان (۳۰۱ھ تا ۳۳۲ھ) نے عراق زیریں کی تاخت و تاراج کے ساتھ ساتھ حجاج (حج کرنے والوں) کے راستے بند کر دیئے آخر ۸ ذوالحجہ ۳۱۷ھ کو اس نے مکہ فتح کر لیا اور اس کے چھ روز بعد حجر اسود کو اٹھا کر لے گیا تاکہ اسے الاحساء میں نصب کر سکے، اپنے باپ کی طرح ابوطاہر بھی ایک خفیہ انجمن کا داعی اور الاحساء میں اس کا ناظم امور خارجہ تھا۔

اس نے یہاں بزرگان قبیلہ (السادة) کی ایک نمائندہ مجلس قائم کی اور امور داخلہ کا نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا۔ یہ تنظیم قرامہ کی عسکری قوت کے زوال کے بعد ۳۲۲ھ تک باقی تھی، تاآنکہ اسماعیلی دعوت کے احیاء نے ایک نئے خاندان مکرمیہ کی شکل اختیار کی جس کا مرکز المومنیہ تھا۔

قرامہ کے عقائد

قرمطی عقائد میں عام رجحان یہ ہے کہ حضرت علی کے حق خلافت کے نظریہ کو ایک مقصد کے بجائے ایک ذریعہ سمجھا جائے، ان کے نزدیک امامت کوئی موروثی اجارہ نہیں جو ایک ہی خاندان میں منتقل ہوتا رہے، ۲۸۷ھ میں عبید اللہ نے فاطمی خاندانی لقب اختیار کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ نسلی اعتبار سے ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کی اسماعیلی شاخ سے ملتا ہے۔

جب المغرب (تونس) میں خلافت فاطمیہ قائم ہو گئی تو خراسان اور یمن کی طرح الاحساء میں بھی قرامہ نے عام طور پر ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیں، ابوسعید ابتداء ہی سے صاحب الناقہ کو خمس ادا کرتا تھا، پھر حیلے بہانے کے بعد ابوطاہر نے یہ رقم القائم کو بھیجنا شروع کر دی، لیکن وہ اس کے جائز استحقاق کے متعلق اس قدر بدگمان تھا کہ ۳۱۹ھ میں اس نے ایک دیوانے ابو الفضل الزکری التمامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے امام منتظر کی حیثیت سے تخت نشین کر دیا، ۳۴۰ھ میں فاطمی خلیفہ المنصور کے حکم سے حجر اسود اہل مکہ کو واپس کر دیا گیا۔

قرامہ کے عقائد میں الوہیت محض ایک تصور واحد ہے جو تمام صفات سے مبرا اور منزہ ہے، حقیقی عبادت کا تعلق اس علم کے حصول پر ہے کہ ذات الہیہ سے باہر کائنات کا تخلیقی ارتقاء کن کن مدارج سے گزرا ہے، ہر مرید کو بتدریج اس علم سے آشنا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ معکوس عمل معرفت سے ان مدارج ارتقاء کو فراموش کر کے ذات الہی میں جذب ہو جائے۔

اگر قرامہ کے اصول و عقائد کا مقابلہ ان کے پیش رو امامیہ عقائد سے کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے نجیسی اور شخصی تصورات اور حضرت علی اور ان کے اخلاف کی پرستش کی بجائے قرامہ کے ہاں ان عقائد کو محض عقلیت کے رنگ میں اور مجرد تصورات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ فلسفہ میں الفارابی اور ابن سینا کے مثالی امامت کے سیاسی نظریہ اور عقول عشریہ کا نظریہ صدور، ان کے زیر اثر تسلیم کئے گئے، ایسے ہی اصول و عقائد میں بھی قرمطی اثرات سرایت کر گئے، مثلاً قرامہ وحدۃ الوجود کو مانتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ حروف ابجد محض عقلی علامات ہیں نام کسی شے کا جب ہے اس کا شہود نہیں۔ انبیاء، ائمہ اور ان کے مریدان خاص کی عقول اشعہ نورانیہ کے شرارے ہیں جو ابتدائی انوار و تجلیات کے وقفوں کے مطابق نور ظلامی یعنی غیر حقیقی اور اندھے لمبے میں گھری ہوئی ہوتی ہیں اور یک بیک یوں منور ہو جاتی ہیں جیسے آئینہ

میں عکس۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲/۱۱ ص ۳۲-۲۱ ملخصاً مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے اس کے بعد حج بیت اللہ کی فرضیت بیان فرمائی، نیز اس آیت میں لوگوں پر حج کا فرض ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کو مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی حج اور دیگر اسلامی احکام کے مخاطب ہیں۔

حج کی تعریف، شرائط، فرائض، واجبات، سنن اور آداب، ممنوعات اور مکروہات

حج کا لغوی معنی ہے کسی عظیم شے کا قصد کرنا اور اس کا شرعی معنی حسب ذیل ہے :

نو ذوالحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے دس ذوالحجہ کی فجر تک حج کی نیت سے احرام باندھے ہوئے میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے آخر عمر تک کسی وقت بھی کعبہ کا طواف زیارت کرنا حج ہے، حج کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وقوف عرفات اور کعبہ کے طواف زیارت کا قصد کرنا حج ہے۔

حج کی شرائط یہ ہیں : حج اسلام کرنے والا مسلمان ہو، آزاد ہو، مکلف ہو، صحیح البدن ہو، بصیر ہو، اس کے پاس حج کے لیے جانے، سفر حج تک کے قیام، حج سے واپس آنے اور اس دوران جن کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے ان سب کا خرچ ہو، نیز اس کے پاس سواری ہو یا سواری کا خرچ ہو، اور راستہ مامون ہو، اور اگر عورت حج کرنے والی ہے تو اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا عاقل بالغ محرم ہو۔

حج کے فرائض : حج میں تین امور فرض ہیں۔ احرام، ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے دسویں کی فجر تک کسی بھی وقت میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے اخیر عمر تک کسی بھی وقت کعبہ کا طواف کرنا، موخر الذکر دونوں رکن ہیں، ان میں ترتیب بھی فرض ہے یعنی پہلے حج کی نیت سے احرام باندھنا، پھر وقوف عرفات کرنا، اور اس کے بعد طواف زیارت کرنا، حج کی سعی کو طواف زیارت سے پہلے کرنا بھی جائز ہے۔

حج کے واجبات : مزدلفہ میں وقوف کرنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا)، جبرات کو رمی کرنا، طواف وداع کرنا (مکہ میں رہنے والا اور حائضہ عورت طواف وداع سے مستثنیٰ ہے) سرمنڈانا یا بیل کٹوانا، میقات سے احرام باندھنا، غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کرنا، طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرنا، اپنی دائیں جانب سے طواف کرنا، اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر طواف کرنا، با وضو طواف کرنا (ایک قول یہ ہے کہ وضو سنت ہے)، پاک کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا، شرم گاہ کو ڈھانپ کر رکھنا، صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء صفا سے کرنا، اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر سعی کرنا، قرآن اور تمتع کرنے والے کے لیے ایک بکری ذبح کرنا، سات چکر پورے ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا، قربانی کے دن رمی جبرات، سرمنڈانے اور قربانی کرنے کے افعال کو ترتیب وار کرنا، قربانی کے تین دنوں میں کسی ایک دن میں طواف زیارت کرنا، حطیم کے باہر سے طواف کرنا، طواف کے بعد سعی کرنا، قربانی کے ایام میں اور حرم کے اندر حلق کرنا۔

حج کے سنن اور آداب : خرچ میں وسعت اختیار کرنا، ہمیشہ با وضو رہنا، فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا (گالی وغیرہ سے حفاظت کرنا واجب ہے)، اگر ماں باپ کو اس کی ضرورت ہو تو ان سے اجازت لے کر حج کے لیے جانا، قرض خواہ اور کفیل سے بھی اجازت طلب کرنا، اپنی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا، لوگوں سے کہنا معاف کرنا، ان سے دعا کی درخواست کرنا،

ماتے وقت کچھ صدقہ و خیرات کرنا، اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرے، جن لوگوں کے حقوق چھین لیے تھے وہ واپس کر دے، اپنے دشمنوں سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرے، جو عیالات فوت ہو گئیں (مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں) ان کی قضا کرے، اور اس کو تباہی پر تلام ہو اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے، اپنی نیت کو ریاکاری اور فخر سے مبرا کرے، حلال اور پاکیزہ سفر خرچ کو حاصل کرے کیونکہ حرام مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا، اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے، اگر اس کا مال مشتبہ ہو تو کسی سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کر دے، راستہ میں گناہوں سے بچتا رہے اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، سفر حج میں تجارت کرنے سے اجتناب کرے ہرچند کہ اس سے ثواب کم نہیں ہوتا۔

حج کے ممنوعات : جماع نہ کرے، احرام کی حالت میں سر نہ منڈائے، ناخن نہ کاٹے، خوشبو نہ لگائے، سر اور چہرہ نہ ڈھانپے، سلاہوا کپڑا نہ پہنے، حرم اور غیر حرم میں شکار کے درپے نہ ہو، حرم کے درخت نہ کاٹے۔

حج کے مکروہات : اگر ماں باپ کو اس کی خدمت کی ضرورت ہے اور وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں تو اس کا حج کے لیے جانا مکروہ ہے، اور اگر ان کو اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اگر ماں باپ نہ ہوں اور دادا، دادی ہوں تو وہ ان کے قائم مقام ہیں، اس کے اہل و عیال جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں اور اسے ان کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کو یہ خدشہ ہو کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ ضائع ہو جائیں گے تو پھر اس کا حج پر جانا مکروہ ہے، اگر کسی شخص کا بیٹا بے ریش ہو تو وہ داڑھی آنے تک اس کو حج کرنے سے منع کرے، اگر حج فرض ہو تو وہ ماں باپ کی اطاعت سے اولیٰ ہے اور اگر حج نفل ہو تو ماں باپ کی اطاعت اولیٰ ہے، جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو قرض ادا کرنے سے پہلے اس کا حج یا جہاد کے لیے جانا مکروہ ہے، ہاں اگر قرض خواہ اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

(یہ تمام احکام اور مسائل در مختار، رد المحتار اور عالمگیری سے ماخوذ ہیں)

حج کے فضائل

امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حج کیا اور (اس میں) جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح (پاک) لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک عمرہ سے لے کر دو سر عمرہ اس کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے، اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔

(موطأ امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، حلیۃ الاولیاء)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا، تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں، آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، آپ نے فرمایا اے عمرو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جو چاہو شرط لگاؤ، میں نے عرض کیا میری مغفرت کر دی جائے، آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام اس

سے پہلے کے گناہوں کو مٹاتا ہے، اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری رائے میں جملہ افضل ہے کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا لیکن افضل حج مبرور ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے۔
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کمزور آدمی کا جملہ حج ہے۔ (سنن ابن ماجہ)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے، پوچھا گیا بر کیا ہے؟ فرمایا: کھانا کھانا اور اچھی باتیں کرنا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، امام بیہقی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کرو کیونکہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے زنگ کو مٹاتی ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی)

حضرت عبد اللہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج کرو کیونکہ حج گناہوں کو دھو ڈالتا ہے جس طرح پانی میل کو دھو ڈالتا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج کرنے والا اپنے خاندان کے چار سو آدمیوں کے لیے شفاعت کرتا ہے اور اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آتا ہے جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص مسجد حرام کے قصد سے روانہ ہوا، اور اپنے اونٹ پر سوار ہوا اس کے اونٹ کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک نیکی لکھ دے گا اور اس کا ایک گناہ مٹا دے گا، اور اس کا ایک درجہ بلند کر دے گا، حتیٰ کہ جب وہ بیت اللہ پہنچ کر طواف کرے گا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا پھر سر منڈوائے یا بال کٹوائے گا تو وہ گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

(سنن بیہقی)

حضرت زاذان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سخت بیمار ہو گئے، انہوں نے اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مکہ سے پیدل حج کے لیے روانہ ہوا حتیٰ کہ واپس مکہ پہنچ گیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ سات سو نیکیاں لکھ دے گا، اور ہر نیکی حرم کی نیکیوں کی طرح ہوگی، ان سے پوچھا گیا اور حرم کی نیکیاں کتنی ہیں انہوں نے فرمایا ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے دونوں نے عیسیٰ بن سوارہ سے روایت کیا ہے، حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام ابن خزیمہ نے کہا اگر حدیث صحیح ہو تب بھی عیسیٰ بن سوارہ کے متعلق دل میں تشویش ہے، امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے۔ (حافظ ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے، امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک سند میں کذاب راوی ہے اور دوسری سند میں اسماعیل بن ابراہیم کی سعید بن

جیسر سے روایت ہے اور اس کو میں نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹) میں کہتا ہوں کہ امام ابو یعلیٰ کی سند میں سعید بن جیسر سے روایت کرنے والا مجہول ہے اور یہ سند منقطع ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے وفد ہیں اللہ نے ان کو بلایا تو انہوں نے لبیک کہا یہ اللہ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ انہیں عطا فرماتا ہے اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی سنن اور صحیح میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حج کرنے والے کی مغفرت کی جائے گی اور جس کے لیے حج کرنے والا استغفار کرے گا اس کی مغفرت کی جائے گی۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۷-۱۶۳، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ) حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی آئے انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے ایک سوال کرنے آئے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں خود تمہارا سوال بیان کروں اور اگر تم چاہو تو تم سوال کرو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بیان فرمائیں ہمارا ایمان اور زیادہ ہو گا! انصاری نے ثقفی سے کہا تم سوال کرو اس نے کہا بلکہ تم سوال کرو انصاری نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے! آپ نے فرمایا تم یہ سوال کرنے آئے ہو کہ جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہو اور بیت اللہ کا طواف کرو تو اس میں تمہارے لیے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا اجر ہے؟ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا کیا اجر ہے؟ اور وقوف عرفہ کا کیا اجر ہے؟ اور رمی جمار کا کیا اجر ہے؟ اور نحر (قربانی) کا کیا اجر ہے؟ اور سر منڈانے کا کیا اجر ہے؟ اور اس کے بعد طواف (زیارت) کا کیا اجر ہے؟ انصاری نے کہا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم آپ سے یہی سوال کرنے آئے تھے آپ نے فرمایا : جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہوتے ہو تو تمہاری سواری کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے کے بدلہ میں اللہ تمہاری ایک نیکی لکھتا ہے ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جب تم طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہو تو تمہیں اولاد اسماعیل سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے اور جب تم صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہو تو تمہیں ستر غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے اور جب تم زوال آفتاب کے بعد میدان عرفات میں وقوف کرتے ہو تو اللہ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے یہ میرے بندے ہیں جو در دراز کے علاقوں سے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں یہ میری رحمت اور میری مغفرت کی امید رکھتے ہیں سو اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں تو اللہ ان کو معاف کر دے گا میرے بندو! عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاؤ تمہاری بھی مغفرت ہوگی اور جن کی تم شفاعت کرو گے اس کی بھی مغفرت ہوگی اور جب تم رمی جمار (کنکری پھینکتے ہو) کرتے ہو تو ہر کنکری کے بدلہ میں تمہارا ایک کبیرہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور تمہاری قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ کی جائے گی اور جب تم سر منڈاتے ہو تو ہر بل کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے انصاری نے کہا : یا رسول اللہ! اگر اس کے گناہ کم ہوں؟ آپ نے فرمایا تو پھر اس کی نیکیاں ذخیرہ کی جائیں گی اور جب تم اس کے بعد طواف (زیارت) کرو گے تو تم اس حل میں طواف کرو گے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہو گا پھر ایک فرشتہ تمہارے

دو کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا جاؤ از سر نو عمل کرو تمہارے پچھلے گنہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

(الطالب العالیہ ج ۱ ص ۳۳۳-۳۳۴ توزیع عباس احمد الباز مکہ مکرمہ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں اسماعیل بن رافع نام کا ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حج کی عبادت انجام دیں اور مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ کے شر سے محفوظ رہے، اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بیت اسلام کا ستون ہے، جو شخص حج، عمرہ یا زیارت کے قصد سے اس بیت کے لیے روانہ ہو، تو اللہ اس بات کا ضامن ہے کہ اگر وہ اس دوران فوت ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کر دے اور اگر اس کو لوٹائے تو اجر اور غنیمت کے ساتھ لوٹائے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۰۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہو اور راستہ میں مر گیا، اس سے حساب نہیں لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اس حدیث کو امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی عائد بن بشیر ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص حج کے لیے روانہ ہو اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک حج کا اجر لکھا جاتا رہے گا، اور جو شخص عمرہ کے لیے روانہ ہو اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا اجر لکھا جاتا رہے گا، اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے روانہ ہو اور مر گیا، اس کے لیے قیامت تک غازی کا اجر لکھا جاتا رہے گا۔ اس حدیث کو بھی امام ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (الطالب العالیہ ج ۱ ص ۳۲۶-۳۲۷ توزیع عباس احمد الباز مکہ مکرمہ)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں جمیل بن ابی میمونہ ہے، امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو حج کی استطاعت کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں :

استطاعت میں تین قول ہیں : امام شافعی کے نزدیک استطاعت مال سے ہوتی ہے اور یہ سفر خرچ اور سواری ہے،

امام مالک کے نزدیک استطاعت بدن کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ شخص صحت مند اور تندرست ہو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک

استطاعت مال اور بدن دونوں کے ساتھ مشروط ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۳۱۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی استطاعت کی تفسیر مال اور بدن دونوں کے ساتھ کی ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۲۲۸، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

قلوی عالم گیری میں استطاعت کی تفصیل میں حسب ذیل امور مذکور ہیں :

(۱) حج کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی رہائش، کپڑوں، نوکروں، گھر کے سلمان اور دیگر ضروریات سے اس قدر زائد ہو کہ مکہ مکرمہ تک جانے کے دوران حج تک وہاں رہنے اور پھر واپس آنے کے لیے اور سواری کے خرچ کے لیے کافی ہو اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال ہو جس سے وہ اپنے قرضہ جات ادا کر سکے اور اس عرصہ کے لیے اس کے اہل و عیال کا خرچ پورا ہو سکے اور گھر کی مرمت اور دیگر مصارف ادا ہو سکیں۔

(۲) اس کو یہ علم ہو کہ اس پر حج کرنا فرض ہے، جو شخص دارالاسلام میں رہتا ہے اس کے لیے دارالاسلام میں رہنا اس علم کے قائم مقام ہے، اور جو شخص دارالحرب میں ہو اس کو دو مسلمان خبر دیں یا ایک عادل مسلمان خبر دے کہ اس پر حج فرض ہے تو یہ اس کے علم کے لیے کافی ہے

(۳) وہ شخص سالم الاعضاء اور تندرست ہو، حتیٰ کہ لولے، لنگڑے، مفلوج، ہاتھ پیر بریدہ، بیمار اور بہت بوڑھے شخص پر حج فرض نہیں ہے، اگر وہ سفر خرچ اور سواری کے مالک ہوں تب بھی ان پر حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ بیمار شخص پر حج کی وصیت کرنا فرض ہے۔ (فتح القدیر والبحر الرائق) اسی طرح جو شخص قیدی ہو یا جو شخص سلطان سے خائف ہو جس نے اس کو حج کرنے سے منع کیا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے، (النہر الفائق) اور جو شخص نابینا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ اپنے مال سے حج کرنا فرض ہے، اگر اس کو قائد میسر ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر پھر بھی حج فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اس میں دو روایتیں ہیں۔ (قاضی خاں)

(۴) اگر راستہ میں سلامتی غالب ہو تو اس پر حج فرض ہے اور اگر سلامتی غالب نہ ہو تو پھر حج فرض نہیں ہے۔

(۵) اگر اس کے شہر اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خلو نہ ہو یا اس کا محرم ہو اور محرم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مامون، آزاد اور عاقل اور بالغ ہو، محرم کا خرچ حج کرنے والے کے ذمہ ہے۔

(۶) عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس وقت میں عدت و نفات یا عدت طلاق نہ گزار رہی ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۹-۲۱۷، مطبوعہ مطبعہ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

آج کل استطاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حج کرنے والے کو حج پاسپورٹ اور حج ویزا مل جائے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے ان کا قول باطل ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔
قدرت کے بلوجود حج نہ کرنے والے پر وعید

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو جس کے ذریعہ وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اس کے بلوجود وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی افسوس نہیں خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ وہ نصرانی ہو کر مرے، اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے حارث کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی شدید حاجت مانع نہ ہو، نہ کوئی سخت مرض

مالع ہو نہ ظالم بادشاہ مالع ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی ہو کر مرے۔ اس حدیث کو بھی امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ان حدیثوں میں حج نہ کرنے والے پر تغلیظاً وعید کی گئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اسلام کے آٹھ حصے ہیں، ایک حصہ اسلام ہے، ایک حصہ نماز ہے، ایک حصہ زکوٰۃ ہے، ایک حصہ حج بیت اللہ ہے، ایک حصہ نیکی کا حکم دینا ہے، ایک حصہ برائی سے روکنا ہے، ایک حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے، اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔ (غالباً) راوی ایک حصہ کا ذکر کرنا بھول گیا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ عز و جل ارشاد فرماتا ہے : جس بندہ کا جسم تندرست ہو اور وہ مالی اعتبار سے خوشحال ہو اور وہ پانچ سال تک میرے پاس نہ آئے وہ ضرور محروم ہے۔

(صحیح ابن حبان و سنن بیہقی) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۳۳-۲۳۴ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ-۱۴۰۷ھ)

حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے حج کرنے کی مذمت

حافظ منذری بیان کرتے ہیں : حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں سات سو گنا زیادہ خرچ کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے، امام طبرانی نے، معجم اوسط میں اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے امام احمد کی اسناد حسن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثل ہے ایک درہم سات سو گنا زیادہ ہے، اس حدیث کو بھی امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حج کرنے والا پاکیزہ کمائی لے کر نکلتا ہے اور اپنا پیر رکاب میں ڈالتا ہے اور اللھم لبیک اللھم لبیک سے ندا کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی کتا ہے لبیک و سعدیک، تمہارا سفر خرچ حلال ہے، تمہاری سواری حلال ہے، تمہارا حج مبرور (مقبول) ہے، اس میں گناہ نہیں ہے، اور جب وہ حرام مال سے حج کے لیے روانہ ہوتا ہے اور اپنا پاؤں رکاب میں ڈالتا ہے اور لبیک کتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے تمہارا لبیک کنا مقبول نہیں، تمہارا زاوراہ حرام ہے، تمہارا خرچ حرام ہے، تمہارا حج گناہ ہے، مقبول نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور امام اصہبانی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۱-۱۷۹ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ-۱۴۰۷ھ)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ شَهِيدٌ

آپ کہیے اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تمہارے تمام

عَلَى مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَنْ

اعمال پر گواہ ہے ○ آپ کہیے اے اہل کتاب : تم اللہ کے راستے سے

سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ تَبِعُونَهَا عَوجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۖ

کیوں روکتے ہو؟ تم ایمان والوں کے راستہ کو (بھی) ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس دین کے برحق ہوئے)

مَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ

پہا گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک

تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّكُمْ بَعْدَ

گروہ کی اطاعت کر دو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا

إِيمَانِكُمْ كُفْرًا ۚ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

دیں گے ○ اور تم کیوں کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت

آيَةُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ

کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو نیک

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

اسے سیدھے راستہ کی ہدایت دی جائے گی ○

کفر پر مذمت میں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے فضائل اور حج کی فرضیت کو بیان فرمایا ہے، اور اہل کتاب کو اس بات کا علم تھا کہ اسلام ہی دین حق ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کو علم ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے تو پھر تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں باقی کفار کے بجائے خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی حقانیت پر دلائل بیان فرمادیئے تھے، آپ کی علامات بھی بیان کر دی تھیں، پھر آپ کی نبوت کے متعلق جو ان کو شبہات تھے ان کو قرآن مجید کی آیات سے زائل کر دیا تھا، اور جب ان پر حجت تمام ہو گئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا: اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ ٹانیا "دوسرے کفار اور مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی آیات کی زیادہ معرفت رکھتے تھے کیونکہ وہ الوہیت اور توحید کے معترف تھے اور نبوت کا اقرار کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود تھیں۔

اس آیت میں اللہ کی آیتوں سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی علامات ہیں اور ان کے کفر اور انکار سے ان

علامتوں کی دلالت کا کفر اور انکار مراد ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہارے تمام اعمال پر گواہ ہے، یعنی اللہ تم کو تمہارے ان اعمال کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کیسے : اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو؟ (آل عمران : ۹۹)
اللہ کے راستے سے روکنے کے کئی محال ہیں بعض ازاں یہ ہیں :
اہل کتاب کے گمراہ کن حیلے

(۱) وہ ضعیف مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے مثلاً وہ منہ پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بداء ہے یعنی اللہ نے ایک حکم دیا بعد میں وہ اس حکم کی قباحت پر مطلع ہوا تو اس نے اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دیا، اسی طرح وہ کہتے کہ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی (۲) وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ذکر ہے اور جب ان سے آخر زمانے میں آنے والے نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو وہ دجل کی صفات بیان کر دیتے۔

(۳) وہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنے سے روکتے تھے اور بیت المقدس کا حج کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ”تم ایمان والوں کے راستے کو بھی ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو۔“ یعنی اپنی تحریف کے ذریعہ انہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہو، یا اس کا معنی ہے کہ تم صراطِ مستقیم کے دعویٰ دار ہو جب کہ تم جس راستے پر چل رہے ہو وہ ٹیڑھا راستہ ہے حالانکہ تم گواہ ہو کہ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ اسلام کے علاوہ اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا، یا تم سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والے معجزات کے ظہور پر گواہ ہو، یا تم اس پر گواہ ہو کہ اللہ کے راستے سے روکنا جائز نہیں ہے یا تم اپنے اہل مذہب کے نزدیک لائق اعتبار اور نیک ہو جس کی گواہی کو قبول کرنا واجب ہے اور جو شخص ایسے منصب کا حامل ہو اس کا جھوٹ، باطل اور گمراہی پر اصرار کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے اس میں ان کی تمہید کی ہے اور خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے واقف ہے اور عنقریب ان کو سزا دے گا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو شہداء فرمایا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے، امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی بلا جملع جائز نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (آل عمران ۱۰۰)

شاس بن قیس کا مسلمانوں میں عداوت کی آگ بھڑکانے کی ناکام سعی کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :
زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا اور کٹر کافر تھا، مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا، ایک دن اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے الفت اور محبت سے باتیں کر رہے ہیں، وہ ان کی الفت اور محبت کو دیکھ کر غصہ سے جل بھن گیا، اس نے ایک یہودی کو وہاں بٹھالیا اور اس کے سامنے پرانے قصے

بیز دیئے اور جنگ بعثت کے متعلق اشعار پڑھنے لگا، اس دن اوس اور خزرج میں زبردست جنگ ہوئی تھی، اور اوس فتح پائی ہوئے تھے، اس نے اس راہ میں سے چنگاریاں نکل کر آگ بھڑکادی اور اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نکل آئے قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں، دونوں فریق اپنے اپنے حمایتیوں کو بلا چکے تھے، رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی آپ چند مہاجرین صحابہ کے ساتھ آئے آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو! کیا تم زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کر رہے ہو! حالانکہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے اور اللہ تمہیں دولت اسلام سے مشرف کر چکا ہے اور تمہاری گردنوں سے جاہلیت کا جوا اتار پھینکا ہے، اور تم کو کفر سے نجات دے دی ہے اور تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا ہے، کیا تم پچھلی جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟ تب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا، اور ان کے دشمنوں کا مکر تھا، انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے، اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو گلے لگایا، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت اور موافقت کرتے ہوئے چلے گئے اور اللہ کے دشمن شاس بن قیس نے جو ان کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے بجا دیا تب اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کی اس ناکام سعی کے متعلق یہ آیت نازل کی، اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

صحابہ کرام اور بعد کے مسلمانوں کے لیے دین پر استقامت کے ذرائع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مسلمانوں کے گمراہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس پر عذاب کی وعید سنائی تھی، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اہل کتاب کے بہکانے، درغلانے اور ان کے گمراہ کرنے سے خبردار رہیں اور ان کے بھڑکانے میں نہ آجائیں ورنہ وہ ان کو کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کا کفر کی طرف لوٹنا دو وجہ سے بہت بعید ہے، ایک تو یہ کہ ان کے سامنے دن رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید نازل کیا جاتا ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں قرآن کریم کی تبلیغ فرماتے ہیں، اور قرآن مجید کا معجز ہونا ان پر بالکل روشن تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بار بار چیلنج کیا کہ اس قرآن کی چھوٹی سی سورت کی مثل بنا کر لے آؤ، لیکن انسانوں اور جنوں میں سے کوئی بھی اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود تھے اور آپ پر دن رات انواع و اقسام کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے اور ان معجزات کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور صاحب انصاف رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے روگردانی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے بعد فرمایا جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو بے شک اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی جائے گی۔ (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ ان کے لیے دین پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کی دو زبردست چیزیں موجود تھیں، قرآن مجید کا سننا جو ہر قسم کے شک اور شبہ کے ازالہ کے لیے کافی

اور وانی تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے انوار کا مشاہدہ جو ان کے صفاء باطن، پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا ہلوی اور مرشد تھا اور جب انہوں نے قرآن اور سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ صراط مستقیم کے سالک بن گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور اللہ کی رحمت سے واصل ہو گئے اب بعد کے لوگوں کے لیے دین پر استقامت اور صراط مستقیم کے حصول کا کیا ذریعہ ہے تو میں کہوں گا کہ ان کے ایمان پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کے لیے قرآن مجید موجود ہے، قرآن کریم جس طرح چودہ سو سال پہلے تمام دنیا کے فصحاء اور بلغاء کے لیے چیلنج تھا آج بھی چیلنج ہے، نہ اس وقت اس کی کسی سورت کی کوئی نظیر لاسکا تھا نہ آج لاسکا ہے اور ان کے صفاء باطن، پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے لیے قرآن مجید کی تعلیمات موجود ہیں اور ان کی توفیق اور تشریح رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ آپ کی تمام سنتوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور سینوں سے صحیفوں میں منتقل کر دیا اور صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال، آپ کے افعال اور آپ کے احوال مذکور ہیں اور جس شخص نے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لیا اس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اس کو بے شک صراط مستقیم کی ہدایت دے دی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے

وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٣﴾ وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

مگر مسلمان ہونے کی حالت میں ۰ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں

قُلُوبَكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ

میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر

مِّنَ النَّارِ فَانْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی، اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

تاکہ تم ہدایت پاؤ ۰

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتب کے گمراہ کرنے سے خبردار فرمایا تھا اور اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات اور تمام خیرات کا جامع حکم بیان فرمایا : ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو، دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تیسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو، اور ان میں ترتیب یہ ہے کہ انسان اللہ کی اطاعت عذاب کے خوف سے کرتا ہے یا ثواب کے شوق سے کرتا ہے، اور عذاب کا خوف مقدم ہے کیونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہوتا ہے، اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے تاکہ عذاب سے بچنے کے لیے انسان اللہ کی عبادت کرے پھر اس کو موکد کرنے کے لیے فرمایا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اس کے بعد اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ نعمت کے شوق میں عبادت کی طرف راغب ہوں۔ اور جو لوگ تصوف اور حل کے مدعی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ ہمیں ثواب سے غرض ہے اور نہ عذاب کی فکر ہے ہم مولیٰ کی عبادت مولیٰ کے لیے کرتے ہیں وہ اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلاتے ہیں وہ خود فریب خوردہ ہیں اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران : ۱۰۲)

آیا اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم محکم ہے یا منسوخ؟

امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اور اس کو یاد رکھا جائے اور اس کو بھولنا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۳۸، مطبوعہ بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰-۱۹)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام عبد الرزاق، امام طبرانی اور امام حاکم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ ایران)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں، امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اور اللہ سے اس طرح ڈرنا جس طرح ڈرنے کا حق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کماحقہ جملو کیا جائے اور اس سلسلہ میں انسان کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے، اور عدل و انصاف قائم کیا جائے، خواہ وہ فیصلہ اس کے مل باپ اور اس کی اولاد کے خلاف ہو، اور حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کی جائے اور اللہ کے تمام احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کی تمام نافرمانیوں سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ”حق تقاہ“ کی جو تفسیر کی ہے اس میں کون سی بات ناقابل عمل ہے؟ بلکہ ان تمام باتوں پر عمل کرنا واجب ہے، اسی لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔

بعض فقہاء تابعین نے کہا یہ آیت منسوخ ہے، امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

قادر نے کہا پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف اور آسانی کو نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ضعف کی وجہ سے ان پر رحمت نازل فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی :

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن : ۱۶)

سو جہاں تک تم سے ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰، مطبوعہ بیروت)

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرنے کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب کیا جائے، اور اگر اس کو منسوخ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ بعض گناہوں کا کرنا مباح ہو، اور ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ تمام احکام پر عمل کرنا اور تمام گناہوں سے بچنا استطاعت کے مطابق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، مثلاً کسی شخص کا پیر کتنا ہوا ہو اور وہ وضو میں پیر نہ دھوئے تو وہ گناہ نہیں ہوگا، اسی طرح بلغاریہ میں رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے تو وہ عشاء کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہ نہیں ہوں گے، قرب قیامت میں جب کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ہو گا تو کوئی شخص زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوگا، اور جو شخص کسی دائمی مرض (مثلاً زیا بیطس یا بلند فشار دم) کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے تو وہ گناہ نہیں ہوگا، اسی طرح حلال دوائیں نہ ملنے کی وجہ سے جو شخص حرام دواؤں سے علاج کرے وہ بھی گناہ نہیں ہوگا، معاشرتی، عمرانی اور دینی ضرورتوں (مثلاً حج اور عمرہ کے سفر) کی وجہ سے جو شخص پاسپورٹ ساز کا فوٹو کھینچوائے تو وہ بھی گناہ نہیں ہوگا، اسی طرح ضرورت کی بناء پر ضبط ولادت کرنا یا اسقاط حمل کرنا یا انس بندی کرنا ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں اور نہ تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ انسان اللہ سے ڈرنے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حسب استطاعت ہی مکلف ہے۔

تقویٰ کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے یہ نصیحتیں کون حاصل کرے گا تاکہ ان پر عمل کرے یا ان پر عمل کرنے والوں کو ان کی تعلیم دے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ نصیحتیں گنوائیں، آپ نے فرمایا حرام کاموں سے بچو تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے، اللہ کی تقسیم پر راضی رہو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے، اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تم مومن (کامل) ہو جاؤ گے، لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تم (کامل) مسلمان ہو جاؤ گے، زیادہ ہنسنا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں شمار نہیں ہوگا جب تک کہ وہ کسی مباح کام کو بھی اس خدشہ سے ترک نہ کر دے کہ شاید اس میں حرج ہو۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے، کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا؟ اس کا لباس کہاں سے آیا؟

(جامع ترمذی ص ۳۵۳-۳۵۵، ملقط، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لفظ تقویٰ کا لغوی اور شرعی معنی

وقی اور وقایہ کا معنی ہے کسی چیز کو ایذا اور ضرر سے محفوظ رکھنا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَوَقَّاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ (الدخان : ۵۱) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

تقویٰ کا معنی ہے نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اس کو ضرر کا خوف ہو، اور شریعت میں تقویٰ کا معنی ہے نفس کو گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھنا، تقویٰ ممنوعات کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے، اور اس کا مکمل بعض مباحات کے ترک سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے سو جس شخص نے مشبہات کو ترک کر دیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا، اور جو شخص مشبہات میں واقع ہو گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے، وہ اس خطرہ میں ہے کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں منہ مار لیں، سنو! زمین پر اللہ کی ممنوعہ چراگاہ وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳)

قرآن مجید میں ہے :

فَمَنْ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (الاعراف : ۳۵) جن لوگوں نے تقویٰ کیا اور نیکی اختیار کی ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تقویٰ کے کئی مدارج ہیں جن کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہو وہ اللہ سے ڈرے، (یعنی متقی بنے) اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہو وہ اللہ پر توکل کرے، اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو اس کا اعتماد اپنے قبضہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہو، حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔ حسن بھری نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں، ابراہیم بن ادہم نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لیے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم خالق کے لیے اپنے باطن کو مزین کرو، ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم سیرت مصطفیٰ کے راستہ پر چلو، دنیا کو پس پشت ڈال دو، اپنے نفس میں اخلاق اور وفا کو لازم کرلو، حرام اور جفا سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ فرمایا کہ قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے، دوسرے مقام پر یہ فرمایا قرآن مجید متقین کے لیے ہدایت ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان وہی ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں ان میں انسانیت نہیں، یہ تقویٰ کی کیا کم فضیلت ہے! شرعاً متقی وہ شخص ہے جو اپنی ذات اور عذاب الہی کے درمیان اپنی عبادات اور طاعات کو حفاظت کا ذریعہ اور آڑ بنا دیتا ہے، تقویٰ کی اصل خوف ہے، وہ خوف جو اللہ تعالیٰ کے جلال ذات، اس کی عظیم قدرت اور اس کے عذاب کی معرفت سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور معرفت کا محل دل ہے (یعنی دماغ ہے) اس لیے آپ نے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : تقویٰ یہاں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں سائنسی زبان استعمال نہیں کی گئی بلکہ ان میں عرف اور محاورہ کی زبان ہے اور عرف میں

دماغ پر دل کا اطلاق کیا جاتا ہے اس کی پوری تحقیق شرح صحیح مسلم جلد رابع ص ۴۱۳-۴۱۴ میں ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں (آل عمران : ۱۰۲)

اس آیت کا معنی اس کو مستلزم ہے کہ تمہاری زندگی میں کسی لمحہ بھی کفر نہ آنے پائے اور تم ہمیشہ اسلام پر ثابت قدم رہو، انسان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتا رہے۔

تأیید اسلام پر قائم رہنے کے حکم کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک شخص طویل زمانہ تک اہل جنت کے عمل کرتا ہے پھر اس کے اعمال کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے اور ایک شخص طویل زمانہ تک دوزخیوں کے عمل کرتا ہے پھر اس کا خاتمہ جنتیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک شخص کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع کیا جاتا ہے پھر وہ جمع ہوا خون بن جاتا ہے، پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج کر اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیتا ہے، اس کا رزق، اس کی مدت حیات، اس کا عمل اور یہ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے، سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے، اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں کے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۳۲-۳۳۳، ملقطاً، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اسلام اور اعمال صالحہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے جو کچھ اس کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ وہ سعید (جنتی) یا شقی (دوزخی) ہے اسی کے مطابق اس کا خاتمہ ہوگا، جب کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ”تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں“ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر قائم رہنا اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہنا انسان کے اختیار میں ہے اور اس طرح اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنی عمر کے آخری حصہ میں کیا کرے گا اور وہ آخری عمر میں اہل جنت کے عمل کرے گا، یا اہل دوزخ کے عمل کرے گا، اسی علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کے پیٹ میں لکھوا دیا، لہذا انسان اپنی آخری عمر میں جو عمل کرتا ہے وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے جبر سے نہیں کرتا، جبر اس وقت ہوتا جب وہ نیک عمل کرنا چاہتا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی غیر مرمی طاقت اس سے برے عمل کرا لیتی جیسے کوئی انسان اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا چاہتا ہو اور کوئی شخص اس کی کنپٹی پر پستول رکھ کر جبرا ”اس سے طلاق کھلوا لیتا“ اور ظاہر ہے کہ انسان نہ صرف حیات کے آخری حصہ میں بلکہ پوری زندگی میں پوری آزادی کے ساتھ اپنے اختیار اور

ارادہ سے عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد اور جو کچھ اس نے کرنا ہے وہی لکھا گیا ہے یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس نے کرنا ہے قرآن مجید میں ہے :

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَظَرٌّ ۝ (البقرہ : ۵۳-۵۲)

ہر وہ کام جس کو انہوں نے کیا ہے نوشتوں میں ہے ○ ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ بندوں نے کیا ہے وہ لکھا ہوا ہے یہ نہیں فرمایا جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ بندوں نے کرنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ علم معلوم کے مطابق ہے معلوم علم کے مطابق نہیں ہے۔ زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں یعنی تم اپنے اختیار اور ارادہ سے تاحیات اسلام پر قائم رہو، اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انہوں نے تاحیات اسلام پر قائم رہنا ہے یا نہیں، اور اسی علم کے مطابق ان کی پیدائش سے پہلے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں سے لکھوا دیا سو یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے منافی اور معارض اور جبر کی موجب نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع متونی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس بحث کو چھیڑا ہے لیکن ان کے جواب سے اصل اشکال دور نہیں ہوتا وہ لکھتے ہیں :

بعض روایات حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزر گئی آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال جطو و بریلو ہو گئے یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آ سکتا ہے جن کے عمل میں اول اخلاص اور چنگی نہیں تھی واللہ اعلم۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۳۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو۔ آل عمران (۱۰۳)

اللہ کی رسی کا بیان

اللہ کی رسی کی متعدد تفسیریں کی گئیں ہیں، امام محمد بن جریر طبری متونی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی رسی سے مراد جماعت ہے۔

قلوہ نے کہا اللہ کی مضبوط رسی جس کو ہمیں پکڑنے کا حکم دیا ہے وہ یہ قرآن ہے۔ نیز قلوہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد اللہ کا عہد اور اس کا حکم ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صراط مستقیم پر شیاطین آکر اپنی طرف بلاتے ہیں سو تم اللہ کی رسی کو پکڑ لو، اللہ کی رسی کتاب اللہ ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔

ابو العلیہ نے کہا اللہ کی رسی پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متونی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظیم ہے کتاب اللہ

اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے، اور میری عمرت میرے اہل بیت ہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز الگ نہیں ہوں گے حتیٰ کہ میرے حوض پر آئیں گے۔ پس دیکھو تم میرے بعد ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس راستہ پر شیاطین آتے ہیں اور ندا کرتے ہیں اے اللہ کے بندے راستہ یہ ہے، تو تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو، کیونکہ اللہ کی رسی قرآن ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی رسی کی تفسیر قرآن مجید، اللہ کے عہد، دین، اللہ کی اطاعت، اخلاص کے ساتھ توبہ، جماعت مسلمین، اخلاص کے ساتھ توحید اور اسلام کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ تمام اقوال متقارب ہیں کیونکہ جو شخص کنویں میں اتر رہا ہوتا ہے وہ مضبوطی کے ساتھ رسی کو پکڑتا ہے تاکہ کنویں میں گر نہ جائے۔ اسی طرح جو مسلمان قرآن مجید، اللہ کے عہد، اس کے ایمان یا اس کی اطاعت یا جماعت مسلمین یا اسلام کو مضبوطی سے پکڑے تو وہ جہنم کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے گا اس لیے ان امور کو اللہ کی رسی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تفرقہ نہ ڈالو۔

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ عقائد میں ایک دوسرے کی مخالفت کر کے مختلف گروہ نہ بناؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور مخالفت نہ رکھو اور دنیاوی امور اور اغراض باطلہ کی وجہ سے ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو، اور فروعی اور اجتہادی مسائل میں مجتہدین اور ائمہ فتویٰ کا اختلاف اس اختلاف کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

عقائد حقہ میں اختلاف سے ممانعت

عقائد میں اختلاف کی ممانعت اس لیے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد واحد تھے۔ الوہیت، توحید، فرشتے، آسمانی کتابیں، نبوت اور رسالت، تقدیر، اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا واجب ہونا اور اس کی ناشکری کا حرام ہونا، وحی سے حاصل شدہ احکام پر عمل کرنے کا وجوب اور استعجاب وغیرہ، مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کو ماننا یہ وہ عقائد ہیں جن کو اصول اور دین کہا جاتا ہے، حضرت آدم سے لے کر ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ تک کسی نبی کے دور میں ان میں اختلاف جائز نہیں رہا کیونکہ حق بات صرف ایک ہی ہوتی ہے اس میں اختلاف نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنْتَ تُصِرُّ فُتُونًا

(یونس : ۳۲) پھرے جارہے ہو۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود کے اکثر یا بہتر فرقے تھے نصاریٰ کے بھی اسی طرح تھے اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت بنی اسرائیل کے برابر عمل کرے گی حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ اس طرح کریں گے، اور بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کونسا گروہ ہو گا؟ فرمایا جس ملت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۹-۳۷۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷، مطبوعہ کراچی)

امام عبداللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معلویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا سنو تم سے پہلے اہل کتب کے بہتر فرقے تھے، اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے، بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہو گا۔ (سنن داری ج ۲ ص ۱۵۸، مطبوعہ نشر السنہ لمان)

امام محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے اکثر فرقے تھے اور عنقریب میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں ہوں گے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہو گا؟ آپ نے مٹھی بند کی اور فرمایا جماعت، تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ان احادیث میں جس امت کے اکثر یا بہتر فرقے بیان کیے گئے ہیں اس سے مراد امت دعوت بھی ہو سکتی ہے اور امت اجابت بھی، لیکن زیادہ تر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے۔ پھر علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے بہتر فرقے بھی گنوائے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ علامہ قرطبی ساتویں صدی ہجری کے ہیں اور اب مزید سات سو سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کئی نئے فرقے وجود میں آچکے ہیں، اور قیامت تک نہ جانے اور کتنے فرقے وجود میں آئیں گے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ ان فرقوں کے مصداق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو معلوم ہیں، اور وہ فرقہ نجات یافتہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے سوا اعظم سے تعبیر فرمایا اور بعض احادیث میں فرمایا جو میری سنت اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہے اس کو کمال نجات ہوگی اور باقی فرقوں میں سے جن کی گمراہی کفر کی حد تک پہنچ گئی جیسے مرزائی یا شیعہ کے بعض فرقے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن فرقوں کی گمراہی کفر تک نہیں پہنچی جیسے معتزلہ اور بعض شیعہ وہ اپنی بد عقیدگی اور بد عملی کی سزا پا کر دوزخ کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

باہمی بغض، حسد اور عصبیت کی وجہ سے اختلاف کی ممانعت

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مسلمان دنیاوی امور، اغراض باطلہ، بغض، حسد اور عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف نہ رکھیں اور تفرقہ میں نہ بٹ جائیں، مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شہد ہے کہ جب بھی مسلمان تفرقہ کا شکار ہوئے عنان حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور یا تو وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے یا غیرواقعوں کے محکوم اور غلام بن گئے، اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی لیکن آپس کے تفرقہ کی وجہ سے

عیسائیوں نے پورے اسپین کو قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے رکھے اندلس سے نکل جاؤ، عیسائی ہو جاؤ یا پھر مرنے کے لیے تیار رہو حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان نہ رہا، بعد ازاں اسی تفرقہ بازی اور شیعہ سنی اختلاف کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو گئے اور ہلاکو کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت کی ایک اور تاریخ لکھی گئی، ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن جب مسلمان طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور شراب اور موسیقی میں ڈوب گئے تو انگریزوں کی غلامی ان کا مقدر بن گئی، مشرقی پاکستان میں جب مسلمان اردو اور بنگلہ کے اختلاف کا شکار ہوئے تو مشرقی پاکستان ختم ہو گیا اور اب کراچی میں مہاجر اور غیر مہاجر کا اختلاف زور پر ہے۔ اللہ جانے یہ قوم اس اختلاف سے نکل آتی ہے یا اپنی تباہ کاریوں کی ایک اور تاریخ رقم کرتی ہے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے اختلاف سے روکا اور منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ
اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری

(الانفال : ۴۶) ہوا اکھڑ جائے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کا ایک دوسرے پر رحم کرنا، ایک دوسرے سے دوستی رکھنا اور ایک دوسرے پر نرمی کرنا تم دیکھو گے کہ اس کی مثل ایک جسم کی طرح ہے، جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد اور تکلیف سے بے قرار رہتا ہے اور جاگتا رہتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کے بعض اجزاء بعض کو مضبوط کرتے ہیں، پھر نبی ﷺ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منیٰ میں فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ یوم حرام ہے، آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ شہر حرام ہے، کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ ماہ حرام ہے، آپ نے فرمایا اللہ نے تم پر تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اس طرح حرام کر دیں ہیں جس طرح اس دن کی اس مہینہ میں اس شہر میں حرمت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھيرو، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ، اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (گناہ کبیرہ) اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فسق کی تہمت لگائے نہ کفر کی۔ ورنہ اگر وہ شخص اس کا مستحق نہ ہو تو وہ (فسق یا کفر) کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳-۸۸۹، ملقطاً، مطبوعہ نور محمد صالح الطالع کراچی، ۱۴۳۸ھ)

لام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ بغلوت کرنے والے اور قطع رحم کرنے والے کو اخروی سزا کے بلوجود جس قدر جلد دنیا میں سزا دیتا ہے کسی اور کو سزا نہیں دیتا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور ان دونوں دنوں میں ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جس نے شرک نہ کیا ہو مگر ان دو شخصوں کی مغفرت نہیں کی جاتی جو آپس میں عداوت رکھتے ہوں، ان کے متعلق کہا جاتا ہے ان کو مہلت دو حتیٰ کہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ لاہور، ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو اس عبادت کی خبر نہ دوں جس کا نماز روزہ اور صدقہ سے زیادہ اجر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا! کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا دو لڑے ہوئے شخصوں میں صلح کرانا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ لاہور، ۱۴۳۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھنا جائز نہیں ہے اور جس نے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھا اور مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۱۷، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور، ۱۴۳۰ھ)

لام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر چڑھ کر بے آواز بلند ندا کی : اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا، مسلمانوں کو ایذا نہ دو، ان کو عار نہ دلاؤ، ان کے عیوب نہ تلاش کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ اس کے عیوب کو ظاہر کر دے گا، اور جس کے عیوب کو اللہ ظاہر کر دے گا اس کو رسوا کر دے گا، خواہ وہ کجاوے کے اندر چھپا ہو، حضرت ابن عمر نے ایک دن کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کس قدر عظیم ہے اور اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اندھی حملیت کے جھنڈے تلے لڑاؤہ کسی عصیت کی دعوت دیتا تھا یا عصیت کی آگ بھڑکاتا تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷، مطبوعہ کراچی)

فیہ کہتی ہیں کہ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا کسی شخص کا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصیت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! لیکن عصیت یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم کے بلوجود اپنی قوم کی مدد کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سوا اعظم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳، مطبوعہ کراچی)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا آج وہ لوگ کہاں ہیں جو میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ میں انہیں آج اپنے سائے میں رکھوں گا جس دن میرے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ میری وجہ سے باہم محبت رکھتے ہیں جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے میری محبت واجب ہوگئی۔ (موطا امام مالک ص ۷۳، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

فرعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصول دین اور عقائد میں اختلاف جائز نہیں ہے اور نہ حسد اور بغض کی وجہ سے باہم اختلاف کرنا جائز ہے، البتہ مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ احزاب سے لوٹے تو آپ نے فرمایا : بنو قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھنا، راستہ میں نماز کا وقت آگیا بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ نہ پہنچ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض صحابہ نے کہا : نہیں رسول اللہ ﷺ کی یہ مراد نہیں تھی، ہم نماز پڑھیں گے، بعد میں نبی ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۹)

بعض مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جنہی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے اور حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام اس کے جواز کے قائل تھے، احرام باندھنے سے پہلے غسل کر کے خوشبو لگانے کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ناجائز کہتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو جائز کہتی تھیں، حضرت عمر فرماتے تھے کہ میت پر نوحہ کرنے سے اس میت کو عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہ فرماتی تھیں یہ نوحہ کرنے والوں کا گناہ ہے اس میں میت کو عذاب کیوں ہو گا؟ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما ج تمتع کو ناجائز کہتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے، ان تمام مذکورہ اختلافات صحابہ کی مثالیں صحیح بخاری اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

نیز حافظ سیوطی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۳۸، مطبوعہ بیروت)

اس حدیث کو نصر المقدسی نے الحجۃ میں اور امام بیہقی نے الرسالة الاشعرینہ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور طحطاوی حنین اور امام الحرمین وغیرہ نے بھی اس کو وارد کیا ہے اور شاید کہ حفاظ کی بعض کتب میں اس کی تخریج ہے جو ہم کو نہیں ملی۔

بعض چیزیں ایک امام کے نزدیک حرام ہیں اور دوسرے امام کے نزدیک حلال ہیں اس سے امت کے لیے عمل میں

و سخت پیدا ہو گئی مثلاً امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک خنزیر کے سوا تمام سمندری جانور حلال ہیں (امام شافعی کے بعض اقوال کے مطابق سمندری خنزیر بھی حلال ہے، امام مالک نے بعض اقوال میں سمندری خنزیر کے متعلق توقف کیا ہے، اور امام احمد کے نزدیک جو جانور صرف پانی میں زندہ رہتے ہوں وہ سب حلال ہیں، انہوں نے سمندری خنزیر کا استثناء نہیں کیا۔) اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں، اتفاق سے ساحلی علاقوں اور جزائر (مثلاً انڈونیشیا، ملائیشیا اور مراکش وغیرہ) میں رہنے والے امام شافعی اور امام مالک کے پیروکار ہیں اور ان کے مذہب کے مطابق ان کے پیروکاروں کے لیے سمندری جانوروں سے غذا حاصل کرنا آسان ہو گیا، اور امام ابو حنیفہ کے اکثر مقلدین خشکی کے علاقوں (مثلاً برصغیر، ترکی، وسط ایشیاء کی نوآباد ریاستیں) میں رہنے والے ہیں لہذا ان کے لیے سمندری جانوروں کے حرام ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرعی مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت اور وسعت کا باعث ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ہے نبی ﷺ نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے، بعض میں ہے آپ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھے، بعض احادیث میں ہے آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور بعض میں ہے آپ نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کیا، اسی طرح آپ نے نماز میں آہستہ آہستہ آمین بھی کہی ہے اور بلند آواز سے بھی، اور ائمہ اربعہ میں ہر امام نے آپ کی کسی نہ کسی حدیث پر عمل کیا ہے اگر یہ اختلاف نہ ہوتا اور یہ سب ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھتے تو آپ کے کئے ہوئے باقی اعمال متروک ہو جاتے، اس اختلاف ائمہ کے سبب آپ کا کوئی عمل متروک نہیں ہوا اور آپ کا ہر عمل کسی نہ کسی امام کا مذہب بن کر قیامت تک کے مسلمانوں کی عبادات میں محفوظ ہو گیا تو اس اختلاف کی اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت ہوگی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اوس اور خنزرج پر اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی احسانات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے حصہ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی وحدت کے ساتھ متحد رہنے اور مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے اور تفرقہ نہ کرنے کی تلقین کی تھی اور آیت کے اس درمیانی حصہ میں یہ بتایا کہ وہ پہلے افتراق اور انتشار کا شکار تھے اور مختلف ٹکڑوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام عطا فرمائی اور وہ سب رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئے اور جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے وہ الفت اور محبت کے ساتھ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے سو اب ان کو چاہئے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اس اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یہ لوگ پہلے شرک اور بت پرستی کرتے تھے اور دنیا میں کفر کی وجہ سے قتل کیے جانے کے مستحق تھے اور آخرت میں دائمی عذاب کے سزاوار تھے۔ اب اسلام کی بدولت وہ دنیا میں قتل اور آخرت میں دائمی عذاب سے محفوظ ہو گئے بلکہ باقی دنیا اور آنے والی نسلوں کے لیے ہلوی اور رہنما بن گئے۔ عرب کے دو بڑے قبیلے اوس اور خنزرج تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے شدید عداوت چلی آرہی تھی اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کو قتل کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور جب یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی دشمنیاں ایک دوسرے کے ساتھ محبت، خیر خواہی اور تعاون میں بدل گئیں اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَئِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (الانفال : ۷۳)

اور (اللہ نے ہی) مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی اگر آپ زمین کا سب کچھ بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی بے شک وہ بہت غلبہ والا ہے بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اس لیے نازل فرمائی ہیں کہ مسلمان ان سے ہدایت حاصل کریں اور ان کی ہدایت دائمی اور ترقی پذیر رہے حتیٰ کہ وہ پھر جاہلیت اولیٰ کی طرف نہ لوٹ جائیں اور اپنے احمق اور جمعیت کو ٹوٹنے سے بچائے رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ کوئی نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے عمل سے خود کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہ کر دیں اس نعمت کی قدر نہ کریں اور اس نعمت کے تقاضوں پر عمل نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اس سے پہلے اس آیت کے درمیانی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انتشار اور افتراق سے نکل کر اتحاد اور اتفاق کے راستہ پر ڈال دیا اور دشمنوں کو دوستوں سے بدل دیا اور اب اس آیت کے اس آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا اخروی احسان یاد دلایا ہے کہ مسلمان دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گڑھے سے نکل کر جنت کے راستے پر لاکھڑا کیا۔

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْعُرْفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۴۷﴾ وَلَا تَكُونُوا

كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴۸﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ

ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض

وَجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ

پہرے بیاہ ہوں گے سو جن لوگوں کے چہرے بیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے

إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ

بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کامزہ) چکھو اس سبب کہ تم کفر کرتے تھے ○ اور جن لوگوں کے چہرے

أَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾

سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ

لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ

ہیں کرتا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی ○

رابط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتب کی دوجہ سے مذمت فرمائی تھی ایک یہ کہ وہ خود کافر اور گمراہ ہیں اس لیے فرمایا اے اہل کتب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو (آل عمران : ۹۸) اور دوسری اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں لہذا فرمایا : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے (آل عمران : ۱۰۲) اور چونکہ گمراہ کرنے کی وجہ سے اہل کتب کی مذمت کی تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا اور تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہئے جو نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق قرآن مجید کی مزید آیات

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران : ۱۱۰)

ان سب امتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم بہترین امت ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔ اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک۔

الْمُنْكَرِ (لقمان : ۱۷)

وَلَا تَلْفَتَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا
فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى
الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِئَ إِلَىٰ أَمْرِ
اللَّهِ (الحجرات : ۹)

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى
لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ لِكَيْمَا عَصَوْا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ
فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

امریا معروف اور نبی عن المنکر کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
تم میں سے جس شخص نے برائی کو دیکھا وہ اپنے ہاتھ سے برائی کو مٹائے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے
مٹائے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے، اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی متوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سلطان یا ظالم امیر کے سامنے حق بات کہنا سب سے
افضل جملہ ہے۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں، اور وہ شخص جس نے ظالم
حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس ظالم حاکم نے اسے قتل کر دیا اس حدیث کو امام ترمذی
اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ نے جس نبی کو بھی مجھ سے پہلے کسی
امت میں مبعوث فرمایا اس نبی کے اس امت میں حواری ہوتے تھے، اور اس کے اصحاب ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل
کرتے تھے اور اس کے حکم پر عمل کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ آئے جو ایسی باتیں کرتے تھے جس پر خود
عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا، سو جو ان کے ساتھ ہاتھ سے جملہ کرے وہ
مومن ہے، اور جو ان کے ساتھ زبان سے جملہ کرے وہ بھی مومن ہے، اس کے علاوہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان
نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے
تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا تم اس سے دعا کرو گے اور
تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تبیان القرآن

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ جانے مجاہد نے عرض کیا : یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص کیسے اپنے آپ کو حقیر جانے گا؟ آپ نے فرمایا : وہ یہ گمان کرے گا کہ اس کے اوپر کلام کی گنجائش ہے پھر وہ کلام نہیں کرے گا اللہ عز و جل قیامت کے دن اس سے فرمائے گا تمہیں میرے متعلق کس چیز نے کلام سے روکا تھا؟ وہ کہے گا لوگوں کے خوف نے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تم مجھ سے خوف کھاتے اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ باز نہ آئے وہ علماء ان کی مجالس میں بیٹھے رہے اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل ان جیسے کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت کی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے پہلے رسول اللہ ﷺ تکبہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ وہ اپنے نفس کو ابتلع حق پر لازم کر لیں اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہ کر رہا ہو اور وہ لوگ اس کو گناہ سے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کرے گا اس حدیث کو امام ابو داؤد، امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۖ
لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ : ۱۰۵)

اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : جب لوگ کسی شخص کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم میری امت میں ان لوگوں کو دیکھو جو ظالم کو ظالم کہنے سے ڈریں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(مسند احمد جامع ترمذی صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۳-۲۳۴ ملتقطاً "مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ" ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

لام بزار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ تم پر تم ہی میں سے برے لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی امام ترمذی کی روایت میں ہے : ورنہ اللہ

تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا پھر تم اللہ سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے :

اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کرے گا : جب تو نے برائی کو دیکھا تو اس کو روکنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا تھا؟ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو حجت کی تلقین کر دے گا تو وہ کہے گا : مجھے تجھ سے امید تھی اور میں لوگوں سے ڈرتا تھا۔! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (اتحاف السادة المتقين ج ۷ ص ۳۶، ملخصاً، مطبوعہ مطبعہ مینہ مصر ۱۳۳۱ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا خاموش رہنے سے بہتر

ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مقام پر کھڑا ہو کر حق بات کہہ سکتا ہے اس کو حق بات کہہ دینی چاہئے کیونکہ یہ (حق کہنا) اس کی موت کو مقدم کر سکتا ہے نہ اس کو اس کے لکھے ہوئے رزق سے محروم کر سکتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے نیکی کا حکم دیا نہ برائی سے روکا وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ نیکی کا حکم دینے سے تمہارا المام تمہیں قتل کر دے گا تو پھر چھوڑ دو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عز و جل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ فلاں شہر کو شر والوں سمیت الٹ دو، حضرت جبرائیل نے کہا اے میرے رب ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو الٹ دو وہ بندہ میری وجہ سے ایک ساعت کے لیے بھی ناراض نہیں ہوا۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دنیا داروں سے صلح کر لی ہے ہم میں سے کوئی کسی کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور نہ برائی سے روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس حل پر نہیں چھوڑے گا، کاش مجھے علم ہوتا کہ کون سا عذاب نازل ہو گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۷-۹۸، ملقطاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

امریا المعروف اور نبی عن المنکر کی تفصیل اور تحقیق

برائی سے روکنا اور نیکی کا حکم دینا فرض کفایہ ہے، جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو باقیوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور جب تمام لوگ امر بالمعروف اور نبی عن المنکر کو ترک کر دیں تو سب گنہ گار ہوں گے، اور جس جگہ کوئی اور شخص برائی سے روکنے والا نہ ہو اور وہاں صرف ایک عالم ہو تو اس پر برائی سے روکنا فرض عین ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے نوکر کو کوئی برا کام کرتے ہوئے دیکھے یا کسی نیکی میں تقصیر کرتا ہو پائے تو اس کے لیے نبی عن المنکر فرض ہے۔

امریا المعروف اور نبی عن المنکر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص خود کامل ہو تمام احکام شرعیہ پر عامل اور تمام

حرمت شرعیہ سے مجتنب ہو اور نہ ہی یہ حکام کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی علماء کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو احکام ظاہر اور مشہور ہیں مثلاً نماز، روزہ کی فرضیت، جھوٹ، قتل، زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت ان کا علم ہر مسلمان کو ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مثلاً نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے پر ٹوٹے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور جو احکام شرعیہ غامض اور دقیق ہیں یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے عام لوگوں کا ان میں دخل نہیں ہے اور نہ وہ اس میں انکار کر سکتے ہیں (مثلاً روزہ میں انجیکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں، ٹیلی فون پر نکاح ہوتا ہے یا نہیں، اعضاء اور قرنیہ کی پیوند کاری، انتقال خون وغیرہ) جو مسئلہ اجتہادی اور مختلف فیہ ہو، مثلاً کسی مجتہد کے نزدیک جائز اور کسی کے نزدیک ناجائز ہو اور عمل کرنے والا کسی مفتی کے فتویٰ کے مطابق عمل کر رہا ہو تو اس کو گناہ نہیں ہو گا خواہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک ناجائز ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت میں بھی عالم کو چاہئے کہ اس کو ٹوٹے تاکہ وہ ایسی صورت پر عمل کرے جس میں کسی مجتہد کا اختلاف نہ ہو (مثلاً بیمار روزہ دار، اگر روزہ میں انجیکشن لگواتا ہے تو اس روزہ کی قضا کر لے۔) برائی سے روکنے کے لیے تادیب اور تعزیر کے مراتب

علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ : ۱۰۵) اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابو بکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو، ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے، ابو امیہ شعبلی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بغل کی اطاعت کی جارہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جارہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے، اور ہر شخص اپنی رائے پر اتر رہا ہے، اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے بعد مبر کے ایام ہیں، ان ایام میں مبر کرنا انکارے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حل ہیں ایک حل وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہے، اس حل میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے، اور اس کی کئی صورتیں ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلوار سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے، یا اس کا بل لوٹنے کا قصد کرے، یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے، اور اس کو یقین ہو کہ زہنی منع کرنے سے وہ باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ مارا) تب بھی باز نہ آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے : ”تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔“ اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے، اور اگر اس کو عن غلب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ لور کے مارنے سے) تو پھر

اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر اس کو یہ ممکن ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے ماریا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔ ایک آدمی کے لیے ملکی قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان یا مل یا عزت پر حملہ آور ہو تو وہ اپنی یاد سرے مسلمان کی جان، مل اور عزت بچانے کے لیے مزاحمت کرے اور اگر اس مزاحمت کے دوران وہ حملہ آور اس کے ہاتھوں مارا جائے تو اس سے شرعاً کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا مسلمان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ تم اس کا مسلمان چھڑالو، اور اس آدمی کو واپس کر دو، اسی طرح امام ابو حنیفہ نے فرمایا جو چور مکھوں میں نقب لگا رہا ہو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے۔ بہ شرطیکہ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں، اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَقَاتِلُوا آلَ لَيْسَىٰ نَبَغِي حَتَّىٰ تَفْتِيَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ (الحجرات : ۹) حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

اسی طرح حدیث میں ہے : ”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔“ اس لیے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے، اور اگر وہ زبان سے منع کرنے سے باز آ جائے تو اس کو زبان سے منع کرے، یہ حکم ہر اس برائی کے لیے ہے جو علی الاعلان کی جارہی ہو اور اس پر اصرار کیا جا رہا ہو، مثلاً کوئی شخص بھتہ اور جبری ٹیکس وصول کرے، اور جب ہاتھ سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے اور اس وقت اس پر لازم ہے کہ اس برائی سے اور ان برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے :

عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْرُكُمْ مَنْ صَلَّى إِذَا
اَهْتَدَيْتُمْ ۖ

تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا : جب تک تمہاری بات کو قبول کیا جائے تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، اور جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو، اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے، خواہش کی پیروی کی جارہی ہے دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اتر رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لیے ان کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جب لوگوں کا یہ حال ہو تو پھر آپ نے برائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا۔

میر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے

وعظ، تقریر اور تبلیغ دین کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا علماء دین کا منصب ہے اور علم دین کی حسب ذیل شرائط ہیں :

(۱) عربی لغت، صرف اور نحو کا عالم ہونا کہ عربی عبارت بغیر اعراب کے صحیح پڑھ سکے اور قرآن مجید اور احادیث کا صحیح ترجمہ کر سکے۔

(۲) قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ، نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت اور فقہ کا عالم ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔

(۳) مسلک حق اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے دلائل کا عالم ہو اور باطل فرقوں کے رد کی کامل مہارت رکھتا ہو۔

(۴) پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن، سنت، علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر بغیر کسی کی مدد کے نکال سکتا ہو۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَصْرِ بِهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (العنکبوت : ۴۳)
یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ کرنا، ان سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان کی باریکیوں اور اسرار کو سمجھنا مذکور الصدر علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو عالم فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا :

عرض : کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے؟

ارشاد : غیر عالم کو وعظ کرنا حرام ہے۔

عرض : عالم کی کیا تعریف ہے؟

ارشاد : عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے

نکل سکے بغیر کسی کی مدد کے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۸ مطبوعہ لاہور)

کتب سے مراد تفسیر، حدیث اور فقہ کی عربی کتابیں ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب فتویٰ رضویہ سے بیان کیا جائے گا۔

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں، شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا لیتا ہے، حدیث میں ارشاد ہوا بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شوق کرے اور حاصل کچھ نہیں۔

(الملفوظ ج ۳ ص ۲۹، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بے علم واعظ کے متعلق لکھتے ہیں :

مسئلہ ۱۸ از لقمہ ۱۹ ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ بر سر بازار و مسجد وغیرہ بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مسم نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کر کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بیوا تو جروا

الجواب

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر علم فلیتنبوا مقعدہ من النار۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار والحديث رواه الترمذی وصححه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۳۰ھ سے سوال کیا گیا کہ اگر بے علم اپنے آپ کو مولوی کہلوائے (آج کل تو بے علم ناخواندہ اور بے سند یافتہ اپنے آپ کو علامہ کہلاتے ہیں!) اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرے اس کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالیٰ هو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنة فی بطون امهتکم فلا تزکوا انفسکم هو اعلم بمن اتقى ○ اللہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اوس نے تمہیں زمین سے لٹھلن دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے۔ اور فرماتا ہے الم تر الی الذین یزکون انفسہم بل اللہ یزکی من یشاء کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھراتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال انا عالم فہو جاہل جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سند حسن ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا تھا انی حفیظ علیم ○ پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دو گنا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عز وجل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنہم بمفازۃ من العذاب ولہم عذاب الیم ○ ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے معالم شریف میں عکرمہ تا جی شاگرد عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول یفرحون باضلالہم الناس وینسبۃ الناس ایاہم الی العلم ولیسوا باہل العلم خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی یا نبی ﷺ کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو

من میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القرآن بغیر عم فلیتبعوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من یقل علی مالہ اقل فلیتبعوا مقعدہ من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فرماتے ہیں ﷺ افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمة احمد و الشیخان و الترمذی و ابن ماجہ عن عبد اللہ بن عمر و رضی اللہ تعالیٰ عنہما دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء و الارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے ع کہ بے علم فتویٰ خدا را شناخت

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۹۶-۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز بے علم کے فتویٰ دینے اور علماء کی توہین کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں :

الجواب : سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہو گا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء و الارض جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہو تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولئک لا خلاق لہم فی الاخرۃ ولا یکلمہم اللہ ولا ینظر الیہم یوم القیمۃ ولا یرکبہم ولہم عذاب الیم ○ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں ثلثۃ لا یتخفف بحقہم الا منافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبۃ فی الاسلام و امام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکانہ جانے کا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل، تحصیل زر کے لیے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلا وجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

الجواب : (۱) اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بیعت کی شرائط کے متعلق فرماتے ہیں :

بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔ اول سنی صحیح العقیدہ ہو، کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی اداؤ کے اپنی ضروریات کے مسائل کتب سے خود نکل سکے۔ چنانچہ اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو، رابعاً "فاسق ملعن نہ ہو۔" (الملعون ص ۵۳۳، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۰۷ھ فرماتے ہیں :

قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو پھر باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے، اور اس فرض کی لوائگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ایک فرض کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔ اس طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ رکے تو اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی، انہوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کر لیں حتیٰ کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کر لیا ہو اور تمام برائیوں سے بچیں حتیٰ کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو، خواہ تم نے نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکے ہو۔ نبی ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی لوائگی کو باقی تمام فرائض کی لوائگی کے مساوی قرار دیا ہے، جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں ہوتا، اسی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

تہیاریوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جلیل قوم نے یہ کہا کہ باغی جماعت سے قبل نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے انہوں نے کہا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے، حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

فَقَاتِلُوا الَّذِينَ تَبِغُوا حَتَّى تَبْغُوا إِلَى أَمْرِ اللَّهِ
جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے، البتہ سلطان کا غیر اگر برائی کرے، اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے۔ یہ لوگ بدترین امت ہیں۔ امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سب سے افضل جہادیہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا

اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳-۳۰، ملخصاً مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے
کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہئے، نہ کسی شخص کے
نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے بد امنیت (بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کے لیے نہی
عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہئے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے
اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور
کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے، اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی
میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔
امر بالمعروف میں ملامت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملامت کو اختیار کرنا چاہئے تاکہ وہ موثر ہو، امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا
جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی، اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے
نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے
ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے، اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل
سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں۔ مثلاً قاتل کو قصاص
میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں، زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الہیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم
ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور عوام کو چاہئے کہ وہ ہر
برائی کو دل سے برا جانیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو، اس کو حسب مقدور مٹانے کی
کوشش کرے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود
اختلاف کیا اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے برا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں
گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کا
مزد) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے۔ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ
اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہن والوں پر
ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ (آل عمران: ۱۰۵-۱۰۸)

بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان لٹل کتب کی طرح نہ ہو جانا جو پہلے ایک متحد جماعت تھے اور بعد میں

ہمت سے فرقوں میں بٹ گئے، حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے جو ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتے اگر وہ ان کی

اتباع کر لیتے، اور اس تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تھا، اس وجہ سے وہ دنیا اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق ہو گئے، دنیا میں عذاب یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خوف میں مبتلا تھے اور مختلف جنگوں میں ان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا ہوتا تھا، اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے :

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی، کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کی تھی، یقیناً وہ بہت برا کام کرتے

(المائدہ : ۷۹-۷۸) تھے۔

کفار پر یہ وعید اس لیے کی گئی ہے کہ وہ دین کے اصول اور عقائد میں اختلاف کرتے تھے، اور اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق عقائد کو ڈھال لیتے تھے، لیکن فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف پر یہ وعید نہیں ہے جیسے ائمہ اربعہ کے فروعی مسائل میں مختلف مذاہب ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے متعدد معانی ہوتے ہیں، جیسے قرء کے معنی حیض اور طہر ہے، اور نبی ﷺ سے عبادت کے مختلف طریقے مروی ہوتے ہیں جیسے آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین کیا اور اس کو ترک بھی کیا، اسی طرح قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ، اور احادیث کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوتا ہے، راویوں کے ضعف اور قوت کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے اس لیے ایک حدیث ایک امام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور دوسرے امام کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی، مثلاً ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا فقہاء احناف کے نزدیک اپنے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ سماع ثابت نہیں ہے لہذا ابو عبیدہ کی اپنے والد سے روایت احناف کے نزدیک متصل اور مقبول ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی، سو اس طرح آیات کے معانی، نبی ﷺ کے افعال اور ثبوت روایات میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فروعی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جائز اور رحمت کا سبب ہے، اور اس میں ان کے لیے وسعت اور آسانی ہے اور بنو اسرائیل کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا وہ دین کے اصول اور عقائد میں اپنی نفسانیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ۝ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

(آل عمران : ۱۰۷-۱۰۶)

اس آیت سے پہلی آیت میں کفار اہل کتاب کو عذاب کی وعید سنائی تھی اس آیت میں اس عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے، کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے چہرے سفید، روشن اور مسرور ہوں گے، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ۖ اِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۖ

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے

(القیامہ : ۲۳-۲۲) ہوئے۔

کفار پر عذاب کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے انعام و اکرام کا بیان فرمایا کیونکہ کسی شخص کے دشمنوں پر انعام بھی اس شخص کے حق میں عذاب کا موجب ہوتا ہے پھر ان پر صراحتہ عذاب کا بیان فرمایا۔

قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کی وہ علامات جن سے وہ پہچان لیے جائیں گے

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ۖ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا
فَاقِرَةٌ (القیامہ : ۲۵-۲۴)
اور کتنے ہی چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۖ ضَآحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۖ
وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۖ
أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجَرَةُ (عبس : ۲۲-۲۸)
اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش ہوں گے اور کئی چہرے اس دن خاک آلود ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوگی وہی لوگ کافرید کار ہیں۔

نیز فرمایا :

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرَهُٓ
وُجُوهُهُمْ قَتَرٌ ۖ وَلَا ذَلَّةٌ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ
سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ
عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِنَ اللَّيْلِ
مُظْلِمًا ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۖ
(یونس : ۲۷-۲۶)
جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ اور ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی نہ ذلت وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کیے تو برائی کی سزا اسی کی مثل ہوگی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے نکلڑوں سے ڈھانپ دیں گے وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے میدان حشر میں کفار کی علامتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا :

يُعَرِّفُ الْمَجْرُمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُوْخَذُ
بِالتَّوَاصِي وَآلِ أَقْدَامٍ ۖ (الرَّحْمَنُ : ۴۱)
فَأَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۖ
وَأَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ۖ
(الواقعة : ۹-۸)
اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔ تو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے ()

حوض پر وارد ہونے والے مرتدین کے متعلق علم رسالت اور بحث و نظر

ان آیات سے معلوم ہوا کہ میدان حشر میں کفار کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوں گے ان کو ذلت اور رسوائی نے گھیرا ہوا ہوگا اور ان کا اعمل نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا اور اس کے برخلاف مومنوں کے چہرے سفید روشن تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کا اعمل نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور ان علامات کی وجہ سے کفار پہچانے جائیں گے جیسا کہ سورہ رجن میں ہے اور ان علامات سے میدان حشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ کون مومن

ہے اور کون کافر ہے، لیکن حیرت ہے کہ شیخ تھانوی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن بھی نبی ﷺ کو بعض مرتدین کے متعلق یہ علم نہ تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۳۳ھ لکھتے ہیں :

حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت میں حضور اقدس ﷺ سے کہا جائے گا انک لا تدری ما احدثوا بعدک (آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا تبدیلیاں کیں) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمناہ تک بھی کہ آخر عمر سے بہت متاخر ہے آپ پر بعض کونیات ظاہر نہیں ہوئے نہ بلاذات نہ بالطاء کیونکہ بالطاء کے بعد آپ ان کو نہ بلاتے صریح اس اطلاع کے بعد حقا "حقاً فرمادیا۔

(حفظ الایمان ص ۷۱، مکتبہ تھانوی کراچی)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت حوض پر آئے گی اور میں اس وقت دوسرے لوگوں کو حوض سے روک رہا ہوں گا، جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے پرائے اونٹوں کو دور کرتا ہے، صحابہ نے پوچھا یا نبی اللہ! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں کیونکہ تمہاری ایک ایسی نشانی ہوگی جو کسی امت میں نہیں ہوگی، تم جس وقت میرے پاس حوض پر آؤ گے تو تمہارا چہرہ اور ہاتھ پیر آثار وضوء کی وجہ سے سفید اور چمکدار ہوں گے، اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے صحابہ ہیں پھر مجھے ایک فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں نئی نئی باتیں نکالی تھیں۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے وصل کے بعد اپنا دین بدل لیا تھا) پھر میں کہوں گا دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۵ھ)

بعض لوگ نبی ﷺ کے علم کلی کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی پر استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی ہوتا تو آپ حوض پر آنے والے ان مرتدین کو اصحابی نہ فرماتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا انہیں اصحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہو گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا محذوف ہو، یعنی کیا یہ میرے اصحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ، اعمال نامے بائیں ہاتھ میں، آنکھیں نیلی، چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں۔ یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے اصحاب کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شلاب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے، ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو گا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ علم نہ ہو کہ کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو آپ کو علم تھا کہ کون ایمان پر قائم رہا اور کون مرتد ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرما رہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے آپ نے دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا

فرمایا ہے۔

شیخ شبیر احمد عثمانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :

للم بزار نے سند جید کے ساتھ اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، سو جو اچھے اعمال ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے اعمال ہوں میں ان پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ حوض پر آنے والے یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں، شیخ شبیر احمد عثمانی متونی ۱۳۶۹ھ بعض دیگر علماء کے جوابات نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق لکھتے ہیں :

میں کہتا ہوں کہ مسند بزار کی حدیث کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد سے وہ شخص امت اجابت سے خارج ہو جاتا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اس کے اعمال آپ پر پیش نہ کئے جاتے ہوں، نیز اس حدیث میں ہے جو اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ اچھے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں یا وہ برے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ استغفار کرتے ہیں اور ارتداد لائق حمد ہے نہ لائق استغفار۔

(فتح الملمع ج ۱ ص ۴۱۳-۴۱۴، مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)

شیخ عثمانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو ان لوگوں کے مرتد ہونے کا علم نہیں ہوا اس لیے آپ نے ان کو میدان محشر میں نہیں پہچانا، اور ان کو اپنا صحابی گمان فرمایا، ہمارے نزدیک شیخ عثمانی کا کلام صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو اعمال لائق استغفار ہوں میں ان پر استغفار کرتا ہوں اور جو لائق استغفار نہ ہوں آپ ان پر استغفار نہیں کرتے اور ارتداد لائق استغفار نہیں ہے لیکن اس کا لائق استغفار نہ ہونا اس عمل کے پیش کیے جانے کے منافی نہیں ہے۔

باقی رہا شیخ عثمانی کا یہ کہنا کہ آپ پر آپ کی امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ارتداد کے بعد وہ آپ کی امت سے خارج ہوا ہے، اس لیے ارتداد کے بعد اس کے اعمال پیش نہیں کئے جائیں گے لیکن ارتداد سے پہلے تو وہ آپ کی امت میں تھا اور جب اس نے ارتداد کا برا عمل کیا تو وہ آپ پر پیش کیا گیا کہ آپ کے فلاں امتی نے یہ برا عمل کیا ہے اس کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا۔ نیز کسی چیز کا علم اس کی ضد کے علم کو مستلزم ہوتا ہے، مثلاً دن کا علم رات کے علم کو مستلزم ہے کہ جو وقت دن کی طرح نہیں ہو گا وہ رات ہو گا، اسی طرح اسلام کا علم کفر کے علم کو مستلزم ہے کہ جو عقیدہ اسلام کی طرح نہیں ہو گا وہ کفر ہو گا، تو جب نبی ﷺ کو آپ کی تمام امت دکھا دی گئی تو آپ نے جان لیا کہ جو لوگ آپ کو نہیں دکھائے گئے وہ آپ کی امت نہیں ہیں تو جب شیخ عثمانی کے یہ قول یہ مرتدین آپ پر پیش نہیں کیے گئے اور ان کے اعمال آپ کو نہیں دکھائے گئے تو آپ نے جان لیا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں اور آپ کو ان کا علم ہو گیا، رہا یہ کہ پھر آپ نے ان کو اسی صحابی کیوں فرمایا تو اس کا یہی جواب ہے کہ آپ کا یہ فرمانا یا تو بطور استغنام تھا یا ان میں مزید حسرت، افسوس اور عذاب واقع کرنے کے لیے۔ اس حدیث کی بناء پر بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کلی پر جو اعتراض کرتے ہیں اس کے مزید جوابات اور سیر

حاصل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں ذکر کر دی ہے اس لیے اس بحث کو وہیں ضرور دیکھ لیا جائے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی۔ (آل عمران : ۱۰۹)
عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ جہن والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا، اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے، وہ اس کا ظلم نہیں ہے، بلکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو اٹھا کر جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہو گا کیونکہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور برے لوگوں کو عذاب دینا اس کا عدل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں! ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، لیکن تم درست کام کرتے رہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۶، مطبوعہ نور محمد راجع المظاہر کراچی ۷۵ھ)
یعنی اعمال بحسب الذات نجات اور ثواب کا تقاضا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اعمال صالحہ کو ثواب کی علامت بنا دیا ہے، نیز تمام انسان اور ان کے اعمال اللہ کے پیدا کرنے سے ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے :
اُدْخِلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ
اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل : ۳۲)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے سبب سے نجات ہوگی اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی مجمل ہے اور حدیث نے اس کی تفسیر کر دی ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے جو تم نے نیک عمل کیے اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ نہ یہ کہ تم محض ان اعمال کی وجہ سے دخول جنت کے مستحق ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول نیک اعمال کی وجہ سے ہے لیکن نیک اعمال کی ہدایت دینا اور ان کا قبول فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے دخول کے دو سبب ہیں ایک صورت اور دوسرا حقیقتہ، ”صورۃ“ سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقتہ ”سبب اللہ کا فضل ہے“ اس آیت میں سبب صوری بیان فرمایا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی بیان فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ

جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم ان سب میں بہترین امت ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ

روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے

لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝۱۱۰

تو ان کے حق میں بہتر تھا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں ○

لَنْ يَصُدُّكُمْ إِلَّا أَدْنَىٰ وَإِنْ يُقَاتِلْكُمْ يَوْلُوكُمُ الْاَدْبَارَ ۚ

وہ تمہیں نہانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر جائیں گے

ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝۱۱۱ ضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَالَةُ أَيْنَ مَا ثَقِفُوا

پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○ وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے

إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءَ وَبَغَضِ

بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق

مِّنَ اللَّهِ وَضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا

ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں

يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ ۚ

کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے،

ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝۱۱۲

اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ جسے تجاوز کرتے تھے ○

رابط آیات، مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ

جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی پر رہنے دے، پھر اس امت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو جبکہ "و فطرۃ" سب سے بہتر پیدا کیونکہ تم تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت دیتے ہو اور ان کو برائی سے روکتے ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا تھا کہ تم اہل کتب کی طرح سرکش اور نافرمان نہ ہو جانا، پھر ان کو نیکی اور اطاعت شعاری پر برا نیکیہ کرنے کے لیے آخرت میں مومنوں کی سرخ روئی اور ان کے درجات کو بیان فرمایا اور کافروں کی رو سیاہی اور ان کے عذاب کو بیان فرمایا، اور اب ایک اور طریقہ سے مومنوں کو نیکی اور اطاعت شعاری کی ترغیب دی ہے اس لیے فرمایا تم بہترین امت ہو یعنی تم لوح محفوظ میں سب سے بہتر اور سب سے افضل امت ہو اس لیے مناسب یہ ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو اور اپنی اس سیرت محمودہ کو زائل نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :
سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں امت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی۔

سہی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مراد ہیں اور جو مسلمان ان کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو تم نے ستر امتوں کو پورا کر دیا تم ان کے آخر میں ہو اور تم اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہو۔
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو پورا کر دیں گے ہم ستر امتوں میں سب سے آخر میں ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۸۹ھ)

تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اس وقت تمام امتوں سے افضل ہے، اور جب تک یہ امت نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور برائی سے روکتی رہے گی اور اللہ پر صحیح، صادق اور کامل ایمان رکھے گی اس وقت تک یہ امت تمام امتوں سے افضل ہی رہے گی، اس آیت میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ایمان پر مقدم کیا ہے، اس لیے کہ ان ہی دو وصفوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دوسروں پر فضیلت ہے، کیونکہ ایمان کا تو دوسری امتیں بھی دعویٰ کرتی ہیں لیکن دوسری امتوں نے ایمان کی حقیقت کو بگاڑ دیا تھا اور ان میں شر اور فساد غالب آچکا تھا، اس لیے ان کا ایمان صحیح نہیں تھا، اور وہ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

صحیح، صادق اور کامل ایمان کا معیار

اللہ تعالیٰ نے جس صحیح، صادق اور کامل ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس کا معیار اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ
ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔

(الحجرات : ۱۵)

ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کریں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الانفال : ۲)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا تب صحیح ہو گا جب ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً آسمانی کتابوں پر، فرشتوں پر، تمام نبیوں پر، تقدیر پر، مرنے کے بعد اٹھنے پر، حساب و کتب پر اور جزاء اور سزا پر اور جو شخص ان میں سے بعض پر ایمان لایا اور بعض پر ایمان نہیں لایا تو اس کا ایمان صحیح نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

رَأَى الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا

(النساء : ۱۵۱-۱۵۰) کرتے ہیں درحقیقت وہی لوگ کافر ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے اور قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے اور سیدنا محمد ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کو مان لیا تو ان کی ریاست جاتی رہے گی اور یہودی عوام جو ان کی اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور دنیاوی مل اور نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے حالانکہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو دنیا میں بھی ان کی عزت و کرامت زیادہ ہوتی اور وہ آخرت میں بھی اجر عظیم کے مستحق ہوتے۔

یہ ایمان صحیح کا معیار ہے اور ایمان صلوٰۃ کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مل اور جان کو بے دریغ خرچ کریں تاکہ ان کا دعویٰ ایمان صلوٰۃ ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ وہ اس کلمے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی!

اور ایمان کامل کا یہ معیار ہے کہ تمام فرائض اور واجبات کو دوام اور التزام کے ساتھ ادا کیا جائے اور کسی فرض اور واجب کو ترک نہ کیا جائے اور حتی الامکان تمام سنن اور مستحبات کو ادا کیا جائے اور کسی حرام اور مکروہ تحریمی کا کبھی بھی ارتکاب نہ کیا جائے اور ہر قسم کے مکروہ تنزیہی اور خلاف لوئی کاموں سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے اور اگر تقاضائے بشریت سے کبھی کوئی فرض یا واجب رہ جائے تو فوراً اس کی قضا کر لی جائے اور اگر غلبہ نفسانیت سے کبھی کسی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لی جائے۔

لام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کی طرف لکھا کہ ایمان کے فرائض اور شرائع ہیں اور حدود اور سنن ہیں جس نے ان کو مکمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس کا ایمان کامل نہیں ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی زانی زنا کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور کوئی چور چوری کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور کوئی شرابی شراب پیتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور کوئی لیرا لوٹ مار کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گلی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱-۵۵ ملقطاً مطبوعہ نور محمد اصح المطلق کراچی ۱۳۷۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر خطبہ میں یہ فرماتے تھے جو شخص امانت دار نہ ہو وہ (کامل) مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا دین (کامل) نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد، امام ابو یوسف، امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بہت طعنے دیتا ہو بہت لعنت کرتا ہو بد زبانی اور بے حیائی کی باتیں کرتا ہو وہ (کامل) مومن نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۷-۹۶، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص (کامل) مومن نہیں ہے جو رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۶، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان یہ ہے کہ ان تمام امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور صادق ایمان یہ ہے کہ اس کے دل میں اس کے خلاف شک نہ آئے وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال کو بے دریغ خرچ کرے۔ اور کامل ایمان یہ ہے کہ تمام فرائض اور واجبات پر دامن عمل کرے اور سنن اور مستحبات پر بھی عامل ہو اور ہر حرام اور مکروہ تحریمی سے دامن مجتنب ہو اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے بچتا رہے اور اس درجہ کے ساتھ جو مسلمان

جی نیکی کا حکم دیتے رہیں گے اور برائی سے روکتے رہیں گے وہ تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے مصداق ہیں۔
اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں، مومنوں سے حضرت عبد اللہ بن سلام رحمہ اللہ ایسے لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ فاسق کا معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے مراد مرتکب کبیرہ ہیں، اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہودی میں ایسے لوگ تھے جو کافر ہونے کے علاوہ دینی اور دنیاوی معاملات میں بد عمل اور بد اخلاق بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۱۱)
مدینہ کے یہودیوں کی ذلت اور خواری کا بیان

”لازی“ کا معنی دکھ اور تکلیف ہیں، اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کا ذکر ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً ان کے مختلف قبائل سے جو معاہدے کیے تھے وہ ان کی عمدہ ٹکنیوں اور شرارتوں کی وجہ سے ختم کر دیئے گئے اور بعد میں یہ اپنی ریشہ دوانیوں اور جرائم کی سزا میں قتل کر دیئے گئے یا جلاوطن کر دیئے گئے، اور دوسرے قبائل سے جو انہوں نے معاہدے کر رکھے تھے وہ قبائل بھی آہستہ آہستہ اسلام کے زیر اثر آ گئے، سودہ معاہدے بھی عملاً بے اثر ہو کر رہ گئے اور جس درخت کی تمام جڑیں کٹ چکی ہوں وہ محض تنے کے سہارے کب تک کھڑا رہ سکتا ہے، اس آیت میں مدینہ کے یہودیوں کی اسی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اب ان کی جڑ کٹ چکی ہے اور ان کے اندر اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تم کو اپنی زبانوں سے کچھ دکھ اور تکلیف پہنچائیں۔ مسلمانوں کو طعن و تشنیع کریں ان کے خلاف افترا پردازیں اور تہمت تراشی کریں یا کلمات کفریہ کہیں مثلاً یہ کہ عزیر ابن اللہ ہیں، یا تورات کی عبارات میں تحریف کریں، یا کمزور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالیں، اس سے زیادہ مسلمانوں کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچانے کی سکت اب ان میں نہیں رہی، اور بالفرض یہ اگر کسی مقابلہ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے تو پیٹھ دکھائیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کسی طرف سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جمل کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے، بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی۔

(آل عمران : ۱۱۳)

مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سہارے کے بغیر یہودی ریاست قائم نہیں کر سکتے

یہودیوں پر اس طرح ذلت لازم کر دی گئی ہے کہ وہ کہہ ارض پر ہر خطہ میں ذلیل و خوار ہیں، اور اپنے زور بازو سے انہیں کہیں پر بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ کہیں مسلمانوں نے ان کو امن دے دی اور کہیں غیر مسلموں نے ان کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا، اس زمانہ میں انگلینڈ، امریکہ اور روس نے باہمی اشتراک سے فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی ہے اور آج کل امریکہ ان کا پشت پناہ ہے، یہ صرف اپنی انفرادی قوت سے کہیں حکومت قائم نہیں کر سکے، ان کا لٹنی قوت بنتا بھی امریکی مدد کی وجہ سے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ ذلت، غضب الہی اور مسکینی مسئلہ کیے جانے کے مستحق اس لیے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے تھے، اور اللہ کی آیتوں کا انکار اور انبیاء علیہم السلام کا قتل یہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے ہیں، اس آیت سے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جن لوگوں پر ہر جگہ خدا کی مار اور لعنت پڑ رہی ہے وہ تمہارا کیا بازو سکیں گے اور جو لوگ غیروں کے سارے کے بغیر اپنی حکومت قائم نہیں کر سکتے وہ تمہاری حکومت کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ اطمینان اور تسلی اور یہودیوں پر غلبہ کی بشارت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار رہیں اور جب مسلمان اجتماعی طور پر دینی اقدار سے منحرف ہو جائیں، اسلامی اقدار پر عمل کرنا ان کے لیے باعث ننگ اور عار ہو (سو آج کے مڈرن معاشرہ میں کسی مسلمان نوجوان کا ڈاڑھی رکھ لینا، ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا اور سر پر علامہ باندھنا اسی طرح اس طبقہ میں باعث طامت ہے اور عورتوں کا برقعہ پہننا، نامحرموں سے پردہ کرنا اور گھر کی چار دیواری میں رہنا اس ترقی یافتہ مذہب معاشرہ میں گنوار پن کی علامت سمجھا جاتا ہے) اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانا ان کے لیے فخر کا باعث ہو، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر اسلامی احکام ان کو بوجھ معلوم ہونے لگیں تو پھر ان مسلمانوں کا ان لعنتی اور مغضوب یہودیوں کے ہاتھوں مسلسل شکست کھانا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ

وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں سے ایک گروہ قیام کرتا ہے رات کے اوقات میں اللہ کی

اللَّهُ أَنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝۱۱۳ يَوْمُئِذٍ بِاللَّهِ وَ

آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور وہ سجدہ کرتے ہیں ۝ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر

الْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں

وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۱۴ وَمَا

اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکوں میں سے ہیں ۝ اور وہ جو

يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوا ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝۱۱۵

بھی نیک کام کرتے ہیں ان کی نافرمانی ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے ۝

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی مذمت فرمائی تھی اب اس کے مقابلہ میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی مدح فرما رہا ہے، امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، جب عبد اللہ بن سلام، ثعلبہ بن سعید، اسد بن سعید، اسد بن عبید اور دیگر یہودی اسلام لے آئے، انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام میں رغبت کی اور قبل اسلام کے بعد اسلام کی راہ میں مال خرچ کیا تو علماء یہود اور ان میں سے دیگر کفار نے کہا جو لوگ (سیدنا) محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہیں اور ان کی پیروی کر رہے ہیں وہ ہم میں بہت برے لوگ تھے، اگر وہ نیک لوگ ہوتے تو اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک نہ کرتے، اس کے علاوہ ان کی مذمت میں اور باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح سرائی میں یہ آیات نازل فرمائیں اور ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی صفات کی تفصیل اور تحقیق

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اوصاف بیان کیے ہیں، آیات سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر فاسقوں کے احوال بیان فرمائے اور ان کا انجام بیان فرمایا، اور ان آیات میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے احوال اور ان کی صفات بیان فرمائیں۔ اگرچہ اسلام میں داخل ہونے والے اہل کتاب بہت کم تعداد میں تھے۔

مومنین اہل کتاب کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ قائم ہیں، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز میں قیام کرتے ہیں اور نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا

اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے

(الفرقان : ۲۴) رات گزار دیتے ہیں۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ گروہ دین حق پر قائم ہے اور ثابت قدم ہے اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوششیں ان کے پائے ثابت کو متزلزل نہیں کرتیں۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سجدہ میں بھی خضوع اور خشوع سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، لیکن سجدہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا منع ہے۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۷، مطبوعہ مطبع مجبائی لاہور ۱۳۰۵ھ)

یہ ممانعت قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے ہے کیونکہ رکوع اور سجود انتہائی ذلت کی حالت ہے اس لیے اس حل میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

”اور وہ سجدہ کرتے ہیں“ یہ ان کی الگ اور مستقل صفت ہے اور پہلی صفت کی قید نہیں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے

کہ وہ نماز میں کبھی قیام کرتے ہیں اور کبھی سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا جاتا ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات کے وقت نماز میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس آیت میں یہودیوں کی تعریف ہے کیونکہ یہودی بھی تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور رات کو اٹھ کر تورات کی تلاوت کرتے تھے سو اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہاں رسول پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تب صحیح ہو گا جب اس کی تمام آیتوں پر ایمان لایا جائے اور تمام آیتوں میں یہ آیت بھی ہے :

كُلُّ اٰمَنٍ بِاللّٰهِ وَ مَلَاٰئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ (البقرہ : ۲۸۵)
سب ایمان لائے اللہ پر اس کے سب فرشتوں پر اس کی
سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے کہ ہم
ایمان لانے میں اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق
نہیں کرتے۔

اور بالخصوص سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کے متعلق فرمایا :
اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الَّذِيْ
يَحْدُوْنَهُ مَكْنُوْنًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيْلِ
اِئْتِ بِهٖ سُبْحٰنَ الَّذِىْ يَرْفَعُ السَّجْدَ (الاعراف : ۱۵۷)
جو لوگ اتباع کرتے ہیں اس رسول نبی امی کی جس کو وہ
اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور یہود تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا حضرت عیسیٰ کی رسالت پر ایمان نہ تھا اور بالخصوص وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اس لیے ان کا اللہ کی تمام آیتوں پر ایمان نہ ہوا اور جب اللہ کی آیتوں پر ایمان نہ ہوا تو اللہ پر ایمان نہ ہوا لہذا اس میں ایمان والوں کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں اس سے یہودی مراد نہیں ہو سکتے۔
چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں انسان کا پہلا کمال یہ ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں اور اس کے اعمال صالح ہوں اور دوسرا کمال یہ ہے کہ وہ خود کمال ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کمال بنائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ
نَارًا (التحریم : ۶)
اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی
آگ سے بچاؤ۔

سو انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کمال ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کمال بنائے اور یہ فریضہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے ادا ہوگا بعض علماء نے کہا ہے کہ نیکی کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم دیں اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک بنانے اور آپ کی رسالت کے انکار سے روکیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ امر بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ تمام عقائد صحیحہ کے ماننے کا حکم دیا جائے اور تمام فرائض واجبات سنن اور مستحبات پر حسب مراتب عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور تمام محرمات مکروہات تحریمہ تنزیہ اور خلاف اولی کاموں سے حسب مراتب منع کیا جائے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں، یعنی ہر نیک کام کو اس کے وقت پر کر لیتے ہیں اور فرائض اور واجبات کو فوت ہونے سے پہلے ادا کر لیتے ہیں، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کاموں کو خوشی اور سعادت سمجھ کر کرتے ہیں، بوجھ اور بیگار سمجھ کر نہیں کرتے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عجلت سے کام کرنا تو ممنوع ہے، امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں : حضرت سہل بن سعد سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اطمینان سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے، اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ سرعت اور عجلت میں فرق ہے، سرعت کا معنی ہے جس کام کو پہلے کرنا چاہئے اس کو پہلے کیا جائے اور عجلت کا معنی ہے جس کام کو موخر کرنا چاہئے اس کو مقدم کر دیا جائے، نیز یہاں سرعت سے مراد یہ ہے کہ دین کے کاموں کو انتہائی خوش دلی اور رغبت سے کیا جائے۔

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی : کہ وہ لوگ صالحین میں سے ہیں، یہ بہت عظیم صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا صالحیت کے وصف کے ساتھ ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :
وَرَكِبْنَا فِي الْخَلْقِ وَمَا كُنَّا فِي الْبُيُوتِ
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (یہ) سب صالحین میں سے ہیں۔
الصَّالِحِينَ (الانعام : ۸۵)

اور ساتویں صفت یہ بیان فرمائی : اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناکدوری ہرگز نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا سے ہرگز محروم نہیں کیا جائے گا، کفر کا معنی ہے چھپالینا اور کسی شخص کی نیکی کی جزا نہ دینا اس کو چھپانے کے مترادف ہے، اس لیے یہاں انہیں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی جزاء دینے کو شکر فرماتا ہے۔ فان الله شاكر عليم (البقرہ : ۱۵۸) اس اعتبار سے اس آیت میں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ اور اس کی دلیل یہ فرمائی کہ اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اور چونکہ وہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اس لیے ان کے نیک کاموں پر ان کو اچھی جزا سے محروم نہیں فرمائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے

مَنْ أَلَّفَ شَيْئًا وَلِيَكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾

وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رَائِي

وہ جس چیز کو دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح

فِيهَا صِرَاطٌ مُبِينٌ خَرْتُ قَوْمٌ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكْتُهَا ط

ہے جس میں (جلا دینے والی) سخت سردی ہو، جو ان لوگوں کی کھیتوں پر پہنچے جھولنے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پھر

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۵﴾

وہ ہوا اس کھیت کو جلا ڈالے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ○

آخرت میں کفار کے اعمال کا ضلع ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان فرمائی تھیں۔ اور اب ان آیتوں میں ان کے مقابلہ میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے۔ سو ان آیتوں میں کفار پر وعید بیان کی ہے اور ان کی آرزوؤں کا انقطاع بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے خیال میں دنیا میں جو کچھ بھی نیکی کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں وہ سب رائیگال جائے گا اور ان سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دور نہیں کر سکے گا۔

یہود، منافقین اور مشرکین نبی ﷺ کی عداوت میں آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے مال خرچ کرتے تھے اور اپنے اس خرچ پر خوش ہوتے تھے اور فخر کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے، مال اور اولاد کا بالخصوص ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان اپنی جان بچانے کے لیے کبھی مال کا فدیہ دیتا ہے اور کبھی اولاد کے ذریعہ اپنے آپ کو دکھ اور آزار سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کسی شخص کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے، فرمایا ہے :

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (الشعراء : ۸)
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا
وَلَوْ أَفْنَدُوه (ال عمران : ۹)
وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِآلَتِنِي تُقَرَّبُكُمْ
عِنْدَنَا زُلْفَى (سبا : ۳۷)
جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔
سو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا (بھی) ہرگز قبول نہیں
کیا جائے گا خواہ وہ اسے فدیہ میں دے۔
تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تم کو ہم سے قریب
کر دیں۔

کفار اپنے اموال کو دنیا کی اغراض باطلہ اور دنیوی لذتوں کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اگر وہ مال کو غریبوں کی مدد کے لیے اور نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے، سنانے، اس پر تعریف چاہنے، شہرت اور فخر کے لیے خرچ کرتے ہیں، اللہ کے لیے خرچ نہیں کرتے اور اگر اللہ کے لیے خرچ کرتے تو اس کی پہلی شرط اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہے، لیکن وہ زیادہ تر اپنے اموال کو اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے اور سیدنا محمد ﷺ کی اتباع سے منع کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور آپ کی عداوت اور آپ کی مخالفت میں اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ کفار جو اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثل اس طرح ہے جس طرح ظالموں کے کھیت پر سخت سرد جلا دینے والی ہوا پہنچے اور اس کھیت کو جلا ڈالے، اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں :

وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى النَّاسِ إِذْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لِيُذْهِبَ عَنْهُمْ آلِهَتِهِمْ الَّتِي كَانُوا يَكْفُرُونَ (۱۱۶)
اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جو بھی نیک عمل کیے، ہم ان

مَنْ مَّنْ شَرًّا (الفرقان : ۳۳)

کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں (فضائیں) بکھرے ہوئے
(غبار کے) باریک ذرے بنا دیں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا۔
(النور : ۳۹) بھی نہ پایا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کے سبب ان کے کھیتوں کو جلا ڈالتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کے اعمال کو برباد اور رائیگاں کر دے گا۔ اور ان کے اعمال کو قبول نہ فرمانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی سزا دی ہے، انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایمان کے ساتھ ایسے اعمال کر کے نہ لائے جنہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قلعہ بیان فرما دیا ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں فرماتا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْشَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل : ۹۷)
جس مرد یا عورت نے نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے بہترین کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور واضح فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا، اور ان کے تمام اعمال آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر سلامت رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِلِقَائِهِ مَن دُونَكُمْ لَا

اے ایمان والو ! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں

يَا لَكُمْ خَبَالًا وَّ دُومًا عِنْتُمْ قَدْ بَدَأَ الْبُغْضَاءُ مِنْ

پھوڑیں گے انہیں وہی چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف پہنچے، ان کی باتوں سے دشمنی تو ظاہر ہو چکی ہے

أَفَوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ

اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے اگر تم عقل سے کام لیتے ہو

الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَآنَتْكُمْ أَوْلَآئُ تَحِبُّونَهُمْ وَلَا

تو ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو بیان کر دیا ہے ۰ سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت

يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا الْقُوكُمْ قَالُوا

نہیں کرتے اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا عٰلَيْكُمْ الْاِنَامِلَ مِنَ الْغِيْظِ قُلْ

کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ آپ کیسے

مُوْتُوْا بَغِيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹ اِنْ

کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ بیشک اللہ دل کی باتوں کو خوب جانتے والا ہے ۝ اگر تم

تَمْسِكُمْ حَسَنَةً تَّسُوْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا

کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش

بِهَادٍ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ

ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بیشک

بِمَا يَعْمَلُوْنَ عُحِيْطٌ ۝۱۲۰

اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ۝

کفار کو رازدار بنانے کی ممانعت اور اس کی حکمتیں

”بطانہ“ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان نے کپڑوں کے نیچے پہنا ہوتا ہے جو اس کے باطن سے ملا ہوتا ہے جیسے بنیان اور چونکہ انسان کا گہرا دوست بھی اس کے تمام باطنی اوصاف اور خصائل پر مطلع ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی بطانہ کہتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی فتنہ انگیزیوں، رسول اللہ ﷺ سے ان کی عداوت اور مسلمانوں سے ان کی مخالفت کو تفصیل سے بیان فرما دیا تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان ان سے اپنی رضاعت کے رشتوں یا ان کو اپنا حلیف بنانے کی وجہ سے ان کے ساتھ دوستی رکھتے تھے اور ان کو اپنے راز کی باتیں بتا دیتے تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ کفار کو اپنا رازدار نہ بنائیں ورنہ وہ ان کے رازوں پر مطلع ہو کر مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں جن کو رازدار بنانے سے منع فرمایا ہے اس کا مصداق کہاں ہیں، بعض مفسرین نے کہا اس کے مصداق یہود ہیں، بعض نے کہا اس کا مصداق منافقین ہیں اور بعض نے کہا اس کا مصداق تمام کفار ہیں۔

جن مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ کرتے تھے، اور ان کے رضائی رشتوں اور حلیف ہونے کی وجہ سے یہ گمان کرتے تھے کہ ہرچند کہ یہودی دین میں ان کے مخالف ہیں لیکن دنیاوی معاملات اور معاشرتی امور میں ان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بعض مسلمان یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے پڑوسی تھے، یا زمانہ جاہلیت میں وہ ان کے حلیف بن چکے تھے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور یہودیوں کو رازدار بنانے سے منع فرمایا اور ان کے فتنوں سے ڈرایا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۴۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں منافقین کے ساتھ رازداری کے تعلقات رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ مسلمان منافقوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھا جاتے تھے، مسلمان ان کو ان کے دعویٰ ایمان میں صادق گمان کرتے تھے اور وہ مسلمانوں سے ان کے راز کی باتیں سن کر ان کے دشمنوں تک پہنچا دیتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ قلابہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کے ساتھ اخوت اور محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے، ربیع نے کہا اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے ساتھ ملنے جلنے سے منع فرمایا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۴۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقاً مشرکین کے ساتھ محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا ہے جو تمہارے پاس آچکا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو اور نہ اپنی انگشتیوں میں کسی عربی کا نام نقش کراؤ۔ حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی مشرکین سے اپنے امور میں مشورہ نہ لو اور اپنی انگشتیوں میں سیدنا محمد ﷺ کا نام نقش نہ کراؤ۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۴۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ان آیات میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ کفار کو تحفہ اور ہدیہ وغیرہ دیں اور ایک دوسرے کی دعوتیں کریں اور اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں ان سے مشورہ کریں، کیونکہ کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے معاملات بگاڑنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں، اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو مصائب اور آلام پہنچیں اور ان کی دنیا اور آخرت تباہ ہو جائے، وہ جب مسلمانوں سے باتیں کرتے ہیں اس وقت

جی ان کی باتوں سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے چہرے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں، وہ مسلمانوں کی کتب اور ان کے نبی کے مکتب ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کینہ اور بغض بھرا ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۹)

مسلمانوں کے کافروں سے محبت کرنے اور ان کے محبت نہ کرنے کے محال
مسلمان ان سے کوئی محبت کرتے تھے اور وہ ان سے کوئی محبت نہیں کرتے تھے اس کے حسب ذیل محال بیان کیے گئے ہیں:

(۱) مسلمان یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں، کیونکہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی دولت اسلام ہے، اور یہ ان کی محبت تھی، اور یہودی یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلام پر قائم نہ رہیں تاکہ وہ دین اور دنیا میں ہلاک ہو جائیں اور یہ ان کا محبت نہ کرنا تھا۔

(۲) مسلمان اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۳) چونکہ منافقین نے بہ ظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے مسلمان ان سے محبت کرتے تھے اور چونکہ ان کے دلوں میں کفر تھا اس لیے وہ مسلمانوں سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۴) مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہوں اس کے برخلاف وہ مسلمانوں کی بربادی اور تباہی چاہتے تھے۔

(۵) مسلمان ان کو اپنے راز بتا دیتے تھے جب کہ وہ مسلمانوں کو اپنے راز نہیں بتاتے تھے اس کے برعکس مسلمانوں کے راز افشاء کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں، آپ کہتے کہ تم اپنے غصہ میں مرجاؤ، بے شک اللہ دل کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران: ۱۱۹)

مسلمانوں کے خلاف کافروں کے غیظ و غضب کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ تمہاری میں ہوتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف شدید غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں، اور جب انسان بہت زیادہ غصہ میں ہوتا ہے تو دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتا ہے۔ یہاں انگلیاں کاٹنے سے مراد ان کے انتہائی غیظ و غضب کا بیان ہے، خواہ وہ انگلیاں کاٹیں یا نہ کاٹیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے کہ ”تم اپنے غصہ میں مرجاؤ۔“ یہ ان کے خلاف بہ ظاہر دعاء ضرر ہے کہ تمہارا غیظ اس قدر زیادہ ہو جائے کہ تم اس کی زیادتی سے ہلاک ہو جاؤ، اور حقیقت میں یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و کرامت میں زیادتی اور ان کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے کیونکہ ان کے غیظ و غضب کی وجہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہے اور جوں جوں یہ ترقی زیادہ ہوگی ان کا غیظ و غضب زیادہ ہوگا، حتیٰ کہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سربلندی اور سرفرازی سے وہ جل بھن کر مرجائیں گے، لہذا اب یہ اعتراض نہ ہو گا کہ اسلام کے

خلاف غیظ و غضب تو کفر ہے اور یہ دعا کرنا کہ تم اپنے غیظ میں مرجاؤ ان کو کفر پر برقرار رکھنے کی دعا ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہم نے بتا دیا کہ حقیقت میں یہ اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے، یعنی تم اگرچہ بہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم نے اپنے دلوں میں کفر کو چھپایا ہوا ہے اور تم اپنے دلوں میں اسلام کے خلاف جس قدر غیظ و غضب رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور تمہارے دلوں کی تمام باتوں پر مطلع ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اگر تمہیں کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکرو فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (آل عمران : ۳۰)

نیک اور متقی مسلمانوں کا کفار کی سازشوں سے محفوظ رہنے کا محمل

”حسنہ“ کا معنی ہے اچھائی، اور یہاں اس سے دنیاوی منفعت مراد ہے مثلاً صحت، خوشحالی، دشمنوں پر غلبہ، اور دوستوں کے درمیان الفت اور محبت کا حصول اور سیئہ کا معنی ہے برائی، اور یہاں اس سے مراد ہے مرض، فقر، جہاد میں شکست، دوستوں میں رنجش اور جدائی، قتل، غارتگری اور لوٹ مار وغیرہ، اور اس آیت کا معنی ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرنے میں تکلیف اور مشقت اور قدرتی آفتوں اور مصائب پر صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو تو کفار اپنے مکرو فریب سے تمہارے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اس سے تم کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا۔ ”کید“ کا معنی ہے ایک انسان دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے جو خفیہ تدبیر کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہاں کید کا معنی عداوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے سو جس شخص نے اپنے اس مقصد تخلیق کو پورا کیا اور عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے وہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھے گا اور اس کے خلاف اس کے دشمنوں کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہو گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ
حَسْبُهُ (الطلاق : ۳)

اور جو اللہ سے ڈرے۔ اللہ اس کی (مشکلات سے) نجات کی راہ پیدا کر دے گا، اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اسے کافی ہے۔

اس کے بلوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے نیک اور متقی لوگ اپنے دشمنوں کی تدبیروں اور اس کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا گیا، حضرت حسینؑ اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا گیا، حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کو شہید کر دیا گیا حالانکہ یہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے لواحد و نواہی پر عمل کرتے تھے اور عبادت کی مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور اس کی معصیت کرنے سے ڈرتے تھے، اور اللہ پر توکل کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے یہی قلعہ ہے جو لو پر مذکور ہوا لیکن خاص مسلمانوں کو اور کالمین کو اللہ تعالیٰ آزمائش اور امتحان میں ڈالتا ہے اور اللہ سے اور اللہ کے دین سے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کالمین اللہ کے دین کے لیے اپنی جان دے دیتے

ہیں لیکن دین کے معاملہ میں کسی نرمی اور مہانت کو اختیار نہیں کرتے، اس آزمائش کا ذکر ان آیتوں میں ہے :

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط

اور ہم تمہیں کچھ ڈر، بھوک اور مال، جان اور پھلوں میں کمی سے ضرور آزمائیں گے۔

(البقرہ : ۱۵۵)

اس کے بعد فرمایا اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے، یعنی ان کے تمام کام اللہ کے علم میں ہیں، لوح محفوظ اور کراما کاتین کے پاس لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔

غیر مسلموں سے دینی اور دنیاوی کام لینے کی تحقیق ان آیتوں میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان کفار سے دوستی اور امن کا تعلق نہ رکھیں کیونکہ وہ مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے ہیں اور اپنے کسی معاملہ میں کفار سے مشورہ بھی نہ کریں اور نہ ان سے تعاون چاہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے جب آپ حرۃ الوبرة (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی بہادری اور دلیری کا بہت چرچا تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے، جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ہمراہ لڑوں اور جو مال ملے اس سے حصہ پاؤں، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر واپس جاؤ، میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ کے اسلام لانے سے پہلے ان سے مدولی، بعض علماء نے پہلی حدیث پر علی الاطلاق عمل کیا اور مشرک سے مد لینے کو مطلقاً ناجائز کہا، اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کافر کی مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے ہو اور اس سے مد لینے کی ضرورت ہو، تو اس سے مدولی جائے گی ورنہ اس سے مد لینا مکروہ ہے، محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو دو مختلف حالات پر محمول کیا ہے، اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر جہاں میں حاضر ہو تو اس کو عطیہ اور انعام وغیرہ دیا جائے گا، اور مال غنیمت میں اس کا حصہ نہیں ہو گا، امام مالک، امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور زہری اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ ہو گا۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک اور تمام علماء نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور امام مالک نے یہ کہا ہے کہ

غیر مسلموں کو صفائی اور خدمت کے لیے رکھنا جائز ہے، ابن حبیب نے کہا اسی طرح مجانبی سے پتھر پھینکوانے کے لیے انہیں رکھنا بھی جائز ہے، اور ہمارے دوسرے اصحاب نے اس کو مکروہ کہا ہے، ابن حبیب نے یہ بھی کہا ہے کہ مشرک کو لڑائی میں شامل کرنا جائز ہے، اور ان کو لشکر کے اندر نہ رکھا جائے بلکہ لشکر کے باہر رکھا جائے، بعض علماء نے کہا یہ اجازت کسی خاص وقت کے لیے بر سبیل عموم نہیں ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ مل غنیمت سے ان کا حصہ نکالا جائے گا یا نہیں، تمام ائمہ نے اس سے منع کیا ہے اور امام اوزاعی اور امام زہری نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی طرح ان کا بھی حصہ نکالا جائے گا اور سخون مالکی نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کے لشکر کو ان سے قوت حاصل ہوئی ہے تو ان کا حصہ نکالا جائے گا ورنہ نہیں، امام شافعی نے ایک بار یہ کہا کہ ان کو فنی سے بالکل نہیں دیا جائے گا اور ان کو خمس سے دیا جائے گا اور قتادہ نے یہ کہا ان سے جس چیز پر صلح ہو جائے ان کو وہ دینا جائز ہے۔ (اکمل اکمل المعلم ج ۶ ص ۴۸۸، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۳۱۵ھ)

علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید میں یہود کو ہم راز بنانے اور ان سے مشورہ لینے سے منع کیا ہے یہ ممانعت ان یہودیوں کے ساتھ مختص ہے جو مسلمانوں کے ساتھ عداوت رکھتے تھے، اوائل اسلام میں یہودی ایسے ہی تھے اس لیے ان سے اپنے دین کے کسی کام میں مدد لینا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں یہودیوں میں تغیر آگیا اور وہ بعض فتوحات میں مسلمانوں کے مددگار بن گئے۔ جیسے فتح اندلس میں یہودیوں نے مسلمانوں کی مدد کی، اور مصر میں قبطیوں نے رومیوں کے خلاف مدد کی، اس لیے یہودیوں بلکہ مطلقاً غیر مسلموں سے مسلمانوں کا مدد لینا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے عداوت نہ رکھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَارِنُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اَتَمَّ يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰى اَخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ : ۸-۹)

اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝ اللہ تمہیں انہی لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس نکتہ کی طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے دفتری کاموں کا معاملہ رومیوں کے سپرد کیا اور بعد کے دو خلفاء اور ملوک بنی امیہ نے بھی ان کی پیروی کی اور مسلمان بادشاہوں میں سے عباسیوں نے بھی اس پر عمل کیا، اور یہود، نصاریٰ اور صابئین میں سے اپنے عمل مقرر کیے اور دولت عثمانیہ کے بھی اکثر سفراء اور وکلاء عیسائی تھے، اس تمام وسعت اور عالی ظرفی کے باوجود یورپ کے مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت تعصب اور تنگ نظری ہے۔ (النار ج ۳ ص ۸۳-۸۲، مطبوعہ دار البعزہ بیروت)

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر مسلموں پر یہ اعتقاد ہو کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے

ان سے دینی اور دنیوی مصلحت میں مدد لینا اور ان کو مختلف مناصب تفویض کرنا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اسلام اور

مسلمانوں کے دشمن ہیں تو پھر ان سے کسی معاملہ میں مشورہ کرنا یا خدمت لینا یا ان کو کوئی منصب سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدًا

اور اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے درال حالیکہ آپ مومنین کو جنگ کے لیے مورچوں پر

لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ

بٹھائے گئے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ۵ جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ

تَفْشَلًا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا طَوْعًا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۳۲﴾

اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی درال حالیکہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم

تَشْكُرُونَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ

شکر ادا کرو ۵ (اے رسول مکرم) یاد کیجئے جب آپ مومنین سے فرماتے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا

رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿۱۳۴﴾ بَلَىٰ اِنْ

رب تین ہزار تازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے ۵ ہاں کیوں نہیں! اگر

تَصْبِرُوا وَاتَّقُوا وَيَا أُتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدَدُكُمْ

تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ تین ہزار کے بجائے

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۳۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ

پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ۵ اور اللہ نے اس

اللَّهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ط وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

(امداد) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ

اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۝ (اور اس مدد کا باعث یہ ہے) تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کو

كُفْرًا أَوْ يَكْتَبَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝

(بڑے) کافروں کاٹ دے یا انہیں (شکست خوردہ کر کے) (سوا کرے) تو وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں ۝

ان آیات میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کا ذکر آگیا ہے اس لیے ہم پہلے غزوہ بدر اور غزوہ احد کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان آیات کا پس منظر اور پیش منظر معلوم ہو جائے اور ان کی تفسیر پر قارئین کو بصیرت حاصل ہو۔

غزوہ بدر کا مختصر تذکرہ

امام ابن ہشام بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا کہ ابوسفیان شام سے مال تجارت کا ایک قافلہ لے کر آ رہا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ ابوسفیان ہے جو اپنے قافلہ سمیت واپس آ رہا ہے، نکلو! شاید اللہ تعالیٰ ان کے اموال ہمیں عطا فرمادے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان کے ساتھ چالیس آدمی تھے اور مکہ کے سواروں میں سے عمرو بن العاص تھے، ہجرت کے انیس ماہ بعد بارہ رمضان المبارک کو ہفتہ کے دن رسول اللہ ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے، مجاہدین صحابہ کے پاس دو گھوڑے، ساٹھ زریں اور اسی اونٹ تھے، باقی صحابہ پیادہ تھے، رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ مقرر کر دیا جس پر وہ باری باری سواری کرتے، آپ نے اپنے آپ کو بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں رکھا، آپ کے ساتھ جو دو صحابہ تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری باری میں بھی آپ سوار رہیں، ہم پیدل چلیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سنو! تم دونوں نہ مجھ سے زیادہ قوی ہو نہ میں تم سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں!

جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ آنے والوں سے نبی ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرتا تھا، اسے بعض سواروں نے بتایا کہ سیدنا محمد ﷺ تم پر اور تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، اس نے فوراً منعم بن عمرو الغفاری کو مکہ روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ وہ قریش کو جا کر کہے کہ وہ اپنے اموال کی حفاظت کا انتظام کریں کیونکہ (سیدنا) محمد (ﷺ) ہم پر حملہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، دوسری طرف مکہ میں عاتکہ بنت عبد المطلب نے خواب دیکھا کہ قریش پر کوئی آفت اور مصیبت آنے والی ہے، اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباس بن عبد المطلب کو بیان کیا، ابھی اس خواب کا چرچا ہو رہا تھا اور اس کے متعلق چہ گوئیں ہو رہی تھیں کہ مکہ والوں نے منعم بن عمرو الغفاری کی چیخ و پکار سنی اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کلٹ دیئے تھے، کجلوہ کو الٹا کر دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ ڈالی تھی اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اپنے اس قافلہ کو بچاؤ جس پر تمام مکہ والوں کے اموال لدے ہوئے ہیں، (سیدنا) محمد (ﷺ) نے اس پر حملہ کر دیا ہے اور مجھے امید نہیں ہے کہ تم اس کی مدد کے لیے بروقت پہنچ جاؤ گے!

قریش نے اپنا تمام مل و متاع داؤ پر لگا کر جنگ کی تیاری کی جب انہوں نے عزم سفر کیا تو قریش مکہ کی فوج کی تعداد نو

سو پچاس تھی، ان کے پاس ایک سو ٹھوڑے تھے جن پر ایک سوزرہ پوش سوار تھے، پیدل سپاہیوں کے لیے بھی زرہیں مہیا تھیں، ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں بھی تھیں جو دف بجارہی تھیں اور جو شیلے گیت گاکر ان کی آتش غضب کو اور بھڑکارہی تھیں، سو قریش کا یہ لشکر جرار مٹی بھر مسلمانوں کو صفہ ہستی سے مٹانے کے لیے بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ روانہ ہوا۔

صنعم غفاری کو بھیجنے کے بعد ابوسفیان نے مزید احتیاط کی خاطر عام راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو جاتا تھا اور اس نے بڑی سرعت کے ساتھ مسلسل سفر کرنا شروع کیا اور جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے قیس بن امرء القیس کو یہ پیغام دے کر قریش کے لشکر کے پاس بھیجا کہ اب یہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہے اس لیے اب اس کی حفاظت کے لیے لشکر کی ضرورت نہیں ہے اور تم لوگ واپس مکہ چلے جاؤ، اس نے یہ پیغام لشکر کے سپہ سالار ابو جہل تک پہنچا دیا، لیکن ابو جہل نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا ہم ضرور جائیں گے اور بدر پہنچ کر دم لیں گے اور مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے، تاکہ آئندہ وہ ہمیشہ ہم سے دبے رہیں ہر چند کہ بعض متحمل مزاج لوگوں نے ابو جہل کی مخالفت کی اور کچھ لوگ واپس چلے گئے لیکن اکثریت ابو جہل کے ساتھ رہی۔

رسول اللہ ﷺ جب ذفران کے مقام پر پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر بڑی تیاری کے ساتھ اپنے قافلہ کے دفاع کے لیے آ رہا ہے، اب صورت حال اچانک بدل چکی تھی پہلے مسلمان ایک قافلہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے تھے جس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے، اب معلوم ہوا کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے قریش کا ایک لشکر جرار چلا آ رہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس نئی صورت حال سے اپنے اصحاب کو آگاہ فرمایا اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا، تمام صحابہ نے نہایت گرجوئی سے آپ کے ساتھ جملہ کرنے کے عزم کو ظاہر کیا، حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا ہے وہیں چلیے ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں جو یہ کہہ دیں کہ جائیے آپ اور آپ کا خدا ان سے جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماؤ تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر پر لے جائیں اور آپ اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے، رسول اللہ ﷺ ان کے یہ ایمان افروز کلمات سن کر خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا روانہ ہو جاؤ، اور تمہیں یہ خوشخبری مبارک ہو کہ اللہ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، بخدا میں قوم کے مقتولوں کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔

بدر میں پہنچ کر سارے صحابہ تھکے ہارے سو گئے صرف رسول اللہ ﷺ رات بھر ایک درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے رہے، اس رات خوب بارش ہوئی، مسلمان ریتلے علاقہ میں خیمہ زن تھے، اس بارش سے وہ ریت جم کر پختہ ہو گئی اور مسلمانوں کے لیے چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی، اور جہاں کفار قریش خیمہ زن تھے وہاں بارش سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گئی، صبح کو نبی ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے غرور و تکبر سے چلا آ رہا ہے، اے اللہ! اپنی وہ مدد

سچ جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے اللہ! کل ان کو ہلاک کر دے!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے اور یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو نے (بالفرض) اپنے وعدہ کو پورا نہ فرمایا تو پھر کبھی بھی تیری عہدت نہیں کی جائے گی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دعا بہت کافی ہے، جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے:

سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ

عنقریب یہ جماعت پسپا ہوگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں

(القمر: ۴۵) گے۔

رسول اللہ ﷺ نے رات ہی کو صف بندی کر دی تھی اور تمام مجاہدین صحابہ اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے تھے، جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل تھیں اس وقت نبی ﷺ نے بہت موثر خطبہ دیا جس میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی، اللہ کی اطاعت پر برا لگیوے کیا اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کافروں کے لشکر سے اسود بن عبدالاسد المخزومی مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے کا بلند بانگ دعویٰ کر کے مسلمانوں کے لشکر کی طرف آیا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تہ تیغ کر دیا، جنگ بدر میں مارا جانے والا یہ پہلا کافر تھا، یہ منظر دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ، اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر جوش غضب میں مسلمانوں کی طرف آیا اور یہ نعرہ لگایا کہ میرا مقابلہ کون کرے گا! تین انصاری نوجوان ان کے مقابلہ میں نکلے مگر اس نے کہا ہمارے مقابلہ کے لیے ہماری قوم قریش کے جوانوں کو بھیجو، تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ، حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، حضرت علی اور حضرت حمزہ نے اپنے اپنے مقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن عتبہ کے ایک وار سے حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ گئی، حضرت حمزہ اور حضرت علی ان کی امداد کو پہنچے تو ان کے حملہ سے عتبہ کی لاش خاک اور خون میں تڑپ رہی تھی۔ حضرت عبیدہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا انہوں نے آخری لمحات میں اپنا رخسار رسول اللہ کے قدموں میں رکھ دیا اور آپ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ اس کے بعد عام حملہ شروع ہو گیا اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے، یہ جنگ اسی طرح جاری رہی اسی دوران ابو جہل دو انصاری نوجوانوں حضرت معاذ اور حضرت معوذ کے ہاتھوں مارا گیا اور حضرت بلال کے ہاتھوں امیہ بن خلف مارا گیا، نبی ﷺ نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں اور فرمایا: اے اللہ ان کے چہروں کو بگاڑ دے، ان کے دلوں کو مرعوب کر دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے، ان کنکریوں کا لگنا تھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مشرکین میدان جنگ سے بھاگنے لگے، مجاہدین اسلام نے جب یہ بھگدڑ دیکھی تو انہوں نے مشرکوں کو اپنا قیدی بنانا شروع کیا اور ان کو رسیوں سے باندھنے لگے۔ معرکہ بدر سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ واقع ہوا، صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور زوال آفتاب تک جاری رہی جب سورج ڈھلنے لگا اس وقت کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ جنگ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے، اور ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر گرفتار کیے گئے۔

جنگ بدر میں جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کے متعلق ہم انشاء اللہ متعلقہ آیات میں بحث کریں گے۔

(الروض الانف مع السيرة النبوية لابن هشام ج ۲ ص ۸۱-۶۱، ملخصاً، تاریخ الامم والملوک للبری ج ۲ ص ۱۷۲-۱۳۱، ملخصاً، الاکمل فی تاریخ الامم الاثین ج ۲ ص ۹۳-۸۰، ملخصاً، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۱-۲۵۶، ملخصاً)

غزوہ احد کا مختصر تذکرہ

غزوہ احد تین ہجری کو وقوع پذیر ہوا، قریش مکہ جو ایک سال پہلے بدر میں شکست کھا کر گئے تھے، ایک سال تک بڑے جوش و خروش سے جنگ کی تیاری کرتے رہے، ان کے سینوں میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی، پانچ شوال تین ہجری کو رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب آپہنچا ہے۔ صبح کو آپ نے مہاجرین، انصار اور عبد اللہ بن ابی بن سلول سے مشورہ کیا، مہاجرین، اکابرین انصار اور عبد اللہ بن ابی کی یہی رائے تھی کہ شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے، لیکن انصار کے نوجوانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ زہد پسن کربا ہر تشریف لے آئے، ان لوگوں کو بعد میں افسوس ہوا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف اصرار کیا، ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پس کر اتار دے۔

قریش مکہ نے بدھ کے دن مدینہ کے قریب کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا، رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلے، عبد اللہ بن ابی اپنے تین سوساتھیوں کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا، اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف سلت سو صحابہ رہ گئے جن میں ایک سو کے پاس زہریں تھیں، ان میں بھی کئی کم عمر صحابہ کو واپس کر دیا گیا ان میں حضرت زید بن ثابت، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل تھے، رسول اللہ ﷺ نے احد کے پہاڑ کی پشت پر صف بندی کی، احد پہاڑ کی پشت کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر دے، اس لیے آپ نے وہاں حضرت عبد اللہ بن جیسر کی زیر کمان پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور یہ حکم فرمایا کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہوں سے نہ ہٹیں۔

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا مجھ سے کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی اس کے مقابلہ کے لیے نکلے، اور اس زور سے اس پر تلوار سے حملہ کیا کہ دوسرے لمحہ میں اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی، طلحہ کے بعد عثمان نکلا اور وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہ، حضرت علی، اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم فوجوں کے اندر گھس گئے اور کفار کی صفیں الٹ دیں، جیسر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا، جیسر نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت سیدنا حمزہ کی ناک میں لگا ہوا تھا ایک بار حضرت حمزہ اس کے نشانہ کی زد پر آئے اس نے ناک کر نیزہ مارا جو آپ کی ناف کے آریار ہو گیا۔ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گرے اور روح مبارک پرواز کر گئی۔

کفار اس جنگ میں بہت بے جگری سے جان پر کھیل کر لڑے۔ ایک کے ہاتھ سے علم گرتا تو دوسرا لے لیتا، اس کے ہاتھ سے علم گرتا تو کوئی اور لے لیتا، تاہم جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، حضرت علی اور حضرت ابودجانہ کے شدید حملوں سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، بالاخر کفار بدحواسی سے پیچھے ہٹے، اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جن مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ کی پشت پر مامور کیا تھا، وہ بھی مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ حضرت عبد اللہ بن جیسر نے ان کو بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ تیر اندازوں کی خلی جگہ دیکھ کر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کیا، حضرت عبد اللہ بن جیسر رضی اللہ عنہ چند سرفروش مجاہدین کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب شہید ہو

گئے، لب مشرکین کا راستہ صاف تھا، مسلمان مل لوٹنے میں مشغول تھے، اچانک پلٹ کر دیکھا تو ان کے سروں پر تلواریں پڑ رہی تھیں، بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح جھگڑ رہی تھیں کہ خود بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، حضرت مصعب بن عمیر، ابن قتیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے، وہ سورۃ ”رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اس لیے یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے، اس افواہ سے بدحواسی اور مایوسی اور برہہ گئی اور افراتفری پھیل گئی، مسلمان گھبرا گئے، یو کلاہٹ میں دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی، اس ہنگامہ میں حضرت حذیفہ کے والد یمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، رسول اللہ ﷺ کے جانثار صحابہ برابر لڑ رہے تھے، لیکن ان کی آنکھیں رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر رہی تھیں، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کو دیکھا آپ کے چہرہ مبارک پر مغر تھا، لیکن آنکھیں نظر آ رہی تھیں، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ زور سے پکارے اے مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں، یہ سن کر ہر طرف سے جانثار صحابہ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے، کفار نے بھی اسی طرف دباؤ ڈالا، پانچ صحابہ نے ایک ایک کر کے جان دے دی لیکن کسی کافر کو آپ کی طرف بڑھنے نہیں دیا، عبد اللہ بن قتیہ مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری، جس کی چوٹ سے مغر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں، چاروں طرف سے تلواروں سے حملے ہو رہے تھے اور تیر پھینکے جا رہے تھے، یہ دیکھ کر جانثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا، حضرت ابو جہلہ رضی اللہ عنہ آپ کی ڈھال بن گئے اور جو تیر آتے تھے وہ ان کی پیٹھ پر لگتے تھے، دوسری طرف حضرت طلحہ آپ کی ڈھال بنے ہوئے تھے اور تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روک رہے تھے اسی کیفیت میں ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا، حضرت ابو طلحہ بھی آپ کی سپر بنے ہوئے تھے، صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آ سکیں گے لیکن ابوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا، لیکن حضرت عمر اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پتھر برسائے کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکے۔

قریش کی عورتوں نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں کو بھی نہیں چھوڑا، ان کو مثلہ کیا یعنی ان کے چہرے سے ناک اور کلن کٹ لیے، ہند نے ان کٹے ہوئے اعضاء کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگلنا پڑا۔ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بائیس کافر مارے گئے۔ (تاریخ الامم والملوک للبرہی ج ۲ ص ۲۱۰-۱۸۷، الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۱۱-۱۰۳، البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۹-۹، التفسیر المنیر ج ۳ ص ۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے در آں حایکہ آپ مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۴۱)

سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکرو فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور ان آیتوں میں جنگ بدر اور احد کا تذکرہ کیا گیا ہے، جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جنگ کی تیاری بھی کر کے گئے تھے لیکن چونکہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ ہمت کھائے، اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ چالیس آدمیوں کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے

کے لیے نکلے تھے کسی بڑے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے کے لیے گھروں سے نہیں نکلے تھے لیکن چونکہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح اور نصرت سے نوازا، اس سے معلوم ہوا کہ فتح کا مدار عددی کثرت اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار صبر اور تقویٰ پر ہے۔

غزوہ احد کے لیے نبی ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور جنگ کی تیاری پانچ شوال تین ہجری کو بدھ کے دن قریش مکہ مدینہ کے قریب پہنچے تھے، نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور میں نے دیکھا کہ ایک بیل ذبح کیا جا رہا ہے میں نے زرہ سے مدینہ کو تعبیر کیا اور بیل کی تعبیر بھاگنا ہے، اور اللہ کے کام میں بہت خیر ہے اور اگر ہم مدینہ ہی میں رہیں تو وہ اگر ہم سے قتل کریں گے، تو ہم ان سے قتل کریں گے (نوجوان) صحابہ نے کہا یہ خدا وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی مدینہ میں داخل ہونے کی جرات نہیں کر سکے تو کیا اب زمانہ اسلام میں ہم ان کو مدینہ میں داخل ہونے دیں گے! آپ نے فرمایا پھر جس طرح تم چاہو، پھر انصار نے ایک دوسرے سے کہا ہم نے نبی ﷺ کی رائے کو نہیں مانا انہوں نے آپ کی خدمت میں جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جس طرح حکم فرمائیں، آپ نے فرمایا اب یہ کہہ رہے ہو! نبی جب ہتھیار پہن لے تو اس کے لیے جنگ کیے بغیر ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن داری ج ۱ ص ۵۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار ہلائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اس کی تعبیر وہ ہے جو جنگ احد کے دن مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا ہوا، میں نے تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بھی اچھی صورت میں بن گئی، اس کی تعبیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مسلمان متحد ہوئے اور میں نے خواب میں ایک بیل دیکھا اور اللہ کے کام میں بہت بہتری ہے اس کی تعبیر وہ ہے جو مسلمانوں کو جنگ احد کے دن پریشانی لاحق ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کو فرمایا میں نے خواب میں بیل کو دیکھا اس کو ذبح کیا جا رہا ہے اور میں نے اپنی تلوار کو دیکھا اس کا شروع کا حصہ ٹوٹ گیا، آپ نے بیل کی یہ تعبیر فرمائی کہ ہم میں سے ایک جماعت بھاگے گی، اور تلوار کا بالائی حصہ ٹوٹنے کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے چہرے پر زخم آیا اور آپ کے سامنے کا دانت شہید ہو گیا، نبی ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر کفار قریش سے جنگ کی جائے عبد اللہ بن ابی سے پہلی بار مشورہ لیا گیا تھا اس کی رائے بھی یہی تھی، لیکن انصار کے پر جوش نوجوان مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ ہتھیار زیب تن فرما کر آگئے، بعد میں ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا نبی جب ہتھیار پہن لے تو جنگ کے بغیر نہیں اتارتا، رسول اللہ ﷺ احد کی طرف روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ایک ہزار مسلمان تھے

لیکن عبد اللہ بن ابی اپنے تین ساتھیوں کو لے کر نکل گیا کیونکہ اس کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا تھا، حتیٰ کہ آپ کے ساتھ بہت سو نفوس رہ گئے اور مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔

(دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۸-۲۰۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد احد کی طرف روانہ ہوئے، اور ہفتہ کے دن احد کی گھاٹیوں میں پہنچے، آپ پیدل چل رہے تھے اور جنگ کے لیے اپنے اصحاب کی صفیں باندھ رہے تھے اگر کوئی شخص صف سے باہر نکلا ہوا ہوتا تو آپ اس کو صف کے اندر کر دیتے آپ وادی کے نشیب میں اترے تھے اور آپ کی پشت اور لشکر احد کی طرف تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن مالک بیان کرتے ہیں کہ جس دن ہمارا مشرکوں سے مقابلہ ہوا نبی ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک لشکر (احد پہاڑ پر) بٹھادیا اور حضرت عبد اللہ بن جبر بن مطعم کو ان کا امیر بنادیا اور فرمایا تم اس جگہ سے نہ جانا، اگر تم یہ دیکھو کہ ہم غالب آگئے ہیں پھر بھی تم یہاں سے نہ جانا، اور اگر تم دیکھو کہ مشرکین ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطالعی کراچی ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔ (آل عمران : ۱۲۲)

غزوہ احد کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبیؒ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی اپنے تین ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو مسلمانوں کی دو جماعتوں کے دل بیٹھ گئے اور یہ دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا، اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ (دلائل النبوة ج ۳ ص ۲۰۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

نیز امام ابو بکر احمد بن حسین متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

مشرکین نے مسلمانوں پر تین بار حملے کیے اور ہر بار پسپا ہوئے، جن پچاس تیر اندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ پر کھڑا کیا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ کفار مغلوب اور پسپا ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائیوں کو فتح عطا کر دی ہے، یہ خدا اب ہم یہاں بالکل نہیں بیٹھیں گے اور جس جگہ نبی ﷺ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا تھا وہاں سے ہٹ گئے، اور یہی حکم عدول ان کی شکست کا سبب بن گئی۔ جب مشرکین کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان متفرق ہو گئے اور بکھر گئے تو انہوں نے احد پہاڑ کی پشت سے ان پر حملہ کر دیا، مسلمان مل غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے کہ وہ اچانک تیروں اور تلواریں کی زد میں آ گئے، اور کسی پکارنے والے نے بلند آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ قتل کر دیئے گئے، یہ خبر سن کر مسلمانوں کی رہی سہی کمر ٹوٹ گئی، بہت سے مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ جب بہت سے صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ثابت قدم رکھا۔ آپ مسلمانوں کو آوازیں دے کر بلاتے رہے آپ اس وقت احد کی گھاٹیوں میں

مہراس نام کی ایک گھائی کے قریب تھے۔ کئی صحابہ آپ کے پاس وہاں پہنچ گئے تھے، اور دوسری طرف جب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نہیں ملے تو وہ ہمت ہار بیٹھے، بعض نے کہا جب رسول اللہ ﷺ ہی نہیں رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ! بعض نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے دین کی حمایت میں نہیں لڑو گے! تم اپنے دین کی حمایت میں لڑتے رہو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی حالت میں ملاقات کرو، یہ حضرت انس بن نضر نے کہا تھا، اور بنو قحیر میں سے کسی نے کہا اگر ہمارے دین میں کچھ بھلائی ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے!

نبی ﷺ اپنے اصحاب کو ڈھونڈ رہے تھے اور ان کو بلا رہے تھے، صحابہ کی ایک جماعت ثابت قدمی سے آپ کے ساتھ تھی، ان میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام بھی تھے، ان صحابہ نے تادم مرگ آپ کا ساتھ دینے پر بیعت کی تھی، انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنایا ہوا تھا۔ ان میں سے چھ یا سات صحابہ آپ پر سپر بنے ہوئے شہید ہو گئے وہ آپ کے ساتھ مہراس نامی گھائی میں چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا پتہ چلنے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو دیکھا، آپ کا چہرہ مغر (خود) میں چھپا ہوا تھا صرف آپ کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں سے آپ کو پہچان لیا اور بلند آواز سے چلائے اللہ اکبر! یہ ہیں رسول اللہ ﷺ، اس وقت آپ کا چہرہ زخمی تھا اور ایک دانت (سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کا ایک جز) شہید ہو چکا تھا۔

(دلائل النبوت ج ۳ ص ۲۱۰-۲۱۱، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۱ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن جراحؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو احد پر مامور کیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا، جب مسلمانوں کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تو مشرک بھاگ گئے حتیٰ کہ میں نے دیکھا عورتیں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے ہوئے پہاڑ پر بھاگ رہی تھیں ان کی بازیب دکھائی دے رہی تھیں تو یہ لوگ بھی غنیمت، غنیمت پکارتے ہوئے دوڑے، حضرت عبد اللہ بن جبر نے کہا کہ نبی ﷺ نے تم کو یہ نصیحت کی تھی کہ فتح ہو یا شکست یہاں سے نہ جانا وہ نہیں مانے اور جب وہ نہیں مانے تو شکست ان کا مقدر بن گئی، ستر مسلمان شہید کر دیئے گئے، ابوسفیان نے سر اٹھا کر کہا کیا قوم میں (سیدنا) محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کو جواب مت دو، پھر کہا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) ہیں؟ آپ نے فرمایا مت جواب دینا، پھر کہا کیا قوم میں ابن الخطاب ہیں؟ پھر کہنے لگا یہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے! حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور کہا : اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ان کو باقی رکھا ہے جو تیری رسوائی کے لیے کافی ہیں، ابوسفیان نے کہا جہل بلند ہو، نبی ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو، عرض کیا : ہم کیا کہیں فرمایا کہ اللہ اعلیٰ و اعلیٰ (اللہ سب سے بلند اور سب سے بزرگ ہے)، ابوسفیان نے کہا ہمارے لیے عزتی ہے اور تمہارے لیے کوئی عزتی نہیں، نبی ﷺ نے فرمایا اس کا جواب دو، عرض کیا، کیا کہیں؟ فرمایا : کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں، ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے اور تم کچھ لاشوں کے اعضاء کٹے ہوئے پاؤ گے میں نے اس کا حکم دیا تھا نہ مجھے اس پر افسوس ہوا۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف روزہ دار تھے (افطار کے وقت) ان کے پاس کھانا لایا گیا، انہوں نے کہا حضرت معب بن عمیرؓ (احد میں) شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہت افضل تھے، ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔

اگر بن کا سر ڈھانچا جاتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر ڈھانچے جاتے تو سر کھل جاتا، اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے۔ پھر ہمارے لیے دنیا کشادہ کر دی گئی اور ہمیں دنیا کی وہ چیزیں دی گئیں جو دی گئیں اور ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ہمیں نیکیوں کا صلہ دنیا میں ہی نہ مل گیا ہو، پھر حضرت عبدالرحمن روتے رہے حتیٰ کہ کھانا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا یہ فرمائیے اگر میں شہید ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا جنت میں، اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اس نے پھینک دیں اور جا کر جہاد کرتا رہا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی ﷺ کے ساتھ دوبارہ جہاد کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا دے گا کہ میں کس طرح جہاد کرتا ہوں، وہ جہاد کر رہے تھے کہ مسلمان مشرکوں کے اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگے، انہوں نے کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کی کاروائی سے تیری بارگاہ میں عذر پیش کرتا ہوں اور مشرکوں کے حملہ سے بیزار ہوں، پھر وہ تلوار لے کر آگے بڑھے، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا اے سعد! تم کہاں جا رہے ہو مجھے تو احد کے پاس جنت کی خوشبو آرہی ہے وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، ان کی لاش پر اتنے زخم تھے کہ پہچانی نہیں جاتی تھی حتیٰ کہ ان کی ہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا، ان کی لاش پر تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مسلمان (گھبرا کر) رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے، اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے سامنے ڈھال لیے ہوئے کھڑے تھے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بہت ماہر تیر انداز تھے۔ اس دن انہوں نے دو یا تین کمائیں توڑ ڈالیں تھیں، جو مسلمان بھی وہاں سے اپنے ترکش میں تیر لیے ہوئے گزرتا آپ فرماتے یہ تیر ابو طلحہ کو دے دو، نبی ﷺ (گھٹائی سے) جھانک کر قوم کی طرف دیکھ رہے تھے حضرت ابو طلحہ کہتے آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں آپ مت جھانکیے، کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے، میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے سپر ہے اور میں نے دیکھا حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنی پیٹھوں پر مشکیں لاد لاد کر زخموں کو پانی پلا رہی تھیں، اس دن دو یا تین بار حضرت ابو طلحہ کے ہاتھوں سے تلوار گری تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین شکست کھانے لگے تو ابلیس لعنہ اللہ چلایا، اے اللہ کے بندو! پچھلے گروہ پر حملہ کرو تو لشکر کا اگلا حصہ اور پچھلا حصہ ایک دوسرے میں گھٹم گتھا ہو گئے، حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد یمن کو قتل کر رہے ہیں، انہوں نے چلا کر کہا اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں، لیکن بہ خدا وہ میرے باپ کو قتل کرنے سے باز نہیں آئے، حتیٰ کہ انہوں نے میرے والد کو قتل کر دیا، حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تمہاری مغفرت فرمائے، (عروہ نے کہا بہ خدا حضرت حذیفہ نے تمام زندگی نیکی کے ساتھ گزاری۔) (حضرت یمن اس وجہ سے قتل کر دیئے گئے کہ مسلمان اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ انہیں اپنے اور پرائے کی تمیز نہیں ہو رہی تھی۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی ﷺ کا چہرہ زخمی ہو گیا، آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لبس لک من الامر شنی "آپ کسی چیز

کے مالک نہیں ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم پر بہت شدید غضبناک ہوتا ہے جو اس کے نبی کے ساتھ (یہ) کارروائی کرے آپ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضبناک ہوتا ہے جو اللہ کے راستہ میں اس کے رسول کو قتل کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضبناک ہوتا ہے جس شخص کو نبی ﷺ اللہ کے راستہ میں قتل کر دیں، اور اللہ تعالیٰ اس قوم پر شدید غضبناک ہوتا ہے جو نبی ﷺ کا چہرہ خون آلود کر دے۔
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ، رسول اللہ ﷺ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دھل سے پانی ڈال رہے تھے، جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون کا بہنا کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہو رہا ہے تو حضرت فاطمہ نے ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور اس کی راکھ کو زخم کے اوپر رکھا، تو خون رک گیا، اس دن آپ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے ایک دائیں جانب کا نچلا دانت نوٹ گیا تھا اور آپ کا سر زخمی ہو گیا تھا، اور خود آپ کے سر پر نوٹ گیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۳-۵۷۹ ملقطاً مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۲۸ھ)

عتبہ بن ابی وقاص نے تیر مارا تھا جس سے نبی ﷺ کا نچلا دانت شہید ہو گیا اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا، یہ دانت جڑ سے نہیں ٹوٹا تھا بلکہ اس کا ایک ٹکڑا نوٹ گیا تھا، اور عبد اللہ بن شہاب نے آپ کے خود پر تلوار سے وار کیا تھا جس سے خود نوٹ گیا اور آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ کا دانت مبارک شہید ہونا اور چہرہ اقدس زخمی ہونا اس لیے تھا تاکہ اللہ کی راہ میں خون بہانے اور زخم کھانے کے عمل میں آپ کا اسوہ اور نمونہ ہو، اور اس عمل میں آپ کی اقتداء کا اجر و ثواب ملے، اور آپ کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر کوئی شخص آپ پر الوہیت کا دھوکہ نہ کھائے اور آپ کے زخمی ہونے سے آپ کے متعلق الوہیت کے عقیدہ کی نفی ہو اور آپ نے جو زخم دھلویا اور اس کا علاج کرایا اس سے علاج کرانے کا سنت ہونا ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی، درآں حالیکہ تم کمزور تھے، سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (آل عمران : ۱۲۳)

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کا واقعہ بیان کیا تھا اور اب ان آیتوں میں جنگ بدر کا تذکرہ فرما رہا ہے، کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان نہایت بے سروسامانی کی حالت میں تھے اور کفار بہت تیاری اور اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ آئے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کر دیا، اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہیں کرنا چاہئے، اور نہ اس کے سوا اور کسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس آیت کو موکد کیا جائے کہ اگر تم اللہ کے احکام (کی اطاعت) پر صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو کافروں کا مکرو فریب تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتا، نیز اس بات کو موکد کرنا ہے کہ مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

در کافری معنی اور جغرافیائی محل وقوع

مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام بدر ہے، شعی نے کہا یہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بدر تھا کیونکہ اس کے مالک کا نام بدر تھا، پھر مالک کے نام سے وہ کنواں مشہور ہو گیا۔

علامہ ابو عبد اللہ یا قوت بن عبد اللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں :

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا، بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کی مسافت پر واقع ہے، بدر کا لغوی معنی ہے بھرنا، چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھرا ہوا اور مکمل ہوتا ہے، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے جس کو بدر کہتے ہیں۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۳۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۹۹ھ)

بدر میں مسلمانوں کے ضعف کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی در آں حایکہ تم ذلیل تھے۔

اور ایک اور جگہ فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِیَّرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ . اللہ ہی کے لیے عزت (غلبہ) ہے اور اس کے رسول کے

(المنافقون : ۸) لیے اور مؤمنین کے لیے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ذلت کا لفظ استعمال فرمایا اور سورہ منافقون میں عزت کا لفظ استعمال فرمایا اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذلت سے مراد مادی ضعف ہے اور سورہ منافقون میں اس سے مراد ہے اللہ کی نظر میں معزز ہونا یا دلائل اور معقولیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے دین کا باقی ادیان پر غالب آنا، یا اللہ اور اس کی اطاعت کی شرط پر دنیا میں بھی مادی غلبہ پانا اور سرفرازی حاصل کرنا۔ جنگ بدر میں مسلمان مادی طور پر ضعیف تھے کیونکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ نفوس قدسیہ تھی اور کفار نو سو پچاس تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور اسی اونٹ تھے، اور کفار کے پاس سو گھوڑے، بہ کثرت اونٹ اور وافر مقدار میں اسلحہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کفار کی نظروں میں مسلمان ضعیف تھے یا مسلمانوں نے مکہ میں کفار کی جو قوت اور شوکت دیکھی تھی اس کے مقابلہ میں وہ خود کو ضعیف اور کمزور خیال کرتے تھے۔

مسلمانوں کی مغلوبیت کے اسباب

آج بھی مسلمان مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہیں اور ان کے مقابلہ میں کفار مادی طور پر قوی اور غالب ہیں، لیکن مسلمانوں کو اس لحاظ سے غلبہ حاصل ہے کہ ان کی کتاب اپنے اصل متن کے ساتھ من و عن محفوظ ہے، جب کہ تورات اور انجیل جس زبان میں نازل ہوئیں تھیں اس زبان میں وہ کتاب آج کہیں بھی موجود نہیں ہے، قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کی تبدیلی یا کمی اور بیشی نہیں ہوئی، جب کہ تورات اور انجیل محرف ہو چکی ہیں، متن قرآن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں حافظ موجود ہیں جب کہ تورات اور انجیل کا کوئی ایک حافظ دنیا میں کبھی بھی نہیں پایا گیا، قرآن کا چیلنج ہے کہ اس کی کسی ایک سورت کی مثل کوئی بنا کر نہیں لاسکتا، اور آج تک کوئی اس چیلنج کو نہیں توڑ سکا، مسلمانوں کے نبی کی پیدائش سے لے کر وفات تک مکمل سیرت مستند ماخذ کے ساتھ مکمل محفوظ ہے، جب کہ اور کسی نبی کی مکمل سیرت پوری سند کے ساتھ موجود نہیں ہے، مسلمانوں کے نبی کے تمام ارشادات (احادیث مبارکہ) اسانید کے ساتھ موجود ہیں اور کتاب کی تعلیم اور دین کی

ہدایت کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ محفوظ کر لیا گیا اور سینوں سے صحیفوں میں نکل ہو کر دنیا میں آج تک موجود ہے اور وہی دین پر اتھارٹی ہے، جب کہ اور کسی نبی کے ارشادات اس طرح محفوظ نہیں کیے گئے، نہ ان کو دین میں حجت تسلیم کیا گیا، قرآن اور حدیث کی پیش گوئیاں اپنے صدق کو ہر زمانہ میں منواتی رہی ہیں مثلاً روم کا امیرانیوں پر غالب آنا صدیاں گزر جانے کے بعد بھی فرعون کے جسد کا قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق آج تک سلامت رہتا، قرآن مجید کی کسی سورت کی مثل نہ لاسکتا، اس میں کمی بیشی اور تغیر نہ ہوتا، قرآن مجید نے معیشت کا جو نظام پیش کیا ہے اس کے مقابلہ میں تمام معاشی نظاموں کا ناقص ہونا، یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے خواہ مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہوں لیکن ان کا دین تمام ادیان پر غالب ہے :

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ (اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا۔ کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ کافی (الفتح : ۲۸) گواہ ہے۔

باقی مسلمانوں کے ضعف اور مغلوبیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اجتماعی طور پر انحراف کیا الا ماشاء اللہ، رسول اللہ کی سنت پر عمل کرنا وہ باعث عار سمجھنے لگے، اور مغربی تہذیب اپنانے کو باعث فخر سمجھنے لگے، وہ موسیقی اور راگ و رنگ میں ڈوب گئے، اور مسلمان آپس میں افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئے، سائنسی علوم اور عسکری تربیت حاصل کرنے کے بجائے تعیشت اور تن آسانیوں میں مبتلا ہو گئے، مضاربت کے اصول پر تجارت کرنے کے بجائے سودی کاروبار اور جوئے اور سٹے کو اپنا نتیجہ کے طور پر وہ معاشرتی بدحالی کا شکار ہوئے اور اپنے وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کے قابل نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا تَنَارَعُوا فِي تَفْشُلُوا وَتَنْهَبَ رِيحَكُمْ (الانفال : ۴۶) اور آپس میں جھگڑانہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

وَلَا يَهْنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (ال عمران : ۱۳۹) اور سستی نہ کرو اور غم نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے۔ بشرطیکہ تم ایمان کامل پر قائم رہو۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر تیرے صوفے ہیں افرونگی تیرے قالیں ہیں ایرانی لبو مجھ کو رلائی ہے جوانوں کی تن آسانی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کفنی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کے بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ اور اللہ نے اس (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے :

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَدِّفِينَ . (الانفال : ۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری (فریاد) سن لی کہ میں ایک ہزار پہ در پہ آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کی بشارت دی، پھر اس کو برہا کر تین ہزار تک پہنچا دیا، پھر تین شرطوں سے مشروط فرما کر اس تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچایا، وہ شرطیں یہ ہیں تم صبر کرو، اللہ سے ڈرتے رہو، اور دشمن تم پر اچانک ایک بارگی بلہ بول دے، چونکہ دشمن نے اچانک ایک بارگی حملہ نہیں کیا تھا اس لیے پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا، یا جنگ احد میں یا جنگ احزاب میں جس وقت مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا، مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا۔ جنگ بدر میں قتال ملا کہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکورہ آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے، قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا، البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا، ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے، پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبریل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۵۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا، جو اس سے آگے تھا، اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا ”اے جیزوم آگے بڑھ“ (جیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چپ کر پڑا اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا، اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں :

معاذ بن رافع بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کے گوشوں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا ان کے عماموں کا رنگ سبز، زرد اور سرخ تھا، اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں

پہ پیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ابو رہم غفاری اپنے ابن عم سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زلو بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گا تو ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے، پھر ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے، اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا چوتھائی ہیں، جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کے بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آکر ہم کو ڈھانپ لیا، ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں، اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا ”حیزوم آگے بڑھو“ اور ہم نے سنا وہ کہہ رہے تھے ”ٹھہرو، پیچھے سے آؤ“ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے، پھر ان کی طرح ایک اور جماعت آئی، اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی، پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے وگنے نظر آئے، میرا عم زافوت ہو گیا، اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔

سائب بن ابی حیش اسدی، حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا، ان سے پوچھا پھر کس نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی، مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک پتھر کے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا، اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا، حضرت عبدالرحمن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی شخص نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے، حتیٰ کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی حیش! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا، اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا ناپسند کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے، اے ابن عوف اپنے قیدی کو لے جاؤ! تو حضرت عبدالرحمن مجھے لے گئے، سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو مخفی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو موخر کرتا رہا بالآخر میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے جس سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی تائید کی گئی ہے، اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔

امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے : ”اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔“ اور کہہ رہے تھے : ”اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا، اور حضرت ابو بکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخرو کرے گا، پھر اللہ عز و جل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگا تار فرشتے نازل کیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابو بکر خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں، ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں، جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہو

گئے پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آگئی۔

امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں، اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر اور ان کے قدم اکھاڑ دے، پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں لٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کہاں سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔

(کتاب المغازی ج ۱ ص ۸۱-۷۵، مطبوعہ عالم الکتب بیروت، الطبعة الثانیہ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے، انہوں نے اپنی بیٹائی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں بیٹا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھائی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔

(دلائل النبوة ج ۳ ص ۸۱، جامع البیان ج ۴ ص ۵۰، سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۷۷۴)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں :

حضرت ابو داؤد مازنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں سو میرے تلوار مارنے سے پہلے ہی اس کا سر کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۵۳-۴۵۲، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳، جامع البیان ج ۴ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابو سفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو چنگبرے گھوڑوں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے، ابو رافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابو الیسر تھے، حضرت ابو الیسر دبے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو الیسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ایک شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔

مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملا مکہ نے کسی دن بھی قتل نہیں کیا، باقی ایام میں وہ عدوی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتل نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن ابی اونی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قرینہ اور نصیر کا محاصرہ کرتے رہے، اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی، پھر ہم واپس آ گئے، سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سردھو رہے تھے، اچانک آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا، اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا، پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم قرینہ اور نصیر کے پاس پہنچے، اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی، اور

اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان ج ۳، ص ۵۲-۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور غسل فرمایا، آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے، بہ خدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے، آپ ان کی طرف نکلے، آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا اوھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو غنم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲، ص ۵۹۱-۵۹۰، مطبوعہ نور محمد اصح المصالح کراچی) فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ رہا فرشتوں کی مدد کا معاملہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے، لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانے کے لیے، ان کی دلجمعی کے لیے، ان کو مطمئن کرنے کے لیے، جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے، دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا، انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے، مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے، جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتل کیا تھا ان میں سے بعض سنداً "ضعیف ہیں اور بعض میں تویل اور توجیہ ہے، اس سلسلہ میں ہم پہلے اس مسئلہ میں مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے پھر اپنا موقف پیش کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق وبہ الاستعانة یلیق۔

جنگ بدر میں قتل ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

ان آیات کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے، سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمایا، پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا، بہ شرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی، اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی، اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں، اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی، اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے، البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے :

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری

مَدَّكُمْ بِالْفَوْزِ الْمَلَائِكَةُ مُزَيَّدِينَ

فریاد سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے

(الانفال : ۹) مدد کرنے والا ہوں۔

البتہ جنگ احد میں مسلمانوں کی فرشتوں سے مدد نہیں کی گئی ورنہ وہ شکست نہ کھاتے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۵۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتل کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتل نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے لیکن انہوں نے عملی طور پر قتل میں کوئی حصہ نہیں لیا، اور یہی جمہور کا قول ہے لیکن ابوبکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں :

(۱) تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے، حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے مدائن کی سرزمین کو تحت اثر لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس زمین کو پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(۳) اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آ رہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی، اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہئے تھا، حالانکہ یہ منقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں اس قسم کے شبہات وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں، سو ابوبکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتل کرنے کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتل کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تواتر کے قریب ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ چنگبرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا، ابوبکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی کلام پر کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۲۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت سہل بن صلیف رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر تلوار مارتے اور جاری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنْتَنِي مَعَكُمْ
فَتَنِيْنُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَالِقِيْنَ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا النَّعْبَ قَاصِرٍۭ بَنُوْا فَوْقَ الْاَغْنٰقِ
وَاصِرٍۭ بَنُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنٰنٍ (الانفال : ۲۴)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے
ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو، عنقریب میں کافروں
کے دلوں پر رعب طاری کروں گا، تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار
کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کئے ہوئے کافر الگ پہچانے
جاتے تھے۔ ان کی گردنوں کے اوپر تلوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب تھی، اور ہر ضرب کی جگہ ایسی تھی جیسے
آگ سے جلی ہوئی ہو، امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں
میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی، کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ
ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ بلوجود میری پوری
کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا، اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے
دل پر سکون رہیں، اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنادیا، سو ہر وہ لشکر جو صبر و ضبط سے
کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آکر اس کے ساتھ قتل کرتے ہیں، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ
جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اظہار اور مدد
کے لیے آتے تھے، اور بعض علماء نے کہا کہ بہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں، تسبیح پڑھیں اور
لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں، اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتل نہیں کیا وہ صرف دعا
کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لیکن پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قتادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی، حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک
مسلمانوں کے مددگار ہیں، شعبی نے کہا نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی تھی کہ کرز بن جابر محارب مشرکین کی مدد
کرنا چاہتا ہے، نبی ﷺ اور مسلمانوں پر یہ خبر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : کیا تمہارے لیے یہ کفنی
نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے ○ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو
اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ
فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ (آل عمران : ۱۲۵-۱۲۴) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ ان کی مدد
کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا، اور اللہ تعالیٰ نے بھی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے، اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ
ان کی مدد کی گئی تھی، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے
احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور بچیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام جنگوں میں مدد
فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی کرنے
سے ڈرے تو جب انہوں نے قرینہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال ملائکہ) سے مدد فرمائی، ایک قول یہ ہے کہ یہ
آیت جنگ احد کے متعلق ہے کہ اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے، اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کی
جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو

سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں بہت شدت سے قتل کرتے ہوئے دیکھا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتل سے مدد نہ کی گئی ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۹۵-۱۹۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران) مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں :

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ان کے ارادے پختہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوش خبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۲۶) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے، اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے، کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نقل فرمایا ہے اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے ان کو جنگ کے متعلق عمدہ تدبیریں القاء کریں گے چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے مخفی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھیرایا اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیراندازوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا، اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا، امام ابن حجر نے اس کی نفی کی ہے اور حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا ہے اور کسی جنگ میں قتل نہیں کیا، ابو بکر اصم نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا، نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ (الانفال : ۴۳) اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر نہیں آ رہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سرکٹ کٹ کر گر رہے ہوں، پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تو اتر سے نقل ہونا چاہئے تھا۔

امام رازی نے جو ابو بکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو بکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کہیں یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفعل قتل کیا ہے، البتہ سورہ انفل میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر

کرتے ہیں اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزل ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران : ۱۲۶، الانفال : ۱۰)

باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال ان دنوں میں مختلف تھے، جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت کی، اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی مکمل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔ (النار ج ۳ ص ۱۱۵-۱۱۳، ملخصاً، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

قاضی ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں :

فرشتوں کے قتل کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتل کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(انوار التنزیل ص ۲۳۵، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع، مصر)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتل کیا تھا یا قتل نہیں کیا بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا، اس کی تفصیل کشاف میں ہے۔

(عنایۃ القاضی ج ۳ ص ۲۵۶، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عز و جل نے اس امداد کو محض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا، اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے، اور بعض احادیث میں اس کی دلیل ہے حضرت ابواسید نے ثابتاً ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور بیٹا ہوتا تو تم کو وہ گھائی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۷۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن مجید میں صراحتاً یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتل کیا، البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے :

رَادُّ يُوْحٰى رَبُّكَ اِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنِّى مَعَكُمْ
فَتَسْنُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَالِفِيْنَ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا الرَّعْبَ فَاَصْبِرُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ
وَاصْبِرُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال : ۴)

علامہ پیر محمد کرم شاہ لاہری لکھتے ہیں :

اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا، لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضلوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن اس آیت کے الفاظ

اس کی تائید نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۱۳۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا یہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (المحرر الوجیز ج ۸ ص ۲۷ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا، اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتل نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے، ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنوں سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالیمان اندلسی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں :

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (المحرر الوجیز ج ۵ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر حاشیہ قرآن، مطبوعہ سعودی عرب)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ابوداؤد مازنی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوا اس کا سر میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر حاشیہ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتل میں یہ کام نہیں لیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہوگی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے، انہوں نے دو نوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتل کا قول کیا ہے اور نہ صراحت "اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتل ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں :

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکہ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتل میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا، فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرنا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جملہ کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ

فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافرا کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۷۴، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آکر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتل میں حصہ لیں، اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتل میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے، مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بھی بڑھائی اور قتل میں بھی حصہ لیا، اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در مشور اور منظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتل ملائکہ کی یعنی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔ (معارف القرآن ج ۳ ص ۱۹۷، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

شیعہ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے، جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے، انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور علامہ کا شملہ کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا، انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا، اور ماضی اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جہاد کا حکم دیا گیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان شخص نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا، اور وہ شخص کسی اور کو نہ دیکھتا، اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا، اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں فرق یہ تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔

(منہج الصالحین ج ۳ ص ۲۸، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

آیہ اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں :

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے، بعض اس کے معقد ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے، اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا، اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے، اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے، ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) آل عمران : ۱۲۶ اور الانفال : ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

(۲) اگر کافر کو فرشتوں نے قتل کیا تھا تو مجاہدین بدر کی کیا فضیلت رہ جاتی ہے؟

(۳) جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے جن میں سے کچھ کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور باقی کو دوسرے مجاہدین نے اور تاریخ میں یہ محفوظ ہے کہ کس کافر کو کس مسلمان نے قتل کیا تھا تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(تفسیر نمونہ ج ۷ ص ۱۰۵-۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ)

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتل کے متعلق مصنف کی تحقیق

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی صریح آیات اور بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتے صرف مسلمانوں کو بشارت دینے اور ان کو تقویت دینے کے لیے نازل ہوتے تھے اور انہوں نے خود جنگ نہیں کی اس کے برخلاف بعض دیگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے خود جنگ کی تھی، لیکن یہ احادیث چونکہ قرآن مجید کی ان صریح آیات سے معارض ہیں اس لیے ان کو ترک کر دیا جائے گا، نیز اگر فرشتوں نے یہ لڑائی لڑی ہوتی تو پھر کوئی ایک صحابی بھی اس جنگ میں زخمی یا شہید نہ ہوتا، حالانکہ چودہ صحابی شہید ہوئے، اور متعدد زخمی ہوئے، نیز اگر یہ فرشتوں کا کارنامہ تھا تو اصحاب بدر کا کوئی کمل نہ ہوا اور ان کی اس قدر فضیلت نہ ہوئی اور پھر ہزاروں فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ تمام کافروں کو قتل کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا! علاوہ ازیں یہ کہ مجاہدین صحابہ میں سے ہر ایک کے متعلق معلوم اور ثابت ہے کہ فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا اور فلاں صحابی نے فلاں کافر کو قتل کیا پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا؟ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَمْ نَقْتُلْهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ
اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمٰی (الانفال : ۱۷)

تو (اے مسلمانو!) تم نے ان کافروں کو (حقیقتہً) قتل نہیں کیا، لیکن ان کو اللہ نے (حقیقتہً) قتل کیا ہے، اور (اے محبوب) آپ نے (حقیقتہً) خاک (نہیں پھینکی، جس وقت (بظاہر) آپ نے (خاک) پھینکی تھی، وہ خاک اللہ نے پھینکی۔

بظاہر اصحاب بدر نے کافروں کو قتل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم نے ان کو حقیقتہً قتل نہیں کیا، اللہ نے ان کو قتل کیا ہے، اگر فرشتوں نے بظاہر قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان کو فرشتوں نے حقیقتہً قتل نہیں کیا، اللہ نے قتل کیا ہے اور اگر بظاہر اصحاب بدر نے قتل کیا ہوتا اور حقیقتہً فرشتوں نے قتل کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا اے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو حقیقتہً قتل نہیں کیا ان کو تو درحقیقت فرشتوں نے قتل کیا ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف قتل کی نسبت ظاہر کی نہ حقیقتہً تو معلوم ہوا کہ بدر کے کافروں کو قتل کرنے میں فرشتوں کا کوئی دخل نہیں ہے نہ ظاہر نہ حقیقتہً اور بدر میں فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لیے تھا اور جو فرشتے بدر میں اترے انہیں دوسرے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی، اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض فرشتوں کو عزت اور فضیلت دینے کے لیے بدر میں فرشتوں کو اتارا ہو!

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں (ان کے والد اہل بدر میں سے تھے) کہ حضرت جبرائیل نبی

ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اہل بدر کو کون سادرجہ دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مسلمانوں میں سب سے افضل

ہیں یا اس طرح کوئی اور بات فرمائی، حضرت جبرائیل نے کہا ہم بھی اسی طرح فرشتوں میں بدری فرشتوں کو سب سے افضل قرار دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۸۸ھ)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فرشتوں کو نازل کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس جنگ میں ان کو مسلمانوں کی معیت کا شرف اور مرتبہ دیا جائے۔

میں نے اس مسئلہ میں بہت چھان بین کی ہے اور اہمات کتب حدیث میں مجھ کو فرشتوں کے قتل کے متعلق جس قدر احادیث ملیں میں نے ان سب کا ذکر کیا، لیکن میں نے دیکھا یہ احادیث باہم متعارض اور مضطرب ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتل کیا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ احزاب میں بھی قتل کیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بلکہ کافر بھی فرشتوں کو دیکھ رہے تھے، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو قتل کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا، البتہ بغیر کسی فاعل کے کافروں کے سرکٹ کٹ کر گر رہے تھے، اس کے برخلاف قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ فرشتوں نے قتل کیا تھا بلکہ ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قتل کیا تھا اور فرشتے صرف مسلمانوں کی دل جمعی کے لیے نازل ہوئے تھے، میرے نزدیک احادیث صحیحہ اور آثار صحیحہ حجت ہیں لیکن قرآن مجید بہ ہر نوع احادیث پر مقدم ہے نیز قواعد اسلام اور اصول اور درایت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ یہ جنگ صرف مسلمانوں نے لڑی تھی۔ میں نے اس مسئلہ میں دیگر فقہاء اسلام کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے۔ بہر حال میرے قلب و ضمیر کے مطابق حق یہی ہے اور اگر حق دوسری جانب ہے تو یہ میری فکر کی غلطی ہے اور میں اس سے تائب ہوں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۚ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

کیوں کہ بیشک وہ ظلم کرنے والے ہیں ۝ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

يَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے

لیس لک من الامر شئی کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں

اس آیت کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں، زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ احد میں نازل ہوئی ہے اور اس

کی بھی کئی تقریریں درج ذیل ہیں :

(۱) عتبہ بن ابی وقاص کی ضرب سے نبی ﷺ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور سامنے کے چار دانٹوں میں سے دائیں جانب کا

ظلا و انت شهید ہو گیا۔ آپ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام آپ کے چہرے سے خون دھو رہے تھے۔ اس وقت آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا، اس وقت آپ نے ان کے لیے دعائے ضرر کرنا چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اس حدیث کا بیان صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ میں ہے۔)

(۲) سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کے لیے دعاء ضرر کی اور فرمایا : اے اللہ ابوسفیان پر لعنت فرما، اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت فرما، اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت فرما، تب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، اور ان لوگوں نے مسلمان ہو کر نیک عمل کیے۔

(۳) نبی ﷺ نے سیدنا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو دیکھا ان کو مثلہ کر دیا گیا تھا اور ان کی لاش کے اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا میں تمیں کافروں کو مثلہ کروں گا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ قفل نے کہا جنگ احد میں یہ تمام واقعات پیش آئے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (امام رازی اور بعض دیگر مفسرین کو یہاں وہم ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تمیں کافروں کو مثلہ کروں گا، آپ نے فرمایا تھا میں بھی ان کو مثلہ کروں گا، کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۳۲۰، کیونکہ قرآن مجید میں ہے : وان عاقبتهم فعاقبوا بمثل ما عوقبتهم به النحل : ۱۳۱، اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی۔ امام رازی نے بغیر کسی حوالہ کے اس روایت کو تفسیر کبیر میں درج کیا ہے، جب میں نے اس روایت کو پڑھا تو میرے قلب و ضمیر نے یہ قبول نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی لاش کو مثلہ کئے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا ہو کہ میں اس کے بدلہ میں ان کے تمیں کافر مثلہ کروں گا، میں اس روایت کی اصل تلاش کرتا رہا، بہر حال مجھے کتاب المغازی للواقدی میں یہ روایت مل گئی جس میں ہے کہ میں ان کو مثلہ کروں گا، اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے مطابق ہے کہ ”برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔“ (الشوریٰ: ۴۰) اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ توفیق بخشی، اس آیت کے متعلق دو سراقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جن بعض لوگوں نے جنگ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی تھی، اور اس وجہ سے شکست ہوئی تھی، نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان تمام اسباب کا تعلق واقعہ احد سے ہے، لیکن مقاتل نے ایک اور سبب بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو بیر معونہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں، عامر بن طفیل ان کو اپنے لشکر کے ساتھ لے گیا اور ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ سے سخت اذیت پہنچی اور آپ نے چالیس روز تک ان کافروں کے خلاف دعائے ضرر کی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا تعلق قصہ احد کے ساتھ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸)

آپ کو کفار پر لعنت کرنے سے منع کرنا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

اس آیت کے جو شان نزول بیان کیے گئے ہیں ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایسے کام کرتے رہے جن سے آپ کو منع کیا گیا، سو اگر یہ کام حسن تھے تو آپ کو ان سے منع کیوں کیا گیا اور اگر یہ کام قبیح تھے تو یہ آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو کفار پر لعنت کی یا دعاء ضرر کی یہ ترک لوٹی اور ترک افضل کے باب سے ہے، اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

وَأَنَّ عَاقِبَتُكُمْ فَعَاقِبَةُ مَا عَمَلْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (النحل : ۳۶)

گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کسی کی اذیت پہنچانے سے اس کا بدلہ لو، تو بدلہ لینا جائز ہے لیکن اگر تم بدلہ لینے کے بجائے صبر کرو تو وہ افضل اور لوٹی ہے، اسی طرح نبی ﷺ کا کفار پر لعنت کرنا اور ان کے خلاف دعاء ضرر کرنا جائز تھا لیکن اس کو ترک کرنا زیادہ افضل اور لوٹی ہے، سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل اور لوٹی کے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے اور ترک افضل اور ترک لوٹی عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ عصمت کے خلاف گناہ کبیرہ یا گناہ صغیرہ ہے اور آپ نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد نہ سہواً نہ عمداً نہ صورتاً نہ حقیقتاً۔ نبی ﷺ کا بعض کفار پر لعنت کرنے اور دعاء ضرر کرنے کا بیان ان حدیثوں میں ہے :

بعض کافروں کے خلاف دعاء ضرر کرنے اور لعنت کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کے بعد یہ دعا کرتے : اے اللہ! فلاں اور فلاں اور فلاں کو لعنت کر، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شینی، نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شینی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھتے رہے۔ آپ رعل اور ذکوان کے خلاف دعاء ضرر کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۶، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی ۱۳۸۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی نماز میں قرأت سے فارغ ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنے کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرتے : اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ریحہ اور ضعفاء مومنین کو نجات دے، اے اللہ مضر کو شدت کے ساتھ پال ل کر دے، اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط نازل فرما، اے اللہ! لیان، رعل اور ذکوان پر اور عصیہ پر جس نے اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کی ہے، لعنت فرما، پھر جب نبی ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی : لیس لک من الامر شینی او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظالمون تو آپ نے اس دعاء ضرر کو ترک فرمادیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلوع کراچی)

بعض کافروں پر لعنت کرنا اور دعاء ضرر کرنا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں

رہا یہ اعتراض کہ نبی ﷺ تو رحمتہ للعالمین ہیں تو بعض کفار کے لیے آپ کا دعاء ضرر کرنا اور لعنت کرنا کس طرح مناسب ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کفار کو عذاب دینا جب اس کے رحمان و رحیم ہونے کے منافی نہیں ہے تو آپ کا ان کے لیے دعاء ضرر کرنا آپ کے رحمتہ للعالمین

سننے کے متعلق کیونکر ہو گا۔ اور بہ طور نقص تفصیلی اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے رحمتہ للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کی ہدایت اور اسلام لانے کی دعوت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ آپ کسی خاص علاقہ، قوم یا خاص زمانہ کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ کی بعثت قیامت تک تمام جنوں اور انسانوں کے لیے ہے اور آپ کے لائے ہوئے دین پر عمل کر کے تمام مخلوق دنیا میں عدل اور امن کے ساتھ رہے گی اور آخرت میں اس پر جنت کی تمام نعمتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور جس طرح دعوت اسلام کو رد کرنے والے کافروں سے قتل کرنا، مرتدین کو قتل کرنا، زانیوں کو رجم کرنا اور ان کو کوڑے لگانا، چوروں کے ہاتھ کاٹنا اور ڈاکوؤں کو قتل کرنا اور ان کو پھانسی دینا اور دیگر مجرموں کو سزائیں دینا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح بعض کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا بھی آپ کی رحمت کے متعلق نہیں ہے۔

جن کافروں نے نبی ﷺ کے سر اور چہرہ کو زخمی کیا آپ نے ان کے متعلق صرف اتنا فرمایا : وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا اور جو کافر تبلیغ کا نام لے کر ستر صحابہ کو لے گئے اور ان کو قتل کر دیا۔ ان کے خلاف نبی ﷺ ایک ماہ تک دعاء ضرر کرتے رہے، ظاہر ہے کہ اگر یہ فعل ناجائز یا نامناسب ہو تا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی آپ کو اس سے منع فرماتا، آپ کا ہر فعل نیک اور حسن ہے اور ہر فعل میں امت کے لیے نمونہ اور ہدایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۖ

بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین

(الاحزاب : ۲۱) نمونہ ہے۔

سو نبی ﷺ کا ان کافروں کے لیے دعا ضرر کرنا اور ان پر لعنت کرنا، یہ بھی ایمان والوں کے لیے نہایت حسین عمل ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ جو کافر بد عہدی کریں ان کے لیے دعاء ضرر کرنا جائز ہے، اور جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھیں اس میں مسلمانوں کے لیے سلامتی اور کافروں کے لیے ہلاکت کی دعا کریں، بعض علماء اور مفسرین کو اس مقام پر لغزش ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دعاء ضرر کرنے کو بددعا لکھا ہے، یاد رکھئے رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل بد نہیں ہے، آپ کا ہر فعل نیک اور حسین ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے، لہذا آپ کے کسی فعل کو بد کہنا اور آپ کی دعاء ضرر کو بددعا کہنا اس آیت کے خلاف اور حلاوت ایمان کے متعلق ہے، ان علماء نے زیادہ غور نہیں کیا اور اردو محافلے کی روانی میں آپ کی دعاء ضرر کو بددعا لکھ گئے، ہم ذیل میں ان علماء کی عبارات نقل کر رہے ہیں :

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۴۲ھ لکھتے ہیں :

اور بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا فرمائی تھی اس پر یہ آیت نازل

ہوئی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۲۵، مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ لاہور)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۴۹ھ لکھتے ہیں :

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں میں لا

والا۔ (ماشیۃ القرآن ص ۸۵)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا بھی فرمائی تھی۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۵۵، مطبوعہ لوارۃ المعارف کراچی ۱۹۷۷ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں :

نبی ﷺ جب زخمی ہوئے تو آپ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ لوارۃ ترجمان القرآن لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں :

حضور ﷺ نے بیر معونہ والے کفار کے لیے بددعا کی (نور العرفان ص ۱۰۳، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ مکتبات)

پیر محمد کرم شاہ الازھری لکھتے ہیں :

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری نے قنوت نازلہ کی بحث میں بہت محتاط ترجمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

اور نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لیے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان

کی دعا فرماتے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۱۳، مطبوعہ سنی دارالاشاعت لائل پور)

رسول اللہ ﷺ کو دعاء ضرر سے روکنے کی توجیہ اور بحث و نظر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے، یا وہ ان

کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران : ۳۸)

نبی ﷺ ایک ماہ تک ظالم کافروں کے متعلق ہلاکت اور نقصان کی دعا کرتے رہے اور مسلمانوں کے لیے حصول

رحمت کی دعا فرماتے رہے تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ ہو کہ ظالم کافروں کے لیے تباہی اور بربادی کی دعا کرنا جائز ہے اور

آپ کی سنت ہے، اسی لیے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں

تو صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی جائے، امام آہستہ آہستہ مسلمانوں کی

کامیابی اور کفار کی تباہی کے لیے دعا کرے اور اسی طرح مقتدی بھی دعا کریں، اور یہ بھی جائز ہے کہ امام بلند آواز سے یہ دعا

کرے اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں، اور جب مسلمانوں سے مصیبت ٹل جائے تو پھر اس دعا کو ترک کر دیں اور

عام معمول کے مطابق نمازیں پڑھیں، جس طرح ضرورت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس دعا سے روک

دیا تھا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں عین معرکہ کارزار کے وقت عبد اللہ بن ابی بن سلول اپنے تین

سواستھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا، اور بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ کی حکم عدولی کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو

شکست کا سامنا کرنا پڑا، کئی مسلمان گھبرا کر بھاگ پڑے۔ نبی ﷺ کا چہرہ انور زخمی ہوا اور دانت مبارک شہید ہوا، ان حالات

کی وجہ سے قدرتی طور پر نبی ﷺ کو رنج و غم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے

تو آپ اس پر غم نہ کریں آپ کا کام صرف زبان اور عمل سے ہدایت دینا ہے۔ رہا ان کا کفر سے توبہ کرنا اور ان کے دلوں

میں اسلام کا پیداکرنا یا ان کو ان کے کفر پر قائم رکھ کر عذاب دینا اس کے آپ مالک و مختار نہیں ہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ

عمل فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ ظالموں اور کافروں کی ہلاکت کی دعا لے رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا کہ یہ دعا آپ کی رحمت کے شایان شان نہیں ہے ان کافروں اور ظالموں میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض کی اولاد نے اسلام قبول کر لیا، کیونکہ اگر یہ دعا کرنا آپ کی شان کے لائق نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی اس دعا سے آپ کو روک دیتا، ایک ماہ تک کیوں آپ کو یہ دعا کرنے دی، ہمارے نزدیک نبی ﷺ کا ہر فعل حسن ہے اور واجب الاتباع ہے، آپ کا کوئی فعل غیر مستحسن اور ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اب ہم بعض مفسرین کی تفسیر کو نقل کر رہے ہیں۔ ہر چند کہ یہ مفسرین بہت مشہور اور اپنے حلقوں میں مقبول ہیں لیکن ان کی یہ تفسیر پسندیدہ اور مختار نہیں ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس دعا سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بعض کافر توبہ کر کے اسلام لے آئیں گے اور بعض اگرچہ تائب نہیں ہوں گے لیکن ان کی اولاد نیک اور متقی ہوگی، اور جو لوگ اس قسم کے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق یہ ہے کہ وہ ان کو دنیا میں مہلت دے اور ان سے آفات کو دور کرے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لیں یا ان سے وہ اولاد پیدا ہو جائے، اور اگر رسول اللہ ﷺ ان کی ہلاکت کی دعا کرتے رہتے تو اگر آپ کی دعا قبول ہوتی تو یہ مقصود حاصل نہ ہوتا اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہوتی تو اس سے آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ کم ہوتا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا، نیز اس میں یہ بھی مقصود ہے کہ بندہ کے عجز کو ظاہر کیا جائے اور یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی ملکوت کے اسرار میں غور و خوض نہیں کرنا چاہئے، میرے نزدیک یہ بہت اچھی تفسیر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۸۹ھ لکھتے ہیں)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں :

لیس لك من الامر شئني في ان تخضرت ﷺ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے، اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ (حاشیہ القرآن ص ۸۵ مطبوعہ تاج کمپنی لیڈز لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اے محبوب تمہیں ان کفار پر بددعا کرنے کا اختیار یا حق نہیں، ورنہ گذشتہ انبیاء کرام کفار پر بددعا کر کے انہیں ہلاک نہ کراتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بددعا آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ آپ رحمت للعالمین ہیں۔ (نور العرفان ص ۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات)

پیر محمد کرم شاہ الاذہری لکھتے ہیں :

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی، انہیں

میں حضرت خالد بھی تھے۔ (نبیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۳-۲۷۴)

یہ تفسیر کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے دعاء ضرر فرمائی ہے۔

بہر حال ہمارے نزدیک مختار تفسیر یہ ہے کہ آپ کا کافروں اور منافقوں کے لیے دعاء ضرر کرنا اس لیے تھا کہ ظالموں اور کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا مشروع اور سنت ہو جائے اور قنوت نازلہ کا جواز ثابت ہو اور جب یہ حکمت پوری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت آپ کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی کہ اگرچہ کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے لیکن آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ ان میں ہدایت اور توبہ کی تحریک پیدا کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ان میں ہدایت پیدا کر کے ان کی توبہ قبول فرمائے اور چاہے تو ان کو ان کے کفر پر برقرار رکھ کر ان کو عذاب دے۔

قنوت نازلہ کا معنی

قنوت کا معنی دعا ہے اور نازلہ سے مراد ہے نازل ہونے والی آفت اور مصیبت، اگر مسلمانوں پر خدا نخواستہ کوئی مصیبت نازل ہو مثلاً دشمن کا خوف ہو، قحط ہو، خشک سالی ہو، وباء ہو، طاعون ہو یا کوئی اور ضرر ظاہر ہو تو آخری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد امام آہستہ دعا کرے اور مقتدی بھی آہستہ دعا کریں یا امام جہری نماز میں جہراً دعا کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں اور مسلمان اس وقت تک نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے اس مصیبت کو دور نہ کر دے۔

قنوت نازلہ میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک کا مختار یہ ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت نازلہ پڑھے اور یہی اسحاق کا قول ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے، خلفاء اربعہ سے بھی اسی طرح مروی ہے، صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو اختیار ہے، اور امام دار قطنی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

قنوت نازلہ میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں :

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا جب صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد کھڑا ہو تو سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کھڑا ہو کر یہ دعا پڑھے :

اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے مجھے ان میں
اَللّٰهُمَّ اِهْدِنِيْ فَيِّمَنْ هَدَيْتَ وَعَارِفِيْ فَيِّمَنْ
ہدایت پر برقرار رکھ اور جن کو تو نے عافیت دی ہے مجھے ان میں
عَافِيَّتَ وَتَوَلَّيْنِيْ فَيِّمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فَيِّمَا
عافیت سے رکھ اور جن چیزوں کا تو والی ہو چکا ان میں میرا والی ہو
اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرِّمَا قَضَيْتَ اِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا

يَقْضَىٰ عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يُذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ تَبَارَكَ رَبُّنَا وَتَعَالَىٰ

اور جو چیزیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان میں برکت دے اور میرے لیے جو شرمندہ رکھا ہے اس سے مجھ کو محفوظ رکھ، تو قسمت بناتا ہے اور

تجھ پر مقوم نہیں کیا جاتا اور جس کا تو کارساز ہو وہ رسوا نہیں ہوتا، اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا کرتے : اے اللہ ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ کے کمزور مسلمانوں کو نجات دے، اے اللہ مضر پر اپنی گرفت کو مضبوط کر، اور ان پر یوسف علیہ السلام کے قحط کے سالوں کی طرح قحط کے سال مقرر کر دے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دعا تو آپ نے صرف ایک ماہ کی تھی جب پیر معونہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو شہید کر دیا گیا تھا، تو نبی ﷺ نے پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی حتیٰ کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئنی (ال عمران : ۱۲۸) تو پھر آپ نے یہ دعا ترک کر دی، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کا نام لے کر دعا کرنا ترک کر دیا تھا، اور صبح کے علاوہ باقی چار نمازوں میں دعا کرنے کو ترک کر دیا تھا، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے آپ کو فوت کر دیا، رہا حضرت ابن عمر کا یہ کہنا کہ قنوت بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر خود اپنے والد کے ساتھ قنوت کرتے تھے لیکن وہ بھول گئے، اور باقی نمازوں کو صبح کی نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صبح کی نماز کئی احکام میں باقی نمازوں سے مختلف ہے۔ اس کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی ہے اور اس میں تنوید کی جاتی ہے، (الحلوی الکبیر ج ۲ ص ۱۹۹-۱۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

قنوت نازلہ میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

وتر کے سوا اور کسی نماز میں قنوت پڑھنا سنت نہیں ہے، صبح کی نماز میں نہ اور کسی نماز میں، ہماری دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ایک ماہ تک عرب کے بعض قبیلوں کے لیے دعاء ضرر کرتے رہے پھر آپ نے اس کو ترک کر دیا، اور امام ترمذی نے تصحیح سند کے ساتھ ابوالمالک سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اور حضرت علی کی اقتداء میں کوفہ میں پانچ سال نمازیں پڑھیں ہیں کیا یہ لوگ قنوت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے، ابراہیم نخعی نے کہا سب سے پہلے جس نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی وہ حضرت علی تھے، کیونکہ وہ جنگ میں مشغول رہے اور اپنے دشمنوں کے خلاف صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے، امام سعید نے اپنی سنن میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی تو لوگوں نے اس پر تعجب کیا، حضرت علی نے فرمایا : ہم اپنے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کر رہے ہیں، اور امام سعید نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں اسی وقت قنوت پڑھتے تھے جب آپ کسی قوم کے لیے رحمت کی یا کسی قوم کے لیے ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی ﷺ تاحیات صبح کی نماز میں قنوت کرتے رہے اس سے مراد طول قیام ہے۔ کیونکہ طول قیام کو بھی قنوت کہتے ہیں، اور حضرت عمر سے جو قنوت مروی ہے اس سے مراد مصائب کے وقت قنوت پڑھنا ہے، کیونکہ اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عمر قنوت نہیں

پڑھتے تھے۔ اور امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو لام کے لیے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا جائز ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۳۵۰-۳۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵)
قنوت نازلہ میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متونی ۳۸۳ھ لکھتے ہیں :

امام محمد نے فرمایا وتر کے سوا کسی نماز میں ہمارے نزدیک قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔

(المبسوط ج ۱ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی ابن ابی بکر الرغینانی الحنفی المتونی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

قنوت (نازلہ) اجتہادی مسئلہ ہے، امام ابو حنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

(حدایہ لولین ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ المدنیہ لندن)

متاخرین احناف نے مصائب کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز کہا ہے، علامہ کمال الدین ابن حمام متونی ۸۶۶ھ لکھتے ہیں : قنوت نازلہ پڑھنا دائمی شریعت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو قنوت نازلہ کو ترک کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لیس لک من الامر شئی (ال عمران : ۳۸) نازل فرما کر آپ کو روک دیا تھا اور بعد میں مسلمانوں پر کوئی آفت نہیں آئی۔ بعد میں جن صحابہ کرام نے قنوت نازلہ نہیں پڑھی اس کی بھی یہی وجہ تھی اور بعض صحابہ نے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھی ہے اس وجہ سے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متونی ۱۰۶۹ھ فرماتے ہیں :

مصیبت کے وقت قنوت (نازلہ) پڑھنا دائمی شریعت ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

(مراتی الفلاح ص ۳۸۷ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البلبلی ولولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

البحر الرائق اور دیگر کتب فقہ میں ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے، الاشباہ اور شرح المنیۃ میں لکھا ہے کہ مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا دائمی شریعت ہے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے قنوت پڑھی ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے، امام ابو جعفر طحاوی نے کہا کہ مصیبت کے وقت صرف صبح کی نماز میں قنوت پڑھے اور تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا قول ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی نمازوں میں قنوت پڑھی اور صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی، یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ اس عمل پر اتنی مواظبت نہیں ہے جتنی فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے پر تکرار اور مواظبت ہے، اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ ہمارے نزدیک قنوت صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے، فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ فجر کی نماز میں امام قنوت پڑھے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی قنوت نہ پڑھے، رہا یہ کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یا بعد۔ اس مسئلہ میں میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام کی اتباع کرے (اگر وہ سرا "قنوت پڑھے) ہاں اگر امام جہرا "قنوت پڑھے تو مقتدی آمین کہے، اور رکوع کے بعد قنوت پڑھے کیونکہ اسی طرح حدیث میں ہے، میں نے علامہ شرنبلالی کی مراتی الفلاح

میں دیکھا ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے اور علامہ حموی نے یہ کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھے اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو ہم نے کہا ہے (یعنی رکوع کے بعد قنوت پڑھے) (رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) قنوت نازلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ

غیر مقلدین کے مشہور عالم حافظ عبد اللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۲ھ لکھتے ہیں :

پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعا قنوت پڑھنا بدعت ہے، البتہ فجر کی نماز میں بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حدیث میں جب ضعف تھوڑا ہو تو فضائل اعمال میں معتبر ہے ہاں ضروری سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ضعف ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۳، مطبوعہ دار احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں، اللہ جانے محدث روپڑی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو ضعیف کیسے کہہ دیا، ان حدیثوں کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کی بحث کی گئی ہے ان کو ضعیف کسی نے نہیں کہا۔

نیز حافظ عبد اللہ روپڑی لکھتے ہیں :

مقتدیوں کا دعاء قنوت میں آمین کہنا ابوداؤد میں موجود ہے۔ مگر یہ عام دعاء قنوت کے متعلق ہے و تروں کی خصوصیت نہیں آئی۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۵)

اصحاب بیر معونہ کی شہادت کا بیان

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کلابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور اس پر اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہیں ہوا اور اسلام سے بیزار بھی نہیں ہوا اور کہنے لگا یا محمد! کاش آپ صحابہ کو اہل نجد کے پاس بھیج دیں مجھے امید ہے کہ وہ دعوت اسلام کو قبول کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی، صحابہ کو ہلاک کر دیں گے، عامر نے کہا میں ضامن ہوں انہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ سترقاری بھیج دیئے۔ یہ لوگ رات بھر نفل پڑھتے تھے۔ صبح کو لکڑیاں اور پانی تلاش کر کے لاتے اور سرکار کے حجرہ میں پہنچا دیتے۔ آپ نے ان سترقاریوں پر منذر بن عمرو کو امیر بنایا اور ان سب کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو انہوں نے حرام بن ملحان کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب دے کر دشمن خدا عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے خط دیکھے بغیر ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا، پھر عصیہ، ذکوان اور رعل کے قبائل مل کر ان سترقاریوں پر حملہ آور ہوئے اور یہ تمام قراء ان سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سوا کعب بن زید کے ان میں کچھ رقی حیات باقی تھی۔ اس لیے نجدیوں نے انہیں چھوڑ دیا وہ بعد میں زندہ رہے اور غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔ (اللبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۱، مطبوعہ بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدر اللہ دین عینی نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ (عمدة القاری ج ۷ ص ۱۸-۱۹، مطبوعہ بیروت)

یہ واقعہ غزوہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۲ ہجری میں پیش آیا۔ (عمدة القاری ج ۷ ص ۱۸)

علم رسالت پر اعتراض کا جواب

بعض اہل تنقیص کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ عامر کے مطالبہ پر ستر محلہ کو نجد نہ بھیجتے اور اگر باوجود علم کے آپ نے ان کو بھیجا تو آپ پر العیاذ باللہ الزام آئے گا کہ آپ نے جان بوجھ کر انہیں موت کی طرف دھکیل دیا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اہل نجد کی اسلام دشمنی کا علم تھا تبھی آپ نے فرمایا تھا انہی اخصی علیہم اہل نجد (مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی صحابہ کو ہلاک کر دیں گے) اور باوجود اس کے کہ آپ کو ان کی شہادت کا علم تھا۔ آپ نے اہل نجد کے مطالبہ تبلیغ پر انہیں نجد بھیج دیا تاکہ کل قیامت کے دن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو قبول اسلام کے لیے تیرے نبی سے مبلغ مانگے تھے اس نے نہیں بھیجے، نیز آپ نے یہ تعلیم دی کہ جان کے خوف سے تبلیغ سے نہیں رکنا چاہئے، اگر جان کے خوف سے تبلیغ چھوڑنا جائز ہوتا تو جہلا اصلاً مشروع نہیں ہوتا کیونکہ اس بات کا ہر شخص کو یقین ہوتا ہے کہ جہاد میں کچھ نہ کچھ مسلمان یقیناً شہید ہو جائیں گے اور جان کے خوف سے جہاد نہ کرنا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی! نیز جو موت شہادت کی صورت میں حاصل ہو وہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا علم تدریجی ہے اگر اس وقت علم نہیں تھا تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے

اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۱۳۰) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ

رہو تاکہ تم نجات پاؤ ○ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے

لِلْكَافِرِينَ ۝ (۱۳۱) وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۱۳۲)

تیار کی گئی ہے ○ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا تھا کہ مومن کسی غیر مومن کو اپنا دوست اور ہم راز بنائے، اور اس کے بعد احد کا قصہ بیان فرمایا، اور کفار اپنے کاروبار کے اکثر معاملات سود کے ذریعہ کرتے تھے، اور یہ سودی کاروبار وہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس کاروباری معاملہ کی وجہ سے بھی مسلمان کافروں سے ملتے جلتے تھے، تب مسلمانوں کو سودی لین دین سے بالکل روک دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ تعلقات کی کوئی وجہ نہ رہے، ابتداء میں مسلمان تنگ دست تھے، اور کفار اور یہودی بہت خوش حال تھے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام مال کھانے کی وجہ سے نیک اعمال اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں

ہوئی اور لام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے جو شخص مل حرام سے حج کرتا ہے تو جب وہ لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں ہے اور تمہارا حج مردود ہے۔

نیز جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست مل دنیا کی مالی محبت کی وجہ سے ہوئی تھی کیونکہ مل دنیا کی محبت کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظر انداز کر کے مل غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے، سو اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم مل دنیا کی محبت کی وجہ سے دگنا چوگنا سود کھانا نہ شروع کر دینا، اور مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مشرکین مکہ نے سودی کاروبار سے اپنا سرمایہ بڑھا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا اور جنگ احد لڑی تھی ہو سکتا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو بھی سودی کاروبار کے ذریعہ اپنے سرمایہ کو بڑھانے کا خیال آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے ہی منع فرمادیا کہ دگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔

سود مفرد اور سود مرکب کا بیان

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص کو مثلاً ایک سال کی مدت کے لیے دس روپے کی زیادتی پر سو روپے قرض دیتا، اور جب ایک سال کے بعد مقروض رقم ادا نہ کر سکتا تو اب قرض خواہ ایک سو دس روپے پر دس روپے فی صد کے حساب سے سالانہ سود مقرر کر دیتا اس طرح ہر سال کرتا، یا کہتا کہ تمہیں ایک سال کی مزید سہلت دیتا ہوں لیکن تمہیں سو روپے کی بجائے دو سو روپے دینے ہوں گے، اسی طرح عدم ادائیگی کی صورت میں ہر سال سو روپے کا اضافہ کرتا چلا جاتا، یہ سود در سود ہے اس کو سود مرکب بھی کہتے ہیں، اس کے مقابلہ میں سود مفرد یہ ہے کہ اصل رقم سو روپے ہو اور قرض خواہ اس رقم پر مقروض سے دس فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کرے۔

اس آیت میں سود مرکب کو حرام کیا گیا ہے، لیکن اس آیت میں اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ صرف سود مرکب حرام ہے، اور سود مفرد جائز ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً "سود کو حرام کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا۔ اور اللہ نے بیع کو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا۔

(البقرہ: ۲۷۴)

ربا الفضل کا بیان

سورہ بقرہ میں ہم سود کے متعلق مفصل بحث کر چکے ہیں اس لیے اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔ یہ بحث ربا النسیئہ سے متعلق ہے اور ربا الفضل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی جب بیع کی جائے تو وہ دونوں نقد ہوں اور برابر برابر ہوں اور ان میں زیادتی سود ہے، امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا، سونے کے عوض، چاندی، چاندی کے عوض، گندم، گندم کے عوض، جو، جو کے عوض، کھجور، کھجور کے عوض اور نمک، نمک کے عوض فروخت کرو، برابر برابر اور نقد بہ نقد، اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۸۷ جامع ترمذی رقم الحدیث: ۳۳ سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۳۹۹ سنن نسائی رقم الحدیث: ۴۵۷۵)

سنن ابن ماجہ 'رقم الحدیث ۲۲۵۳' سنن داری 'رقم الحدیث : ۲۵۴۱' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۵۱۹۰ 'مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۱۳۱۹۳ 'صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۵۰۱۸ 'سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴' مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۰ 'مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۴۳-۴۴' سنن کبریٰ للسیستانی ج ۵ ص ۲۸۲-۲۷۷

صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۰۲۷ 'سنن ابن ماجہ (۲۲۵۳) لور طبرانی (المعجم الکبیر : ۱۷۷) میں حضرت عمر سے روایت ہے اور اس میں چاندی کے علاوہ بقی پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

ربا الفضل میں علت حرمت کی تحقیق

احادیث میں سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک ان چھ چیزوں کی بیع ان کی مثل میں زیادتی اور لوہار کے ساتھ منع کی گئی ہے اور جب دو نوع مختلف ہوں تو پھر زیادتی کے ساتھ بیع منع نہیں ہے، ائمہ مجتہدین نے ان چھ چیزوں میں علت مشترکہ نکال کر باقی چیزوں کی مثل میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع کو منع کیا ہے، امام شافعی نے کہا ان چھ چیزوں میں ثمنیت اور طعم مشترک ہے، سو جو چیز ثمن ہو یا کھانے پینے کی چیز ہو اس کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع منع ہے اور بقی چیزوں میں جائز ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں ان کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہوگی مثلاً ایک کپڑے کا تھان اس جیسے دو تھانوں کے ساتھ بیچنا جائز ہوگا، امام مالک کے نزدیک ثمنیت اور خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت علت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تنبا، بیتل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں اپنی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے، امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔ ان کا یہ قول فقہاء احناف کی طرح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ یہ قول فقہاء شافعیہ کی طرح ہے، ان دونوں قولوں پر وہی اعتراض ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذہب پر ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرمت کی علت وزن اور کیل (ماپنا) ہے، سود و ایک جنس کی چیزیں جو وزنی ہوں یا کیلی ہوں ان میں زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز ہے اس پر اعتراض ہے کہ جو چیزیں عدداً فروخت ہوتی ہیں مثلاً انڈے، اخروٹ، صابن، گلاس، پلیٹیں وغیرہ ان سب میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہوگی مثلاً ایک صابن کی ٹکیہ کی بیع دس صابن کی ٹکیوں کے ساتھ جائز ہوگی اور یہ سود نہ ہوگا، نیز جو عام استعمال کی چیزیں ہیں صابن، پلیٹیں، پن، پنسل، میز، کرسی وغیرہ جو عدداً فروخت کیے جاتے ہیں ان کی مثل میں اگر زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ کسی امام کے نزدیک سود نہ ہوگی۔

جن احادیث میں ان چھ چیزوں کا ذکر ہے، ان میں ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں جو مقدار مشترک ہے وہ وزن اور کیل ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کو وزن سے فروخت کیا جاتا ہے اور گندم، جو، کھجور اور نمک کو کیل (پیمانے سے ماپ کر) سے فروخت کیا جاتا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں وزن اور کیل کو علت قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان دو چیزوں کا وزن اور کیل برابر ہو اور زیادتی سود ہے، لیکن یہ کہنا بھی بعید نہ ہوگا کہ کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس سے متعلق تمام آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنا ضروری ہے اور بعض احادیث میں نبی ﷺ نے ایک درہم کی دو درہموں سے ایک دینار کی دو دیناروں سے بیع کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایک جنس کی دو چیزوں میں بیع کی جائے تو وزن اور کیل کے علاوہ عدد میں بھی مساوات ضروری ہے، اور اگر ان میں

کی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو پھر سود ہو گا اور اگر ربا الفضل کی علت میں وزن، کیل اور عدد تینوں کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر حرمت سود کی علت جامع ہو جائے گی اور ہر صورت میں دو ہم جنس چیزوں میں کی اور زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز اور سود ہوگی۔ وہ حدیث یہ ہے :

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸ موطا امام مالک رقم الحدیث ۱۳۲۷)

ہرچند کہ مقدار کی مساوات میں عدد کا اعتبار کرنا کسی امام سے ثابت نہیں ہے لیکن اگر ربا الفضل کی علت و حرمت میں اس کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ کتنی ہی ہم جنس چیزوں میں کی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ پھر بھی سود نہیں ہو گا، میں نے اس پر بہت غور کیا ہے اور میرے نزدیک ربا الفضل میں حرمت کی علت یہی معقول اور جامع ہے اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی بیع وزن مکمل اور عدد میں مساوی ہو اور زیادتی سود ہوگی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۱)

سود میں منہمک رہنے والا کفر کے خطرہ میں ہے

سود سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سود خوری کی وجہ سے مسلمان کافر تو نہیں ہوتا تو پھر اس کو اس آگ سے کیوں ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ سود خوری میں گرفتار ہونے کے بعد یہ خطرہ رہتا ہے کہ انسان اس کی تحریم کا انکار کر کے کافر ہو جائے گا، ہمارے ملک میں وفاقی شرعی عدالت نے ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کی قانوناً ممانعت کر دی لیکن ہماری حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر دی اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے سے روک دیا، اس کے نتیجہ میں سودی کاروبار حکومت کی سرپرستی میں اسی طرح جاری و ساری رہا۔ سو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سود میں شدت اشغل کی وجہ سے تم سود کی تحریم کا انکار نہ کر دینا ورنہ تم کافر ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ گے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

دوزخ کا کفار کے لیے تیار کیا جانا آیا فساق مومنین کے دخول سے مانع ہے یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور کوئی مومن اس آگ میں داخل نہیں ہو گا، حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل، ڈاکو، چور، زانی، لور دیگر جرائم اور معاصی میں مبتلا لوگ بھی اس آگ میں داخل ہوں گے، اس سوال کے متعدد جواب ہیں : اول یہ کہ ہو سکتا ہے کہ جہنم کے کئی طبقات ہوں، ایک طبقہ وہ ہو جو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہو جو فاسقوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ ثانی یہ کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، ثالث یہ کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو سامنے رکھ کر کوئی نظریہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات کو سامنے رکھ کر نظریہ قائم کرنا صحیح ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو اور ناسخ قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکور ہو، یا وہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہو اور اس کا محض دوسری جگہ مذکور ہو یا ایک جگہ یہ حکم مطلق ہو

اور دوسری جگہ اس کی کوئی قید، صفت یا شرط بیان کی گئی ہو، سو اسی طرح پہلے پر بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری جگہ بعض دوسرے جرائم اور گناہوں پر بھی دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے مثلاً فرمایا :

وَنُلْ لِّكُلِّ هَمَزَةٍ لُّعْمَةٌ ۚ الَّذِي جَمَعَ مَالًا
وَعَدَدَهُ ۖ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۖ كَلَّا ۖ لَيَسْبَدَنَّ
فِي الْحُطَمَةِ ۖ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۖ نَارُ اللَّهِ
الْمُوقَدَّةُ ۖ (الہمزہ : ۷۶)

ہر طعنہ دینے والے اور ہر خطوری کرنے والے کے لیے
ہلاکت ہے ۝ جس نے مل جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا وہ
گنن کرتا ہے کہ اس کا مل اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا ۝ ہرگز نہیں وہ
چوراچورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا ۝ آپ کیا جانتے
ہیں کہ چوراچورا کر دینے والی کیا چیز ہے؟ ۝ اللہ کی بھڑکلی ہوئی
آگ ہے ۝

لہذا اس قسم کی آیات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا تاکہ یہ واضح ہو کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے بھی تیار کی گئی ہے
اور دیگر نافرمانوں اور فاسقوں کے لیے بھی، رابع یہ کہ اگر دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہو پھر بھی اس میں دیگر
گنہ گار مسلمانوں کے دخول سے کیا چیز مانع ہے۔ کفار اس آگ میں بہ طور احسان ہمیشہ کے لیے داخل کیے جائیں گے اور جو
فاسق مسلمان اس میں داخل کیے جائیں گے وہ عارضی طور پر تطہیر کے لیے داخل کیے جائیں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور منصب رسالت

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کا ماخذ قرآن مجید ہے اور رسول
اللہ ﷺ کے احکام کا ماخذ احادیث ہیں اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کی تعلیم اور تفسیر کی ہے،
اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کر کے دکھایا ہے، اور قرآن مجید میں جن احکام کا اجمالی ذکر تھا ان کی تفصیل کی ہے اس لیے
رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہی عمل کرنا ہے۔

قرآن مجید نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن نماز کے اوقات کی تعیین اور اس کی شرائط کو نہیں بیان فرمایا اور نہ نماز کی
رکعات بیان کی ہیں اور نہ یہ بتایا ہے کہ ان رکعات میں کیا پڑھا جائے، اذان اور اقامت کے کلمات کا بیان نہیں کیا، کن
چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کیا چیزیں نماز کے منافی ہیں ان کو قرآن مجید نے بیان نہیں کیا یہ تمام چیزیں رسول اللہ ﷺ
نے بیان فرمائی ہیں۔

قرآن مجید نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ مل کی کن اقسام سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور
کن سے ادا نہیں کی جائے گی اور مل کی مختلف اقسام میں سے کن اقسام کا کیا کیا نصاب ہے، کتنی مدت کے بعد زکوٰۃ کا ادا
کرنا ضروری ہے، اور کس کا مل ادائیگی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے، روزہ کا حکم فرمایا ہے لیکن کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے
اور کن سے نہیں ٹوٹتا، کس چیز میں قضا ہے اور کس چیز میں کفارہ ہے یہ بیان نہیں فرمایا، حج کے ارکان اور شرائط، اور اس
کے مفادات کا بیان نہیں فرمایا حتیٰ کہ قرآن مجید میں یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن ادا کیا جائے گا، قربانی کا ذکر فرمایا ہے
لیکن قربانی کے جانوروں کی اقسام اور ان کی عمروں کو بیان نہیں فرمایا، حج زندگی میں ایک بار فرض ہے یا ہر سال فرض ہے، حج
اور عمرہ میں ارکان اور شرائط کے لحاظ سے کیا فرق ہے، چور کے ہاتھ کاٹنے کا کیا نصاب ہے، اس کا ہاتھ کھل سے کاٹا جائے گا

کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل ہے اور کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل نہیں ہے، حد قذف اور حد زنا میں جو کوڑے لگائے جائیں گے ان کی کیا کیفیت ہونی چاہئے، شراب کی حرمت کا ذکر ہے لیکن کس چیز سے بنے ہوئے مشروب کو خمر کہا جاتا ہے اور خمر کی حد کیا ہے، خمر کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی سزا کیا ہے، غیر مسلوں کے ساتھ جملہ کا ذکر ہے، اور جزیہ لینے کا بھی ذکر ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ جزیہ کی رقم کتنی ہوگی اور کتنی مدت میں واجب الادا ہوگی، جب کفار کے خلاف جملہ کیا جائے تو کافروں میں سے کس کس کو قتل کرنے سے احتراز کیا جائے گا، یہ اور ایسی بہت سی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کا بیان رسول اللہ ﷺ پر چھوڑ دیا اور فرمایا اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، نبی ﷺ کے اس منصب کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
إِلَيْهِمْ (النحل : ۱۰۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتادیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔
رسول اللہ ﷺ نے بعض پاک چیزوں کو حلال کیا اور بعض ناپاک چیزوں کو حرام کیا، قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا، دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا ہے، جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے اس کو حرام کیا ہے، بغیر ذبح کے مچھلی اور نڈی کو حلال فرمایا، کبھی اور تلی کے خون کو حلال فرمایا ہے اور اس میں سے کسی کا بھی ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، البتہ قرآن مجید نے منصب رسالت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَيَجْلُ لَّهُمُ الظَّيِّبَتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ
(الاعراف : ۱۵۷)

وہ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔
اسی طرح قرآن مجید نے بعض چیزوں کا عمومی حکم بیان فرمایا لیکن نبی ﷺ نے ان میں سے بعض چیزوں کے استثنیٰ کا بیان فرمایا مثلاً قرآن مجید میں حکم ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے :

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا
مَوْقُوتًا (النساء : ۱۰۳)

بے شک مومنوں پر نماز وقت مقرر پر کیا ہوا فریضہ ہے۔
اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے، لیکن نبی ﷺ نے عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا، اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں پڑھا، اس سے معلوم ہوا کہ عرفات اور مزدلفہ میں یہ دو نمازیں اس عام حکم اور قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی اور بھی نظائر ہیں، حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی ایک گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دینا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیات فاطمہ میں دو سرائکاح کرنے سے منع فرمانا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، ازولج مطہرات اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو وارث نہ بنانا، ان خصوصی احکام کے ذریعہ نبی ﷺ نے ان حضرات کو قرآن مجید کے عام حکم سے مستثنیٰ فرمادیا اور زمانہ امن کے سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے، حالانکہ قرآن مجید نے زمانہ جنگ کے سفر میں نماز کو قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید کے کسی حکم کی تفصیل اور اس کی ادائیگی کی شکل و صورت بیان فرمائیں یا کسی چیز کے شرعاً حلال یا حرام ہونے کو بیان فرمائیں یا قرآن مجید کے کسی عام حکم سے کسی فرد یا کسی چیز کا استثنیٰ بیان فرمائیں ان

تمام امور میں نبی ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور یہی آپ کا منصب رسالت ہے، آپ صرف احکام پہنچانے والے نہیں ہیں بلکہ احکام دینے والے بھی ہیں اور احکام پہنچانے والے بھی ہیں۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ

اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور

وَالْأَرْضُ لَا تُعَدُّ لِّلْمُتَّقِينَ ۝ ۱۳۳ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرِّ

زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ۝ جو لوگ خوشالی اور تنگ دستی میں خری

وَالصَّرَّاءِ ۝ وَالْكَاطِبِينَ ۝ الْغِيْطِ ۝ وَالْعَافِينَ ۝ عَنِ النَّاسِ ۝ وَاللَّهُ

کرتے ہیں اور جو غفہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ۱۳۴ ۝ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا

نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ۝ اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم

أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرِ

کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون

الذُّنُوبِ إِلَّا اللَّهُ ۝ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ ۱۳۵

گناہوں کو بخشتا ہے، اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا ۝

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن

ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۝ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ۝ ۱۳۶

نیچے دریا بہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے ۝

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کھانے سے منع فرمایا تھا، اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا کے مل اور اس کی

زینت کی طرف رغبت نہ کی جائے، کیونکہ جب انسان دنیا کی رنگینوں میں رغبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی

پس فوراً اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی، اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی اور اس کی جنت کی طرف جلدی کرو، اور دنیا کی رعینوں اور اس کے مل و متاع میں رغبت نہ کرو، اور اگر اللہ کی راہ میں تم قتل کیے جاؤ یا تمہاری اولاد قتل کی جائے یا تم زخمی ہو تو تم اس پر صبر کرو اور اگر تم کسی کے ساتھ احسان کرو اور نیک سلوک کرو اور وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم اپنا غصہ ضبط کر لو اور اس کو معاف کرو بلکہ اس کے ساتھ احسان کرو، جس طرح کفار نے جنگ احد میں نبی ﷺ کے محبوب چچا کو شہید کیا اور فتح مکہ کے موقع پر جب وہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے جب وہ مغلوب تھے اور نبی ﷺ ان سے بدلہ لینے پر ہر طرح قدار تھے، تو آپ نے غصہ ضبط کیا، ان کو معاف کر دیا اور ان سب کو آزاد کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو۔ (آل عمران : ۱۳۳)

مغفرت اور جنت کے حصول کا ذریعہ

اس آیت کا معنی ہے : اس چیز کی طرف جلدی کرو جس سے تمہیں اپنے رب کی مغفرت حاصل ہو اور رب کی مغفرت اس کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہنے سے حاصل ہوتی ہے، امام رازی نے لکھا ہے مفسرین نے اس کی کئی تفسیریں کی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ہے اسلام کی طرف جلدی کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کا ذریعہ ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد اخلاص ہے، ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد ہجرت ہے، ضحاک نے کہا جہاد ہے، سعید بن جبیر نے کہا تکبیرہ اولیٰ ہے، عکرمہ نے کہا تمام عبادات ہیں، ائمہ نے کہا توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۳)

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کے تمام طبقات کو پھیلا دیا جائے تو وہ جنت کا عرض ہو گا اور جس کے عرض کی اس قدر وسعت ہے اس کے طول کا کیا عالم ہو گا! اس کی مثل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بطا ئنھا من استبرق (الر حمن : ۵۳) ”جنت کے تکیوں کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔“ اور استر بیرونی غلاف سے کم خوب صورت ہوتا ہے تو جن تکیوں کا استر استبرق کا ہے ان تکیوں کے بیرونی غلاف کی خوبصورتی کا کیا عالم ہو گا، سو اسی طرح یہ آیت کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کو پھیلا دیا جائے تو جنت کا عرض ہے، اور جس کا عرض اتنا وسیع ہے اس کے طول کا کیا عالم ہو گا۔“ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۱-۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یحییٰ بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میری محض میں ہر قل کے قاصد سے ملاقات ہوئی وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہر قل کا مکتوب لے کر گیا تھا، میں نے کہا آپ اس جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کا عرض سات آسمان اور زمینیں ہیں تو پھر دن ختم کمال ہے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ جب رات آتی ہے تو دن کمال ہوتا ہے؟ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب فکد گردش کرتا ہے تو دنیا کی ایک جانب دن ہوتا ہے اور دوسری جانب رات ہوتی ہے، اسی طرح جنت سات آسمانوں کے اوپر ایک جانب بلندی میں ہے اور دوزخ سات زمیوں کے نیچے ہستی کی جانب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۳۴)

خوشحالی اور تنگ دستی کے علاوہ سراء اور ضراء کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی آسانی اور مشکل ہے، دوسرا معنی صحت اور مرض ہے، تیسرا معنی زندگی اور موت کے بعد وصیت ہے، چوتھا معنی شادی اور طہی ہے، پانچواں معنی ہے اپنی اولاد اور قربات داروں پر خرچ کرنا اس سے خوشی ہوتی ہے اور دشمنوں پر خرچ کرنا جو کوئی خوشی کا باعث نہیں ہے، چھٹا معنی ہے ممانوں پر خرچ کرنا اور مصیبت زدہ لوگوں پر خرچ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیک کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران: ۳۴)

غصہ ضبط کرنے کا طریقہ اور اس کی فضیلت

غصہ ضبط کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ کسی غصہ دلانے والی بات پر خاموش ہو جائے اور غیظ و غضب کے اظہار اور ہرجا دینے اور انتقام لینے کی قدرت کے بلوجود صبر و سکون کے ساتھ رہے۔ نبی ﷺ نے غصہ ضبط کرنے اور جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے طریقوں کی ہدایت دی ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحسب متونی ۵۷۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی نبی ﷺ کے سامنے لڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص بہت شدید غصہ میں تھا اور یوں لگتا تھا کہ غصہ سے اس کی ناک پھٹ جائے گی، نبی ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ وہ کلمہ پڑھ لے گا تو اس کا غضب جاتا رہے گا، حضرت معاذ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہ اللہم انی اعوذ بک من الشیطن الرجیم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غصہ ہو اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، پھر اگر اس کا غصہ دور ہو جائے تو فہماور نہ پھر وہ لیٹ جائے۔

عطیہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غضب شیطان (کے اثر) سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کر لے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۳-۳۰۴، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور)

غصہ ضبط کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں، امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متونی ۳۱۰ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غصہ ضبط کر لیا حالانکہ وہ اس کے اظہار پر قادر تھا، اللہ تعالیٰ اس کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متونی ۵۷۷ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غصہ کو ضبط کر لیا بلو جو دیکھ وہ اس کے

سید پر کلور تھا اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اس کو اختیار دے گا وہ جس حور کو چاہے لے لے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے نزدیک پہلوانی کا کیا معیار ہے؟ صحابہ نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑے اور اس کو کوئی نہ پچھاڑ سکے، آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۳، مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے غصہ کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے عذاب کو دور کر دے گا، اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبدالسلام بن ہاشم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

اور غصہ نہ کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں، حافظ البیہقی بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ مجھے اللہ عز و جل کے غضب سے کیا چیز دور کر سکتی ہے؟ فرمایا تم غصہ نہ کرو، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابن ایسہ ضعیف ہے اور بقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم غصہ نہ کرو تو تمہارے لیے جنت ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے، اور معجم کبیر کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۰-۶۹، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

معاف کرنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوری : ۳۷)

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ

فَاجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری : ۳۹)

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

(الشوری : ۴۳)

کاموں میں سے ہے۔

اور جب وہ غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے، پھر جس نے معاف کر

دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے

لام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بے حیائی کی باتیں طبعاً کرتے تھے نہ "تکلفاً" اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے، اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ پر جو زیادتی بھی کی گئی میں نے کبھی آپ کو اس زیادتی کا بدلہ

لیتے ہوئے نہیں دیکھا بہ شرطیکہ اللہ کی حدود نہ پامال کی جائیں اور جب اللہ کی حد پامال کی جاتی تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب فرماتے، اور آپ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے، رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا، ہاں اگر اللہ کی حدود پامال کی جائیں تو آپ ان کا انتقام لیتے تھے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۴، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا، میں نے ابتداً "آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے فضیلت والے اعمال بتائیے، آپ نے فرمایا : اے عقبہ، جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے، اس کو عطا کرو، اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی باندی ایک پیالہ لے کر آئی جس میں گرم گرم سالن تھا، ان کے پاس اس وقت مہمان بیٹھے ہوئے تھے، وہ باندی لڑکھائی اور ان پر وہ شور باگڑ گیا، میمون نے اس باندی کو مارنے کا ارادہ کیا، تو باندی نے کہا اے میرے آقا، اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل کیجئے، والکاظمین الغیظ، میمون نے کہا میں نے اس پر عمل کر لیا (غصہ ضبط کر لیا) اس نے کہا اس کے بعد کی آیت پر عمل کیجئے والعافین عن الناس میمون نے کہا میں نے تمہیں معاف کر دیا، باندی نے اس پر اس حصہ کی تلاوت کی : "واللہ یحب المحسنین میمون نے کہا میں تمہارے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں اور تم کو آزاد کر دیتا ہوں۔

(المجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۷، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

نیز علامہ قرطبی نے امام مبارک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ عز و جل کے سامنے ایک منادی ندا کرے گا جس نے اللہ کے پاس کوئی بھی نیکی بھیجی ہو وہ آگے بڑھے تو صرف وہ شخص آگے بڑھے گا جس نے کسی کی خطا معاف کی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا، یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

کلمہ پر نادم ہونے والے اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کی نوید
ﷺ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں :

صلوات نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابو مقبل نہبان کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی ہے،
ان کے پاس ایک حسین عورت آئی انہوں نے اس کو کھجور فروخت کی، وہ اس سے پٹ گئے اور اس کا بوسہ لے لیا، پھر اس
فعل پر نادم ہوئے تو نبی ﷺ کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کے شان
نزل میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ثقفی صحابی کسی غزوہ میں گئے اور اپنے ایک انصاری دوست کو گھر کی حفاظت کے لیے
چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس ثقفی کی لمانت میں خیانت کی وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے، اس کی عورت نے مدافعت کی تو
انہوں نے اس کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا، پھر نادم ہوئے اور روتے چیختے ہوئے جنگل میں چلے گئے، جب وہ ثقفی واپس آیا تو
اس کی بیوی نے اس کو خبر دی، وہ اس کو ڈھونڈنے نکلا، اور اس کو تلاش کر کے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے
پاس لے گیا کہ وہ شاید اس کی نجات کی کوئی صورت نکالیں، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس گیا اور اپنے اس فعل کی خبر دی اس
وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس آیت سے عموم مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۰-۲۰۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث خود سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے
مجھے اس حدیث سے نفع پہنچاتا ہے، اور جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص مجھے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس
سے اس حدیث پر حلف طلب کرتا ہوں، اور جب وہ حلف اٹھالیتا ہے تو میں اس کی تصدیق کردیتا ہوں اور مجھ سے حضرت
ابو بکر نے یہ حدیث بیان کی اور حضرت ابو بکر نے سچ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی کوئی گناہ کرے، پھر وہ اچھی
طرح وضو کرے، پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے، پھر حضرت
ابو بکر نے یہ آیت پڑھی والذین اذا فعلوا فاحشة الخ

اس حدیث کو امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام احمد، امام نسائی، امام ابن جریر اور امام واحدی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا : یا رسول اللہ! بنو اسرائیل اللہ کے نزدیک ہم سے
بہت زیادہ مکرم تھے کہ صبح کو ان کے اس گناہ کا کفارہ ان کے دروازہ کی چوکھٹ پر لکھا ہوا ہوتا تھا۔ ”تم اپنا کلن کٹ لو، تم اپنی
ٹاک کٹ لو“ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تب یہ آیات نازل ہوئیں : اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف
جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں، جو حقیقین کے لیے تیار کی گئی ہے (ال قولہ) اور جن لوگوں نے جب کوئی
بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں
کو بخشے گا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ پھر آپ نے ان آیات کو پڑھا۔

طہریت بتلنی روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رویا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۶۳-۶۲، مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قسری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا : ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ پھر دوبارہ وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب میرا گناہ معاف کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے : میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے، اور وہ بندہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرے گناہ کو معاف کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے، تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی، رلوی نے کہا مجھے یاد نہیں آپ نے تیسری یا چوتھی بار فرمایا تھا جو چاہو کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵۷ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں تم جو چاہو کرو۔ اس میں صرف یہ لفظ ہیں، میں نے اس کی مغفرت کر دی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸-۸۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطلح کراچی ۱۴۵۸ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سو بار یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے، اور اگر تمام گناہوں کے بعد توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷، مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

علامہ قرطبی نے منہم میں لکھا ہے یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدے اور اللہ کے عظیم فضل، اس کی رحمت کی وسعت، اس کے حلم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے لیکن بندہ کا زبان سے استغفار کرنا اس کے دل کے ساتھ مقرون ہونا چاہئے تاکہ اصرار کی گرہ کھل جائے اور اس کے ساتھ بندہ کو اس گناہ پر تلوم بھی ہونا چاہئے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ ”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد توبہ کرے۔“ اس کا معنی یہ ہے کہ جس سے بار بار گناہ ہو وہ بار بار توبہ کرے اور جب بھی اس سے کوئی گناہ ہو جائے وہ توبہ کر لے، اور ایسا نہ ہو کہ وہ زبان سے توبہ کرے اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو، کیونکہ ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتج ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابن ابی الدنیاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ”گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو، اور جو شخص گناہ سے توبہ کر رہا ہو حالانکہ وہ اس گناہ پر قائم ہو وہ گویا اپنے رب سے مذاق کر رہا ہے“ رائج یہ ہے کہ حدیث کا دوسرا حصہ موقوف ہے (یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے) اور حدیث کے پہلے حصہ کو امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے، علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ بار بار گناہ کرنا ہر چند کہ برا کام ہے، لیکن جب اس کے ساتھ توبہ مقرون ہو تو یہ نیک کام ہے کیونکہ وہ کریم سے گڑگڑا کر معافی مانگ رہا ہے، چونکہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بخشش والا نہیں ہے، اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے تم جو چاہو کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سیدی مہدی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں :

کچھ مسلم کی حدیث میں ہے ”جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے“ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بہ طور اعزاز اور کرام ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

أَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنِيْنَ (الحجر : ۴۶) (متقین سے کہا جائے گا) تم جنتوں میں سلامتی اور بے خونی

کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کرنے والے شخص کو یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دیا ہے اور وہ مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رہے گا، اور پہلی صورت میں جب یہ حکم بہ طور اعزاز اور اکرام ہو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر کام مباح کر دیا ہے وہ جو چاہے کرے، اور اب اس کا معنی یہ ہو گا کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا، علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ یہ کلام (جو چاہو کرو) کبھی بہ طور اظہار غضب ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے :

اَعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (کفار سے فرمایا) جو چاہو کئے جاؤ بے شک وہ تمہارے سب

(فصلت : ۴۰) کام خوب دیکھنے والا ہے۔

اور کبھی اظہار لطف کے لیے کہا جاتا ہے جیسے نبی ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا تحقیق اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا اے اہل بدر جو چاہو کرو بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۲) اور دونوں صورتوں میں اس کلام کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم کو ہر قسم کے کام کی رخصت دے دی ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز۔

(مکمل اکمل الاکمل ج ۹ ص ۱۷۲-۱۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے، جو جب نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب برے کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : چار شخص جنت کے پاکیزہ باغوں میں ہوں گے، جو شخص لا الہ الا اللہ پر مضبوط اعتقاد رکھے اور اس میں شک نہ کرے، اور جو شخص جب نیک کام کرے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور وہ شخص جو جب برا کام کرے تو غمگین ہو اور اللہ سے استغفار کرے اور وہ شخص جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو کہے : انا لله وانا اليه راجعون (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۷۲-۳۷۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب کوئی بندہ گناہ کر کے غمگین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے خواہ وہ استغفار نہ کرے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

توبہ کا معنی ہے گناہ پر غم ہونا، دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا اور اس گناہ کی تلافی کرنا، اور اس کا سب سے بڑا جز گناہ پر غم ہونا ہے تو جو شخص گناہ کرنے کے بعد غمگین ہو اور گویا تائب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا رشتہ ہے : اور انہوں نے دانتہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

گناہوں پر اصرار کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

اصرار کا معنی ہے گناہ کو پختہ اور مضبوط کرنا اور گناہ کو ترک نہ کرنا اور اس کے ترک سے باز رہنا اصل میں یہ لفظ صر سے بنا ہے جس کا معنی ہے باندھنا صرہ اس قبیل کی کہتے ہیں جس میں دراہم رکھ کر گرہ لگادی جاتی ہے۔
(المفردات ص ۲۷۹ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۳۳ھ)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قلوہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا تم لوگ گناہوں پر اصرار کرنے سے باز رہو، کیونکہ ماضی میں گناہوں پر اصرار کرنے والے ہلاک ہو گئے ان کو خدا کا خوف حرام کے ارتکاب سے نہیں روکتا تھا، اور وہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتے تھے، حتیٰ کہ انہیں اسی گناہ پر موت آ جاتی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۶۳-۶۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۰۹ھ)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۳۳ مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ گناہ پر برقرار رہنا اور اس پر توبہ نہ کرنا اس گناہ پر اصرار ہے، اور اگر بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کر لے تو یہ گناہ کا تکرار ہے اصرار نہیں ہے، علماء نے کہا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے، مجھ سے ایک مرتبہ ایک فاضل دوست نے پوچھا گناہ پر اصرار کرنا بھی تو اسی درجہ کی معصیت ہے۔ یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو جاتا ہے، میں نے کہا گناہ صغیرہ پر توبہ نہ کرنا، اس گناہ کو معمولی سمجھنا ہے، اور کسی گناہ کو معمولی سمجھنا ہی کبیرہ گناہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ توبہ کرنا فرض ہے اور فرض کا ترک گناہ کبیرہ ہے اس لیے گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کام کے کرنے پر دل سے عزم کرنا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کو ترک کرنا، یہ اصرار ہے، سہل بن عبد اللہ تستری نے کہا جاہل، مردہ ہے، اور بھولنے والا سویا ہوا ہے، اور گنہ گار نشہ میں مدہوش ہے، اور اصرار کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے، اور اصرار یہ ہے کہ وہ شخص یہ کہے کہ میں کل توبہ کروں گا، اور یہ اس کے نفس کا دعویٰ ہے۔ وہ کل کا کب مالک ہے تو وہ کل کیسے توبہ کرے گا، دوسرے علماء نے کہا اصرار یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے کی نیت کرے اور جب اس نے توبہ کر لی تو وہ اصرار سے نکل گیا اور سہل کا قول عمدہ ہے۔

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے کا باعث اور اصرار کی گرہ کھولنے کا محرک، اللہ کی کتاب میں دامن غور و فکر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک اور اطاعت شعار لوگوں کے لیے جن انعامات کا ذکر کیا ہے اور برے اور نافرمان لوگوں کے لیے جس عذاب کا ذکر کیا ہے اس میں تدبیر کرنا ہے اور جب انسان ہمیشہ اس طرح غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کا شوق بہت قوی ہو جاتا ہے، اور پھر اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے۔

توبہ کی تعریف، ارکان اور شرائط

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ اس کو معلوت دیتا ہے وہ گناہ کی برائی اور اس کے ضرر پر متنبہ ہو جاتا ہے اور یہی تنبیہ توبہ کا باعث ہے۔
یہ گناہ گناہ میاں ہر ہے جس کے ضرر سے دنیا اور آخرت کی معلوت ضائع ہو جاتی ہے اور وہ دنیا میں اللہ کی معرفت سے محروم ہو جاتا ہے۔ گناہ گار اللہ کے حق ضائع کرنے پر تائب ہو گیا مخلوق کے حق کو ضائع کرنے پر توبہ کرے گا اللہ کے حق کو ضائع کرنے کی توبہ یہ ہے کہ وہ آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک کر دے اور اس کی جو قضا اور کفارہ مشروع ہے اس کو ادا کرے اور مخلوق کا حق ضائع کرنے پر توبہ یہ ہے کہ وہ مستحق کو اس کا حق ادا کرے ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے نجات نہیں پائے گا۔ اگر وہ پوری کوشش کرنے کے بعد بھی اس حق کو ادا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید رکھے، عبد اللہ بن المبارک نے یہ کہا کہ توبہ کی شرائط یہ ہیں کیے ہوئے کام پر ندامت ہو، آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو، حق واپس کرے، اور جو فرائض رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حرام مل کھانے سے جو بدن بن گیا ہے اسے غم اور فکر سے گھلا دے حتیٰ کہ دوبارہ اس کے جسم پر پاکیزہ گوشت پیدا ہو جائے اور اپنے نفس کو اطاعت کی مشقت کا اس طرح مزہ چکھائے جس طرح اس نے معصیت کی لذت کا مزہ چکھا تھا، جن علماء نے توبہ کی تفسیر ندامت سے کی ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ ندامت توبہ ہے اور درحقیقت ندامت توبہ کا رکن اعظم ہے، بعض علماء نے توبہ کی شرائط میں مزید اضافہ کیا ہے کہ وہ اس جگہ سے چلا جائے جہاں گناہ کیا تھا، اور آخر عمر تک اس جگہ دوبارہ نہ جائے، اور دوبارہ وہ گناہ نہ کرے ورنہ اس کی توبہ باطل ہو جائے گی، پہلی اور دوسری شرط مستحب ہے اور آخری شرط باطل ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ بندہ بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۰۳-۱۰۴، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

کیا گناہوں کو معین کر کے توبہ کرنا ضروری ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور انہوں نے ان کاموں پر اصرار نہیں کیا درآں حالیکہ وہ جانتے ہیں، اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں اور ان پر توبہ کرتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں اصرار پر سزا دیتا ہوں، تیسرا قول یہ ہے کہ گناہ گاروں کو یہ علم ہے کہ میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں، چوتھا قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ گناہ پر اصرار کرنا ان کے لیے باعث ضرر ہے اور اصرار کو ترک کرنا نفع کا سبب ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ ان کا رب ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

انسان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے گناہ کو یاد کرے اور بعینہ اس گناہ کی معافی مانگے البتہ یہ ضروری ہے کہ جب اسے کوئی گناہ یاد آئے تو فوراً اس گناہ سے توبہ کر لے، اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شراب کے ہر ہر گھونٹ پر معافی مانگے، اور بدکاری کی ہر ہر حرکت پر معافی مانگے اور کسی حرام کام کے لیے جتنے قدم چلے ہیں تو ہر قدم پر معافی مانگے اور جتنا وقت کسی حرام کام میں صرف ہوا ہے تو ہر منٹ اور ہر سیکنڈ کی معافی مانگے، بلکہ اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جب کوئی گناہ کرے تو فوراً اس گناہ کی معافی مانگ لے اور اگر اس وقت غافل ہو گیا تو جب اسے وہ گناہ یاد آیا اس وقت اس کی معافی مانگ لے اور مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے، انسان کے لیے معین خطا پر توبہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ فی بعض خطوں پر معافی مانگنا کافی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے امت کی تعلیم اور تلقین کے لیے اسی قسم کی دعا کی

ہے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! میری خطا اور جہالت کو معاف فرما اور تمام کاموں میں میرے حد سے تجاوز کرنے کو معاف فرما اور میری جن خطاؤں کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے ان کو معاف فرما اے اللہ! میں نے جو گناہ غلطی سے کیے ان کو معاف فرما اور جو گناہ عدا اور جہلا اور مذاقا کیے ان کو معاف فرما اور ہر وہ گناہ جو میرے نزدیک ہے اے اللہ! میرے ان گناہوں کو معاف فرما جو میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپ کر کئے اور جو ظاہر کیے تو مقدم کرنے والا ہے اور تو موخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳-۹۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

گناہ پر توبہ کرنے کی بحث کو ہم اس حدیث پر ختم کر رہے ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم خطاکار ہے اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۳ ص ۶۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ امام دارمی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے۔

(آل عمران : ۱۳۶)

یعنی جن لوگوں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس گناہ پر فوراً توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور عدا اس گناہ پر اصرار نہیں کرتے ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو معافی حاصل ہوتی ہے اور انہوں نے جو نیک کام کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکوں پر اپنے فضل سے ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کے لیے یہ کیا خوب جزا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

بیشک تم سے پہلے (قانون قدرت کے) طریقے گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو (کہ پیغمبروں کو) جھٹلانے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى

والوں کا کیسا برا انجام ہوا ○ یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متیقن کے

وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ

لیے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن

الْأَعْلُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ يُمْسِكْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

ہو تو تم ہی غالب رہو گے ○ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالفت لوگ

مَشَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ

بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں ○ اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی جنگی اور کشادگی) کو گردش

النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۚ

دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کرے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبہ شہادت دے

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور اللہ ظالم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کرے اور

وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی

يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمُ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ

اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا ○ تم تو موت

كُنْتُمْ تَمُنُّونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ ۚ

کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ

أَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾

تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ○

ربط آیات

اس سے پہلے مسلمانوں کی وہ لغزشیں بیان فرمائیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی تھی اور آئندہ کے لیے اس قسم کے کاموں سے منع فرمایا تھا اور ایسے کاموں کی ترغیب دی تھی جن کے کرنے سے مسلمان اپنی شہادت کے جوہر دکھائیں اور جہلوں میں کافروں کے خلاف فتح حاصل کریں اب اس سلسلہ میں مزید ہدایت دینے کے لیے یہ ہے جو لوگ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک اور شبہات کا شکار ہیں وہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیں کہ جن لوگوں

نے گزشتہ زمانوں میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی وہ کس طرح عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور اب بھی مختلف علاقوں میں ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور معصیت سے توبہ کرنے والوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ کچھ امتوں میں سے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے احوال اور آثار کا مشاہدہ کرو تاکہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی معصیت سے بچنے کی مزید ترغیب اور تحریک ہو۔

قرآن مجید میں سنت کا مفہوم

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم سے کچھ امتوں میں اللہ کی اطاعت کرنے سے انحراف کرنے والوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے متعلق اللہ کا طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ کافروں اور مکذوبوں پر کس طرح عذاب نازل کرتا رہا ہے اس لیے تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسول کی تکذیب سے باز رہو کیسے ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی یہ عذاب آجائے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں تم سے پہلے سنتیں گزر چکی ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا، ”سنن“ سنت کی جمع ہے سنت کا معنی ہے طریقہ اور عادت اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے، اگر ایک قوم اللہ کو مان لیتی ہے اور اس کے رسول کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو دنیا میں سرخرو اور کامیاب کرتا ہے اور اس کے برعکس جو قوم اللہ کو نہیں مانتی اور اس کے رسول کی تکذیب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب بھیج کر اس کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے، اس سنت کے مظاہر علو، ثمود، اہل مدین اور قوم لوط وغیرہ کے آثار کی شکل میں موجود تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی مظاہر کو یہاں ”سنن“ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اس مفہوم میں یہ لفظ قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے :

جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے متعلق اللہ کا طریقہ۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ

(الاحزاب : ۳۸)

سو وہ صرف پہلے لوگوں کے طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں تو

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ يَجِدَ

لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (فاطر : ۴۳)

آپ اللہ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے۔

یہ وہ طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور وہاں

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ

هَذَا لِكَ الْكَافِرُونَ (المؤمن : ۸۵)

کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔

قرآن مجید میں سنت اللہ کا لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ سنت کا

لغوی اور اصطلاحی معنی بھی بیان کر دیں۔

سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متونی ۵۵۰۲ لکھتے ہیں :

سنت کا معنی ہے طریقہ، سنت النبی کا معنی ہے نبی ﷺ کا وہ طریقہ جس کا آپ قصد کرتے تھے اور سنت اللہ کا معنی

ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ جیسے فرمایا سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ جیسے

ملاؤں بعد لسنة اللہ تبدیلا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ ہر چند کہ صورتہ مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کی فرض خصوصیت مختلف نہیں ہے اور وہ تبدیل نہیں ہوتی اور وہ نفس کو پاکیزہ کرنا اور اس کو اللہ کے قرب اور اس کے ثواب کے قائل بنانا ہے۔ (المفردات ص ۲۳۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے اور شریعت میں اس سے مراد ہے جس چیز کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا، یا جس قول اور فعل کو مستحب قرار دیا ہو، اور قرآن مجید میں ان امور کا ذکر نہ آیا ہو، اسی لیے دلائل شرع میں قرآن اور سنت کا ذکر کیا جاتا ہے، حدیث میں ہے میں بھول جاتا ہوں تاکہ میں اس کو سنت کر دوں، یعنی مجھ پر اس لیے نسیان طاری کیا جاتا ہے کہ میں لوگوں کو طریق مستقیم کی طرف لاؤں اور ان کو یہ بیان کروں کہ جب ان کو نسیان عارض ہو تو وہ کس طرح عمل کریں۔ (نمایہ ج ۲ ص ۳۱۰-۳۰۹، مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران ۱۳۶۳ھ)

علامہ میرسید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے طریقہ خواہ پسندیدہ طریقہ ہو یا غیر پسندیدہ، اور شریعت میں اس کا معنی ہے وہ طریقہ جو دین میں مقرر کیا گیا ہے، جو فرض ہے نہ واجب، لہذا سنت وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے دامن عمل کیا ہو اور کبھی ترک بھی کیا ہو، اور اگر یہ دوام بہ طور عبادت ہو تو سنن حلی کی قسم ہے اور اگر یہ دوام بہ طور علوت ہو تو یہ سنن زوائد کی قسم سے ہے، سنت حلی وہ سنت ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کے لیے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اسماۃت ہو، اور سنت زائدہ وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا نیکی ہو اور اس کے ترک سے کراہت یا اسماۃت کا تعلق نہ ہو، جیسے کھڑے ہونے، بیٹھنے، لباس پہننے اور کھانے میں نبی ﷺ کی سنتیں ہیں۔

نیز علامہ میرسید شریف لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے علوت اور شریعت میں نبی ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کو سنت کہتے ہیں اور جن کاموں پر نبی ﷺ نے بلاوجہ دوام کیا ہو ان کو بھی سنت کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں، سنن حلی اور سنن زوائد، سنت حلی جیسے اذان اور اقامت ان کو سنت موكده بھی کہتے ہیں، ان کا حکم واجب کی طرح ہے اور واجب کی طرح اس پر عمل کا مطالبہ کیا جائے گا، مگر واجب کا تارک سزا کا مستحق ہے اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے، اور سنن زوائد جیسے اکیلے آدمی کا اذان دینا اور مسواک کرنا اور وہ افعال جو نماز اور غیر نماز میں معروف ہیں اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے۔

(التعریفات ص ۵۳-۵۴، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ میرسید شریف نے سنت زائدہ کی جو پہلے تعریف لکھی ہے وہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

(آل عمران : ۱۳۸)

اس آیت میں بیان، ہدایت اور نصیحت کا ذکر ہے، جس کلام سے کسی پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ کیا جائے اس کو بیان کہتے ہیں، اور جو کلام امور شرعیہ میں رہنمائی پر مشتمل ہو اس کو ہدایت کہتے ہیں، اور جو کلام کسی برے کام سے نصیحت کی تلقین پر مشتمل ہو اس کو نصیحت کہتے ہیں، اس آیت میں فرمایا ہے یہ کلام متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت

ہے، اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام سے ہدایت اور نصیحت متقین ہی حاصل کرتے ہیں اگرچہ یہ کلام تمام دنیا کے لیے پیش کیا گیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کی پیش کش دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس سے فائدہ متقین نے ہی اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

(آل عمران : ۱۳۹)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ پچھلی امتوں کے احوال پر غور کرو، سو جب تم کمزوری ہوئی امتوں کے احوال پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ بعض اوقات باطل قوتوں کو وقتی طور پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن انجام کار وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور حق پرست غالب آ جاتے ہیں۔ اس لیے اگر جنگ احد میں وقتی طور پر کفار مکہ کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو تم اس سے چنداں پریشان نہ ہو اور گھبراؤ مت بالآخر تم ہی کو غلبہ حاصل ہو گا، ”وہن“ کے معنی کمزوری ہیں اور اس آیت کا معنی ہے اور تم جہاد کرنے سے کمزوری نہ دکھاؤ اور ہمت نہ ہارو۔

مسلمانوں کے اعلیٰ اور غالب ہونے کے معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے، اس آیت میں غلبہ سے مراد مادی غلبہ ہے یا دلیل اور برہان کا غلبہ ہے یا مرتبہ کا غلبہ ہے، یعنی اگر تم ایمان کامل پر قائم رہے اور اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی اطاعت کرتے رہے تو کفار کے خلاف معرکہ آرائیوں میں تم ہی فتح یاب اور کامران ہو گے جیسا کہ جنگ احد کے بعد کی جنگوں میں مسلمان عہد رسالت میں مسلسل کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ پھر عہد صحابہ میں بھی مسلمان کفار کے خلاف جنگوں میں کامیاب ہوتے رہے حتیٰ کہ بنو امیہ کے دور میں تین براہِ ظہور میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ چکی تھی۔ لیکن بعد میں جب مسلمان تن آسانی، نعیش، باہمی لڑائیوں اور طوائف الملوکی کا شکار ہوئے اور ایمان کامل پر قائم رہنے کا معیار برقرار نہ رکھ سکے تو ان کو پھر اسی شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا جس کا اس سے پہلے جنگ احد میں سامنا کر چکے تھے، اور اس کا دوسرا معنی ہے دلیل اور برہان کا غلبہ، یعنی اگرچہ مادی اعتبار سے مسلمان کسی زمانہ میں مغلوب ہو جائیں جیسا کہ اب ہیں اور کفار غالب ہوں تب بھی مسلمانوں کا دین کفار کے باطل دینوں کے مقابلے میں دلیل اور برہان کے اعتبار سے غالب ہے اور دین اسلام کا ہر اصول معقولیت کے لحاظ سے کفار کے اصولوں سے برتر ہے۔ آج دنیا کے کافروں میں زیادہ عیسائی ہیں۔ پھر دہریے ہیں اور پھر بت پرست ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا خدائے واحد کا عقیدہ ان تمام عقائد پر دلیل کے اعتبار سے غالب ہے کیونکہ بتوں کا مستحق عبادت نہ ہونا بدیہی ہے، اور مطلقاً ”کسی پیدا کرنے والے کا نہ ہونا بھی بدایت“ باطل ہے اور تین خداؤں کا ہونا بھی باطل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور روح القدس دونوں مخلوق ہیں اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتی، یہودیوں اور عیسائیوں کے نبیوں کے معجزات اب دنیا میں موجود نہیں ہیں اور مسلمانوں کے نبی کا معجزہ اب بھی موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کتاب کی اصل زبان تک باقی نہیں رہی اور ان کی کتاب میں رد و بدل ہو گیا جب کہ مسلمانوں کے نبی کی کتاب من و عن اسی طرح موجود ہے اور انشاء اللہ قیامت تک موجود رہے گی، اسی طرح عبادات کے طریقوں، سیاست، معاشرت، اور زندگی کے باقی شعبوں میں مسلمانوں کے دین کے اصول باقی تمام ادیان سے افضل اور اعلیٰ ہیں، اور یہ مسلمانوں کے اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے، اگر کسی جنگ میں مسلمان

سب ہو جائیں اور کافر غالب ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان اعلیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم زخمی ہوئے ہو، تو تمہارے مخالف لوگ بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی جنگی اور کشمکش) کو گردش دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبہ شہادت دے اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (آل عمران : ۱۳۰)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کے زخمی ہونے، اور قتل ہونے سے تم کیونکر کمزوری دکھاؤ گے اور غم کھاؤ گے! اگر تم میں سے بعض زخمی ہوئے ہیں اور بعض قتل ہوئے ہیں تو جنگ بدر میں تمہارے دشمنوں کو اس سے زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ان کے بھی اسی قدر افراد قتل ہوئے تھے اور اس سے زیادہ زخمی ہوئے تھے اور جنگ تو کونوں کے ڈول کی طرح ہے۔ کبھی ایک کے ہاتھ آتی ہے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ۔ ایک دن تمہارا ہے، ایک دن ان کا ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی دن حق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی دن (بظاہر) باطل کا، اور حق اور باطل کے درمیان اسی طرح ایام گردش کرتے رہتے ہیں اور اسی گردش ایام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ظاہر فرماتا ہے اور مسلمانوں کو کافروں سے چھٹ کر الگ کر دیتا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں شہادت کے لیے تیار کر دیتا ہے جو اللہ کے لیے اپنی جان اور مال کو نچھلور کر دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ شہداء کو موت کے بعد حیات عطا فرماتا ہے اور شہداء کو رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ رکھا ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

شہید کی تعریف، اس کا شرعی حکم اور اس کی وجہ تسمیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مرتبہ شہادت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے، اور فرمایا ہے تاکہ تم میں سے بعض مومنوں کو شہداء بنادے۔ شہداء، شہید کی جمع ہے۔ شہید اس مسلمان کو کہتے ہیں جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے، یا جس مسلمان کو ظلماً "قتل کیا جائے" ان دونوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ اسی حادثہ میں جل جہنم ہو جائیں اور کسی علاج اور دوا دارو کی نوبت نہ آئے تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن غسل نہیں دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا ان کو اسی طرح دفن کر دیا جائے گا، اور اگر یہ معرکہ کارزار سے زخمی ہو کر آئیں اور علاج کے بعد جل جہنم ہو جائیں تو پھر ان کو غسل دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا پھر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو دفن کر دیا جائے گا، اور جو مسلمان کسی طرح بھی غیر طبعی طریقہ سے جل جہنم ہو جائے خواہ جل کر، ڈوب کر، کسی بھی حادثہ میں، یا وہ مسلمان کسی نیک کام کرتے ہوئے یا کسی نیکی کے سلسلہ میں طبعی طور پر فوت ہو یا کسی بیماری میں فوت ہو تو وہ بھی احادیث کی روشنی میں شہید ہے۔ اس کو شہادت کا اجر ملے گا لیکن اس کی تجنیز و تکلیفیں عام مسلمانوں کے طریقہ سے ہوگی۔

اللہ کی راہ میں مرنے والے کو حسب ذیل وجوہ سے شہید کہا جاتا ہے :

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جنت کی شہادت دی ہے۔

(۲) قیامت کے دن وہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ گواہی کے لیے طلب کیے جائیں گے۔

(۳) جس طرح کافر مرتے ہی دوزخ میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح شہید قتل ہوتے ہی جنت میں شہید (حاضر) ہو جاتا ہے یا قتل ہوتے ہی اس کے سامنے جنت پیش کر دی جاتی ہے۔

شہید زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح جنت میں شہید اور موجود ہوتی ہے، جبکہ دوسرے مسلمانوں کی ارواح قیامت کے

دن جنت میں موجود ہوں گی۔

(۵) اس کی روح جسم سے نکلے ہی اس اجر و ثواب پر شہید ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(۶) شہادت کے وقت رحمت کے فرشتے اس کے پاس موجود ہوتے ہیں جو اس کی روح کو لے جاتے ہیں۔

(۷) شہید کا شہید ہونا اس کے ایمان کے صحیح ہونے اور اس کے خاتمہ بالخیر پر شہادت دیتا ہے۔

(۸) شہید کے شہید ہونے پر اس کا خون اور اس کے زخم شہید اور گواہ ہوتے ہیں۔

شرح صحیح مسلم جلد خامس کے اخیر میں ہم نے حکمی شہادت کی پینتالیس قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں اور شہادت کے دیگر علمی مباحث بھی بیان کئے ہیں، شہادت کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کا بیان وہاں طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس کو ہم انشاء اللہ آل عمران : ۲۹ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔

(آل عمران : ۱۳۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ”لیمحص“ اور کافروں کے لیے ”یمحق“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے، محص کا معنی ہے تنقیہ، کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا، اور محق کا معنی ہے کمی کرنا یا کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دیتا رہتا ہے سو اگر کافر مسلمانوں پر غالب آجائیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے، اور اس شکست کا رنج و ملال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، اور اگر مسلمان کافروں پر غالب آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے والے کافروں کی تعداد کو کم کر دیتا ہے یا ان کو جڑ سے مٹا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۴۲)
فتح اور شکست کو گردش دینے کی اصل حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے وہ لوگو! جو جنگ احد میں ہمارے نبی ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے شکست کھا چکے ہو اور کافروں کی یلغار اور ان کے دباؤ کی وجہ سے جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور جان بچانے کے لیے گھبرا کر بھاگے تھے کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح جنت میں داخل ہو جاؤ گے جو اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں یا جو لوگ زخمی ہونے اور کافروں کے دباؤ کے باوجود ثابت قدم رہے اور زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے اور اپنی جانوں پر کھیل کر ہمارے نبی ﷺ کی حفاظت کرتے رہے!

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دینے کے اسباب بیان فرمائے تھے، ایک سبب یہ تھا کہ اللہ مسلمانوں کو کافروں سے چھانٹ کر الگ کر لے کیونکہ جب جنگ احد میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول اپنے ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا تو صرف مخلص مسلمان ہی نبی ﷺ کے ساتھ رہ گئے، اور اس شکست کے نتیجے میں جو مسلمان قتل کیے گئے وہ مقام شہادت سے سرفراز ہوئے، اور جو مسلمان زندہ بچے وہ زخمی تھے اور شکست کے صدمہ سے دوچار تھے اور یہ چیز ان کے گناہوں کا کفارہ بن گئی اور جب مسلمان جنگ میں غالب

میں گے تو کفار بہ تدریج کم ہوتے چلے جائیں گے اور اس آیت میں فتح اور شکست کو گردش دینے کا اصل سبب بیان فرمایا ہے کہ تم یہ نہ گمان کرنا کہ تم مشفقوں کو جھیلنے، جہاد کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور مصائب پر صبر کرنے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے، جنت میں دخول کے لیے ضروری ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے لیے تم جہاد میں ثابت قدم رہو اور اگر تم اپنی کسی کوتاہی کی بناء پر شکست کھا جاؤ تو اس مصیبت پر صبر کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (آل عمران : ۱۳۳)

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض صحابہ جنگ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے، اور وہ جنگ احد برپا ہونے سے پہلے یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر جنگ بدر کی طرح کوئی معرکہ ہو تو وہ اس جنگ میں داد شجاعت دیں یا شہید ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں اور جب جنگ احد ہوئی تو ان میں سے بعض کفار کے دباؤ اور ان کے رش کی وجہ سے ثابت قدم نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور بعض صبر و استقامت کے ساتھ لڑتے رہے اور اس سے پہلے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس کو پورا کیا۔ سو جو لوگ کفار کے رش اور اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگ پڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور جنہوں نے اس پر صبر کیا اور استقامت کے ساتھ جہاد کرتے رہے ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکی تھی اور اہل بدر کو جو فضیلت اور کرامت حاصل ہوئی تھی اس سے محروم رہے تھے۔ اس لیے وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر کوئی جہاد کا موقع آئے تو وہ اللہ کی راہ میں قتل کریں پھر جب جنگ احد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، انہوں نے کہا میں پہلے جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا تھا، اگر اب اللہ نے مجھے نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ (لوگوں کو) دکھا دے گا کہ میں کس قدر کوشش کرتا ہوں، جب جنگ احد میں مقابلہ ہوا تو مسلمان شکست کھا گئے حضرت نضر تلوار لے کر آگے بڑھے، تو حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نضر نے کہا اے سعد کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو احد کے پاس سے جنت کی خوشبو آرہی ہے! وہ کفار سے قتل کرتے رہے حتیٰ کہ قتل کر دیئے گئے ان کی لاش پر اس قدر زخم تھے کہ ان کی بہن کے سوا ان کو کوئی نہ پہچان سکا، ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کے پوروں اور تل سے پہچانا تھا ان کے جسم پر ستر سے زیادہ نیزوں اور تیروں کے زخم تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام شہادت کی تمنا کرتے تھے، نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۳، مطبوعہ نور محمد ایلکھانہ کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس آیت اور ان احادیث پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ شہادت کا حاصل یہ ہے کہ کافر مومن پر غالب آکر مسلمان کو قتل کر دے، سو شہادت کی تمنا کافر کے ہاتھوں مرنے کی تمنا کرنا ہے، اور مسلمان پر کافر کے غلبہ کی تمنا کرنا ہے اور یہ مذموم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت فی نفسہ قبیح ہے لیکن چونکہ یہ اعلاء کلمۃ اللہ کا سبب ہے اس وجہ سے یہ حسن لغیرہ ہے، اور جب مسلمان شہادت کی تمنا اور دعا کرتا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو سربلند کرے اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرے۔ خواہ اس راہ میں اس کی جان جاتی رہے وہ یہ دعا نہیں کرتا کہ اس کو کوئی کافر آکر مار دے کیونکہ ایسی دعا تو معصیت اور کفر ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں اگر وہ فوت

مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ

ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے

عَقْبِيهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٣٥﴾

گا سودہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُّوَجَّلًا

اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے،

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ

اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا اجر چاہے گا

الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٣٥﴾

ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزرا اس وقت وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا، اس نے کہا اے فلاں شخص کیا تمہیں معلوم ہے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے، انصاری نے کہا اگر سیدنا محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے ہیں تو آپ تبلیغ فرما

ہے ہیں تم ان کے دین کی طرف سے قتل کرو۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو شکست ہو گئی تو ایک منادی نے ندا کی سنوا محمد تو قتل کر دیئے گئے اب تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر بھر جاؤ گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی دعوت دیں، اور جب ان کی مدت پوری ہو گئی تو وہ فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا، سو اسی طرح محمد ﷺ بھی اپنی مدت پوری ہونے کے بعد وفات پا جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان بعض لوگوں پر اظہارِ ناراضگی فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر یہ سوچنے لگے تھے کہ اب کافروں سے صلح کر لینی چاہئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

امام رازی لکھتے ہیں :

جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں جھنڈا تھا ان کو ابن قتیہ نے شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ گمان کر لیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا، اور شیطان نے پکار کر کہا سنو محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے، پھر آپ کی شہادت کی خبر لوگوں میں پھیل گئی، اس وقت بعض ضعیف العقیدہ مسلمانوں نے کہا کاش عبد اللہ بن ابی ہمیس ابو سفیان سے امان دلوا دے، اور منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے، تم اپنے بھائیوں اور اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ، حضرت انس بن نضر نے کہا اے قوم! اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو محمد ﷺ کا رب تو زندہ ہے جس کو موت نہیں آئے گی اور تم رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے! جس دین کے لیے آپ نے قتل کیا تھا تم بھی اسی دین کی خاطر قتل کرو اور جس پر آپ فدا ہو گئے تم بھی اس پر فدا ہو جاؤ۔ پھر کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کے قول پر تجھ سے معذرت کرتا ہوں! پھر انہوں نے تلوار سونت کر قتل کرنا شروع کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آپ کی نماز جنازہ کا بیان

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے وفات پانے کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے ان آیتوں کی تفسیر میں مفسرین نے آپ کی نماز جنازہ کا بیان کیا ہے اور ایک یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ آپ کی تدفین میں تاخیر کیوں کی گئی، اس کا ایک سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور مسلمانوں کا ایک امیر مقرر کرنا ضروری تھا، جو مسلمانوں کے تمام معاملات کا والی، اسلامی سرحدوں کا محافظ، نمازوں کا قائم کرنے والا اور حدود کو جاری کرنے والا ہو، اگر بالفرض اس وقت کوئی دشمن ملک حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کا کوئی امیر ہونا چاہئے تھا جو مسلمانوں کی حفاظت کرتا، دوسری وجہ یہ تھی کہ تمام مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کا حق تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھتے، آپ کے حجرہ میں زیادہ لوگوں کی گنجائش نہیں تھی اس لیے باری باری تمام مسلمانوں نے جا کر آپ کی نماز جنازہ پڑھی، اور چونکہ ولی شرعی کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جنازہ کا تکرار جائز نہیں ہے اس لیے پہلے ابوبکر اسلمین اور آپ کے ولی شرعی کو منتخب کیا گیا وہ حضرت ابوبکر تھے، اور سب مسلمانوں کے بعد حضرت ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد آپ کو دفن کر دیا گیا، اس تمام کارروائی میں تین دن لگے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی اس وقت حضرت ابو بکر صدیق کے بالائی حصہ میں اپنی بیوی بنت خاریجہ کے پاس تھے، مسلمان کہنے لگے کہ نبی ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ آپ پر وہ کیفیت طاری ہے جو نزول وحی کے وقت ہوتی ہے، حضرت ابو بکر آئے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، اور کہا آپ اللہ کے نزدیک اس سے مکرم ہیں کہ آپ پر وہ دو موتیں طاری کرے، بے شک، خدا کی قسم، رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، ادھر حضرت عمر مسجد کی ایک جانب یہ کہہ رہے تھے، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے، جب تک آپ تمام منافقوں کے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹ دیں گے اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے، حضرت ابو بکر نے منبر پر چڑھ کر فرمایا : جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی، اور جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا ہو تو محمد (ﷺ) بے شک فوت ہو گئے ہیں، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين، حضرت عمر نے کہا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہ کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اہل مکہ کی طرح (شق) قبر بناتے تھے، اور ایک آدمی حضرت ابو طلحہ کی طرف بھیجا جو اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی قبر) بناتے تھے، اور یہ دعا کی اے اللہ! اپنے رسول کے لیے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لے، تو مسلمانوں کو حضرت ابو طلحہ مل گئے، ان کو بلایا گیا اور حضرت ابو عبیدہ (وقت پر) نہیں ملے، سو انہوں نے لحد بنائی، منگل کے دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جنازہ تیار کر لیا (غسل دے کر کفن پہنا دیا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ میں آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا، پھر باری باری مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے اور نماز جنازہ پڑھتے، حتیٰ کہ جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتیں آئیں اور کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی امامت نہیں کی۔ مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کس جگہ بنائی جائے، بعض مسلمانوں نے کہا آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت ابو بکر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جس جگہ نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے، پھر جس بستر پر رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تھے، انہوں نے اس بستر کو اٹھایا اور وہیں آپ کی قبر کھودی پھر مدینہ کی رات جب آدمی ہو گئی تو آپ کو دفن کر دیا گیا، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فضل بن عباس اور ان کے بھائی حضرت قثم، اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران آپ کی قبر میں اترے، حضرت اوس بن خولی نے حضرت علی سے کہا میں تم کو اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلق کی قسم دیتا ہوں، حضرت علی نے ان سے کہا تم بھی اترو، حضرت شقران نے اس چادر کو لیا جس کو رسول اللہ ﷺ پہنتے تھے، اور اس کو قبر میں رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے بعد اس چادر کو کوئی نہیں پہنے گا۔ (سنن ابن ماجہ، باب : ۶۵ ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ)

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ایک راوی حسین بن عبید اللہ ہاشمی ہے۔ امام احمد، علی بن مدینی اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا، امام بخاری نے کہا اس پر زندقہ کی تہمت ہے، اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت سالم بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر آپ کے مرض میں بے ہوشی طاری ہو گئی، آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں، آپ نے فرمایا بلال سے کہو اذان کہیں اور ابو بکر سے کہو مسلمانوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ نے کہا میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے، اگر آپ کسی اور کو حکم دے دیں! آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی، جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا بلال سے اذان کے لیے کہو اور ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی مثل ہو، حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا، انہوں نے اذان دی، اور حضرت ابو بکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی، پھر رسول اللہ ﷺ نے آرام محسوس کیا، آپ نے فرمایا دیکھو میں کس کے سہارے چلوں، پھر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور ایک اور شخص آئے، آپ ان کے سہارے سے چلے، جب حضرت ابو بکر نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، آپ نے اشارہ کیا وہ اسی جگہ کھڑے رہیں حتیٰ کہ حضرت ابو بکر نے نماز پوری کر لی، پھر رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی گئی، حضرت عمر نے کہا یہ خدا میں نے جس شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی ہے میں اس تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا، اور وہ لوگ ان پڑھتے تھے ان میں اس سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا، لوگ رک گئے، لوگوں نے کہا اے سالم جاؤ رسول اللہ ﷺ کے صاحب کو بلا کر لاؤ، میں حضرت ابو بکر کے پاس گیا وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں روتا ہوا گیا، جب حضرت ابو بکر نے میری یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی گئی ہے میں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کر لی گئی ہے تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے مار دوں گا، حضرت ابو بکر نے کہا چلو، میں ان کے ساتھ گیا، حضرت ابو بکر آئے اس وقت لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جا رہے تھے، حضرت ابو بکر نے کہا میرے لیے جگہ چھوڑو، ان کے لیے کشادگی کی گئی، وہ رسول اللہ ﷺ پر جھکے، آپ کو چھوا، اور پڑھا انکم میت وانہم میتون ”بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک انہوں نے بھی مرنا ہے۔“ (الزمر: ۳۰) صحابہ نے پوچھا اے رسول اللہ کے صاحب! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ حضرت ابو بکر نے کہا ہاں! صحابہ نے پوچھا کس طرح؟ حضرت ابو بکر نے کہا ایک قوم جائے تکبیر پڑھے۔ دعا کرے اور درود پڑھے۔ پھر دوسری قوم جائے تکبیر پڑھے درود پڑھے اور دعا کرے پھر باہر آجائے، حتیٰ کہ تمام لوگ اسی طرح داخل ہوں، صحابہ نے پوچھا: اے رسول اللہ کے صاحب! کیا رسول اللہ ﷺ کو دفن کیا جائے گا فرمایا: ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا جس جگہ رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی تھی! کیونکہ اللہ نے آپ کی روح صرف پاک جگہ پر ہی قبض کی ہے، تب صحابہ نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے، پھر حضرت ابو بکر نے کہا کہ آپ کے عم زاد آپ کو غسل دیں گے اور مہاجرین باہم مشورہ کرنے لگے، صحابہ نے کہا انصار کو بلاؤ تاکہ اس معاملہ (خلافت) میں ہم ان سے مشورہ کریں، انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو جائے، ایک امیر تم سے ہو جائے، حضرت عمر نے کہا اس شخص کی مثل کون ہو گا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: ثانی اثنین اذہما فی الغار اذ یقول لصاحبه لا تحزن ان اللہ معنا، پھر حضرت ابو بکر نے ہاتھ پھیلا لیا اور حضرت عمر نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت کر لی۔ (الشمال الحمدیہ ص ۳۳۸-۳۳۷ رقم الحدیث: ۳۹۰۰ یہ حدیث صحیح ہے سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۳ مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے تو لوگ حجروں میں داخل ہوئے اور باری باری آپ پر نماز جنازہ پڑھی، جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی، پھر بچوں نے نماز پڑھی، پھر غلاموں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کسی نے لامت نہیں کی۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۵۰، مطبوعہ نثر السنتین)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا تھا، بعض روایات اس کی موید بھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی جیسا کہ شامل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ پر نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھی جائیں اور صلوٰۃ پڑھی جائے اور دعا کی جائے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں :

جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرتے، بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں، اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی، جیسا کہ زر قانی شرح الموطن میں ہے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تسکین فتن و انتظام امت میں مشغول، جب تک اون کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی، لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے، جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق ہوئے انہوں نے جنازہ اقدس پر نماز پڑھی، پھر کسی نے نہ پڑھی، کہ بعد صلوٰۃ ولی پھر اعلاہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں، مبسوط امام شمس اللائمہ سرخسی میں ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے اور فتنہ کو سرد کرنے میں مشغول تھے، مسلمان آپ کے آنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حق آپ کا تھا، کیونکہ آپ ہی خلیفہ مقرر ہوئے تھے جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ کے بعد کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(مبسوط ج ۲ ص ۶۷، مطبوعہ بیروت) (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بعض علماء جو اس کے قائل ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی، صرف آپ پر صلوٰۃ و سلام عرض کیا گیا تھا وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں :

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر مرض کا غلبہ ہوا تو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ حضور روئے، ہم بھی روئے، آپ نے فرمایا، ٹھہرو، اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہارے نبی کی طرف سے تم کو اچھی جزا دے، جب تم مجھے غسل دے چکو، اور مجھ پر خوشبو لگا چکو، اور مجھے کفن پہنا چکو تو مجھے میری قبر کے کنارے رکھ دینا، پھر ایک ساعت کے لیے میرے پاس سے چلے جانا، کیونکہ پہلے مجھ پر میرے دوست اور میرے ہم نشین جبرائیل اور میکائیل نماز پڑھیں گے، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھیں گے، پھر تمام فرشتے آکر نماز پڑھیں گے، پھر تم لوگ فوج در فوج آکر داخل ہونا اور مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا الحدیث، اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسانید منقطع ہیں، عبدالرحمن نے مرہ سے سماع نہیں کیا، اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں کئی ضعیف راوی ہیں ان میں سے ایک اشعث بن قیس ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الملک بن عبد الرحمن مجہول ہے ہم کو اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۰، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی، امام حاکم پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں، عبد الملک مجہول نہیں ہے، بلکہ اس کو فلاس نے کذاب قرار دیا ہے، اور انہوں نے کہا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں، تو ہر موضوع حدیث اسی طرح ہوتی ہے، جس میں ایک کے سوا باقی راوی ثقہ ہوتے ہیں اگر حاکم احتیاط کرتے تو اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ (تخصیص المستدرک ج ۲ ص ۶۰)

رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے اپنے ایک مقالہ میں کی ہے جس میں بہ کثرت حوالہ جات درج کیے ہیں، یہ مقالہ مقالات سعیدی میں شامل کر دیا گیا ہے، اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۳۵)

اذن سے مراد اللہ کا امر یا اس کی قضاء اور قدر ہے، اس آیت کی پہلی آیت سے مناسبت یہ ہے کہ منافقوں نے مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے یہ خبر اڑادی تھی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ قتل موت کی مثل ہے اور موت اللہ تعالیٰ کے مقدر کیے ہوئے وقت پر آتی ہے تو جس طرح نبی ﷺ پر اپنے گھر میں موت آتی تو وہ آپ کے دین کے فساد کی موجب نہ ہوتی سو اسی طرح اگر بہ فرض محال آپ کو شہید کر دیا جائے تو وہ آپ کے دین کے فساد کا کس طرح موجب ہو گا!

دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں بھی مسلمانوں کو جہاد پر برا گینچہ کیا گیا تھا اور اس آیت میں بھی ان کو جہاد پر آمادہ کیا گیا ہے کہ موت کے ڈر سے جہاد کو نہ چھوڑو، کیونکہ اللہ کے امر اور اس کی قضاء اور قدر کے بغیر موت نہیں آسکتی خواہ تم اپنے گھر میں ہو یا میدان جہاد میں، اور اس میں منافقین کے ایک طعنہ کا جواب بھی ہے کیونکہ جب مسلمان جنگ احد سے فارغ ہو کر شہر میں پہنچے تو ان سے منافقوں نے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہتے تو تمہارے ساتھی جو جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے قتل نہ کئے جاتے، اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا ہر شخص کی موت ایک وقت معین میں مقرر ہے، اس وقت پر جو شخص جہاد ہو گا مر جائے گا خواہ وہ اپنے گھر میں ہو یا میدان جنگ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۵)

درایت اور روایت سے لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے کا بیان

کتاب موجد سے مراد ہے وہ کتاب جس میں سب کی اجل لکھی ہوئی ہے اور وہ لوح محفوظ ہے۔

آیت کے اس حصہ میں بھی ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے سیدنا نبی ﷺ کے شہید ہو جانے کی افواہ اڑائی تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور کوئی شخص اس وقت کے آنے سے پہلے نہیں مر سکتا تو سیدنا نبی ﷺ پر ان کے وقت سے پہلے موت کیسے آسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تمام حوادث اور کوائف کا علم ہے اور تمام مخلوق، اس کا رزق، اس کی اجل، اس کی سعادت یا شقاوت لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا خلاف ہونا محال ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جہل کو مستلزم ہے، اور کفر، فسق، ایمان اور اطاعت ان سب کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے وہ ان میں سے جس چیز کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

ان کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور ان کے اسی اختیار کی بناء پر ان کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے لیکن ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بندوں نے اپنے اختیار سے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور اس نے اس علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسی علم کو قضاء و قدر سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا لوح محفوظ میں وہی لکھا ہے جو بعد میں بندوں نے اپنے اختیار سے کرنا تھا اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ بندے تقدیر کی وجہ سے مجبور ہیں۔

لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں، امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ قلم اور مچھلی ہے، قلم نے پوچھا میں کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ن والقلم ”ن“ سے مراد مچھلی ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث میں ایک راوی مول ثقفہ اور کثیر الخطاء ہے، ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے، اور امام بخاری وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے، اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳۸)

نیز امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا لکھو تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰)

امام ابویعلیٰ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے، پھر اس کو لکھنے کا حکم دیا تو اس نے ہر چیز کو لکھ دیا۔

حافظ البیہقی نے اس حدیث کو امام بزار کے حوالے سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰) امام ابن جریر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (جامع البیان ج ۲۹ ص ۱۱) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۷۱) حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۳۹)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے لوح محفوظ کو موتی سے پیدا کیا اس کے صفحات سرخ یا قوت کے ہیں، اس کا قلم نور ہے، اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ بار نظر فرماتا ہے، پیدا کرتا ہے اور رزق دیتا ہے، اور مارتا ہے اور جلاتا ہے، اور عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۵۷ مطبوعہ بیروت)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں، مجھے اپنے نفس پر بدکاری کا خوف ہے، اور میں عورتوں سے نکاح کرنے کی (مالی) قدرت نہیں رکھتا، رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، میں نے پھر یہی گزارش کی آپ پھر خاموش رہے میں نے سہ بارہ عرض کیا آپ پھر خاموش رہے، میں نے پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہ تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے، اب تم خفی ہو یا نہ ہو۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۰-۷۵۹، مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں آپ نے خفی ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ امر یہ طور تہدید ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو جائے گا تم خفی ہو یا نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ تمام امور ازل میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے متعلق ہو چکے ہیں اس لیے خفی ہونا نہ ہونا برابر ہے، کیونکہ جو کچھ مقدر ہو چکا وہ ہو کر رہے گا، اس حدیث میں آپ نے خفی ہونے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اشارۃً اس سے منع فرمایا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے متعلق ہے تو خفی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے آپ سے خفی ہونے کی اجازت طلب کی تھی تو آپ نے اس سے صراحتہً "منع فرمایا تھا" اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے لیے ممکن ہو وہ جائز اسباب کو حاصل کرے اس کے بعد اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دے اور جب جائز اسباب کو حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو پھر اللہ پر توکل کرے اور ان اسباب کے پیچھے نہ پڑے جو اس کی قدرت میں نہیں ہیں، اسی لیے جب حضرت ابو ہریرہ نکاح کرنے کے مالی وسائل نہیں رکھتے تھے تو گناہ سے بچنے کے لیے ان کو آپ نے خفی ہونے کا حکم نہیں دیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جیسا کہ دوسرے صحابہ کو دیا تھا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور بہ کثرت روزے رکھتے تھے لیکن بعض لوگوں کی جوانی کا دف روزوں سے بھی نہیں مارتا۔

اس حدیث سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے، ہاں! واقعی مجبور ہے لیکن تقدیر میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو انسان نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا، اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں علم تھا کہ انسان پیدا ہونے کے بعد کیا کرے گا اور جو کچھ انسان نے اپنے اختیار سے کرنا تھا وہ اس نے لکھ دیا، اسی علم کا نام تقدیر اور لکھے ہوئے کا نام لوح محفوظ ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَنْظَرٌ ۝ (القمر : ۵۲-۵۱)

اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب صحیفوں میں لکھا ہوا ہے، ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم بشرح الابانی ج ۹ ص ۲۶۱، مطبوعہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں پچاس ہزار سال کے عدد سے وقت کی اتنی مقدار تقدیراً مراد ہے، حقیقتہً پچاس ہزار سال کا وقت مرلو نہیں ہے کیونکہ وقت تو حرکات فلک اور سورج کی رفتار سے بنتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب سے دن رات بنتے ہیں اور دن رات سے مینے اور سل بنتے ہیں اور جب افلاک اور سورج نہیں پیدا کئے گئے تھے تو اس متعارف معنی میں

وقت بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزاء دیں گے۔ (آل عمران : ۱۳۵)

نیت اور اخلاص کا بیان

جنگ احد میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے ان میں سے نو مسلموں کی نیت غنیمت اور متاع دنیوی تھی اکثر راح العقیدہ مسلمان صرف دین کی سربلندی کے لیے اس جنگ میں شریک ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ہر شخص کو اس کی نیت کے اعتبار سے حصہ دیں گے جو دنیا چاہتا ہو اس کو دنیا ملے گی اور جو عقبی چاہتا ہو اس کو عقبی ملے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے سو جس شخص کی ہجرت دنیا پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی شے کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

شفیٰ الاصبی بیان کرتے ہیں کہ وہ جب مدینہ میں آئے تو ایک شخص کے گرد لوگ جمع تھے انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابو ہریرہ ہیں میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا وہ لوگوں میں حدیث بیان کر رہے تھے جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے کہا آپ مجھے ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے بہ غور سنا ہو اور اس کو سمجھا ہو حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں تم کو ایسی حدیث سنانا ہوں جس کو میں نے بہ غور سنا اور سمجھا ہے پھر حضرت ابو ہریرہ بے ہوش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آئے اور کہنے لگے میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی۔ اس وقت میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو اس گھر میں آپ نے مجھے سنائی اور میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا پھر حضرت ابو ہریرہ تیسری بار بے ہوش ہو گئے پھر تیسری بار چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے اس گھر میں تنہائی میں مجھے سنائی تھی پھر چوتھی بار کافی دیر بے ہوش رہے پھر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے میں نے ان کو سہارا دیا پھر جب ہوش میں آئے تو بیان کرنے لگے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا اور سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن یاد کیا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جو شخص بہت مالدار تھا اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا علم نہیں دیا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اس علم پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں دن رات قرآن مجید پڑھتا تھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا! فرشتے بھی کہیں گے تم نے جھوٹ بولا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ فلاں شخص قاری ہے! یہ کہا گیا پھر اس مالدار

فخص کو لایا جائے گا! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو وسعت نہیں دی تھی حتیٰ کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو میں نے تم کو جو کچھ دیا تھا تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو، فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو! اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جو ادب ہے، سو یہ کیا گیا، پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تم کو کس چیز میں قتل کیا گیا! وہ کہے گا مجھے تیرے راستہ میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا، سو میں نے قتل کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا! اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو، فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو! اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے، سو یہ کہا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ہریرہ قیامت کے دن اللہ کی مخلوق میں سے یہ پہلے تین شخص ہوں گے جن سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، شفی نے یہ حدیث حضرت معاویہ کو سنائی تو حضرت معاویہ نے کہا ان لوگوں کو یہ سزا دی گئی ہے تو بقی لوگوں کا کیا حال ہو گا! پھر حضرت معاویہ اتنی دیر تک روتے رہے کہ ہم نے گمان کیا وہ ہلاک ہو جائیں گے، کچھ دیر بعد حضرت معاویہ کی حالت سنبھلی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے پھر یہ آیات پڑھیں:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزَيِّنَهَا نُوَفِّ
إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُخْسَوْنَ ۝
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
(ہود : ۱۵-۲۱)

جو لوگ (صرف) حیات دنیا اور اس کی زینت کے طالب ہیں
ہم انہیں دنیا میں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں
ان سے کسی نہیں کی جائے گی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت
میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں، اور دنیا میں انہوں نے جو کام کیے وہ
ضائع ہو گئے اور انہوں نے جو عمل کیے وہ رائیگاں چلے گئے۔

(الجامع الصحیح، کتاب الزہد : ۳۷، باب : ۲۸، ماجاء فی الریاء والسمعة)

وَكَايِّنَ مِنْ بَنِي قَتْلِ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا

اور کتنے بنیوں کے ساتھ اللہ والوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا، تو اللہ کی راہ میں مصائب پہنچنے کی وجہ

أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَ

سے نہ وہ سست ہوئے نہ کمزور پڑے اور نہ دبے، اور اللہ

اللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا

مبرا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۝ اور ان کی دعا صرف یہی تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاسْرَافْنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ

گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں (بھی) اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے

انصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاتَّخَذَهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

خلافت ہماری مدد فرما ○ تو اللہ نے ان کو دنیا کی نعمت (بھی) دی

وَحُسْنِ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۖ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور آخرت میں بھی نیک اجر عطا فرمایا اور اللہ نیک کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○

مصائب میں ثابت قدمی پر سابقہ امتوں کا نمونہ

جو مسلمان جنگ احد میں گھبرا کر بھاگ گئے تھے ان کی تادیب کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ انبیاء سابقین اور ان کے متبعین کے احوال بیان فرما رہا ہے کہ تمہارے لیے انبیاء سابقین کے متبعین میں نمونہ ہے وہ جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور کسی مرحلہ پر دشمن سے گھبرا کر بھاگتے نہیں تھے، سو جنگ احد میں تمہارا دشمنوں کے اچانک حملہ کرنے اور ازدحام سے گھبرا جانا اور افراتفری میں بھاگ جانا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہئے کہ کتنے نبیوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب نے دین کی سر بلندی کے لیے قتال کیا، ان میں سے کتنے جنگ میں شہید ہوئے اور کتنے زخمی ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ سست اور کمزور نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد وہ جہاد کرنے سے گھبرائے نہ انہوں نے دشمنوں سے صلح کرنے کے لیے سوچا نہ وہ دنیا کے مل و متاع دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے، نہ انہوں نے پیٹھ پھیری بلکہ اپنے نبی کے شہید ہونے کے بعد بھی وہ اسی پامردی اور ثابت قدمی سے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ یہ ان کے چند قابل تحسین کاموں کی ایک جھلک ہے، اور اس میں ان مسلمانوں پر تعریض ہے جو اپنے نبی ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر سن کر گھبرا گئے تھے اور ان میں سے بعض ابوسفیان سے امان حاصل کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔

انبیاء سابقین کے متبعین کے محاسن افعال میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور اس میں دعا کا یہ ادب بتایا ہے کہ پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی اور مراد طلب کیا کرو، اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی اور ان کو نیکو کار قرار دیا اور ان کو دنیا اور آخرت کا اجر عطا فرمایا۔

آیات مذکورہ سے مستنبط مسائل

۱۳۶ سے ۱۳۸ تک جو آیات ذکر کی گئی ہیں ان سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں :

(۱) جنت میں داخل ہونے کے لیے جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنا چاہئے اور دین کی راہ میں اور شرعی احکام پر عمل کرنے میں جن مصائب کا سامنا ہو ان پر صبر کرنا چاہئے۔

(۱) اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی سعادت محض اس کی آرزو کرنے سے نہیں ملتی، بلکہ جہاد کی تکلیفوں اور صعوبتوں پر صبر کرنے سے ملتی ہے۔

(۲) شہادت کی تمنا میں یہ نیت نہ کرے کہ مجھے کوئی کافر مار دے، بلکہ یہ نیت کرے کہ میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا رہوں گا خواہ مجھے قتل کر دیا جائے۔

(۳) رسول اپنی امتوں میں ہمیشہ نہیں رہتے اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو ان کے مشن کو اسی سابقہ جذبہ سے آگے بڑھاتے رہنا چاہئے نہ یہ کہ آدمی اللہ کے دشمنوں سے مفاہمت کی تدبیریں سوچنے لگے۔

(۵) سیدنا محمد ﷺ بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی مثل نبی اور رسول ہیں اور ان نبیوں پر موت آچکی ہے، اور ہر نبی کا مشن دین کی تبلیغ ہے اور دین کی مکمل تبلیغ کرنے کے بعد ان کا مشن پورا ہو جاتا ہے اور دنیا سے ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی رسالت اور تشریع باقی رہتی ہے، سو اس سنت کے مطابق آپ بھی اپنے وقت پر وفات پا جائیں گے لیکن آپ کا دین اور آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

(۶) موت کا ایک وقت مقرر ہے اور کوئی شخص اس وقت سے پہلے نہیں مر سکتا۔

(۷) ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے، جو دنیا چاہتا ہے اس کو اپنے مقوم کے مطابق دنیا مل جاتی ہے اور جو آخرت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔

(۸) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور نیکیوں کے لیے کوشش کرنا صرف اس امت کی خصوصیت نہیں ہے، انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتیں بھی انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ جہاد کے لیے بھرپور کوششیں کرتی رہیں۔

(۹) مصیبت پریشانی اور دشمنوں کی یورش کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے۔

(۱۰) دعا میں اپنے مقصود کو طلب کرنے سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنا چاہئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُدْرِكُواكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم نے کفار کا کہنا مان لیا تو وہ تم کو اسٹے پاؤں لوٹا دیں گے، اور تم

عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِصْرِينَ ﴿۱۳۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ وَ

نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ○ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ

هُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۴۰﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا

سب بہتر مدد کرنے والا ہے ○ ہم غریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے

الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا هُمْ

کیوں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی، ان کا (آخری)

النَّارِ وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ

ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ اور بیشک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ

وَعْدَكُمْ إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِأَذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَتِلْتُمْ وَتَنَارَعْتُمْ

سجا کر دیا جب تم (ابتداء میں) اس کے اذن سے ان (کافروں) کو قتل کر رہے تھے، حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی دکھائی

فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مَّنْ بَعْدَ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ

اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مال غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ

مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

کی) نافرمانی کی تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کر رہے تھے اور بعض آخرت کا ارادہ کر رہے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان سے

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَىٰ

پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور بیشک اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥٢﴾ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَكُونُوا عَلَىٰ أَحَدٍ مِنَ الرُّسُلِ

(کرنے) والا ہے ○ جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری

يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْ لَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ

پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مال غنیمت) محرومی

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

اور اس (مشقت) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

دینی معاملات میں کفار کی اطاعت سے ممانعت

اس سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے متبعین کے آثار صالحہ پر چلنے کی تلقین فرمائی تھی اور اس آیت میں مشرکین عرب اور کفار کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو منافقوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اب جا کر ابوسفیان سے امن حاصل کرنی چاہئے اور بعض نے کہا اب تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے

یہاں دیکھا اگر تم نے کافروں کا کہا میں لیا تو وہ تم کو لٹے پاؤں لوٹا دیں گے اور تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے، ہرچند کہ یہ آیت خاص موقع اور خاص سبب کے متعلق نازل ہوئی اور ان کا مورد جنگ احد کے خاص واقعات ہیں لیکن اس کا حکم عام ہے، اور مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنے مذہبی معمولات کے خلاف کفار کی کسی بات کو نہیں ماننا چاہئے اور اپنے دین اور مذہب کے خلاف ان کی اطاعت کرنا دین اور دنیا کا فساد مول لینا ہے۔

اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی پر دلیل کا نہ ہونا

جنگ احد میں جب ابوسفیان اور اس کے رفقاء دیگر مشرکین مسلمانوں کو شکست دے کر لوٹ گئے اور مکہ کی جانب جانے لگے تو کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہ نام ہوئے اور کہنے لگے، یہ ہم نے کیا کیا، ہم نے ان سے جنگ کی اور جب تھوڑے سے مسلمان باقی بچ گئے تو ہم لوٹ آئے، واپس چلو ہمارے لیے یہ نادر موقع ہے کہ ہم مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں، جب انہوں نے واپسی کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنا ارادہ پورا کیے بغیر مکہ واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسن کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ہم غنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا ہے جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

سلطان کا معنی حجت، بیان، عذر اور برہان ہے، والی کو سلطان اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ عز و جل کی حجت ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ سلیط سے بنا ہے سلیط تکوں کے تیل کو کہتے ہیں جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے بھی سلطان سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ سلیط کا معنی لوہا ہے اور سلاطہ حدت کو کہتے ہیں اور سلیط کا معنی قہر ہے۔ اس میں نون زائد ہے اور سلطان کا معنی قوت ہے کیونکہ وہ اپنی قوت سے حکومت کو قائم کرتا ہے اور اپنے احکام جاری کرتا ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا کسی ملت میں بھی جائز نہیں رہا اور نہ عقل اس کو جائز قرار دیتی ہے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے، جو چیز بغیر کسی دلیل کے محض رائے اور نفسانی خواہش پر مبنی ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، مشرکین ایک سے زیادہ عبادت کے مستحق مانتے تھے اور بغیر دلیل کے ان کی عبادت کرتے تھے، بہ فرض محل اگر دو خدا ہوتے تو وہ اپنی خدائی پر کوئی دلیل نازل کرتے اور کوئی حجت اتارتے اور جب اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کسی اور خدا کی خدائی پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی تو معلوم ہوا اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ ضرور کوئی دلیل بھیجتا، اس لیے بغیر کسی دلیل کے اللہ کے سوا کسی اور کو خدا ماننا اور اس کی عبادت کرنا شرک اور باطل ہے اور ان مشرکوں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی پسپائی کا بیان

جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد کے بعد مدینہ لوٹ آئے جب کہ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہو چکے تھے اور بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے تھے، اس وقت بعض مسلمانوں نے کہا ہم کو یہ شکست کیسے ہو گئی۔ ہم سے تو اللہ نے مدد کا وعدہ فرمایا تھا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: اور بے شک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا جب تم (ابتداء میں) اس کے لڑنے سے ان کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ کیونکہ جنگ احد کے شروع میں مسلمانوں نے مشرکوں کے علم برداروں کو قتل کر دیا تھا ان کے سات علم بردار مارے گئے تھے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تھی، کافر بھاگ گئے اور مسلمان ان کا مل

غنیمت لوٹنے لگے، نبی ﷺ نے احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ سے نہ ہٹنا، جب ان تیر اندازوں نے مسلمانوں کو مال غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا ہم بھی جا کر مال غنیمت لوٹتے ہیں ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جیسر بن مطعم نے ان کو منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں ہمیں قائم رہنے کا حکم دیا ہے لیکن دو چار کے سوا کسی نے ان کی بات نہ مانی اور جب یہ مورچہ خلی ہو گیا تو یکایک پیچھے سے آکر خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکوں نے حملہ کیا، مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے تھے کہ اچانک ان کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں وہ گھبرا کر افراتفری میں بھاگے، اور یوں اللہ کی دی ہوئی فتح کو مسلمانوں نے باہمی اختلاف اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے شکست میں بدل دیا، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی واقعات کا نقشہ کھینچا ہے فرماتا ہے: حتی کہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا، اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مال غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ کی) نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے دوڑے) اور بعض آخرت کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی پر قائم رہے اور وہیں کفار سے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے۔ (آل عمران: ۱۵۲) اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں:

”اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا“ کی تفسیریں

(۱) احد پہاڑ کی پشت پر جو تیر انداز مقرر کیے گئے تھے ان کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ مال غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑا تھا اور ایک گروہ اپنی جگہ قائم رہا تھا، پھر جو گروہ اپنی جگہ قائم رہا دشمن کی چڑھائی کے بعد اگر وہ اسی طرح قائم رہتا تو دشمن ان کو قتل کر دیتا اور وہ بغیر کسی مقصد اور فائدہ کے قتل ہو جاتے، اس لیے ان کے لیے یہ جائز ہوا کہ وہ اس جگہ سے کسی اور مناسب مورچہ پر چلے جائیں اور وہاں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں، جس طرح نبی ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ احد پہاڑ پر ایک محفوظ جگہ چلے گئے تھے، اسی طرح وہ مسلمان بھی ایک محفوظ جگہ چلے گئے اور وہاں ان کو جملہ کرنے کا اور باقی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کرنے کا حکم دیا اس لیے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تم کو آزمائش میں ڈالے، اور جو صحابہ مال غنیمت لوٹنے چلے گئے تھے ان کے متعلق فرمایا: اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف مال غنیمت لوٹنے کے لیے بھاگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ طور سزا مسلمانوں کا رعب کفار کے دلوں سے زائل کر دیا اس لیے فرمایا: پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا، اور اس چیز کو مسلمانوں کے لیے آزمائش بنا دیا تاکہ وہ اللہ سے توبہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے سے استغفار کریں، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا۔ اس کا معنی یہ ہے اللہ نے تم کو فوراً ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ اس تخفیف کے ذریعہ تم کو آزمائش میں ڈالے اور یہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے کتنے لوگ دوبارہ جہلوں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس بار جو تم سے چوک ہو گئی اس کو اللہ نے معاف کر دیا۔

(۴) ”اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا“ اس کا معنی یہ ہے تم کفار پر غلبہ پا چکے تھے لیکن جب تم نے نافرمانی کی اور بزدلی دکھائی

اللہ نے تم کو شکست میں مبتلا کر کے تم کو ان سے پھیر دیا یعنی تمہارے غلبہ کو ان سے پھیر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا، یعنی اس حکم عدولی کی سزا میں تم کو بالکل نیست و نابود نہیں کیا اور تمہاری اس لغزش کو معاف کر دیا، جہاں میں پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور یہاں اس گناہ کبیرہ پر مسلمانوں کے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بغیر توبہ اور استغفار کے مسلمانوں کے اس گناہ کو معاف کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا ذکر فرمایا کہ اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی گناہ کبیرہ کو معاف کر دیتا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کے نزدیک بغیر توبہ کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلارہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بلائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مل غنیمت سے) محرومی اور اس (شکست) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو، اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

مسلمانوں کو غم اٹھانے اور مصائب برداشت کرنے کا علوی بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حسن بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب مسلمان دشمن سے شکست کھا گئے تو وہ وادی میں بگٹٹ بھاگتے ہوئے جا رہے تھے۔

قلوہ بیان کرتے ہیں جنگ احد کے دن مسلمان وادی میں بھاگے جا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکوں نے مسلمانوں پر شدت سے دباؤ ڈالا اور ان کو شکست دے دی تو بعض مسلمان مدینہ چلے گئے، اور بعض پہاڑ پر چڑھ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پہاڑ پر چڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے ان کو بلانے کا ذکر کیا ہے۔

جس طرح کسی بڑی مصیبت کو دیکھ کر چھوٹی مصیبت کا غم جاتا رہتا ہے، اسی طرح مسلمان مل غنیمت سے محرومی اور شکست پر غم زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے غم میں مبتلا کیا تاکہ اس بڑے غم کے مقابلہ میں یہ چھوٹا غم جاتا رہے اس بڑے غم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں، امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن سب سے بڑا غم یہ تھا کہ یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے، اور دوسرا غم یہ تھا کہ ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ ۶۱ انصار اور ۴۰ مہاجرین اور بہت سارے صحابہ زخمی ہو گئے تھے۔

مجلد بیان کرتے ہیں کہ ایک غم یہ تھا کہ نبی ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی اور دوسرا غم یہ تھا کہ کافروں نے پلٹ کر حملہ کیا اور مسلمان اس اچانک یلغار سے گھبرا کر بھاگ پڑے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۸۹-۸۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کر کے جو آپ کو غم پہنچایا تھا اس کی سزا میں انہیں جنگ احد میں شکست اور اپنے احباب کے قتل اور ان کے زخمی ہونے کا غم اٹھانا پڑا، تاکہ مسلمان غم

اٹھانے اور مصیبت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں اور مستقبل میں پھر کبھی کسی مصیبت اور محرومی سے غم زدہ نہ ہوں۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر میں جو مشرکین کو غم اٹھانا پڑا تھا اس کے مقابلہ میں جنگ احد میں مسلمانوں کو غم اٹھانا پڑا تاکہ مسلمانوں کی توجہ دنیا سے منقطع ہو جائے۔ وہ دنیا کے ملنے سے خوش ہوں، نہ دنیا کے جاتے رہنے سے مغموم ہوں، یعنی نہ بدر کی کامیابی پر اترائیں نہ احد کی ناکامی پر حوصلہ ہار بیٹھیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں ان کو بہت سے غموں سے سابقہ پڑا تھا، جانی اور مالی نقصان کا غم تھا، تمام مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس کا غم تھا، رسول اللہ ﷺ کا جو چہرہ زخمی ہوا اور آپ کا دانت شہید ہوا اس کا غم تھا، رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اس کا غم تھا، مسلمانوں سے جو حکم عدولی سرزد ہو گئی اس کی پشیمانی تھی اور اس پر مواخذہ کا غم تھا، مسلمان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے حالانکہ آپ انہیں آوازیں دے رہے تھے۔ اس بزدلی دکھانے کا غم تھا، آپ کے حکم ماننے میں جو اختلاف اور تنازع کیا اس کا غم تھا، مل غنیمت ہاتھ سے نکل جانے کا غم تھا، ابوسفیان نے جو پلٹ کر حملہ کیا اور بھگدڑ میں مسلمان مارے گئے اس کا غم تھا۔ مسلمانوں کے احباب اور رشتہ دار مارے گئے ان کا مثلاً کیا گیا اس کا غم تھا، غرض بہت سارے غموں سے ان پر یہ غم اس لیے مسلط کیے گئے کہ وہ غم جھیلنے اور مصائب برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں تاکہ پھر کبھی اگر کوئی نعمت جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو گھبرا نہ جائیں اور ثابت قدمی اور اطمینان سے مردانہ وار مصائب کا مقابلہ کریں۔

رنج کا خوگر ہوا انہں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسں ہو گئیں

شروع میں مسلمان بھاگے جا رہے تھے لیکن بعد میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا اور انہوں نے بلند آواز سے ندا کی اے مسلمانو! مبارک ہو یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا پھر سب مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُّعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً

پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجے میں) تمہاری ایک جماعت پر اونگھ طاری ہو گئی اور

مِّنكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ

دوسری جماعت (مناقضوں کی) اپنی جانوں کے متعلق پریشانیوں میں مبتلا تھی، وہ اللہ کے منتقن زمانہ جاہلیت کی طرح ناحق

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةَ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ طُفُلٌ

بدگمانی کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کیسے

إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ

بیک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے تھے جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے تھے

يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قَتَلْنَا هُنَا قُلْ

وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہیے اگر

لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى

تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں

مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ مَا

کی طرف نکل آتے، اور (یہ اس لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے (ظاہر کرے) اور تمہارے

فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۵۳ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا

دلوں کو (دوسروں اور اندیشوں سے) صاف کرے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ۱۵۳۔ بیشک جس دن دو فوجیں ایک

مِنْكُمْ يَوْمَ التَّقَى الْجَمْعِ إِنْ مَّا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا

دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے

كَسَبُوا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۵۴

ان کے قدموں کو لغزش دی تھی اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑے علم والا ہے ۱۵۴۔

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر کے مسلمانوں کا سو جانا اور منافقوں کا پریشانی سے جاگتے رہنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

سہی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین واپس جانے لگے تو انہوں نے نبی ﷺ سے کہا ہم اگلے
سل بدر میں مقابلہ کریں گے رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا دیکھو اگر وہ اپنے ساز و سلان پر بیٹھ گئے
ہیں اور گھوڑے ایک طرف کر دیئے ہیں تو پھر یہ لوگ واپس جا رہے ہیں اور اگر تم یہ دیکھو کہ یہ اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے
ہیں اور ساز و سلان ایک طرف رکھ دیا ہے تو پھر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آرہے ہیں۔ تب تم اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اور
جنگ کی تیاری کرو جب اس قاصد نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ اپنے ساز و سلان پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور
اس نے ان کے جانے کی خبر دی جب مسلمانوں کو اس خبر کا علم ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور وہ بے فکر ہو کر

سو گئے اور منافق جاگتے رہے انہیں یہ خطرہ تھا کہ کفار پھر آکر حملہ کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ جب وہ اپنے ساز و سامن پر سوار ہوں گے تو واپس چلے جائیں گے اس لیے مسلمان بے فکر ہو کر سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجہ میں) تمہاری ایک جماعت پر لوگھ طاری ہو گئی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر لوگھ طاری ہو گئی تھی میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی تھی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہر شخص اپنی دھل کے نیچے نیند سے جھوٹے کھا رہا تھا۔ نیز حضرت ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر لوگھ طاری ہو رہی تھی میرے ایک ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو میں دوسرے ہاتھ میں اٹھالیتا، ادھر منافقین کو اپنی جانوں کا خطرہ لگا ہوا تھا وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۹۳-۹۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بدگمانیوں کا حل بیان فرمایا : وہ کہہ رہے تھے کہ کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کہتے کہ بے شک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے، اور وہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہو تا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے، وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یعنی وہ تقدیر کا انکار کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہتے کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں، یعنی اچھی اور بری ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنی

وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے یعنی وہ شرک، کفر اور تکذیب کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہو تا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے، یعنی وہ کہتے تھے کہ اگر ہماری عقل حاضر ہوتی تو ہم اہل مکہ سے قتل کے لیے نہ نکلتے اور ہمارے بڑے بڑے سردار قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہتے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے، یعنی اللہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے، تاکہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور غیب جانتا تھا ان کا ظہور بہ طور مشاہدہ ہو جائے، یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ کرائے، کیونکہ حقیقتہً "آزمائنا اللہ تعالیٰ کے حق میں محل ہے کیونکہ آزمائتا وہ شخص ہے جو نتیجہ اور انجام سے بے خبر ہو اور تمہارے دلوں کو (وسوسوں اور اندیشوں سے) صاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر جنگ اور قتل کو فرض کیا اور جنگ احد میں تمہاری مدد نہیں کی، تاکہ تمہارے صبر کو آزمائے اور جب تم اخلاص سے توبہ کرو تو تمہارے گناہوں کو مٹا دے۔ اس آیت میں بھی آزمائے کا یہی معنی ہے کہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمائے والا کرتا ہے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کسی دل میں کیا خیر ہے اور کیا شر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں۔ اس دن جو لوگ تم سے پھر گئے تھے، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی، بے شک اللہ نے ان کو

معاف کر دیا ہے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا حلم والا ہے۔ (آل عمران : ۱۵۵)
جنگ احد میں بھاگنے والے مسلمانوں کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب جنگ احد کے دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گئے، اس لغزش کی وجہ شیطان کا برکنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں، بعض نے کہا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قائدہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ احد کے دن قتل سے بھاگنے والے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور یہ عمل شیطان کے برکانے اور اس کے ڈرانے کی وجہ سے ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر فرمایا اور ان کو معاف کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے اس آیت سے خاص لوگ مراد ہیں جو جنگ احد میں پیٹھ موڑ کر بھاگ گئے تھے، امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں یہ آیت رافع بن معلی، دیگر انصار، ابو حذیفہ بن عتبہ اور ایک اور شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت عقبہ بن عثمان، حضرت سعد بن عثمان اور دو انصاری جنگ احد کے دن بھاگ گئے حتیٰ کہ وہ مدینہ کی ایک جانب جلعب نامی پہاڑ کے پاس پہنچ گئے، پھر تین دن کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا تم بہت دور چلے گئے تھے۔ ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا کیونکہ ان کو کوئی سزا نہیں دی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۹۶، مطبوعہ بیروت)

جنگ احد میں بھاگنے کی وجہ سے حضرت عثمان پر طعن کا جواب

امام ابو الیث نصر بن محمد سرقدی متوفی ۷۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

غیلان بن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان بحث ہوئی، حضرت عبدالرحمن نے کہا تم مجھے برا کہتے ہو، حالانکہ میں جنگ بدر میں حاضر ہوا اور تم حاضر نہیں ہوئے، اور میں نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی اور تم نے نہیں کی اور تم جنگ احد کے دن لوگوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے، حضرت عثمان نے فرمایا جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کا جواب یہ ہے کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ ﷺ سے غائب نہیں رہا، البتہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی بیمار تھیں، اور میں ان کی تیمارداری میں مشغول تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مل غنیمت سے مجھے بھی اتنا ہی حصہ دیا تھا جتنا آپ نے دوسرے مسلمانوں کو حصہ دیا تھا، اور رہا درخت کے نیچے بیعت کرنے کا معاملہ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے مکہ میں مشرکین سے بات کرنے کے لیے بھیجا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا تھا یہ عثمان کی بیعت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا دایاں ہاتھ میرے اپنے دائیں ہاتھ پر ہاتھوں سے بہتر ہے اور رہا جنگ احد میں بھاگنے کا سوال تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور یہ آیت نازل

فرمائی : بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالقتل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے۔ ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کو لغزش دی تھی۔ بے شک اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۱۰، مطبوعہ داراللباز مکہ مکرمہ ۱۴۳۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عثمان بن موصی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حج بیت اللہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا، اس نے پوچھا یہ کون لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ قریش ہیں، پوچھا یہ بوڑھا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، اس نے کہا میں آپ سے سوال کرتا ہوں کیا آپ مجھے اس کا جواب دیں گے؟ میں آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان بن عفان جنگ احد کے دن بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ غزوہ بدر میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے نعرہ لگایا اللہ اکبر، حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تم نے جن چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا اب میں تم کو ان کی وجوہات بیان کرتا ہوں۔ رہا جنگ احد میں بھاگنے کا معاملہ تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے اس کو معاف کر دیا، اور رہا غزوہ بدر میں غیر حاضر رہنا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے نکاح میں تھیں، (وہ ان کی تیمارداری کر رہے تھے) اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو بدر میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کا اجر اور مال غنیمت ملے گا، اور رہا بیعت رضوان سے غائب ہونے کا معاملہ تو یہ بیعت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمان مکہ جا چکے تھے، نبی ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا، اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے اس شخص سے فرمایا تم نے یہ جوابات سن لیے اب جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲-۵۸۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

جنگ احد میں مسلمانوں کی جس خطا کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی

اس آیت میں یہ مذکور ہے : ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی۔

ان کے وہ کون سے کام تھے جن کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی تھی؟ اس کی کئی تفسیریں ہیں : ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے مرکز کو ترک کرنے میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی، اور مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے، حسن نے کہا انہوں نے شیطان کے وسوسوں کو قبول کر لیا، دوسرا قول یہ ہے کہ دشمن سے شکست کھا جانا معصیت نہیں تھا، لیکن جب انہوں نے سنا کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے تو وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر میں چلے گئے تاکہ دشمن اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو، ایک قول یہ ہے کہ جب نبی ﷺ ان کو پکار رہے تھے تو انہوں نے خوف اور ہراس کے غلبہ کی وجہ سے آپ کی پکار کو نہیں سنا، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی کیونکہ وہ سات سو تھے اور دشمن تین ہزار تھا اور ان حالات میں شکست کھا جانا بعید نہیں ہے لیکن نبی ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جانا ایسی خطا ہے جو جائز نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ نبی ﷺ بھی احد پہاڑ کی کسی جانب نکل گئے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے اچانک پلٹ کر آنے اور اس کے زبردست دباؤ کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور

بے سوچے بچے بھاگ پڑے۔ ہر حال یہ خطا کسی وجہ سے بھی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے گناہ سے تائب ہو جائے وہ اس کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان کر دیا تو اب کسی شخص کے لیے ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے، صحابہ کرام میں جو باہمی اختلافات تھے اور اس کی وجہ سے جو ان میں جنگیں ہوئیں۔ وہ سب اجتہادی امور پر مبنی تھیں، حضرت علی اور ان کے رفقاء کا گروہ اپنے اجتہاد میں حق پر تھا ان کو دواجر ملیں گے اور حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کو اجتہاد میں خطا لاحق ہوئی، ان کو ایک اجر ملے گا، ان میں سے کسی فریق پر بھی طعن کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے عاقبت حسنی کا وعدہ فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِنَا

اے ایمان والو! کافروں کی مثل نہ ہو جانا! جب ان کے بھائی کسی لڑائی یا سفر میں گئے تو انہوں نے

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا

ان کے متعلق کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے

وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكُ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ

تاکہ (انہیں کار) اللہ اس قول کو ان کی حسرت کا سبب بنا دے، اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۱۵۶ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ

اور موت طاری کرتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ۱۵۶ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مِتُّمُ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ

جاو یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو

مَتَّيْجِعُونَ ۝ ۱۵۷ وَلَئِنْ مِتُّمُ أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ۝ ۱۵۸

وہ جمع کرتے ہیں ۱۵۷ اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ۱۵۸

فِيهَا رَحْمَةٌ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَّهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ

اور اللہ کی غنیمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور

لَا تَقْضُوا مِنْ حَوْلِكُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم)

فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

کاموں میں ان سے مشورہ لیں اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذَلْكُمْ

محبوب رکھتا ہے ○ (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے بہارا

فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ○

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شیطان کے وسوسوں سے ڈرایا تھا جس کے نتیجہ میں وہ جنگ احد میں شکست سے دوچار ہو گئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقوں کے وسوسوں سے خبردار کیا ہے جو شیطان کے مددگار ہیں، کیونکہ منافقین مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے عار دلاتے تھے اور جو مسلمان ان کے کبھی بھائی تھے یا دینی بھائی تھے (کیونکہ منافق بھی بہ ظاہر مسلمان تھے) جب وہ کسی دور دراز سفر پر جاتے یا کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جاتے اور اس سفر میں وہ فوت ہو جاتے یا قتل کر دیئے جاتے تو وہ ان کے متعلق کہتے اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔

یوں کہنا منع ہے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو فلاں مصیبت نہ آتی منافقین یہ بات اس لیے کہتے تھے کہ ان کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا، جو چیز جس شخص کے لیے مقدر کی جا چکی ہے وہ کسی عمل سے ٹل نہیں سکتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی نقصان ہو جائے تو یوں نہ کہو کہ اگر یہ شخص فلاں کام کر لیتا تو نقصان نہ ہوتا۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر ایک میں خیر ہے، جو چیز تمہیں نفع دے اس پر حرص کرو، اور اللہ سے مدد حاصل کرو اور عاجز نہ ہو، اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو مجھے یہ مصیبت نہ پہنچتی، البتہ یہ کہو کہ یہ چیز اللہ نے مقدر کر دی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ”اگر“ (کالفظ) شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے۔

(کتاب القدر، باب : ۸، باب فی الامری بالقوة وترک العجز)

اس حدیث کا فہم یہ ہے کہ جب کوئی امر واقع ہو جائے تو پھر یہ نہ کہا جائے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو یہ مصیبت نہ آتی۔ اگر وہ یہ بات جزم اور یقین کے ساتھ کہتا ہے یعنی اگر میں یہ کام کر لیتا تو یقیناً یہ مصیبت نہ آتی تو ایسا کہنا حرام ہے۔ کیونکہ اس سے تقدیر کا انکار ظاہر ہوتا ہے اور اگر وہ اظہار افسوس کے لیے ایسا کہتا ہے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسے کوئی طالب علم کہے اگر میں امتحان کی اچھی طرح تیاری کرتا تو فیل نہ ہوتا، لیکن یہ کہنا بہر حال ناجائز ہے کہ اگر میں اس مریض کا فلاں ڈاکٹر سے علاج کرا لیتا یا فلاں دوائی پلا دیتا تو یہ مریض نہ مرنے کیونکہ موت و حیات کا تعلق قضاء مبرم سے ہے اور امتحان میں ٹل یا پاس ہونے کا تعلق قضاء معلق سے ہے۔

مستقبل کے لیے اگر کالفظ کہنے کا جواز اور ماضی کے لیے اگر کالفظ کہنے کی ممانعت

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے غار میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا، اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کو دیکھ لیا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے نکل ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کر کے (دوبارہ بنا دیتا اور) جو حصہ (حطیم) اس سے نکل دیا گیا تھا وہ اس میں داخل کر دیتا۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج باب : ۴۲) اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا (صحیح بخاری، کتاب التمنیٰ باب : ۹) اور آپ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیتا (صحیح بخاری، کتاب الایمان باب : ۲۶) ان تمام حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بھی ”اگر“ کالفظ استعمال فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو امر ماضی میں واقع ہو چکا ہو اس کے متعلق آپ نے ”اگر“ کہنے سے منع فرمایا ہے مثلاً اگر ایسا ہو جاتا تو ایسا نہ ہوتا اور اس سوال میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں ”اگر“ کالفظ مستقبل کے بارے میں ہے اور یہ منع نہیں ہے اور ماضی میں اظہار تاسف کے لیے ”اگر“ کالفظ جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بیان جواز کے لیے اس طرح فرمایا ہے حجتہ الوداع میں جن صحابہ نے ہدی نہیں بھیجی تھی آپ نے ان کو عمرہ کرنے کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا اور آپ نے چونکہ ہدی بھیج دی تھی اس لیے آپ احرام پر قائم رہے۔ ان صحابہ کو آپ کی اتباع سے محروم ہونے پر افسوس ہوا تو آپ نے فرمایا : اگر میں اس بات پر پہلے مطلع (متوجہ) ہو جاتا جس پر بعد میں مطلع ہوا ہوں تو میں ہدی روانہ نہ کرتا۔ آپ کا یہ فرمانا اظہار افسوس کے لیے تھا۔

اس کی تحقیق کہ جملہ کی نیت نہ کرنا نفاق ہے

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ ہمارے پاس رہتے تو قتل نہ کیے جاتے اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کفار کے خلاف جملہ کرنے سے گھبراتے تھے اور موت سے ڈرتے تھے ان کے دل میں جملہ کرنے کے لیے کوئی جذبہ تھا نہ کوئی امنگ اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

لام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے جملہ نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جملہ کی خواہش ہوئی وہ نفاق کی ایک شلخ پر مرا ہے۔ (کتاب الامارۃ باب : ۴۷، ذم من مات ولم یغفر)

جس شخص پر کسی فعل کا کرنا دشوار ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ جب وہ اس فعل پر قادر ہو گا تو وہ اس فعل کو کرے گا، اور اس کی یہ نیت اس فعل کے قائم مقام ہوگی اور اگر اس نے ظاہراً اس فعل کو کیا نہ اس فعل کی نیت

کی تو یہ اس منافق کا حل ہے جو نیکی کرتا ہے نہ اس کی نیت کرتا ہے، عبد اللہ بن المبارک نے کہا میری رائے میں یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا، جب جہاد واجب تھا اس لیے جس نے جہاد کی نیت نہیں کی وہ منافق تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں کو شامل ہو اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے جہاد کی نیت بھی نہیں کی وہ اخلاق منافقین کے مشابہ ہے یہ معنی نہیں ہے کہ وہ حقیقتہً "منافق" ہے کیونکہ جہاد میں شریک نہ ہونا منافقین کا طریقہ تھا۔ حدیث میں ہے جس نے کسی عبادت کے کرنے کی نیت کی اور اس عبادت کے کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اس ملامت کا مستحق نہیں ہے جو اس شخص پر کی جاتی ہے جس نے اس عبادت کی نیت بھی نہیں کی، اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی عبادت کو شروع کر دیا اور مکمل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کو اس کا اجر مل جاتا ہے :

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ
وَرَسُولِهِ ثُمَّ يَذَرِكُمُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ
اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اسے موت آجائے تو بے شک اس کا اجر اللہ کے لیے ہے (النساء: ۱۰۰) (زمہ کرم) پر ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ (انجام کار) اللہ اس قول کو اس کی حسرت کا سبب بنادے۔ (آل عمران: ۱۵۶)
منافقین کے قول کے حسرت ہونے کی وجوہات

جو مسلمان کسی سفر میں جاتے اور فوت ہو جاتے، یا کسی غزوہ میں جاتے اور وہاں شہید ہو جاتے تو منافقین ان مسلمانوں کے رشتہ داروں سے کہتے اگر وہ مسلمان ہمارے پاس رہتے اور اس سفر میں نہ جاتے تو نہ مرتے یا اس غزوہ میں نہ جاتے تو قتل نہ کیے جاتے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے اس قول کو انجام کار ان کی حسرت کا سبب بنادے گا۔ یہ قول ان کی حسرت کیسے بنے گا اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں :

(۱) منافقین اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جب یہ شبہ ڈالیں گے اور وہ ان کے کہنے میں آکر جہاد کرنے نہیں جائیں گے، پھر جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان جہاد کر کے سلامتی سے مال غنیمت لے کر کامیاب و کامران لوٹے تو ان کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان منافقوں کا کہا نہ مانا ہوتا اور جہاد میں چلے گئے ہوتے۔

(۲) قیامت کے دن جب منافقین دیکھیں گے کہ مجاہدین اور شہداء کو اللہ تعالیٰ کس قدر انعام و اکرام سے نواز رہا ہے اور ان کو بے پناہ اجر و ثواب مل رہا ہے اور ان منافقوں کو اس قول کی بناء پر ذلت اور رسوائی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو وہ حسرت سے کہیں گے کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۳) منافقین ضعیف مسلمین کو جہاد سے روکنے کے لیے شبہ ڈالیں گے اور جب وہ مسلمان جہاد پر نہیں جائیں گے تو وہ خوش ہوں گے لیکن بعد میں جب ان مسلمانوں پر ان منافقوں کے مکرو فریب کا حل کھل جائے گا اور وہ ان سے بیزار ہو جائیں گے تو پھر وہ منافق حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۴) جب منافق متغلب اور پختہ مسلمانوں کے سامنے یہ شبہات بیان کریں گے تو وہ ان کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور ان کی سعی رائیگاں جائے گی اس وقت ان منافقوں کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان سے یہ نہ کہا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۵۷)

زندہ کی راہ میں مرنے کا بیان

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، اس قول کا ایک رد تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کسی جگہ پر آنے جانے میں مرنے اور جینے کا دخل نہیں ہے، اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے، اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ انسان کو موت تو لامحالہ آتی ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ انسان قتل کر دیا جائے یا طبعی موت سے مر جائے اور جب یہ موت یا قتل ہونا اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کی طلب میں واقع ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان دنیا اور اس کی لذتوں کے طلب میں مر جائے کیونکہ انسان مرنے کے بعد ان لذتوں سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا، کیونکہ انسان جب جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دل دنیا سے اعراض کر کے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا وہ دشمن سے نجات حاصل کر کے دوست کے پاس پہنچ جاتا ہے، اور جب انسان جہاد سے اعراض کر کے دنیا کمانے میں مشغول ہو جائے تو وہ موت سے ڈرتا رہتا ہے اور موت کے بعد وہ اپنی محبوب چیزوں سے بچھڑ جاتا ہے اور حشر تک قبر کے اندھیروں میں پڑا رہتا ہے، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرجانا اور اس کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنا دنیا جمع کرنے سے بہتر ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، اللہ کی راہ میں قتل ہونا یہ میدان جہاد میں شہادت پانا ہے اور اللہ کی راہ میں مرنا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی دین کی تبلیغ میں گزارے، قرآن اور حدیث کو پڑھتا اور پڑھاتا رہے اور اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچاتا رہے، اب اگر اس دوران اس کی موت آگئی تو یہ اللہ کی راہ میں مرنا ہے، میرے زمانہ میں بعض غلط باتیں دین کے نام سے مشہور ہو گئی تھیں اگر میں ان سے انماض کر لیتا اور ان کے غلط ہونے کو واضح نہ کرتا تو میری بہت واہ واہ ہوتی اور میرے کام کی بہت عزت افزائی کی جاتی لیکن میرے قلب و ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا اور میں غلط باتوں کے ساتھ موافقت نہ کر سکا مجھے پھولوں کے بجائے کانٹے ملے، داؤد تحمیں کے بجائے طعن و تشنیع اور دشنام کی سوغاتیں ملیں، میں اس راہ میں مسلسل عملی جہاد کر رہا ہوں اور یہی جہاد کرتے ہوئے میں قتل کر دیا گیا یا طبعی موت مر گیا تو انشاء اللہ میری موت بھی اسی آیت کا مصداق ہوگی۔

اللہ کی مغفرت اور رحمت کا دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے افضل اور بہتر ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم جمع کرتے ہو، اس بہتری کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

- (۱) جو شخص دنیا کا کل جمع کر رہا ہے اور اسی میں مصروف ہے ہو سکتا ہے وہ کل اس سے استفادہ نہ کر سکے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کل کا سورج دیکھنے سے پہلے فوت ہو جائے لیکن جو شخص اللہ کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنے کے لیے علمی اور عملی جہاد کر رہا ہے وہ اگر اس راہ میں مارا بھی گیا تو کل آخرت میں اس کو اللہ کی رحمت اور مغفرت مل جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس نے فرمایا ہے جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کا اجر پائے گا۔
- (۲) ہو سکتا ہے کہ دنیا کا کل جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے لیکن یہ ممکن ہے کہ کل اس کے پاس یہ مل نہ رہے، کیونکہ کتنے لوگ صبح امیر ہوتے ہیں اور شام کو غریب ہو جاتے ہیں اور ان کا کل کسی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن آخرت کی خیرات ختم نہیں ہوتیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے پاس اچھی ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں وہ ختم ہونے والی ہیں اور جو اللہ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔

(۳) ہو سکتا ہے کہ دنیا کامل جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے اور اس کامل بھی اس کے پاس رہے لیکن کل کوئی آفت ٹوٹ پڑے یا مصیبت آجائے کہ وہ اس مل سے قائم نہ اٹھا سکے۔ مثلاً وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے یا کوئی اندوہ گیس حلوہ پیش آجائے، اور آخرت کی نعمتوں میں اس طرح ممکن نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی مصیبت نہ بھی آئے تب بھی دنیوی لذتوں کے ساتھ ہزاروں پریشانیوں لگی رہتی ہیں اور ہر نعمت خطرات کے غلاف میں لپی ہوئی ہوتی ہے، اور آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کوئی غم اور فکر نہیں ہوتا۔

(۵) اگر ان خطرات اور پریشانیوں سے صرف نظر بھی کر لی جائے تب بھی دنیا کی لذتیں اور نعمتیں بہر حال فانی ہیں اور ایک دن ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہمیشہ باقی رہیں گی اور جس نعمت اور لذت کے ساتھ ہر وقت اس کے ختم ہونے یا چھن جانے کا خوف ہو تو انسان عین حصول لذت کے عالم میں بھی طول اور پریشان رہتا ہے۔ جب ان پانچ وجوہات پر غور کیا جائے گا تو انسان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت دنیوی لذتوں سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

(آل عمران : ۱۵۸)

دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کی طلب کے مدارج میں امام رازی کا نظریہ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اللہ کی طرف جمع کیے جانے کا ذکر فرمایا، اور یہ دراصل آخرت کے تین مرتبوں اور درجات کی طرف اشارہ ہے، پہلا مرتبہ دوزخ کے عذاب سے نجات ہے اس کی طرف مغفرت سے اشارہ فرمایا دوسرا مرتبہ جنت میں دخول اور اس کا حصول ہے اس کی طرف رحمت سے اشارہ فرمایا اور سب سے بلند مرتبہ اللہ کی رضا اور اس کی ذات سے ملاقت ہے اس کی طرف اس سے اشارہ فرمایا کہ تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے، کچھ لوگ اللہ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں ان کا پہلا مرتبہ ہے، اور کچھ لوگ جنت کی طمع سے عبادت کرتے ہیں یہ دوسرے مرتبہ کے لوگ ہیں اور کچھ لوگ محض اللہ کی رضا اور اس کی ملاقت کے شوق میں عبادت کرتے ہیں یہ سب سے بلند مرتبہ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۶۶ھ لکھتے ہیں :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے بدن بہت لاغر اور چہرے کمزور ہو گئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر کثرت عبادت کے آثار دیکھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم اللہ سے کس چیز کی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو عذاب سے نجات نہ دے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ اور لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان پر بھی اسی طرح عبادت کے آثار دیکھے، ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا ہم اللہ کی جنت اور اس کی رحمت کو طلب کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو جنت اور اپنی رحمت عطا نہ کرے، پھر تیسری قوم کے پاس سے گزرے ان پر عبادت کے آثار بہت زیادہ تھے، ان سے سوال کیا تم کس لیے عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کے بندے ہیں ہم کسی چیز کی رغبت سے عبادت کرتے ہیں نہ کسی چیز

کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کے مخلص بندے ہو اور تم سچے عبادت گزار ہو۔ تم ان آیات کی ترتیب میں غور کرو پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کا ذکر کیا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، پھر رحمت کا ذکر فرمایا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ثواب کی طلب میں اس کی عبادت کرتے ہیں، پھر آخر میں فرمایا تم ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس کے بندے ہیں اور اللہ ان کا رب، مالک اور معبود ہے اور یہ عابدوں کا سب سے بلند مقام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ (الانبیاء : ۱۹)

اور جو اللہ کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔

اور متقین کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا :

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۖ فِي مَقْعَدٍ صِدْقٍ عِنْدَ مَوْلَىٰكَ مُتَّقِدِينَ (القمر : ۵۵-۵۴)

بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے، سچی عزت کے بلند مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

چونکہ ان لوگوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی اور اس کی ملاقات کے شوق میں ریاضت کی اس لیے وہ اللہ کے پاس جمع کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کی طلب کے مدارج میں امام غزالی کا نظریہ

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں :

عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا دنیا اور آخرت میں اس کا کوئی عوض طلب نہ کرے، یہ رویم کا قول ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں نفس کا حصہ ایک آفت ہے، اور جو شخص جنت کی نعمتوں اور لذتوں سے حصہ لینے کے لیے عبادت کرتا ہے اس کی عبادت میں اخلاص نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل سے صرف اللہ عز و جل کی ذات کا ارادہ کیا جائے اور یہ صدیقین کا اخلاص ہے اور یہی اخلاص مطلق ہے، اور جو شخص جنت کی امید اور دوزخ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے پیٹ اور فرج کے حصہ کی طلب میں عبادت کر رہا ہے اور صاحبان عقل کے نزدیک تو صرف اللہ عز و جل کی ذات ہی مطلوب ہے، لیکن انسان کی ہر حرکت کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اور تمام اغراض سے بری ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے، اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ بے غرض عبادت کرتا ہے وہ کافر ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی نے اس شخص کی تکفیر کا فیصلہ کیا جو تمام حظوظ اور اغراض سے بری ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کہا یہ صفات کو ہیت سے ہے، قاضی ابوبکر کا فیصلہ برحق ہے لیکن ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ علم لوگ جن حظوظ اور اغراض کی وجہ سے عمل کرتے ہیں وہ ان سے بری ہیں یعنی وہ فقط جنت کی لذتوں کے حصول کے لیے عبادت نہیں کرتے ان لوگوں کا حظ اور ان کی غرض اللہ کی معرفت، اس سے مناجات، اور اس کے دیدار کی لذت حاصل کرنا ہے، عام لوگ اس لذت کا تصور نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس پر حیران ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو عبادت، مناجات اور دیدار کے بدلہ میں جنت کی نعمتیں دی جائیں تو ان کو حقیر جانیں گے اور ان کی طرف التفات نہیں کریں گے، سو ان کا حرکت کرنا اور عبادت کرنا بھی ایک حظ اور غرض کے لیے ہے لیکن ان کا حظ فقط ان کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۲۹۸-۲۹۰)

دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الہی کے طلب کے مدارج میں مصنف کا نظریہ امام غزالی اور امام رازی نے عبادت گزاروں کے جو یہ تین مراتب بیان کیے ہیں یہ برحق ہیں اور جو شخص معرفت الہی میں ڈوبا ہوا ہو اور اخلاص کا پیکر ہو اور دنیا کی تمام نعمتوں اور لذتوں سے حظ حاصل نہ کرتا ہو اور ہر کام اور ہر مشغلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو، کھانے پینے اور عمل ازدواج میں اسے کوئی لذت اور سرور حاصل نہ ہو بلکہ ان کاموں میں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو اس کا سرور اور اس کی لذت صرف اطاعت الہی کا جذبہ ہو، وہ اپنی طبیعت اور اشتہاء کی وجہ سے عمدہ اور لذیذ کھانوں، خوب صورت ملبوسات اور اپنی بیوی سے عمل ازدواج اور بچوں کے پیار کا شوق نہ رکھے بلکہ ہر تعلق اور ہر نسبت میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی اس کا ذوق و شوق اور اس کی غرض و غایت ہو تو ایسا شخص یہ کہے کہ میرا مقصد صرف اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار، اس سے ملاقات، اس سے مناجات اور اس کی معرفت ہے نہ مجھے دوزخ سے نجات کی طلب ہے نہ جنت کے حصول کی تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے، لیکن جس شخص کو اچھے کھانے کھا کر لطف اور مزہ آتا ہو، جو عمل ازدواج میں لذت پاتا ہو اور جو اچھے کپڑے پہن کر خوش ہوتا ہو اور جس کو اپنے بچوں کو پیار کر کے راحت اور سکون ملے وہ یہ کہے کہ مجھے جنت نہیں چاہئے صرف اللہ کا دیدار چاہئے اور جنت کا حقارت سے ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بناوٹی صوفی ہے۔

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے نجات اور مغفرت کی دعا کی ہے، قرآن مجید میں ہے :

وَ الَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ
الدِّينِ (الشعراء : ۸۲) میری (ظاہری) خطائیں معاف فرمائے گا۔

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ
وَلَا بَنُونَ ۝ (الشعراء : ۸۸-۸۷) نہ کرنا۔ جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنت کے حصول کی دعا کی۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ
اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔

(الشعراء : ۸۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت عظیم اولوالعزم نبی ہیں، جب وہ قیامت کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کر رہے ہیں تو یہ مدعیان تصوف جو ان کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے وہ کیسے دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب سے مستغنی ہو سکتے ہیں!

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں احادیث

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی : اے اللہ! جبرائیل اور میکائیل کے رب یا فرمایا اسرائیل کے رب میں دوزخ کی گرمی اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ! میں قبر کے

فتنہ اور دجل کے فتنہ اور زندگی اور موت کے فتنہ اور جہنم کی گرمی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جس شخص نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ مانگی تو دوزخ دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

رسول اللہ ﷺ کی طرح کون صاحب اخلاص ہو گا بلکہ آپ سید المخلصین ہیں اور جب آپ نے خود دوزخ سے پناہ کی دعا کی ہے اور امت کو اس دعا کی تلقین کی ہے تو دوزخ سے پناہ طلب کرنے کا عمل گھٹیا اور معمولی کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے اللہ! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴، مطبوعہ کراچی، عمل الیوم والیلۃ للنسائی ص ۳۰۳ بیروت)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی 'اے اللہ! ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور پختہ مغفرت کو طلب کرتے ہیں' اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں' یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے (حافظ ذہبی نے اس حدیث کو بلا جرح نقل کیا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے اس سے جنت کے چار دریا بہہ رہے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(کتاب صفۃ الجنۃ، باب : ۴، ما جاء فی صفۃ درجات الجنۃ رقم الحدیث : ۲۵۳۱)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا : اے اللہ میں تجھ سے تمام نعمت کا سوال کرتا ہوں، آپ نے پوچھا تمام نعمت کیا چیز ہے، اس نے کہا میں نے جو دعا کی ہے میں اس سے خیر کی امید رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا تمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے اور دوزخ سے کامیابی حاصل کرنا ہے۔

(الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب : ۹۳، حدیث : ۲۵۲۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵-۲۳۱، ادب المفرد للبخاری ص ۱۸۸، مطبوعہ پاکستان)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن رافع انصاری روایت کرتے ہیں کہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا جس کا نام سلیم تھا، وہ رسول اللہ ﷺ

کے پاس گیا اور کہنے لگیا رسول اللہ! جب ہم سو جاتے ہیں اس وقت ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل آتے ہیں، ہم دن بھر کام کاج میں مشغول رہتے ہیں، یہ اس وقت آکر نماز کی اذان دیتے ہیں پھر ہم کو لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ بن جبل تم فتنہ ڈالنے والے نہ بنو، یا تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو تخفیف کے ساتھ نماز پڑھاؤ، پھر آپ نے سلیم سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا میں اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں، اس نے کہا بہ خدا آپ کی دعا اور معاذ کی دعا بہت حسین ہے، آپ نے فرمایا میری اور معاذ کی دعا صرف یہ ہے کہ ہم اللہ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی طلب اخلاص کے منافی نہیں ہے

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ نے خود بھی عذاب سے نجات کی اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور امت کو بھی ان دعاؤں کی تلقین کی ہے، اس لیے کوئی شخص کتنا ہی بڑا صاحب اخلاص اور صوفی کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور یہ سمجھنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہر چند کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی ذات کے دیدار کے لائق نہیں ہے اور یہ اللہ کے اولیٰ العزم بندوں اور مقربین کا حصہ ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے حال پر کرم فرمائے اور اس کو شرف ملاقات عطا کرے اور اپنے دیدار سے نوازے تو یہ اس پر اس کا بہت بڑا کرم ہے، امام اعظم ابو حنیفہ کو دیکھ کر کسی شخص نے کہا یہ تو جنتی شخص ہے، امام اعظم رونے لگے اور فرمایا میں کمال جنت کے لائق ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دے دی تو یہی اس کا مجھ پر بڑا کرم ہو گا، غور کیجئے ایک امام اعظم ہیں جو اپنے آپ کو جنت کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور ایک اس زمانہ کے صوفیاء ہیں جو جنت کو اپنے لائق نہیں سمجھتے!

البتہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب انسان اللہ کی عبادت کرے تو عبادت میں صرف یہ نیت کرنی چاہئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، اللہ اس کا معبود ہے اور بندہ پر لازم ہے کہ اپنے معبود کی عبادت کرے اور اس کی اطاعت کرے، کسی غرض اور ثواب کی نیت سے عبادت نہ کرے، اگر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب نہ بھی عطا کرے تب بھی اس کا مملوک اور اس کا بندہ ہونے کی وجہ سے اس پر اللہ کی عبادت اور اطاعت لازم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع بھی اس نیت سے کرے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور فضل سے جن عبادات پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور اپنے کرم سے عطا فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ سے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول اور اجر و ثواب کی دعا کرتا رہے کہ یہ بھی عبادت ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا اور اس کی اطاعت ہے اور جنت کی نعمتوں کو معاذ اللہ حقیر نہ جانے، اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں جنت کی نعمتوں کو بہت عظمت اور شکوہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کو حقیر جاننا معاذ اللہ، اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے لیکن یہ نعمت بھی جنت ہی میں حاصل ہوگی، بعض مدعیان محبت کہتے ہیں کہ ہم کو مدینہ چاہئے جنت نہیں چاہئے اور مدینہ کے مقابلہ میں جنت کو حقیر جانتے ہیں لیکن وہ یہ غور نہیں کرتے کہ مدینہ کی عظمت اور محبت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا مسکن ہے لیکن وہ عارضی مسکن ہے اور جنت آپ کا دائمی مسکن ہے تو اگر حضور کے مسکن ہونے کی وجہ سے مدینہ محبوب ہے تو جنت کو زیادہ محبوب ہونا چاہئے کیونکہ وہ آپ کا دائمی مسکن ہے، نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت

مدینہ کے جس حصہ میں آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے کیونکہ آپ نے فرمایا میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۶) سو حضور ﷺ اب بھی جنت میں ہیں اور قیامت کے بعد بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب قرار دینا چاہئے اور مدینہ منورہ کی محبوبیت جنت کے بعد ثانوی درجہ میں ہے۔ البتہ جس جگہ آپ کا جسد انور ہے وہ کعبہ عرش اور جنت سے بھی افضل ہے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں۔

(آل عمران : ۱۵۹)

بعض مسلمان جنگ احد میں نبی ﷺ کے پاس سے بھاگ گئے تھے بعد میں وہ آپ کے پاس لوٹ آئے، نبی ﷺ نے ان پر کوئی گرفت نہیں کی نہ سختی کی بلکہ نہایت نرم اور ملائم طریقہ سے ان سے گفتگو فرمائی، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو معاف کر دیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مسلمانوں پر اس نرمی کی تعریف فرمائی ہے۔

نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (الشعراء : ۲۱۵)

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف : ۱۹۹)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (التوبہ : ۱۲۸)

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم : ۴)

نبی ﷺ کے عفو و درگزر اور حسن اخلاق کے متعلق احادیث

اہم بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے تقاضا کیا اور بہت بد کلامی کی، آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا، آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو، کیونکہ صاحب حق کے لیے بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور ایک اونٹ خرید کر اس کا حق ادا کر دو، صحابہ نے کہا اس وقت جو اونٹ دستیاب ہیں اس کے اونٹ سے افضل ہیں۔ آپ نے فرمایا وہی خرید کر اس کو ادا کر دو، کیونکہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۳، ۳۲۱، ۳۰۹، طبع کراچی)

اگر وہ شخص کوئی مسلمان اعرابی تھا تو بد کلامی کا مطلب ہے اس نے قرض کی واپسی کا سختی سے مطالبہ کیا اور اگر وہ

شخص یودی یا کافر تھا تو اس بد کلامی سے کفر یہ کلام بھی مراد ہو سکتا ہے۔

سراقہ بن مالک کو معاف کر دینا

حضرت براء بن جہزؓ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جشم نے آپ کا پیچھا کیا نبی ﷺ نے اس کے خلاف دعا ضرر کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا، اس نے کہا آپ میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا، نبی ﷺ نے اس کے لیے دعا کی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عبدالرحمن بن مالک المدنی (سراقہ بن مالک کے بھتیجے) روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے اور انہوں نے کہا قریش نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کو قتل کرے گا یا ان کو گرفتار کر کے لائے گا تو ہر ایک کے بدلہ میں اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے، اسی وقت ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ دیکھے ہیں اور میرا گمان ہے کہ وہ محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب ہیں، میں نے اس کو ٹانے کے لیے کہا وہ نہیں ہوں گے لیکن تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہو گا، میں تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر میں گھر گیا اور میں نے اپنی کنیز سے کہا کہ میری گھوڑی کو فلاں ٹیلے کے پیچھے لے جاؤ، میں اپنا نیزہ لے کر گھوڑی پر سوار ہوا حتیٰ کہ میں ان کے قریب جا پہنچا پھر میں نے اپنے ترکش سے تیر نکل کر فال نکلی تو وہ میرے خلاف نکلی، لیکن میں نے فال والے تیر کی مخالفت کی اور آپ کا پیچھا کرتا رہا حتیٰ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی، آپ ادھر، ادھر نہیں دیکھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے اچانک میری گھوڑی کے دونوں اگلے پیر زمین میں دھنس گئے اور میں زمین پر گر گیا، میں نے اس کو ڈانٹا لیکن اس کے پیر زمین سے نہیں نکل سکے میں نے پھر تیر سے فال نکالی تو میرے خلاف نکلی، میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کو امان دینے کا اعلان کیا، وہ ٹھہر گئے اور میں پھر اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا اور جس وقت میری گھوڑی زمین میں دھنس گئی تھی اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ عنقریب رسول اللہ ﷺ کا دین غالب ہو جائے گا، میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے اوپر سو اونٹوں کا انعام رکھا تھا اور یہ بتایا کہ قریش آپ کو قتل کرنے یا آپ کو گرفتار کرنے کے درپے ہیں اور میں نے آپ کو زور اور متاع پیش کیا، آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا صرف اتنا فرمایا کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھنا میں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھے امان لکھ کر دیں، آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان لکھ دی پھر رسول اللہ ﷺ (مدینہ کی طرف) روانہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۳، مطبع کراچی)

غور کیجئے رسول اللہ ﷺ اس شخص کو امان لکھ کر دیے رہے ہیں جو سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کے لیے نکلا تھا!

عمیر بن وہب کو معاف کر دینا

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کی شکست کے بعد عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ عظیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے، عمیر بن وہب قریش کے شیطانوں میں سے ایک بڑا شیطان تھا، اور وہ رسول اللہ ﷺ اور

آپ کے اصحاب کو بہت ایذا پہنچایا کرتا تھا، اور مکہ میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں، عمر کا بیٹا وہب بن عمر بدر کے قیدیوں میں تھا، انہوں نے مقتولین بدر کا ذکر کیا، صفوان نے کہا خدا کی قسم ان کے بعد اب زندہ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے، عمر نے کہا تم نے سچ کہا، خدا کی قسم اگر میں نے قرض نہ دینا ہوتا جس کی میرے پاس گنجائش نہیں ہے اور مجھے اپنے بال بچوں کے ضائع ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ابھی روانہ ہوتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر کے آتا، صفوان نے اس بات کو غنیمت جانا اور کہا تمہارے قرض کا میں ضامن ہوں اور تمہارے بال بچے میرے بال بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کا خرچ میں اٹھاؤں گا، اس معاہدہ کے بعد عمر نے اپنی تلوار کو زہر میں ڈبویا اور مدینہ پہنچ گیا، حضرت عمر بن الخطاب صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے جنگ بدر کے متعلق باتیں کر رہے تھے، اچانک حضرت عمر نے دیکھا کہ عمر بن وہب مسجد کے دروازہ پر گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے کھڑا ہوا ہے، حضرت عمر نے کہا اللہ کا یہ دشمن ضرور کسی شرکی نیت سے آیا ہے، جنگ بدر کے دن یہی شخص فتنہ کی آگ بھڑکا رہا تھا، پھر حضرت عمر رسول اللہ (ﷺ) کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمر بن وہب ہے یہ تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے، آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ، حضرت عمر اس کو لے کر آئے اس کی گردن سے اس کی تلوار کی پٹی پکڑ لی اور اس کو رسول اللہ (ﷺ) کے پاس بٹھادیا، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا، اے عمر اس کو چھوڑ دو، اور عمر سے کہا میرے قریب آؤ اس نے کہا صبح بخیر یہ زمانہ جاہلیت کا سلام تھا، رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا ہمارا سلام تمہارے سلام سے بہتر ہے اور وہی اہل جنت کا سلام ہے، آپ نے اس سے پوچھا اے عمر! تم کس لیے آئے ہو! اس نے کہا آپ کے پاس جو ہمارے قیدی ہیں ان کے متعلق یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ ان پر احسان کریں، آپ نے فرمایا پھر تمہارے گلے میں یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے کہا ان تلواروں کے لیے خرابی ہو انہوں نے ہم سے کون سی مصیبت دور کر دی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم سچ کہہ رہے ہو تم اسی لیے آئے ہو؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں اسی لیے آیا ہوں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تم نے مقتولین بدر کا ذکر کیا پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ابھی روانہ ہو جاتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر کے آتا، پھر صفوان اس شرط پر تمہارے قرض اور تمہارے بچوں کی کفالت کا ضامن ہو گیا کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور تمہارے اور تمہارے اس ارادہ کے پورا ہونے کے درمیان اللہ حاکم ہو گیا، یہ سن کر عمر نے بے ساختہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یا رسول اللہ پہلے ہم آسمانی خبروں اور وحی کے متعلق آپ کی تکذیب کرتے تھے، اور یہ ایسی خبر ہے جس کے موقع پر میرے اور صفوان کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا، خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ بات صرف اللہ نے بتائی ہے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی، اس نے کلمہ شہادت پڑھا، نبی (ﷺ) نے فرمایا یہ تمہارا دینی بھائی ہے اس کو قرآن کی تعلیم دو، اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو، پھر حضرت عمر بن وہب مکہ چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور جس طرح پہلے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اب مشرکین کے خلاف تیغ بے نیام رہتے تھے، ان کی تبلیغ سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

(السيرة النبوية ج ۲ ص ۲۷۲، الروض الانف ج ۳ ص ۱۱۳-۱۱۴، بیروت الاستیعاب رقم ۲۰۲۰، اسد الغابہ رقم ۲۰۹۶، الاصابہ رقم ۶۰۷۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ (ﷺ) کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر میں بھیجی ہوئی تلوار لے کر

آیا وہ آپ کی نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ اسلام کا مبلغ بن گیا
عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی سلول فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو بلایا گیا جب رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس گیا میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ لور یہ کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکل دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ چھوڑ نہ دیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سوساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا میں آپ کو یہ تمام باتیں گنوا رہا رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرما کر کہا ”اپنی رائے کو رہنے دو“ جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قائدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میری قیص اور اس پر میری نماز جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۱۳۲، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)
سو آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔
فتح مکہ کے بعد ابوسفیان اور ہند کو معاف کر دینا

امام ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المتوفی ۶۳۰ھ بیان کرتے ہیں :

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی ابوسفیان نے کہا اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مرجاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا اور آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصور وار تھے انہوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور

میں نے اسلام قبول کر لیا اور ابوسفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ابوسفیان فخر کو پسند کرتا ہے، اس کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۶-۱۶۷، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

جب آپ کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ ہند ہے؟ ہند نے کہا میں ہند ہوں، اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے، ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری نہیں کریں گی، اولاد کو قتل نہیں کریں گی کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی، کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی، پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان سے بیعت لو، اور ان سب کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

ابوسفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہا تھا، آپ نے ابوسفیان پر قابو پانے کے بعد اس کو معاف کر دیا، ہند نے آپ کے محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کر دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ (یہ وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لئے مکہ سے نکلا تاکہ جدہ سے یمن چلا جائے، حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ کے خوف سے بھاگ رہا ہے تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں گرا دے آپ اس کو امان دے دیجئے، آپ نے فرمایا اس کو امان ہے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو امان دے دی ہے، نبی ﷺ نے ان کو اپنا وہ علمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے، حضرت عمیر وہ علمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں جا لیا اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے، انہوں نے کہا اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو، دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ سے لے کر آیا ہوں، صفوان نے کہا تم چلے جاؤ، حضرت عمیر نے کہا اے صفوان، وہ سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں، حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور کے پاس لے آئے، صفوان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، اس کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے! آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا، صفوان نے کہا مجھے اسلام لانے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے، آپ نے فرمایا میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۹-۳۳۸، مطبوعہ بیروت، کتاب المغازی للواقفی ج ۲ ص ۸۵۳، الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۲۸، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۸)

فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دینا

امام ابن اثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں :

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے، آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیہر صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا، لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی، اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں، انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو جالیا، اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے، ام حکیم نے کہا میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں، اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے، جب عکرمہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ (الکامل فی التاريخ ج ۲ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن عساکر متوفی ۵۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی انہوں نے اس وقت لات اور عزی کو پکارا، کشتی والوں نے کہا اس موقع پر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لا شریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں، عکرمہ نے سوچا اگر سمندر میں صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہ لا شریک ہے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (ﷺ) کے پاس جا کر رجوع کریں گے۔ سو انہوں نے آپ کے پاس جا کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۴)

نیز امام ابن عساکر متوفی ۵۴۱ھ بیان کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا : راکب (سوار) مہاجر کو خوش آمدید ہو، میں نے عرض کیا : اے اللہ کے نبی میں کیا کہوں؟ فرمایا کہو : اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ میں نے عرض کیا : میں پھر کیا کہوں فرمایا : کہو : اے اللہ! میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں مہاجر اور مجاہد ہوں، سو انہوں نے اسی طرح کہا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے جس کسی ایسی چیز کا سوال کرو گے جو میں لوگوں کو عطا کر رہا ہوں گا تو میں وہ تم کو ضرور عطا کروں گا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سے کسی مال کا سوال نہیں کروں گا، میں قریش میں بہت زیادہ مالدار ہوں، لیکن میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں اور کہا میں نے پہلے جتنا مال لوگوں کو اللہ کی راہ میں روکنے کے لیے خرچ کیا تھا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے لمبی زندگی دی تو میں اس سے دگنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔

ایک اور روایت میں ہے جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ فرط خوشی سے کھڑے ہو گئے،

اور فرمایا اس مہاجر کو مرحبا ہو!

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱ ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ کتاب المغازی للواقفی ج ۲ ص ۸۵۱، تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص ۱۳۳)

۳۲۲ البدیہ والصلیہ ج ۳ ص ۲۹۸ سیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۸

فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کر دینا

وحشی بن حرب، جیسے بن مطعم کے غلام تھے، ایک قول یہ ہے کہ بنت الحارث بن عامر کے غلام تھے، حارث بن عامر کی بیٹی نے ان سے کہا میرا باپ جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا اگر تم نے (سیدنا) محمد (ﷺ) حمزہ یا علی بن ابی طالب ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو، جنگ احد میں وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، اور اس قتل سے رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو یہ جان کے خوف سے طائف بھاگ کر چلے گئے تھے، پھر ایک وفد کے ساتھ آکر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور کلمہ پڑھ لیا، حافظ ابن عساکر نے ان کے اسلام قبول کرنے کا بہت تاثر انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی، وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) آپ مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے، قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے اور آپ یہ پڑھتے ہیں :

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا (الفرقان : ۶۸-۶۹)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (مثلاً قصاص میں) اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا (قیامت کے دن اس کے عذاب کو دوگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کر دی :

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الفرقان : ۷۰)

لیکن جو (موت سے پہلے) توبہ کر لے اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ!

تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جو گناہ ہو اسے جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا اے محمد! (ﷺ) اس آیت میں تو مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشا

نہ چاہے پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ! تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل فرمائی :

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الزمر : ۵۳)

آپ کہئے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک وہی بہت بخشنے والا ہے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اب مجھے اطمینان ہوا پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا! صحابہ نے پوچھا یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا سب کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ نے یہی جوابات دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳-۲۶۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

غور فرمائیے رسول اللہ ﷺ اس شخص کی ایک ایک شرط پوری کر کے اور اس کا ایک ایک ناز اٹھا کر اس کو کلمہ پڑھا رہے ہیں اور جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں جو آپ کے انتہائی عزیز چچا کا قاتل تھا! اگر کوئی شخص ہمارے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل کر کے ہم سے دنیا کی کسی جگہ کا راستہ پوچھے تو ہم اس سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تو ان کے طرف کی عظمت کا کیا کہنا جو ایسے شخص کا ایک ایک نخرہ پورا کر کے اسے جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں!

ہبار بن الاسود کو معاف کر دینا

امام محمد بن عمرو اقدی متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

ہبار بن اسود کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا اس وقت وہ حاملہ تھیں وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا! جس وقت نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آگیا وہ بہت فصیح اللسان تھا اس نے کہا : اے محمد! (ﷺ) جس نے آپ کو برا کہا اس کو برا کہا گیا۔ میں آپ کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں! پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا! رسول اللہ ﷺ نے اس کا اسلام قبول کر لیا! اس وقت نبی ﷺ کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا! آپ نے فرمایا اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا! اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو برا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۸-۸۵۷ مطبوعہ عالم الکتاب بیروت)

منافقوں اور دیہاتوں سے درگزر کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا خدا کی قسم! محمد! (ﷺ) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ نہیں کیا! میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی! تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی اور انہوں نے اس پر صبر کیا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا نام معتب بن قیس تھا اور یہ منافق تھا! اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خیر خواہی کی نیت سے کسی شخص سے اس کے متعلق کہا ہوا قول بیان کیا جائے کہ فلاں شخص آپ کے

یہ کہ یہ تو یہ چغلی نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے، ورنہ رسول اللہ ﷺ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے تم چغلی کیوں کر رہے ہو؟ چغلی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص فسوڈالنے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے شخص تک پہنچاتا ہے، اور اس حدیث میں آپ کی نرمی اور ملامت کا بیان بالکل واضح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اس وقت آپ ایک نجرانی (یعنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے راستہ میں ایک اعرابی (دیسائی) ملا اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی، حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا اے محمد (ﷺ) آپ کے پاس جو اللہ کامل ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مل دینے کا حکم دیا۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۹۰۰، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں نبی ﷺ کی نرمی، حسن اخلاق اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا واضح بیان ہے۔
عفو اور درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

معاف کرنا اختیار کیجئے، نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف : ۹۹)

(اور اہل فضل کو چاہئے) کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (النور : ۲۲)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوری : ۳۷)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (الشوری : ۴۰)

اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً ضروریہ ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ الْأُمُورِ (الشوری : ۴۳)

عفو اور درگزر کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا، بندے کے معاف کرنے سے اللہ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطبع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں جو عزت بڑھانے کا ذکر ہے اس کے دو محمل ہیں، ایک یہ کہ جس کا قصور معاف کیا جائے اس کے دل میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھ جاتی ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ رفق ہے اور رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی کی وجہ سے اتنی چیزیں عطا فرماتا ہے جو سختی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص بڑا پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو بچھاڑ دے بڑا پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھ سکے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے دو شخص لڑے، دو میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے اگر وہ کلمہ یہ شخص کہہ دے تو اس کا غصہ چلا جائے گا، وہ کلمہ یہ ہے : اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ الحديث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کو جو بھی تکلیف پہنچائی گئی آپ نے اس کا کبھی بدلہ نہیں لیا حتیٰ کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کی وجہ سے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۴۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے، بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے، رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا، الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے مختلف محال

جب کفار نے آپ کے سر پر پتھر مار کر آپ کا خون بہایا تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے، یا جب کسی نے آپ کو سختی سے آواز دی یا جس نے آپ کی چادر کو اس زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن میں نشان پڑ گیا اور اس نے آپ سے کہا آپ مجھے اپنے مال یا اپنے باپ کے مال سے نہیں دیتے تو آپ ہنسے اور اس کو مال دینے کا حکم دیا، اس میں نبی ﷺ کے صبر، حلم، حق کو قائم کرنے اور دین پر تعلق کی دلیل ہے، اور یہی آپ کا خلق حسن ہے کیونکہ اگر آپ اللہ کی حدود کو قائم نہ کرتے تو اس سے دین میں ضعف ہوتا، اور اگر آپ اپنے نفس کا انتقام لیتے تو یہ صبر اور حلم کے خلاف ہوتا آپ نے ان دونوں مذموم طریقوں کو ترک کر کے متوسط طریقہ کو اختیار فرمایا۔

جس منافق شخص نے آپ سے یہ کہا تھا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا، آپ نے اس شخص کی تالیف قلب کے لیے اس کو معاف کر دیا، یا اس کی قوم کی تالیف کے لیے اس کو معاف کر دیا، اور جو شخص نبی ﷺ کی شان میں توہین آمیز کلام کہتا ہے اس کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے، نیز نبی ﷺ منافقین سے اس لیے درگزر کرتے تھے کہ لوگ آپ سے دور نہ ہوں اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں کیونکہ منافق بہ ظاہر مسلمان تھے،

آپ تائب قلب کے لیے ذی کافر سے بھی درگزر کر لیتے تھے اور کبھی کافر حربی سے اس لیے درگزر فرما لیتے تھے کہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں (آل عمران : ۱۵۹)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مسلمانوں پر نرمی اور شفقت کرنے کا بہ تدریج حکم دیا ہے، پہلے آپ کو یہ حکم دیا کہ جنگ احد میں جن مسلمانوں سے تقصیر ہو گئی ہے آپ ان کو معاف کر دیں پھر آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں اور شفاعت طلب کریں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے اور یہ اہم قومی معاملات میں مشورہ دینے کے اہل ہو جائیں تو پھر آپ ان سے مشورہ کریں۔ مشورہ کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

مشاورت اور مشورہ کا معنی ہے : بعض کا بعض کی طرف رجوع کر کے ان کی رائے کو حاصل کرنا، جب عرب والے کسی جگہ سے شہد کو نکالتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ”ثرت العسل“ جس امر میں مشورہ طلب کیا جائے اس کو شورئ کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے : ”وامرهم شورئ بینہم“ ”اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔“

(المفردات ص ۲۷۰، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۶۲ھ)

مشورہ کے ذریعہ مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں، اور مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور و فکر کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت، حکمت اور موقع اور محل کے مناسب ہے اور جب اللہ اسے کسی رائے کی طرف ہدایت دے دے تو وہ اس رائے پر عمل کرنے کا عزم کرے اور اللہ پر توکل کر کے اس رائے کو نافذ کر دے۔ مشورہ کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۳۳، مطبوعہ لاہور)

حافظ نور الدین البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہو گا، اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہو گا، اور جس نے میانہ روی کی وہ کنگال نہیں ہو گا، اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبد السلام بن عبد القدوس ایک ضعیف راوی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس میں کسی مسلمان شخص سے مشورہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کو درست کام کی ہدایت دے دیتا ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند میں عمرو بن الحصین العقیلی متروک راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶، مطبوعہ دارالکتب العربیہ ۱۴۰۲ھ)

رسول اللہ ﷺ کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کیوں دیا گیا

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسائل اور معاملات میں امکان وحی کے باوجود اجتہاد کرنا جائز ہے، اور ظن غالب پر عمل کرنا صحیح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نبی ﷺ کو کن امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، بعض علماء نے کہا اس کا تعلق جنگی چالوں سے ہے کہ جب دشمن کا سامنا ہو تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کس طریقہ پر عمل کیا جائے، اور اس کی حکمت یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تالیف قلب کی جائے، اور جنگ احد میں شکست کی وجہ سے جو صحابہ کرام دل شکستہ ہو گئے تھے ان کی دلجوئی کی جائے، اور ان کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کیا جائے۔ ہرچند کہ اللہ تعالیٰ ان کی رائے سے مستغنی ہے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل کر کے صحیح سمت کی طرف آپ کی رہنمائی پر قادر ہے، قلہ، ربیع، ابن اسحاق اور امام شافعی وغیرہ کی یہی رائے ہے کیونکہ عرب سرداروں سے جب کسی اہم معاملہ میں مشورہ نہ لیا جائے تو ان پر گراں گذرتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ اہم جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کریں اس سے ان کی قدر افزائی اور دلجوئی ہوگی۔

حسن بصری اور ضحاک نے یہ بیان کیا ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر وحی نازل نہیں کی ان میں آپ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان کے مشورہ کی حاجت ہے بلکہ اس لیے کہ ان کو مشورہ کی تعلیم دی جائے، ان کو مشورہ کی فضیلت کا علم ہو اور آپ کے بعد آپ کی امت مشورہ کرنے میں آپ کی اقتداء اور اتباع کرے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۷۷) اور علامہ آلوسی نے امام ابن عدی اور امام بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے : جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو میری امت کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ (روح المعانی : ج ۳ ص ۱۰۷)

کس قسم کے لوگوں سے مشورہ کیا جائے

مشورہ اس شخص سے طلب کرنا چاہئے جو عالم دین ہو اور صاحب فہم و فراست ہو، اور جب کسی ایسے شخص سے مشورہ لیا جائے اور وہ اس مسئلہ کا صحیح حل معلوم کرنے کی پوری کوشش کرے اس کے باوجود اگر اس کو خطالاحتی ہو جائے تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ جو بندہ مشورہ لے وہ کبھی بد بخت نہیں ہوتا اور جو بندہ خود رائے ہو اور دوسروں کے مشوروں سے مستغنی ہو وہ کبھی نیک بخت نہیں ہوتا، بعض علماء نے کہا ہے کہ کسی تجربہ کار شخص سے مشورہ لینا چاہئے، کیونکہ وہ تم کو ایسی چیز بتلائے گا جس میں وہ زیادہ تر کامیاب رہا ہو گا، امام اور خلیفہ کو نصب کرنا کس قدر اہم مسئلہ تھا لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ اور اتفاق

ہوڑ دیا، لام بخاری نے کہا نبی ﷺ کے بعد ائمہ مباح کاموں میں امین لوگوں اور علماء سے مشورہ کیا کرتے تھے، سفیان ثوری نے کہا متقی اور امانت دار شخص سے مشورہ کرنا چاہئے۔ حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! جو لوگ مشورہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی صحیح حل کی طرف رہنمائی کردیتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۵۱-۲۵۰، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آل عمران : ۱۵۹)

کسی کام کو کرنے کے پختہ ارادہ کو عزم کہتے ہیں۔ نیت، عزم اور قصد یہ الفاظ مترادف ہیں، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کر کے کسی کام کا عزم کر لیں تو اس مشورہ پر توکل نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور جب آپ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کسی کام کا عزم کر لیں تو پھر اس کام سے رجوع نہ کریں، جس طرح جنگ احد میں جب مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا، تو نبی ﷺ اور پختہ کاروں کی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر کافروں سے مدافعت نہ جنگ کی جائے اور بعض نوجوان مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر جنگ کی جائے، نبی ﷺ نے اس رائے کو قبول کر لیا اور جمعہ کی نماز کے بعد گھر گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے، وہ نوجوان صحابہ غلام ہوئے کہ ہم نے حضور ﷺ کی بات نہیں مانی، انہوں نے آپ سے معذرت کی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا، نبی ﷺ نے فرمایا جب نبی ہتھیار پہن لے تو بغیر جنگ کیے اس کے لیے ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے، اور یہی اس آیت پر عمل ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کے بعد اللہ پر توکل کر کے کسی کام کا عزم کر لیا ہے تو پھر اس سے رجوع نہ کریں اور اس کام کو کر ڈالیں۔

توکل کا معنی

علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں :

توکل کا معنی ہے ضامن ہونا، حدیث مرفوعہ میں ہے : جو شخص دو جہڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل (ضامن) ہو، میں اس کے لیے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں، یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں، اور توکل کا معنی پناہ میں دینا بھی ہے، حدیث میں ہے مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر، اور توکل کا معنی اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے، اور کسی معاملہ میں اللہ پر توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں اللہ پر اعتماد کیا جائے۔

(النسائی ج ۵ ص ۲۲۱، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران ۱۳۶۳ھ)

لام محمد بن محمد غزالی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جب انسان پر یہ منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں ہے اور خلق ہو یا رزق ہو، دینا ہو یا روکنا ہو، زندہ کرنا ہو، یا مارنا ہو، غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا، اس کے دل میں اسی کا خوف ہو گا اور اسی سے امید ہوگی اسی پر بھروسہ ہو گا اور اسی پر اعتماد ہو گا کیونکہ صرف وہی مستقل فاعل ہے اور باقی چیزیں اس کے مسخر اور تابع ہیں، آسمان اور زمین میں سے کوئی ذرہ خود بہ خود حرکت نہیں کر سکتا، اور جو شخص سبزہ لور فصل کی پیدوار میں بابل، بارش اور ہواؤں پر اعتماد کرتا ہے وہ فاعل حقیقی سے غافل ہے اور ایک قسم کے ترک میں مبتلا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۳۱-۳۰، مطبوعہ دار الخیر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

توکل کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی مساعی کو مکمل چھوڑ دے، جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیتا، بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہرہ کی رعایت کرے لیکن دل سے ان اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت، اس کی تائید اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے میں، اور اللہ کے ماسوا سے اعراض کرنے میں رغبت دلائی جائے۔ (تفسیر کیرج ۳ ص ۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

توکل کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔

اور اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(المائدہ : ۲۳)

اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

(الطلاق : ۳)

کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر : ۳۶)

توکل کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں، ایک نبی اور دو نبیوں کے ساتھ (دس سے کم لوگوں کی) ایک جماعت تھی، اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا، حتیٰ کہ میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی، میں نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے؟ کیا یہ میری امت ہے؟ کہا گیا بلکہ یہ حضرت موسیٰ ہیں اور ان کی امت ہے، اور کہا گیا کہ آپ افق کی طرف دیکھئے، تو ایک جماعت نے افق کو بھر لیا تھا، پھر مجھ سے کہا گیا، ادھر ادھر آسمان کے کناروں میں دیکھئے تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا، کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے، پھر آپ (حجرہ میں) داخل ہو گئے اور یہ نہیں بیان فرمایا (کہ وہ ستر ہزار کون ہیں) لوگ (اس حدیث میں) بحث و تحقیص کرنے لگے، انہوں نے کہا اس کا مصداق ہم لوگ ہیں، ہم لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی اتباع کی، ہم ہیں یا پھر ہماری اولاد ہے، جو اسلام میں پیدا ہوئی، کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے، جب نبی ﷺ تک یہ بحث پہنچی تو آپ تشریف لائے آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو (زمانہ جاہلیت کا) منتر نہیں کرتے تھے، اور نہ پرندوں سے بدشگونی نکالتے تھے اور نہ (حصول شفا میں) داغ لگانے پر اعتماد کرتے تھے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے (اسباب کو مسبات پر مرتب کر کے نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر دیتے تھے اور اسی پر اعتماد کرتے تھے) حضرت عکاشہ بن محسن نے کہا : یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا : تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر کماحقہ توکل کرو تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

(الجامع الصحیح، کتاب الزہد، باب ۳۳، التوکل علی اللہ، مسند احمد ج ۱ ص ۵۲، ۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو تنگی اور فقر لاحق ہو اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اس کا فقر و فاقہ ختم نہیں ہو گا اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور وہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔

(الجامع الصحیح، کتاب الزہد، باب ۱۸، باب ماجاء فی الھم فی الدنیا، شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۰)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ عز و جل کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ہر مسئلہ کا ضامن ہوتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۹-۲۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۸، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۳)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن الاشعث ہے وہ ضعیف ہے اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

توکل کی صحیح تعریف

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے توکل کی حسب ذیل تعریفات نقل کی ہیں :

سہل بن عبد اللہ تسری نے کہا توکل یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے ایسا ہو جیسے غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے اس کو التا ہے پلٹتا ہے۔

نہجوری نے کہا حقیقت میں متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق سے تعلق نہ رکھے، وہ اپنے حال کی کسی سے شکایت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی شخص کچھ نہ دے تو اس کی مذمت نہ کرے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ دینا اور نہ دینا اللہ کی جانب سے ہے۔

ابو یزید سے پوچھا گیا کہ بندہ متوکل کب ہوتا ہے انہوں نے کہا جب وہ اپنے دل کو ہر موجود اور مفقود سے منقطع کر لیتا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے کہا اللہ کی کتاب میں تین آیات ایسی ہیں جو انسان کو تمام مخلوقات سے کفایت کرتی ہیں اور اس کو ان سے مستغنی کر دیتی ہیں :

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ

(اے مخاطب!) اور اللہ اگر تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے

سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لیے کسی خیر کا

ارادہ کر لے تو اس کے سوا کوئی اور اس کے فضل کو روکنے والا

(یونس : ۱۰۷)

نہیں۔

مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ

اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روکنے والا

لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ وَهُوَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (فاطر : ۲)

والا نہیں اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ
مُبِينٍ (هود : ۶)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ (کے ذمہ کرم) پر
ہے وہ اس کے ٹھکانے کی جگہ اور اس کے سپرد کیے جانے کی جگہ کو
جانتا ہے سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

ا مسمی بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا : اے بھائی تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی تم
کو وہ طلب کرتا ہے جو فوت ہونے والا نہیں ہے اور تم اس چیز کو طلب کرتے ہو جس سے تم مستغنی کر دیئے گئے ہو اے
بھائی! تم دیکھتے ہو کہ کئی حریص لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور کئی بے رغبت لوگ نواز دیئے جاتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۳-۱۰۹)

نیز امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

توکل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اسی پر توکل کرے۔

توکل یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے چلنے کے لیے جو راستہ بیان کیا ہے جب اس کے سامنے وہ راستہ ظاہر ہو تو وہ
اس راستہ پر چلیں اور اس کی مراد تک پہنچنے کا سبب حاصل کریں اور اللہ پر اعتماد کریں کہ وہ ان کو ان کی کوششوں میں
کامیاب فرمائے گا اور انہیں ان کی مراد تک پہنچائے گا اور جس نے توکل کو اللہ کے بنائے ہوئے اسباب سے خلی کر لیا۔
اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور اللہ کے بنائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا۔

سعید بن جبیر کو ایک رات نماز میں کسی چیز نے ڈنک مارا انہوں نے اس پر دم کیا ان سے حصین نے پوچھا آپ
کو دم کرنے پر کس نے برا لکھ دیا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صرف نظر لگنے یا ڈنک مارنے پر دم کیا جائے۔
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو
پرندوں کی طرح رزق دیا جائے گا جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور رزق کو طلب کرنے کی نفی نہیں ہے کیونکہ پرندے صبح سے شام تک
رزق کی طلب میں پھرتے رہتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : رزق کی طلب میں تاخیر نہ کرو کیونکہ
اس وقت تک کوئی بندہ مر نہیں سکتا جب تک اسے اس کا آخری رزق نہ پہنچ جائے اللہ سے ڈرو اور رزق حلال کو اچھی
طرح سے طلب کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے تنگی اور فقر کی شکایت کی
اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں اپنے گھروالوں کے پاس سے آیا ہوں میرے پاس کوئی چیز نہیں جس کو میں ان کے پاس
لے کر جاؤں حتیٰ کہ ان میں سے بعض مر جائیں گے آپ نے فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ گھر میں کیا چیزیں ہیں؟ وہ ایک چادر اور
ایک پیالہ لے آیا اس نے کہا یا رسول اللہ! اس چادر کے بعض حصہ کو ہم بچھا لیتے ہیں اور بعض کو ہم اوڑھ لیتے ہیں اور
اس پیالہ سے پانی پیتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو مجھ سے کون ایک درہم میں خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہموں میں خریدوں گا۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا ایک درہم سے کھلاڑی خرید لو، اور دوسرے درہم سے اپنے اہل کے لیے کھانا خریدو، اس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹو اور پندرہ دن سے پہلے میرے پاس نہ آنا، وہ پندرہ دن کے بعد آیا تو اس نے کہا میرے پاس دس درہم ہیں، آپ نے فرمایا پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے طعام خریدو اور پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے کپڑے خریدو، اس شخص نے کہا : یا رسول اللہ! آپ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا تھا اس میں اللہ نے مجھے بڑی برکت دی ہے، آپ نے فرمایا یہ (تمہارا کسب اور محنت کرنا) اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن آؤ اور تمہارے چہرے پر سوال کرنے کی وجہ سے خراشیں پڑی ہوں، سوال کرنا صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے، جو سخت بیمار ہو، یا قرض میں ڈوبا ہوا ہو، یا ہلاکت خیز تنگی میں مبتلا ہو۔

(الجامع الصحیح للترمذی، کتاب السیوع، باب : ۱۱، ماجاء فی بیع المدبر، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۵)

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور محنت کرنے کی دلیل ہے اور جو شخص کمانے پر قادر ہو اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص غنی اور تندرست ہو اس کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳، شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸-۷۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا اسباب کو ترک کرنا اور مال جمع کرنا توکل کے خلاف ہے؟

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

ذوالنون سے پوچھا گیا توکل کیا ہے انہوں نے کہا توکل دنیا والوں سے مستغنی ہونا اور اسباب سے منقطع ہونا ہے، اور نہر جوری نے کہا توکل کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان اختیار کو ترک کر دے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۰۵-۱۰۴، مطبوعہ بیروت) ہمارے نزدیک یہ دونوں تقریفیں صحیح نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا، آپ نے پوچھا اے بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے کھجوروں کو ذخیرہ کیا ہے، آپ نے فرمایا : اے بلال کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کھجوروں کے لیے دوزخ کی آگ میں دھواں ہو!۔ اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے تنگی کرنے کا خوف نہ کرو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۸، دلائل النبوت للبیہقی ج ۱ ص ۳۴) ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی مال کو جمع کیا جائے اور اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کی جائے تو وہ دوزخ کی آگ کا دھواں بن جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین پرندے ہدیہ کئے گئے، آپ نے ایک پرندہ کھالیا اور آپ کی خلوص نے دو پرندے چھپا کر رکھ دیئے، صبح آپ کے سامنے وہ پرندے پیش کئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تم کو کل کے لیے کوئی چیز رکھنے سے منع نہیں کیا تھا، اللہ تعالیٰ ہر روز کارزق عطا فرماتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۹، مطبوعہ بیروت) (مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۹)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں، سواہل بن امیہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۲۲)

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس زمانہ پر محمول ہے جب مسلمانوں پر جنگی اور عسرت کا زمانہ تھا جب بھی دو ایسے متواتر دن نہیں آئے جب دونوں دن رسول اللہ ﷺ کے گھر آگ جلی ہو، پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشمگی کر دی بہ کثرت فتوحات ہوئیں اور مل غنیمت کی ریل پیل ہوئی تو اس وقت مسلمانوں کو مل جمع کرنے کی اجازت دے دی گئی، اگر مسلمانوں کے لیے مل جمع کرنا جائز نہ ہوتا تو مسلمانوں پر حج کیسے فرض کیا جاتا کیونکہ حج اسی پر فرض ہے جس کے پاس زلو اور راحلہ ہو، نہ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ اس پر فرض ہے جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونایا ساڑھے بلون تولہ چاندی، یا اس کے مساوی مل تجارت ہو، یا اس کے پاس پانچ لونٹ، تیس گائے یا چالیس بکریاں ہوں، اور ظاہر ہے کہ وہ یہ مل جمع کرے گا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اسی طرح زرعی پیداوار پر عشر اور خراج کا معاملہ ہے۔ اسی طرح قریشی بھی صاحب نصاب پر واجب ہے اور ملی صدقات نافلہ بھی ملدار شخص پر واجب ہوں گے، اگر اسلام میں مل جمع کرنے کی اجازت نہ ہو تو ان عبادات کی کس طرح گنجائش ہوگی!

اسباب حاصل کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ

اور سفر کے لیے زاوراہ لو، سو یقیناً بہترین زاوراہ تقویٰ ہے۔

(البقرہ : ۱۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یمن والے بغیر سفر خرچ لیے ہوئے حج کے لیے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو کل کرنے والے ہیں اور جب وہ مکہ میں پہنچتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سفر کے لیے زاوراہ لو سو یقیناً بہترین زاوراہ تقویٰ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶، مطبوعہ کراچی)

جو لوگ کسب معاش کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے :

وَأَحْرَقُونَ يَصْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَنْتَعُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (المزمل : ۲۰)

اور کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کرنے کا حکم دیا ہے :

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (الجمعة : ۱۰)

سوجب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا، صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال کرنے سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، البتہ جو شخص (محض) مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ

ہمام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا اگر لوگ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں تو اللہ ان کو رزق عطا فرمائے گا، حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ بات دین میں معروف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو معاش کے ساتھ جلا کیا ہے اور فرمایا ہے کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔ (النزل : ۲۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے اپنے اہل و عیال کے لیے سعی کرنے کی مثل کسی عمل میں فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں بھی نہیں۔

سفیان ثوری نے کہا جب تم عبادت کرنے کا ارادہ کرو تو دیکھو گھر میں گندم ہے یا نہیں اگر گھر میں گندم ہے تو عبادت کرو ورنہ پہلے تم گندم کو طلب کرو پھر اللہ کی عبادت کرو۔

ابراہیم خواص نے کہا آداب توکل میں تین چیزیں ہیں، قافلہ کے ساتھ جاؤ تو سفر خرچ لے کر جاؤ، کشتی میں سفر کرو تو سفر خرچ سے سفر کرو، اور مجلس میں بیٹھو تو توشہ دان (ناشتہ دان) لے کر بیٹھو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۹۷-۹۶ ملخصاً، طبع بیروت)

بیماری کے علاج کا سبب دوا ہے اور نبی ﷺ نے دوا لینے کی ہدایت دی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اعراب نے پوچھا : یا رسول اللہ! کیا ہم دوا نہیں کیا کریں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! اے اللہ کے بندو! علاج کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا ہر بیماری کی دوا بنائی ہے، یا فرمایا اس کی شفا رکھی ہے، پوچھایا رسول اللہ! وہ کون سی بیماری ہے؟ فرمایا بڑھاپا، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح للترمذی، کتاب الطب، باب : ۲، ماجاء فی الدواء، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۱، کتاب الطب، باب : ۱، شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

ابو خزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جس دوا سے علاج کرتے ہیں اور جن اوراد سے دم کرتے ہیں اور جس آڑ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں، کیا ان میں سے کوئی چیز اللہ کی تقدیر کو بدل سکتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

امام احمد نے کہا یہ حدیث اس باب میں اصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو اسباب بیان کئے ہیں اور ان کی اجازت دی ہے ان اسباب کو استعمال کیا جائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ مسبب اللہ تعالیٰ ہے اور ان اسباب کو استعمال کرنے کے بعد جو نفع پہنچتا ہے وہ اللہ عز و جل کی تقدیر سے ہے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے استعمال کے بعد ان کی منفعت کو روک لے لہذا ان اسباب کے نفع پہنچانے میں اللہ تعالیٰ پر ہی اعتما کرنا چاہئے اور تمام نتائج اس کے

سپرد کرنا چاہئیں۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں لوٹنے کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھول کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۶۸، مطبوعہ بیروت، المستدرک ج ۳ ص ۳۳۳، شعب الایمان ج ۲ ص ۸۰، موارد النعمان ص ۳۳۳)

رسول اللہ ﷺ سید المتوکلین ہیں اور آپ جنگ احد میں دو زہریں پہن کر میدان جنگ میں گئے، فتح مکہ کے دن آپ نے اپنے سر پر خود پہنا ہوا تھا اور نبی ﷺ نے ایک مرض میں نصد لگوائی۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸، الجامع الصحیح للترمذی ج ۴ ص ۳۹۰، مطبوعہ بیروت)

ان تمام احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اسباب کو مسبب پر مرتب کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا بھی مطلوب ہے اور توکل کے خلاف نہیں ہے

کھانے پینے اور دیگر اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ آج کی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہ رکھو یہ اس زمانے پر محمول ہے جب مسلمانوں پر تنگی تھی اور جب فتوحات اور مال غنیمت کی کثرت ہوئی اور مسلمان خوشحال ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کھانے پینے کی اشیاء جمع کرنے کی اجازت دے دی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عائش بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے، آپ نے یہ چاہا کہ غنی فقیر کو کھلائے اور ہم اب پائے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور اس کو پندرہ دن بعد کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قربانی اور حدی کے گوشت کو بہ طور زاوراہ لے جاتے تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرے تین دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ باقی نہ رہے، اس کے اگلے سال صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس سال بھی ہم پچھلے سال کی طرح کریں؟ آپ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور گوشت کو ذخیرہ کرو، کیونکہ اس سال لوگوں میں بھوک تھی، تو میں نے چاہا کہ اس سال میں تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ ﷺ سید المتوکلین ہیں اس کے باوجود آپ ہر سال ازواج مطہرات کو سودق غلہ دیتے تھے، ایک وسق ۲۴۰ کلو گرام کے برابر ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی زمین نصف غلہ یا نصف پھلوں کے

ہر سال اتنے وسق غلہ دیں، بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض ازواج نے اسواق کو اختیار کیا۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین اور پانی کو اختیار کیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۱۳، شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کرنا اور مستقبل کے لئے پس انداز کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، توکل کے سلسلہ میں میں نے یہاں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے اور بتلوا صوفیوں اور جعلی درویشوں نے توکل کا جو غلط مفہوم مشہور کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں اس کا بطلان واضح کیا ہے، اور توکل کا صحیح معنی اور مفہوم بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ میری اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے لئے اس کو نفع آور بنائے۔ آمین)

اگر اللہ مدد نہ کرے تو کوئی مددگار نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

(آل عمران : ۱۶۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا، اور دین کی سربلندی میں ان کی آرزوؤں کو پورا کر دے گا، اس کے بعد از سر نو فرمایا اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن تمہاری مدد فرمائی تھی اگر وہ تمہاری اسی طرح مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور جس طرح جنگ احد میں اس نے تمہیں بے سہارا چھوڑ دیا تھا، اگر وہ اس طرح تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی ترغیب دی ہے اور اپنی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ اور اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد

کرے گا۔ بے شک اللہ بہت قوت والا بہت غالب ہے۔ (الحج : ۴۰)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے (دین کی) مدد کرو گے تو وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد : ۷)

تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے ان کے (زمانے کے مشرک) لوگوں کی طرف وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے، پھر ہم نے تکذیب کرنے والے مجرموں سے انتقام لیا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رَسُولًا إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَأَنْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرُ مَوَاوَاكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ

(الروم : ۴۷) اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ط وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ

اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز کو

يَوْمَ الْقِيَمَةِ ج تَتَّوَفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر

لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمِنْ أَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخِطِ

ظلم نہیں کیا جائے گا ۰ تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو

مَنْ اللَّهِ وَمَا وَهُ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتُ

اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۰ وہ اللہ کے نزدیک مختلف

عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ

درجوں والے ہیں اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ۰ بیشک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا

الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے

آيَتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ج وَإِنْ كَانُوا

باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بیشک وہ اس سے

مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٣﴾

پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے ۰

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کو کھڑا کیا گیا تھا وہ مال غنیمت دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ان کو شاید یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے بروقت مال غنیمت سے حصہ نہیں لیا تو شاید ان کو بعد میں حصہ نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے تو جو سید الانبیاء اور امام المرسلین ہیں ان کے متعلق یہ گمان کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق امام ابن جریر نے کئی روایات

مسمم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : جنگ بدر کے دن سرخ رنگ کی ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہوگی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ خیانت کرنا نبی ﷺ کی شان نہیں ہے۔ یہ ظاہر اس قول کے قائل منافقین تھے۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بعض اصحاب میں مال غنیمت تقسیم کرتے تھے اور بعض اصحاب میں نہیں کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۰۲، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت) نبی ﷺ کے عادلانہ مزاج کے پیش نظریہ روایت صحیح نہیں ہے۔

امام رازی اور بعض دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ بعض اشراف یہ چاہتے تھے کہ نبی ﷺ مال غنیمت میں سے ان کو زیادہ حصہ عطا کریں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا تعلق اداء وحی کے ساتھ ہے، کیونکہ نبی ﷺ قرآن مجید پڑھتے تھے اور اس میں مشرکین کے دین کی مذمت تھی اور ان کے باطل خداؤں کا بطلان ظاہر کیا تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ آپ ایسی آیات نہ پڑھا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۸۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت) اس آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ صحیح مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بیان فرمائے تھے۔ اور جہاد کے احکام میں سے ایک حکم مال غنیمت کو تقسیم کرنا ہے سو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت نہ کی جائے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن صحابہ کرام آپس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ فلاں شخص شہید ہوا اور فلاں شخص شہید ہوا، دوران گفتگو ایک شخص کا ذکر ہوا صحابہ کرام نے اس شخص کے بارے میں بھی کہا کہ وہ شہید ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں! میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے، کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چرائی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے، چنانچہ میں نے حسب ارشاد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر فتح کرنے گئے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی، وہاں سے مال غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا، بلکہ مختلف قسم کا سلمان، غلہ اور کپڑے وغیرہ ملے، ہم ایک وادی کی طرف چل پڑے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رفاعہ بن زید نامی بنو ضیب کا ایک غلام تھا، جو آپ کو قبیلہ جذام کے ایک شخص نے نذر کیا تھا۔ جب ہم اس وادی میں اترے تو اس غلام نے رسول اللہ ﷺ کا سلمان کھولنا شروع کیا، اسی دوران کہیں سے اچانک ایک تیر آکر اسے لگا، جس سے وہ فوت ہو گیا، ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اسے شہادت مبارک ہو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، جو چادر اس نے خیبر کے مال غنیمت میں سے لی تھی، وہ اس کے حصہ کی نہ تھی وہی چادر ایک شعلہ کی صورت میں اس کے اوپر جل رہی

ہے یہ سن کر سب خوف زدہ ہو گئے، ایک شخص چڑے کے ایک یا دو تھے لے کر آیا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! میں نے جنگ خیبر کے دن ان کو پایا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تھے بھی آگ کے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالع کراچی)

مال غنیمت سے متعلق دیگر مسائل

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

- (۱) مال غنیمت میں سے کچھ چرانا حرام ہے۔ (۲) مال غنیمت کی چوری میں قلیل اور کثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔
- (۳) مال غنیمت میں کچھ چرانے والے کو اگر قتل کر دیا جائے تو اس کو شہید نہیں کہا جائے گا۔ (۴) اس زمین پر رہتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ جنم کو دیکھ رہے ہیں۔ (۵) جن لوگوں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے رسول اللہ ﷺ ان کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ (۶) نہ صرف یہ کہ آپ عذاب میں مبتلا لوگوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ آپ کو ان کے عذاب کی وجہ کا بھی علم ہے۔ (۷) مطالبہ قسم کے بغیر بھی کلام کو موکد کرنے کے لیے قسم کھانا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے۔ (۸) مال غنیمت میں سے جو چیز چرائی جائے اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر وہ واپس کرے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ (۹) مال غنیمت سے چوری کرنے والے شخص کے سامان کو جلایا نہیں جائے گا اور جس حدیث میں یہ ہے کہ ”جو شخص چوری کرے اس کے سامان کو جلادو اور اس کو مار دو“ اس حدیث کو حافظ عبد البر وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو گئی۔ یہ حکم اس وقت تھا جب عقوبات مالیہ (جرمانے) مشروع تھیں۔

اموال مسلمین میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے خیانت کا ذکر کیا اور اس کا سخت گناہ بیان کیا، اور فرمایا میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار اونٹ بڑھا رہا ہو، وہ شخص کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے، میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے کو تبلیغ کر چکا ہوں، اور میں تم میں سے کسی ایک کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار گھوڑا ہنہنا رہا ہو، وہ کہے گا : یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے۔ میں کہوں گا، میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں، اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار بکری میا رہی ہو، وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے، میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں، اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار چنچ رہا ہو، وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے، میں کہوں گا، میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں، اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار چاندی ہو وہ کہے گا

رسول اللہ! میری مدد فرمائیے، میں کون گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۶۱-۱۳۶۲ مطبوعہ بیروت، صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۲، مطبوعہ کراچی، مسند احمد مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۴۲۶)

نبی ﷺ ابتداءً " سختی فرمائیں گے اور شفاعت نہیں کریں گے اور فرمائیں گے میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں لیکن بعد میں جب آپ پر رحمت کا غلبہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا اذن دے دے گا اس وقت شفاعت فرمائیں گے، اس حدیث میں طعام کے علاوہ ہر چیز کی خیانت کا ذکر ہے، دنیا میں خیانت کرنے والے کو حاکم تعزیراً " سزا دے گا، اور اس کے اس سلمان کو جلایا نہیں جائے گا جس میں اس نے خیانت کا مل رکھا تھا، حسن، مکحول اور اوزاعی کے نزدیک ان کا پالان جلا دیا جائے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے : امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے سلمان میں تم خیانت کا مل پاؤ اس کے سلمان کو جلا دو، اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اس کو ضرب لگاؤ (مارو) (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲) جمہور نے اس حدیث پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ سالم سے اس حدیث کی روایت میں صالح بن محمد منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے، نیز نبی ﷺ کے سامنے جن لوگوں نے خیانت کا اقرار کیا آپ نے ان کا سلمان نہیں جلایا۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو حمید ساعدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا حامل بنایا اس کا نام ابن البتہ تھا، جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ تمہارا مال ہے، اور یہ میرا مال ہے مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ عز و جل کی حمد و ثناء کی اس کے بعد فرمایا : جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں ان کو کیا ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے، یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا۔ پھر ہم دیکھتے کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، تم میں سے جو شخص بھی صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہو گی، اونٹ بڑبڑا رہا ہو گا، یا گائے ڈکرا رہی ہو گی، یا بکری میا رہی ہو گی، پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر دو مرتبہ فرمایا : اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۶۳، مطبوعہ بیروت)

حکومت کے عمل جو چیزیں ہدیہ کے نام پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اس میں اللہ کی بھی خیانت ہے اور مسلمانوں کی بھی، اللہ کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ کندي رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا حامل بنایا اور اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی کوئی چیز ہم سے چھپالی تو یہ خیانت ہے جس کو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا، انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! اپنے دیئے ہوئے منصب کو مجھ سے لے لیجئے، آپ نے پوچھا : کیا ہوا؟ اس نے کہا میں نے آپ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا

میں اب بھی یہی کہتا ہوں ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدہ کا عامل بنایا اس کو چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے، پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۶۵، مطبوعہ بیروت)

ہمارے ملک میں جو لوگ دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ دفاتر سے شیخری کا سامان گھر لے آتے ہیں، جو لوگ ریلوے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں، ان کی ذاتی ضروریات کی تمام چیزیں ورکشاپ سے بنتی ہیں، حتیٰ کہ بعض دینی مدارس کے ناظمین، مدرسہ کے تمام اموال کو بے دھڑک اپنے ذاتی تصرف میں لاتے ہیں، یہ تمام امور خیانت ہیں اللہ تعالیٰ ان خیانتوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور ان لوگوں کو توبہ کی توفیق دے، ان کو ہدایت دے اور معاف فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۲)

نیکو کاروں کا بد کاروں کی مثل نہ ہونا

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) جس نے خیانت کو ترک کرنے میں اللہ کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۲) جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی اطاعت کر کے اس کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو کفر اور معصیت کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۳) جن ایمان والوں نے اخلاص کے ساتھ نیک کام کر کے اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان منافقوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

(۴) جنگ احد میں جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہہ کر میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان مسلمانوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں نہ پہنچ کر اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

یہ تمام وجوہ صحیح ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے، قرآن مجید میں اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں :

تو کیا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا

(السجدة : ۱۸)

کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل کر دیں گے یا ہم متقین کو بد کاروں کی مثل کر دیں گے۔

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص : ۲۸)

کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے ان کا یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی مثل کر دیں گے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیا ہمارے

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝

(الجاثیہ : ۲۱) فیصلہ کر رہے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ○ کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟ تمہیں کیا
مَالَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (القلم : ۳۶-۳۵) ہو گیا تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اللہ کے نزدیک متعدد درجات والے ہیں اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔
ثواب اور عذاب کے مختلف درجات

اس آیت کا معنی ہے جن لوگوں نے خیانت کو ترک کیا وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت اور اخلاص کے اعتبار سے ان کے مختلف درجات ہیں یا اس کا معنی ہے ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ کرنے والے سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت، اخلاص اور اعمال کی کمی اور بیشی کے اعتبار سے ان کے مختلف مدارج اور درجات ہیں اور اجر و ثواب کے لحاظ سے جنت کے بہت درجات ہیں، اسی طرح جن لوگوں نے خیانت کی یا جنہوں نے کفر کیا اور معصیت کی ان سب کا دوزخ میں ایک درجہ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کی کیفیت اور گناہوں کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے دوزخ میں بہت درجات ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوں گے، اسی طرح آپ نے ابوطالب کے متعلق فرمایا وہ جہنم کی سختیوں میں تھائیں نے اس کو کھینچ کر تھوڑی سی آگ میں کر دیا، اس کے بعد فرمایا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے، یہ ان کے مختلف درجات کی دلیل ہے کیونکہ وہ ہر شخص کے عمل کو خوب جاننے والا ہے تو اس کو اس کے عمل کے اعتبار سے پوری پوری جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران : ۱۶۳)

احسان جتنا کہ جزا کا طالب ہونا یہ معنی ”مذموم ہے“ اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب جزاء کے مومنوں پر اپنے انعام اور احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

آیات سابقہ سے اس آیت کے ارتباط کی حسب ذیل وجہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کے دو گروہ بیان فرمائے ایک وہ جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ کی ناراضگی کے کام کرتے ہیں۔ اب اللہ نے ان دونوں فریقوں کی تفصیل شروع کی پہلے مومنین کا ذکر فرمایا جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر ان پر احسان فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کرتا ہے اور ان کے معاصی اور قلب کو ہر قسم کے گناہوں سے بچا کر صاف رکھتا ہے اور ان کو کتاب اور سنت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۲) بعض منافقین نے جنگ بدر کے دن ایک چادر کے متعلق یہ کہا تھا کہ شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہوگی، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی براءت کرتے ہوئے فرمایا تھا اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے۔ (آل عمران : ۷۵) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اسی براءت اور نزاہت کو موکد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ عظیم رسول ان کے

شہر میں پیدا ہوئے اور ان کے سامنے نشوونما پائی اور پوری زندگی میں اس نبی سے صدق، امانت، اللہ کی طرف بلائے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا، تو ایسے صلوٰۃ، امان اور زاہد کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے!

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کی براءت اور نزاہت پر اکتفا نہیں کی بلکہ فرمایا اس عظیم رسول کا وجود تو ہمارے لیے بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ وہ تم کو بے دینی اور گمراہی سے پاک کرتے ہیں اور تم کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں، امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی سے کہا : اے امیر! ہم لوگ جلیل تھے، بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتے توڑتے تھے، ہمسایوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہم میں سے قوی شخص ضعیف کا حق کھا جاتا تھا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک عظیم رسول بھیجا جن کے نسب کو، ان کے صدق کو، ان کی امانت داری کو اور ان کی پاک دامنی کو ہم اچھی طرح جانتے تھے، انہوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ واحد لا شریک کی عبادت کریں، اور ہم اور ہمارے آباء و اجداد جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کو ترک کر دیں، انہوں نے ہم کو تعلیم دی کہ ہم سچ بولیں، امانت ادا کریں، رشتے جوڑیں، ہمسایوں سے اچھا سلوک کریں، حرام کاموں اور خوں ریزی کو چھوڑ دیں، انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔

الحديث (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲)

سو جس نبی نے ایسی انقلاب افروز تعلیم دی ہو اس کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔
(۴) تم لوگ گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے تمہارے شہر میں یہ عظیم رسول پیدا ہوئے، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بے نظیر اور لافانی کتاب نازل کی اور ان کو بہ کثرت معجزات عطا کئے، تمام انبیاء کا ان کو قائد بنایا تو ان کی وجہ سے اور ان کے دین پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہیں تمام دنیا میں شہرت اور عزت ملی تو ان پر کسی قسم کا طعن کرنا کس قدر عدل اور انصاف سے بعید ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو نبی ﷺ کے ساتھ جملہ کرنے کی تلقین کی تھی، اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس عظیم رسول کی بعثت تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے سو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام تر قوتوں سے ان کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا عام انسانوں اور مومنوں کے لیے رحمت ہونا
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا ہے، جس طرح آپ کی بعثت مومنوں پر احسان ہے اسی طرح عموماً نبیوں اور رسولوں کی بعثت بھی عام انسانوں اور مومنوں پر احسان ہے، اللہ تعالیٰ نے عموماً انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے :

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِّنَلَّا يَكُونُ لِلنَّاسِ
عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء : ۱۶۵)
(ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لیے اللہ

خلاف کسی عذر کی گنجائش نہ رہے۔

رسولوں کی بعثت سے لوگوں کو متعدد طریقوں سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے :

(۱) انسانوں کی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے ناقص اور نارسا ہے اور شیطان قدم قدم پر لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوک و شبہات ڈالتا ہے، اللہ کا نبی انسانوں کو اللہ کی معرفت کراتا ہے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

(۲) ہرچند کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ از خود یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے، نبی ان کو عبادات اور معاملات کے لیے ایسے طریقے بتاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے منع فرماتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

(۳) انسان اپنی فطرت میں ست اور غافل ہے، اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عملی اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے نبی آکر انہیں نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی پر اللہ کی گرفت سے ڈراتا ہے۔

(۴) جس طرح آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو دیکھنے کا نور رکھا ہے لیکن جب تک آفتاب یا چراغ کا نور اس نور کے معاون نہ ہو تو اشیاء کو دیکھنے کے لیے یہ نور ناکافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقل میں اپنی معرفت کا نور رکھا ہے لیکن جب تک نور نبوت اس کے معاون نہ ہو یہ نور ناکام اور ناتمام ہے۔

(۵) نبی اللہ کے احکام پر عمل کر کے دکھاتا ہے اور عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

(۶) انسان اس وقت بے جھجھک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص، شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جائے، نبی اپنی تعلیم سے دلوں میں ایسا خوف خدا پیدا کرتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں سنبھل جاتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے اور معصیت سے باز آ جاتا ہے۔

(۷) سخت مشکلات، مصائب اور بیماریوں میں نبی پابندی سے اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے تاکہ سخت مشکلات اور مصائب کسی شخص کے لیے عبادت نہ کرنے کا عذر نہ بن سکیں۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل اور مومنین پر وجوہ احسان

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر حسب ذیل دلائل ہیں اور یہی دلائل مومنوں پر وجوہ احسان ہیں۔

(۱) سیدنا محمد ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشوونما پائی، اور چالیس سال تک اہل مکہ دیکھتے رہے کہ آپ نے ہمیشہ سچ بولا، اور آپ کی پارسائی اور امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آپ حرص و طمع، جھوٹ، بے حیائی، اور برائی کے کاموں سے ہمیشہ دور رہے لوگ آپ کو صلوق اور امین کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر جب آپ نے چالیس سال بعد اللہ کے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ یقین کیا جاسکتا تھا کہ جس شخص نے آج تک بندوں کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں بولا وہ یکایک خدا پر کیسے جھوٹ باندھے گا!

(۲) اہل مکہ کو علم تھا کہ آپ نے کسی استاذ کے آگے کبھی زانوئے تلمذتہ نہیں کیا، کسی کا درس سنا نہ کسی کتاب کو پڑھا، نہ کسی سے علم کا تکرار کیا، پھر چالیس سال اسی طرح گزارنے کے بعد آپ یکایک غار حرا سے نکلے اور ایسا فصیح و بلیغ کلام پڑھا

جس کی نظیر لانے سے آج تک تمام دنیا عاجز ہے، پھر اس کلام میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے واقعات تھے جن کو پہلے آپ نے کسی سے سنا نہ تھا اور جن کی اہل کتاب نے تصدیق کردی اور اس کلام میں مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں تو عقل سلیم کے لیے اس کو بلور کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے، اور اس کلام کو اللہ نے آپ پر نازل کیا اور آپ اس کے برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

(۳) مخالفین نے آپ کو دعویٰ نبوت سے دستبردار ہونے کے لیے بڑی بھاری ملی پیش کشیں کیں، عرب کی حسین عورتوں کو نکاح کے لیے پیش کیا، لیکن آپ تو حید کا پیغام لانے سے دستبردار نہیں ہوئے، پھر آپ کو ازیتیں پہنچائی گئیں، آپ کے اصحاب کو تنگ کیا گیا، آپ کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا (۷ نبوت میں) مخالفین نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھے گا نہ ان سے خرید و فروخت کرے گا نہ ان کے پاس کوئی کھانے پینے کی چیز جانے دے گا حتیٰ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں، اس کے نتیجے میں آپ تین سال تک شعب ابوطالب میں محصور رہے، جب ان مصائب اور مشقتوں کے باوجود آپ اللہ کی توحید بیان کرنے سے دست کش نہیں ہوئے تو سب نے مل کر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ آپ کو ہجرت کر کے اپنا وطن چھوڑنا پڑا، آپ نے سب کچھ چھوڑا، لیکن پیغام حق سنا نہیں چھوڑا، جو شخص اپنے موقف میں صادق نہ ہو وہ کبھی اپنے موقف کی خاطر اتنے مصائب اور ازیتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ سو جس شخص کے سامنے نبی ﷺ کی یہ سیرت ہو اس کو آپ کی صداقت میں کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔

(۴) سیدنا محمد ﷺ نے جو کتاب پیش کی، اس میں اللہ کے وجود، اس کے خالق کائنات ہونے اور واحد لا شریک ہونے کا بیان ہے اور شرک سے تنزیہ ہے، اس میں نیک عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی تلقین اور ترغیب ہے، اور ان کے مکروں پر عذاب نازل ہونے کا بیان ہے۔ غرض اس کتاب میں نیکی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں تو جس شخص نے یہ کتاب پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ خود نیک اور سچا کیوں نہیں ہو گا!

(۵) نبی ﷺ نے بے شمار معجزات پیش کیے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا، سورج کو پلٹایا، درخت آپ کے اشارہ پر چل کر آتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے، درختوں، پتھروں، اور مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا، کھانے پینے کی چیزوں کی مقدار آپ کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی، آپ نے علوم و معارف کے دریا بہائے، غیب کی خبریں بیان کیں، آپ چاہتے تو آپ خدائی کا دعویٰ کر دیتے اور یہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو خدا مان چکی ہے جس نے فرعون کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا جو لوگ بلا وجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کرتے رہے اس سے کچھ بعید نہ تھا بلکہ زیادہ توقع تھی کہ وہ ان کمالات کو دیکھ کر آپ کی خدائی کے دعویٰ پر یقیناً ایمان لے آتے، لیکن آپ نے کہا میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں، جس طرح تم خدا نہیں ہو میں بھی خدا نہیں ہوں، مجھ پر صرف اس کی وحی آتی ہے یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت، غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے یہ میری قابلیت اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے لفظ بہ لفظ اللہ کا کلام ہے، اور یہ جو بہ کثرت معجزات میں نے دکھائے ہیں یہ میری قدرت کا ثمرہ نہیں ہیں یہ اسی خدائے واحد کی قدرت سے ظہور میں آئے ہیں، میں جو اولین اور آخرین کی خبریں، ماکہ و ماہیکہ سے بتاتا ہوں، میرا علم اور میری قدرت، میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے، میں خود اور میرے تمام اوصاف سے بتاتا ہوں، میرا علم اور میری قدرت، میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے، میں خود اور میرے تمام اوصاف سے

اللہ کے ملازم ہیں، آپ سے کہا گیا کہ فلاں علاقہ کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کے زیادہ متوجہ ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آپ نے فرمایا اگر مخلوق کے لیے سجدہ روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، ہماری تعظیم صرف سلام کرنے میں ہے، آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے چہرے سوخ جاتے تھے، دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتے تھے آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اتنے عظیم کمالات پیش کیے اور برملا یہ اعلان کیا کہ یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے، جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جن کے اصل ماخذ کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے، اگر فرض آپ یہ کہہ دیتے کہ یہ سب میرے ذاتی کمالات ہیں تو کسی انسان کے پاس ان کمالات کے اصل ماخذ تک پہنچنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، آپ کی صداقت اور راست بازی پر اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہوگی! صرف یہی نہیں آپ نے ان کمالات میں سے کسی کمال کا اعزاز نہیں لیا، بلکہ آپ نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا کہ ان کمالات کی وجہ سے آپ کی ہر معمولی تعظیم اور تکریم کی جائے، لوگوں نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے اس سے منع فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا اعلان قطعی کر دیا پھر بھی راتوں کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پاؤں پر درم آ جاتا، اور استفسار پر بھی فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں! غرض ان تمام کمالات کے باوجود آپ نے عجز و انکسار اور اظہارِ عبدیت کو اپنا شعار بنایا، ایک مرتبہ مل غنیمت میں بہت سے غلام، باندیاں اور بہت ساز و سامان ملا، آپ نے اس سے بہت مسلمانوں کو دیا اگر کسی کو نہیں دیا تو اپنی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو، فرمایا تم عشاء کی نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لینا، یہ تمہیں ایک باندی کی ضرورت سے کفایت کرے گا، جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنے کمالات سے اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرتا ہے یا اپنی اولاد کے لیے، آپ نے اپنے کمالات سے اپنے لیے کوئی بڑائی نہیں لی، نہ نفع اور آرام چاہا، نہ اپنی اولاد کے لیے کوئی منفعت طلب کی بلکہ جو نفع ملا وہ عام مسلمانوں کو پہنچایا اور جو بڑائی اور برائی تھی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی، لوگوں کو بھی اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور خود بھی دن رات اس کی عبادت میں لگے رہے تو ہم ان کو سچا کیوں نہ مانیں، ان کی تصدیق کیوں نہ کریں اور ان پر ایمان کیوں نہ لائیں!

نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا دین بدترین دین تھا، وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، ان کے اخلاق بھی بہت بُرے تھے، وہ قتل و غارتگری، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، رشتوں کو توڑتے تھے، شراب پیتے تھے، عواکھلتے تھے، لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو ان میں مبعوث کیا، تو وہ ذلت کی پسماندگی، نکل کر عزت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے، حتیٰ کہ وہ علم و ہنر، زحد و تقویٰ اور فہم و فراست اور شجاعت اور بہادری کے لحاظ دنیا کی سب سے افضل اور برتر قوم شمار کیے جانے لگے اور چونکہ سیدنا محمد ﷺ ان کے شر میں پیدا ہوئے اور وہیں بچے، چمے تو دوسروں کی بہ نسبت ان کو آپ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ نے ان پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

ہر قوم اپنے بطل جلیل اور رجل عظیم پر فخر کرتی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ اور عرب سب فخر کرتے تھے، سوانہ پر فخر کرنا سب میں مشترک تھا، اور یہود صرف حضرت موسیٰ پر فخر کرتے تھے اور نصاریٰ صرف حضرت عیسیٰ پر فخر کرتے تھے، عرب والوں کے لیے کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جس پر وہ انفرادی طور پر فخر کرتے، اللہ تعالیٰ نے ان میں

سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور اب عرب بجا طور پر یہ فخر کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل کے سردار و عالم کے مختار ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں انہوں نے اعلان نبوت کیا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان اور بشر سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا، اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ نور، نار، ملائکہ یا جنت میں سے آپ کو مبعوث کر دیتا تو انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا، آپ کی سیرت مسلمانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی اس لیے اللہ نے اپنا یہ عظیم رسول فرشتوں میں سے بھیجا نہ جنت میں سے نہ نور میں سے نہ نار میں سے بلکہ یہ عظیم رسول انسانوں میں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں سے اس عظیم رسول کو بھیجا، تاکہ مومن اس سے استفادہ کر سکیں، اس کی بات سن سکیں، اس کے عمل کو دیکھ سکیں اور بے شک یہ اللہ کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے، اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو جو تکرم دی، اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اپنے دست قدرت سے اس کی تخلیق کی اور اسے اپنی صورت پر بنایا، یہ ساری عزتیں اور کراتیں انسان اور بشر کو اس لیے دی گئی تھیں کہ اس عظیم رسول کو نوع انسان اور بشر سے مبعوث فرماتا تھا۔ اگر ان کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو بشریت کا یہ فروغ ہوتا نہ انسانیت کا یہ عروج ہوتا۔

(۹) اس آیت میں مومنین سے مراد وہ مومن ہیں جو اس وقت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے، اور فرمایا ہے ”جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔“ اس سے مراد ان امور میں مماثلت ہے جو آپ کے قرب اور آپ سے اکتساب فیض کا سبب ہوں، اور اس سے مراد نسب، لغت اور وطن ہے، جب آپ ان کے نسب اور ان کی قوم سے مبعوث ہوئے تو لوگ آپ سے مانوس ہوئے اور آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کے قرب سے توحش اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوئے، اور جب آپ ان کی لغت اور ان کی زبان میں کلام کرتے تھے تو آپ کا خطاب اور آپ کا کلام سمجھنا ان کے لیے آسان ہوا نیز ہم زبان ہونا بھی قرب کا ذریعہ ہوتا ہے، اور جب آپ ان کے وطن میں رہنے والے تھے اور آپ نے ان کے سامنے نشوونما پائی اور آپ کی تمام زندگی ان کے سامنے تھی، انہوں نے آپ کی سچائی، اپنے موقف پر استقامت اور آپ کے معجزات دیکھے تو ان کے لیے آپ پر ایمان لانا بہت آسان ہو گیا۔

(۱۰) علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ آپ ان کے نسب سے مبعوث کئے گئے یا ان کی جنس سے قوم عرب سے مبعوث کئے گئے یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے فرشتوں اور جنت میں سے مبعوث نہیں کئے گئے، اور یہ مومنوں پر اس وجہ سے احسان ہے کہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث کیے جاتے تو ایک جنس دوسری مختلف جنس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہے اور اس سے مانوس نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مومنوں کی جنس سے مبعوث کیا تو وہ آپ سے مانوس ہوئے اور ان کو آپ سے وحشت نہیں ہوئی اور آپ سے فیض حاصل کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا اور آپ کی زبان وہ سمجھتے تھے، اور آپ کی سیرت پر مطلع تھے اور یہ آپ کی تصدیق کا ذریعہ بنا، اس آیت میں آپ کی بعثت کو مومنین کے لیے احسان فرمایا ہے حالانکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رحمت سے استفادہ صرف مومنین ہی کرتے ہیں، جس طرح قرآن مجید کو فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے جب کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرہ : ۱۸۵) کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف متقین ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی : ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۴)

علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں :

”من انفسهم“ کا معنی ہے ان کے نسب سے، حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے نسب سے مراد یہ ہے کہ آپ ولد اسماعیل سے تھے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا یہ آیت خاص عربوں کے لیے ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا اس آیت سے مراد کل مومن ہیں اور ”من انفسهم“ کا معنی یہ ہے کہ آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، وہ آپ کو بھی پہچانتے تھے اور آپ کے نسب کو بھی پہچانتے تھے، آپ نہ فرشتے تھے اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد تھے، یہ قول زجاج کا مختار ہے، اگر مومنوں پر احسان کی وجہ یہ ہو کہ آپ عرب تھے تو عجمیوں پر آپ کی بعثت کی وجہ سے کوئی احسان نہیں ہو گا، لیکن عجمیوں پر بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ جب ان کو آپ کی بعثت کی خبر دی گئی اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ ان ہی میں سے ایک فرد ہیں اور انہوں نے آپ کے صدق اور آپ کی امانت کو جان لیا تو ان کے لیے آپ کی نبوت کو ماننا آسان ہو گیا۔ (الوسیط ج ۱ ص ۵۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

”من انفسهم“ کا معنی ہے ان کی اصل اور عرب میں ان کے نسب سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی جنس سے یعنی بنو آدم سے، اللہ نے آپ کو فرشتوں میں سے نہیں بنایا، آپ کی تین فضیلتیں تھیں، آپ کا نسب عربوں میں سے قریش میں سے تھا، اور قریش میں سے بنو ہاشم میں سے تھا، اور اس پر اتفاق تھا کہ عرب افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں سے بنو ہاشم۔ دوسری فضیلت یہ تھی کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ لوگوں میں بہ طور امین معروف تھے، اور تیسری فضیلت یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ آپ اہی ہیں اور پھر آپ نے ایک معجز کلام پیش کیا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں :

”من انفسهم“ کا معنی ہے آپ ان کی مثل بشر ہیں، ایک قرأت شاذہ فاک زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ ان میں سے زیادہ نفیس ہیں، کیونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اور بنو ہاشم قریش میں افضل ہیں، اور عرب عجم سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آیت عرب کے لیے ہے اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد کل مومن ہیں اور ”من انفسهم“ کا معنی ہے آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی سے ان میں ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۶۳ - ۲۶۴، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں دو قول ہیں حضرت عائشہ اور جمہور سے منقول ہے کہ یہ آیت عربوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کا معنی ہے آپ کا نسب ان میں معروف ہے اور یہی وجہ احسان ہے، اور دوسروں کا قول ہے یہ آیت سب مومنوں کے لیے ہے اور اس آیت کا معنی ہے نہ آپ فرشتے ہیں اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد ہیں اور یہی وجہ احسان ہے۔

(زوا المسیر ج ۱ ص ۴۹۳، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

کافی عبد اللہ بن عمر بیضوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں :

”من انفسهم“ کا معنی ہے آپ ان کے نسب سے اور ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آپ کا کلام سمجھ لیں، اور صدق اور امانت میں آپ کے حل سے واقف ہوں اور آپ پر فخر کریں ایک قرات فاکی زبر کے ساتھ ہے، یعنی آپ ان میں سے سب سے زیادہ شرف والے ہیں کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے اشرف اور افضل تھا۔
(انوار التنزیل ص ۹۵، مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر)

علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۵۵۴ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا معنی ہے کہ آپ بنو آدم کی جنس سے ہیں، اور یہ اس وجہ سے احسان ہے کہ لوگ آپ سے مانوس ہو کر اکتساب فیض کر لیں، اور دو مختلف جنسوں میں جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ نہ ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب عرب ہیں اور وجہ احسان یہ ہے کہ آپ ان کی مثل عرب ہیں، ان کی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے آپ سے استفادہ آسان ہے اور آپ کی سیرت طیبہ ان میں معروف ہے اور یہ آپ کی نبوت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۴۶۱-۴۱۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الحلبي الشافعي المتوفى ۵۵۶ھ لکھتے ہیں :

”من انفسهم“ کا معنی ہے کہ آپ ان کی جنس سے ہیں، حضرت عائشہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ضحاک کی یہی قرات ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فاء کی زبر کے ساتھ ہے، یعنی آپ سب سے زیادہ نفیس اور مکرم ہیں، حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا : میں نسب، حسب اور صر (سرال) کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔ (الدر المصون ج ۲ ص ۲۵۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ جلال الدین شافعی متوفی ۹۹۸ھ لکھتے ہیں :

آپ ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کی وجہ سے مشرف ہوں نہ فرشتے ہیں نہ عجمی (جلالین مع الجمل ج ۱ ص ۳۳۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں :

آپ ان کے نسب سے یا ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی سے آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کے صدق اور آپ کی امانت پر مطلع ہوں اور اس پر فخر کریں اور اُس میں ان کے لیے عظیم شرف ہے، ایک قرات فاکی زبر کے ساتھ ہے کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ تھا۔

(تفسیر ابوالسعود علی ہامش الکبیر ج ۲ ص ۴۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۸ھ)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ پر نور کا اطلاق بھی فرمایا ہے۔

فَدَجَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن

(المائدة : ۱۵) کتاب۔

اس لیے نبی ﷺ پر نور کا اطلاق بھی جائز ہے، نور کی دو قسمیں ہیں ایک حسی اور مادی نور ہے جیسے سورج، چاند اور چراغ کا نور ہے جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور حسی نور اندھیروں کو دور کرتا ہے، اور ایک معنوی نور ہے جو کفر اور گمراہی سے نکل کر اسلام اور ہدایت کی طرف لاتا ہے، اس کا اور اک عقل سے ہوتا ہے، اور یہی نور افضل ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام

کی صفت ہے، سیدنا محمد ﷺ کی شان کے لائق بھی یہی نور ہے، نیز آپ کی بشریت مادی کثافتوں سے پاک اور منزہ تھی اور مادی کثافت میں تھی حتیٰ کہ آپ کے جسم مبارک کا سایہ بھی نہیں پڑتا تھا اس وجہ سے بھی آپ کو نور فرمایا گیا اور اس لیے بھی کہ آپ کی حقیقت میں عقل کے علاوہ استعداد وحی کا عنصر بھی رکھا گیا جو عام انسانوں کے اعتبار سے بہ منزلہ فصل ہے اور اسی سے آپ امور غیبیہ کا اور اک کرتے ہیں، اس لیے آپ کو نور فرمایا گیا، نیز اس لیے بھی کہ بعض اوقات آپ سے حسی نورانیت کا بھی ظہور ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی، جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شامل ترمذی مع جامع ترمذی ص ۵۶۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، سن داری ج ۱ ص ۲۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، دلائل النبوة ج ۱ ص ۲۱۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا، آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب رہتا اور آپ جب بھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب رہتا۔ (الوفاء بحوال المصطفیٰ ص ۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

بعض علماء سیدنا محمد ﷺ کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت آپ کی صفت یا آپ کا لباس ہے، اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا، نورانیت بھی آپ کی صفت ہے، اور بشریت بھی آپ کی صفت ہے، لیکن قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے ہیں اور یہی آپ کی حقیقت ہے لیکن استعداد وحی کے لحاظ سے آپ عام انسانوں سے ممتاز ہیں اور آپ پر نور کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور اس کے محال وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں لیکن یہ ایک فکری مسئلہ ہے اس کا ضروریات دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہماری عقائد کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے :

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں :

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

(کتاب العقائد ص ۸، مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

عقیدہ : نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو، اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ : انبیاء سب بشر تھے اور مرد نہ کوئی عین نبی ہو نہ عورت۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۹، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

طلوت، تزکیہ اور کتب و حکمت کی تعلیم کا بیان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو ان پر اللہ کی آیات طلوت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۷۴)

یعنی ان پر آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، آیت کا معنی دلیل ہے، قرآن مجید کے جملوں کو اس لیے آیات فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید کا ہر جملہ اپنی بلاغت کے اعتبار سے سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلیل ہے، اور وہ چونکہ اہل لسان تھے اس لیے ہر جملہ سے ان کے مفہوم کو بغیر کسی ترجمہ کے جان لیتے تھے اور اس کی بلاغت کی وجہ سے اس کے اعجاز کو بھی سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

ترکیہ کا معنی ہے پاک اور صاف کرنا، یعنی آپ انہیں اسلام کی ہدایت دے کر ان کے ظاہر کو صاف اور ان کے باطن کو پاک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کو کتب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

کتب کی تعلیم سے مراد ہے قرآن مجید کے مقاصد کا بیان کرنا اور قرآن مجید کے حفظ کا حکم دینا، تاکہ انہیں ہر وقت قرآن مجید کے معانی مستضر رہیں اور حکمت سے مراد نبی ﷺ کی سنت ہے، یا کتب سے مراد ظاہر شریعت ہے اور حکمت سے مراد شریعت کے اسرار اور معارف ہیں، یا حکمت سے مراد ہے شریعت کے بیان کیے ہوئے وہ اصول جن پر عمل کرنے سے ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کی اصلاح ہوتی ہے جس کو تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ يُؤْثِقْ شَيْخَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ (الحشر : ۹) کامیاب ہیں۔

یا جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا : کسی چیز کی محبت تمہیں (اس کا عیب دیکھنے سے) اندھا اور (اس کا عیب سننے سے) بہرہ کر دیتی ہے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۳، مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۳، ج ۶ ص ۴۵۰)

نبی ﷺ نے جو حکمت کی تعلیم دی ہے یہ اس کی دو تین مثالیں ہیں، جو شخص قرآن مجید اور احادیث کا مطالعہ کرے گا وہ ایسی بے شمار مثالوں پر مطلع ہو گا۔

أَوَلَمَّا أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَذَا

یہ کیا ہوا کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی حالانکہ تم اس سے دگنی مصیبت (کفار کو) پہنچ چکے تھے، (پھر بھی) تم نے کہا

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾

یہ مصیبت کہاں سے آئی، آپ کہیے کہ یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے آئی ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّتْيِ الْجَمْعِ فِي بَاذِنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ

دو فریقوں کے مقابلہ کے دن تم پر جو مصیبت آئی تھی تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ مومنوں کو

الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلَيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

کو متمیز کر دے ○ اور تاکہ (اشد) منافقوں کو الگ کر دے، اور ان سے کہا گیا آؤ اشد کی ماہ میں

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعَنَّا

جنگ کرو، یا (اپنے شہر کا) دفاع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی

هُمْ لَلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ

کرتے، اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، وہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے۔

مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ۝ الَّذِينَ

جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اشد ان چیزوں کو زیادہ جاننے والا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں ○ یہ وہ لوگ

قَالُوا إِنْ خَوَّانُهُمْ وَقَعَدُوا ۖ لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا

ہیں جو خود تو بیٹھے ہیں اور انہوں نے (شہید ہونے والے) اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اگر یہ ہمارا کہنا مان لیتے تو قتل نہ کیے

عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

جاتے، آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو جب تمہاری موت آئے تو اسے ٹال دینا ○

بعض مسلمانوں اور منافقوں کے شبہات اور ان کے جوابات

جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کر دیا تھا اور ستر مشرک گرفتار کر لیے گئے تھے، اس کے بعد جب جنگ احد میں ستر مسلمان شہید کر دیے گئے تو بعض مسلمان کہنے لگے، ہم پر یہ مصیبت کیسے ٹوٹ پڑی، حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مقابلہ پر مشرک ہیں اور ہم میں اللہ کا نبی بھی موجود ہے جن پر آسمان سے وحی آتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے نبی! آپ کہئے کہ یہ مصیبت تمہاری خود لائی ہوئی ہے، تم میری حکم عدولی کر کے احد پہاڑ سے ہٹے اور مل غنیمت لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ چاہے تو تمہاری اس تقصیر پر درگزر کرے اور چاہے تو سزا دے، وہ چاہے تو فضل اور احسان کرے اور چاہے تو انتقام لے۔ جس دن کفر اور اسلام کے دو لشکر معرکہ آراء ہوئے اس دن جو مسلمان شہید ہوئے اور جو مسلمان زخمی ہوئے وہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوا اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا، اور جن منافقوں نے اپنے نفاق پر ظاہری اسلام کا پردہ ڈالا ہوا تھا وہ پردہ اٹھا دیا اور ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا۔

عبداللہ بن ابی لہب اور اس کے تین سوسا بھی جو جنگ احد کے دن نبی ﷺ کی نصرت سے انحراف کر کے لشکر اسلام سے

نکل گئے تھے، ان کے پیچھے حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام گئے اور ان سے کہا اللہ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو اللہ کی راہ میں قتل کرو یا کم از کم اپنے شہر کا دفاع کرو تو عبداللہ بن ابی نے کہا میرے خیال میں جنگ نہیں ہو گی، اور اگر ہمیں جنگ کا یقین ہو تا تو ہم تمہارے ساتھ رہتے، جب حضرت عبداللہ بن سے مایوس ہو گئے، تو انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! جاؤ عنقریب اللہ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا، وہ نبی ﷺ کے ساتھ گئے اور شہید ہو گئے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو کھپڑہ چاک کر دیا اور جو لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے ان پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا اور جس دن ان کا حال ظاہر ہو گیا اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، یہ منافق اپنی زبانوں سے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور اپنے کفر کو چھپاتے تھے۔

یہ منافق یعنی عبداللہ بن ابی کے اصحاب جو جہاد میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شہر میں بیٹھے رہے تھے۔ ان کے نسبی بھائی جن کا تعلق خزرج سے تھا جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے، ان کے متعلق ان منافقوں کو کہا کہ اگر ہمارے یہ (نسبی یا پڑوسی) بھائی مدینہ میں رہتے تو قتل نہ کئے جاتے، اور ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب نے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے کہا یہ لوگ جو قتل کر دیئے گئے اگر یہ ہماری پیروی کر لیتے تو جنگ میں نہ مارے جاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی: اے نبی! آپ ان سے کہئے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو جب تمہارے اوپر موت آئے تو تم اس کو خود سے ٹال کر دکھانا۔

علامہ ابو الیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں:

میں نے بعض مفسرین سے سمرقند میں سنا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی تھی، اسی دن ستر منافقین مر گئے تھے۔

(تفسیر سمرقندی مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۳۳ھ)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں

عِنْدَ مَا رَّبُّهُمْ يُرْتَقُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

انہیں رزق دیا جا رہا ہے ○ اللہ نے اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرمایا ہے وہ اس پر

وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلا خَوْفٌ

خوش ہیں اور ان کے بعد والے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَ

ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منا رہے

وقف الزعم

فَضِّلْ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۱﴾

ہیں، اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○

منہیت اور شان نزول

جہلوں میں جانے والوں کو منافقین یہ کہہ کر جہلوں سے روکتے تھے کہ جہلوں میں انسان قتل کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا کہ قتل کیا جانا بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے جس طرح طبعی موت مرنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے متعلق ہے، سو جس طرح جس شخص کی موت مقدر کر دی گئی ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتی۔ اسی طرح جس شخص کا قتل کیا جانا مقدر کر دیا گیا ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ایک اور جواب دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا ناپسندیدہ اور بری بات یا کوئی آفت اور مصیبت نہیں ہے، کیونکہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ اس کو قتل کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں اور ثواب سے نوازتا ہے اور اس کو طرح طرح کے رزق اور خوشیوں عطا فرماتا ہے۔

یہ آیت جنگ بدر اور جنگ احد کے شہداء کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ان ہی دو مشہور جنگوں میں مسلمان شہید ہوئے تھے اور منافق مجاہدوں کو جہلوں سے اس لیے روکتے تھے کہ وہ ان دو جنگوں میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی طرح شہید نہ ہو جائیں۔

حیات شہداء کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی جنگ احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا، وہ جنت کے دریاؤں میں جاتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور عرش کے سلیہ میں جو سونے کی قدیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں پلٹ آتے ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی پاکیزہ چیزیں حاصل کر لیں تو انہوں نے کہا ہمارے بھائیوں تک ہمارا یہ پیغام کون پہنچائے گا کہ ہم کو جنت میں رزق دیا جا رہا ہے تاکہ وہ جہلوں سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے سستی نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تک تمہارا یہ پیغام میں پہنچاؤں گا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں ان کے رب کی طرف سے رزق دیا جا رہا ہے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی، آپ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! کیا ہوا میں تم کو غم زدہ دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے، انہوں نے بچے اور قرض چھوڑا ہے، آپ نے فرمایا کیا میں تم کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ نے ان سے کس طرح ملاقات کی ہے! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے بلا حجاب بات نہیں کی مگر

تمہارے والد سے بلا حجاب بات کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے میرے بندے تم تمنا کرو میں تم کو عطا کروں گا تمہارے والد نے کہا اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر اور میں دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا : میں یہ کہہ چکا ہوں کہ یہ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے آپ نے فرمایا پھر یہ آیت نازل ہوئی : ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند ربهم کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا گیا، انہوں نے کہا ہم نے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا، تو آپ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ان کی روہیں سبز پرندوں میں ہیں اور وہ جنت میں جمل چاہیں کھاتی پیتی ہیں، اور عرش کے نیچے جو قدیلے لٹکی ہوئی ہیں ان میں بسیرا کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا : تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تمہیں اور زیادہ دوں؟ انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم اور کیا زیادہ چاہیں گے! ہم جنت میں جمل سے چاہتے ہیں کھاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا اور فرمایا : اگر تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تم کو اور زیادہ دوں! جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو انہوں نے کہا ہماری روہوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم دنیا کی طرف لوٹ جائیں اور پھر تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵، ص ۲۳۱-۲۳۰، حدیث : ۳۰۱۱-۳۰۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

شہداء کی حیات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر متقدمین نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے اور جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا اور اک نہیں کر سکتے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے عند ربهم یرزقون ”انہیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔“ نیز صرف روحانی حیات میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ یہ حیات تو عام مسلمانوں بلکہ کفار کو بھی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے پھر ان کا دوسروں سے کیا امتیاز ہو گا؟ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اور ان کو رزق دیا جاتا اس کے منافی نہیں ہے، کیونکہ حسن سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روہوں کو رزق پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے، جس طرح آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے، سو رزق سے مراد یہ فرحت اور مسرت ہے اور شہداء کا باقی مسلمان روہوں سے صرف حیات میں امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی قرب حاصل ہے اور جو ان کو اللہ عز و جل کی بارگاہ میں خصوصی عزت اور وجاہت حاصل ہوگی اس سے ان کا باقی مسلمانوں سے امتیاز ہوگا۔

بلخی نے شہداء کی حیات کا مطلقاً انکار کیا ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو اچھی جزا دی جائے گی اور بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ حیات سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر زندہ رہے اور دنیا میں ان کی تعریف ہوتی رہے گی، اور اصم سے منقول ہے کہ حیات سے مراد ہدایت اور موت سے مراد گمراہی ہے یعنی یہ نہ کہو کہ شہداء گمراہ ہیں بلکہ وہ ہدایت پر ہیں لیکن یہ تمام اقوال نہایت ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں اور شہداء کی حیات

ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، مجاہد، حسن، عمرو بن عبید، واصل بن عطاء، جبائی، ربیع اور مسرور کی ایک جماعت کا یہی مختار ہے۔

جو علماء شہداء کی جسمانی حیات کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا وہی جسم زندہ ہوتا ہے جس کو قتل کر دیا گیا تھا یا وہ کسی اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں، جو علماء اس کے قائل ہیں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس کو قتل کیا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے ان کو احساس اور ادراک حاصل ہو جائے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اجسام زمین میں مدفون ہیں اور کوئی تصرف نہیں کر رہے اور ان میں زندہ جسموں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ انتہاء بھر تک مومن کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم دلہن کی طرح سو جاؤ، حالانکہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ برزخ کے امور اور واقعات ہمارے ذہنوں اور ادراک و شعور سے بہت دور ہیں۔

جسمانی حیات کے بعض قائلین نے کہا کہ شہداء کی حیات ایک اور جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو پرندوں کی صورت پر ہوتا ہے اور ان کی روح اس جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ان کی دلیل اس حدیث سے ہے، امام عبد الرزاق، عبد اللہ بن کعب بن مالک، بخاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی قندیلوں پر معلق رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو لوٹا دے گا، اگر یہ سوال ہو کہ اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مالک، امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مالک بخاری سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیڑوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے پھلوں یا درختوں پر معلق رہتی ہیں، اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود بخاری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور جنت میں جمل چاہیں چرتی ہیں۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں کیونکہ پرندوں کے پیڑوں میں یا ان کے پوٹوں میں ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو صرف پرندوں کی صورتوں میں دیکھتا ہے۔

بعض امامیہ کا یہ مسلک ہے کہ شہداء اپنے دنیاوی جسم کی صورت پر ایک اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (- معنی جسم مثالی کے ساتھ) حتیٰ کہ اگر ان کو کوئی شخص دیکھ لے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر یونس بن یسین سے روایت ہے کہ ایک دن میں ابو عبد اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا مومنین کی ارواح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی، ابو عبد اللہ نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز پرندے کے پوٹے میں رکھے، اللہ تعالیٰ جب مومن کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ اس روح کو ایسے قالب (جسم) میں رکھتا ہے جو اس کے دنیاوی قالب کی شکل ہوتا ہے پھر وہ کھلتے پیتے رہتے ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو وہ اس کو ان کی اسی دنیاوی صورت میں پہچان لیتا ہے۔ (- (الفرع من الکافی ج ۳ ص ۲۳۵، مطبوعہ طہران)

اگر اس حدیث میں مومنوں سے مراد شہداء ہوں پھر تو وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے اور اگر اس سے مراد عام مومن ہو تو شہید کا محل اس سے بطریق لوثی معلوم ہو گا۔

(میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی ایسے سنی عالم کا احادیث اہل سنت کے خلاف لہریہ کی روایت سے استدلال کرنا باعث

حیرت ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟

علامہ آلوسی لکھتے ہیں میرے نزدیک ہر مرنے والے کے لیے برزخ میں حیات ثابت ہے خواہ وہ شہید ہو یا نہ ہو اور اس بات سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اس دنیاوی بدن کے علاوہ کسی اور برزخی بدن کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہو اور ارواح شہداء کا بھی برزخی ابدان کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہتے ہیں اور علاوہ انہیں ان کو ایسی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نعمتیں اور ثواب حاصل ہوتا ہے جو ان کے مقام کے لائق ہے اور ان برزخی ابدان لطیفہ کی دنیاوی اجسام کثیفہ کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث میں شہداء کے لیے جو سبز پرندوں کا ذکر ہے وہ برہاء تشبیہ ہو، یعنی یہ اجسام برزخیہ اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ ان کو سبز پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اور صورت کا معنی صفت ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے خلق آدم علی صورة الرحمن ”آدم صورت رحمان پر پیدا کیا گیا ہے“ یعنی رحمان کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے، اور حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے جو مومن کی روح کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہنے کو مستبعد قرار دیا وہ اس کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اور ہم نے جو بیان کیا ہے کہ سبز پرندوں سے مراد ان کے تیزی سے اڑنے کی صفت ہے اس بناء پر یہ اشکل لازم نہیں آئے گا کہ ایک جسم کے ساتھ دو روحم متعلق ہو گئیں۔ ایک پرندے کی روح اور ایک شہید کی روح، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ شہید کی روح بنفسہ پرندہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہیں اور ان میں کسی جسم کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نے حضرت وحیہ کلبی کی شکل اختیار کر لی تھی، رہا یہ کہنا کہ دنیاوی جسم جو بوسیدہ ہو جاتا ہے جس کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور جسم کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے، شہید کا یہی جسم زندہ رہتا ہے تو ہر چند کہ اس جسم کا زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں شہید کی کوئی فضیلت اور عظمت ہے بلکہ اسکی وجہ سے ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخم اب بھی ترو تازہ ہیں اور اس کے زخم سے پٹی ہٹائی تو اسی طرح خون بہہ رہا تھا تو یہ محض قصہ کہانیاں اور خرافات ہیں۔

(روح المعانی ج ۲ ص ۲۲-۲۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر

علامہ آلوسی کے عظیم علم و فن کے باوجود ہمیں علامہ آلوسی کی اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ یہ امر تسلسل اور تواتر سے منقول ہے کہ کسی وجہ سے بعض شہداء کی قبریں ایک بڑے عرصہ کے بعد کھل گئیں اور ان کے اجسام اسی طرح ترو تازہ پائے گئے اور ان کے زخموں سے اسی طرح خون رس رہا تھا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں :

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبد الرحمن بن عبد اللہ بن معصوم سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبد اللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما ان دونوں کی قبروں تک سیلاب کا پانی پہنچ گیا تھا، یہ دونوں جنگ

میں شہید ہوئے تھے اور ایک قبر میں مدفون تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے، جب ان کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل متغیر نہیں ہوئے تھے یوں لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی تھا اور دفن کے وقت اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اور اس کا ہاتھ اب بھی اسی طرح زخم پر تھا جب اس کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اسی طرح زخم پر آگیا۔ غزوہ احد اور اس قبر کو کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔

(المرقات ج ۳ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ موطا امام مالک ص ۳۸۳-۳۸۲، طبع لاہور)

امام مالک کی یہ روایت بعد کی روایتوں پر راجح ہے۔

نیز امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۳۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، میں اس سے خوش نہیں ہوا، حتیٰ کہ میں نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا، حضرت جابر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکالا تھا اور ان کے کان کے سوا ان کا پورا جسم اسی طرح تروتازہ تھا جیسے ابھی دفن کیا ہو۔

(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ایک اور سند سے امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، اس سے میرے دل میں کچھ بات تھی پھر میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کے جسم کو نکالا تو ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے سوا جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے باقی پورا جسم اسی طرح تازہ تھا۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۵۸ مطبوعہ ملتان)

خیال رہے کہ حضرت جابر کے والد، حضرت عبد اللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ان قوی آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بسا اوقات شہداء کے یہی دنیاوی اجسام باقی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے اور گلے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرور زمانہ کے باوجود یہ اجسام اسی طرح تروتازہ رہتے ہیں اور ان کے زخم اسی طرح خون آلود رہتے ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں جو مسلمان قتل کیے جاتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد ان کے اجسام پھول جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بدبو آنے لگتی ہے، ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مقتولین بد عقیدہ ہوں یا ان کا عقیدہ تو صحیح ہو لیکن ان کی نیت صحیح نہ ہو اور اگر ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور ان کی نیت بھی شلوت کی ہو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی حیات جسمانی اس دنیاوی جسم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی جسم کے بدلہ ان کو کوئی اور جسم دے دیا ہے جو ان کے دنیاوی جسم کی مثل ہے۔

شہداء کی حیات جسمانی کے سلسلہ میں تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے جلت اور مراتب کے اعتبار سے شہداء کی حیات جسمانی کے متعدد اعتبار ہوتے ہیں، صحابہ کرام اور دوسرے مقربین اور عین اگر شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسی جسم کے ساتھ زندہ رکھتا ہے، اور بعض شہداء کو جسم مثالی عطا فرماتا ہے کہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں ایک چیز خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دس مثلیں عطا فرماتا ہے تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب شہداء اللہ کی راہ میں اپنے جسم کو خرچ کریں اور وہ جسم قتل کے بعد بوسیدہ اور مٹی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو مثالی اجسام مثالیہ عطا فرمادے، اور بعض شہداء کی روہیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں اڑتی پھرتی ہیں، جنت کی

کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کے نیچے قدیلوں میں لگتی رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں۔
شہادت کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کو میرے پیچھے رہنا ناگوار نہ ہوتا کیونکہ میں ان سب کے لیے سواری مہیا نہیں کر سکتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہر لشکر میں شامل ہوتا اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کو یہ پسند نہیں ہو گا کہ مرنے کے بعد اس کے لیے اللہ کے پاس اتنا اجر و ثواب ہو جو دنیا و مافیہا کے برابر ہو اور اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے سوائے شہید کے کیونکہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھے گا تو یہ چاہے گا کہ اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے اور اس کو دوبارہ (راہ خدا میں) قتل کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے کی تمنا کرے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۱۸۷، طبع بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا ہر چیز کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۰۲، حدیث : ۱۸۸۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ (الجامع الصحیح ج ۳ ص ۱۹۰، طبع بیروت، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۹، طبع کراچی، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۹، طبع بیروت، سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵، طبع لبنان، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷، طبع بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شہید اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۱، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ، الشریعہ للآجری ص ۳۱۲، مطبوعہ دار السلام ریاض)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مقدم بن معد یکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک شہید کے چھ خصال (اجور) ہیں، پہلی مرتبہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی، وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا، وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، (حشر کے دن) فرع اکبر (سب سے ہولناک، گھبراہٹ اور پریشانی) سے امن میں رہے گا، اس کو یا قوت کا تاج و قار پہنایا جائے گا جس میں دنیا اور مافیہا کی خیر ہوگی، بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کا نکاح کیا جائے گا وہ اپنے ستر رشتہ داروں

حضرت کریمؐ (الجامع الصحیح ج ۳ ص ۱۸۸-۱۸۷ حدیث: ۱۶۶۳ مطبوعہ بیروت)

لام ابن ماجہ اور لام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کی شہادت کر دی جائے گی اور وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا باقی درجات کا اسی طرح ذکر ہے اور ان میں ایک اور درجہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو ایمان کا حلقہ پہنایا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۶ حدیث: ۲۷۹۹، طبع بیروت، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۴۲۰، طبع بیروت)

لام آجری متوفی ۴۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں نو خصال کا ذکر ہے۔

(الشریعہ ص ۳۱۲، مطبوعہ دار السلام ریاض ۱۴۱۳ھ)

لام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو اثروں (نشانوں) سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے گرا ہو، دو سرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرایا گیا ہو، اور رہے دو اثر تو ایک اثر اللہ کی راہ میں ہے اور ایک اثر اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی میں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۱۹۰ الحدیث: ۲۶۶۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین قسم کے لوگ پیش کیے گئے جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے، شہید، پاک دامن اور وہ بندہ جس نے اچھی طرح اللہ کی عبادت کی اور اپنے مالکوں کی بھی خیر خواہی کی۔

(جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۷۶ الحدیث: ۲۴۳۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سہل بن حنیف اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صدقہ اللہ سے اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ خواہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

(جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۸۳ الحدیث: ۲۵۵۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۵، طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ شہید جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ شخص جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور اس میں خوشبو مشک کی ہو گی۔

(جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۸۳ الحدیث: ۲۵۶۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۳، طبع بیروت)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے تحت ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۳ ص ۱۸۶ الحدیث: ۲۵۵۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہداء کے متعلق احادیث و آثار

لام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عتیقؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا : تم لوگ کس چیز کو شہادت کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا : اللہ عز و جل کی راہ میں قتل ہونے کو، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قتل فی سبیل اللہ کے شہادت کی سات قسمیں اور ہیں، طاعون میں مرنے والا شہید ہے، نمونیہ میں مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری میں

مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور حاملہ درد زہ میں مبتلا ہو کر مرجائے تو وہ شہید ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۸۷، مطبوعہ مطبع مجتہبی پاکستان لاہور ۱۳۰۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۲۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر کر مرادہ شہید ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا : اللہ کی راہ میں (طبعی موت) مرنے والا شہید ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹیوں سے گر کر مرجائے اور جس کو درندے کھا جائیں اور جو سمندر میں ڈوب جائے وہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : حالت نفاس میں مرنا شہادت ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا، صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے! کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا : کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے، البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

مسروق بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی مصیبت (حادثہ) میں فوت ہو گیا وہ بھی شہید ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۳۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۰۶ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ عالم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے صدق دل کے ساتھ اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا، امام مسلم، امام دارمی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے : خواہ

بستر موت

(المستدرک ج ۲ ص ۷۷، مطبوعہ دارالباز کہ مکرمہ، سنن داری ج ۲ ص ۳۵، مطبوعہ نشر السنہ لمطان)

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

عبد الملک بن ہارون بن عترة اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :
”میں پھڑوں کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اور سفر میں مرنے والا شہید ہے۔“

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک دن میں پچیس بار یہ دعا
”اللہم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔“

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱، مطبوعہ دارالکتب العربی ۱۴۰۲ھ)

امام علی متقی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ نیزہ کی ضرب سے مرنا اور درندوں کے کھانے سے مرنا یہ شہادت ہے۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو حرام کاری سے
بچلایا وہ شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ)

امام علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بخار (میں مرنا) شہادت ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۱، مطبوعہ بیروت)

حضرت عبد اللہ بن جبر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گڑھے میں گر کر مرنا شہادت ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۱۹، طبع بیروت)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے وہ لڑے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے (کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۲، طبع بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر مرے وہ

شہید ہے اور سانپ یا بچھو سے ڈسا جانے والا شہید ہے، اچھو سے مرنے والا شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۲، طبع بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اوپر گھر گر جائے وہ شہید ہے، جو شخص چھت

سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے، جس پر پتھر گرے اور وہ مر جائے وہ شہید ہے، جو

عورت اپنے خولند پر غیرت کرتی ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے لیے شہید کا اجر ہے، جو اپنے بھائی کی

حفاظت کرتا ہو امارا جائے وہ شہید ہے، جو اپنے پڑوسی کی حفاظت کرتا ہو امارا جائے وہ شہید ہے، جو شخص نیکی کا حکم دے اور

برائی سے روکے وہ شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۳ ص ۲۲۵، طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سرحد کی حفاظت کرتا ہو امارا گیا وہ شہید ہے۔

(کنز العمال ج ۳ ص ۲۱۸، طبع بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحسب متنی متوفی ۷۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستہ میں نکلا پھر مر گیا یا

کسی کو قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا جس شخص کو گھوڑے یا لونٹ نے گرا دیا یا جس شخص کو حشرات الارض میں سے کسی نے

اُس لیا یا جو شخص (اللہ کی راہ میں) بستر پر مر گیا یا جس طرح بھی اللہ نے چاہا اس کو موت آگئی وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۸، مطبوعہ مطبع مجبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا : طاعون ایک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ جس قوم پر چاہتا ہے بھیج دیتا ہے، اور مسلمانوں کے لیے طاعون کو رحمت بنا دیا، سو جو مسلمان کسی ایسے شہر میں ہو جس میں طاعون پھیلا ہوا ہو، وہ اسی شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر و استقامت کی نیت کر کے اس شہر سے نہ نکلے اور اس پر یقین رکھے کہ جو چیز اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے وہ ہو کر رہے گی تو وہ شہید ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۵۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیماری میں فوت ہو گیا وہ شہید ہے۔ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح و شام رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۷۷، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے صبح اٹھ کر تین مرتبہ پڑھا اعوذ باللہ السميع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر وہ اس دن فوت ہو گیا تو وہ شہادت کی موت مرے گا، اور جس نے شام کو یہ کلمات پڑھے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۱۸۲، مطبوعہ بیروت، سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۹، مطبوعہ ملتان، مسند احمد ج ۳ ص ۲۱، مطبوعہ بیروت)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے چاشت کی نماز پڑھی اور ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر اور حضر میں کبھی وتر کو نہیں چھوڑا، اس کے لیے شہید کا اجر لکھا جائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۳۲، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۷، مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۷ھ، مجمع الزوائد طبع بیروت ۱۴۰۲ھ ج ۲ ص ۲۳۱، کنز العمال ج ۷ ص ۸۱۰-۸۰۹، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۸۸ھ، امام آجری متوفی ۳۶۰ھ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے انس! اگر تم سے ہو سکے تو ہمیشہ با وضو رہو کیونکہ جب فرشتہ کسی بندہ کی روح قبض کرے اور وہ با وضو ہو تو اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرة ص ۱۸۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

امام احمد متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

راشد بن حیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بیت المقدس کا خادم شہید ہے اور زکام یا کھانسی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے میری امت کے فساد (بدعت اور جہالت کے غلبہ) کے وقت میری سنت پر عمل کیا اس کو سو شہیدوں کا اجر ہو گا، امام بیہقی نے اس حدیث کو کتاب الزہد میں روایت کیا ہے۔

(مشکوٰۃ ص ۳۰، مطبوعہ دہلی، مصابیح السنہ ج ۱ ص ۱۶۳)

امام ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے متعلق لکھا ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ (کامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۳۹)

حافظ منذری نے اس کو امام بیہقی اور امام طبرانی کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس کی سند پر اعتماد کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۸۰)

امام طبرانی کی روایت میں ایک شہید کا اجر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۶ ص ۱۹۷، مکتبہ المعارف ریاض ۱۳۹۵ھ)

نیز یہ حدیث امام ابو نعیم نے بھی روایت کی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۰، مطبوعہ بیروت)

علامہ بیہقی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۲)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر مومن شہید ہے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی :

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ وَالشَّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورٌ هُمْ (الحديد : ۱۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۶۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

حکمی شہداء کا خلاصہ

مذکور الصدر احادیث میں جو حکمی شہادت کی اقسام بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

- (۱) طاعون میں مرنے والا۔ (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔ (۳) ڈوبنے والا۔ (۴) دب کر مرنے والا۔ (۵) نمونیہ میں مرنے والا۔ (۶) جل کر مرنے والا۔ (۷) درد زہ میں مبتلا ہو کر مرنے والی حاملہ۔ (۸) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۹) اپنی جان کی حفاظت میں مارا جانے والا۔ (۱۰) اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۱) دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۲) سواری سے گر کر مرنے والا۔ (۱۳) اللہ کے راستہ میں مرنے والا مثلاً علم دین کی طلب میں جانے والا، نماز کو جانے والا، حج کو جانے والا، غرض ہر نیک کام کے لیے جانے والا اس دوران اگر مر جائے۔ (۱۴) پہاڑ سے گر کر مرنے والا۔ (۱۵) جس کو درندے کھا جائیں۔ (۱۶) نفاس میں مرنے والی عورت۔ (۱۷) اپنے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۸) اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۹) کسی مصیبت یا حلوٰۃ میں مرنے والا۔ (۲۰) صدق دل سے شہادت کی دعا کرنے والا۔ (۲۱) میسرہوں کی بیماری مثلاً دمہ، کھانسی یا تپ دق میں مرنے والا۔ (۲۲) سفر میں مرنے والا۔ (۲۳) جو شخص ایک دن میں چوبیس بار یہ دعا کرے اللہم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت (۲۴) نیزہ کی ضرب سے مرنے والا۔

(۲۵) جو عاشق پاک دامن رہا۔ (۳۶) بخار میں مرنے والا۔ (۲۷) سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا۔ (۲۸) گڑھے میں گر کر مرنے والا۔ (۲۹) ظلم "قتل کیا جانے والا" (۳۰) اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۳۱) اللہ کی راہ میں بسترِ فوت ہونے والا۔ (۳۲) جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے۔ (۳۳) جو اچھو سے مر جائے۔ (۳۴) پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۳۵) جو چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے۔ (۳۶) جو پتھر گرنے سے مر جائے۔ (۳۷) جو عورت اپنے خلود پر غیرت کرتی ہوئی مر جائے۔ (۳۸) نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہوئے مر جائے۔ (۳۹) اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۴۰) جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر جانے سے مر جائے۔ (۴۱) جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے۔ (۴۲) صبح و شام سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے والا شہید ہے۔ (۴۳) چاشت کی نماز پڑھنے والا ہر ماہ تین روزے رکھنے والا اور وتر قضا نہ کرنے والا شہید ہے۔ (۴۴) دائماً با وضو رہنے والا شہید ہے۔ (۴۵) بیت المقدس کا خلود شہید ہے۔ (۴۶) زکام یا کھانسی میں مرنے والا شہید ہے۔ (۴۷) غلبہ بدعت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے۔ (۴۸) ہر مومن کامل شہید ہے۔

غسل شہداء کے متعلق مذاہب فقہاء

جو شخص میدان جنگ میں مارا گیا اور اس کے علاج کا موقع نہیں ملا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ کفن پہنایا جائے گا بلکہ ان ہی خون آلودہ کپڑوں میں اس کو دفن کر دیا جائے گا۔ یہی حکم اس مسلمان کا ہے جس کو ظلم "قتل کیا گیا" اور باقی تمام شہداء کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا "امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے" اور امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ تمام شہداء کو غسل دیا جائے گا جہور کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان کو ان کے خونوں میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن، اور آپ نے ان کو غسل دینے کا حکم نہیں دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی) شہداء کی نماز جنازہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اسی طرح شہید کی نماز جنازہ میں بھی اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شہداء احد میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے پھر فرماتے ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد ہے، پھر جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اس کو لحد میں پہلے رکھتے اور فرماتے قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا، اور ان کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا، نہ ان کو غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن باہر آئے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اور امام

بوصیفہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے، اور قلعہ یہ ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کے ثبوت کی خبر دے اور دوسرا اس کی نفی کی خبر دے تو ثبوت کی خبر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ جو نفی کی خبر دے رہا ہے اس نے اس چیز کے ثبوت کو نہیں دیکھا اور دوسرے نے دیکھا ہے اس لیے اس کی روایت کو ترجیح ہے نیز حضرت عقبہ کی روایت کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے، امام ابو داؤد متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش لانے کا حکم دیا پھر ان کو رکھا گیا پھر نو اور شہداء لائے گئے نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، پھر ان کو اٹھالیا گیا، اور حضرت حمزہ کو رہنے دیا گیا، پھر نو اور شہداء کو لا کر رکھا گیا اور نبی ﷺ نے ان پر سات بار نماز پڑھی، حتیٰ کہ آپ نے حضرت حمزہ ستر شہداء پر نماز پڑھی اور ہر بار ان کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی نماز پڑھی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی ﷺ نے حضرت حمزہ پر ستر بار نماز پڑھی، پہلے آپ حضرت حمزہ پر نماز پڑھتے پھر دوسرے شہداء کو منگواتے پھر ان پر نماز پڑھتے اور ہر ایک کے ساتھ حضرت حمزہ پر بھی نماز پڑھتے۔
عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

(مراسل ابو داؤد ص ۱۸، مطبوعہ مطبع ولی محمد اینڈ سنز کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس دن والد فوت ہو گئے تھے اور وہ شدت غم سے نڈھال تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کو شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھے جانے کا علم نہ ہو سکا ہو، یا اس وقت وہ کسی اور کام میں مشغول ہوں اور وہاں پر موجود نہ ہوں یا ان کی روایت کا یہ مطلب ہو کہ شہداء احد پر علی الفور نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : انہیں رزق دیا جا رہا ہے۔
شہداء کے رزق کا بیان

اس سے مراد رزق معروف ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحوں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی روحوں جنت کی خوشبوؤں کو سونگھتی ہیں اور جو نعمتیں ارواح کے لائق ہیں ان سے متمتع ہوتی ہیں اور جب ان روحوں کو ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو وہ ان تمام نعمتوں سے متمتع ہوں گی جو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کر دیا ہے۔ وہ جنت کے دریاؤں پر جاتی ہیں اور اس کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور عرش کے سائے کے نیچے لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔ (مسند احمد و سنن ابو داؤد) اور قلعہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ شہداء کی روحوں سفید پرندوں کی صورتوں میں جنت کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہداء کی روحوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کی طرح ہیں ان کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہل چاہتی ہیں چرتی ہیں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

شہداء کی روحوں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور ان پرندوں کے پیٹ بہ منزلہ سواری ہوتے ہیں

اور ان روحوں کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے بھی ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین ابن قیم حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں :

بعض احادیث میں ہے شہداء کی روہیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، بعض میں ہیں ان کے پیٹوں میں ہیں، بعض میں ہے کہ سبز پرندوں کی مثل ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ تمام کلمات تشبیہ کے ہوں اور چونکہ شہداء کی روہیں بہت تیزی کے ساتھ جنت میں پھرتی ہیں۔ اس لیے ان کو سبز یا سفید پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہو۔ اور شہداء کی یہ روہیں جو عرش کے نیچے قدیلوں میں آرام کرتی ہیں ابھی بہ طور دوام کے جنت میں داخل نہیں ہوئیں اور قیامت کے بعد بہ طور دوام کے جنت میں داخل ہوں گی تو اپنی اصل منازل اور محلات میں قیام کریں گی۔ (کتاب الروح ص ۹۳-۹۲، مطبوعہ دارالحدیث)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔ اس کے بعد والے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق یہ اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (آل عمران : ۱۷۰)

فوت شدہ مسلمانوں کا اپنے اقارب کے اعمال پر مطلع ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شہداء اپنے جن لاحقین کے متعلق متفکر رہتے ہیں ان کے احوال ان پر منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور اس آیت میں اصحاب احد کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس دن کے بعد ان کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ عزیزوں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے عمل ہوتے ہیں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ عمل اچھے نہ ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! ان کو ہدایت دینے سے پہلے ان پر موت طاری نہ کرنا جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، کنز العمال، الحدیث : ۳۳۰۲۹، ج ۱۵ ص ۷۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منارہے ہیں اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ (آل عمران : ۱۷۱)

اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کی کامیابی پر خوش ہونا چاہئے

اس سے پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ شہداء احد کی روہیں اس بات پر خوشی منارہی ہیں کہ ان کے بعد والے اصحاب احد پر بھی کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ ان نعمتوں پر خوشی منارہے ہیں۔ پہلے شہداء احد کی اسی خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنے بھائیوں کی اخروی سعادت سن کر حاصل ہوئی اور پھر اس خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنی سعادت اور سرفرازی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے بھائیوں کی کامیابی پر خوشی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا اس میں بتلایا ہے کہ شہادت پر یہ اجر و ثواب صرف شہداء احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ اجر و ثواب تمام مومنین کو حاصل ہو گا اور ایمان پر اجر کا ضائع نہ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ مومن مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا ورنہ اس کے ایمان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا، ان میں سے نبی کرنے

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٤٦﴾ الَّذِينَ قَالَ

والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے ○ ان لوگوں سے بعض لوگوں نے

لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان

إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٤٧﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ

اور بخت ہو گیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے ○ پس وہ اللہ کی نعمت اور اس کے

مِّنَ اللَّهِ وَفَضِّلْ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ

فضل سے لوٹ آئے اور انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی، انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی،

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٤٨﴾ إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ وہ شیطان ہی ہے جو اپنے چیلوں کے ذریعہ ڈراتا ہے

فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤٩﴾ وَلَا يَحْزَنُكَ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو بہ شرطیکہ تم مومن ہو ○ اور آپ ان لوگوں سے غمزدہ

الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنُ يُضْرُوا وَاللَّهُ شَهِيدٌ

نہ ہوں جو کفر کے میدان میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ بیشک یہ اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہیں پہنچائیں گے، اللہ

اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٥٠﴾

چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

آیات مذکورہ کے شان نزول میں دو روایتیں

ان آیات کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں بیان کی گئی ہیں، ایک روایت یہ ہے: امام ابن جریر اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں : سدی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان احد سے واپس ہوا تو وہ راستہ میں ایک جگہ اپنے واپس ہونے پر پچھتایا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم نے اچھا نہیں کیا تم نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا اور جب ان میں سے تھوڑے رہ گئے تو تم واپس آ گئے، واپس چلو اور ان کی بنیاد ختم کر دو اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکو، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا، آپ نے مسلمانوں سے فرمایا ان کافروں کا تعاقب کرو، مسلمان اگرچہ جنگ احد میں زخمی اور دل شکستہ تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہی اور دشمن کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے، ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان ان کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو کر مکہ روانہ ہو گئے نبی ﷺ نے حمراء الاسد (ایک مقام ہے) تک ان کا پیچھا کیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۱۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس کی تائید میں امام بخاری کی یہ روایت ہے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الذین استجابوا للہ والرسول۔ الخ کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر سے فرمایا : اے میری بہن کے بیٹے، ان مسلمانوں میں تمہارے باپ حضرت زبیر اور حضرت ابوبکر شامل تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد میں زخمی ہو گئے اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ مشرکین لوٹ آئیں گے آپ نے فرمایا ان کا پیچھا کون کرے گا؟ تو ستر مسلمانوں نے لبیک کہا ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر بھی تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۴۳۸ھ)

دوسری روایت یہ ہے، امام علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں :

مجاہد، مقاتل، عکرمہ، واقدی اور کلبی نے بیان کیا ہے کہ جنگ احد کے دن جب ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو اس نے اعلان کیا :

اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور تمہارے درمیان آئندہ سال بدر صفائی کے موسم میں جنگ ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ہمارے درمیان ہے انشاء اللہ! جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اہل مکہ میں نکلا اور مقام جحجہ پر ٹھہرا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب طاری کر دیا اور اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا، پھر اس کی نعیم بن مسعود اجمعی سے ملاقات ہوئی، اس نے نعیم کو مدینہ بھیجا اور کہا وہاں جا کر (سیدنا) محمد (ﷺ) کو روک دینا اور مسلمانوں کو ڈرانا حتیٰ کہ وہ بدر صفائی میں ہمارے مقابلے کے لیے نہ آئیں، کیونکہ اگر ان کی جانب سے اس میعاد کی مخالفت ہو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے، نعیم مسلمانوں کے پاس گیا تو وہ اس میعاد پر پہنچنے کے لیے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے، اس نے مسلمانوں سے کہا اہل مکہ تمہارے گھر پر آکر تم پر حملہ کر چکے ہیں اور اس جنگ میں تم کو نقصان پہنچا چکے ہیں تو جب تم ان کے شہر پر جا کر حملہ کرو گے حالانکہ تم تعداد میں کم ہو گے اور وہ زیادہ ہوں گے تو پھر تم کو کسی قدر نقصان اٹھانا پڑے گا، اسی طرح منافقوں نے بھی مسلمانوں کو ڈرایا کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب ایک بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں سو تم ان سے ڈرو، مسلمانوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے اور بدر صفائی پر پہنچ گئے، یہ وہ جگہ ہے جہاں پر آٹھ دن بازار لگتا تھا، جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں ان سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی مشرک موجود نہیں تھا، مسلمانوں نے اس بازار میں کفنی تجارت اور خرید و فروخت کی اور بہت نفع لے کر کامیابی اور کامرانی کے ساتھ واپس آئے۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۳-۵۲۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

ان لوگوں کے شان نزول میں اختلاف ہے، امام واقدی کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی آیت : ”جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی“ یہ آیت غزوہ حراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔“ اور دوسری آیت : ”ان لوگوں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے۔ سو تم ان سے ڈرو۔“ یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے کہا یہ دونوں آیتیں بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں، لیکن امام واقدی کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی اس بات پر مدح فرمائی ہے کہ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی اور یہ مدح اسی وقت لائق ہے جب وہ غزوہ احد کے فوراً بعد غزوہ حراء الاسد کے لیے روانہ ہوں، کیونکہ اس وقت وہ تازہ تازہ زخمی ہوئے تھے اور غزوہ بدر صغریٰ تو ایک سال بعد واقع ہوا تھا اس وقت ان کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ اور دوسری آیت جس میں مسلمانوں کو شیطان کے ڈرانے کا ذکر ہے وہ غزوہ بدر صغریٰ کے مناسب ہے کیونکہ اسی موقع پر نعیم بن مسعود، ابوسفیان کے کہنے سے مسلمانوں کو ڈرانے میں مدد کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔ (آل عمران : ۱۶۳)

ایمان میں زیادتی کا محمل

جب نعیم بن مسعود اور منافقوں نے مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر سے ڈرایا تو انہوں نے ان کے قول کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ اعتماد اور قوی ہو گیا کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کار ساز ہے۔ بعض علماء ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل ہیں وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل سے مرکب ہے اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے، لیکن تحقیق یہ ہے کہ بعض اوقات ایمان کا عمل پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ایمان کامل ہوتا ہے اور نفس ایمان جو دل کے ماننے اور تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور وہ دلائل پر مطلع ہوتا ہے تو اس کا ایمان اور قوی اور پختہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں :

(آل عمران : ۱۶۶)

دین اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی

اس آیت کے سبب نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے متعلق ہے، اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار قریش آپ سے جنگ کرنے کے لیے جو منصوبے بنا رہے ہیں اور بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر رہے ہیں اس سے آپ متفکر اور پریشان نہ ہوں۔ یہ اللہ کے دین اور اس کی نشر و اشاعت کو مٹا نہیں سکتے اور نہ تمام مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتے ہیں، ان جنگوں کے نتیجہ میں جو مسلمان زخمی یا شہید ہو جاتے ہیں اس سے دین اسلام کو کچھ ضرر نہیں ہوتا، نہ ان مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت میں بہت اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ جنگ احد کے بعد اسلام کے خلاف ہمدیگڑا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر نعوذ باللہ (سیدنا) محمد (ﷺ) بچے نبی ہوتے تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست نہ

ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہیں جس طرح بادشاہ کو کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست سون کا بھی یہی حل ہے۔ نبی ﷺ اس قسم کی باتیں سن کر رنجیدہ ہوتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں ان کی یہ مخالفانہ باتیں اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض کافر مسلمان ہوئے اور کفار قریش کے ڈر سے پھر مرتد ہو گئے اس سے نبی ﷺ کو رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا تعلق کفار، منافقین اور مرتدین سب کے ساتھ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تسلی دی ہو کہ اسلام کے جس قدر مخالفین ہیں ان کی اسلام کے خلاف سازشیں اور سرگرمیاں اللہ کے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ
نُورِهِ وَلَكِنَّ الْكَافِرُونَ (الصف : ۸)

(یہ کافر) اپنے منہ سے (پھونک مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اور اللہ اس وقت تک نہیں مانے گا جب تک کہ اپنے نور کو پورا نہ کر دے خواہ کافروں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔ (التوبہ : ۳۲)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔ (النوبہ : ۳۳)

اور کفار اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور ایک وقت وہ آیا کہ سرزمین عرب میں اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہیں رہا، اور آج تک وہاں ایسا ہی ہے اور اس کے بعد مسلمان دنیا کے کئی براعظموں میں فتوحات اسلام کے جھنڈے گاڑتے رہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی، اور زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہی تسلی دی کہ آپ کفار کی مخالفت سے آزرده نہ ہوں ان کی مخالفت دین اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیان

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافر کے کفر اور فاسق کے فسق پر رنج اور افسوس کرنا تو اللہ اور اس کے دین سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ عین عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کافروں کے کفر میں سبقت اور سرعت پر رنج اور افسوس کرنے سے کیوں منع فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو زیادہ رنج اور افسوس کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ نہی تشرعی نہیں ہے بلکہ مشفقانہ ممانعت ہے، نبی ﷺ لوگوں کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے اور ان کے کفر پر ڈٹے رہنے سے آپ کو بہت زیادہ رنج ہوتا تھا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے :

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ
يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (الكهف : ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں آپ فرط غم سے ان کے پیچھے جان دے بیٹھیں گے۔

سو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے بہت زیادہ محبت ہے وہ آپ کو آزرده خاطر نہیں دیکھنا چاہتا

وَلَنْ تَكُونُوا فِائِمًا عَلَيْكَ الْبَلَاءُ

اگر یہ اعراض کریں تو آپ کا کام تو صرف دین کو پہنچانا ہے۔

(آل عمران : ۲۰)

کسی کو مومن بتانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، اگر کوئی ایمان لائے گا تو اس کا فائدہ ہے اور کفر پر قائم رہے گا تو اس کا نقصان ہے آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

(آل عمران : ۱۷۶)

دنیا میں کافروں کی خوشحالی سے دھوکا نہ کھلیا جائے

کافروں کو دنیا میں جو ڈھیل دی جا رہی ہے اور وہ مادی ترقی میں سب سے آگے نکل رہے ہیں۔ صنعت و تجارت، آلات حرب اور مال و دولت کی فراوانی کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ شاید ان کلین اور ان کا نظریہ ہی برحق ہے اور وہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں، بلکہ یہ صرف اس لیے ہے کہ ان کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے دیا جائے، آخرت میں ان کے لیے اجر و ثواب سے کچھ نہ رہے اور وہ صرف ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا رہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے :

لَا يَغْنَزِيكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ
تَبَاعٌ قَلِيلٌ مِّنْهُمْ مَّا وَهُمْ جَهَنَّمَ مَوْسِئَ السَّاعَةِ
(اے مخاطب!) کافروں کا شہروں میں (شان و شوکت کے ساتھ) گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ (حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

(آل عمران : ۱۹۷-۱۹۶)

تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس (مال اور اولاد) کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کرے اور کفر کی حالت میں ان کی جان نکلے۔

وَلَا تَمَنَّ عَيْنِيكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا

اور آپ دنیاوی زندگی کی ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جو

هَمُّ زَهْرَةِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْسِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقٌ

ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) فائدہ کے لیے دی ہیں تاکہ

كَحَبِيرٍ وَأَبْقَى (طہ : ۳۱)

ہم ان کو آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا (آخری) رزق

سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کا دنیا میں شوکت اور قوت کے ساتھ رہنا اور مسلمانوں کا ان سے کم آسودگی سے رہنا ان کے دل ہونے اور مسلمانوں کے نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔

الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرَّ وَاللَّهُ شَهِيدٌ

وَالَّذِينَ اشْتَرُوا الْإِيمَانَ بِالْكَفْرِ لَنْ يَضُرَّ وَاللَّهُ شَهِيدٌ

وَالَّذِينَ اشْتَرُوا الْإِيمَانَ بِالْكَفْرِ لَنْ يَضُرَّ وَاللَّهُ شَهِيدٌ

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا يُبْلِي لَهُمْ

اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے ۝ اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے

خَيْرٌ لَّا تُفْسِدُهُمْ إِنَّمَا يُبْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

دُھیل دے رہے ہیں ، ہم تو ان کو صرف اس لیے دُھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو اور ان

قُرْهِينَ ۝ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ

کے لیے ذلت والا عذاب ۝ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو ،

حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْثُ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے ، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب

الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيٰ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَافِئُوا بِاللَّهِ

پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب)

وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

۱۴۹

رسول ہیں ، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان (برقرار) رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ۝

ایمان کے بدلہ میں کفر کو خریدنے کا محمل

اس سے پہلی آیت کے مصداق منافقین بھی ہو سکتے ہیں ، مرتدین بھی اور یہود بھی ، اگر اس کا مصداق منافقین ہوں ، تو ایمان کے بدلہ کفر کو خریدنے کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ساتھ رہ کر اور نبی ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر ان کے لیے یہ موقع تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتے لیکن انہوں نے یہ موقع ضائع کر دیا اور اپنے باطنی کفر پر قائم اور مصر رہے ، اور اگر اس سے مراد مرتدین ہوں تو پھر واضح ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ، اور اگر اس سے مراد یہود ہوں تو معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فحش کی دعائیں کرتے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد تورات میں درج علامتوں کی وجہ سے آپ کو پہچانتے تھے لیکن انہوں نے بغض اور عناد کی وجہ سے آپ کا کفر اور انکار کیا کیونکہ آپ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تھے ، سو اس طرح انہوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر کو خرید لیا ، خریدنے سے مراد یہاں تبدیل کرنا ہے ، اور یہاں تبدیل کرنے کو خریدنے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ آدمی اس چیز کو خریدتا ہے جس کی طرف وہ راغب ہو اور یہ کفر پر راغب تھے اور جس چیز کے بدلہ میں خریدتا ہے وہ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے اور چونکہ آپ پر ایمان لانا ان کے اختیار میں تھا اور اس کے محرکات بھی موجود تھے

مومن ایمان ان کے قبضہ میں تھا لیکن انہوں نے اس کو خرچ کر کے کفر خرید لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۴۸)

زندگی اور موت میں کون بہتر ہے اور موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کے مصداق منافقین اور بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں اور مقاتل نے کہا اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی کر کے ان کو مزید گناہ کرنے کا موقع دیتا ہے تاکہ ان کا کفر اور گناہ زیادہ ہوں، زجاج نے کہا اس کا مصداق وہ قوم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دے دی تھی کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کی بقا صرف کفر اور گناہوں میں زیادتی کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومن ہو یا کافر، ہر ایک کے لیے موت اس کی زندگی سے بہتر ہے، کسی نے کہا کیا یہ بات نہیں ہے کہ مومن زندگی میں نماز پڑھتا رہتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوتی رہتی ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما عند اللہ خیر للابرار (آل عمران : ۱۹۸) تو اگر وہ نیک ہے تو اللہ کے پاس جو اس کا اجر ہے وہ زیادہ بہتر ہے، ان سے کہا گیا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کافر مرے گا تو فوراً دوزخ میں چلا جائے گا حالانکہ دنیا میں وہ کھاتا پیتا ہے اور کپڑے پہنتا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ عز و جل فرماتا ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۴۸) (الوسیط ج ۱ ص ۵۲۵، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے موت کو زندگی سے بہتر فرمایا ہے بہ ظاہر ان کا یہ قول حسب ذیل احادیث کے خلاف ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مصیبت پہنچنے پر موت کی تمنا نہ کرے، اگر اس نے خواہ مخواہ موت کی تمنا کرنی ہو تو یہ دعا کرے اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ لو جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ شخص نیک ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر کے اللہ کی رضا طلب کرے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطالعیہ کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۳۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر اس میں نیکی کے سوالور کسی چیز کو زیادہ نہیں کرتی۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۰۶۵ الحدیث : ۲۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام مروزی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے موت کی تمنا کی جس کو رسول اللہ ﷺ سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا موت کی تمنا نہ کرو اگر تم اہل جنت میں سے ہو تو تمہارا بقی رہنا زیادہ بہتر ہے (کیونکہ تم نیکیاں کرو گے) اور اگر تم اہل دوزخ میں سے ہو تو تمہیں دوزخ میں جانے کی کیا جلدی ہے؟

(شرح الصدور ص ۳ مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا ہے کہ کافر ہو یا مومن اس کے لیے موت زندگی سے بہتر ہے، وہ بہ اعتبار نتیجہ اور مال کے ہے اور نبی ﷺ نے موت کی دعا اور اس کی تمنا سے منع فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ زندگی موت سے بہتر ہے بلکہ امام عبد اللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مومن کا تحفہ موت ہے۔ (کتاب الزہد ص ۲۱۲ الحدیث : ۵۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت المستدرک ج ۳ ص ۳۴۹ حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۰ حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۵۸ حافظ منذری نے اس کو امام طبرانی کی معجم کبیر کے حوالہ سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۳۵ مطبوعہ مصر)

اس حدیث سے بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲)

اور حضرت عمر نے دعا کی : اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت مقدس کر دے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴-۲۵۳) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صدق دل سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۳۵) ان احادیث میں موت کی تمنا کرنے کا جو پہلے جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے ان میں موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے مصائب اور آلام سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس سے ملاقات اور شوق شہادت موت کی تمنا کرنا جائز ہے بلکہ پسندیدہ امر ہے۔

کافروں کو گناہوں کے لیے ڈھیل دینے کی توجیہات

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم کافروں کو صرف ڈھیل دے رہے ہیں یعنی ان کی عمر زیادہ کر رہے ہیں کہ ان گناہ زیادہ ہوں، اس آیت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ

(الذاریات : ۵۶) میری عبادت کریں۔

سورہ ذاریات کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور زیر بحث آیت سے

ہر اسے کہ کافروں کی عمر اس لیے زیادہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لام، لام حاقبت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے :

قَالَ نَقَطُوا لَكُمْ عَذَابًا وَهَازِلًا

(القصص : ۸) سو فرعون کے گھروالوں نے موسیٰ کو اٹھالیا تاکہ (بلا آخر) وہ ان کے لیے دشمن ہو جائیں اور غم کا باعث ہوں۔

ظاہر ہے کہ فرعون کے گھروالوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں دریا سے اپنا دشمن بنانے کے قصد سے نہیں اٹھایا تھا بلکہ اپنا دست و بازو بنانے کے لیے اٹھایا تھا لیکن انجام کار وہ ان کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا اور ان کے لیے ایک لمبی عمر مقرر فرمادی تھی، لیکن انجام کار وہ عبادت کرنے کے بجائے گناہ کرنے لگے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی فرمائے گا لیکن یہ اپنے اختیار اور ارادہ سے عبادت کی بجائے گناہ کریں گے، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ کافر نبی ﷺ کی مخالفت کر کے اور پھر لمبی عمر پا کر خوش نہ ہوں اور نہ یہ سمجھیں کہ ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی عمر لمبی ہو رہی ہے تو ضرور ان پر یہ قدرت کا انعام ہے بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہو رہی ہے یہ اور گناہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا اخروی عذاب اور زیادہ ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کی عمر زیادہ کر کے ان کو ایمان لانے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرتا ہے لیکن وہ اپنی کج بخشی اور ہٹ دھرمی سے زیادہ کفر اور زیادہ گناہ کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے ان کی عمر لمبی کرنا تاکہ وہ انجام کار زیادہ گناہ کریں قضا و قدر کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق نہیں ہے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسا شدید کفر اور گستاخیاں کی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا کے ان کے دلوں پر مہر لگادی اور ان کو ڈھیل دی تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوں، یہ بھی ان کی سزا کا ایک حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو حتیٰ کہ وہ پاپا کو پاپ سے الگ کر دے۔

صحاب رسول کے مومن اور طیب ہونے پر دلیل

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا، ابن جریج نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کو جھوٹوں سے الگ کر دیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہ آیت بھی قصہ احد کے واقعات میں سے ہے جب عبد اللہ بن ابی اپنے تین ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے رے نکل گیا تو مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔ اسی طرح جنگ احد کے فوراً بعد جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ حراء کے مقام پر ابو سفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمان زخمی اور دل شکستہ ہونے کے باوجود آپ کے حکم کی تعمیل میں چل پڑے اور منافقوں نے آپ کا تعاقب نہیں کیا، اس طرح مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کو مومن اور طیب فرمایا ہے اور یہ سات سو صحابہ ان میں خلفاء راشدین حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی ہیں اس لیے جو

فخص ان کو برا اور کافر، ظالم یا منافق کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ آپ کے وصل کے بعد چھ کے سوا تمام اصحاب مرتد ہو گئے تھے وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے جن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔ (آل عمران : ۱۷۹)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۳۰ھ) اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ”اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔“

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۹۱ھ) لکھتے ہیں: ”اور نہیں ہے اللہ کہ اٹھی بخشنے تم سب کو غیب پر لیکن اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔“

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۱۸ھ) لکھتے ہیں: ”اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ اٹھ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔“

ان تراجم میں ”من“ کو ”بعض“ قرار دیا ہے، جس کا حاصل ہے بعض رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے اور ہمارے ترجمہ میں ”من“ ”من یشاء“ کا بیان ہے، جس کا حاصل ہے سب رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے، کیونکہ سب رسول اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں۔۔۔۔

انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے یا غیب کی خبروں کا علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع کر دے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے، البتہ اللہ تعالیٰ مصائب، آلام، اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو متمیز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے، ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے جن لیتا ہے اور ان کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔

اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے، سو یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالہ ہے، بعض متاخرین علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب نہیں دیا گیا اور علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے البتہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور غیب کی خبروں کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے، ان علماء کی مراد یہ ہے کہ علم الغیب میں اضافت اور ”الغیب“ میں لام استغراق کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے تمام امور غیبیہ غیر متناہیہ کا علم، اور ظاہر ہے کہ یہ علم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم الغیب کی اپنے غیر سے مطلقاً نفی کی ہے :

قل لا یعلم من فی السموت والارض
الغیب الا اللہ (النمل : ۶۵)
آپ کہنے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کسی کو علم الغیب نہیں ہے۔

اب اگر انبیاء علیہم السلام کے لیے علم الغیب مانا جائے تو ظاہر ہے قرآن سے تعارض لازم آئے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب مطلقاً علم الغیب کا اطلاق کیا جائے تو اس سے متبادر علم الغیب ذاتی اور مستقل ہوتا ہے جس کا ثبوت بغیر کسی کی عطا کے ہوتا ہے اس لیے جب مطلقاً یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے تو اس سے یہ وہم ہو گا کہ ان کو ذاتی اور مستقل طور پر علم الغیب ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے، کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

دوسری طرف قرآن مجید کی متعدد آیات اور بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عموماً اور سیدنا محمد ﷺ کو خصوصاً غیب کا علم دیا گیا ہے، اس لیے ان میں تطبیق کے لیے بعض علماء نے یہ کہا کہ یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کئے گئے ہیں (واضح رہے کہ یہ علوم اللہ کے اعتبار سے بعض ہیں) علامہ آلوسی نے کہا یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم دیا گیا یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے، علماء دیوبند نے اس کی یہ تعبیر کی انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں، بہر حال اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور ان کو بلا واسطہ اطلاع دی گئی ہے اور امت کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے، اب ہم اس کے ثبوت میں مستند مفسرین کی عبارات نقل کر رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کے متعلق علماء امت کی تصریحات

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کو علم ہے حتیٰ کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے، نیز اس سے پہلے امام رازی نے لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۸۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ علم الغیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے، سو اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بہ خود بغیر واسطہ وحی کے معلوم نہیں ہوتا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۳۴۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا اور کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور وراثت ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے، اور انبیاء علیہم السلام کو بلا واسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے۔ اس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰، مطبوعہ تاج کمپنی لینڈ لاہور، کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً ”علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۳۸، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۱۳ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا، کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ خبر صلوٰۃ، حواس سلیمہ اور عقل، اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :

مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس ترجمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ منتخب رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ صحیح ہے وہ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ (مقتضائے حکمت) ایسے امور غیبیہ پر تم کو (بلا واسطہ ابتلاء و امتحان کے) مطلع نہیں کرنا چاہتے لیکن ہاں

بس کو (اس طرح مطلع کرنا) خود چاہیں اور (ایسے حضرات) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب اور علم ماکان و مایکون کے متعلق احادیث

نبی ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اس پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا جب آپ سے زیادہ سوالات کیے گئے تو آپ غضبناک ہوئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے، دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے، جب حضرت عمر نے آپ کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ عز و جل سے توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰-۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ فرمانا مجھ سے جو چاہو سوال کرو یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر سوال کے جواب کا علم عطا فرمایا ہو خواہ احکام شرعیہ سے متعلق سوال کیا جائے یا ماضی اور مستقبل کی خبروں کے متعلق سوال کیا جائے یا اسرار تکوینیہ کے متعلق سوال کیا جائے اور صحابہ کرام نے اس کو عموم پر ہی محمول کیا تھا اس لیے دو اصحاب نے آپ سے اپنے نسب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرمادیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آگیا۔ پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آگیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان و مایکون کی خبریں دی سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۲۱، رقم الحدیث ۲۸۹۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے پلیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۲۱۱-۲۲۱۵، رقم الحدیث ۲۸۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۹۵، رقم الحدیث ۳۲۵۴، مطبوعہ بیروت، دلائل النبوة ج ۶ ص ۵۸۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے لیے آنے میں دیر کی حتیٰ کہ غفیر ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ ﷺ جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مختصر نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم سے یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لیے آنے میں کیوں دیر ہو گئی، میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی، پھر مجھے گہری نیند آگئی اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، رب تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا، آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ الحدیث الی قولہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۹-۳۶۸، رقم الحدیث ۳۲۳۵، مطبوعہ بیروت، ج ۲ ص ۱۵۵، فاروقی کتب خانہ ملتان، و مطبع مجبائی پاکستان و کتب خانہ رحیمہ دیوبند انڈیا، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸، ج ۲ ص ۶۶، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۲۱-۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا، میرے رب نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے رب میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۷، رقم الحدیث ۳۲۳۳، مطبوعہ بیروت، ج ۲ ص ۱۵۶، فاروقی کتب خانہ ملتان، و مطبع مجبائی پاکستان، و کتب خانہ رحیمہ دیوبند انڈیا تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۵-۱۷۳، نشر السیاسة ملتان)

یہ حدیث حضرت عبدالرحمن بن عائش سے بھی مروی ہے دیکھئے سنن دارمی ج ۲ ص ۵۱، کتاب الاسماء والصفات للہیثمی ص ۳۷۸، جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۱۶۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو امام ابن خزیمہ اور امام ابو نعیم کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ الاصابہ ج ۲ ص ۳۹۹-۳۹۷، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۱۵۰، زاد المسیر ج ۱ ص ۱۵۵، اتحاد السادة المتقین ج ۱ ص ۲۲۵ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

اس حدیث کے مزید حوالہ جات شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶-۳۱۴ اور ج ۵ ص ۱۱۲-۱۱۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا يَجْسَبَنَّ الَّذِينَ يَخْلُونَ بِمَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ

جو لوگ ان چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں وہ ہرگز یہ گناہ نہ کریں کہ وہ ان کے حق میں

خَيْرَ اَلْهَمِّ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

بہتر ہے بلکہ وہ ان کے حق میں بہت برا ہے عنقریب انھیں گلے میں قیامتیں دن اسکا طوق بنا کر ڈالا جائے گا جس کے ساتھ وہ بخل کرتے

وَاللّٰهُ يَدْرِ اٰتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۸۰

نہنے، آسمانوں اور زمینوں کا اللہ ہی وارث ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بخل کرتے ہیں ان کے لیے شدید وعید بیان فرمائی ہے۔
بخل کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں :

بخل کرم کی ضد ہے۔ (القاموس المحيط ج ۳ ص ۳۸۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

جس مال کو جمع کرنے کا حق نہ ہو اس کو خرچ نہ کرنا بخل ہے، اس کا مقابل جود ہے، بخیل اس شخص کو کہتے ہیں جو بہ کثرت بخل کرے، بخل کی دو قسمیں ہیں، اپنے مال میں بخل کرنا، اور غیر کے مال میں بخل کرنا اور یہ زیادہ مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَبْأَمْرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَيَكْتُمُونَ مَا اَنْتَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاَعْتَدْنَا
لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِينًا (النساء : ۳۷)

(المفردات ص ۳۸، مطبوعہ کتاب فروشی مرتضوی ۱۳۶۲ھ)

بخل کا شرعی معنی اور اس کی اقسام

بخل کرم اور جود کی ضد ہے، بغیر عوض کسی کو مال دینے سے منقبض اور تنگ ہونے کو بخل کہتے ہیں یا کوئی شخص اس وقت مال خرچ نہ کرے جب اس مال کو خرچ کرنے کی ضرورت اور اس کا موقع اور محل ہو، عرب کہتے ہیں بخلت العین بالدموع آنکھوں نے آنسوؤں میں بخل کیا اور جب آنسو بہانے کا وقت تھا اس وقت آنسو نہیں بہائے۔

تحقیق یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا واجب ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے، اور جہاں خرچ نہ کرنا واجب ہو وہاں خرچ کرنا اسراف اور تبذیر ہے اور ان کے درمیان جو متوسط کیفیت ہے وہ محمود ہے اس کو جود اور سخا کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُوْرًا

اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ ملامت زدہ تھکا ہوا ابھڑا رہے۔

(الاسراء : ۲۹)

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسِرُّوا وَلَمْ يَقْتُرُوا (الفرقان : ۶۷) نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

خرچ کرنا شرعا واجب ہوتا ہے یا عرف اور عادت کے اعتبار سے، زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی، حج، جہلا اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا شرعا واجب ہے، جو ان پر خرچ نہ کرے وہ سب سے بڑا بخیل ہے اور دوستوں، رشتہ داروں اور ہمسایوں پر خرچ کرنا عرف اور عادت کے اعتبار سے واجب ہے جو ان پر خرچ نہ کرے وہ اس سے کم درجہ کا بخیل ہے اور بخل کی ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تو خرچ کرتا ہے لیکن نفلی صدقات، عام فقراء اور مساکین اور سالکین اور رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ نہیں کرتا اور بلوغ و وسعت ہونے کے اپنا ہاتھ روک کر رکھتا ہے اور پیسے گن گن کر رکھتا ہے یہ بخل کی تیسری قسم ہے لیکن یہ پہلے دو درجوں سے کم درجہ کا بخل ہے۔

بخل کی مذمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَإِمَّا مِّنْ بَخِلٍ وَاسْتَغْنَىٰ ۖ وَكَذَّبَ
بِالْحُسْنَىٰ ۖ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْعُسْرَىٰ ۚ

اور جس نے بخل کیا اور (تقویٰ سے) بے پرواہ رہا اور اس نے نیکی کو بھٹایا تو ہم غنقریب اس کے لیے تنگی کا راستہ مہیا کر دیں گے۔

(اللیل : ۸-۱۰)

تو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے وسے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور انہوں نے پیچھے پھیر لی درآں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔

فَلَمَّا أَنَّهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ
مُعْرِضُونَ (التوبہ : ۷۶)

ہاں تم وہی لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

هَآئِنْتُمْ هُوَ لَا تُدْعَوْنَ لِتَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَمِنْكُمْ مَّنْ يَبْخُلُ وَمَنْ يَبْخُلْ فَإِنَّمَا يَبْخُلْ عَن
نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (محمد : ۳۸)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جس نے اعراض کیا تو اللہ بے نیاز ہے ستائش کیا ہوا۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

(الحديد : ۲۳)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والاعذاب تیار کر رکھا ہے۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ
وَيَكْتُمُونَ مَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ
عَذَابًا مُّهِينًا (النساء : ۳۷)

ہر طعنہ دینے والے اور چغلی کرنے والے کے لیے عذاب

وَنَبْلُ لِكُلِّ هُمْزَةٍ لُّمَزَةٍ ۚ الَّذِي جَمَعَ مَا لَا

وَعَدَدَهُمْ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُمْ كَلَّا لَئِذَا بُدِّنَ فِي الْحُطَمَةِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ الَّتِي تَطْلُعُ عَلَى الْأَفْدَةِ

(الهمزة : ۱-۶)

ہے جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور چور اچورا کرنے والی میں پھینک دیا جائے گا۔ اور آپ کو (از خود) کیا پتا کہ چور اچورا کرنے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سب کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پتیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پیلو، اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا سو اپنے جمع کئے ہوئے کا مزہ چکھو۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَتَوْفَّوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ

(التوبہ : ۳۵-۳۴)

بخل کی مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن وہ مال ایک موٹا اور گنجا سانپ بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، پھر اس شخص کو وہ سانپ اپنے دو جڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں اور تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی : وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ الْآيَةَ (آل عمران : ۱۸۰)

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۰، رقم الحدیث ۱۳۰۳، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ہر روز فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۳، رقم الحدیث ۱۳۴۲، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بہ کثرت مرتبہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے : اے اللہ! میں پریشانی، غم، عاجز ہونے، سستی، بخل، بزدلی، قرض کی زیادتی اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۰۵، رقم الحدیث ۲۸۹۳، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بخیل اور صدقہ کرنے والے کی ایک مثال بیان فرمائی، ان کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے لوہے کی دو زہریں پھینکی ہوئی ہیں جو ان کی چھاتیوں سے ہنسیلوں اور ان کے انگوٹوں تک ہیں، جب صدقہ کرنے والا صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ اس سے ڈھیلی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اس کی انگلیوں سے لپکتی ہے اور اس کا نشان مٹ جاتا ہے اور جب بخیل کسی چیز کے صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۷، رقم الحدیث ۵۷۹۷، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

نخی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے پوری زرہ پہنی اور وہ اس کے جسم پر پھیلتی رہی حتیٰ کہ اس نے پورے بدن کو چھپالیا اور زرہ نے اس کو محفوظ کر لیا اور بخیل کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دونوں ہاتھ طوق بنے ہوئے ہیں جو اس کے سینہ کے سامنے ابھرے ہوئے ہیں۔ جب وہ زرہ پہننے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور اس زرہ کو بدن پر پھیلنے نہیں دیتے اور وہ اس کی گردن میں اکٹھی ہو کر اس کی ہنسیلوں سے چٹ جاتی ہے اور اس کے لیے وبال جان اور بوجھ بن جاتی ہے اور اس کے بدن کی حفاظت نہیں کرتی، خلاصہ یہ ہے کہ نخی جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ فراخ ہو جاتے ہیں اور بخیل جب کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ کوتاہ ہو جاتے ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صدقہ کرنے سے مال بردھنے اور بخل سے مال کم ہونے کی مثال ہو اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نخی پر اللہ دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے جس طرح یہ زرہ اس کے جسم کو چھپالیتی ہے اور بخیل کے عیوب دنیا اور آخرت میں کھل جاتے ہیں جس طرح یہ زرہ اس کے گلے میں سکڑ کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور اس کا باقی جسم برہنہ ہو جاتا ہے۔

امام خراطی متوفی ۳۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نخی کی لغزش سے درگزر کرو کیونکہ وہ جب بھی لڑکھڑاتا ہے تو اللہ اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے۔

(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۰، مطبوعہ دارالکتب المصریہ مصر ۱۳۱۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہر وہ اونٹ والا جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن اس کے اونٹ بہت فریہ ہو کر آئیں گے اور ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھادیا جائے گا اور اونٹ اس کو اپنی ٹانگوں اور کھروں کے ساتھ روندتے ہوئے گزر جائیں گے اور جو گائے والا گائے کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن وہ گائیں بہت فریہ ہو کر آئیں گی ان کے سامنے چٹیل میدان میں ان کے مالک کو بٹھادیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور پیروں سے کچلتی ہوئی گزر جائیں گی اور جو بکریوں والا بکریوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ بکریاں قیامت کے دن بہت فریہ ہو کر آئیں گی ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھادیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور کھروں سے روندتی ہوئی گزر جائیں گی اس دن ان میں نہ کوئی بغیر سینگ کے ہوگی نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو گا اور جو خزانہ والا خزانہ میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کا خزانہ گنجے سانپ کی شکل میں منہ کھولے اس کے پیچھے دوڑے گا خزانہ کا مالک بھاگے گا تو ایک منادی آواز دے کر کہے گا اپنا خزانہ لے لو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے جب خزانہ کے مالک کو کوئی چارہ نظر نہیں آئے گا تو وہ اس سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈال دے گا اور سانپ اونٹ کی طرح اس کے ہاتھ کو چبائے گا راوی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹنی کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کے موقع پر اس کا دودھ دوہنا (تاکہ لوگ اس کو پییں) اور ڈول دینا اور نر اونٹ کو جفتی کے لیے عاریتہ دینا اور اونٹنی کو دودھ پینے کے لیے (ضرورت مندوں کو) دینا اور اہ خدا میں اس پر لوگوں کا مال لادنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸۳، رقم الحدیث : ۹۸۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بحستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا : تنگ دلی کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ تنگ دلی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، اس تنگ دلی نے ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کیا اور اس نے ان کو قطع تعلق کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے قطع تعلق کیا اور اس نے ان کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا تو انہوں نے جھوٹ بولا۔

ہم نے الشیخ کا ترجمہ تنگ دلی کیا ہے کیونکہ حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ شیخ منع کرنے میں بخل سے زیادہ بلیغ ہے، شیخ بہ منزل جنس ہے اور بخل بہ منزلہ نوبہ شیخ انسان کی طبیعت اور جبلت کی طرف سے وصف لازم کی طرح ہے اور بعض نے کہا کہ بخل صرف مال میں ہوتا ہے اور شیخ مال اور نیکی دونوں میں ہوتا ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہی مال ہے جو زبیر نے اپنے گھر میں رکھا ہے کیا میں اس میں سے دیا کروں؟ آپ نے فرمایا دیا کرو اور تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ تم پر بھی بندش کر دی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے مساکین یا صدقہ کو گننے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیا کرو اور گناہ کرو ورنہ تم کو بھی گن کر دیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۷، رقم الحدیث ۱۷۹۹، ۱۶۹۸، مطبوعہ دار الجلیل بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : انسان کا بدترین خلق گھبراہٹ پیدا کرنے والا بخل ہے (یعنی کسی کو دینے سے دل گھبراتا ہو) اور بے شرمی والی بزدلی ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۲، رقم الحدیث ۲۵۱۱، مطبوعہ دار الجلیل بیروت ۱۴۱۳ھ)

ابو امیہ شعبانی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ثعلبہ خثی سے پوچھا کہ تم ”علیکم انفسکم“ المائدہ : ۱۰۵ ”تم (صرف) اپنی جانوں کی فکر کرو“ کی کیا تفسیر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، آپ نے فرمایا : نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو حتیٰ کہ تم جب یہ دیکھو کہ بخل کی موافقت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ذورائے اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے تو تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہوں گے، ان میں صبر کرنا انگاروں کو پکڑنے کی مثل ہے اور ان ایام میں (نیک) عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے (نیک) عمل کا اجر ملے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۲۱، رقم الحدیث ۴۳۴۱، مطبوعہ دار الجلیل بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مسلمان میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بد خلقی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دھوکا دینے والا، احسان جتانے والا اور بخیل جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (الجامع الصحیح ج ۲ ص ۳۴۳، رقم الحدیث : ۱۹۶۳-۱۹۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب تمہارے اچھے لوگ تمہارے حاکم ہوں اور

تمہارے مال دار سخی ہوں، اور تمہارے باہمی امور مشاورت سے ہوں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے زمین کے نیچے دفن ہونے سے بہتر ہے، اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے حاکم ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے نیچے دفن ہونا تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنے سے بہتر ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۵۲۹، رقم الحدیث ۲۲۶۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا : اللہ کے ساتھ شرک کرنا، بخل کرنا (ایک روایت میں سحر ہے) ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا، پاک دامن، مومن بھولی بھالی عورتوں کو تہمت لگانا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قرب قیامت میں) احکام میں سختی زیادہ ہوگی اور دنیا سے صرف بد بختی زیادہ ہوگی، اور لوگوں میں صرف بخل زیادہ ہوگا، اور قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی ہدایت یافتہ نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۴-۱۳۵، رقم الحدیث ۲۰۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندہ کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا اور کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل جمع نہیں ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر عصر کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک رسول اللہ ﷺ کسی چیز کو پکڑنے لگے، پھر آپ پیچھے ہٹے اور لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے، جب آپ نے نماز پڑھ لی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ نے نماز میں ایک کام کیا جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے آپ نے فرمایا مجھ پر جنت پیش کی گئی اس میں چمک اور تروتازگی تھی۔ میں نے تمہارے پاس لانے کے لیے انگوڑوں کا ایک گچھا پکڑا تو میرے اور اس کے درمیان ایک چیز حائل کر دی گئی، اگر میں اس کو لے آتا تو اس کو آسمان اور زمین کے درمیان کھلیا جاتا اور اس میں کچھ کمی نہیں ہوتی، پھر میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی جب میں نے اس کی تپش دیکھی تو میں اس سے پیچھے ہٹا، اور میں نے دوزخ میں ان عورتوں کو دیکھا جن کو کوئی راز بتایا جاتا تو وہ اس کو افشاء کر دیتیں، ان سے سوال کیا جاتا تو وہ بخل کرتیں اور جب وہ خود سوال کرتیں تو گڑگڑا کر کرتیں اگر ان کو کچھ دیا جاتا تو وہ اس کا شکر ادا نہ کرتیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۳-۳۵۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو بکر محمد بن جعفر الخرازی المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کسی شخص کے گناہ گار ہونے

کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔ (مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۶، مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر ۱۴۱۱ھ)
امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابن آدم! اگر تو خرچ کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو بخل کرے تو یہ تیرے لیے بدتر ہے اور قدر ضروری پر تجھے ملامت نہیں کی جائے گی، اور اپنے اہل و عیال سے ابتداء کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۱۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وہ شخص مومن (کامل) نہیں ہے جو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو۔ (متدرک ج ۳ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص کا غلام اس کے پاس جائے اور اس سے کسی فالتو چیز کا سوال کرے اور وہ اس کو نہ دے تو قیامت کے دن وہ فالتو چیز جس سے اس نے منع کیا تھا ایک گنجا سانپ بن کر اس کو اپنے جبروں سے چبائے گی۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۹)

قنادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام فرماتے تھے جب تم سیر ہو تو بھوکے کو یاد کرو اور جب تم غنی ہو تو فقراء کو یاد کرو۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۳۶-۲۳۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۰ھ رقم الحدیث ۳۳۹۳، ۳۳۹۰، ۳۳۸۹، ۳۳۸۶)
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حجر بن بیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے کسی رشتہ دار کے پاس جا کر اس سے کسی فاضل چیز کا سوال کرے جو اس کو اللہ نے دی ہے اور وہ اس کو دینے سے بخل کرے تو وہ چیز قیامت کے دن آگ کا سانپ بن کر اس کے گلے میں طوق بن جائے گی اور اس کو اپنے جبروں سے چبائے گی، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتهم اللہ من فضله (آل عمران : ۱۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک سانپ ان (بخلاء) میں سے کسی ایک کے سر کو کھوکھلا کرے گا اور کئے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کامل ایک سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کے سر کو کھوکھلا کرے گا اور کئے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا پھر اس کی گردن پر لپٹ جائے گا۔

ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اپنے قربت داروں کو اس کا حق دینے سے منع کرے جو اللہ نے اس کے مال میں ان کا حق رکھا ہے پھر اس مال کو سانپ بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا وہ شخص کئے گا تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے وہ سانپ کئے گا میں تیرا مال ہوں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۸-۳۷، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۳۳ھ (یہ امام احمد اور امام بخاری کے اصحاب میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں میں اپنے آپ کے ساتھ ابو سنن رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے گیا، جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پڑوسی کی

تعزیت کے لیے جائیں اس کا بھائی فوت ہو چکا ہے جب ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ اپنے بھائی پر زار و قطار رو رہا تھا ہم نے اس کو تسلی دی اور تعزیت کی لیکن اس کو قرار نہیں آیا ہم نے اس سے کہا تم کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے اس نے کہا یہ ٹھیک ہے میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بھائی کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے ہم نے کہا کیا تم کو اللہ نے غیب پر مطلع کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! لیکن جب میں نے اس کو دفن کیا اور اس پر مٹی برابر کی اور لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک میں نے یہ آواز سنی آہ انہوں نے مجھے اکیلے بٹھادیا ہے اور میں عذاب برداشت کر رہا ہوں حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا مجھے اس کے کلام نے رلا دیا میں نے قبر سے مٹی کھود کر ہٹائی تاکہ اس کا حال دیکھوں اس وقت اس کی قبر آگ سے بھڑک رہی تھی اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا تھا بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر میں نے اس کی گردن سے طوق نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میری انگلیاں اور ہاتھ جل گیا پھر اس نے ہمیں اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا جو جل کر سیاہ ہو چکا تھا اس نے کہا میں نے قبر پر دوبارہ مٹی ڈال دی اور لوٹ آیا ہم نے پوچھا تمہارا بھائی دنیا میں کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا ہم نے کہا یہ اس آیت کی تصدیق ہے ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ہو خیر الھم بل ہو شر لھم سیطو قون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ (آل عمران : ۱۸۰) تمہارے بھائی کو قیامت کا عذاب قبر میں جلدی دے دیا گیا۔

(۱) کبائر ص ۳۰-۳۹ مطبوعہ دار الفدا العربی قاہرہ والذوا جرج اص ۳۳۲-۳۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

وقف الزمر

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ

بیشک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ

عنقریب ہم ان کا قول لکھ لیں گے اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (بھی لکھ لیں گے) اور ہم کہیں گے

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَ

کہ دوزخ کی آگ کا عذاب چکھو ○ یہ تمہارے (ان اعمال کی سزا ہے) جو تم نے پہلے اپنے ہاتھوں سے کیے

أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ

تھے، اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے

عَهْدًا إِلَيْنَا إِلَّا نُونُ مِن لِّرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَٰنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ

کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے

النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي

آپ کیجیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر آئے اور تمہاری کہی ہوئی

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ فَإِنْ كَذَّبُوكَ

نشان (بھی) لے کر آئے تھے تو اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے ○ سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں

فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ

تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسانی سمیٹنے اور روشن کتاب

الْبُنْيَانِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أَجُورَكُمْ

لے کر آئے تھے ○ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے ، اور تمہارے کاموں کی جزا ترقیامت

يَوْمَ الْقِيَامَةِ طَفَنَ زُحْرٌ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ

کے دن ہی دی جائے گی۔ سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب

فَازَ ط وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَمَتَاعٌ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾ لَتَبْلُوكُنَّ فِي

ہے ، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے ○ بیشک تم اپنی جانوں اور

أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا

مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سناؤ گے اور اگر تم صبر کرتے رہے اور

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۶﴾

اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

اسلام کے نظام زکوٰۃ پر یہودیوں کا اعتراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں گئے آپ نے دیکھا وہاں بہت سے یہودی فنحاس کے گرد جمع تھے۔ یہ شخص یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاس سے کہا اے فنحاس! تم پر افسوس ہے، تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، تم کو معلوم ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہ اللہ کے پاس سے وہ دین برحق لے کر آئے ہیں جس کو تم تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو، فنحاس نے کہا بہ خدا اے ابو بکر ہمیں اللہ کی کوئی حاجت نہیں ہے، بلکہ اللہ ہمارا محتاج (فقیر) ہے، ہمیں اس سے فریاد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ہم سے فریاد کرتا ہے اور ہم اس سے مستغنی (غنی) ہیں، اگر اللہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسا کہ تمہارے پیغمبر کہتے ہیں، وہ ہم کو ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو سود (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر زیادہ اجر) دیتا ہے، اگر اللہ غنی ہوتا تو ہم کو سود نہ دیتا، حضرت ابو بکر یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فنحاس کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ مارا، اور فرمایا بہ خدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا، فنحاس رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور حضرت ابو بکر کی شکایت کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے پوچھا تم نے اس کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟ حضرت ابو بکر نے بتایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اور کہا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، اس وجہ سے میں نے غضبناک ہو کر اس کو تھپڑ مارا، فنحاس نے اس کا انکار کیا اور کہا میں نے یہ نہیں کہا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے فنحاس کے رد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی : بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

یہودیوں کے اعتراض مذکور کا جواب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف یہودیوں کے شبہات کے جواب دیئے ہیں ان کا ایک شبہ یہ تھا اللہ مسلمانوں سے قرض مانگتا ہے اور اس پر اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور یہ بعینہ سود ہے وہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے، نیز اس کا قرض مانگنا اس کی احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ سو سیدنا محمد ﷺ جس خدا کی دعوت دے رہے ہیں وہ عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے وہ جو چاہے حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے قرض مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی سرپرستی اور ناداروں اور مسکینوں کی مدد کے لیے اصحاب ثروت خرچ کریں اور وہ جو کچھ دنیا میں خرچ کریں گے اللہ ان کو دس گنا، سات سو گنا، یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا، نیز مال انسان کو طبعاً محبوب ہوتا ہے اور جب وہ اللہ کے حکم پر مال خرچ کریں گے تو ان کے دعویٰ ایمان کا سچا ہونا ثابت ہو گا، نیز مال کو خرچ کرنے سے انسان کے دل سے مال کی محبت کم ہوگی اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوگی، غریبوں اور مسکینوں کی محبت اور ان کی دعائیں حاصل ہوں گی اور یہ بہت عظیم نفع ہے۔

مخالف کے طعن کے جواب میں اس پر طعن کر کے اس کو ساکت کرنا

فنحاس یہودی نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے برسمیل الزام یہ کہا تھا کہ اسلام کے نظام زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات کے احکام سے اللہ کا فقیر ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے ان پر برسمیل الزام فرمایا پھر تم نبیوں کو

باقی کیوں قتل کرتے تھے اور ایک مسلم برائی بیان فرما کر ان پر گرفت فرمائی ہرچند کہ قتل ان کے آباؤ اجداد نے کیا تھا لیکن یہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اس لیے ان کو اس فعل کا مخاطب کیا گیا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ معترض کے جواب کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اس کے اعتراض کے جواب میں اس کے مسلم عیب اور نقص کو بیان کر کے اس کو ساکت کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلام کفر ہے

فحاشا یہودی کا یہ عقیدہ اور نظریہ نہیں تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، بلکہ اس نے اسلام کے نظام زکوٰۃ پر اعتراض کرتے ہوئے بہ طریق الزام یہ کہا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کو تھپڑ مارا اور اس کو واجب القتل قرار دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی ہتک آمیز جملہ خواہ بہ طریق الزام کہا جائے یا بہ طریق عقیدہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور کفر ہے اور اس کا قائل موجب قتل ہے۔

علامہ اقبال ایشیا کے عظیم شاعر انقلاب ہیں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ ہندوستان کے غلام مسلمانوں میں آزادی کا شعور پیدا کیا فرنگی تہذیب سے نفرت دلائی اور اسلام کی عظمت کو جاگزیں کیا لیکن ان کے بعض اشعار بارگاہ الوہیت میں بہت گستاخانہ ہیں۔

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

(کلیات اقبال ص ۱۳۱، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء)

واضح رہے کہ جواب شکوہ، شکوہ کے گستاخانہ اشعار سے رجوع اور توبہ نہیں ہے، رجوع تب ہوتا جب ان اشعار کو کتب سے نکال دیا جاتا۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(کلیات اقبال ص ۲۴۰، مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء)

خود ڈاکٹر اقبال کو بھی بارگاہ الوہیت میں اپنی گستاخیوں کا احساس تھا وہ کہتے ہیں۔

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

(کلیات اقبال ص ۲۵۲، مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور، ۱۹۹۵ء)

اسرار خودی کے مقدمہ میں ڈاکٹر اقبال نے حافظ شیرازی کی بہت جھوکی تھی لکھا تھا :

القدر از محفل حافظ الخدر
القدر از گوسفنداں الخدر

حافظ شیرازی کے چاہنے والوں نے اس کے جواب میں ڈاکٹر اقبال کی بہت مذمت کی اور ان کی ہجو میں بہت اشعار

لکھے ایک شعر یہ تھا :

الخذر از بد سگال الخذر
الخذر از شغال الخذر

چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے اسرار خودی کے مقدمہ سے حافظ شیرازی کی ہجو والے تمام اشعار نکال دیئے، میں سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں حافظ کے چاہنے والے تو تھے خدا کا چاہنے والا کوئی نہ تھا ورنہ ڈاکٹر اقبال، اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ اشعار کو بھی نکال دیتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں فقیر کا لفظ نہ سن سکے اور برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں بخیل کا لفظ خاموشی سے سن لیا حالانکہ بخیل کے لفظ میں فقیر کی بہ نسبت زیادہ توہین ہے۔ شاید اس زمانہ میں صدیق اکبر کی طرح غیرت مند کوئی مسلمان نہیں تھا!

حضرت ابوبکر کی تصدیق معراج کا صلہ

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (الی قولہ) صبح کو نبی ﷺ نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا وہ لوگ حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور کہا اے ابوبکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گزشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس آ گئے ہیں، اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں! اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں آپ آسمانوں سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی دن سے حضرت ابوبکر کا نام صدیق پڑ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳۸، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

جب تمام مشرکین رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کا انکار کر رہے تھے تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی اور جب فحش اس اللہ تعالیٰ کو فقیر کہہ کر منکر ہو گیا اور سب یہودی حضرت ابوبکر کی تکذیب کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کی تصدیق کی، رسول اللہ ﷺ کی جو حضرت ابوبکر نے تصدیق کی تھی اس کا بدلہ اتار دیا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے۔ (آل عمران : ۱۸۳)

بچھلی امتوں میں قربانی، صدقات اور مال غنیمت کو آسمانی آگ کا کھانا جانا

رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں یہ یہودیوں کا دوسرا طعن ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے نبیوں کی شریعت میں قربانی، صدقات اور مال غنیمت کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ ان کو ایک آگ آکر کھا جاتی تھی اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کی قربانی کو بھی آگ کھا جاتی!

قربان اس نیکی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے، اس کا مصدر قرب ہے، اور قرب سے قربان اسی طرح بنا ہے جس طرح کفر سے کفران، اسی طرح رجحان اور خسران ہیں۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں :

عطا بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل اللہ کے لیے جانور ذبح کرتے اور اس میں سے عمدہ گوشت نکال کر گھر کے وسط میں رکھ دیتے، گھر کی چھت کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر ان کے نبی ﷺ کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرتے اور بنو اسرائیل گھر کے

کرد کھڑے ہوتے تھے پھر آسمان سے بغیر دھوئیں کے صاف آگ اترتی اور اس قربانی کو کھا جاتی تھی۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پچھلی امتوں میں) ایک شخص صدقہ کرتا تھا اگر وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو آسمان سے آگ اتر کر اس کو کھا جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۱، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ در المنثور ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ ایران)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن المنذر نے ابن جریر سے روایت کیا ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں کوئی شخص قربانی سے تقرب حاصل کرتا تو لوگ نکل کر دیکھتے کہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے یا نہیں اگر اس کی قربانی قبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آ کر اس کو کھا لیتی، اگر اس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ آ کر نہیں کھاتی تھی۔

حافظ جلال الدین نے ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے کہ پچھلی امتوں میں رسول دلائل لے کر آتے اور ان کی نبوت کی علامت یہ تھی کہ وہ گائے کے گوشت کو اپنے ہاتھ پر رکھتے پھر آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا لیتی۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۴۰۵، مطبوعہ ایران)

پچھلی امتوں پر مل غنیمت کا کھانا بھی حلال نہیں تھا اور آسمانی آگ آ کر مل غنیمت کو کھا جاتی تھی البتہ اگر کوئی شخص خیانت کر کے مل غنیمت سے کوئی چیز نکل لیتا تو پھر آسمانی آگ نہیں آتی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی نے جملہ کیا اور اپنی امت سے فرمایا جس شخص نے نکاح کیا ہو اور وہ اپنی بیوی سے عمل ازدواج کرنا چاہتا ہو، جب کہ ابھی تک اس نے یہ عمل نہ کیا ہو اور جس نے گھر بنایا ہو اور ابھی اس کی چھت نہ ڈالی ہو، اور جس شخص نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچوں کی پیدائش کا انتظار کر رہا ہو، یہ سب لوگ ہمارے ساتھ نہ جائیں، اس نبی نے عصر کی نماز یا اس کے قریب وقت تک جملہ کیا، پھر اس نے سورج سے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اے اللہ! اس کو ہم پر روک دے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو فتح عطا فرمائی، پھر تمام مل غنیمت جمع کیا گیا، آگ آئی اور اس نے مل کو نہیں کھلایا اس نبی نے فرمایا تم میں کوئی خیانت کرنے والا ہے، ہر قبیلہ کا ایک شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے، ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا، انہوں نے کہا تم میں کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے، تمہارے قبیلے کا ہر شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے، پھر اس قبیلہ کے دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا، انہوں نے فرمایا تم میں خیانت ہے، تب وہ سونے کی بنی ہوئی گائے کا سر لائے، انہوں نے مل غنیمت میں سونے کا وہ سر رکھا تو آگ نے اس کو کھالیا پھر اللہ نے ہمارے لیے مل غنیمت کو حلال کر دیا، اللہ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھ کر اس کو حلال کیا۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۸۲، رقم الحدیث ۳۱۲۳، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۳ ص ۳۶۶، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مل غنیمت حلال نہیں ہوا، آسمان سے ایک آگ آکر اس کو کھالیتی تھی۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۷۲، رقم الحدیث ۳۰۸۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن کبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۳۵۲ طبع بیروت) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا : اے میرے رب! میں نے تورات میں یہ دیکھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو خود کھائے گی اور ان سے پہلے جب کوئی اپنا صدقہ نکالتا تھا تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتا تھا وہ اس کو کھالیتی تھی، اگر وہ صدقہ قبول نہیں ہوتا تھا تو وہ آگ اس کے قریب نہیں جاتی تھی، اے اللہ! اس امت کو میری امت بنا دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوة ج ۱ ص ۳۷۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت، البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، الوفا لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۹، طبع فیصل آباد پاکستان، دلائل النبوة لابن نعیم ج ۱ ص ۶۸، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۳۶۶)

تورات میں لکھا ہے :

اور خداوند کے حضور سے آگ نکلی اور سوختنی قربانی اور چربی کو مذبح کے اوپر بھسم کر دیا۔

(احبار : باب ۹، آیت : ۲۳، تورات ص ۱۰۲، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب

یہود کا یہ کہنا کہ سچے نبی کی صرف یہ علامت ہے کہ اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو آسمانی آگ کھا جائے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت میں ید بیضا اور اژدھے کا معجزہ پیش کیا تھا، نیز قربانی کو آسمانی آگ کا کھانا اس لیے نبوت پر دلیل ہے کہ وہ ایک امر خلاف عادت ہے اور معجزہ ہے جو امور خلاف عادت پیش کیا جائے اس کی بناء پر دعویٰ نبوت کی تصدیق واجب ہے اور یہود کے سامنے نبی ﷺ نے بے شمار امور خلاف عادت پیش کیے تو ان پر اس کی تصدیق کرنا واجب ہے، نیز اس سے پہلے بہت سے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ بھی پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آسمانی آگ کھا گئی تھی۔ اس کے باوجود یہود ان پر ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کرتے ہوئے فرمایا : آپ کہئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر اور تمہاری کسی ہوئی نشانی (بھی) لے کر آئے اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ (آل عمران : ۱۸۲)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کا بیان

اس آیت میں آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ آپ کے اس قول کی تکذیب کریں کہ پہلے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آگ نے کھالیا تھا پھر بھی یہودیوں نے ان کو نہیں مانا ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کر دیا، تو آپ غم نہ کریں یا اگر یہ آپ کی نبوت اور رسالت کو نہیں مانتے اور بے شمار معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ افسوس نہ کریں ہمیشہ سے کفار اور منکرین بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں۔

وہاں زبور اور کتاب منیر کا معنی

بینات سے مراد دلائل اور معجزات ہیں، اور زبور سے مراد حکمت والی کتاب ہے، زبور کا معنی زجر و توبیخ بھی ہے، زبور کو اس لیے زبور کہتے ہیں کہ اس میں خلاف حق، باطل امور اور برائیوں پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور نصیحتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کتاب منیر سے مراد روشن کتاب ہے جس میں واضح احکام بیان کئے گئے ہوں، بینات سے مراد معجزات ہیں اور ان پر کتاب منیر کا عطف کیا گیا ہے اور عطف تغایر کا مقتضی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے معجزہ نہیں تھے، یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ وہ معجز ہے، آج تک کوئی اس کی نظیر لاسکا، نہ اس میں کمی یا زیادتی ثابت کر سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت کے دن ہی دی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۸۵)

جنگ احد کی ہزیمت پر مسلمانوں کو تسلی دینے کا بیان

جنگ احد کی ہزیمت پر جو مسلمان رنجیدہ اور غمزدہ تھے اس آیت میں بھی گذشتہ آیات کی طرح ان کو تسلی دی گئی ہے اور منافقوں کے طعن کا جواب دیا ہے، منافق یہ کہتے تھے کہ اگر اس جنگ میں ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا اور مسلمان شہر بند ہو کر لڑتے تو اس جنگ میں اس قدر مسلمان مارے نہ جاتے، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اگر بہ فرض محال وہ مسلمان اس جنگ میں نہ مارے جاتے تب بھی انہوں نے ایک نہ ایک دن مرنا تھا، پہلے کوئی ہمیشہ زندہ رہا نہ اب ہمیشہ زندہ رہے گا، پھر تم ان مسلمانوں کے مرنے پر غم کیوں کرتے ہو! خصوصاً اس لیے کہ وہ شہادت کی موت مرے ہیں اور شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی ان نعمتوں پر بہت خوش ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا میں ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر عطا فرمایا ہے، تم کو جنگ بدر میں فتح عطا کی، اور جب تک تم مکہ مکرمہ میں رہے تم کو کفار کے قتل کرنے سے بچائے رکھا حتیٰ کہ تم ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے اور جہاد میں اللہ تم کو جو فتح و ظفر، مال غنیمت اور دشمن پر تسلط عطا فرماتا ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دنیا میں تھوڑا سا اجر ہے اس کا پورا پورا اجر تم کو قیامت کے دن دیا جائے گا، ”توفیہ“ کا معنی کسی چیز کو پورا پورا کرنا ہے، مومنوں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ تھوڑی ہیں ان کو پوری پوری نعمتیں آخرت میں دی جائیں گی۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(کتاب الزہد ص ۳۷، مطبوعہ دارالباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

اسی طرح کفار کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوتا ہے یا ان کا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے یہ بہت تھوڑا

عذاب ہے ان کو پورا پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا جو دائمی عذاب ہو گا۔

موت سے مستثنیٰ رہنے والے نفوس کا بیان

اس آیت پر ایک سवाल یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ذات پر نفس کا اطلاق کیا ہے ارشاد ہے :

كُتِبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ ط

اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا

(الانعام : ۴) -

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ
وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ (الزمر : ۶۸)
لور صور پھونکا جائے گا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب
بے ہوش ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو موت نہیں آئے گی لور کچھ مخلوق ایسی ہوگی جو قیامت کے صور
سے بھی صرف بے ہوش ہوگی مرے گی نہیں اور زیر بحث آیت کا تقاضا ہے کہ ہر نفس پر موت آئے حتیٰ کہ اللہ پر بھی لور
ان پر بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے، اللہ تعالیٰ لور جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا
ہے (مثلاً انبیاء و شہداء) وہ اس آیت کے عموم سے مستثنیٰ ہیں، امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں
نفس سے مراد وہ مکلف ہیں جو دار تکلیف میں حاضر ہیں (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳) لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا
تقاضا ہے کہ پھر بچوں اور دیوانوں پر موت نہ آئے، اسی طرح جملوات لور نباتات پر موت نہ آئے حالانکہ ان سب پر موت
آئے گی، صحیح جواب وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے لور دنیا کی زندگی تو
صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کو طلب کرنے کے متعلق احادیث اور بحث و نظر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہونا چاہئے کہ اس کو دوزخ کے عذاب سے
نجات مل جائے اور وہ جنت میں پہنچ جائے اور جو شخص دنیا کی رنگینوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے
اس کے لیے یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اور جس نے اللہ کے احکام کی اطاعت لور رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عمل کرنے
کے لیے دنیا سے تعلق رکھا اس کے لیے دنیا اچھی متاع ہے، اس آیت کے دو جز ہیں، ایک جنم سے دوری اور جنت کا
وصل اس کو کامیابی فرمایا ہے اور دنیا کی بے ثباتی ہے۔ پہلے جز کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور مافیہا سے
بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے۔

(آل عمران : ۱۸۵)

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۳۲-۲۳۳، رقم الحدیث ۳۰۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن دارمی ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ نشر السنہ لمکن)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ کی راہ میں صبح یا شام کرنا دنیا
اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تم میں سے کسی ایک کے کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

(کتاب الزہد ص ۲۹، ۲۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۳۳ھ)

رسول اللہ ﷺ نے خود بھی دوزخ سے پناہ اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے :

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آپ جب عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اس سے پناہ مانگتے اور جب بھی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اس کی دعا کرتے۔

(سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۶، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد بحسب متنی ۲۷۵ھ نے اس حدیث کو حضرت عون بن مالک اشجعی سے اور امام احمد بن حنبل متونی ۲۴۱ھ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۹، رقم الحدیث ۸۷۳، مطبوعہ دار الجلیل بیروت، مسند احمد ج ۶ ص ۱۱۹، مطبوعہ بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متونی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا ہوتی تھی : اے اللہ! ہم تجھ سے تیری رحمت کے موجبات اور مغفرت کے موکدات کا سوال کرتے ہیں اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کے حصول کا اور جنت کی کامیابی کا، اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات کا، یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (علامہ ذہبی نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحسب متنی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وجہ اللہ کے وسیلہ سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۱، رقم الحدیث ۱۶۷۱، مطبوعہ دار الجلیل بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متونی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! میں سستی، بڑھاپے، قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب، دوزخ کے فتنہ، قبر کے فتنہ، قبر کے عذاب، مال کے شر کے فتنہ، فقر کے شر کے فتنہ اور مسیح دجل کے شر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے، اے اللہ! میری (بہ ظاہر) خطاؤں سے میرے دل کو اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا جاتا ہے، اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۰۷، رقم الحدیث ۲۷۰۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، الجامع الصحیح ج ۵ ص ۵۲۵، رقم الحدیث ۳۲۹۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۵، مطبوعہ نور محمد کراچی، مسند احمد ج ۶ ص ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۸ھ)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متونی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اس دعا کی قرآن کی سورت کی طرح تعلیم دیتے تھے : اے اللہ! میں عذاب جنم سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں مسیح دجل کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اے اللہ! میں زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد بن ابوبکر و میری متونی ۸۴۰ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم

کی حدیث عائشہ میں ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۳۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کا سوال کیا جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کر دے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی جہنم کہتی ہے اے اللہ! اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۷۰۰، رقم الحدیث ۲۵۷۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۵۲، رقم الحدیث ۴۳۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۷۵، رقم الحدیث ۲۵۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹، ۱۶۰، مطبوعہ نشر السنہ لمتان، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱، مطبوعہ بیروت، تاریخ کبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۳۶، کنز العمال رقم الحدیث ۳۱۸۳)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا آپ نے اس کو عزت بخشی، وہ آپ کے بلانے پر آیا تھا، آپ نے اس سے فرمایا تم اپنی حاجت کا سوال کرو، اس نے کہا، ہمیں ایک اونٹنی دیجئے تاکہ ہم اس پر سوار ہوں اور ہمارے گھروالے اس کا دودھ دوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی مثل ہونے سے بھی عاجز ہو، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! بنو اسرائیل کی بڑھیا کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اس کا کیا سبب ہے؟ تو علماء بنو اسرائیل نے کہا جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم اس وقت تک مصر سے نہ نکلیں جب تک کہ ان کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، حضرت موسیٰ نے پوچھا ان کی قبر کا کس کو علم ہے؟ تو انہوں نے کہا بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا کو اس کا علم ہے، اس کو بلایا گیا وہ آئی تو حضرت موسیٰ نے کہا ہماری حضرت یوسف کی قبر کی طرف رہنمائی کرو، اس بڑھیا نے کہا جب تک تم میری ایک بات نہیں مانو گے میں نہیں بتاؤں گی، پوچھا تمہاری بات کیا ہے؟ اس نے کہا میں جنت میں تمہارے ساتھ رہوں، حضرت موسیٰ نے اس کو یہ مرتبہ دینا مکروہ جانا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کو یہ مرتبہ دے دیں، تب وہ ان کو ایک ایسی جگہ لے گئی جو سمندر کے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی، اس بڑھیا نے کہا اس جگہ کو پانی سے خالی کرو، سو اس جگہ کو خالی کیا گیا، بڑھیا نے کہا اس جگہ کھدائی کرو، پھر انہوں نے وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش کو نکالا، جب انہوں نے ان کی نعش کو اوپر اٹھایا تو ان پر گم شدہ راستہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ (اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ کے رسول جنت عطا کرتے ہیں اور ان سے جنت کا سوال کرنا جائز ہے۔)

(مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۳۹۲-۳۹۱، رقم الحدیث ۷۲۱۸، مطبوعہ مؤسسہ علوم القرآن بیروت، حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ امام ابو یعلیٰ کی اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱، ناصر البانی نے بھی یہی لکھا ہے، سلسلۃ الصحیحہ رقم : ۵۳۱۲، حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے، المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲، ۵۷۱، ۴۰۴، ۴۰۵، امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۷۱، موارد النعمان ص ۶۰۳، حافظ ابن حجر

مسئلہ نے بھی اس کو درج کیا ہے، الطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۷۴، امام طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے المعجم الاوسط ج ۸ ص ۲۱۹۔
۲۱۸، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض)

حافظ نور الدین البیہقی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس بندہ نے سات بار جنم سے پناہ مانگی جنم دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو مجھ سے پناہ میں رکھ اور جس شخص نے سات بار جنت کا سوال کیا، جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اس کو مجھ میں سکونت عطا فرما، اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یونس بن خباب ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۱، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالا جماع معتبر ہوتی ہے اور اس کی تائید میں ہم احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں نیز قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے پناہ کی دعا کی اور جنت کے حصول کی دعا کی :

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ (الشعراء : ۸۷)

اور حشر کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيمِ ۝

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔

(الشعراء : ۸۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جنت کو اس لیے طلب نہیں کرتے کہ اصل مقصود اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا دیدار جنت میں ہو گا سو جنت اللہ کے دیدار کا وسیلہ ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا وسیلہ ہے، سو جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع باوجود وسیلہ ہونے کے مقصود ہے اسی طرح جنت بھی رضاء الہی کا وسیلہ ہونے کے باوجود مقصود ہے، اور اللہ کی رضا جنت کے طلب کرنے میں ہے کیونکہ اس نے جنت کی طلب کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ
اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پسنائی آسمان اور زمینیں ہیں جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔
(آل عمران : ۱۳۳)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں مدینہ کے محبوب ہونے سے انکار نہیں لیکن مدینہ اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا مسکن ہے، لیکن جس جگہ آپ کا جسد اطہر رکھا ہوا ہے وہ جنت ہے آپ نے فرمایا میرے منبر اور بیت کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۰، مطبوعہ بیروت، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۶، کشف الاستار عن زوائد البرہان ج ۲ ص ۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی مطلوب ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ جس جگہ آپ کا جسد اطہر ہے وہ جگہ کعبہ، جنت حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

ہم نے اس عنوان پر کافی طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بعض جعلی صوفی اور بتلوی درویش جنت کی بہت کہتے ہیں اور جنت طلب کرنے سے اپنا مقام بہت بلند سمجھتے ہیں، اللہ العظیم! جنت تو بہت اعلیٰ اور ارفع مقام ہے ہم

جنت کے کب لائق ہیں اگر تو نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا تو تیرا یہ بھی ہم پر بہت بڑا کرم ہوگا اے ارحم الراحمین ہم تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں جنت کی طلب کرتے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم جنت کے لال نہیں ہیں :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق آیات

إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُمْ وَزِينَتُهُمْ وَقَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَنَكَاحٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفًى ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ (الحديد : ۲۰)

یقین کرو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے، اور عارضی زینت اور ایک دوسرے پر فخر و برتری ہے اور بل اور لولہ میں زیادتی طلب کرنا ہے، اس کی مثل اس بارش کی طرح ہے جس سے پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے، پھر وہ (پیداوار) خشک ہو جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں (نافرانوں کے لیے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لیے) اللہ کی مغفرت ہے، اور (اس کی) خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں، نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے لوگوں کی محبت کی خواہشوں کو مزین کر دیا گیا ہے، یہ دنیا کی زندگی کا (عارضی) سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

رُزِقَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِطَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْقَآبِ (آل عمران : ۱۴)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہیں، ہم ان کو دنیا میں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔ (ہود : ۱۵-۲۱)

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَخِيطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق احادیث امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا سڑک پار کرنے والے، اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو تو تم شام کا انتظار نہ کرو (یعنی مسلسل نیک عمل کرتے رہو) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے لیے عمل کر لو، اور زندگی میں موت کے لیے عمل کر لو۔ (رقم الحدیث ۶۳۲۱)

حضرت علیؓ نے فرمایا دنیا سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور آخرت سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں تو تم ابن الاخرت بنو ابن الدنیا نہ بنو، کیونکہ آج عمل کا موقع ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل کا موقع نہیں ہو گا۔ (رقم الحدیث : ۶۳۲۱)

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی، پھر آپ منبر کی طرف گئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں، اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا، اور خدا کی قسم! بے شک میں اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں، اور بے شک مجھے روئے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں، اور خدا کی قسم! بے شک مجھے تمہارے متعلق ہر گز یہ خدشہ نہیں ہے کہ تم سب میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (رقم الحدیث : ۶۳۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا، اور ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اور توبہ کرنے والے کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۳۳۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون اپنے اس مال کا وارث ہے جو اس کو اپنے مال میں بہت پسند ہو، صحابہ نے کہا ہم میں سے ہر شخص اپنے مال کو بہت پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور جو اس نے بچا کر رکھا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے (رقم الحدیث : ۶۳۴۲)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سلمان کی کثرت غنی نہیں ہے غنی نفس کا استغناء ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۳۴۶)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خوان پر نہیں کھلیا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا اور آپ نے پتلی چپاتی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ فوت ہو گئے۔ (رقم الحدیث : ۶۳۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدنا محمد ﷺ کی آل نے جس دن بھی دو قسم کے طعام کھائے تو ان میں ایک قسم کھجور تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۳۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھل بھری ہوئی تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۳۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم پر ایسا مہینہ آتا تھا کہ پورے مہینہ آگ نہیں جلتی تھی، ہم صرف کھجور کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے الا یہ کہ کبھی گوشت آجاتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! آل محمد کو اتنا رزق دے جس سے رشتہ حیات برقرار رہ سکے۔ (رقم الحدیث : ۶۳۶۰) (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲-۲۱۸، ملقط مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے سیدنا محمد ﷺ مدینہ آئے آپ کی آل نے تین دن مسلسل گندم نہیں کھلیا حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (رقم الحدیث : ۲۹۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون کا تیل پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ (رقم الحدیث : ۲۹۷۴)

حضرت عتبہ بن غزوہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتوں شخص تھا اور ہمارا طعام درخت کے پتوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ (رقم الحدیث : ۲۹۷۷)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بازار سے گزرے تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا، آپ چھوٹے کانوں والے ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے، آپ نے اس کا کلن پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون شخص اس کو ایک درہم کے بدلہ میں خریدنا پسند کرتا ہے، لوگوں نے کہا ہم اس کو کسی چیز کے بدلہ میں خریدنا پسند نہیں کرتے، ہم اس کا کیا کریں گے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟ لوگوں نے کہا یہ خدا اگر یہ زندہ ہوتا پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کے کلن چھوٹے ہیں اور اب تو یہ مردہ ہے! آپ نے فرمایا یہ خدا اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی کم تر ہے۔ (رقم الحدیث : ۲۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، دو لوٹ آتی ہیں اور ایک رہ جاتی ہے، اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مل اور اس کا عمل جاتا ہے، اس کا اہل اور اس کا مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل رہ جاتا ہے۔ (رقم الحدیث : ۲۹۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مللی اور جسمانی حالت میں افضل دیکھے تو فوراً اس شخص کو دیکھے جو اس سے کمتر ہو اور جس سے یہ افضل ہو۔ (رقم الحدیث : ۲۹۶۳)

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۲۸۳-۲۲۷۳، ملقطاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ابن آدم ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق میں نہیں ہے، اس کے رہنے کے لیے گھر ہو، اس کا ستر ڈھانپنے کے لیے لباس ہو، روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو۔ (رقم الحدیث : ۲۳۳۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (رقم الحدیث : ۲۳۲۰)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کون سا شخص سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں، اس نے کہا کون سا شخص سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔ (رقم الحدیث : ۲۳۳۰)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنا پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے (بندھے ہوئے) دو پتھر دکھائے۔ (رقم الحدیث : ۲۳۷۱)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے جس کو یہ

حق کے ساتھ ملے اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے گی، بسا اوقات لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مال سے ناحق لے لیتے ہیں۔ ان کے لیے قیامت کے دن آگ کے سوا کچھ نہیں۔ (رقم الحدیث : ۲۳۷۵)

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۵۸۲-۵۶۰، ملقطاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور دل آزار باتیں سنو گے، اور اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (آل عمران : ۱۸۶)

کافروں اور بے دینوں کی زیادتیوں کو خندہ پیشانی۔ سے برداشت کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ فرما کر تسلی دی تھی کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ آیت بھی تسلی کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور یہ بیان فرمایا کہ جس طرح کفار اور مشرکین نے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ایذا پہنچائی تھی، اسی طرح مستقبل میں بھی یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچا کر، ان کے خلاف سازشیں کر کے اور دل آزار باتیں کر کے انہیں ایذا پہنچائیں گے، اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ان مصائب کے لیے تیار رکھیں اور تکلیفیں برداشت کرنے اور مشقتیں جھیلنے کا خود کو عادی بنائیں، اور جب انسان کو پہلے سے یہ پتہ چل جائے کہ اس پر مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لیے وہ مصیبت آسان ہو جاتی ہے، سو اللہ تعالیٰ کا ان کو پہلے سے آنے والی مصیبتوں پر خبردار کرنا بھی ان پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔

ان آنے والے مصائب کے متعلق بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد مال کی کمی اور جہاد میں قتل ہونا اور زخمی ہونا ہے، اور اس سے کافروں اور مشرکوں کی دل آزار باتیں بھی مراد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس جانی اور مالی نقصان اور کفار کے طعن و تشنیع پر صبر کریں اور ان کی ایذا کا جواب ایذا رسانی سے نہ دیں کیونکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے کافر مسلمان ہو جائیں گے، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ
(الاحقاف : ۲۵) ہے۔ آپ صبر کیجئے جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا

وَلَا تَسْتَوِ الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حکم السجدة : ۳۲)
یعنی اور بدی برابر نہیں ہے، آپ بدی کو بہترین طریقہ سے دفع کیجئے، تو آپ کے اور جس شخص کے درمیان عداوت ہے تو وہ گویا آپ کا خیر خواہ اور دوست ہو جائے گا۔

سوجس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ (کے)
فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ
(الشوری : ۴۰) ذمہ کرم) پر ہے۔

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت

(الشوری : ۴۳) کے کاموں میں سے ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو الحارث بن خزیمہ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی عیادت کے لیے ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس سواری پر فذک کی بنی ہوئی ایک موٹی چلور تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے، آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبد اللہ بن ابی بیضا ہوا تھا، اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا، اس مجلس میں مسلمان، مشرک، بت پرست اور یہودی سب ہی لوگ تھے، اور مسلمانوں میں حضرت عبد اللہ بن رواد بھی تھے، جب اس مجلس پر اس سواری کا غبار پڑا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا اور پھر کہا ہم پر غبار نہ اڑاؤ، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا، پھر آپ ٹھہر گئے اور سواری سے اترے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی، اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی، عبد اللہ بن ابی ابن سلول نے کہا جو آپ کہتے ہیں اس سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اگر یہ حق بھی ہے تو آپ ہمیں ہماری مجلس میں ایذا نہ پہنچائیں، اپنی سواری کی طرف جائیں اور جو شخص آپ کے پاس آئے اس کے سامنے بیان کریں، حضرت عبد اللہ بن رواد نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھہریں، ہم اس کو پسند کرتے ہیں، پھر مسلمان اور مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے، حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ جوش میں آجاتے، اور نبی ﷺ ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے، حتیٰ کہ ان کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے، اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس گئے، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب (عبد اللہ بن ابی کی کنیت ہے) نے کیا کہا ہے، اس نے اس اس طرح کہا ہے، حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے، اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اور آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اس خطہ زمین کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اس کے سر پر تاج پہنائیں گے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین حق دے کر اس کا انکار کر دیا تو یہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے وہ کچھ کیا جو آپ نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے، اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۸، رقم الحدیث ۴۵۶۶، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۳۴ھ)

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ

(اور یاد کیجیے) جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ ۚ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا

اس کو نہ چھپانا، تو انہوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت پھینک دیا، اور اس کے

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ

بدل میں تھوڑی قیمت لی، سو وہ کیسی بری چیز ہے جس کو یہ خرید رہے ہیں ○ ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو

يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جویہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

ان لوگوں کے متعلق ہرگز نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں یہود کے طعن اور ان کے طعن کا جواب ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ذکر فرمائے ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں دنیا کا قلیل مال لینے کو اختیار کر لیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں یہود کی ایذا رسانیوں پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کی ایذا رسانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل تھے وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا انہوں نے اس کو چھپایا اور آپ کو کسی اور چیز کی خبر دی، پھر انہوں نے نبی ﷺ کو جس چیز کی خبر دی تھی اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جس چیز کو چھپایا تھا اس پر وہ بہت خوش ہوئے پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی : وَاذْخُلِ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اتَوَا الْكِتَابَ -

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۹، رقم الحدیث ۳۵۶۸، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۳ ص ۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے ان کو جس چیز کے نہ چھپانے کا حکم دیا تھا اس کے چھپانے پر ان کی مذمت کی ہے، اور اس پر ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے محمد بن ثور نے روایت کیا ہے : اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دین اسلام کو فرض کیا ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے جس چیز کے متعلق سوال کیا تھا میں نے اس کی تفسیر نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان سے تورات میں اپنی صفت کے متعلق سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا مجملہ جواب دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۲۰ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی اہی کی تبلیغ کریں اور اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لائیں اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو میں تم سے کئے ہوئے عہد کو پورا کروں گا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ تورات میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کو اپنے بندوں پر فرض کیا ہے وہ اسلام ہے، اور ان کے پاس تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا تھا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علم چھپانے کی مذمت کے متعلق احادیث

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

(سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۳۲۰، مطبوعہ دار الجلیل بیروت، امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۱۷، طبع بیروت، امام ابو یعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۹۵-۹۶، امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۲۹، طبع بیروت، امام طبرانی کی دونوں سندیں ضعیف ہیں)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرے پھر اس کو بیان نہ کرے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ حاصل کرے پھر اس کو خرچ نہ کرے۔

(المعجم الاوسط ج ۱ ص ۳۹۵، رقم الحديث ۶۹۳، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

عبداللہ بن لیسعہ کی روایت کی تحقیق

حافظ نور الدین البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابن لیسعہ ہے اور وہ

ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۲۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ البیہقی کی عادت ہے جس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لیسعہ ہو اس کو وہ ضعیف کہہ دیتے ہیں اور یہ ان کا تسامح ہے کیونکہ عبداللہ بن لیسعہ کی ہر حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ جس حدیث کو ابن وہب یا ابن مبارک نے ابن لیسعہ سے روایت کیا ہو وہ ضعیف نہیں ہوتی بلکہ صحیح ہوتی ہے، اور اس حدیث کو امام طبرانی نے از عبداللہ بن وہب از عبداللہ بن لیسعہ سے روایت کیا ہے لہذا یہ ضعیف نہیں ہے۔

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف الزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں :

عبداللہ بن لیسعہ مصری فقیہ اور مصر کے قاضی ہیں، ان کی ولادت ۹۶ یا ۹۷ھ میں ہوئی اور ۷۴۲ھ میں ہارون کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی، امام مسلم، امام ابو داؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو اپنی صحاح میں درج کیا ہے، امام بخاری نے یحییٰ بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ ۷۴۰ھ میں ان کے گھر میں آگ لگ گئی تھی اور ان کی کتابیں جل گئی

سین، محمد بن صالح نے کہا ان کے گھر میں آگ لگی تھی لیکن کتابیں نہیں جلی تھیں، اور میں نے آگ لگنے کے بعد ان کی اصل کتابوں سے احادیث نقل کی ہیں، امام ابو داؤد نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا مصر میں ابن ابیہ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں ہیں اور نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کو ضبط کرنے والا ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ ابن ابیہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروغ ہیں، روح بن صالح نے کہا ابن ابیہ نے بہتر (۷۲) تابعین سے ملاقات کی ہے۔

امام بخاری نے حمیدی سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید ابن ابیہ کا بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے، عبد الرحمن بن مہدی نے کہا میں ابن ابیہ سے قلیل روایت کرتا ہوں نہ کثیر، محمد بن قسبی نے کہا عبد الرحمن، ابن ابیہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔

نعیم بن حماد نے کہا اگر عبد اللہ بن المبارک اور ان جیسے لوگ ابن ابیہ سے روایت کریں تو پھر ان کی حدیث قابل اعتبار ہے ورنہ نہیں، امام ابو داؤد یہ کہتے تھے کہ میں نے قتیبہ سے سنا ہے کہ ہم ابن ابیہ کی احادیث صرف ان کے بھتیجے یا عبد اللہ بن وہب کی کتابوں سے لکھتے ہیں، جعفر بن محمد فریابی نے کہا کہ قتیبہ کہتے تھے کہ مجھ سے امام احمد بن حنبل نے کہا کہ تمہاری ابن ابیہ سے روایات صحیح ہیں، انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے عبد اللہ بن وہب کی کتابوں سے حدیث لکھتے ہیں، پھر ان احادیث کا ابن ابیہ سے سماع کرتے ہیں، ابو الطاہر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن وہب سے ایک حدیث سے متعلق سوال کیا، انہوں نے وہ حدیث بیان کی، اس نے کہا اے ابو محمد تم یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بہ خدا مجھے ایک بچے اور نیک شخص عبد اللہ بن ابیہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، امام احمد نے کہا کہ ابن ابیہ اپنی کتابوں کو ابن وہب سے زیادہ اچھا پڑھتے تھے، احمد بن صالح نے کہا ابن ابیہ علم کی بہت طلب کرنے والے تھے، اور صحیح لکھتے تھے اور وہ اپنے اصحاب کو اپنی کتاب سے حدیث املاء کراتے تھے، بسا اوقات لوگ سمجھ کر لکھتے اور بسا اوقات ضبط نہیں کرتے تھے اور کچھ لوگوں نے ان سے احادیث سن کر نہیں لکھیں، ان کی حدیثیں لوگوں تک اس طرح پہنچیں، سو بعض لوگوں نے ان کی کتابوں سے صحیح لکھا اور ان پر اس حدیث کو صحیح طرح پڑھا، اور بعض ان لوگوں نے پڑھا جن کا ضبط اور پڑھنا صحیح نہیں تھا تو اس کی روایت میں فساد آگیا، اور میرا گمان ہے کہ ابو الاسود نے ان کی صحیح کتاب سے لکھا ہے لہذا اہل علم کے نزدیک ابو الاسود کی ابن ابیہ سے روایت صحیح کے مشابہ ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اہل مصر یہ کہتے تھے کہ ابن ابیہ کی کوئی کتاب نہیں جلی اور ابن ابیہ ہمیشہ ان کتابوں سے احادیث لکھتے رہے حتیٰ کہ فوت ہو گئے اور ابو الاسود التفر بن عبد الجبار اس سے حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ شیخ صلوٰۃ ہیں اور ابن ابی مریم کی رائے ان کے متعلق درست نہیں تھی۔ جب لوگوں نے ابن ابیہ سے احادیث لکھیں اور اس کے متعلق سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے، یحییٰ بن معین نے مزید کہا کہ قدامت اور متاخرین کا ابن ابیہ سے سماع کرنا ایک حکم رکھتا ہے۔

(تہذیب الکمل ج ۱۰ ص ۴۵۷-۴۵۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

ابن خراش نے کہا اس کی کتابیں جل گئی تھیں حتیٰ کہ اگر کوئی شخص کوئی حدیث وضع کر کے اس کے پاس آتا تو وہ اس کو بھی پڑھتا تھا، خطیب نے کہا اس کے تسلی کی وجہ سے اس کی روایت میں مناکیر بہت زیادہ ہیں، احمد بن صالح نے کہا کہ یہ فتنہ ہیں اس کی احادیث میں جو تخلیط ہے اس کو نکل دیا جائے، حاکم نے کہا اس نے قصداً "جھوٹ نہیں بولا، اس

کی کتابوں کے جل جانے کے بعد اس کے حافظہ میں خلل ہو گیا اس لیے وہ روایت میں خطا کرتا ہے، ابو جعفر طبری نے تہذیب الآثار میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل مختل ہو گئی تھی (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۹-۳۷۸) نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الفتن میں المقری اور ابوالاسود کی روایت درج کی ہے، اسی طرح انہوں نے کتاب الاعتصام، سورہ نساء کی تفسیر کے آخر اور کتاب الخلق میں کئی جگہ ابوالاسود کی روایات درج کی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایات ابن ابیہ سے مروی ہیں اگرچہ امام بخاری نے ابن ابیہ کا نام نہیں لیا، امام نسائی نے ابن وہب کی روایات درج کی ہیں اور وہ ابن ابیہ سے مروی ہیں، امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو جگہ ابن ابیہ سے استشہاد کیا ہے، عبد الغنی بن سعید ازدی نے کہا جب عبادلہ (عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن وہب) ابن ابیہ سے روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہے، انہوں نے عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک اور المقری کا ذکر کیا، سلمیٰ وغیرہ نے بھی اس کی مثل ذکر کیا ہے، حافظ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جب موطا میں سند اس طرح ہو از مالک از ثقفہ نزد مالک از عمرو بن شعیب، تو امام مالک کے نزدیک ثقہ سے مراد ابن ابیہ ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷، مطبوعہ مجلس دائرة المعارف دکن، ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابیہ ضعیف راوی ہے لیکن جب عبداللہ بن مبارک، عبداللہ بن وہب، ابوالاسود اور مقری اس سے حدیث روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام طبرانی کی زیر بحث حدیث کو چونکہ عبداللہ بن وہب نے عبداللہ بن ابیہ سے روایت کی ہے اس لیے وہ حدیث صحیح ہے اور حافظ ابیہی کا اس حدیث کو ابن ابیہ کی وجہ سے ضعیف کہنا ان کا تساہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے، ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ اور اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

بعض آیات میں عموم الفاظ کی بجائے خصوصیت مورد اعتبار اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کو یہود اور مشرکین کی طرف سے اذیتیں نہیں لاحق ہوں گی، اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایدوں میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی ایک ایذا یہ بھی ہے کہ وہ کمزور مسلمانوں کو اور غلامانے کے لیے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈالتے ہیں، اور وہ اس پر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ صلح، متقی، متدین اور صادق القول ہیں، اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں نبی ﷺ اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کے متعلق تورات کی آیات چھپاتے تھے اور اس کے بدلہ میں اپنے اراوت مندوں سے نذرانے وصول کرتے تھے، اور ان پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ بہت بڑے عالم اور دیندار ہیں اور وہی مقتداء بننے کے لائق ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس فعل کی سزا بیان فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں : حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو بعض منافقین پیچھے

کے لئے اور کہ آپ کے ساتھ نہ جاتے اور اپنے فعل پر خوش ہوتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے، اور جب رسول اللہ ﷺ واپس آتے تو مختلف حیلے بہانے بناتے اور قسمیں کھاتے اور اس پر قسمیں کھاتے کہ جو کام انہوں نے کیا ہے (جہاد میں آپ کے ساتھ جو نہیں گئے) اس پر ان کی تعریف کی جائے، تب یہ آیت نازل ہوئی: لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا ويحبون ان يحمدوا بما لم يفعلوا۔ علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے رافع! حضرت ابن عباس کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ ہر شخص اپنے فعل پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو کام اس نے کیا ہے اس پر اس کی تعریف کی جائے تو اگر عذاب دیا جائے گا تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا، حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ نبی ﷺ نے یسود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اصل چیز کو چھپا لیا اور آپ کو کچھ اور بتادیا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ کو جس چیز کی (جھوٹی) خبر دی ہے اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جو اصل چیز نہیں بتائی اس پر ان کی تعریف کی جائے، اور پھر حضرت ابن عباس نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔ واذا اخذ الله ميثاق الذين اتوا الكتاب اور يفرحون بما اتوا ويحبون ان يحمدوا بما لم يفعلوا۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۹، رقم الحدیث ۲۵۶۸، ۲۵۶۷، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۱۳۳، ۲۱۳۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۳۱۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۱ھ، الجامع الصحیح للترمذی ج ۵ ص ۲۲۳، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ہرچند کہ قرآن مجید کی آیات میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات میں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

نیک کی تعریف چاہنے پر عذاب کی وعید

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت کی وعید سے ڈریں اور یہ نہ چاہیں کہ جو کام انہوں نے نہ کیا ہو اس پر ان کی تعریف کی جائے، جیسا کہ بعض لوگ اپنے آپ کو عالم، علامہ، مفتی اور شیخ الحدیث بلکہ حافظ الحدیث کہلاتے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہوتے، اور اگر کوئی مسلمان کسی نیک کام کے کرنے پر خوش ہو یا برا کام نہ کرنے پر خوش ہو تو یہ ایمان کی علامت ہے۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور برائی پر افسوس ہو وہ مومن (کامل) ہے، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۳۶۱، رقم الحدیث ۲۲۱۵، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، مسند احمد ج ۱ ص ۱۸، ۳۶، ج ۳ ص ۲۴۶، ج ۵ ص ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، مطبوعہ دارالفرق بیروت)

البتہ کوئی نیک کام کر کے یہ خواہش رکھنا کہ اس پر اس کی دنیا میں تعریف کی جائے اخلاص کے منافی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہو

گناہگار ان کا فیصلہ فرمائے، اس وقت ہر امت دوزخو بیٹھی ہوگی، سب سے پہلے قرآن کے حلف کو بلایا جائے گا اور اس شخص کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور مالدار شخص کو، اللہ تعالیٰ قرآن کے قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اس چیز کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں رات دن قرآن پڑھتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے سو یہ کہا گیا، پھر مالدار شخص کو بلایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مالی وسعت نہیں دی تھی حتیٰ کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ شخص کہے گا اے میرے رب! کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے میرے دیئے ہوئے مال میں کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جو اد ہے سو یہ کہا گیا، پھر اس شخص کو بلایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کس وجہ سے قتل کیا گیا تھا؟ وہ شخص کہے گا مجھے تیری راہ میں جملہ کا حکم دیا گیا تھا سو میں نے قتل کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے، فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہادر ہے سو یہ کہا گیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ہریرہ! یہ پہلے وہ تین شخص ہیں جن سے دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۵۹۳-۵۹۲، رقم الحدیث ۲۳۸۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۸۳-۱۵۸۴، رقم الحدیث ۱۹۰۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن نسائی ج ۲ ص ۵۷، مطبوعہ کراچی، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور اس حدیث میں نیکیوں پر اپنی تعریف کی خواہش رکھنے پر سخت وعید ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے

لَايَةٍ لِّلأُولَى الْأَلْبَابِ ۝ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَ

مذکور نشانیاں ہیں ○ جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور

قُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَ

کھڑے کے بل بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں

الْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے

النَّارِ ۱۹۱ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا

عذابہ بجا ○ اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا ، اور ظالموں

لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۱۹۲ رَبَّنَا إِنَّنا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي

کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ اے ہمارے رب: بیشک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے

لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

سنا کہ (اے لوگو) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے

وَكُفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مِنَ الْآبِرَارِ ۱۹۳ رَبَّنَا وَآتِنَا مَا

اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر ○ اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما

وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا

جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا ، بیشک تو وعدہ کے

تُخْلِفُ الْبِعَادَ ۱۹۴ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ

خلاف نہیں کرتا ○ سوان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بیشک میں تم میں سے کسی عمل کرنے

عَامِلٍ مِنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْتِ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ

والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو ، سو جن لوگوں نے

هَاجَرُوا وَآخَرُجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا

ہجرت کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور

وَقُتِلُوا أَلْكَفَرَاتٍ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي

جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیے گئے ، میں ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کر دوں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَكَ

کا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین

حُسْنُ الثَّوَابِ ①

ثواب ہے ○

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت پر دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے، اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ آیت اس دعویٰ کو مستغنن تھی کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اور خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے، سو اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی جو اس دعویٰ کی دلیل ہے، آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے، کیونکہ اس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا ہوا ہے اور ان کو ستاروں سے مزین کیا ہے، اور زمین کی پیدائش میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے، کیونکہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں، اور اس میں دریا جاری کر دیئے اور اس میں درختوں اور سبزہ کو اگایا اور سمندروں کو اس میں رواں دواں کر دیا، اور رات اور دن کے اختلاف یعنی رات اور دن کی کمی بیشی میں یا رات کے بعد دن کے آنے میں اس کی وحدانیت پر دلیل ہے کیونکہ یہ تمام نظام نہج واحد پر چل رہا ہے اور تمام دنیا میں اس نظام کی وحدانیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کو بنانے والا واحد ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس جگہ تین دلیلیں ذکر کی گئی ہیں اور سورہ بقرہ کی آیت : ۱۴۲ میں ان تین دلیلوں کے علاوہ پانچ اور دلیلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ راہ حق کی تلاش میں چلنے والوں کو ابتدا میں زیادہ دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ان پر راستہ روشن ہو جاتا ہے تو پھر زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ نیز اللہ کی معرفت میں ڈوبنے کے لیے کثرت اولہ بہ منزلہ حجابات ہوتے ہیں اور جیسے جیسے یہ معرفت قوی ہوتی ہے حجاب کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا، رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اپنی اہلیہ کے ساتھ باتیں کیں پھر آپ سو گئے، جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ گیا تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - الخ پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کیا اور مسواک کی اور گیارہ رکعات پڑھیں، پھر حضرت بلال نے اذان دی تو آپ نے دو رکعات (سنت فجر) پڑھیں، پھر آپ باہر آئے اور صبح کی نماز پڑھی۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۱۰، رقم الحدیث : ۴۵۶۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۱۸، مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو لوگ کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں :) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

(آل عمران : ۱۹۱)

بہ کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر دلائل ذکر فرمائے، اب اللہ تعالیٰ عبودیت کے احوال بیان فرما رہا ہے، سو بندہ کو چاہئے کہ دل سے اسرار کائنات میں غور و فکر کرے اور حوادث اور صنائع سے اللہ تعالیٰ کی صفات تک پہنچے اور اس کی ذات اور اس کی وحدانیت کی تصدیق کرے اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اس کا شکر بجالائے اور اس کی حمد و ثناء کرے اور باقی اعضاء سے اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی عبادت کرے، خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ہر حالت میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ اس کو دوزخ کے عذاب سے بچائے، امام ابو حنیفہ کو دیکھ کر کسی نے کہا یہ جنتی ہے فرمایا میں جنت کے کب لائق ہوں اللہ اگر مجھے دوزخ سے بچالے تو یہ اس کا بڑا کرم ہو گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارا سب سے بہتر عمل ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے پاکیزہ اور تمہارے سب سے بلند درجہ کا باعث ہو، اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات سے افضل ہو اور جب کل تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم ان کی گردنیں مارو یا وہ تمہاری گردنیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہو! صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے، حضرت معاذ نے کہا اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۵۹، رقم الحدیث ۳۳۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۳۵، رقم الحدیث ۳۷۹۰، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، حافظ الیشی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے مفید نہیں ہے سوائے نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے اور اللہ کے ذکر کے۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۶۰۸، رقم الحدیث ۲۳۱۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو دوزخ سے نکال دو جس نے ایک دن (بھی) میرا ذکر کیا ہو یا کسی ایک مقام پر مجھ سے ڈرا ہو۔ (الجامع الصحیح ج ۳ ص ۷۱۲، رقم الحدیث : ۲۵۹۳)

حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں مجھ کو ایسی چیز بتائیے جس سے میں چمٹ جاؤں آپ نے فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۳۵۸، رقم الحدیث : ۳۳۷۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کس کا درجہ سب سے زیادہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو مرد اور عورت بہ کثرت اللہ کا ذکر کرتے ہوں! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! عاتزی فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ، آپ نے فرمایا : اگر کوئی شخص اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کرے اور وہ زخمی ہو کر خون سے رنگیں ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۵۸، رقم الحدیث ۳۳۷۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کا ذکر نہ کریں اور اپنے نبی پر درود نہ پڑھیں ان کو حسرت اور ندامت ہوگی اگر اللہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور چاہے گا تو ان کو بخش دے گا، امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۶۱، رقم الحدیث ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۶۶، رقم الحدیث ۳۸۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۲)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا گناہوں کو ترک کر دو یہ سب سے اچھی ہجرت ہے، فرائض کی حفاظت کرو یہ سب سے افضل جہاد ہے اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو کیونکہ تم جو کام بھی کرو گی اس میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اللہ کا ذکر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۳۶۷، رقم الحدیث : ۶۷۳۱، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۲۹، رقم الحدیث : ۳۱۳)

حافظ الیشمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم بن نسطاس ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۸، مجمع البحرین رقم الحدیث ۴۳۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے راستہ میں جا رہے تھے، آپ جمدان نام کے ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا چلو یہ جمدان ہے مفردون سبقت کر گئے صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مرد اور عورت جو اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۲، رقم الحدیث ۲۶۷۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۶۶، رقم الحدیث ۶۳۰۷، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کے مسلک کی وضاحت

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ حالت قیام میں نماز پڑھتے ہیں اگر اس سے عاجز ہوں تو حالت قعود میں نماز پڑھتے ہیں اور بیٹھنے سے عاجز ہوں تو کروٹ کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی حالت میں نماز ترک نہیں کرتے، اور پہلے معنی پر آیت کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے، کیونکہ ذکر کی فضیلت میں بہت آیات ہیں اور نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص جنت کی کیاریوں میں چرنا چاہتا ہو وہ بہ کثرت ذکر کرے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام شافعی نے یہ کہا جب مریض لیٹ کر نماز پڑھے تو کروٹ کے بل نماز پڑھے اور امام ابو حنیفہ نے کہا بلکہ چت لیٹ کر نماز پڑھے حتیٰ کہ جب تخفیف محسوس کرے تو بیٹھ جائے، امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ظاہر آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

بلو کے بل لیٹ کر ذکر کرنے کی مدح فرمائی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام رازی نے امام ابو حنیفہ کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مریض چٹ لیٹ کر اور کروٹ کے بل دونوں طرح نماز پڑھ سکتا ہے البتہ چٹ لیٹ کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

جب مریض قیام سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجود کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے بھی عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔ (اس حدیث کا مکمل متن یہ ہے) : امام بخاری حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر تھی میں نے نبی ﷺ سے نماز کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے (بھی) عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۹، رقم الحدیث ۱۱۱۰، ابوداؤد رقم : ۹۵۲، ترمذی : ۳۷۳، ابن ماجہ : ۱۳۲۳، دار قطنی ج ۱ ص ۳۸۰، بیہقی ج ۲ ص ۳۰۴، مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۶)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں اور اگر مریض بیٹھنے کی طاقت نہ رکھے تو کمر کے بل چٹ لیٹ جائے اور اپنے پیر کعبہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجود اشارہ سے کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس سے عاجز ہو تو گدی پر لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہے، اور اگر مریض کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے جب کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو، جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت بیان کی ہے لیکن چٹ لیٹ کر نماز پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے، اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے، اولویت کی دلیل یہ ہے کہ چٹ لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ کعبہ کی ہوا (فضا) کی طرف ہو گا اور کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ اپنے قدموں کی جانب ہو گا تاہم نماز ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۲۱، مطبوعہ مکتبہ المدینہ ملتان)

علامہ المرغینانی نے جو حدیث ذکر کی ہے ”اگر مریض اس سے عاجز ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔“ ان الفاظ کے ساتھ حدیث ثابت نہیں ہے البتہ سند ضعیف کے ساتھ امام دار قطنی نے یہ حدیث روایت کی ہے: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھتا ہو تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے، اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے، اگر سجدہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اشارہ سے پڑھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرے، اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو دائیں کروٹ کے بل قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اگر دائیں کروٹ کے بل نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو چٹ لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے پیر قبلہ کی جانب ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مریض گدی کے بل چٹ لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے دونوں پیر قبلہ کی جانب ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۳۳-۳۲، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر کا یہ اثر صراحۃً ”فقہاء احناف کا موید ہے اور اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی گئی، اور حضرت علی کی

حدیث میں بھی ان کی تائید ہے، اور حضرت عمران بن حصین کو جو رسول اللہ ﷺ نے کروٹ کے بل نماز پڑھنے کا فرمایا اس کی یہ

وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان کے مرض بواسیر کی وجہ سے ہو، جب کہ احناف کے نزدیک کروٹ کے بل نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

مخلوق میں غورو فکر کرنے کی ہدایت اور خالق میں غورو فکر کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاحبان عقل کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غورو فکر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں مخلوق میں غورو فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خالق میں غورو فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے :

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر حیان المعروف بابی الشیخ امبہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں غورو فکر کرو اور اللہ میں غورو فکر نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز میں غورو فکر کرو، اور اللہ میں غورو فکر نہ کرو۔

اس حدیث کو امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۴۲۰)
حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں غورو فکر کرو اللہ میں غورو فکر نہ کرو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اللہ میں غورو فکر کر رہی تھی، آپ نے فرمایا مخلوق میں غورو فکر کرو، خالق میں غورو فکر نہ کرو کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(کتاب العظمت ص ۱۸-۱۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

اور اس کا سبب یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی صفت اللہ کی کسی صفت کی مماثل نہیں ہے، اس لیے ہم مخلوق کے کسی حال کو خالق پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ بسیط ہے نہ مرکب ہے، کسی مکان میں ہے نہ جہت میں ہے۔ اس لیے عقل اس کی حقیقت کو پانے سے عاجز اور حیران ہے۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه کی تحقیق

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات کے مخالف ہیں اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من عرف نفسه فقد عرف ربه ”جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے حادث ہونے کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا، اور جس نے اپنے نفس کے امکان کو جان لیا اس نے اپنے رب کے وجوب کو جان لیا اور جس نے اپنے نفس کی احتیاج کو جان لیا اس نے اپنے رب کے استغنا کو جان لیا۔“ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۹-۱۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

”من عرف نفسه فقد عرف ربه“ یہ حدیث نہیں ہے لیکن امام رازی کا بیان کیا ہوا معنی صحیح ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں :

ابوالخضر بن السمعانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حدوث کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا اور جس نے اپنی فنا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا۔

(المقاصد الحسنہ ص ۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی جراحی متوفی ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے، علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے، ابن السمعانی نے کہا یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے، ابن الفرس نے کہا صوفیہ کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں، مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ اور وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں، ابن عربی کے بعض اصحاب نے کہا ہرچند کہ یہ حدیث روایت کے اصول پر صحیح نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف صحیح ہے، النجم نے کہا ماوردی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں اپنے رب کا سب سے زیادہ عارف کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنے نفس کا سب سے زیادہ عارف ہے۔ (کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۲، مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔

علامہ عزالدین نے کہا اس حدیث کا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لطیف روح کو اس کثیف جسم میں رکھا اور اس جسم کی کثافت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربانیت پر حسب ذیل وجہ سے دلالت کرتی ہے :

(۱) اس جسم کو یہ روح حرکت دیتی ہے اور اس کی تدبیر کرتی ہے تو جب یہ جسم ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے تو یہ عالم بھی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہو گا۔

(۲) جب اس جسم کا محرک اور مدبر واحد ہے تو اس عالم کا مدبر اور محرک بھی واحد ہو گا۔

(۳) جب یہ جسم روح کے ارادہ کے بغیر حرکت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ اس عالم کی کوئی چیز بھی خواہ خیر ہو یا شر وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قضاء و قدر کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔

(۴) جسم کی ہر حرکت کا روح کو علم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر حرکت اور ہر چیز کا اللہ کو علم ہے۔

(۵) روح سے زیادہ کوئی چیز جسم کے قریب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کائنات کی ہر چیز کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) روح جسم کے پیدا ہونے سے پہلے موجود تھی اور اس کی فنا کے بعد بھی موجود رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اس کائنات سے پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہے گا۔

(۷) ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے، اسی طرح اللہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔

(۸) ہمیں جسم میں روح کا مکان، اس کی جت اور کیفیت معلوم نہیں ہے اسی طرح اللہ کا مکان، اس کی جت اور اس کی کیفیت بھی معلوم نہیں ہے۔ (بلکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ کا کوئی مکان ہے، نہ جت، سعیدی غفرلہ)

(۹) روح کو آنکھ سے نہیں دیکھا جاسکتا نہ اس کی تصویر بنائی جاسکتی ہے، نہ مثل، اسی طرح دنیا میں اللہ کو بھی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے نہ اس کی صورت اور مثل بنائی جاسکتی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۱۰) روح کو مس نہیں کہا جاسکتا اسی طرح اللہ بھی جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔

یہ اسی قول کا معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو جان لیا سو اس کو مبارک ہو جس نے اپنے رب کو جان لیا اور اپنے گنہ کا اعتراف کر لیا۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو جان لو سو تمہارے رب کی صفات اس کی ضد ہیں، لہذا جس نے اپنی فاجہ کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا اور جس نے اپنی جفا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی وفا کو جان لیا اور جس نے اپنی خطا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی عطا کو جان لیا۔

علامہ قنوی نے شرح التعرف میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تعلیق المحل بالمحل ہے کیونکہ انسان اپنے نفس اور روح کی معرفت آج تک نہیں حاصل کر سکا تو وہ اپنے رب کی معرفت کیسے حاصل کر سکے گا، انسان آج تک قطعی طور پر یہ نہیں جان سکا کہ اس کے کلام کی حقیقت کیا ہے، اس کے حواس میں سے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کی حقیقت کیا ہے کیونکہ ان کی تعریفات میں بہت اختلاف ہے مثلاً دیکھتے وقت کسی چیز کی صورت ہماری آنکھوں میں مرتسم ہو جاتی ہے یا ہماری آنکھوں سے شعاعیں نکل کر اس چیز پر پڑتی ہیں، کلام اور حواس بالکل ظاہر ہیں جب ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے تو روح جو مخفی ہے اس کی حقیقت کو جاننے میں تو ہم اور بھی عاجز ہیں، پھر اللہ کی حقیقت کو جاننے میں تو ہمارا عجز اور بھی زیادہ واضح ہے۔ سو جو اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا وہ اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے، اس لیے فرمایا اگر انسان اپنے نفس کی حقیقت کو جان لیتا تو اپنے رب کی حقیقت کو جان لیتا، سو اس حدیث میں ایک محل کو دوسرے محل پر معلق کیا گیا ہے۔ (الحادی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں ڈال دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۹۲)

ایمان کے ساتھ گناہوں پر مواخذہ نہ ہونے کے نظریہ کا رد

اس سے پہلی آیت میں عقل والوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور اس میں یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا سے پہلے اس کی حمد و ثناء کرنی چاہئے، فرقہ مرجیہ نے کہا اللہ تعالیٰ مومنوں کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
جس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا نہ ان لوگوں کو جو
(التحریم : ۸) اس کے ساتھ ایمان لائے۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کر دیا، اور ان دونوں آیتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ مومن دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض معصیت سے ضرر نہیں ہوتا، اور مومن خواہ نیک کام کرے یا برا کام کرے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً دوزخ میں داخل ہونا باعث رسوائی نہیں ہے کیونکہ جہنم کے محافظ اور پہرہ دار بھی جہنم میں ہوں گے اور وہ رسوا نہیں ہوں گے، قرآن مجید میں ہے :

وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ۚ لَا تُبْقَىٰ وَلَا تَذَرُ ۚ
لَوْ أَحَاطَ لِلْبَشَرِ ۚ عَلَيْهَا نِسْعَةُ عَشْرٍ ۚ وَمَا جَعَلْنَا
أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً
اور آپ نے کیا جانا کہ دوزخ کیا ہے ۚ نہ باقی رکھے نہ
چھوڑے ۚ آدمی کو جھلسا دینے والی (آگ) ہے ۚ اس پر انیس
فرشتے مقرر ہیں ۚ اور ہم نے دوزخ کا نگہبان صرف فرشتوں کو

(المدرثر : ۳۱-۲۷) مقرر کیا ہے

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص دوزخ میں داخل ہو گا پھر متقی لوگ دوزخ سے نکل لیے جائیں گے اور ظالموں کو اس میں رہنے دیا جائے گا۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمْ اِلَّا وَاَرْدُهَا عَكَانَ عَلٰى رَتِّكَ حَتْمًا
مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِيْنَ
فِيْهَا جَحِيْمًا ۝ (مریم : ۷۲-۷۱)

اور تم میں سے ہر شخص دوزخ سے ضرور گزرے گا اور آپ کے رب کے نزدیک یہ بات قطعی فیصلہ کن ہے ○ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے، اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جہنم میں دخول رسوائی کا موجب نہیں ہے، بلکہ جس شخص کو دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا وہ ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا، اور جن مسلمانوں کو تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے یا انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض کی وجہ سے دوزخ سے نکل لیا جائے گا ان کا دوزخ میں عارضی دخول ذلت اور رسوائی کا سبب نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے اس ظلم سے مراد شرک اور کفر ہے کیونکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے، اور اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، اور مشرکین اور کفار ظالم ہیں ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی، اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کی شفاعت کی جائے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبار کے لیے ہو گی، یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۳ ص ۶۲۵، رقم الحدیث ۲۳۳۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۴۰، مسند احمد ج ۳ ص ۳۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ (آل عمران : ۱۹۳)

گناہوں کو بخشے اور خطاؤں کے مٹانے میں تکرار کے جوابات

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جن لوگوں نے کہا ہم ایمان لے آئے وہ تو پہلے ہی مسلمان تھے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں منادی سے مراد یا تو نبی ﷺ ہیں یا اس سے مراد قرآن کریم ہے، اس سے پہلی آیتوں میں ذکر کیا تھا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، اس آیت میں بتایا ہے کہ مسلمان اپنی دعا کی قبولیت کے لیے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا رہے ہیں کہ ہم نبی ﷺ یا قرآن مجید کی دعوت پر فوراً ایمان لے آئے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ وہ پہلے سے مسلمان تھے لیکن انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو خطائیں اور تقصیریں ہو جاتی ہیں ان کی بناء پر انہوں نے اپنے ایمان کو بہ منزلہ عدم ایمان قرار دے کر کہا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے۔

اس آیت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے، یہ ظاہر گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے کا ایک ہی معنی ہے اور ان جملوں کا ذکر کرنا تکرار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا جملہ تاکید کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دعائیں سائل گزرگذا کر دعا کرتا ہے اور اپنے مطلوب کا بار بار ذکر کرتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ پچھلے جملہ سے مراد پچھلے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے اور دوسرے جملہ سے اس کے بعد ہونے والے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ توبہ سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور دوسرے جملہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری نیکیوں سے ہماری برائیوں کو مٹا دے، اور چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علم کے باوجود کیے اور دوسرے سے مراد وہ گناہ ہیں جو جہالت سے کئے۔

صالحین کے جوار اور قرب میں مدفون ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد انہوں نے دعا کی : اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہمارا عقیدہ نیک لوگوں کے مطابق ہو اور ہمارے اعمال نیک لوگوں کے اعمال کے مطابق ہوں، اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمیں اس جگہ دفن کیا جائے جہاں نیک لوگوں کی قبریں ہوں اور نیک لوگوں کی معیت میں ہمیں موت آئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ نے اس کے ایک تھپڑ مارا، اس نے جا کر اپنے رب سے کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ (نبی) نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کی آنکھ لوٹا دی، اور فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت کے اوپر رکھ دیں ان کے ہاتھ کے نیچے اس کے جتنے بال آئیں گے اتنے سال اس کی عمر کر دی جائے گی، انہوں نے کہا : اے رب! پھر کیا ہو گا؟ فرمایا موت، حضرت موسیٰ نے کہا تو پھر ابھی آجائے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کر دے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہیں راستہ کی ایک جانب کیشب احمر کے پاس ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح البخاری : رقم الحدیث ۳۲۲۶، ۳۳۹، صحیح مسلم : رقم الحدیث : ۲۳۷۲، سنن نسائی ج ۴ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۹، ج ۲ ص ۳۱۵، ج ۲ ص ۵۳۳)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت کو دفن کرنا مستحب ہے۔

(عمدة القاری ج ۸ ص ۱۵۰، مطبوعہ ادارة الطباعة المیزية مصر ۱۳۳۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حرمین طہین، انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تاکہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مطلوب تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں، قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۷، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لیے پسند کیا تھا تاکہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں، اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو، اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنا چاہئے۔

(اکمل اکمل المعلم ج ۸ ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کی مکمل شرح، شرح صحیح مسلم ج ۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رسوائی نہ کرنا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۱۹۴)

دعا قبول ہونے کے علم کے باوجود دعا کرنے کی حکمتیں

مسلمانوں نے اپنی دعائیں یہ کہا تو نے اپنے رسولوں کی زبانوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کے خلاف کرنا محال ہے، پھر یہ دعا کیوں کی گئی کہ تو اپنے وعدہ کے مطابق عطا فرما۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا سے مقصود اظہار عبودیت ہے کیونکہ بعض چیزوں کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ لامحالہ ایسا ہو گا پھر بھی اس کی دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (المؤمنون : ۱۱۸) سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مغفرت سورہ فتح سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اظہار عبودیت کے لیے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم برقرار رکھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ (الانبیاء : ۱۱۳) (اللہ کے رسول نے) دعا کی اے میرے رب برحق فیصلہ

فرما۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہی ہوتا ہے پھر بھی اللہ کے رسول نے اظہار عبودیت کے لیے یہ دعا کی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو رسولوں کے ذریعہ مغفرت اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ نام بہ نام معین اشخاص سے وعدہ نہیں فرمایا بلکہ وہ وعدہ بہ طور نیک اوصاف کے ہے یعنی جو لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے لیے جنت اور آخرت کی نعمتیں ہیں، اس لیے ہم کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارا اشار ان اوصاف کے حاملین میں ہے یا نہیں جب کہ ہم سے انواع و اقسام کے گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا لیکن یہ نہیں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کب غلبہ نصیب ہو گا سو مسلمانوں نے اس غلبہ کے حصول کے لیے دعا کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس وعدہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مسلمانوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے یہ کہا کہ اے اللہ اپنے وعدہ کی وجہ سے ہمیں عطا فرما یہ نہیں کہا کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے عطا فرما۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں الا یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے، تم درست کام کرو اور نیکی کے قریب ہو، صبح، شام اور رات کے کچھ حصہ میں درمیانہ روی اور اعتدال سے عمل کرو۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۳۶۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۱۸، ۲۸۱۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۲۰۱، سنن داری رقم الحدیث : ۲۷۳۶، مسند احمد ج ۲ ص ۵۳، ۵۳۳، ۵۱۹، ۵۱۳، ۵۰۹، ج ۳ ص ۳۶۲، ۳۶۳، ۵۲، ۳۳، ج ۶ ص ۳۵، الادب المفرد، رقم الحدیث : ۳۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور ان کو گھروں سے نکل دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیئے گئے، میں ضرور ان سب کے گناہ مٹا دوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا، جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ (آل عمران : ۱۹۵)

دعا کے قبول ہونے کا ایک طریقہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پانچ دعائیں ذکر فرمائی تھیں : ربنا ما خلقت هذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار، ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظالمین من انصار، ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا ببریکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا، وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار، ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزننا یوم القیمۃ۔ اس آیت میں ان دعاؤں کی مقبولیت کا بیان ہے، امام جعفر صادق نے فرمایا جو شخص اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں نے اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ عمل، عامل سے صادر ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ضائع نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کسی عمل کا ثواب ضائع نہیں کرتا، یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں خضوع اور خشوع اور حضور قلب سے کی ہوئی کسی دعا کو ضائع نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ دعا کو فوراً قبول فرماتا ہے، یا اپنی کسی حکمت کی وجہ سے اس کو موخر کر دیتا ہے، اور دعا کرنے والا تاخیر پر صبر کرے تو اس کو اجر عطا فرماتا ہے یا اس دعا کے عوض اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، اس آیت کے سبب نزول میں

ہم ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں نے ہجرت (کے اجر و ثواب) میں عورتوں کا ذکر بالکل نہیں سنا تو یہ آیت نازل ہوئی : (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ) تمام صحابہ کے مومن ہونے کی دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت کے مہاجرین اور مجاہدین سے بلا استثناء مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابی جنتی اور مغفور ہیں اور شیعہ اور رافضیہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد چھ کے سوا باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے، اس آیت کے صریح خلاف ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عہد رسالت کے تمام جہاد کرنے والے اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ نہ فرماتا اور انہوں نے مغفرت اور دوزخ سے نجات کی جو دعائیں کی تھیں ان کو قبول نہ فرماتا۔

لَا يَغْرُرُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۖ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۝

(اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں (خوش حالی سے) گھومنا پھرنا تمہیں سرگزند صو کے بیٹے ڈال دے ۝ یہ (جہات فانی کا) قلیل سامان ہے

ثُمَّ مَادُّهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۝ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے

سَاءَ لَهُمْ لِمَ جَنَّتْ ثَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

یہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ

نَزَّلَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ۝ وَإِنْ

اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے ۝ اور بیشک

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ

بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور

وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا درانما کی ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں، وہ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں

ثُمَّ قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ عَذَابِهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ

تھوڑی قیمت نہیں لیتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رکبے پاس ہے، بیشک اللہ جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ۱۹۹) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابُطُوْا

والا ہے ○ اے ایمان والو! فی نفسہ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو اور اپنے نفسوں اور اپنی سرروں

وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۲۰۰

○ کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو

غور کا معنی اور شان نزول

انسان کسی چیز کو بہ ظاہر اچھا لگنا کرے اور تحقیق و تفتیش کے بعد وہ چیز اس کے بالکل برعکس ہو تو اس کو غور کرتے ہیں اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے کہ آپ کفار کی خوشحالی اور ان کے عیش و طرب سے دھوکا نہ کھائیں لیکن اس سے مراد عام مسلمان یا مخاطب ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ خدا کی قسم اللہ کے نبی نے کفار سے کبھی دھوکا نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۵، مطبوعہ بیروت)

کفار کے لیے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لیے تنگی کے متعلق احادیث

امام بخاری ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی، اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے پتوں کا ڈھیر تھا، اور آپ کے پاس کچی (بغیر رنگی ہوئی) کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں گڑ گئے تھے، میں رونے لگا، آپ نے فرمایا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو!

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۹۱۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۷۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۱۵۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث :

۴۱۸۸، المستدرک ج ۳ ص ۱۰۴، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۱۴۳۹، مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۹)

ایک اور حدیث میں روایت کرتے ہیں :

میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا تو خدا کی قسم مجھے تین کچی کھالوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا، میں نے عرض کیا آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر وسعت کرے، کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو دنیا دی گئی حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب کیا تم کو شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

ن کی اچھی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں، میں نے کمایا رسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث ۲۳۶۸)

امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی چارپائی پر سیاہ چلور پڑی ہوئی تھی، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر آئے تو نبی ﷺ اس پر لیٹے ہوئے تھے، جب آپ نے دیکھا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، انہوں نے دیکھا کہ چارپائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے، حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کمایا رسول اللہ آپ کی چارپائی اور بستر کی سختی سے آپ کو کس قدر تکلیف پہنچتی ہے اور یہ قیصر اور کسری ریشم اور دیباچ کے بستروں پر سوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایسا نہ کہو کسری اور قیصر کے بستر و زخ میں ہیں اور میرا یہ بستر اور میری چارپائی کا انجام جنت ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث : ۷۰۴)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ عطا فرماتا۔

(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۱۱۰)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر ایک مڑی ہوئی چادر دیکھی۔ اس نے حضرت عائشہ کے پاس ایک گدا بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا : اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ کا بستر دیکھا تو وہ گئی اور اس نے یہ بستر بھیج دیا، آپ نے فرمایا : اے عائشہ اس کو واپس کر دو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو روانہ کر دے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث : ۱۳۶۸، دلائل النبوت ج ۱ ص ۳۲۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن اس سے بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا، اس کی نیکی کا صلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور اس کی پوری جزاء اس کو آخرت میں دی جائے گی اور کافر نے دنیا میں اللہ کے لیے جو نیکیاں کی ہیں اس کی پوری جزا دنیا میں دے دی جاتی ہے حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہیں ہو گی جس کی جزا دی جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۸۰۸)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے، امام عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔

(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۲۳۲۲، سند البرار، رقم الحدیث : ۳۶۳۵، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۶۸۷، المستدرک ج ۳ ص ۶۰۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

(آل عمران : ۱۹۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے قرب کا جنت سے افضل ہونا اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق وعید کا ذکر کیا تھا، اور اب اس آیت میں مسلمانوں کے متعلق وعدہ اور بشارت کا ذکر فرمایا ہے، یہ بشارت متقین کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والا، اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کے متعلق فرمایا ہے یہ اس کی مہمانی ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن سلام کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آگئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین سوال کروں گا جن کے جواب کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا (الی قولہ) اہل جنت، جنت میں سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا اہل جنت جس چیز کو سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۴۸۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن یہ زمین روٹی کی طرح ہو جائے گی، اللہ اہل جنت کی مہمانی کے لیے اپنے ہاتھ سے اس زمین کو الٹ پلٹ دے گا، جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر میں روٹی کو الٹ پلٹ کرتا ہے، پھر ایک یہودی آیا اور کہنے لگا رحمان آپ پر برکتیں نازل فرمائے کیا میں آپ کو یہ بتاؤں کہ قیامت کے دن اہل جنت کی کس چیز سے مہمانی ہوگی؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا زمین تو ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، اس نے کہا کیا میں آپ کو اس کے سالن کی خبر نہ دوں آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا بالام اور نون، صحابہ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا نبیل اور مچھلی جن کی کھجی کے ایک ٹکڑے سے ستر ہزار آدمی کھا سکیں گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ”اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔“ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دنیا میں نیک لوگوں کے پاس جو نعمتیں تھیں یا دنیا میں کافروں کے پاس جو نعمتیں تھیں، اس کے مقابلہ میں اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا

خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ۚ
(الم السجدة : ۱۷) کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔
سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۷۴۹۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۲۳)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۲۵۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۶۳۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۳۳۰، سنن داری : رقم الحدیث : ۲۸۲۳، مسند احمد ج ۲، ص ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۳۸، ۳۱۵، ج ۳، ص ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ج ۵، ص ۳۳۹، ۳۳۷، ۳۳۰)

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے جنت اور اس میں ان کی مسمانی تیار کر رکھی ہے اور جو اللہ کے پاس اجر ہے وہ جنت اور اس کی مسمانی سے بہتر ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب اور اس کا دیدار اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جو مسلمان دنیا میں ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کام دوزخ سے پناہ مانگنا اور جنت کو طلب کرنا بھی ہے ان ہی کو اللہ کی رضا اور اس کا دیدار نصیب ہو گا اور جو لوگ جنت کو معمولی اور اپنے مقام سے کمتر خیال کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں کیونکہ وہ اس چیز کو معمولی اور گھٹیا کہہ رہے ہیں جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور اس پر جو ان کی طرف نازل ہوا اور ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

(آل عمران : ۱۹۹)

شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قلوہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے، اور نجاشی کا نام اسمہ تھا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو منافقین نے اس پر طعن کیا تو یہ آیت نازل ہوئی نیز ابن جریج سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مجلد بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ مجلد کی روایت زیادہ لوٹی ہے۔

(جامع البیان ج ۳، ص ۷۳-۷۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوا نبی ﷺ نے اس کی موت کی خبر دی، آپ عید گاہ کی طرف گئے مسلمانوں نے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۸۸۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۵۱)

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں :

نجاشی کافر قوم کے درمیان تھا وہ مسلمان تھا اور کافروں سے اپنا ایمان چھپاتا تھا، اور جس جگہ وہ تھا وہیں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کا حق ادا کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اہتمام کیا اسی طرح جس شخص کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ہے تو اس پر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے، اس حدیث کے فوائد سے یہ ہے کہ غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، وہ لوگ قبلہ کی طرف منہ کریں اس شخص کے شر کی طرف منہ نہ کریں اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور بعض ائمہ کا قول یہ ہے کہ غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں ہے یہ اصحاب رائے (ائمہ احناف اور مالکیہ) کا قول ہے ان کا قول یہ ہے کہ یہ نماز نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نبی ﷺ کے افعال کی اقتداء واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی دلیل نہ پائی جائے اور تخصیص کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ صرف نبی ﷺ نے نجاشی کی نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز پڑھی تھی۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۲۳۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الحمام المتوفی ۸۷۱ھ لکھتے ہیں :

نبی ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی تھی کہ آپ کے سامنے اس کا تخت لایا گیا تھا، حتیٰ کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تھا، سو یہ اس میت پر نماز تھی جس کو امام دیکھ رہا تھا، اور اس کا جنازہ امام کے سامنے تھا، اور مقتدیوں کے سامنے نہیں تھا اور یہ اقتداء سے مانع نہیں ہے، ہرچند کہ یہ ایک احتمال ہے لیکن اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا اٹھو اس پر نماز پڑھو، نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں، آپ نے چار تکبیریں پڑھیں اور وہ یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ اس کا جنازہ آپ کے سامنے تھا، (صحیح ابن حبان، رقم الحدیث ۳۱۰۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ واقع میں ان کے گمان کے خلاف تھا، یا تو حضرت عمران نے نبی ﷺ سے سن لیا تھا اور یا ان کے لیے جنازہ منکشف کر دیا گیا تھا، یا یہ صرف نجاشی کی خصوصیت تھی اور دوسرا کوئی اس کے ساتھ لاحق نہیں ہے جیسے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی ﷺ نے دوسرے صحابہ کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے، جیسے حضرت معلویہ بن معلویہ مزی رضی اللہ عنہ، حضرت جبرائیل علیہ السلام تبوک میں نازل ہوئے اور کمایا رسول اللہ! معلویہ بن معلویہ مزی مدینہ میں فوت ہو گئے کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے لیے زمین سمیٹ دی جائے اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! انہوں نے اپنے دونوں پر زمین پر مارے تو ان کا تخت اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا، آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں، اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے، پھر وہ تخت

ابن تیمیہؒ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ معاویہ نے یہ فضیلت کس وجہ سے حاصل کی۔ انہوں نے کہا وہ سورہ قل هو اللہ احد سے محبت رکھتے تھے اور آتے جاتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اس کو پڑھتے تھے۔ (اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے، مسند الشامیین، رقم الحدیث: ۱۸۳۱، المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۷۵۳۷، اور امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے، عمل الیوم واللیلۃ، رقم الحدیث: ۱۸۰) اور امام ابن سعد نے اس کو طبقات میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے، اور امام واقدی نے مغازی میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے اور شام کے درمیان جو منظر تھا وہ آپ پر منکشف کر دیا گیا، آپ صحابہ کو جہاد کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا زید بن حارثہ نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے رہے حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے پھر آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی، آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو، وہ جنت میں داخل ہو گئے اور وہاں دوڑ رہے ہیں، پھر جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی، آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو، وہ جنت میں داخل ہو گئے اور اپنے دوپروں کے ساتھ جہاں چاہے جنت میں دوڑ رہے ہیں۔

(کتاب المغازی ج ۲ ص ۷۶۲-۷۶۱، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے خصوصیت کا دعویٰ اس وقت کیا ہے جب ان کا تخت لایا گیا ہو نہ وہ دکھائی دیئے گئے ہوں، علاوہ ازیں مغازی میں اس کی دونوں سندیں ضعیف ہیں اور یہ حدیث مرسل ہے اور طبقات کی سند میں علاء بن یزید ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں بقیہ بن ولید معنعن ہے، پھر خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں اور نجاشی کے سوا اور کسی کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، اور ان کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا تھا اور آپ ان کو دیکھ رہے تھے، جب کہ بہت سے صحابہ متعدد سفروں میں غائبانہ فوت ہو جاتے تھے مثلاً حبشہ اور متعدد غزوات میں، اور سب سے زیادہ عزیز آپ کو سترقاری تھے جن کو تبلیغ کے لیے کافر لے گئے اور ان کو قتل کر دیا لیکن یہ کیس منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھی ہو حالانکہ صحابہ میں سے جو فوت ہو جاتے آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے پر بہت حریص تھے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی مر جائے تم مجھے اس کی خبر دو کیونکہ اس کے اوپر میری نماز (جنازہ) اس کے لیے رحمت ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۶-۲۷۵، سنن نسائی ج ۳ ص ۸۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۵۲۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۹۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۰۹۲-۳۰۸۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۵) (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۲، ۱۲۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! فی نفسہ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو، اور اپنے نفسوں اور اپنی سرحدوں کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو۔ (آل عمران: ۲۰۰)

ربط آیات

یہ اس سورت کی آخری آیت ہے، اور سورہ آل عمران میں جو تمام مضامین تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام مضامین اجمالی طور پر اس آیت میں ذکر کر دیئے گئے ہیں، اس آیت میں عبلات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف ”صبروا“ میں اشارہ ہے، اور مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی طرف ”صابرو“ میں اشارہ ہے، اور منافقین کے خلاف جملہ کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف ”رابطوا“ میں اشارہ ہے اور اصول اور فروع یعنی عقائد اور

اعمال سے متعلق احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی طرف ”واتقوا اللہ“ میں اشارہ ہے۔

صبر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

صبر کے معنی ہیں تنگی میں کسی چیز کو روکنا، صبرت الدابة کا معنی ہے میں نے بغیر دانے اور چارہ کے سواری کو روک لیا، اور صبر کا اصطلاحی معنی ہے عقل اور شرع کے تقاضوں کے مطابق نفس کو روکنا اور پابند کرنا، صبر ایک جنس ہے اور اس کی کئی انواع ہیں، مصیبت پہنچنے پر نفس کو جزع و فزع یعنی بے قراری اور چیخ و پکار سے روکنا صبر ہے، اس کے مقابلہ میں جزع اور فزع ہے، اور جنگ کے وقت نفس کو بزدلی سے روکنا صبر ہے اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی ہے، عبادات میں مشقتوں کو برداشت کرنا اور غضب، شہوت اور حرص و طمع کی تحریک کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا بھی صبر ہے اس کو اطاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق و فجور ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۲۷۳، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ، ایران ۱۳۶۲ھ)

صبر کے متعلق احادیث

مصیبت کے وقت نفس کو جزع اور فزع سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی، آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا ایک طرف ہو، تم کو میری طرح مصیبت نہیں پہنچی، اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، اس کو بتایا گیا کہ یہ تو نبی ﷺ ہیں، وہ نبی ﷺ کے دروازہ پر آئی وہاں اس نے کوئی دربان نہیں پایا، اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا، آپ نے فرمایا جب پہلی بار صدمہ (یا مصیبت) پہنچے، اسی وقت (نفس کو روکنا) صبر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۳۸۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۳۶)

اور کفار سے جنگ کے وقت اپنے نفس کو بزدلی سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ایک دن انتظار کیا حتیٰ کہ سورج ڈھل گیا، پھر آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا : اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی توقع نہ کرو، اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو، اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو (یعنی بزدلی نہ کرو) اور یقین رکھو کہ جنت تمہاروں کے سائے کے نیچے ہے۔

عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جس دن سورج گرہن ہوا اس دن نبی ﷺ گھبرائے آپ نے اپنی قمیص پہنی، اور چادر اوڑھی، پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں بہت لمبا قیام کیا، پھر آپ نے رکوع کیا، میں نے دیکھا کہ ایک عورت مجھ سے عمر میں بڑی تھی اور وہ کھڑی ہوئی تھی اور ایک عورت میری بہ نسبت بیمار تھی وہ بھی قیام

میں بھی تو میں نے دل میں کہا میں تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہوں کہ طول قیام کی مشقت پر صبر کروں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۹، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حرص، غضب اور شہوت کے تقاضوں پر صبر کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام ابو داؤد سلیمان ابن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمہ بن مخرمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر ایک رات کو اس سے جماع کر لیا، صبح نبی ﷺ سے یہ واقعہ عرض کیا : آپ نے فرمایا اے سلمہ! تم نے یہ کام کیا؟ میں نے دو مرتبہ عرض کیا : یا رسول اللہ! مجھ سے تقصیر ہو گئی اور میں اللہ کے حکم پر صابر ہوں، آپ کو جو اللہ فرمائے آپ مجھے اس کا حکم دیجئے۔ الحدیث

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۲۱۳)

صابر و الصبر کا لغوی معنی اور صبر اور مصابرہ میں فرق

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اصبروا وصابروا ورابطوا اس آیت میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف انتقال ہے، صبر، مصابرہ سے کم ہے اور مصابرہ، رابطہ سے کم ہے، ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اپنے نفوس کے ساتھ صبر کرو اور صابر و الصبر کا معنی ہے مصیبتوں پر اپنے دلوں میں اللہ پر صبر کرو، اور رابطوا کا معنی ہے اپنے اسرار کا اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو اور ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اللہ میں صبر کرو، اور صابر و الصبر کا معنی ہے اللہ کے ساتھ صبر کرو اور رابطوا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو۔

(تاج العروس ج ۳ ص ۳۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

قدرتی مصائب مثلاً مرض، فقر، قحط اور خوف پر ضبط نفس کرنا صبر ہے اور کسی دوسرے شخص کی ناپسندیدہ باتوں، زیادتیوں اور ایذا رسائیوں پر ضبط نفس کرنا اور اس سے انتقام نہ لینا مصابرہ ہے، سو انسان کو اپنے گھروالوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر ضبط نفس کرنا اور ان سے بدلہ نہ لینا مصابرہ ہے، اس لیے اصبروا کا معنی ہے قدرتی مصائب پر صبر کرو، اور صابر و الصبر کا معنی ہے دوسروں کی ایذا رسائیوں پر ضبط نفس اور صبر کرو۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

مصابرہ کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین کے دن تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی، اور حضرت اقرع بن حابسؓ کو سو لونٹ دیئے اور عینہ کو بھی اتنے ہی لونٹ دیئے اور عرب کے بعض شرفاء کو بھی آپ نے کچھ عطا فرمایا اور ان کو بھی ترجیح دی، ایک شخص نے کہا خدا کی قسم اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا، اور نہ اس کے ساتھ اللہ کی رضا جوئی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے کہا یہ خدا میں اس بات کی ضرورت نہیں کہ خبر دوں گا، پھر میں نے جا کر آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہ کریں تو پھر کون عدل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے زیادہ اہمیت دی گئی انہوں نے اس پر صبر کیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۱۵۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۰۶۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب مشرکین کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۲۰۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۹۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناگوار چیز دیکھے وہ اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا، اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۳۹)

امام عبد اللہ بن عبد الرحمن داری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت حبیب اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، آپ نے پھر آپ نے فرمایا کیا تم مجھ سے نہیں دریافت کرتے کہ میں کس وجہ سے ہنس رہا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے، اس کا ہر حال خیر ہے اگر اس کو کوئی پسندیدہ چیز ملے اور وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو کوئی ناگوار چیز ملے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے اور مومن کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ہر حال خیر ہو۔

(سنن داری، رقم الحدیث : ۲۷۸۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۹۹۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳، ۳۳۲، ج ۶ ص ۱۵، ۱۶)

مراہطہ کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

مراہطہ کی دو قسمیں ہیں، مسلمانوں کی سرحدوں کی نگہبانی اور حفاظت کرنا، کہیں اس پر دشمن اسلام حملہ آور نہ ہوں اور دوسری قسم ہے نفس کا بدن کی نگہبانی اور حفاظت کرنا کہیں شیطان اس سے گناہ نہ کرائے، نبی ﷺ نے فرمایا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی رباط ہے، یہ دوسری قسم ہے اور پہلی قسم کے متعلق یہ آیت ہے :

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطٍ

ان کے لیے بہ قدر استطاعت ہتھیاروں کی قوت اور گھوڑے باندھنے کو فراہم کرو۔

الْحَيْلِ (الانفال : ۶۰)

(مفردات الفاظ القرآن ص ۱۸۶-۱۸۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران، ۱۳۶۲ھ)

آیت مذکورہ میں رباطوا کے محال

ہرچند کہ انسان ضبط نفس کر کے فی نفسہ صبر کرتا ہے اور لوگوں کی ایذا رسانی پر بھی صبر کرتا ہے لیکن پھر بھی اس میں شہوت، غضب اور حرص پر مبنی برے اخلاق ہوتے ہیں اور اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور جب کبھی شہوت یا حرص کے غلبہ سے کسی گناہ کی تحریک ہو تو اپنے نفس کو اس گناہ سے آلودہ نہ ہونے دے، اور یہ محاسبہ اور نگہبانی اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا وراہطوا وانقوا اللہ یعنی اپنے نفس کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی کی امید ہو۔

چونکہ سورہ آل عمران کی زیادہ تر آیتیں جنگ احد سے متعلق ہیں اور بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی تھی جس کے نتیجہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور اس شکست پر آزرہ خاطر ہوئے، اس لیے اس آیت کا ایک ظاہری محمل یہ ہے کہ کفار سے جنگ کے دوران ثابت قدم رہو اور جنگ میں ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو، اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو، اور اس سلسلہ میں اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور کسی قسم کی حکم عدولی نہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی اور سرفرازی کی امید ہو۔

اس آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ فی نفسہ صبر کرو اور مخالفوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کرو اور ہر حال میں اللہ سے رابطہ استوار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۸۹۲، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دن اور ایک رات سرحد کی حفاظت کرنا، ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے افضل ہے، اور اگر وہ مر گیا تو اس کا یہ اجر جاری رہے گا اور وہ فتنہ میں ڈالنے والے سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث ۱۹۱۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۱۸۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۱۷۷، مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۷، ج ۵ ص ۳۴۰، تحفۃ الاشراف : رقم الحدیث : ۹۱ : ۳۴)

فتنہ میں ڈالنے والے سے مراد یا تو منکر نکیر ہیں اور یا اس سے مراد شیطان ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے ثواب کو جاری رکھے گا اور جس حدیث میں ہے ابن آدم میں سے ہر ایک کا عمل منقطع ہو جاتا ہے ماسوائے تین کے اس کا مطلب ہے ان تین کا عمل منقطع نہیں ہوتا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا ثواب جاری رکھے گا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا اس کے علاوہ ہزار ایام سے افضل ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۷۵، ۷۶، ۷۷، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۲۳۳۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو مٹا دے اور درجہ کو بلند کر دے، صحابہ نے عرض کیا : کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا مشقت کے وقت کھل وضو کرنا، زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، سو یہی ربط ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۱، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۵۱، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۱۳۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۷، ۲۷۸)

گناہوں کو مٹانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے ثامہ اعمال سے گناہ مٹا دیئے جائیں، یا گناہ کے مقابلہ میں دل کے اندر جو

ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اس کو مٹا دیا جائے، مشقت کے وقت مکمل وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کو پانی ٹھنڈا لگے یا پانی کے استعمال سے جسم میں تکلیف ہو اس وقت مکمل وضو کرے، دور سے چل کر مسجد میں آنا یہ واضح ہے، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس سے یا تو مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرنا مراد ہے تو یہ اعتکاف کے ایام میں پانچوں نمازوں سے حاصل ہوتا ہے اور عام دنوں میں آسانی سے عصر کے بعد مغرب کی نماز اور مغرب کے بعد مسجد میں عشاء کی نماز کے انتظار میں حاصل ہوتا ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک نماز پڑھ کر اپنے گھر یا دوکلن یا دفتر میں آجائے لیکن اس کا دل و دماغ دوسری نماز کے انتظار میں لگا ہوا ہو، تو یہ انتظار پانچوں نمازوں میں آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے، اس کو آپ نے رباط فرمایا ہے کیونکہ رباط سے مراد نفس کو پابند کرنا ہے۔ خواہ سرحد کی حفاظت پر خواہ ان عبادات میں، یا اس لیے کہ رباط کا معنی ہے نفس اور جسم کا عبادات کے ساتھ ارتباط رکھنا، یا رباط کا معنی ہے تمکینی کرنا خواہ سرحد کی دشمنان اسلام سے تمکینی کی جائے خواہ وضو سے نماز کی حفاظت کی جائے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کر کے اس کی تمکینی کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے سو یہی رباط ہے اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ آل عمران میں جو رباطو کا لفظ ہے اس سے مراد ان عبادات کی تمکینی کرنا ہے۔

آج ۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ / جولائی ۱۹۹۶ء بروز پیر سورہ آل عمران کی تفسیر مکمل ہو گئی، اللہ العلیٰین جس طرح آپ نے آل عمران کی تفسیر مجھ سے مکمل کرائی ہے بقیہ قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرادیں اور اس تفسیر میں مجھ کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھیں اور اس تفسیر تبیان القرآن کو تاروز قیامت مقبول اور اثر آفریں رکھیں اور مجھے، میرے والدین، میرے اساتذہ اور میرے قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچائیں اور ان کے لیے دوزخ کی نعمتوں کا دروازہ کھول دیں۔ وَأٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ خَبِرَ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَوْلِیَآءِ اٰمَتِهٖ وَاَمَّتِهٖ اٰجَمَعِیْنَ۔

سُورَةُ النِّسَاءِ

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی و نسلّم علی رسولہ الکریم

سورة النساء

سورة النساء مدنی ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اس میں ۲۴ رکوع ہیں اور ۱۷۶ آیتیں ہیں۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ چوتھی سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے یہ سورہ ممتحنہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ سورہ البقرہ کے بعد سب سے بڑی سورت ہے۔

سورة النساء کا زمانہ نزول اور وجہ تسمیہ

بعض قرآن کی بناء پر علماء نے یہ کہا ہے کہ سورہ النساء کا زمانہ نزول ۳ھ کے اواخر سے لے کر ۴ھ کے اواخر یا ۵ھ کے اوائل تک ہے، شوال ۳ھ میں جنگ احد ہوئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور اس وقت ان مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اس لیے مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں۔ نماز خوف غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی تھی اور یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا تھا اس لیے نماز خوف سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں اور یتیم کی اجازت غزوہ بنو مصلق میں دی گئی تھی یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا تھا اور اسی موقع پر یتیم کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا تھا اس لیے اس سے متعلق آیتیں اس موقع پر نازل ہوئیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب نازل ہوئیں تو میں حضور کے پاس تھی۔

اس سورت میں عورتوں کے احکام بہ کثرت بیان کئے گئے ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام سورہ النساء ہے۔

سورة النساء کے فضائل

امام احمد، امام حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس نے سات سورتوں کو یاد کر لیا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ (ان میں سورہ النساء بھی ہے)

امام ابو یعلیٰ، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے کچھ تکلیف محسوس کی صبح کو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر تکلیف کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا الحمد للہ میں نے سات بڑی سورتیں پڑھ لی ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس نے سورہ نساء کو پڑھ لیا وہ جان لے گا

کہ وراثت میں کون کس سے محروم ہوتا ہے اور کون کس سے محروم نہیں ہوتا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۲۹ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران)

قرآن مجید کی پہلی سات بڑی سورتوں کو السبع الطوال کہتے ہیں وہ یہ ہیں : البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف، الانفال، اور جن سورتوں میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں ان کو منین کہتے ہیں اور جن سورتوں میں ایک سو سے کم آیتیں ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور مثانی کے بعد مفصل ہیں۔ سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتوں کو طوال مفصل کہتے ہیں۔ سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک اوساط مفصل ہیں اور سورہ لم یکن سے لے کر آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

سورہ النساء کی سورہ آل عمران کے ساتھ مناسبت اور ارتباط

(۱) سورہ آل عمران تقویٰ اختیار کرنے کے حکم پر ختم ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

(آل عمران : ۲۰۰)

اور سورہ النساء تقویٰ اختیار کرنے کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام

(النساء : ۱)

(۲) ان دونوں سورتوں میں یہود اور نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کی گئی ہے۔

(۳) ان دونوں سورتوں میں منافقین کے متعلق بھی قتال کے ضمن میں آیتیں ہیں۔

(۴) ان دونوں سورتوں میں قتال کے متعلق بھی آیتیں ہیں۔

(۵) آل عمران میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں اور اس سورت میں بھی ”فما لکم فی

المنافقین فتنین میں غزوہ احد کا ذکر ہے۔

(۶) سورہ آل عمران میں غزوہ حراء الاسد کا ذکر ہے اور اس سورت میں بھی ولا تهنوا فی ابتغاء القوم میں اس

کا ذکر ہے۔

(۷) انسان کو چار چیزوں سے بنیادی فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں علم، شجاعت، عدل اور عفت۔ سورہ آل عمران میں علم

اور شجاعت کو اہمیت سے بیان کیا ہے۔ علم کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ نزل علیک الكتاب بالحق۔ (آل عمران

: ۳) وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون.... (آل عمران : ۷) اور شجاعت کا ذکر

ان آیتوں میں ہے۔ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون ان کنتم مومنین (آل عمران : ۱۳۱) فما

وهنوا لما اصابهم فی سبیل اللہ (آل عمران : ۱۳۶) علم اور شجاعت کا ذکر سورہ آل عمران کی بہت سی آیتوں

میں کیا گیا ہے اور سورہ النساء میں عدل اور عفت کے متعلق بہت آیات ہیں جیسا کہ عنقریب اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ

واضح ہو جائے گا۔

(۸) سورہ آل عمران میں جنگ بدر اور جنگ احد کے واقعات کے ضمن میں مخالفین کے ساتھ سلوک کا ذکر تھا سورہ

النساء میں انہوں کے ساتھ سلوک کا ذکر ہے مثلاً ”قیموں رشتہ داروں اور بیویوں کے ساتھ۔

(۹) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

marfat.com

یوسف بن ملک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک عراقی آیا اور اس نے پوچھا کون سا کفن بہتر ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خیر تو ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا اے ام المومنین مجھے اپنا مصحف دکھائیے؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا شاید میں اس کے مطابق قرآن کو جمع کروں کیونکہ اب قرآن مجید کو غیر منظم طور سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے پہلے جو تم نے پڑھا اس سے تمہیں کیا نقصان ہوا؟ آپ نے فرمایا پہلے مفصل کی سورتیں نازل ہوئی تھیں اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی شراب کو نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی زنا نہیں چھوڑیں گے۔ سیدنا محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا اس وقت میں کھیلنے والی بچی تھی۔

بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَبُ وَأَمَرٌ۔
بلکہ ان سے اصل وعدہ قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آجبت اور (القمر : ۴۶) بہت کڑی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عراقی سے فرمایا اور جب سورہ بقرہ اور سورہ نساء نازل ہوئیں اس وقت میں آپ ہی کے پاس تھی پھر حضرت عائشہ نے اس کے لئے مصحف نکالا اور اس کو سورت کی آیتیں لکھوائیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۹۹۳)

سورہ النساء کے مضامین کا خلاصہ

- رشتہ داروں سے حسن سلوک، یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور تعدد ازدواج کی اجازت۔ (النساء : ۱-۶)
- وراثت کے احکام (النساء : ۷-۱۲)
- معاشرہ سے فحاشی اور بے حیائی ختم کرنے کے ابتدائی احکام (النساء : ۱۵-۱۸)
- اس کا بیان کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور کن سے ناجائز۔ (النساء : ۱۹-۲۵)
- اعمال صالحہ اور توبہ کی تلقین، مسلمان کامل ناحق کھانے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔ (النساء : ۲۶-۳۱)
- عائلی اور معاشرتی احکام، والدین اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بیان اور بخل کی مذمت۔ (النساء : ۳۲-۴۰)
- ایمان اور اعمال صالحہ کی نصیحت، یہود کی شرارتوں کا رد اور مسلمانوں کو یہود سے خبردار کرنا۔ (النساء : ۴۱-۵۹)
- منافقین کو سرزنش، جہاد کی تلقین، دار الحرب میں گھرے ہوئے مسلمانوں کے احکام، مسلمانوں کو منافقوں سے متنبہ کرنا۔ (النساء : ۶۰-۱۲۶)

○ یتیموں سے متعلق احکام کی تفصیل، منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو نصیحت۔ (النساء : ۱۲۷-۱۲۹)

اس سورت میں اور اسی طرح قرآن مجید کی باقی سورتوں میں صرف فقہی اور شرعی احکام نہیں ہیں بلکہ شرعی احکام کے ساتھ دعوت و تذکیر کا سلسلہ بھی ہے۔ ہم نے اپنی اس تفسیر میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ جن آیات کا تعلق دعوت و تذکیر اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ہے وہاں بہ کثرت احادیث بیان کی ہیں اور جن آیات میں شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں ہم نے مذاہب فقہاء بیان کئے ہیں اور باقی مذاہب کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی ترجیح اور برتری بیان کی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے استنبلا شدہ مسائل کی تائید میں قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار بیان کئے ہیں۔ اب ہم سورہ النساء کی تفسیر شروع کریں گے فتقول وبالله التوفیق۔ ۲۳ صفر ۱۴۳۱ھ، ۱۰ جولائی ۱۹۹۶ء بروز بدھ۔

سُورَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتُ ثَمَانِيَّةٌ وَسَبْعُونَ آيَةً وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ رُكُوعًا

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ ہی کے نام سے (شرع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص (آدم) سے پیدا

وَاحِدَةً وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَ

کیا، اور اسی سے اس کی بیوی (حواء) پیدا کی اور ان دونوں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں

نِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَمْرَ حَامٍ إِنَّ اللَّهَ

کو پھیلایا اور اللہ سے ڈرو جس کے سبب سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور شریعتِ اول سے

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝

قطع تعلق کرنے سے ڈرو، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ۝

خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں، بچوں، یتیموں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، ان پر شفقت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کا حکم دیا ہے۔ طہارت حاصل کرنے، نماز پڑھنے اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان تمام احکام پر عمل صرف خوفِ خدا سے ہو سکتا ہے اس لئے اس سورت کے اول ہی میں فرمایا: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اس کے بعد فرمایا جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا، اور تمہارا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے مملوک ہو اور مملوک پر حق ہے کہ وہ اپنے مالک کی اطاعت کرے اس وجہ سے تم بھی اللہ کے احکام کی اطاعت کرو۔ نیز تمام احکام کا دارومدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت سو پہلے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا پھر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے سے منع فرمایا۔

اسلام میں رنگ و نسل کا امتیاز نہیں ہے

اس آیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے اور قطع تعلق کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی یہ علت بیان

ہے کہ تم سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کئے گئے ہو کیونکہ انسان سرخ، سفید اور سیاہ رنگ میں مختلف ہیں۔ قد اور قامت میں مختلف ہیں۔ خوب صورت اور بد صورت ہونے اور نسل اور نسب میں مختلف ہیں اس کے باوجود سب انسانوں کی بنیادی شکل و صورت اور وضع قطع ایک ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ سب ایک ہی شخص سے پیدا کئے گئے ہیں اور سب اس کی اولاد ہیں اس لئے رنگ اور نسل میں اختلاف کے باوجود ان سب کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہئے اور ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے :

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے اور کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۶۳۶ ج ۵ ص ۷۶۱)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی مطلق نے فرمایا تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے اور تمہارا باپ آدم ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البرہان، رقم الحدیث : ۲۰۴۲ ج ۲ ص ۴۳۵)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے کہ امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۴)

اس حدیث کو امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے حضرت ابو نضرہ سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۱۳۰ ج ۳ ص ۲۸۶، رقم الحدیث : ۵۱۳۷ ج ۳ ص ۲۸۹)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا اور دوسرا نبلی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ایک نے کہا اے حبشی دوسرے نے کہا اے نبلی۔ نبی ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو تم دونوں محمد ﷺ کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث : ۲۱۳۱ ج ۳ ص ۱۲۳، المعجم الصغیر رقم الحدیث : ۵۷۳ ج ۱ ص ۳۲۵-۳۲۴)

حافظ البیہقی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے لیکن اس کی حدیث حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۶)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلات کا نکاح غیر سلات میں جائز نہیں ہے، ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے تعلق توڑنے پر وعید اور تعلق جوڑنے پر بشارت

لام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت

داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری۔ رقم الحدیث : ۵۹۸۳ صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۵۶ جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۹۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا رحم، رخص کے آثار میں سے ایک اثر ہے اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو تجھ سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۹۸۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۵۵۳ جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۱۹۰۷)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں:

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر بڑھائی جائے اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بری موت کو دور کیا جائے وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے تعلق جوڑے)۔

(کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث: ۱۸۷۹ ج ۲ ص ۳۷۳، المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۵۶۳۲ ج ۶ ص ۲۹)

امام بزار کی سند صحیح ہے ماسوا عاصم بن ضمرہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کر دے گا۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں وہ کون سی تین خصلتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو، جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کر دو۔ جب تم یہ کر لو گے تو اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث: ۱۹۰۶، المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۹۱۳ ج ۱ ص ۳۹۷)

اس کی سند میں سلیمان ابن داؤد یمانی متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲)

وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَيْرَ بِالْظَلِيمِ وَلَا

اور یتیموں کو ان کے اموال سے دو اور (اپنے) خراب مال کو (ان کے) اچھے مال کے ساتھ تبدیل نہ کرو اور ان

تَاْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۚ وَإِنْ

کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر نہیں یہ

خِفْتُمْ إِلَّا تَقْسُطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكُحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنْ

اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو،

النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً

دو، دو سے تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کر سکو گے

أَوْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ ۖ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ ۖ وَإِن تَوَاسَّوْا

تو (صرف) ایک سے نکاح کرو، یا اپنی ملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو، یہ اس سے زیادہ قریب (بہمت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جماعت

صَدَقَتْهُنَّ نِحْلَهُ ط فَإِنْ طَبِنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کر دو، تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دیں تو اس کو مزے

فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا ④

مزے سے کھاؤ ○

یتیم کامل ادا کرنے کا حکم

اس آیت میں یتیموں کے سرپرستوں کو خطاب ہے کہ جب یتیم بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں، یتیم کا ولی اس کا اچھا مال رکھ لیا کرتا تھا اور اپنا خراب مال اس کو دے دیتا تھا اس آیت میں ان کو اس سے منع کیا گیا۔ علامہ ابوللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۷۵۳ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

مقاتل نے کہا یہ آیت غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت سارا مال تھا جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنا مال طلب کیا، اس کے چچا نے اس کو منع کیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی ﷺ نے اس شخص کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی، اس شخص نے کہا ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اس نے اپنے بھتیجے کو مال دے دیا اس جوان نے اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۱، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

یتیم کامل کھانے اور اس کے ساتھ بد سلوکی کرنے کی مذمت اور حسن سلوک کی تعریف
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کامل کھانا، جملہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، مسلمان پاک دامن بے قصور عورت پر تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۶۸۵۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث ۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۷۴، سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۶۷۳) امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بد سلوکی کی جائے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۶۷۹ ج ۴ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی سلیمان ہے، امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے، (تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۲۹۹۹) امام ابو حاتم نے کہا وہ مضطرب الحدیث ہے (المرجح والتعذیل ج ۹ ص ۶۳۸) امام ابن حبان نے اس کا ثبوت میں ذکر کیا ہے۔ (کتب الثقات ج ۹ ص ۲۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی آپ نے فرمایا : یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھاؤ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۷، ۳۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ (النساء : ۳)

نکاح کی ترغیب اور فضیلت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ نکاح نظر کو زیادہ نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی زیادہ حفاظت کرتا ہے اور تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۹۰۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۰۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۰۸۱، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث :

۲۰۳۶، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۰۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۳۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح میری سنت سے ہے۔ جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا۔ وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے، نکاح کرو کیونکہ تمہاری وجہ سے میری امت دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی، جس کے پاس طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جس کے پاس طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۳۶)

اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن میمون ایک ضعیف راوی ہے مگر اس حدیث کا ایک صحیح شاہد ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں : ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۰۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا عارضی نفع کا سامان ہے اور اس میں بہترین نفع کی چیز نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۶۷، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۲۸)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے خوف کے بعد مومن کے فائدہ کی سب سے اچھی چیز اس کی نیک بیوی ہے اگر وہ اس کو حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اگر وہ اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کرے اگر وہ اس پر قسم کھائے تو وہ اس کی قسم کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو اس کی جان اور مال کی خیر خواہی کرے۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۷)

اس حدیث کی سند میں علی بن یزید بن جعدان ضعیف ہے لیکن اس حدیث کا ایک شہد ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ازواج کے حجروں کے پاس تین شخص آئے اور انہوں نے نبی ﷺ کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس کو کم گمان کیا انہوں نے کہا کہ ہم کہاں نبی ﷺ، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرمادیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور ساری عمر نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس طرح کہا تھا بہ خدا میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵۰۶۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۰۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۷، شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : کسی عورت سے چار سبب سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب (آباء و اجداد کا شرف اور فضیلت) کی وجہ سے، اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔ تم اس کو اس کی دینداری کی وجہ سے طلب کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵۰۹۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۶۶، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۰۴۷، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۳۰)

سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۸، سنن داری، رقم الحدیث : ۲۱۷۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۲۸، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۸۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کئی خصلتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے حسن کی وجہ سے، اس کے مال کی وجہ سے، اس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے، تم دیندار اور اچھے اخلاق والی سے نکاح کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۰، کشف الاستار عن زوائد البراء، رقم الحدیث : ۱۴۰۳، مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث : ۱۰۰۸)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا کی (یہ چیزیں) میرے نزدیک محبوب کی گئی ہیں۔ عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۹۳۹، مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۵، ۱۹۹، ۱۲۸، مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث : ۳۴۶۹، ۳۵۱۷، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابو نعیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے، وہ

میری سنت میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے۔ (المجمع الاوسط، رقم الحدیث : ۹۹۳، ج ۱ ص ۵۲۸، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۵۱)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن ثنی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

عبید بن سعد نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں : آپ نے فرمایا جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے وہ میری سنت پر

عمل کرے اور میری سنت سے نکاح ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۲۷۳۰ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸، الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۴، شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱)

یہ حدیث مرسل ہے (ابن حجر) اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۵۲)

امام احمد بن عمرو بن زار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے قریش کے جوانو! زنانہ کرو جس

نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البراء رقم الحدیث ۱۳۰۱، المعجم الکبیر ج ۱۳ ص ۱۲۸ رقم

الحدیث : ۲۷۷۶، المعجم الاوسط رقم الحدیث ۶۸۳۶) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۵۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کے

اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۲۳۱ جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۳۷۶، سنن نسائی رقم الحدیث ۳۶۵۳، الادب المفرد رقم الحدیث :

۳۸، مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۲، مصابح السنۃ ج ۱ ص ۱۷۷، رقم الحدیث : ۱۵۲)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھے ایک معزز خاندان

کی خوبصورت عورت ملی ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے پھر دوسری اور

تیسری بار پوچھا آپ نے فرمایا (خاوند سے) محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری

کثرت کی وجہ سے امتوں پر فضیلت حاصل کروں گا۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث : ۲۰۵۰، سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۲۲۷،

سنن ابی ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۶۳، مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸، ۲۳۵، ۳۵۳، ج ۴ ص ۳۴۹، ۳۵۱)

نکاح کی حکمتیں اور فوائد

(۱) نکاح کے ذریعے نسل انسان کا فروغ ہوتا ہے انسان میں شہوت اس لئے رکھی گئی ہے کہ مذکر بیج کا اخراج کرے

اور مونث کی کھیتی میں اس کی کاشت کرے، اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے بغیر بھی نسل انسانی کی افزائش کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ

کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ اسباب کا مسببات پر ترتیب ہو، مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے

اولاد کی طلب کی کوشش کرے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے آپ کی امت کو بڑھانے کی کوشش کرے۔

(۲) نکاح کے ذریعہ اولاد کا حصول ہوتا ہے اور انسان کو نیک اولاد کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں جو بعض اوقات اس کی

بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

(۳) انسان اولاد کی اچھی تربیت کر کے ملک و ملت کی تعمیر اور استحکام کے لئے افراد میا کرتا ہے۔

(۴) اولاد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اس حصہ پر عمل کا موقع ملتا ہے جس کا تعلق اولاد سے ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے جن احکام کا تعلق اولاد سے ہے ان پر عمل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۶) اولاد کی تربیت اور پرورش کر کے مسلمان اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہو جاتا ہے۔

(۷) جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اولاد اس کا سارا بن جاتی ہے۔

(۸) بچوں کی وجہ سے انسان کا گھر میں دل بہلتا ہے انسان بیمار ہو تو بچے اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔

(۹) بچوں کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے اور کمانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے ملک و ملت کی تعمیر اور ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰) بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

(۱۱) شادی شدہ شخص معاشرہ میں الگ تھلگ نہیں رہتا اور اس کو عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی معاشرتی اور تمدنی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۲) اولاد کی شادی بیاہ کی وجہ سے نئی نئی رشتہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۳) بچے اگر کم عمری میں فوت ہو جائیں تو وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کی مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۱۴) ماں باپ کی تعلیم کی وجہ سے اولاد جو نیکیاں کرتی ہے ان کا اجر ماں باپ کو ملتا رہتا ہے۔

(۱۵) بعض اوقات اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) نکاح کے ذریعہ انسان کی شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور وہ بد کاریوں سے بچا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نکاح کرتا ہے وہ اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے سو باقی نصف دین کو محفوظ کرنے کے لئے خدا سے ڈرنا چاہئے۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۶۳۳۷)

(۱۷) انسان کو بیوی کے ذریعہ سکون ملتا ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف : ۱۸۹)
اللہ وہ ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

(۱۸) نکاح کی وجہ سے انسان پر اس کی بیوی اور بچوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کے حقوق و فرائض اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں اور اس کی قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۹) انسان اپنے اہل اور عیال کی اصلاح میں مصروف ہوتا ہے اور جو شخص صرف اپنی اصلاح میں منہمک ہو اس سے اس کا درجہ بہت زیادہ ہے جو اپنے اہل و عیال کی اصلاح میں بھی مشغول ہو۔

(۲۰) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اس کے بچے زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ شخص مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔

(کنز العمال، رقم الحدیث : ۴۳۴۷۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی شخص کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بال بچوں

کے غم میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا اپنی دو رشتہ دار لڑکیوں پر خرچ کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا یا ان سے کفایت کر دی تو وہ اس کے لئے دوزخ سے جلب ہو جائیں گی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث : ۳۹۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے فرمایا تم میں سے جو عورت تین نابالغ بچوں کی موت پر صبر کرے گی وہ اس کے لئے دوزخ سے جلب بن جائیں گے ایک عورت نے پوچھا اور دو پر؟ فرمایا دو پر۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۰۱، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۱۳۳، جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۰۵۹، سنن نسائی رقم الحدیث ۱۸۷۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۶۰۵، مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ج ۲ ص ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

بعض لوگوں کی سرپرستی اور ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں وہ لڑکی اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اس کا سرپرست اس سے شادی کرنا چاہتا لیکن اس کو پورا مہر نہیں دینا چاہتا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے ایک سرپرست کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی جو اس کے مال میں شریک ہوتی۔ اس شخص کو اس لڑکی کا مال اور اس کا حسن و جمال پسند آتا وہ اس کے مہر میں عدل و انصاف کئے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا اور اس لڑکی کو جتنا مردوسرے لوگ دیتے اس سے کم مہر دینا چاہتا تو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا حتیٰ کہ وہ ان کے مہر میں عدل و انصاف کریں اور رواج کے مطابق ان جیسی لڑکیوں کو جتنا مہر ملتا ہے اتنا مہر ان کو دیں۔ (اور اگر وہ ایسا نہ کریں) تو ان یتیم لڑکیوں کے سوا اور لڑکیاں جو ان کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث ۲۳۹۳، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۳۰۱۸، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۰۶۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۳۳۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح جائز ہے کیونکہ یتیم نابالغ کو کہتے ہیں اور لڑکیوں کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لڑکیاں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کر لو اور لفظ ”ما“ عام ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جواز نکاح کے لئے کفو کی شرط لگانا غلط ہے اور سیدہ کا غیر سید سے نکاح کرنا جائز ہے اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

غیر کفو میں نکاح کے جواز پر احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اس کے خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح

کرو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔

(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۱۰۸۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۶۷، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۴،
مراہیل ابو داؤد ص ۱۱، کنز العمال رقم الحدیث : ۳۴۶۹۵، مصابیح السنۃ رقم الحدیث : ۲۲۹۵)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے :

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۰۳۲۵، ج ۶ ص ۱۵۳-۱۵۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی در آں حالیکہ وہ غائب تھے۔ ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں وکیل نے کہا بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے، حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں، پھر فرمایا ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے ان کو ناپسند کیا آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو، میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۳۸۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۳۵، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۲۸۳، سنن نسائی، رقم الحدیث :

۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۶۹، موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۱۳۳۳، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ بنت قیس قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زاوے تھے ان کے کفو نہ تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ نکاح کر کے یہ واضح کر دیا کہ غیر کفو میں بھی نکاح جائز ہے اور بسا اوقات اس میں بڑی خیر ہوتی ہے۔

ابام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کے بیٹے ابو حذیفہ جنگ بدر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت ابو حذیفہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے، حضرت ابو حذیفہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۰۸۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۸۰، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۵، سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے ایک آزاد قرشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

ان احادیث میں تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لئے نسب میں کفو اور مساوات اور مماثلت کی شرط لگانا ازروئے اسلام صحیح نہیں ہے۔

کفو میں نکاح کی شرط کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کر دیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔

(تنقیح الفتاویٰ الجلد ۱۲ ج ۱ ص ۲۱، مطبوعہ کوئٹہ)

افضل اور انسب یہی ہے کہ کفو میں یعنی ایک جیسے خاندانوں میں نکاح کیا جائے تاکہ شوہر اور اس کی زوجہ کے درمیان ذہنی یگانگت رہے اور خاندان کی ناہمواری کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہ ہوں تاہم اگر کسی وقت کسی وجہ سے ماں باپ کسی مصلحت کی بناء پر غیر کفو میں رشتہ کر دیں مثلاً "سیدہ کا غیر سید سے نکاح کر دیں تو یہ نکاح جائز ہے امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول کے مطابق کفو شرط ہے اور دوسرے کے مطابق کفو شرط نہیں ہے۔

(مغنی ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۶) امام مالک کے نزدیک جواز نکاح کے لئے کفو شرط نہیں ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۵-۱۳۴) امام شافعی کے نزدیک غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۵، رومۃ الطالین ج ۷ ص ۸۴) فقہاء احناف میں سے امام ابو بکر جصاص اور امام کرخی کے نزدیک کفو مطلقاً شرط نہیں ہے اور جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی کے اولیاء (سرپرست) غیر کفو میں اس کی مرضی سے نکاح کر دیں تو نکاح صحیح ہے اور اگر لڑکی خود غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے اور وہ عدالت سے یہ نکاح منسوخ کرا سکتے ہیں۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۱۸)

اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل جانبین کے دلائل اور بحث و نظر کے لئے شرح صحیح مسلم ج ۳ اور ج ۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے۔

(النساء : ۳)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص ملی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو وہ بہ شرط عدل و انصاف چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور اگر وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کر سکے تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔

تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات

اسلام نے بہ شرط عدل چار عورتوں سے نکاح کی جو اجازت دی ہے اس پر مستشرقین اعتراض کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کچھ آزاد خیال مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول سے زیادہ حقوق انسانیت کا محافظ سمجھتے ہیں ان ہی لوگوں کے اثر سے پاکستان میں عائلی قوانین بنائے گئے اور بیوی کی اجازت کے بغیر مرد کے لئے دوسری شادی کرنا قانوناً ممنوع قرار دے دیا گیا۔ سلسلہ سے تادم تحریر پاکستان میں یہ قانون نافذ ہے حالانکہ ملک کے تمام اہل فتویٰ علماء اس قانون کو مسترد کر چکے ہیں۔ بعض معاشرتی مشکلات کے لئے تعدد ازدواج کی رخصت ایک معقول حل ہے اور اس کے بغیر اور کوئی

کار نہیں ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کی شرح پیدائش میں ایک اور دو کی نسبت ہے اب اگر ہر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو سوال یہ ہے کہ جو عورتیں بچ جائیں گی ان کے لئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے گا اس مسئلہ کے حل کی صرف تین صورتیں ہیں :

(۱) باقی ماندہ عورتیں تمام عمر شادی کے بغیر گزار دیں اور اپنی جنسی خواہش کبھی کسی مرد سے پوری نہ کریں۔

(ب) باقی عورتیں بغیر شادی کے ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(ج) باقی عورتوں سے وہ مرد شادی کر لیں جو مالی اور جسمانی طور سے اس کے اہل ہوں۔

پہلی صورت فطرت کے خلاف ہے اور عام بشری طاقت سے باہر ہے۔ دوسری صورت دین اور قانون دونوں اعتبار سے ناجائز اور گناہ ہے اس لئے قابل عمل، معروف، فطری اور پسندیدہ صورت صرف تیسری صورت ہے جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بالعموم مرد ساٹھ سال کی عمر تک جنسی عمل کا اہل اور تروتازہ رہتا ہے جب کہ عورت بالعموم دس بارہ بچے جن کر چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد جنسی عمل کے لئے پرکشش یا اہل نہیں رہتی اب اگر صرف ایک بیوی سے نکاح کی اجازت ہو تو مرد اپنی زندگی کے بیس سال کیسے گزارے گا۔ اس کی بھی صرف تین صورتیں ہیں۔

(۱) ان بیس سالوں میں مرد اپنی جنسی خواہش کو بالکل پورا نہ کرے۔

(ب) اس عرصہ میں مرد ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے۔

(ج) اس عرصہ کے لئے مرد دوسری عورت سے نکاح کر لے۔

پہلی صورت غیر فطری ہے اور دوسری صورت غیر قانونی اور غیر شرعی ہے اس لئے قابل عمل صرف تیسری صورت ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ مرد اور عورت کی جسمانی اہلیت میں عمر کا یہی معیار ہو، اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ مشکل بہر حال پیش آتی ہے اور تعدد ازدواج کے سوا اس کا اور کوئی معقول حل نہیں ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کی بیوی بانجھ ہوتی ہے جس سے اولاد نہیں ہو سکتی اور انسان اپنی نسل بڑھانے اور اپنا سلسلہ نسب آگے منتقل کرنے کے لئے طبعی طور پر اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے اس مشکل کے حل کی بھی صرف دو صورتیں ہیں۔

(۱) پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لے۔

(ب) پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کر لے۔

اور عدل و انصاف کے مطابق اور انسانی ہمدردی کے نزدیک تر صرف دوسری صورت ہے جو اسلام کے تعدد ازدواج کے اصول پر مبنی ہے کیونکہ جو عورت بانجھ ہو اس کو خود بھی اولاد کی پیاس ہوتی ہے اور شوہر کی اولاد سے بھی اس کی ایک ذمہ داری ہو جاتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شخص کی بیوی ایک متعدی مرض میں مبتلا ہو یا اس کو کوئی ایسی بیماری ہو

جس میں شفاء کی امید بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو اور اس کا شوہر جوان اور صحت مند ہو۔ اب اس شخص کے سامنے صرف چار راستے ہیں۔

(۱) اس عورت کو طلاق دے دے۔

(ب) تمام عمر جنسی خواہش پوری نہ کرے۔

(ج) ناجائز طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔

(د) وہ شخص دوسری شادی کر لے۔ عدل و انصاف اور انسانی ہمدردی کے اعتبار سے یہی صورت قابل عمل ہے۔

چار بیویوں پر اقتصار کی توجیہ

صاحب استطاعت کو چار بیویوں کی اجازت دینے میں یہ حکمت ہے کہ اگر اس کی صرف ایک یا دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں ماہواری کے ایام میں ہوں اور اس کا خلوند صحت مند، قوی اور توانا ہو تو اس کا نفسانی خواہش پر قابو پانا مشکل ہو گا اور جب اس کی چار بیویاں ہوں گی تو ایسا بہت کم اتفاق ہو گا کہ وہ چاروں بہ یک وقت حیض اور نفاس کے مسائل سے دو چار ہوں اور اگر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہوتی تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ ان کے حقوق ادا نہیں کر سکے گا اور بیویوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی کیونکہ تمام بیویوں کے حقوق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ ”اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو“۔ بیویوں کی باری مقرر کرنے میں ”ان کے ساتھ جماع کرنے اور ان کے کھانے، پینے، کپڑوں اور رہائش میں مساوات کرنا عدل اور انصاف ہے اور اگر اس کو کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت اور دوسری سے کم ہو تو یہ عدل اور انصاف کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے صرف چار بیویوں پر اکتفا کرنا عدل اور متوسط صورت ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد کی کوئی حد معین نہیں تھی۔ تاہم اسلام میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اسی شخص کے لئے ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کر سکے اور چار سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ احادیث میں ہے کہ جن مسلمانوں نے پہلے چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی تھیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو منتخب کر کے رکھ لیں اور باقی کو الگ کر دیں۔

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے اور ان کی زمانہ جاہلیت میں ان بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہو گئیں تو ان کو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو اختیار کر لیں۔“

(سنن ترمذی رقم الحدیث : ۱۱۳۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۳)

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

”حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو بیان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کر لو۔“

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۲۲۲)

مل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق مذاہب ائمہ
حافظ زکی الدین منذری متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کرلو، اس حدیث کی ظاہری عبارت اس پر دلالت کرتی ہے
کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جن کو چاہے رکھ لے۔ خواہ ان تمام بیویوں سے عقد واحد میں نکاح کیا ہو یا ہر بیوی
سے الگ الگ عقد کیا ہو اور اس میں پہلی اور پچھلی کا امتیاز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے بغیر کسی استثناء اس کی طرف اختیار
مفوض کر دیا ہے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور اسحق بن راہویہ، محمد بن الحسن اور حسن بصری سے بھی
یہی منقول ہے۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری نے یہ کہا ہے کہ اگر ان سب سے عقد واحد میں نکاح کیا ہے
تو تمام بیویوں کو اس سے الگ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے متعدد بیویوں سے یکے بعد دیگرے ترتیب سے نکاح کیا ہے تو علی
الترتیب پہلی چار سے نکاح صحیح ہو گا اور چار سے زائد بیویوں کو اس سے الگ کر دیا جائے گا۔

حافظ منذری فرماتے ہیں مذکور الصدر احادیث سے یہ معنی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ان احادیث کی رو سے یہ جائز ہے
کہ جس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہیں وہ ان میں سے کسی بھی چار بیویوں کو اختیار کر لے خواہ وہ پہلی ہوں یا پچھلی،
اور جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ دیکھنا ہو گا کہ جن کے ساتھ ماضی میں نکاح صحیح تھا وہ اسلام لانے کے بعد نکاح میں برقرار
رہیں گی تو ان پر یہ لازم آئے گا کہ ماضی میں جو نکاح بغیر گواہ اور ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے ہوں وہ بھی اسلام لانے کے
بعد صحیح نہ ہوں اور نہ وہ نکاح صحیح ہوں جو پہلے خاوند کی عدت میں کئے گئے اور اگر یہ نکاح اس لئے صحیح قرار دیئے جائیں کہ
یہ جاہلیت کے نکاح تھے اور اسلام لانے کے بعد وہ معاف ہو گئے ہیں تو اسی طرح متعدد ازواج کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے اور
تقدیم اور تاخیر سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ اگر کسی نے جاہلیت میں اپنی ماں یا
بہن سے نکاح کر لیا تو وہ بھی اسلام لانے کے بعد صحیح ہونا چاہئے کیونکہ ماں یا بہن ذوات میں سے ہیں وہ ہر حال میں ماں اور
بہن ہی رہیں گی اس کے برخلاف کسی بیوی کا مقدم یا موخر ہونا اوصاف میں سے ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۵۷-۱۵۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۲ھ لکھتے ہیں :

ہاں امام اعظم کے مذہب پر اس حدیث کا جواب مشکل ہے کیونکہ ابن ہیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص مسلمان
ہو اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں تو امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر ان سب سے بہ یک وقت نکاح کیا
ہے تو یہ نکاح باطل ہے اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے تو پہلی چار کے ساتھ نکاح صحیح ہو گا اور باقی کے ساتھ نکاح باطل
ہو گا اور ائمہ ثلاثہ نے حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو اختیار ہو گا وہ ان میں سے جن چار کو
چاہے اپنے نکاح میں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث صحیحہ صریحہ کا اقبال ائمہ پر مقدم ہونا

اس مسئلہ میں بلکہ ہر مسئلہ میں ہمارا یہ موقف ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ ہر امام کے قول پر مقدم ہیں البتہ جس مسئلہ

میں دو حدیثیں ہوں کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا تو ہم اسی حدیث پر عمل کریں گے جس پر ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اس کی وجہ ترجیح بیان کریں گے جیسا کہ عنقریب مہر کی مقدار میں انشاء اللہ واضح ہو جائے گا، اور جس مسئلہ میں بہ ظاہر قرآن اور حدیث کا تعارض ہو اور ہمارے امام نے قرآن پر عمل کیا ہو ہم اس حدیث کو قرآن مجید کے مطابق کر کے اس کی توجیہ کریں گے اور جس مسئلہ میں ایک طرف حدیث ہو اور دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہو تو اس صورت میں ہمارے نزدیک حدیث مقدم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث کو کسی امام کے قول اور اس کی رائے کی بناء پر ترک کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور زیر بحث صورت ایسی ہی ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے جس شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ شخص اور اس کی تمام بیویاں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو اس شخص کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے جن چار کو چاہے رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے، میں نے تقریباً بیس اکیس سال پہلے تذکرۃ المحدثین میں اس کے خلاف لکھا تھا، اس سے میں اب رجوع کرتا ہوں۔

نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کا بیان

تعدد ازواج کی بحث میں مستشرقین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں اور ان کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا زیادہ نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے، نیز آپ نے تزوج کی زیادہ سے زیادہ حد چار بیویاں مقرر کی ہے پھر آپ کا یہ عمل خود آپ کے قول کے خلاف ہے۔

نبی ﷺ کی ازواج کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی وہ ایک بیوہ خاتون تھیں پچاس سال کی عمر تک آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ پچیس سال بعد حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی اس کے بعد آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ہجرت سے دو سال پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا تھا اور ہجرت کے ایک سال بعد ان کی رخصتی عمل میں آئی پھر واقعہ بدر کے دو سال بعد حضرت ام سلمہ سے نکاح ہوا، ہجرت کے دو سال بعد حضرت حفصہ سے نکاح ہوا پھر ۳ھ میں حضرت زینب بن حش سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت جویریہ سے نکاح ہوا پھر ۶ھ میں حضرت ام حبیبہ سے نکاح ہوا۔ پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ سے نکاح ہوا پھر میمونہ بنت الحارث پھر فاطمہ بنت سرح پھر زینب بنت خزیمہ پھر ہند بنت یزید پھر اسماء بنت النعمان پھر قتیلہ بنت الاشعث پھر شماء بنت اسماء سے نکاح کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۱۳۵)

ابو طاہر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے پندرہ خواتین سے نکاح کیا، تیرہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور آپ کے پاس گیارہ ازواج نکاح میں جمع ہو گئیں اور جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔

مشہور یہ ہے کہ گیارہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور دو میں اختلاف ہے ان گیارہ ازواج میں سے چھ قرشیہ تھیں چار غیر قرشیہ اور ایک بنو اسرائیل میں سے تھیں۔

جو چھ ازواج قرشیہ تھیں ان کی تفصیل یہ ہے : حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت سودہ بنت زمعہ، اور جو چار ازواج عریہ غیر قرشیہ تھیں وہ یہ ہیں : حضرت زینب بنت حش

حضرت میمونہ بنت الحارث، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویریہ بنت الحارث، اور ایک بنو اسرائیل میں سے ہیں حضرت صفیہ بنت جی بن اخطب۔

تعدد ازواج کا آپ کی خصوصیت ہونا

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کا متعدد ازواج سے نکاح کرنا کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نفسانی خواہش کا غلبہ زیادہ سے زیادہ بیس سے پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک بل بچوں والی بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے پچاس سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا اگر تعدد ازواج کی وجہ حظ نفسانی ہوتا تو آپ جوانی میں کسی حسین، کم عمر اور کنواری لڑکی سے نکاح کرتے بلکہ ایسی متعدد لڑکیوں سے نکاح کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا اور مکہ کی زندگی میں تریپن سال کی عمر تک آپ کے حرم میں صرف ایک زوجہ تھیں پہلے حضرت خدیجہ اور پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور مدینہ منورہ میں ہی آپ کے حرم میں متعدد ازواج آئیں جن میں سے حضرت عائشہ کے علاوہ باقی تمام ازواج معمر، بیوہ یا مطلقہ خواتین تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج کا تعدد کسی حظ نفسانی پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خانگی اور عائلی زندگی میں اسلام کے احکام کی روایت اور تبلیغ تھی اور زیادہ سے زیادہ خاندانوں کے ساتھ رشتہ قائم کرنا تھا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر ہوں اور کئی مسلم خاندانوں کو رشتہ داری کا شرف عطا کرنا تھا اور کئی عیالدار خواتین سے نکاح کر کے سوتیلے بچوں کی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا تھا نیز یہ بتلانا تھا کہ عام مسلمان تو دو بیویوں کے درمیان بھی عدل اور انصاف قائم نہیں کر پاتے تو سلام ہو ان کی سیرت کی عظمت پر جنہوں نے بہ یک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھا اور یہ کہ نبی ﷺ کا عمل ہر شعبہ میں آپ کے قبل سے برہ کر ہوتا ہے آپ نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو بیویوں میں عدل کر کے دکھایا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبی ﷺ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں عام افراد امت کے مساوی نہیں ہیں بلکہ احکام شرعیہ کے ہر شعبہ میں آپ کی انفرادیت اور خصوصیت ہے، آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا آپ کے فضلات طیب و طاہر ہیں۔ نماز میں آپ قبلہ کی طرف منہ کرنے کے محتاج نہیں بلکہ قبلہ اپنے قبلہ ہونے میں آپ کی توجہ کا محتاج ہے، آپ کا نماز پڑھنا اس لئے ہے کہ آپ اپنے رب سے راضی ہوں، زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں، صدقات آپ کے لائق نہیں بلکہ قیامت تک آپ کی آل کے بھی لائق نہیں۔ نکاح میں آپ کے لئے تعدد کی شرط نہیں، مہر مقرر کرنا آپ پر ضروری نہیں، ازواج میں باریوں کی تقسیم بھی آپ پر واجب نہیں، آپ کسی کو اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے کیونکہ آپ زندہ ہیں اسی طرح آپ کے وصل کے بعد آپ کی ازواج کا کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں، سو جس طرح دیگر احکام شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا امتیاز قائم رکھا ہے نکاح میں تعدد ازواج کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعدد ازواج کی تفصیل وار حکمتیں

(۱) نبی ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت سحیحہ بنت عاتکہ کے نکاح میں تھیں ان سے ایک بیٹی ہند تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے ابولہاء مالک بن نباش کے ساتھ نکاح کیا اور ان سے ہند اور ہلاء نام کے دو بیٹے پیدا ہوئے (اسد الغلبہ ج ۵ ص ۴۴۴) زمانہ جاہلیت میں حضرت خدیجہ کا لقب

ظاہر تھا۔ نبی ﷺ مضاربہ پر ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ نبی ﷺ کی امانت اور دیانت سے متاثر ہوئیں۔ نبی ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ ہجرت سے چار یا پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ سے رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ ان سب نے زمانہ اسلام پایا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ایک صاحب زادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ ایک اور صاحبزادہ حضرت ابراہیم ماریہ قبیلہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے ساتھ چوبیس یا پچیس سال تک زندہ رہیں اور ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ سے آپ کا نکاح عام عادت اور فطرت کے مطابق ہوا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد اجماعاً حضرت خدیجہ سے ہی مقدر کر دی تھی۔

(۲) حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی دوسری زوجہ ہیں۔ امام طبرانی اور احمد نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے نکاح کر لیں اور چاہیں تو بیوہ سے کر لیں۔ کنواری عائشہ بنت ابی بکر ہیں اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں رضی اللہ عنہما۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرا ذکر کرو۔ الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۱) ہجرت سے دو سال پہلے حضرت عائشہ سے نکاح ہوا اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی اور ہجرت کے ایک سال بعد حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی (صحاح ستہ) نو سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں اور سترہ رمضان منگل کی شب ۵۸ ہجری میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عادت اور فطرت کے مطابق نکاح ہوا اور جب نکاح ہوا تو تعدد ازواج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور ان کے ساتھ نکاح کرنے میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپ کے سب سے زیادہ معتمد صحابی تھے ان کو رشتہ کی فضیلت عطا کرنی تھی کہ وہ آپ کے خسر ہو گئے۔ جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے ساتھ اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کر کے آپ نے ان کو دامادی کی فضیلت عطا فرمائی، اور کس اور کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا نمونہ قائم کرنا تھا اور یہ بتلانا تھا کہ دوست اور ایمانی بھائی حقیقی بھائی نہیں ہوتا اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۳) آپ کی تیسری زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ بہت پہلے اسلام لا کر بیعت کر چکی تھیں۔ یہ آپ سے پہلے اپنے عمرادو سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ وہ حضرت سودہ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جب یہ دونوں مکہ میں آئے تو ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا پھر آپ نے نبوت کے آٹھویں یا دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ حضرت عمر کی خلافت کے اخیر میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام واقدی سے منقول ہے کہ حضرت معلویہ کی خلافت کے دوران چون (۵۳) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

ان سے نکاح کے وقت بھی تعدد ازواج کا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ حضرت خدیجہ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عائشہ کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ان سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ یہ قریش اور اپنے اعزہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں جب یہ حبشہ سے واپس آئیں تو ان کے خاوند فوت ہو گئے اب اگر یہ اپنے عزیزوں میں لوٹ جاتیں تو وہ ان پر اور زیادہ ظلم و ستم کرتے اور ان کے دین کو آزمائش میں ڈال دیتے۔ نبی ﷺ نے ان کے حال پر ترس کھا کر ان سے عقد کر کے ان کو اپنی حفاظت اور اپنی پناہ میں لے لیا اور انہیں ان کے اسلام اور ان کی ہجرت کی جزادی۔ نیز اس میں آپ کی سیرت کا یہ نمونہ ہے کہ کسی بے سارا بیوہ عورت سے نکاح کر کے اپنی حفاظت میں لے لینا آپ کی سنت اور آپ کی پاکیزہ سیرت ہے۔ ہجرت کے ایک سال بعد آپ کی دو بیویاں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ آپ کے پاس جمع ہو گئیں اور اسی وقت تعدد ازواج کی ابتداء ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۳ سال تھی۔

(۴) آپ کی چوتھی زوجہ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ یہ نبی ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ یہ پہلے حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے بدر میں حاضر ہوئے اور مدینہ میں فوت ہو گئے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۱۲۲) ہجرت کے تیس ماہ بعد شعبان میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان سے نکاح کا سبب حضرت عمر کی دلداری تھا اور ان کو اپنے رشتہ کی فضیلت عطا کرنا تھا جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔

(۵) آپ کی پانچویں زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں ان کا لقب ام المساکین تھا کیونکہ یہ بہت زیادہ صدقہ اور خیرات کرتی تھیں۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن حش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث نے ان سے نکاح کر لیا وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ان سے نکاح کیا تھا۔ یہ نکاح حضرت حفصہ سے نکاح کے بعد ہوا تھا۔ ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے پاس دو یا تین ماہ رہیں۔ اس کے بعد فوت ہو گئیں۔ حضرت زینب چونکہ دوسروں کا سہارا بنی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ان کے بیوہ ہونے کے بعد ان کو بے سارا نہیں چھوڑا۔ ان سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ یہ بہت صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس نیکی کے صلہ میں ان کو شرف زوجیت بخشا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کی چھٹی زوجہ حضرت ام سلمہ عاتکہ بنت عامر رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن اسلمہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے شوہر نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان سے 'عمر' رقیہ اور زینب چار بچے پیدا ہوئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ۴۲ھ میں فوت ہو گئے۔ وہ غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے وہ احد کی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے ہجرت کے ۳۵ ماہ بعد وہ فوت ہو گئے تھے 'عدت' پوری ہونے کے بعد شوال ۴۱ھ میں ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا۔

ام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس مسلمان کو وہ

مصیبت پہنچے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی اور وہ یہ دعا کرے ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ مجھ کو اس مصیبت میں اجر دے اور اس کے بعد مجھے اس سے اچھی چیز عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۸) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں سوچتی تھی میرے لئے ابو سلمہ سے اچھا کون ہوگا؟ مجھے پہلے حضرت ابو بکر نے نکاح کا پیغام دیا میں نے انکار کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کہا مرحبا! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو میرا شوہر بنا دیا۔ میں نے اپنے بچوں کا عذر پیش کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تم کو ان سے مستغنی کر دے گا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۸)

یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں چوراسی سال کی عمر گزار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ امام طبرانی نے سند معتمد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وصل کے بعد آپ کی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کی وفات ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ کی وفات ہوئی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی یہ حکمت تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ! مجھے ابو سلمہ سے بہتر شوہر عطا فرما۔ آپ کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا نیز بچوں والی بیوہ عورت سے نکاح کرنا اور اس کے بچوں کی پرورش کرنا آپ کی سنت اور آپ کا اسوہ قرار پایا۔

(۷) آپ کی ساتویں زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تو آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب آزاد اور بنو اسد کے معزز گھرانے سے تھیں اس وجہ سے ان میں ناچاقی نہ ہوتی تھی۔ حضرت زید رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایتیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے رہتے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نکاح آپ سے کر دے گا لیکن آپ کو یہ پریشانی تھی کہ عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دیتے ہیں اور بیٹے کی بیوی سے نکاح ممنوع ہے تو وہ اس نکاح کی وجہ سے آپ کی نبوت پر طعن کریں گے اور اس سے آپ کی تبلیغ پر اثر پڑے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نکاح ہو اور یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی بیوی سے انقطاع نکاح کے بعد نکاح کرنا جائز ہے تاکہ مسلمانوں پر اس نکاح میں تنگی نہ ہو۔ بالآخر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تنگ آکر حضرت زینب کو طلاق دے دی اور عدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زوجہ نکھا نازل فرما کر آپ کا حضرت زینب سے خود نکاح کر دیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بغیر کسی عقد کے حضرت زینب آپ کی زوجہ ہو گئیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

اور جب آپ اس شخص سے فرماتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو اور آپ اپنے دل میں اس چیز (حضرت زینب سے نکاح) کو چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر فرمایا والا تھا اور آپ لوگوں (کے) اس اعتراض کے بیٹے کی مطلقہ نکاح کر لیا) سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ

وَرَادُّ تَقُولُ لِلَّهِ نَىٰ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ
أَمْسِكَ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَبُخْفَىٰ فِى
نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ
أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا
لِكَىٰ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِى زَوَاجٍ
أَدْعَبَانَهُمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

اس سے ڈریں اور جب زید نے (ان کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا تاکہ (اس کے بعد) مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ (طلاق دے کر) ان سے بے غرض ہو جائیں اور اللہ کا حکم ضرور ہو کر رہتا ہے۔

۳ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر دیا ایک قول ۴ ہجری کا ہے اور ایک قول ۵ ہجری کا ہے۔ اس وقت حضرت زینب کی عمر پینتیس سال تھی۔ حضرت زینب دیگر ازواج سے فخر سے کہتی تھیں کہ تمہارا رسول اللہ ﷺ سے نکاح تمہارے اہل نے کیا ہے اور میرا آپ سے نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت محسن کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۰ھ میں ہوئی اور حضرت عمر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اس وقت آپ کی عمر تیرپن سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت زینب سے نکاح کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ آپ کی سیرت میں یہ نمونہ ہو کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا۔

(۸) رسول اللہ ﷺ کی آٹھویں زوجہ محترمہ حضرت جویریہ بنت الحارث ہیں آپ پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں جو حالت کفر میں قتل کئے گئے تھے۔ ۶ھ غزوہ بنو المصطلق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو حضرت جویریہ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ (یہ غزوہ بنو المصطلق میں گرفتار کر کے باندی بنائی گئی تھیں) انہوں نے نواواق چاندی (ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے) پر ان کو مکاتب کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہایا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں۔ حارث اپنی قوم کا سردار تھا آپ کو معلوم ہے مجھے باندی بنالیا گیا ہے۔ آپ میری مکاتبت کی رقم ادا کر کے مجھے آزاد کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔ کہا ہاں! فرمایا میں تمہاری رقم ادا کر کے تم سے نکاح کر لوں۔ وہ راضی ہو گئیں۔ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بنو المصطلق تو رسول اللہ ﷺ کے سرال والے ہیں ہم ان کو کیسے غلام بنائے رکھیں تو سب مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے غلام آزاد کر دیئے اور بنو المصطلق کے سو (۱۰۰) نفوس آزاد کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کے لئے اتنی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷)

حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا ۷۰ سال کی عمر گزار کر ربیع الاول ۵۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔ مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت جویریہ سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس نکاح کی وجہ سے بنو المصطلق کے سو نفوس آزاد کر دیئے گئے اور آپ کی زندگی میں ایک باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کا نمونہ حاصل ہوا۔

(۹) رسول اللہ ﷺ کی نویں زوجہ حضرت صفیہ بنت حبیبہ بنت اخطب ہیں یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں

سے ہیں۔ ان کے والد بنو النضیر کے سردار تھے۔ ان کے پہلے خاوند قتل کر دیئے گئے تھے۔ فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی پھر آپ نے سوار ہو کر کہا اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے علاقہ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو جن کو پہلے ڈرایا جا چکا ہے ان کی کیسی بری صبح ہوتی ہے۔ یہودی اپنی گلیوں سے نکلے اور کہنے لگے (سیدنا) محمد (ﷺ) لشکر کے ساتھ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان پر غالب آگئے۔ ان کے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا۔ حضرت وحیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ مجھے قیدیوں میں سے ایک لڑکی دیجئے۔ آپ نے فرمایا ایک لڑکی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حبیبہ جی کو لے لیا پھر ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! آپ نے وحیہ کو حضرت صفیہ بنت حبیبہ جی عطا کر دی جو قرینہ اور نضیر کی سردار ہیں وہ آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا صفیہ کو لاؤ۔ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت وحیہ سے (فتنہ فرو کرنے کے لئے) فرمایا قیدیوں میں سے اس کے سوا کوئی اور باندی لے لو۔ پھر نبی ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ثابت نے حضرت انس سے پوچھا ان کا مہر کتنا تھا؟ حضرت انس نے کہا ان کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا۔ حضرت ام سلیم نے ان کا بناؤ سنگھار کر کے راستہ میں قیام کی ایک جگہ پر ملت کو انہیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا نبی ﷺ نے بہ طور عروس کے صبح کی پھر آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کھانے پینے کی چیز ہو لے آئے۔ پھر چمڑے کا دسترخوان بچھایا گیا کوئی بکھوریں لایا کوئی ستو کوئی گھی پھر اس کا ایک طعام بنایا گیا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ولیمہ تھا۔ (صحیح بخاری : ۳۷۱۹۳ : صحیح مسلم : ۱۳۵۶ : سنن ابو داؤد : ۲۰۵۳ : سنن ترمذی : ۱۱۱۵ : نسخۃ : ۱۱۱۸ : سنن نسائی : ۳۳۳۲ : سنن ابن ماجہ : ۱۹۵۷ : مسند : ج ۳ ص ۱۰۲ تحفۃ الاشراف : ۲۹۱)

حضرت صفیہ رمضان المبارک ۵۰ یا ۵۲ میں فوت ہوئیں اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر وہ کسی اور کے حصہ میں آتیں تو فتنہ اور نزاع پیدا ہوتا کیونکہ وہ نبی زادی تھیں قرینہ اور نضیر کی سردار تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کے ساتھ نکاح پر صحابہ راضی نہ ہوتے نیز ان کے والد قرینہ کے ساتھ قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کے شوہر جنگ خیبر میں مارے گئے تھے اس لئے ایسی شریف النسب خاتون جو دن شکستہ ہو چکی تھیں ان کی تالیف قلب اور ان کے اسلام کی یہی صورت تھی اور اس سے بنو اسرائیل کی تالیف قلب بھی ہوئی کہ ان کی معزز خاتون کو نبی ﷺ نے شرف زوجیت بخشا۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کی دسویں زوجہ حضرت ام حبیبہ ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت ابو سفیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہ عبید اللہ بن محس کے نکاح میں تھیں۔ اس سے حبیبہ نام کی لڑکی پیدا ہوئی اسی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ ہے۔ عبید اللہ نے دوسری ہجرت ان کے ساتھ حبشہ کی طرف کی وہ وہاں نصرانی ہو کر مر گیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا اس نے آپ کا حضرت ام حبیبہ سے نکاح کر دیا۔ نجاشی نے رسول اللہ کی طرف سے چار سو دینار مہر رکھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بکرمین حزم سے روایت کیا ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا تھا اور جس دن حضرت ام

حبیبہ مدینہ آئی تھیں اس وقت ان کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۴۲ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پانگیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۰۰-۹۹)

امام ابن جوزی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ جب ابو سفیان بن حرب مدینہ میں صلح کی مدت دراز کرنے کی درخواست لے کر آیا، رسول اللہ ﷺ نے یہ درخواست منظور نہیں کی۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ سے ملنے گیا اور نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر پلیٹ دیا۔ اس نے متعجب ہو کر پوچھا کیوں؟ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تم ناپاک مشرک ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۹۶-۱۹۵)

اس نکاح میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ام حبیبہ ہجرت کر کے حبشہ آئیں ان کا شوہر نصرانی ہو کر مر گیا اور یہ ہجرت اور اسلام پر قائم رہیں۔ ان کا باپ سخت دشمن اسلام تھا۔ اب حکمت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا کیا تھا کہ اسلام کے لئے ایسی قربانی دینے والی خاتون کو شوہر کے مرنے کے بعد بے سہارا چھوڑ دیا جاتا جب کہ اس کا باپ اسلام کا کٹر دشمن تھا یا اسلام کی خاطر قربانی دینے والی اس خاتون کو صلہ دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے نبی ﷺ اس سے نکاح کر لیتے نیز اس نکاح کی وجہ سے بنو امیہ کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا اور اسلام کی تبلیغ اور اس کی نشرو اشاعت کا ایک قوی ذریعہ پیدا ہو گیا۔

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کی گیارہویں زوجہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام پہلے برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ ان کی بڑی بہن کا نام ام الفضل لبابہ کبریٰ تھا جو حضرت عباس کی بیوی تھیں اور چھوٹی بہن کا نام لبابہ صغریٰ تھا جو ولید بن مغیرہ کی بیوی اور حضرت خالد بن ولید کی ماں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے ابی رھم بن عبد العزی کے نکاح میں تھیں وہ مر گیا تھا اور یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۱۲-۴۱۱)

امام محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے بعد اگلے سال ذوالقعدہ ۷ھ میں (فتح خیبر کے بعد) عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے وہاں جا کر آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت جعفر نے یہ پیغام پہنچایا تو حضرت میمونہ نے یہ معاملہ عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کر دیا۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۷-۴۰۶)

حافظ ابن عبد البر، حافظ عسقلانی، امام محمد بن سعد اور علامہ زر قانی سب نے اس نکاح کا سال ۷ھ ہی لکھا ہے لیکن علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۳۲ھ نے ابو عبیدہ معمر بن المثنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ نکاح محرم ۸ھ میں مقام سرف پر ہوا تھا۔ جب آپ عمرہ قضا کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۲۰۸)

امام ابن سعد نے بہ کثرت روایات سے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ نکاح ہوا اس وقت آپ محرم تھے۔

حضرت میمونہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ علامہ زر قانی نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی ہے۔ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں معتمد سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۲۵۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت یہ تھی کہ قبیلہ بنو ہاشم کی مختلف شاخوں کے ساتھ آپ کی قربت و رشتہ داری ہو جائے اور اسلام کی تبلیغ اور نشرو اشاعت میں آسانی ہو۔

نبی ﷺ کے نکاحوں کی تاریخ اور ترتیب میں بہت اختلاف ہے میں نے سیرت کی مختلف کتابوں کے متبع اور مطالعہ سے یہ ترتیب قائم کی ہے لیکن یہ حتمی نہیں ہے۔ میں نے ازواج مطہرات کی مختصر سوانح جو بیان کی اس کا ماخذ یہ کتابیں ہیں : الطبقات الکبریٰ، الاستیعاب، الاصابہ، شرح الزرقانی اور سبل الہدیٰ والرشاد۔

نبی ﷺ کا تعدد ازواج کمال ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہتات؟

نبی ﷺ کے تعدد ازواج کی بحث میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح احادیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بھی سو بیویاں تھیں اور انبیاء علیہم السلام کو غیر معمولی قوت حاصل ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات اور دن کی ساعت واحدہ میں تمام ازواج کو مشرف فرماتے اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا ہم آپس میں یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت ہے۔ ایک اور سند سے یہ روایت ہے کہ آپ کی نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۶۸)

صحیح الاسماعیلی میں ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کی طاقت تھی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

امام ابو نعیم نے مجاہد سے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی اور امام ترمذی نے جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں مومن کو اتنی اتنی عورتوں سے جماع کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! کیا مومن کو اتنی قوت ہوگی؟ آپ نے فرمایا مومن کو سو مردوں کی طاقت ہوگی۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے، اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے روایت کیا ہے جب ہم چالیس کو سو سے ضرب دیں تو حاصل ضرب چار ہزار کے برابر ہوگا اور ابن العربی نے لکھا ہے کہ آپ کو چار ہزار مردوں کی طاقت تھی پھر اس کے باوجود آپ کھانے پینے اور جماع کرنے میں کس قدر ضبط سے کام لیتے تھے!

(عمدة القاری ج ۳ ص ۲۱۷، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۳۸ھ)

سوچئے جن کو اللہ تعالیٰ نے چار ہزار مردوں کی قوت جماع عطا فرمائی تھی انہوں نے بہ یک وقت نکاح میں صرف نو ازواج کو جمع کیا وہ بھی مختلف تبلیغی وجوہات سے اور یہ تعدد ازواج بھی چون سال کی عمر سے شروع ہوا اور اکٹھ باٹھ سال کی عمر میں جا کر نو ازواج اکٹھی ہوئیں تو اتنی زیادہ جنسی طاقت رکھنے کے باوجود صرف عمر کے آخری حصہ میں نو ازواج کو جمع کرنا اپنے نفس پر کمال ضبط اور غایت اعتماد ہے یا حظ نفسانی کی بہتات!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور عورتوں کو ان کے مہر نخلہ (خوشی سے) ادا کرو۔

نخلہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور عدل و انصاف میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں ان کا مہر ادا کرنا بھی ہے اس لئے اس آیت میں فرمایا : اور عورتوں کو

ان کے مہر نخلہ (خوشی) سے ادا کرو۔ نخلہ کا معنی شریعت اور فریضہ بھی ہیں اور بہہ اور عطیہ بھی ہیں۔ پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر از روئے شریعت اور بہ طور فرض ادا کرو، یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر کو ادا کرنا تم پر فرض کر دیا ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتے تھے، اور دوسری صورت میں اس آیت کا معنی ہے۔ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے۔ نخل کا معنی کسی کام کو خوشی سے کرنا بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں دل تنگ نہ کرو۔ مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نکاح کے ساتھ مہر کو مقرر نہیں کیا گیا۔ مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے تو دوسری جگہ نکاح ہونے تک اس کے پاس کچھ رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے یا گزر اوقات کا کوئی اور معاشی ذریعہ مقرر ہونے تک اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے۔ اسلام نے مردوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا مہر ادا کریں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب آیات اور احادیث سے واضح کریں گے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کا محافظ اور ضامن صرف مذہب اسلام ہے۔ مہر ادا کرنے کی تاکید اور مہر لہانہ کرنے پر وعید

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا : وان خفتم الا تقسطوا فی الینامی۔ الآیہ، حضرت عائشہ نے فرمایا ایک یتیم لڑکی اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی تھی۔ وہ اس کے حسن اور اس کے مال کی وجہ سے اس کی طرف راغب ہوتا تھا اور اس جیسی لڑکیوں کے مہر سے کم مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا ماسوا اس کے کہ وہ ان کا پورا پورا مہر مقرر کریں ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کر لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی : ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن۔ حضرت عائشہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا کہ جب یتیم لڑکی مالدار اور حسین ہو، اور اس کے ولی (سرپرست) اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوں اور اس کو پورا پورا مہر نہ دیں، اور جب اس کے مال اور اس کی شکل و صورت میں ان کو رغبت نہ ہو تو (ان دو صورتوں میں) کسی اور عورت سے نکاح کر لیں، اور جب وہ اس کے حسن اور مال میں رغبت کریں تو اس سے نکاح کرنا ان کے لئے صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ اس کو پورا پورا مہر ادا کریں اور اس کا حق نہ ماریں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۷۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت صہب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ تھا۔ اس شخص نے اس عورت کو دھوکا دے کر اس کی فرج کو حلال کر لیا، قیامت کے دن وہ اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی شخص سے قرض لیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ اس قرض کو واپس کرنے کا نہ تھا، یہ خدا اس نے اس شخص کو دھوکا دیا اور باطل کے عوض اس

کے مال کو حلال کر لیا وہ قیامت کے دن اللہ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۲، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۷۳۰۱، اس حدیث کا ایک راوی مجہول ہے باقی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۳)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

میسون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں : کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی خواہ اس کا مہر کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ اس مہر کو ادا کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے اس عورت کو دھوکا دیا اور اگر اس نے اس عورت کا حق ادا نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ صاحب مال کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اس نے اس کو دھوکا دے کر اس کا مال لیا اور اگر وہ اس کا قرض ادا کئے بغیر مر گیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث : ۱۱۱۱، المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۱۸۷۲)

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے مہر کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

ابو سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کتنا مہر مقرر کرتے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا آپ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا فرمایا تم جانتے ہو نش کیا ہے میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے)۔ تو یہ پانچ سو درہم ہو گئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر تھا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۲۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۸۶، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۲۱۹۹، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۵، سنن النسائی، رقم الحدیث : ۳۳۳۷، مسند احمد ج ۶ ص ۹۳، جامع الاصول، رقم الحدیث : ۳۹۸۳)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ پہلے عبید اللہ بن حش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہو گئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کر دیا اور ان کا چار ہزار درہم مہر مقرر کیا اور ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا چار ہزار درہم پر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول فرمایا۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۸)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے گھر کے سلمان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۲۰۹۷)

اس حدیث کی سند میں عطیہ عوفی ایک ضعیف راوی ہے لیکن اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے گھر کے سامان پر نکاح کیا جس کی مالیت دس درہم تھی۔ (المعجم الکبیر ج ۲ ص ۲۳۷، کشف الاستار عن زوائد ابن عمر، رقم الحدیث : ۱۳۲۶، مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث : ۳۷۷۲، ابو داؤد طیالسی، رقم الحدیث : ۲۰۲۲، المطالب العالیہ ج ۳ ص ۱۳۳)

اس حدیث کی سند میں حکم بن عطیہ ایک ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ سچا راوی ہے لیکن اس کے اوہام ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ (المجم الاوسط، رقم الحدیث: ۴۶۷) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۸۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۶۵، جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۱۸، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۰۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۹۵۸، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۳۳۲، سنن داری، رقم الحدیث: ۲۲۳۲، مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، ۹۹، ۱۸۱، ۱۷۰، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۸۱، ۲۸۲) نوٹ: دس درہم ۶۱۸ گرام چاندی اور دو سو درہم ۶۱۲ گرام چاندی کے برابر ہے۔

رسول اللہ کی صاحبزادیوں کے مہر کا بیان

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابو العجفاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر اس دنیا میں کوئی عزت ہوتی یا اللہ کے نزدیک اس میں تقویٰ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ زیادہ لائق تھے کہ آپ مہر میں غلو کرتے اور پیرے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی صاحبزادی کا بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بارہ اوقیہ ۴۸۰ درہم کے برابر ہیں۔ (حضرت عائشہ نے ۵۰۰ درہم کا ذکر کیا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گویا تقریباً ہے۔ نیز حضرت ام حبیبہ کا مہر جو چار ہزار درہم تھا وہ رسول اللہ ﷺ نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا اس لئے ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۱۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۱۰۶، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۳۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۷، سنن داری، رقم الحدیث: ۲۲۰۰، مسند احمد ج ۱ ص ۴۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث: ۱۰۳۹۹، موارد النعمان، لزوائد ابن حبان، رقم الحدیث: ۳۰۷، المستدرک ج ۲ ص ۷۶، جامع الاصول، رقم الحدیث: ۴۹۸۲)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے لوہے کی ایک زرہ عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اس زرہ کے عوض میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا اور فرمایا یہ زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیج دو سو میں نے بھیج دی بہ خدا اس کی قیمت چار سو اور کچھ درہم تھی۔ (مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث: ۴۹۹، مسند احمد ج ۱ ص ۸۰)

(مجاہد کا حضرت علی سے سماع نہیں ہے۔ امام احمد نے جس شخص سے روایت کیا ہے اس کا حضرت علی سے سماع ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۸۳)

امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دخول سے پہلے حضرت علی کو زرہ عطیہ دینے کا حکم دیا۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۲۱۲۵، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۳۷۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ مسانید میں اس زرہ کی قیمت کا ذکر ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی ازواج اور آپ کی صاحبزادیوں کے مہر کا تفصیلی نقشہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:			دیگر ازواج مطہرات کا مہر:		
۳۰۰۰ درہم	۴۴۷۲ گرام چاندی	۱۰۵۲ تولہ	۵۰۰ درہم	۱۵۰۹ گرام چاندی	۳۱.۵ تولہ

سیدہ فاطمہ زہراء کا مہر:			حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:		
۱۰۵ تولہ	۱۲۲۳ گرام چاندی	۳۰۰ درہم	۱۰۵ تولہ	۱۲۲۳ گرام چاندی	۳۰۰ درہم
دیگر صاحبزادیوں کا مہر:			حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:		
۱۲۶ تولہ	۱۷۳۶ گرام چاندی	۴۸۰ درہم	۲۶۵ تولہ	۳۰۶۱۸ گرام چاندی	۱۰۰ درہم

مہر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَّا وَّرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (النساء : ۲۴)

تمہارے لئے وہ سب عورتیں حلال کی گئی ہیں جو ان محرمات کے علاوہ ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو در آن حالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو نہ کہ ان سے زنا کرنے والے پھر جن عورتوں سے (بذریعہ) نکاح تم فائدہ اٹھا چکے ہو تو ان کا مہر ان کو ادا کرو۔

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً (النساء : ۴)

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ أَزْوَاجِهِمْ

ہم جانتے ہیں ہم نے جو (مہر) مسلمانوں کی بیویوں کے متعلق ان پر فرض کیا ہے۔ (الاحزاب : ۵۰)

مہر کے ثبوت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا۔ انہوں نے کہا ایک گٹھلی کے برابر سونا آپ نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۵۱۷۷، ۵۱۷۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۲۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۰۹۶، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۳۷۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۰۷، موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۱۱۵۷، مسند احمد، رقم الحدیث : ۱۳۳۶۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر اٹھائی پھر نظر نیچے کر لی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو پھر اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا : جاؤ اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے وہ گیا پھر واپس آگیا۔ اس نے کہا یہ خدا مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا دیکھو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو وہ گیا اور واپس آگیا اور اس نے کہا یہ خدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف یہ تہند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے تہہ بند کا کیا کرے گی؟ اگر

تم اس کو پہنو گے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا اور اگر وہ اس کو پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہو گا، وہ شخص بیٹھ گیا جب کافی دیر ہو گئی اور رسول اللہ نے اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے گن کر بتایا کہ اس کو فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۸۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۳۲۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۱۱۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۱۶، سنن النسائی، رقم الحدیث: ۳۲۰۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۹، موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۱۱۸، مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶، ۳۳۰، سنن دارمی، رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے نہ کم از کم نہ زیادہ سے زیادہ، بلکہ ہر وہ چیز جس میں مال بننے کی صلاحیت ہو وہ مہر ہو سکتی ہے۔ امام شافعی اور داؤد (ظاہری) کا بھی یہی مسلک ہے۔ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا اور کہا اگر اس کا مہر ایک رسی بھی ہوتی تو یہ جائز تھا۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، نیز مہر کے عوض عورت کا ایک عضو حلال ہو جاتا ہے تو اس کی وہ مقدار مقرر کی جائے گی جس کے عوض چور کا ایک عضو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ نے ایک شخص سے مہر کے متعلق فرمایا : تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو، اور سنن ابوداؤد اور ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت سے پوچھا : کیا تو اپنے نفس اور مال کے عوض دو جوتیوں پر راضی ہو گئی ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں! (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۱۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۱۰۴، یہ حدیث عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے)

امام احمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایک شخص کسی عورت کا مٹھی بھر طعام مہر رکھے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہوگی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵) نیز اثرم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک مٹھی بھر طعام پر نکاح کر لیتے تھے۔ (اس کی سند میں یعقوب بن عطا ایک ضعیف راوی ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ”ان (محرمت) کے سوا عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو“ (النساء : ۲۴) اور مال عام ہے وہ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے، اور چونکہ مہر بدل منفعت ہے اس لئے جس مقدار پر دونوں فریق راضی ہو جائیں وہ جائز ہے جس طرح اجرت ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ”دس درہم سے کم مہر صحیح نہیں ہے“ وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو میسرہ بن عبید نے حجاج بن ارطاة سے روایت کیا ہے، میسرہ ضعیف ہے اور حجاج مدلس ہے، نیز یہ حدیث حضرت جابر سے روایت کی گئی ہے اور ہم حضرت جابر سے اس کے خلاف حدیث بیان کر چکے ہیں، اور بر تقدیر صحت وہ حدیث کسی معین عورت کے معاملہ پر محمول ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے پر ان کا قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ نکاح میں ایک عضو سے نفع حاصل کرنے کی اباحت ہے اور ہاتھ کاٹنے میں ایک عضو کو ضائع کرنا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کی اباحت نہیں ہے نیز یہ سزا اور حد ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ

مہر میں زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا كَانَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرٍّ أَنْ تَكُونَ لَكُمْ سِتْرٌ مِمَّا بَيْنَكُمْ وَمِنْ بَيْنِكُمْ سِتْرٌ مِمَّا بَيْنَهُمْ وَتَنْتَهِمُ

اِحْدَهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ط
کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم بہت مل دے چکے ہو تو اس
(النساء : ۲۰) مل سے کچھ واپس نہ لو۔

(المغنی ج ۷ ص ۱۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب مالوردی شافعی متوفی ۳۵۰ھ لکھتے ہیں :

مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مقرر نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو قیمت اور اجرت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے، حتیٰ کہ حضرت عمر نے تین مٹھی انگوروں کو مہر فرمایا (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۰) اور تابعین میں سے حسن بصری اور سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر رکھا (سنن سعید بن منصور : ۶۲۰) اور فقہائیں سے ربیعہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک کے نزدیک کم از کم مہر کی مقدار وہ ہے جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے اور وہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کی کم از کم مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو“ (النساء : ۲۴) اور کم تر چیزوں مثلاً ”دڑی اور قیراط پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا“ اور حدیث میں ہے از حجاج بن ارطاة از عمار بن عمرو بن دینار از جابر بن عبداللہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کفو کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو، اور سوائے ولی کے اور کوئی نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور یہ نص ہے، اور یہ ایک مال ہے جس کے عوض ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے، جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے چوری کا نصاب ہے، نیز نکاح میں یہ ایک معین چیز کا عوض ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے اور حقوق عقد میں معین چیز مقرر ہوتی ہے جیسے گواہوں کی مقدار مقرر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔
اور اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی در آں
حالیکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا گیا تھا

(البقرہ : ۲۳۷) اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے۔

اس آیت میں لفظ ”ما“ ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صالوق آتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قلیل اور کثیر دونوں مہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث دلیل ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علائق کو ادا کرو، صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ علائق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ چیز جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹) یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے (اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ ”ما“ (وہ چیز) عام ہے خواہ دونوں فریق قلیل پر راضی ہوں یا کثیر پر۔

امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے دو درہموں سے حلال کیا

اس نے حلال کر لیا۔ (الام ج ۵ ص ۹۵، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸، یہ حدیث بھی بلاغات سے ہے اور منقطع ہے)
ابو ہارون العبدی از ابو سعید خدری، نبی ﷺ نے فرمایا: اس شخص پر کوئی حرج نہیں ہے جس نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر جب کہ گواہ ہوں اور فریقین راضی ہوں۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹، اس کی سند میں ہارون العبدی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا)

عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا کیا تم اپنے نفس اور اپنے مال پر ان دو جوتیوں سے راضی ہو گئی ہو، اس نے کہا: ہاں! (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۱۱۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۸، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۴۵، اس حدیث کی سند میں عاصم بن عبد اللہ ہے وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے)

ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا تھا، تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۰۸۷) اور لوہے کی انگوٹھی قیمتی جواہر میں سے نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم مہر ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ انگوٹھی کسی خاص لوہے کی ہو جو دس درہم کی ہو اسی طرح وہ جوتیاں بھی دس درہم کی ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کے اسلوب کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی بے قیمت چیز ہو ورنہ آپ اس کے بجائے دس درہم فرماتے تو وہ زیادہ سہل تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی عورت کو دو مٹھی طعام مہر دے تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۱۱۰، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸، اس حدیث کی سند میں ابو الزبیر ہے وہ حضرت جابر کی روایت میں تدلیس کرتا تھا اور صالح بن مسلم ہے اس کو ابن معین نے کہا کہ یہ ضعیف ہے)
حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک مٹھی یا دو مٹھی آٹے پر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نکاح کر لیا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۰، اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عطاء ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔)

ان احادیث میں دس درہم سے کم مہر ہونے کی تصریح ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (ماسوا امام بخاری کی روایت کے باقی روایات کا ضعف ہم نے بیان کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور قیاس سے دلیل یہ ہے کہ یہ ایک منفعت کا عوض ہے اور اس میں کم از کم مقدار معین نہیں ہوتی جس طرح اجارہ (اجرت) میں ہوتا ہے، نیز خلع بھی اسی چیز کا بدلہ ہے اور اس میں بھی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے، لہذا مہر کی کم از کم مقدار کا متعین ہونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ جزیہ میں کم از کم مقدار معین ہے لیکن وہ کسی منفعت کا عوض نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اور دس درہم سے کم کو مل نہیں مانتا یہ صحیح نہیں ہے اول تو اس آیت کا ظاہری معنی متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے، مانتا "اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کامل دینا ہے پھر کہے میں نے اس کا ایک درہم دینا ہے یا نصف درہم دینا ہے تو اس کا یہ قول صحیح ہے" اس

سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم پر بھی مال کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

احناف نے حضرت جابر کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں مبشر بن عبد ضعیف ہے اور حجاج بن ارطاة مدلس ہے علاوہ ازیں حضرت جابر کی دیگر روایات اس کے معارض ہیں، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث کسی خاص عورت کے معاملہ میں ہو جس کا ہر مثل دس درہم ہو۔

فقہاء احناف نے چور کا ہاتھ کاٹنے پر ہر کو قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ چوری میں اس عضو سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا بلکہ اس کو کاٹ دیا جاتا ہے، مثلاً "اگر مال کے بدلہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تو پھر چور سے مل واپس نہ لیا جاتا حالانکہ اگر اس سے مال برآمد ہو تو اس سے واپس لیا جاتا ہے اور مالک کو دیا جاتا ہے۔ مثلاً "اس سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اس مال کے عوض نہیں ہے بلکہ اللہ کی حد توڑنے کی سزا ہے۔ رابعاً "ہر کے ذریعہ عورت کا صرف ایک عضو مباح نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے بدن سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہوتا ہے۔ خامساً "یہ کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا ایک سزا ہے اس لئے اس کا نصاب مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ باقی جنایات میں ہے اس کے برخلاف مبراہمی رضامندی سے ایک عقد کا عوض ہے اس لئے جس طرح باقی عقود میں کوئی مقدار شرعاً معین نہیں ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان کا شہادت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت عقد کی شرائط میں سے ہے اور ہر عقد کا عوض ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۳ ص ۱۶-۱۱ ملخصاً)

ہر کی مقدار میں غیر مقلدین اور علمائے شیعہ کا نظریہ

غیر مقلدین کا بھی یہی نظریہ ہے شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں نکاح میں کسی قسم کے مال یا منفعت کو ہر مقرر کیا جاسکتا ہے ان کا استدلال بھی لوہے کی انگوٹھی والی حدیث سے ہے۔ (السیل الجراج ۲ ص ۲۷۷) حافظ عبد اللہ روپڑی لکھتے ہیں : اور ہر حسب حیثیت باندھنا چاہئے جو ادا ہو سکے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۴۷۱) علماء شیعہ کے نزدیک نکاح دائم میں ہر کامعین کرنا لازم نہیں اور نکاح عارضی میں ہر معین کرنا لازم ہے لیکن مقدار معین نہیں۔

(شرائع الاسلام ج ۲ ص ۲۳۹)

ہر کی مقدار میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ دس درہم سے کم ہر جائز نہیں ہے، انہوں نے چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے، اسی طرح امام مالک نے بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے جو ان کے نزدیک مقرر ہے مدینہ میں امام مالک سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں تھا۔ نیز امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ
الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ
اور تم میں سے جو شخص آزاد کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔

مَنْ قَتَلَكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ (النساء : ۲۵)

اور اس آیت میں طاقت سے مراد مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ، ایک دمڑی یا مٹھی بھر جو ہر شخص کی استطاعت میں ہوتے ہیں تو اگر ہر کی مقدار ایک پیسہ ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی

مالی طاقت ہوتی اور اس آیت کا کوئی معنی نہ ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اس لئے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام ابن عبد البر نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو پھر مسلمان باندی سے نکاح کر لو اور جب کہ باندی کا بھی مہر ان کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ مراد لینی ہوگی۔ (الاستاذ کارج ۲ ص ۷۲-۷۱، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ شمس الدین شیخ محمد عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں :
مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین درہم ہیں یا جو اس کے مساوی ساز و سامان ہے اور زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے، اور قول مشہور کے مقابلہ میں ابن وہب مالکی سے ایک درہم منقول ہے اور ابن وہب سے یہ بھی منقول ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور نکاح قلیل اور کثیر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مہر کی مقدار میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : سنو عورتوں کے نکاح صرف ان کے اولیاء (سرپرست) کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو (خاندان) میں کیا جائے اور کوئی مرد دس درہم سے کم نہ رکھا جائے، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے، اور کتاب میں ہے کہ ہمیں حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، عامر اور ابراہیم رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ حدیث پہنچی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عقد کا بدل ہے اور یہ عقد عاتقین کی طرف مفوض نہیں ہے اس لئے اس کی مقدار شرعاً مقرر ہے جیسے دیت میں ہے اور عورت کے عضو سے استفادہ شرعاً ممنوع ہے جب تک کہ نکاح صحیح نہ ہو اور اس عضو کا عوض واجب نہ ہو خواہ فوراً یا بعد میں، اور یہ مقصود اصل مالیت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا اور مال کا لفظ حقیر اور خفیر دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ مقصود تب پورا ہوگا جب خفیر رقم کو عوض قرار دیا جائے اور وہ مال مقرر ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے :

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِیْ اَزْوَاجِهِمْ۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے متعلق (الاحزاب : ۵۰) مقرر فرمایا ہے۔

اور عورت کا عضو مخصوص بھی اس کے نفس کے حکم میں ہے اور عمل تزویج نفس کی چسپدگی کا سبب ہے، اور مال ہی وہ چیز ہے جو نفس میں شرعاً بہ طور بدل مقرر ہوتا ہے، جیسا کہ دیت ہے، اور ہر وہ مال جس کو شرع نے واجب کیا ہو اس کی مقدار بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے، اور اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی بالاتفاق مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اسی طرح مہر کی مقدار بھی شرعاً مقرر ہونی چاہئے۔ امام شافعی نے جو احادیث اور آثار بیان کئے ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد مہر معجل ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ثابت تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ تلاش کرو حالانکہ مہر فوراً دینا

واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں ہر سے مراد ہر معجل ہے اور ہمارے نزدیک ہر معجل کی مقدار شرعاً معین نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۸۱، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مرد دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔

(سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۳۵، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور جن احادیث میں دس درہم سے کم ہر کا ذکر ہے وہ تمام احادیث ہر معجل پر محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو، کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ ہر کا کچھ حصہ دخول سے پہلے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب تک عورت کو کوئی چیز پہلے نہ دے دے اس وقت تک دخول نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم زہری اور قتادہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دینے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو دخول سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حضرت علی نے ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا حتیٰ کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو، تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ دخول کیا۔ (سنن ابوداؤد : ۲۱۲۶، ۲۱۲۵، اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) یہ سنن ابوداؤد کی عبارت ہے اور اس کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی : ۳۳۷۵، اس کی سند صحیح ہے) اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ہر چار سو درہم چاندی تھا، پسندیدہ امر یہ ہے کہ دخول سے پہلے کچھ دے دیا جائے اور بغیر دیئے بھی دخول جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ میں ایک عورت کو اس کے خاوند کے کچھ دینے سے پہلے اس کے پاس بھیج دوں۔ (سنن ابوداؤد : ۲۱۳۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۳، یہ حدیث قوی مرسل ہے) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو دخول سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے، واجب نہیں ہے تاکہ عورت کا دل دخول کے وقت خوش ہو اور اس کی تالیف قلب ہو اور جب یہ امر معروف ہے تو دس درہم سے کم ہر کی جو احادیث ہیں وہ ہر معجل پر ہی محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو۔ اسی طرح نبی ﷺ نے ایک صحابی کو لوہے کی ایک انگوٹھی ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا وہ بھی تالیف قلب کے لئے بہ طور ہر معجل تھا اور جب وہ اس سے بھی عاجز رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو یہ تمہاری بیوی ہے (سنن ابوداؤد : ۲۱۱۲) اور یہ حدیث اس کا صحیح محل ہے جس میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (صحیح البخاری : ۲۳۱۰، صحیح مسلم : ۱۳۲۵، سنن ابوداؤد : ۲۱۱۲، سنن ترمذی : ۱۱۱۶، سنن نسائی : ۳۲۰۰، سنن ابن ماجہ : ۱۸۸۹) سو یہ ہماری روایت کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے اور اس طریقہ سے احادیث جمع ہو جاتی ہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان احادیث کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر کی دس درہم والی روایت کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاة دو ضعیف راوی ہیں، تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو تقویت پہنچاتا ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم ہر مقرر نہ کیا جائے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۳۷، ۲۳۶، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۱، ۲۳۰) یہ اثر

حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عامر اور ابراہیم سے مروی ہے (ہرچند کہ اس اثر کی اسانید میں محمد بن مروان اصغرؓ جو بیر اور غیاث بن ابراہیم داؤد الایدی ضعیف راوی ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے یہ اثر حسن لغیرہ ہے اور حدیث جابر کا موبد ہے) شرح طحاوی میں اسی سند کے ساتھ یہ اثر حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے اور چونکہ اس اثر میں نصاب کا عدد معین بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے یہ حدیث حکما "مرفوع ہے۔ یہ اثر از اودی از شعبی از حضرت علیؓ مروی ہے اور داؤد کو امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہ اعتبار ظاہر کے بہ کثرت احادیث ہیں جو دس درہم کی نعین کی نفی کرتی ہیں (یہ تمام وہ احادیث ہیں جن کو ہم نے علامہ ماوردی شافعی کی تحریر میں باحوالہ ذکر کر دیا ہے) لیکن سوائے لوہے کی انگوٹھی والی حدیث کے باقی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے دو جوتیوں والی حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا وہ فاحش الخطاء ہے امام دار قطنی اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ وہ بیلو کی شلخ ہو۔ اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بیلطنی ہے امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے ابن القطن نے کہا اس کا ضعف ظاہر ہے۔ امام دار قطنی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا ہے کہ "گواہ ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں خواہ تم نے قلیل مل سے نکاح کیا یا کثیر سے"۔ اس حدیث کی سند میں مرہ ضعیف راوی ہے اور اس کی سند میں حملو بن زید کذاب ہے اس کے علاوہ اور بھی آثار ہیں جن کے ضعف کو ہم نے علامہ ماوردی کی تحریر میں ذکر کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہ جس حدیث میں ہے : "جس نے عورت کے مہر میں دو ستودینے" اس کی سند میں اسحاق بن جبرائیل ہے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے یہ غیر معروف ہے اور اودی نے اس کو ضعیف کر دیا اور اس کی سند میں مسلم بن رومان بھی مجہول ہے اور دو جوتیوں والی حدیث کو ہرچند کہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے ابن الجوزی نے کہا یہ فاحش الخطاء ہے غرض یہ تمام آثار ضعیف ہیں اور صحیح حدیث صرف صحیح ستہ کی ہے جس میں آپ نے فرمایا۔ "دھونڈو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو" ہمارے نزدیک یہ مہر معجل پر محمول ہے ہرچند کہ یہ خلاف ظاہر ہے لیکن اس کو مہر معجل پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ بعد میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے یا مہر کی بالکلیہ نفی کر دی جائے تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے :

وَأَحِلَّ لَكُمْ مَّا وَّرَاءَ الذِّكْرِ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ
(النساء : ۲۳) ان کو اپنے مال سے طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو مہربانے کا حکم دیا ہے اس لئے اس حدیث میں مہر معجل کی تاویل کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس عورت کا مہرہ طور مل اس شخص کے ذمہ تھا جو اس وقت نہیں دیا گیا تھا اب اگر شوہر کے ذمہ اس کا مہر نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خبر واحد نے قرآن مجید کی اس آیت قطعہ متواترہ کو منسوخ کر دیا اور اس وقت مہر کا ذکر نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا کیونکہ جب نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹-۳۰۵ ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

نوٹ : جو مہر شب زفاف میں دخول (عمل تزویج) سے پہلے یا عند العلب دیا جائے اس کو مہر معجل کہتے ہیں اور جس مہر کی ادائیگی کا وقت مقررہ کر لیا جائے یا جو انقطاع نکاح (طلاق یا موت کے بعد) کے وقت دیا جائے اس کو مہر موجل کہتے ہیں۔

ٹیلی فون پر نکاح کا شرعی حکم

نکاح کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے البتہ امام مالک کے نزدیک گواہوں کی بجائے اعلان شرط ہے۔ جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے، امام دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر ولی اور دو صالح گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو عورتیں از خود بغیر گواہوں کے نکاح کر لیں وہ فاحشہ ہیں۔

(سنن ترمذی : ۱۰۴)

بعض اوقات لڑکا ایک ملک میں اور لڑکی دوسرے ملک میں ہوتی ہے اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کا نکاح کر کے اس کو لڑکے کے پاس بھیج دیں مثلاً "لڑکی پاکستان میں اور لڑکا انگلینڈ میں ہو۔ ایسے مواقع پر لوگ پوچھتے ہیں کہ آیا ٹیلی فون پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ٹیلی فون پر مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول نہیں ہوتا اس لئے ٹیلی فون پر نکاح جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ چاہئے کہ خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ لڑکا کسی شخص کو اپنا وکیل بنادے اور وہ وکیل لڑکے کی طرف سے پاکستان میں مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے قبول کر لے، اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا اور لڑکی کو لڑکے کے پاس کسی محرم کے ہمراہ بھیجا جاسکتا ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کسی حاضر شخص کو نکاح کا وکیل بنادے اور وہ وکیل لڑکی کا نکاح اس غائب شخص سے کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے۔ (الی قولہ) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کی طرف خط لکھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا اور نجاشی نے نبی ﷺ سے حضرت ام حبیبہ کا نکاح کر دیا کیونکہ وہ سلطان ہونے کی وجہ سے حضرت ام حبیبہ کا ولی تھا۔

بیویوں کے درمیان عدل کا حکم اور بعض دوسرے مسائل

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شب زفاف کے بعد نئی بیوی کا پرانی بیوی سے زیادہ حصہ ہے اگر نئی بیوی کنواری ہے تو اس کے ساتھ پہلے سات دن رہے گا اور اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا، اور اگر نئی بیوی بیوہ ہے تو اس کے ساتھ پہلے تین دن رہے گا۔ اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا۔ امام ابو حنیفہ بیویوں کے دنوں کی تقسیم کے معاملہ میں نئی پرانی کا فرق نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں بیویوں میں تقسیم واجب ہے اگر نئی بیوی کے ساتھ تین دن رہے گا تو باقی بیویوں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین دن رہے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا فرض ہے۔ نئی پرانی کنواری اور بیوہ اس حکم میں سب برابر ہیں۔ لباس، کھانے پینے، رہنے کی جگہ اور بیوی کے ساتھ رات گزارنے میں تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا واجب ہے۔ البتہ انس اور محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ آج کل لوگ دو شلویاں کر لیتے ہیں۔ ایک بیوی کے ساتھ مستقل رہتے ہیں اور دوسری کے ساتھ نہیں رہتے یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیاء اور اگر اولیاء (سرپرست) نے مہر وصول کر لیا ہو تو ان پر لازم ہے کہ اس مہر کو مستحق عورت تک پہنچادیں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو وہ اپنے شوہروں کو کل مہر یا مہر کا بعض حصہ ہبہ کر دیں لیکن ان سے مہر معاف کرانے کے لئے ان کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ خوشی سے تم کو مہر میں سے کچھ دے دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ۔ اس لئے ان کی خوشی کے بغیر ان سے مہر معاف کر لینا جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيمًا وَأَرْزُقُوهُمْ

اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے

فِيهَا وَكُسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ

ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ۵ اور یتیموں کا (یہ طور تربیت) امتحان

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا

نیتے رہو، حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تم ان میں بھوداری (کے ہٹنار) دیکھو تو ان کے مال ان کے

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۝۶

مِلے کر دو۔ اور ان کے مال کو فضول خرچ کر کے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ اور

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ

جو (یتیم کا دلی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے، اور جو حاجت مند ہو

الْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ

مصدقہ کے موافق کھا لے، پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنا لو،

وَكُفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر لوقت کا ذریعہ بنایا ہے۔ کم عقلوں کو مال نہ دینے اور یتیم کے مال کو ولی کامل فرمانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا یتیموں کو مال ان کے حوالے کر دو اور عورتوں کا مہر ان کے حوالے کر دو۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب یتیم یا تمہاری منکوحہ عاقل بالغ ہو اور جب وہ عاقل بالغ نہ ہوں تو ان کے اموال کو اپنے پاس حفاظت سے رکھو اور جب وہ بالغ ہو جائیں اور ان کی عقل پختہ ہو جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے اور کم عقلوں کو اپنے مال نہ دو حالانکہ مراد یہ ہے کہ کم عقلوں کو ان کے مال حوالے نہ کرو حتیٰ کہ وہ عاقل بالغ ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یتیم کامل اس کے ولی اور سرپرست کی تحویل میں رہتا ہے۔ اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یتیم کے مال کی اس کے سرپرست کی طرف نسبت کر دی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے مال کو ولی کامل اس لئے فرمایا ہے تاکہ ولی یتیم کے مال کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اس کو فضول اور بے دریغ خرچ نہ کرے اور اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے اور یتیم کے مال کی اپنے مال کی طرح حفاظت کرے۔

مال کم عقل کی ملک کرنا اس آیت کے منافی نہیں

سفہاء سفیہ کی جمع ہے۔ سفیہ کم عقل کو کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہاں سفہاء سے کون مراد ہیں :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں :

سعید بن جبیر نے کہا سفہاء سے مراد یتیم اور عورتیں ہیں۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد نابالغ ہیں۔ امام طبری کا مختار یہ ہے کہ اس سے کم عقل مراد ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہو یا نابالغ۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۵، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں نابالغ بچوں کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر گئے اور کہا میں نے اپنے اس بیٹے کو مال بہہ کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی مال بہہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس سے رجوع کر لو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۵۸۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم عمر بچوں کو بہہ کرنا صحیح ہے البتہ ان میں مساوی بہہ کرنا چاہئے اور اس آیت میں کم عمر بچوں کو دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں نا سمجھ بچوں کو مال بہہ کرنے اور ان کی ملکیت میں دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ تصرف کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں میں مال دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اس کی

معت کرنے اور اس کو صحیح محل پر خرچ کرنے کے طریقوں پر مطلع نہیں ہوتے۔
حجر (قولی تصرف سے روکنا) کا لغوی اور شرعی معنی

حجر کا لغوی معنی ہے منع کرنا اور روکنا اور اصطلاحی معنی ہے دلی یا قاضی کا کسی کم عقل بچہ، مجنون یا غلام کو قولی تصرف (مثلاً خریدنا، بیچنا، ہبہ کرنا) سے روکنا اس کا سبب صغر، جنون اور غلام ہونا ہے اس لئے بچہ، مجنون اور مغلوب العقل کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی اور ان کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہے، اگر بچہ یا مجنون کو بیع و شراء کی سمجھ ہو اور ان کے دلی نے ان کو اجازت دی ہو اور اس بیع و شراء میں غبن فاحش نہ ہو تو ان کی بیع و شراء صحیح ہے، اور اگر دلی نے اجازت نہ دی ہو یا اس بیع و شراء میں غبن فاحش ہو تو پھر ان کی بیع و شراء صحیح نہیں ہے، اگر یہ کسی کے پاس اجرت پر کام کریں تو ان کی اجرت واجب ہو جائے گی اور جس عقد میں ان کے لئے نفع محض ہو وہ صحیح ہے۔ اس لئے ان کا صدقہ اور ہبہ قبول کرنا صحیح ہے جو شخص آزاد، عاقل اور بالغ ہو لیکن اس کی عقل کم ہو امام اعظم کے نزدیک اس کو قولی تصرف سے روکنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی آزادی اور بلوغ کے منافی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کو روکنا صحیح ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے، ورنہ وہ اس کو بے جا خرچ کر کے ضائع کر دے گا اور فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

(در مختار رد المحتار ج ۵ ص ۹۳، ۹۴ ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۹ھ)

حجر کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

نابلغ بچہ اور کم عقل کو مالی تصرف سے روکنے پر قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت دلیل ہے جس میں فرمایا ہے :
اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو (النساء : ۶-۵)

اور حجر (قولی تصرف سے روکنے) کے ثبوت میں یہ احادیث بھی ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کیا تم کو نہیں معلوم کہ تین شخصوں سے قلم (تکلیف) اٹھالیا گیا مجنون سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے، بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ حضرت علی نے فرمایا : مغلوب العقل کے سوا ہر شخص کی طلاق جائز ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق باب : ۱۱ رقم الحدیث : ۵۲۱۸)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تین شخصوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے، مجنون سے حتیٰ کہ شغلیاب ہو جائے اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے۔

مسلم ابو داؤد : ۳۳۹۸، سنن ترمذی : ۴۲۸، سنن نسائی : ۳۳۳۲، سنن ابن ماجہ : ۲۰۴۱، سنن کبریٰ للنسائی : ۷۳۳۶، مسند احمد : ج ۱ ص ۱۸، ج ۲ ص ۱۰۱، سنن داری : ۲۲۹۱

ان حدیثوں میں مجنون اور نابلغ کے قولی تصرفات کو روکنے کی دلیل ہے اور جو آزاد عاقل بالغ ہو لیکن کم عقل ہو کہ روکنے پر سورہ نساء کی زیر تفسیر آیت میں بھی دلیل ہے اور اس حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی بیع اور شراء میں کچھ کمزوری تھی اور وہ بیع کرتا تھا اس کے گھر والوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا : یا رسول اللہ اس کو حجر (منع) کیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلا کر منع فرمایا اس نے کہا یا رسول اللہ میں بیع کرنے سے صبر نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا جو تم بیع کرو تو کوئی چیز اتنے اور اتنے کی ہے اور کوئی دھوکا نہ کیا جائے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۲۵۳، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۹۶۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۰۱، سنن نسائی، رقم الحدیث :

(۴۴۹۷)

جو کسی منصب (اسامی) کے نااہل ہوں ان کو اس کی ذمہ داری نہ سونپی جائے

حجر یعنی قوی تصرفات سے روکنا، اس کا تعلق ولی سے بھی ہے اور قاضی سے بھی، اور حجر کا سبب کم عقلی ہے اور نااہلی بھی اس کے قریب ہے۔ اس لئے جو شخص کسی عہدہ کا اہل نہ ہو اور وہ اس عہدہ پر کام کرے تو قاضی، سلطان یا حکومت وقت پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو اس کے ضرر سے بچانے کیلئے اسے اس عہدہ پر کام کرنے سے روک دے مثلاً "ان پڑھ" عطائی حکیم اور بے سند ڈاکٹر۔ ان کو لوگوں کی جانوں سے کھینچنے کے لئے علاج معالجہ سے روکنا لازم ہے۔ بعض جگہ کمپاؤڈر حضرات محلہ میں ایک چھوٹی سی کلینک کھول کر طب کی مشق کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مساجد میں پانچ وقتی امام جو نماز کے مسائل سے بھی بمشکل واقف ہوتے ہیں وہ لوگوں کو نکاح، طلاق، حلال اور حرام کے مسائل غلط بتاتے رہتے ہیں۔ اس لئے علاج کے معاملہ میں مستند اور تجربہ کار ڈاکٹر سے اور دینی مسائل میں کسی دینی دارالعلوم کے مفتی سے رجوع کرنا چاہئے۔ اسی طرح باقی معاملات میں بھی ہر فن کے ماہر سے رجوع کرنا چاہئے اور کسی انارڈی اور نا تجربہ کار کے ہاتھ میں اپنا کوئی معاملہ نہیں دینا چاہئے۔

ہمارے زمانہ میں حجر کو صحیح طریقہ سے جاری کرنے کی حکومت سے کوئی امید نہیں ہے کیونکہ تمام سرکاری اداروں میں حکومت نے سیاسی وابستگی، رشوت اور سفارش کی بنیاد پر ہر شعبہ میں بہ کثرت نااہل افراد بھرتی کر دیئے ہیں۔ اب کسی منصب کے لئے اہلیت اور قابلیت معیار نہیں ہے بلکہ سرکاری افسروں کے ساتھ تعلقات یا پھر زیادہ سے زیادہ روپوں کی پیش کش معیار ہے اس لئے ہر ادارہ میں اکثریت ان ملازموں کی ہوتی ہے جو ان ملازمتوں کے نااہل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے جس طرح حکم دیا ہے کہ کم عقل لوگوں کو ان کا مال نہ دو کیونکہ وہ اس مال کو ضائع کر دیں گے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جو شخص کسی منصب کا اہل نہ ہو اس کو اس منصب کی ذمہ داری نہ سونپی جائے لیکن ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں اس کے صریح خلاف عمل ہو رہا ہے۔ کئی انگوٹھا چھپ پیسے کے زور پر اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں اور وزارت کے اہل ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم یموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ الخ۔ لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا معیار

لڑکے کے بلوغ کی علامت احتلام اور انزال ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت احتلام، حیض اور حمل ہے۔ اگر ان دونوں میں ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو ان دونوں کو پندرہ سال کی عمر میں بالغ قرار دیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے

وہاں سے یہ معلوم ہوا کہ زیر تک بالوں کے ظہور کا بلوغ میں اعتبار نہیں ہے پندرہ سال کی عمر امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے اور امام اعظم کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال بلوغت کا معیار ہے جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی عمر جنگ احد میں چودہ سال تھی وہ جہاد کے لئے آئے تو آپ نے قبول نہیں کیا اور ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں جنگ خندق میں پیش ہوئے تو آپ نے قبول فرمایا۔ (شامی) اور لڑکے کی بلوغ کے لئے کم از کم عمر بارہ سال ہے اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ اگر وہ اس عمر میں بلوغ کا دعویٰ کریں اور مشاہدہ ان کے دعویٰ کی تکذیب نہ کرے تو ان کے دعویٰ کو مان لیا جائے گا۔ (در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (یتیم کا جو ولی ان کے مال سے) مستغنی ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھالے۔ (النساء : ۶)

یتیم کا مال کھانے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بیان کیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک یتیم کے ولی کے لئے یتیم کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ بہ طور قرض نہ بہ طور تبرع۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ یتیم کے ولی کو قاضی اور عامل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وصی اور ولی بغیر کسی شرط کے بہ طریق تبرع اور احسان یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے اس لئے اس کی اجرت واجب نہیں ہے اور اس کو یتیم کے مال سے لینا جائز نہیں ہے بہ طور قرض نہ بہ طور غیر قرض۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۶۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضرورت کے وقت قرض کی صورت میں یا بغیر قرض کے یتیم کا مال کھانا جائز ہے۔ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ ولی کی ضرورت اور اس کی اجرت میں سے جو کم ہو وہ اس کو لے سکتا ہے اور جب وہ خوش حال ہو جائے تو اس کی واپسی کے متعلق دو قول ہیں : امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا میرے پاس مال ہے اور میرے پاس یتیم ہے آپ نے فرمایا : بغیر اسراف اور تبذیر کے اپنے یتیم کے مال سے کھا لو اور نہ مال جمع کرنا اور نہ اپنا مال بچانا۔ اور امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال ہے اور میرے پاس مال نہیں ہے آیا میں اس کے مال سے کھا لوں؟ آپ نے فرمایا بغیر اسراف کے اس کے مال سے کھا لو، دو سرا قول یہ ہے کہ خوش حال شخص بھی یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے لیکن بعد میں اس کو واپس کر دے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کہ میرے نزدیک یتیم کا مال بیت المال کے حکم میں ہے اگر میں اس مال سے مستغنی ہوں تو میں اس سے اجتناب کرتا ہوں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو میں اس مال سے قرض لیتا ہوں اور جب گنجائش ہوتی ہے تو اس کو واپس کر دیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۶-۲۰۵، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ)

فقہ ابوللیث محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ولی فقیر ہو اور اپنی خدمت اور محنت کے مطابق یتیم کے مال سے کھالے تو مجھے امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ بہت سے علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(تفسیر سرقدی ج ۱ ص ۲۲۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

علامہ عبد الرحمن بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

حضرت عمر، حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، شعبی، ابو العالیہ، مجاہد، ابن جبر، غنی، قتادہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک غنی کے لئے یتیم کا مال کھانا بالکل جائز نہیں ہے اور جس فقیر کے پاس قدر کفایت مل نہ ہو اور مل یتیم کی حفاظت اور نگرانی کی وجہ سے وہ اپنے لئے کسب معاش نہ کر سکتا ہو وہ بغیر اسراف کے بہ قدر ضرورت یتیم کے مال سے لے سکتا ہے اور جب وہ غنی ہو جائے تو اس مال کو واپس کرنے کے متعلق دو قول ہیں۔ حسن، شعبی، غنی، قتادہ اور امام احمد کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور جو کچھ اس نے لیا ہے وہ بہ منزلہ اجرت ہے اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غنی ہونے کے بعد اس مال کو واپس کرنا اس پر واجب ہے۔

(زاد المیرج ج ۲ ص ۱۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

ہمارے شیخ ابو العباس یہ کہتے ہیں کہ اگر یتیم کا مال بہت زیادہ ہو اور اس کی حفاظت اور اس کو کاروبار میں لگانے کے لئے ولی کو اپنے ضروری کاموں کو چھوڑنا پڑے تو اس کی محنت کے مطابق اس کا اجر متعین کیا جائے گا، اور اگر وہ مال کم ہو اور اس کی حفاظت کی وجہ سے اپنا کام چھوڑنا پڑے تو اس مال سے بالکل نہ لے البتہ اس کے جانوروں سے اپنے لئے تھوڑا دودھ لے لینا اس کے لئے جائز ہے اور اس کے کھانے میں سے کچھ کھا لینا اس کے لئے جائز ہے۔ زیادہ نہ لے بلکہ رواج کے مطابق لے، اور اجرت لینا اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں لینا دستور کے مطابق ہے اور اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا چاہئے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۴۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کی تحقیق

علماء دین اور دینی خدمات بجالانے والے عاملین کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا اس وقت منع ہے جب ان کے علاوہ ان خدمات کو انجام دینے کے لئے اور کوئی شخص نہ ہو اور ان کے حق میں ان خدمات کا انجام دینا فرض عین ہو جائے اور جب ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا جائز ہے۔ اس کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں ان میں اکثر غایت درجہ کی ضعیف ہیں۔ مائنا ان کا محمل یہ ہے کہ جب اس فرض کی ادائیگی کے لئے اور کوئی نہ ہو نیز احادیث صحیحہ سے دینی امور پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہے اس امر کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع (۷) کے اخیر میں بیان کی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

مردوں کے لیے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ

کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم

كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ④ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ

ہو یا زیادہ، یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے ④ اور جب (ترک کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار، یتیم اور

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ⑤

مسکین (بھی) موجود ہوں، تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو، اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ⑤

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خُوفًا

وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرنے کے وقت) ان

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ⑥ إِنَّ الَّذِينَ

کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا، سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہیے اور درست بات کہنی چاہیے ⑥ بیشک جو لوگ ناجائز

يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ⑦

طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں

وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ⑧

اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ⑧

زمانہ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو وارث نہ بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں باپ دادا کے ترکہ سے عورتیں وارث نہیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح چھوٹا بچہ خواہ مذکر ہو وہ اپنے ماں باپ کے ترکہ سے وارث نہیں کیا جاتا تھا۔ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہایا رسول اللہ! میرا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے مجھ کو اور ایک بیٹی کو چھوڑا ہے اور ہم کو وارث نہیں بنایا جا رہا، اس کی بچی کے چچا نے کہایا رسول اللہ! یہ عورتیں نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہیں نہ گھاس کا گٹھا اٹھا کر لاسکتی ہیں نہ دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہیں نہ کما کر لاسکتی ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے اس (مال) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس (مال میں) سے حصہ ہے

جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مل) کم ہو یا زیادہ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔
(جامع البیان ج ۳ ص ۱۷۶، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

تقسیم وراثت میں ورثاء کا اقرب ہونا معیار ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مل کھانے سے منع فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو اور اس آیت میں یہ واضح کیا ہے کہ یتیموں کے ولی ان کے جس مل کی حفاظت کرتے ہیں اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث بنایا جاتا تھا نہ بچوں کو وہ کہتے تھے کہ ہم اس کو وارث نہیں بنائیں گے جو نیزوں سے جنگ کر سکے نہ مل غنیمت لوٹ سکے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جب یتیم بچوں کے ماں باپ اور قرابت دار مل چھوڑ جائیں تو وہ ترکہ کے مستحق ہونے میں برابر ہیں اس میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ترکہ کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ ہرچند کہ حصہ کی مقدار میں فرق ہوتا ہے اسی طرح میت کے ساتھ لاحق ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے اور جو میت کے ساتھ بلا واسطہ لاحق ہو اس کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہوتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے مثلاً "میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو تو بیٹا میت کے ساتھ بلا واسطہ لاحق ہے اور یتیم پوتا (فوت شدہ) دوسرے بیٹے کے واسطہ سے لاحق ہے۔ اس لئے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔

علم وراثت کا یہ قاعدہ ہے کہ قریب وارث کے ہوتے ہوئے بعید وارث محروم ہو جاتا ہے اسی بناء پر اگر کسی شخص کا ایک بیٹا زندہ اور دوسرے فوت شدہ بیٹے کا بیٹا یعنی یتیم پوتا بھی زندہ ہو تو اس شخص کی وراثت سے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ یتیم پوتا میت سے ایک واسطہ سے بعید ہے اور بیٹا میت سے بلا واسطہ لاحق ہے اور اقرب ہے۔ اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا فرائض لہل فرائض کو لاحق کر دو۔ (قرآن مجید میں ورثاء کے مقرر کردہ حصص کو فرائض کہتے ہیں) اس کے بعد جو ترکہ باقی بچے وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دے دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۶۷۳۲، ۶۷۳۵، ۶۷۳۷، ۶۷۳۸)

اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ وارث اقرب کے ہوتے ہوئے وارث البعد محروم ہو جاتا ہے اور اقرب اور البعد کا یہ اصول ورثاء کے لئے ہے مورث کے لئے نہیں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں جو اقربوں کا لفظ ہے وہ مورث کے لئے ہے۔ مردوں کے لئے (اس مل) میں سے حصہ ہے جس کو والدین اور اقربین نے چھوڑا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اس آیت میں اقربین کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ استحقاق وراثت کے لئے ورثاء کا اقرب ہونا ضروری ہے۔ یہ اصول تو صحیح ہے مگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں اقربوں کا لفظ مورثین اور مرنے والوں کے لئے ہے ورثاء کے لئے نہیں ہے۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں :

نیز اسی لفظ "اقربون" سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ

قربت کے معیار سے ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب اور حاجت مند ہو اس کو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہوگا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قربت دار یتیم اور مسکین (بھی) موجود ہوں۔ تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ○۔ (النساء : ۸)

ورثاء میں ترکہ کی تقسیم کی تفصیل

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اے ایمان والو جب تم اپنے کسی رشتہ دار کا ترکہ تقسیم کرو اور تقسیم کے وقت ایسے رشتہ دار اور یتیم آجائیں جن کو اس ترکہ سے از روئے شریعت کچھ نہ مل رہا ہو یا دوسرے غریب اور مسکین آجائیں تو اس ترکہ سے انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی اور خیر خواہی کی بات کرو مثلاً ”یہ کہو کہ تم یہ مال لے لو تمہیں اللہ برکت دے۔ وغیرہ وغیرہ۔“

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوئے اول یہ کہ میانہ روی کے ساتھ اس کی تجبیز اور تکفین کی جائے ثانی یہ کہ اس کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اگر قرض ہو۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی میت پر قرض ہے اور تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ ثالث یہ کہ اس کے ثلث (ایک تہائی) مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے اگر اس نے وصیت کی ہو۔ رابع یہ کہ اس کے باقی ماندہ مال کو اس کی ورثاء میں قرآن حدیث اور اجماع کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تقسیم میں اصحاب الفرائض سے ابتداء کی جائے۔ اصحاب الفرائض وہ ہیں جن کے حصص قرآن مجید میں مقرر کر دیئے گئے ہیں مثلاً ”ایک بیٹی کو نصف مال ملے گا دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے۔ اگر اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف (آدھا) اور اگر اولاد ہو تو خاوند کو ربع (چوتھائی) ملے گا۔ یہ کل چھ حصص ہیں : نصف (آدھا) ربع (چوتھائی) ثمن (آٹھواں حصہ) سدس (چھٹا حصہ) ثلث (تہائی) دو ثلث (دو تہائی) اور ان کے لینے والے بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں : باپ، جد، صحیح (دادا اور نانا، نانا جد فاسد ہے) اخیانی بھائی (مال کی طرف سے) اور خاوند اور آٹھ عورتیں ہیں : بیوی، بیٹی، پوتی، یعنی بہن (سگی بہن) اخیانی بہن، علاقائی بہن (باپ کی طرف سے) ماں اور جدہ صحیحہ (نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے) ان کے حصوں کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے یا اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پھر وہ تمام ترکہ عصبات کو دیا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے قربت داروں کو عصبات کہا جاتا ہے عصبات بنفہ چار ہیں : بیٹا یا پوتا، باپ یا دادا، بھائی اور چچا، عصبات میں جو قریب ہو اس کو ملے گا اور بعید محروم ہوگا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبات بالغیر ہیں، اور اگر بیٹیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو وہ عصبات مع الغیر ہیں۔ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ترکہ کو ذوی الفروض میں دوبارہ تقسیم کر دیا جاتا ہے، اس کو رد کہتے ہیں اور اگر ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو پھر تمام مال ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، ذوی الارحام وہ ہیں جو مال کی طرف سے میت کے رشتہ دار ہوں ان کے چار درجات ہیں پہلا درجہ ہے بیٹی کی اولاد اور پوتی کی اولاد۔ دوسرا درجہ ہے : جد فاسد اور جدات فاسدہ یعنی نانا اور نانا کی ماں اور تیسرا

درجہ ہے بہنوں کی اولاد اور یعنی اور علاقائی بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیانی بھائی کی اولاد اور چوتھا درجہ ہے پھوپھیاں، اخیانی چچا اور ماموں اور خالہ ان میں درجہ بہ درجہ ترتیب ہے اور اقرب کے مقابلہ میں بعد محروم ہوگا۔

اگر ذوی الارحام نہ ہوں تو پھر میت کا ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں داخل کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہم نے ترکہ کی تقسیم میں لونڈی، غلام، مولی الموالات اور مقررہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اب ان کا رواج نہیں ہے ہم نے اکثر پیش آمدہ صورتیں بیان کی ہیں جو حضرات پوری تفصیل جانتا چاہیں وہ سراجی اور شریفیہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو دینا احسان نہیں ان کا حق پہنچانا ہے

اب اس آیت کی تفسیر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو گیا اور اس کا ایک بیٹا، دو بیٹیاں اور اس کا ایک چچا اور بھانجا ہو تو اس صورت میں بیٹا عصبہ بنفسہ ہے اور بیٹیاں عصبہ بالغیر ہیں۔ چچا بھی عصبہ ہے مگر بیٹے کی بہ نسبت بعید ہے اور بھانجا ذوی الارحام کے تیسرے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں کل ترکہ کے چار حصے کئے جائیں گے دو حصہ ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ دو بیٹیوں کو ملے گا۔ چچا عصبہ بعید ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا اور بھانجا عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا تاہم چچا اور بھانجا کو ورثاء انسانی ہمدردی کے تحت اپنی طرف سے تبرعا کچھ دے دیں تو یہ اس آیت پر عمل ہوگا اسی طرح اگر کوئی اور مسکین ہو تو اس کو بھی دے دیا جائے اور ان سے نرم اور ملائم گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمَسْكِيْنَ وَاٰتِ السَّبِيْلَ
وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيْرًا (بنو اسرائیل : ۲۶)
اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور فضول خرچ نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کو کچھ دے رہا ہے تو ان پر احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔
اور ان کے اموال میں سوال کرنے والے اور محروم کا حق ہے۔

(الذاریات : ۱۹)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکینوں، حاجت مندوں اور سائلوں کو انسان کچھ دیتا ہے تو ان پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا سو انہیں (قیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے۔ (النساء : ۹)

قیموں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

(۱) بعض لوگ مریض سے یہ کہتے ہیں کہ تمہاری اولاد تمہارے مرنے کے بعد نیکیاں نہیں کرے گی جن سے تم کو

آخرت میں ثواب پہنچے تو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے دیا صدقہ و خیرات کر دو، یا کسی نیک کام میں صرف کر دو، یہ لوگ مرنے والے کو وصیت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کی اولاد کو ترکہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بھی صاحب اولاد ہو تم یہ سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہاری اولاد کو تمہارے ترکہ سے محروم کرنے کی کوشش کرتا تو تم پر کیا گزرتی؟

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دو سراقول یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے ولی سے یہ فرمایا ہے کہ وہ یتیم کی جان اور مال کے ساتھ انصاف اور احسان کریں اور یتیم کے مال کو جلدی جلدی ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ان کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اگر وہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مرجائیں تو ان کے یتیم بچوں کا ولی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اس لئے وہ اپنے انجام سے ڈریں اور اللہ سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ سچی اور صحیح بات کہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۳-۱۸۱ ملخصاً، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ظلماً یتیم کھانے پر انتہائی سخت عذاب کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظلماً یتیم کھانے پر سخت وعید فرمائی ہے اور اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ظلماً یتیم کھانے پر یکے بعد دیگرے آیات نازل فرمائیں۔ فرمایا ولا تبدلوا الخبیث بالطیب (النساء : ۲) اپنے کھوٹے مال کو ان کے کھرے مال سے نہ تبدیل کرو اور فرمایا ولا تاكلوا اموالکم الی اموالکم انہ کان حوباً کبیراً (النساء : ۲) ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے، اور فرمایا : ولا تاكلوها اسرافاً وبدواراً ان یکبروا (النساء : ۶) اور یتیموں کے بڑے ہو جانے کے خوف سے ان کے اموال کو فضول خرچ کر کے اور جلدی جلدی نہ کھاؤ، اور اس سے پہلی آیت میں فرمایا : یتیم کے ولی یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے مرنے کے بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا، سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے (النساء : ۹) اور اس آیت میں فرمایا بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ان تمام وعیدوں کا نازل کرنا یتیموں پر اللہ کی رحمت ہے کیونکہ یتیم کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ توجہ اور التفات کے مستحق ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم، معاف کرنے والا ہے اس کے باوجود ظلماً یتیم کھانے والوں پر اتنی سخت وعید نازل فرمائی کیونکہ یتیم انتہائی درجہ کے بے بس اور بے سہارا تھے اس لئے ان پر ظلم کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی وعید بھی بہت سخت ہے۔

ظلماً یتیموں کا مال کھانے والوں کے متعلق احادیث

للم ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شب معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا : میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہیں اور ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑ رہے ہیں پھر ان کے مونہوں میں ایسے آگ کے پتھر ڈال رہے ہیں جو ان کے دھڑکے نچلے حصہ سے نکل رہے ہیں۔ میں نے کہا : اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ظلماء یتیموں کا مال کھاتے تھے اور وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ، امام ابو یعلیٰ، امام طبرانی اور امام ابن حبان حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت کے دن ایسے لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے جن کے مونہوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا : کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : جو لوگ ظلماء یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے جو شخص یتیم کا مال کھاتا ہے جب وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کے منہ، اس کے کانوں، اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اسے دیکھ کر ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل کرے نہ ان کو جنت کی نعمتیں چکھائے۔ عادی شربابی، سود کھانے والا، یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۴، مطبوعہ ایران)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمَتُهُ حَظُّ الْأُنثَيَيْنِ

اللہ تمہاری اولاد کی وراثت کے حصوں کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ

سوا اگر صرف بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ

ایک کا چھٹا حصہ ہے، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ

وَلَدًا وَوَرَثَةً أَبِيهِ فَلَا مِمَّهِ الثَّلَاثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ

ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن)

فَلَا مِمَّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٌ

بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے

أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے

فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصے ہیں، بیشک اللہ خوب جانتے والا بہت حکمت والا ہے ○ تمہاری بیویوں

نِصْفُ مَا تَرَكَ أَنْزَلْنَا فِيكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ

کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ

ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھا حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے

يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٌ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكَنَّ إِنْ لَمْ

اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا

يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الشُّنُّ مِمَّا

چوتھا حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں

تَرَكَتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوصِيَنَّ بِهَا أَوْ دَيْنٌ وَإِنْ كَانَ

حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی ایسے

رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ

مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں

وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ

سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا

فَرَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ

ایک نہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے

دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ط

کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت علم والا ہے

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان

جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَلِكَ

جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ۱۳ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ

بُری کامیابی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے

حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝ ۱۴

تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے ذلت والا عذاب ہے

وراثت کے تفصیلی احکام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر وراثت کے احکام بیان فرمائے تھے : مردوں کے لئے اس (مال

میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس (مال میں) سے حصہ

ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ وہ (مال) کم ہو یا زیادہ۔ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے

(النساء : ۷) اور اب اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر وراثت کے احکام شروع فرمائے۔ وراثت کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے

اولاد کے ذکر سے احکام شروع فرمائے کیونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ امام بخاری متونی

۲۵۶ھ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ

عنہا و سلام اللہ علیہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔ (صحیح البخاری، رقم

حدیث : (۳۷۶) اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام میں سب سے پہلے اولاد کے حصص بیان فرمائے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بنو سلمہ میں اپنے گھر کے اندر بیمار تھا تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! میں اپنے مال کو اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی : اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ میت کے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث : ۲۱۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

اولاد کے احوال

اولاد کئی صورتوں میں وارث ہوتی ہے، ایک حل یہ ہے کہ میت کی اولاد کے ساتھ میت کے والدین بھی ہوں اور دوسرا حل یہ ہے کہ میت کی وارث صرف اس کی اولاد ہو اور اسکی تین صورتیں ہیں یا تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں وارث ہوں گے یا صرف بیٹیاں یا صرف بیٹے، اگر میت نے بیٹے اور بیٹیاں دونوں چھوڑے ہیں تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا مثلاً "اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہے تو امور متقدمہ علی الارث کے بعد میت کے ترکہ کے تین حصے کریں گے دو حصص بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اور دوسری صورت یہ کہ اگر میت نے زوجہ، ماں باپ اور بیٹے اور بیٹیوں کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں زوجہ اور ماں باپ اصحاب الفرائض ہیں یعنی ان کے حصص مقرر ہیں زوجہ کا آٹھواں حصہ، ماں کا چھٹا حصہ اور باپ کا بھی چھٹا حصہ، تو اصحاب الفرائض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اولاد میں تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ اولاد عصبات ہیں اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ کے مطابق مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کرو اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ (میت کے) سب سے اقرب مرد کو دو۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۴۰، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۷۳۵، ۶۷۳۴، ۶۷۳۳، ۶۷۳۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۱۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۰۹۸)

سو اس صورت میں کل ترکہ کے ۲۴ حصص کئے جائیں اس میں سے ۳ حصے اس کی بیوی کو، ۴ حصے اس کے باپ اور ماں کو اور باقی ماندہ ۱۷ حصص اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیں کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ ملے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے صرف بیٹیاں چھوڑی ہوں اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی چھوڑی ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے گا تو وہ دیگر اصحاب الفرائض کو ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے عصبات کو مل جائے گا، اور اگر میت نے صرف بیٹے چھوڑے ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اگر بیٹیوں کے ساتھ اصحاب الفرائض بھی ہوں تو اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی تمام مال بیٹیوں کو دے دیا جائے گا۔

مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات

عورت کو وراثت میں مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت پیسوں کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ مرد آزادی کے ساتھ بے خوف و خطر گھر سے باہر نکل سکتا ہے اور عورت اپنے شوہر یا والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل نہیں سکتی اور اگر باہر جائے تو اس کی عزت اور عصمت کے لئے متعدد خطرات ہیں نیز چونکہ اس کی عقل کم ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو اس کے لٹ جانے یا دھوکا کھانے کا بہت اندیشہ ہے اور جسمانی طور پر وہ کمزور صنف ہے اس لئے اگر اس کو مرد سے دگنا حصہ نہ دیا جائے تو کم از کم برابر حصہ دینا چاہئے۔

اس سوال کے حسب ذیل متعدد جوابات ہیں :

(۱) مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں کیونکہ مرد پر اپنی، اپنی بیوی اور بچوں کی اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہئے۔

(۲) سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں مثلاً "وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملک اور وطن کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک اور وطن کے دفاع کے لئے جملہ کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود اور قصاص میں وہی گواہ ہو سکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے سو جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس کا وراثت میں حصہ بھی دگنا ہونا چاہئے۔

(۳) عورت چونکہ صنفاً کمزور ہوتی ہے اور اس کو دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو زیادہ پیسے مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس کے وہ سب پیسے ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ قطعی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جائیں گے وہ ظنی ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ظنی حکم کے مقابلہ میں قطعی کو کیوں ترک کر دیا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے حصہ کیوں نہیں دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے لئے ظنی ہے حضرت ابو بکر نے چونکہ اس کو زبان رسالت سے سنا تھا اس لئے ان کے لئے یہ حدیث قرآن مجید کی طرح قطعی تھی اس کی مفصل بحث ہم نے شرح مسلم جلد خامس میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ (النساء : ۱۱)

والدین کے احوال

اولاد کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے اس لئے میت کے ماں باپ کے ساتھ اگر اولاد ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے : کہ ماں باپ کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ بیٹے ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں پھر بھی ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا

میت کی صرف ایک بیٹی ہو اور ماں باپ ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا البتہ باقی ماں بھی باپ کو بہ طور عصبہ ہونے کے مل جائے گا۔

اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تہائی مل جائے گا اور باقی دو تہائی ماں باپ کو بہ طور عصبہ دے دیا جائے گا اور اس صورت میں مرد (باپ) کو عورت (ماں) سے دگنا حصہ مل جائے گا۔

اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ والدین کے احوال میں سے تیسرا حال ہے جس میں میت نے والدین کے ساتھ اپنے بہن بھائیوں کو بھی چھوڑا ہو، اس پر اتفاق ہے کہ ایک بہن یا بھائی ماں کے تہائی حصہ کے لئے حاجب بن کر اس کو چھٹا نہیں کرتے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب بہن یا بھائی کا عدد تین کو پہنچ جائے تو وہ ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور اگر دو بہنیں یا دو بھائی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بھی ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دو بہنیں ماں کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتیں۔ فقہاء احناف کا مذہب اکثر صحابہ کے قول کے مطابق ہے، یہ بھی واضح رہے کہ دو بہنیں کسی قسم کی ہوں سگی یا سوتیلی خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے۔ اسی طرح سے بھائی بھی۔ وہ ماں کے لئے حاجب ہیں اور اس کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور ایک بہن ہو یا ایک بھائی وہ ماں کے لئے حاجب نہیں ہیں خواہ وہ بہن یا بھائی یعنی ہوں علاقائی ہوں یا اخیانی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد، اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے۔

(النساء : ۱۱)

قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کے دلائل

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ وارثوں میں ترکہ کی تقسیم پر قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔ اگر میت پر لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اس کے تمام ترکہ پر محیط ہے تو وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا اور میت کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر میت کا قرض ادا کرنے کے بعد مال بچ رہتا ہے اور میت نے وصیت بھی کی ہوئی ہے تو ایک تہائی ماں سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد اس کا باقی ماندہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس آیت میں میت کی وصیت پوری کرنے کا قرض کی ادائیگی سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن اس پر امت کا اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء : ۵۸) اور بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت امانتوں والوں کو ادا کرو۔

اور نفلی وصیت پوری کرنے کی بہ نسبت امانت کو ادا کرنا مقدم ہے (قرض بھی ایک طرح سے امانت ہے)۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۷۳۹، کتاب الوصایا، باب : ۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حارث، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وصیت کو پورا کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا حالانکہ تم قرآن مجید میں وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔ امام ترمذی نے کہا عام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۱۰۱، ۲۱۰۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۱۵) حارث اعور کے ضعف کا بیان

یہ حدیث حارث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حارث کے ترجمہ میں حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حارث بن عبد اللہ ہمدانی اعور (یک چشم) کبار علماء تابعین میں سے ہے اور اس میں ضعف ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ، ابو اسحاق اور ایک جماعت حدیث روایت کرتی ہے شعبی نے کہا کہ ابو اسحاق نے اس سے صرف چار احادیث کا سماع کیا ہے نیز شعبی نے کہا مجھے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب تھا، نیز مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں حارث کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ ابن المدینی نے کہا یہ کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں۔ دارقطنی نے کہا ضعیف ہے۔ حصین نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی کی طرف حارث نے جتنی جھوٹی احادیث منسوب کی ہیں اتنی اور کسی نے نہیں کیں۔ ابن سیرین کا یہ گمان تھا کہ اس کی حضرت علی سے عام روایات باطل ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو کذاب کہا۔ ابن حبان نے کہا حارث تشیع میں غالب تھا اور حدیث میں ضعیف تھا۔

ابو بکر بن ابی داؤد نے کہا حارث بہت بڑا فقیہ تھا اور علم میراث کا ماہر تھا اس نے یہ علم حضرت علی سے سیکھا تھا۔ حارث اعور نے ۶۵ھ میں وفات پائی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۰ ملخصاً)

نیز اس کے ترجمہ کے متعلق دیکھیں : تاریخ صغیر للبغاری ج ۱ ص ۱۳۱، الجرح والتعديل ج ۳ ص ۳۶۳، ضعفاء ابن الجوزی ج ۱ ص ۱۸۱، النجوم الزاهرة ج ۱ ص ۱۸۵، شذرات الذهب ج ۱ ص ۷۳، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۸، مراۃ الجنان ج ۱ ص ۱۳۱۔ حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزنی متوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

امام مسلم بن الحجاج نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا، ابو معلویہ نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا ابن معین سے ایک روایت ہے کہ حارث ثقہ ہے۔ امام ابو زرہ نے کہا اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جائے گا، امام نسائی سے ایک روایت ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور ایک روایت ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جابر جعفی نے عام شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حارث سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایات کے متعلق سوال کرتے تھے۔ امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کی روایات درج کی ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۲ ص ۳۳-۳۹ ملخصاً، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۳ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی زیادہ تر یہی نقل کیا ہے کہ حارث اعور کذاب اور ضعیف ہے اور بعض ائمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۵-۱۳۳ ملخصاً، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی اس کے متعلق رائے یہ ہے :

یہ حضرت علیؓ کا شاگرد تھا شعبی نے اس کو کذاب کہا ہے، اور اس پر رفض کی تہمت ہے اور اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ امام نسائی نے اس کی صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں یہ حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کی خلافت میں فوت ہوا تھا۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف کی تقویت

ہرچند کہ حارث کی جس روایت میں قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کا ذکر ہے اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً درج کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے باوجود علماء امت کا اس حدیث پر عمل ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، حالانکہ حدیث ضعیف سے استدلال کرنا ان کی عادت نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔

قرض کو وصیت پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن مجید میں وصیت کے ذکر کو قرض پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ قرض کا مطالبہ کرنے والے قرض خواہ ہوتے ہیں اور وصیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، اس لئے یہ خدشہ ہے کہ ورثاء وصیت کو چھپالیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کا ذکر پہلے فرمایا، دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص موت تک قرض ادا نہ کرے اس لئے یہ نادر الوجود ہے اور وصیت عام طور پر کی جاتی ہے اس لئے وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں ذکر فرمایا لیکن ذکر میں تقدم واقع میں تقدم کو مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ واسجدی وارکعی (ال عمران : ۴۳) میں سجدہ کا پہلے اور رکوع کا بعد میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ہے۔ ان کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد۔

شوہر اور بیوی کے احوال

اولاد کی ماں باپ کے ساتھ اور ماں باپ کی اولاد کے ساتھ نسبی قربت ہے، اور یہ بلا واسطہ قربت ہے اور شوہر کی بیوی کے ساتھ اور بیوی کی شوہر کے ساتھ نکاح کے سبب قربت ہے اور یہ بھی بلا واسطہ قربت ہے، ان کے علاوہ جو قربتیں ہیں مثلاً بھائی بہن وغیرہ بلا واسطہ قربتیں ہیں کیونکہ بھائی بہن وغیرہ کی قربت ماں باپ کے واسطے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بلا واسطہ قربت داروں کے احکام وراثت بیان فرمائے اور پھر بلا واسطہ قربت داروں کے احکام بیان فرمائے اور بلا واسطہ قربت میں نسبی قربت سببی قربت سے قوی ہے اس لئے پہلے نسبی قربت داروں میں اولاد اور ماں باپ کے حصص بیان فرمائے اس کے بعد سببی قربت میں شوہر اور بیوی کے حصص بیان فرمائے اور یہ نہایت عمدہ ترتیب ہے۔

اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصہ نصف (آدھا) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ

جو تھائی ہے اور اگر شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کا حصہ ربع (چوتھائی) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ ثمن (آنکھوں) ہے اس سے واضح ہوا کہ شوہر کا حصہ بیوی کے حصہ سے دگنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوتا ہے۔

اس آیت میں اولاد سے مراد عام ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ، مذکر ہو یا مؤنث، نیز وہ اولاد بلا واسطہ ہو جیسے بیٹا یا بیٹی یا بالواسطہ ہو جیسے پوتا اور پوتی، اور جب بیوی شوہر کی وارث ہو تو شوہر کی اولاد عام ہے خواہ اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح جب شوہر بیوی کا وارث ہو تب بھی اولاد عام ہے خواہ وہ اسی شوہر کی اولاد ہو یا اس کے پہلے شوہر کی اولاد ہو، اسی طرح بیوی ایک ہو یا کئی بیویاں ہوں سب کا حصہ ثمن (آنکھوں) ہے اور وہ آنکھوں حصہ ان سب بیویوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے : اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد ہو (اس کامل کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد۔ وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔

کلالہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

کلالہ کی کئی تفسیریں ہیں : ایک تفسیر یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو میت کے نہ والد ہوں اور نہ اولاد۔ یہ تفسیر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ کلالہ اس مورث میت (مرنے والے شخص) کو کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو، یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی تفسیر مختار ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کلالہ میت کے ترکہ کو بھی کہتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلالہ کی تفسیر میں میری ایک رائے ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ وحدہ لا شریک کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطا ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اس سے بری ہے، کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کا نہ والد ہو اور نہ اولاد، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں نے کلالہ کی تفسیر میں حضرت ابو بکر کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۹۲، مطبوعہ دار المعرفۃ ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے آئے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی آپ نے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا مجھے ہوش آگیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں۔ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوئی :

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِنُكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنْ امْرُؤٌ
هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ
وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا أُثْنَيْنِ
فَلَهُمَا الثُّلُسَيْنِ وَمِمَّا تَرَكَ إِوْلَانِ كَانُوا لِأُخْوَتِهِ رِجَالًا
وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ

(النساء : ۱۷۶)

(صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۱۱۶)

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ
(کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت
ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ والد) اور اس کی ایک بہن ہو تو
اس کے لئے نصف ترکہ ہے، اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا
اگر اس کا بیٹا نہ ہو، اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو اس شخص کے
ترکہ کا دو تہائی ۲/۳ ملے گا اور اگر اس کے وارث بہن بھائی
ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ
کے برابر ہے۔

یہ سورہ النساء کی آخری آیت ہے نبی ﷺ نے کلالہ کی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۳۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس خطبہ میں نبی ﷺ اور
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا اور کہا میں اپنے بعد کلالہ سے اہم اور کوئی چیز چھوڑ کر نہیں جا رہا، اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے
جتنا کلالہ کے متعلق پوچھا ہے اور کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا اور آپ نے جتنی سختی اس میں کی ہے اور کسی چیز میں نہیں
فرمائی حتیٰ کہ آپ نے میرے سینہ میں انگلی چبھوائی اور فرمایا اے عمر کیا تم کو سورہ النساء کی آخری آیت کافی نہیں ہے؟

(صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۱۱۷)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو والد (ماں باپ) اور اولاد (یا
بیٹے کی اولاد) کے ماسوا ہوں، اس کے ثبوت میں حضرت براء بن عازب سے حدیث صحیح ہے، ایک قول یہ ہے کہ جو وارث
بیٹے کے ماسوا ہوں، ایک قول یہ ہے کہ اخیانی بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں، ایک قول ہے عم زاد بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں ایک
قول ہے تمام عصبات کو، ایک قول ہے تمام وارثوں کو، ایک قول ہے میت کو، ایک قول ہے مال موروث کو، جو ہری نے کہا
کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد (ماں باپ) ہو، زحشری نے کہا کلالہ کا اطلاق تین پر کیا جاتا ہے
اس مرنے والے پر جس کی نہ اولاد ہے نہ والد (ماں باپ) اور اس وارث پر جو نہ والد (ماں باپ) ہے نہ اولاد، اور ان قربات
داروں پر جو والد (ماں باپ) اور اولاد کی جت سے نہ ہوں۔ (عمدة القاری ج ۳ ص ۸۷، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية، ۱۳۳۷ھ)

علامہ محمد بن غلفہ وشتنی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

صحیح یہ ہے جس پر علماء کی ایک جماعت کا اتفاق ہے کہ کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو
اور نہ اولاد۔ (اکمل اکمل المعلم ج ۵ ص ۵۶۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۱۸ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور نہ اس کا والد (ماں باپ) ہو اور نہ اس کی اولاد تو اس کے وارث کلالہ ہیں۔ یہ

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور اہل علم کا قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۷۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ وارث ہیں جو والدین اور اولاد کے ماسوا ہوں یہی قول صحیح اور مختار ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو بکر احمد بن علی رازی بصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

مرنے والا خود کلالہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وان کان رجل یورث کلالہ لہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کلالہ میت کا اسم ہے اور کلالہ اس کا حال اور اس کی صفت ہے اسی لئے منصوب ہے، حضرت عمر نے فرمایا تھا کلالہ مرنے والے کا وارث ہے جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ ولد اور میں حضرت ابو بکر کی مخالفت سے حیا کرتا ہوں اور جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو انہوں نے کہا کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے سو قرآن مجید کی یہ آیت اور صحابہ کرام کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مرنے والا خود کلالہ ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۸۶، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد اور (اس کا ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے۔

آیت مذکورہ میں بھائی بہن سے اخیانی بھائی بہن مراد ہونے پر دلائل

غلامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کریمہ میں بھائی یا بہن سے مراد فقط اخیانی بھائی بہن (ماں کی طرف سے) ہیں، عام مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے حتیٰ کہ بعض نے کہا اس پر اجماع ہے۔ متعدد مفسرین نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے ولہ اخ واخت من ام۔ اور حضرت ابی اس کو پڑھتے تھے ولہ اخ واخت من الام، ہر چند کہ یہ قرات شاذ ہے تاہم اکثر علماء کا یہ مختار ہے کہ جب قرأت شاذہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہو تو وہ خبر واحد کے حکم میں ہے اور اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس میں بعض کا اختلاف بھی ہے۔ اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ عینی اور علاقائی بھائی بہن (سگے اور باپ کی طرف سے) کا ذکر اس سورت کی آخری آیت میں ہے۔ نیز اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر اخیانی بھائی یا بہن ایک ہو تو اس کا حصہ سدس (چھٹا) ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہو تو ان کا حصہ ثلث (تہائی) ہے اور ماں کا بھی یہی حصہ ہے تو مناسب ہوا کہ ماں کی طرف بھائی یا بہن کا بھی یہی حصہ ہو نیز عینی بھائی اور بہن عصبہ ہوتے ہیں جیسا کہ اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے اور اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ سدس اور ثلث مقرر فرمایا ہے اب اگر اس آیت میں بھائی اور بہن سے علاقائی بھائی اور بہن مراد لیا جائے تو ان آیتوں میں تعارض لازم آئے گا۔

احکام وراثت کی اطاعت پر جنت کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں

میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ○ (النساء : ۱۳)

قیموں اور میراث کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی اللہ کے دیئے ہوئے شرعی احکام ہیں اور اس کی اطاعت کی تفصیلات اور شرائط ہیں، ان پر حدود کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا کہ مکلف کے لئے ان احکام سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جو شخص اللہ کے ان احکام پر عمل کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت والا عذاب ہے۔ (النساء : ۱۴)

احکام وراثت کی نافرمانی کرنے والے پر دائمی عذاب کی وعید اور اس کی توجیہ

جس نے میراث کے ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا اللہ اور اس کے رسول کے فرائض میں سے کسی فرض میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس نے حلال سمجھ کر وراثت کی حدود سے تجاوز کیا اللہ اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل کر دے گا۔

اس آیت میں کسی حکم کی نافرمانی کرنے اور حدود سے تجاوز کرنے پر دائمی عذاب کی وعید ہے جب کہ دائمی عذاب صرف کفار کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اہانت اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا حلال سمجھ کر اللہ اور اس کے رسول کی حدود سے تجاوز کیا یا جمع حدود سے تجاوز کیا وہ کافر ہو گیا اور اس آیت میں یہی تاویل ہے۔

جنتیوں کے بیان میں خلود کا ذکر جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور دوزخیوں کے ذکر میں خلود کا ذکر واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے کیونکہ اطاعت گزار اپنے ساتھ ان کو بھی جنت میں لے جائیں گے جن کی وہ شفاعت کریں گے اس لئے جمع کے صیغہ کا ذکر کیا اور کافر دوزخ میں اکیلا جائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت میں خلود انس کا سبب ہو گا اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا اور دوزخ میں خلود وحشت کا سبب ہو گا اور دوزخی اس وحشت میں اکیلا ہو گا اس لئے واحد کا صیغہ ذکر کیا۔

معتزلہ وغیرہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس نے وراثت کے کسی حکم میں نافرمانی کی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق مرتکب کبیرہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عدم عفو کے ساتھ مقید ہے یعنی اگر اللہ اس کو معاف نہ کرے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جبکہ معتزلہ کے نزدیک بھی اس میں یہ قید ہے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو شخص کسی وارث کی میراث سے بھاگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی وراثت کو منقطع کر دے گا۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۰۳)

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ

اور جس عورت نے عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (سلمان) مردوں کی گواہی

أَرْبَعَةٌ مِّنكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں

يَتَوَقَّهِنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝۱۵ وَالَّذِينَ

موت آ جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی (ادر) راہ پیدا کرے ۝ اور تم میں سے جو

يَأْتِيَنَّهُمَا مِّنْكُمْ فَاذْهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا

دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ، پس اگر وہ توبہ کریں اور نیک ہو جائیں تو ان

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۝۱۶ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ

درگزر کرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے ۝ توبہ کی مقبولیت اللہ پر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو

يَعْمَلُونَ الشُّوْعَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ

جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کریں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۷ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

اللہ (اپنے فضل سے تم) قبول فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ۝ اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو

قَالَ إِنِّي تُبْتُ إِلَيْنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كَافِرًا

وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو حالت کفر میں مرتے ہیں

أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝۱۸ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ جائز نہیں

يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا

کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور نہ تم ان کو اس لیے روکو کہ تم ان کو دیے ہوئے

بَعْضُ مَا اتَّيْمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

(مہرا میں سے کچھ واپس لے لو سوا اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں)

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ

تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝۱۹ وَإِنْ أَرَدْتُمْ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۰ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۱ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۲ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۳ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۴ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۵ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۶ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۷ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۸ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۲۹ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۳۰ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

أَفْئِدَتِكُمْ فِي مَا تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ فِي الْغَيْبِ فَاغْلُظْ عَلَيْهِ وَأَنْتُمْ مُبْصِرُونَ

كُوْنَا بِمِثْلِ مَا رَكَّعْتُمْ مِنْهُ فِى الْغَيْبِ ۝۳۱ وَإِنْ تَرَدَّدْتُمْ عَلَىٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں۔ (النساء : ۱۵)

عورتوں کی بدکاری پر ابتدائی سزا کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بدکاری پر انہیں سزا دینے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی درحقیقت ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کیونکہ سزا ملنے کے بعد جب وہ بدکاری سے باز آجائیں گی تو آخرت کی سزا سے بچ جائیں گی دوسری وجہ یہ بتلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن

سلوک کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہیں بے حیائی کے لئے بے لگام چھوڑ دیا جائے، اور قیسری وجہ یہ بتاتا ہے کہ احکام شرعی اعتدال پر مبنی ہیں، ان میں افراط اور تفریط نہیں ہے نہ یہ کہ عورت کو بالکل دبا کر رکھا جائے اور اس کے حقوق سلب کر لئے جائیں اور نہ یہ کہ اسے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کی بے راہ روی پر بھی اس سے محاسبہ اور مواخذہ نہ کیا جائے۔

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بدکاری سے مراد زنا ہے کیونکہ جب عورت کی طرف زنا کی نسبت کی جائے تو اس کا ثبوت اسی وقت ہوتا ہے جب اس کے خلاف چار مسلمان مرد گواہی دیں۔ اسلام میں ابتداءً اس کی یہ سزا تھی کہ ایسی عورت کو تاحیات گھر میں قید کر دیا جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ پیدا کر دے، اور وہ راہ یہ ہے کہ کنواری عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے اور اس راہ کا بیان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے :

امام مسلم بن حجاج قیسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لو، مجھ سے لو، اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کر دی، اگر کنوارہ مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے شریدر کر دو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو ان کو سو کوڑے لگاؤ اور ان کو سنگسار کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۶۹۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۳۹، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۵۵۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۲۲، صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۴۲۵)

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت اس وقت منسوخ ہو گئی جب زنا کی حد کے احکام نازل ہو گئے، اور ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ان کے نزدیک عورتوں کی بدکاری یا بے حیائی کے کام سے مراد زنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عورتوں کا اپنی جنس کے ساتھ لذت حاصل کرنا ہے، لیکن ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی نے یہ تفسیر نہیں کی، اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے کہ اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کر دی۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان آزاد) گواہ طلب کرو۔

حدود میں عورتوں کی گواہی نامعتبر ہونے کے دلائل

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانہ میں یہ سنت تھی کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورت کی گواہی جائز ہے نہ غلام کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۶۰-۵۹ مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۳۰-۳۲۹)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے تاکہ زنا کے ثبوت کے لئے بار ثبوت سخت ہو زنا کے ثبوت کے لئے یہ کڑی شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں اور کوئی شخص دو جھوٹے گواہ پیش کر کے کسی کو بلاوجہ مستم نہ کر سکے، اگر کوئی شخص چار مسلمان گواہ پیش نہ کر سکا تو اس پر حد قذف لگے گی جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور جس نے کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر چار گواہ نہ ہوں تو بندوں کا پردہ رہے گا یا اس لئے کہ زنا کا ارتکاب مرد اور عورت کرتے ہیں اور ہر دو کو سزا ملتی ہے اس لئے اس میں چار گواہ مقرر کئے گئے تاکہ ہر ایک کے حق میں دو دو گواہ ہوں اور نصاب شہادت مکمل ہو جائے لیکن یہ کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔

حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب

چار مرد گواہوں کی شرط پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مثلاً "لڑکیوں کے ہوٹل میں ایک لڑکی کی جبرا" اور ظلماً عصمت دری کی گئی اور موقع پر صرف لڑکیاں ہیں یا کسی صورت میں کوئی بھی نہیں ہے وہ لڑکی کیسے انصاف حاصل کرے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ سزا اس وقت دی جاتی ہے جب قانونی تقاضے پورے ہوں مثلاً "اگر جنگل میں جہاں کوئی نہ ہو وہاں کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاتل کو سزا نہیں ملے گی ایسی صورتوں میں مجرم دنیاوی سزا سے توبہ ہو جائے گا لیکن اخروی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟

ایک وحشت زدہ کنواری لڑکی جس کا لباس تار تار اور خون آلود ہے روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً "موقع واردات پر گرفتار کر لیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس قریبہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہوگی یا بغیر چار مرد گواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حد قذف لگائی جائے گی؟ اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے یقیناً "یہ قوی قریبہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تعزیراً "سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بو کی بناء پر شراب کی حد تو جاری نہیں کرتے لیکن تعزیراً "سزا دیتے ہیں، باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چار مرد گواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے اس لئے اس لڑکی پر حد قذف لگنی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو مستم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے مسلمانوں میں ایک فحش بات کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے، اس کے علاوہ اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے مثلاً "ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لئے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہو جائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا

کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے، اور نہ ان کلمات سے اس شخص پر حد قذف لازم ہوگی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصود اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور متہم کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان سے درگزر کرو۔

”دو شخصوں کی بے حیائی“ کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد کنوارہ مرد اور کنواری عورت ہے اور اس سے پہلی آیت میں شادی شدہ عورتیں مراد تھیں اس کی دلیل یہ ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی نے کہا اس آیت میں کنواری لڑکیاں اور کنوارے لڑکے مراد ہیں جن کا نکاح نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کو (مار پیٹ سے) ایذا پہنچاؤ۔ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

بعض نے کہا پہلی آیت میں زنا کار عورتیں مراد تھیں اور ان کی سزا یہ تھی کہ ان کو ان کے گھروں میں مقید کر دو اور اس آیت میں زنا کار مرد مراد ہیں اور ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مار پیٹ سے ایذا پہنچاؤ، اس کی دلیل یہ ہے کہ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے اس آیت سے زنا کرنے والے مرد مراد ہیں، اور بعض نے کہا اس آیت میں مرد اور عورت دونوں مراد ہیں خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مار پیٹ کر ایذا پہنچائی جائے یہ عطا اور حسن بصری کا قول ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۰، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

ایذا پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس بے حیائی پر ملامت کی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے اور مار پیٹ کی جائے۔ حسن بصری کا قول یہ ہے کہ عورتوں کو پہلے ملامت کی جائے اور مارا جائے اور پھر گھر میں قید کر دیا جائے اور اس آیت کا حکم مقدم ہے اور اس سے پہلے والی آیت کا حکم موخر ہے، بہر حال جمہور تفسیرین کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا حکم سورہ نور سے منسوخ ہو گیا جس میں کنواروں کے لئے زنا کی حد سو کوڑے بیان کی گئی ہے اور احادیث متواترہ سے جن میں شادی شدہ زانیوں کی حد رجم (سنگسار کرنا) بیان کی گئی ہے البتہ ابو مسلم کے نزدیک پہلی آیت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی جنس کے ساتھ شہوانی لذت حاصل کرتی ہیں اور دوسری آیت سے مراد وہ مرد ہیں جو ایک دوسرے سے عمل قوم لوط (اغلام) کر کے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ابو مسلم کے نزدیک یہ دونوں آیتیں منسوخ نہیں ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ صحابہ کرام اور فقہاء تابعین نے عمل قوم لوط کی حرمت پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا تاہم چونکہ یہاں اغلام کی بحث آگئی ہے اس لئے ہم اغلام کی حرمت پر قرآن مجید اور احادیث سے دلائل کا ذکر کریں گے۔

اغلام کی حرمت پر قرآن مجید کی آیات

وَلَوْ طَلَا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرَّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاءِ ۚ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ (الاعراف : ۸۱-۸۰)

اور لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کی ○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم (انسانیت کی) حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

وَلَوْ طَا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ۝ أَنْتُمْ كُنْتُمْ لَنَا تَوْنًا لِّجَالِ شَهْوَةٍ مِّنْ دُونِ التَّسَالُفِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ

اور لوط کو (یاد کیجئے) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم (آپس میں) دیکھتے ہوئے بے حیائی کرتے ہو ۝ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔

(النمل : ۵۵-۵۴)

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذِرِينَ ۝

اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی سو جو لوگ ڈرائے ہوئے تھے ان پر کیسی بری بارش ہوئی۔

(النمل : ۵۸)

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْصُودٍ ۝ مُّسَوِّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝

اور جب ہمارا عذاب آپنچا تو ہم نے (قوم لوط کی) بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کر دیا اور ہم نے ان پر لگاتار کنکر پتھر برسائے جو آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے اور پتھر برسانے کی یہ سزا ظالموں کے لئے مستعد نہیں ہے۔

(هود : ۸۳-۸۲)

اغلام کی حرمت پر احادیث اور آثار

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (اغلام، مرد کا اپنی جنس کے ساتھ بد فعلی کرنا) ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن ترمذی، رقم الحدیث ۱۳۵۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۵۶۳، المستدرک صحیح الاسناد : ج ۳ ص ۳۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو قاتل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۳۳۶۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۵۶، سنن ابن ماجہ : رقم الحدیث ۲۵۶۱، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۳۸۶)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان میں قتل (عام) ہو جاتا ہے اور جن لوگوں میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں موت کو مسلط کر دیتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرح کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۳۶، امام ذہبی نے بھی اس حدیث کی موافقت کی ہے)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات آدمیوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت کرتا ہے، اور ان میں سے ایک شخص پر تین بار لعنت کرتا ہے اور ہر ایک پر ایسی لعنت کرتا ہے جو اس کو کفن ہوگی۔ فرمایا : جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے، جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے، جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے، جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

کرے وہ ملعون ہے، جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے وہ ملعون ہے، جو کسی جانور سے بد فعلی کرے وہ ملعون ہے، جو شخص مل باپ کی نافرمانی کرے وہ ملعون ہے، جو شخص ایک عورت اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرے وہ ملعون ہے، جو شخص زمین کی حدود میں تبدیلی کرے وہ ملعون ہے، جو شخص اپنے مولا کے غیر کی طرف منسوب ہو وہ ملعون ہے۔ (محرز بن عارون کے سوا اس حدیث کی سند صحیح ہے جمہور کے نزدیک وہ ضعیف ہے، لیکن امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے، حاکم نے اس حدیث کو کہا یہ صحیح الاسناد ہے) (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۸۴۹۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار آدمی اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کے غضب میں شام کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا : وہ مرد جو عورت کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو شخص جانوروں سے بد فعلی کرے اور جو مرد، مرد سے بد فعلی کرے۔

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن سلام خزاعی کی حضرت ابو ہریرہ سے روایت غیر معروف ہے، امام بخاری نے کہا اس حدیث میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ امام ابن عدی نے کہا محمد بن سلام کی وجہ سے یہ حدیث منکر ہے، ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ترہیب میں معتبر ہے۔

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۶۸۵۲، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۳۸۵، کمال ابن عدی : ج ۶ ص ۲۲۳۳)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ عرب کے بعض قبائل میں ان کو ایک مرد ملا جو مرد کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے، حضرت ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو جمع کیا جن میں حضرت علی بھی تھے (رضی اللہ عنہما) حضرت علی نے فرمایا یہ ایک ایسا گنہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا تھا اور تمہیں معلوم ہے اللہ نے ان پر کیسا عذاب بھیجا، میری رائے ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے، پھر حضرت ابو بکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ (یہ حدیث حسن ہے) (شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۳۸۹)

امام بخاری عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلا دیا، حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا، کیونکہ نبی ﷺ نے اللہ کے عذاب کے ساتھ سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۶۹۲۲) چونکہ وہاں پر موجود حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا اور دیگر صحابہ نے اس مشورہ کی تائید کی۔

عمل قوم لوط کی حد یا تعزیر میں مذاہب اربعہ

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

درر غریب میں مذکور ہے کہ جو شخص عمل قوم لوط کرے اس کو تعزیر لگائی جائے گی مثلاً اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا، اور اس پر دیوار گرا دی جائے گی، اور اس کو کسی بلند جگہ سے الٹا کر کے گرا دیا جائے گا اور اس پر پتھر مارے جائیں گے اور الجاوی میں مذکور ہے کہ اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے، فتح القدیر میں مذکور ہے اس پر تعزیر ہے اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ وہ مرجائے یا توبہ کر لے، اور اگر وہ دوبارہ یہ عمل کرے تو اس کو امام سیاست "قتل کر دے" امام کی قید

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے (النہر والحر) اسی طرح استمناء حرام ہے، صحیح مذہب یہ ہے کہ جنت میں عمل قوم لوط نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو قبیح اور خبیث فعل قرار دیا ہے اور جنت اس عمل سے پاک ہے (فتح القدیر) الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ اس فعل کی حرمت عقلی ہے اس لئے جنت میں اس کا وجود نہیں ہوگا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرمت شرعی ہے، البحر میں مذکور ہے کہ اس کی حرمت عقلاً "شرعاً" اور طبعاً "زنا سے زیادہ شدید ہے اور زنا کی حرمت طبعاً" نہیں ہے کیونکہ جس عورت کی طرف طبیعت راغب ہو اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ کثیر ہو تو اس کو خرید کر اس سے شہوت پوری کی جاسکتی ہے، اس کے برخلاف اگر کسی لڑکے پر طبیعت راغب ہو تو اس سے قضاء شہوت کا کوئی جائز ذریعہ نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ کم درجہ کا جرم ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حد مجرم کو جرم سے پاک کر دیتی ہے (یہ امام شافعی کا قول ہے) بلکہ حد نہ ہونا اس جرم کی شدت کی وجہ سے ہے اور جو شخص اس عمل کو جائز سمجھے وہ جمہور کے نزدیک کافر ہے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المختار ج ۳ ص ۱۵۶-۱۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی حنفی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

زیادات میں مذکور ہے اس کے فاعل کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جب کہ فاعل عادی ہو خواہ اس کو قتل کر دے خواہ اس کو مارے اور قید کر دے، الاشباہ میں مذکور ہے جب تک وہ بار بار یہ فعل نہ کرے امام اعظم کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ علامہ بیہقی نے کہا ہے کہ دوبار اس فعل کے کرنے پر اس کو قتل کر دیا جائے گا، فتح القدیر میں ہے کہ اس کو بلندی سے گرانے کی سزا اس لئے ہے تاکہ قوم لوط کی سزا سے مشابہت ہو کیونکہ ان کی زمین کو الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ ابن الولید معتزلی نے کہا جنت میں اس فعل کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دنیا میں اس فعل سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور یہ فعل محل نجاست میں ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، اس لئے جنت میں شراب حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہوگا اور نہ عقل زائل ہوگی، امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ مردوں کی طرف جنسی میلان کرنا ان کے لئے باعث عار ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ قبیح ہے کیونکہ ان کو اس عمل کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اسی وجہ سے اس فعل کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا گیا، اس کے برعکس شراب بعض شریعتوں میں جائز تھی اور جنت کو باعث عار اور قاتل نفرت کاموں سے پاک رکھا گیا ہے، لیکن ابن الولید نہیں مانا اس نے کہا عار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نجاست کے ساتھ تکوین ہے اور جب جنت میں نجاست نہیں ہوگی تو عار بھی نہیں ہوگا، اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں نہ کہ چار اور اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔ (رد المختار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۵۶-۱۵۵ مطبوعہ بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب مالوردی شافعی متونی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

عمل قوم لوط سب سے بڑی بے حیائی کا کام ہے اس لئے اس پر سب سے بڑی حد ہے اس میں دو قول ہیں :

(۱) امام شافعی نے کہا ہے کہ شلوی شدہ ہو یا کنوارہ اس کو پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے (کتب الام ج ۷ ص ۸۳)

حضرت عبد اللہ بن عباس، سعید بن مسیب، امام مالک، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ قتل کرنے کے دو طریقے ہیں یا تو رجم کر دیا جائے یہ فقہائے بغداد کا قول ہے یا تلوار سے قتل کر دیا جائے یہ فقہائے بصرہ کا قول ہے۔

(۲) شلوی شدہ کو رجم کر دیا جائے اور کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سل کے لئے شہر بدر کر دیا

جائے۔ اس کی حد میں فاعل اور مفعول بہ برابر ہیں البتہ اگر مفعول ثانی بلغ ہو تو اس پر تعزیر ہے۔

(الحلوی الکبیر ج ۱ ص ۳۳ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۳۲۰ھ لکھتے ہیں :

امام احمد بن حنبل کے نزدیک عمل قوم لوط کرنے والے کی حد یہ ہے کہ اس کو رجم کر دیا جائے خواہ وہ شلوی شدہ ہو خواہ کنوارہ۔ امام احمد کا دو سراقول یہ ہے کہ کنوارے کو کوڑے لگائے جائیں گے اور شلوی شدہ کو رجم کیا جائے گا۔

(المغنی ج ۹ ص ۵۸ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن علی الخرشنی المالکی متوفی ۴۰۱ھ لکھتے ہیں :

جس شخص نے قوم لوط کا عمل کیا ہو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو رجم کر دیا جائے خواہ شلوی شدہ ہو یا غیر شلوی شدہ، فاعل کی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے خوشی سے یہ فعل کیا تھا یا مجبوراً، اگر مفعول بہ کے ساتھ جبراً یہ فعل کیا گیا یا بچہ کے ساتھ اس کی خوشی سے کیا گیا ہو تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا، اور صرف فاعل کو رجم کیا جائے گا اس کے ثبوت کے لئے بھی چار گواہ ضروری ہیں جس طرح زنا میں چار مرد گواہوں کی شرط ہے۔

(الخرشی علی مختصر سیدی ظلیل ج ۸ ص ۸۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس عمل پر حد ہے اور بہ ظاہر اس کا ثبوت بھی چار گواہوں سے ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہے کیونکہ اس کی سزا حد زنا کی طرح معین اور قطعی نہیں ہے نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد کا نہ ہونا تخفیف کے لئے نہیں بلکہ تغلیظ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً) قبول فرماتا ہے۔ (النساء : ۱۷)

جہالت سے گناہ کرنے پر مقبولیت توبہ کی تشریح

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب دو شخص بے حیائی کا کام کریں تو ان کو ایذا پہنچاؤ، اور جب وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول ہونے کی یہ شرط بیان فرمائی ہے جو جہالت سے کوئی گناہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہوگی، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جہالت سے کوئی گناہ کرنا تو مواخذہ اور گرفت کا مستحق ہی نہیں تو اس پر توبہ کرنے یا صرف اسی کی توبہ قبول ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوذر غفاری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میری امت کی خطا، نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا جائے اس سے درگزر فرمالیا۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۰۴۳) نیز قرآن اور حدیث کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عدا گناہ کرنے پر بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کے نزدیک معصیت کا ارتکاب جہالت ہے خواہ وہ معصیت عدا کی جائے، قرآن مجید میں ہے :

قَالَ رَبِّ السَّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (يوسف نے) دعا کی اے میرے رب مجھے قید خانہ اس گناہ کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو

الْجَاهِلِينَ (یوسف : ۳۳)

نے ان کا کرم مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

یوسف نے (اپنے بھائیوں سے) کہا کیا تم کو علم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا جب تم جاہل تھے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت آیات ہیں جن میں عدا "معصیت پر جہالت کا اطلاق کیا گیا ہے امام عبد الرزاق اور امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے کہا صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے خواہ عدا "ہو یا بغیر عدا کے (در منثور ج ۲ ص ۱۳۰)

(۲) زیر بحث آیت میں جہالت سے مراد اس فعل کی معصیت ہونے کی جہالت نہیں ہے بلکہ اس فعل پر جو عذاب مرتب ہوتا ہے اس کی جہالت مراد ہے۔

(۳) بعض اوقات انسان کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ فعل معصیت ہے اور اس پر عذاب ہوتا ہے لیکن وہ اس عذاب کی کیفیت اور اس کی مدت سے جاہل ہوتا ہے اس وجہ سے وہ معصیت کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

ان جوابات کی روشنی میں اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جو لوگ جہالت کا کام کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں، یا جو لوگ معصیت کے عذاب سے جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں تو صرف ان کے لئے توبہ کی قبولیت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت کے پہلے جزی میں بھی یہی فرمایا تھا کہ صرف ان کے لئے توبہ کی قبولیت ہے اور بعد میں بھی یہی فرمایا کہ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور یہ بہ ظاہر تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے پہلے جزی میں توبہ کی توفیق مراد ہے اور دوسرے جزی میں اللہ کا اپنے کرم سے حتماً توبہ کا قبول فرمانا مراد ہے اور یہ صرف اللہ کے کرم سے ہے اس میں بندہ کا کوئی استحقاق نہیں ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً) قبول فرماتا ہے۔

توبہ کی تعریف اس کے ارکان اور شرائط ہم نے آل عمران : ۱۳۳ میں تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ معصیت پر دل سے نادم ہونا اور دوبارہ اس معصیت کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرنا، اللہ تعالیٰ سے گذشتہ معصیت پر بخشش چاہنا، اور معصیت کا تدارک اور تلافی کرنا ہی توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مرتے ہیں (النساء : ۱۸)

غرض موت کے وقت توبہ کا قبول نہ ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ جو لوگ گناہ کرنے کے بعد جلد توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرما لیتا ہے

ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نزع روح کا وقت آ جاتا ہے اور وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس وقت ان کو اضطراری طور پر اللہ کے حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اس وقت وہ ایمان لے آئیں یا توبہ کر لیں تو وہ ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ اپنے اختیار سے اللہ کو حق ماننے اور توبہ کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تک غرغره موت (نزع روح) کا وقت نہ آئے اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۵۳۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۲۵۳، شرح السنۃ، رقم الحدیث : ۱۳۰۶، صحیح ابن حبان : ج ۲ ص ۶۲۸، مسند احمد : ج ۲ ص ۱۳۲، ج ۳ ص ۴۲۵)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی وہ اس کی غنقریب توبہ ہے۔ امام ابن جریر اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے روایت کیا ہے کہ موت سے پہلے ہر چیز غنقریب ہے۔ موت کے فرشتہ کو دیکھنے سے پہلے توبہ مقبول ہوتی ہے اور موت کے فرشتہ کو دیکھنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی۔ (الدر المنثور ج ۳ ص ۱۳۰، مطبوعہ ایران)

فرعون چونکہ موت کے فرشتے اور عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا :

حَتَّىٰ إِذَا دَرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ أَمُنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا
الَّذِي أَمُنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ
الْمُسْلِمِينَ ۝ أَلَّنْ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ
الْمُفْسِدِينَ ۝ (یونس : ۹۱-۹۰)

حتی کہ فرعون کو جب غرق نے گھیر لیا تو اس نے کہا میں اللہ پر
ایمان لایا جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ جس پر بنو
اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔
(فرمایا) تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا
تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لئے روکو کہ تم ان کو دیئے ہوئے (مہر) میں سے کچھ واپس لے لو۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں، اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے ○ (النساء : ۱۹)

زمانہ جاہلیت کے مظالم سے عورتوں کو نجات دلانا

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مسائل اور احکام بیان فرمائے تھے درمیان میں ایک مناسبت سے توبہ کا ذکر آگیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس موضوع کو شروع کر دیا، زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور ان کو ایذا پہنچاتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ایذا رسانی اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے اولیاء

(ورثاء) اس کی بیوی کے حق دار ہوتے تھے، اگر وہ چاہتے تو اس کا کہیں نکاح کر دیتے اور اگر چاہتے تو خود اس سے نکاح کر لیتے اور اگر چاہتے تو اس کا کہیں نکاح نہ کرتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر مجاہد ص ۱۵۰، تفسیر سفیان ثوری ص ۹۲، تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۲۹)

اس آیت میں یہ بتا دیا کہ کسی شخص کا زبردستی عورت کا وارث بن جانا ناجائز اور حرام ہے، نیز فرمایا: اور نہ تم ان کو اس لئے روکو، اس سے مراد یہ ہے کہ جب بیوہ عورت کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہے تو تم اس کو اس سے منع نہ کرو زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کے وارث اس کو اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے مگر ان کی گرفت سے آزاد ہو کر وہ اپنے مہر کا مطالبہ نہ کرے یا وہ اس عورت کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ وہ اپنے مہر کی رقم و رثاء کو دے کر اپنی خلاصی نہ کرائے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۳۰) یا پھر وہ عورت و رثاء کی قید میں مرجاتی اور وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مہر کی رقم پر قبضہ کر لیتے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سو اس صورت کے کہ وہ عورتیں علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں علی الاعلان بے حیائی سے کیا مراد ہے؟ عطا خراسانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد زنا ہے، یعنی اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کا شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے لے پہلے یہی حکم تھا بعد میں جب حدود کے احکام نازل ہوئے کہ کنواری کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ علی الاعلان بے حیائی سے مراد شوہر سے بغض رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنا ہے اگر عورت ایسا کرے تو شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو تم نے ان عورتوں کو اپنے عقد میں اللہ کی امانت سے لیا ہے، اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارے ان پر حقوق ہیں، اور تم پر ان کے حقوق ہیں، تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ آنے دیں، اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں، جب وہ یہ کر لیں تو دستور کے مطابق ان کا طعام اور پوشاک تم پر لازم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۱۲-۲۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الیث سمرقندی حنفی متوفی ۷۵۳ھ نے لکھا ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرے تو وہ اس سے دی ہوئی چیزیں واپس لے سکتا ہے۔ (تفسیر سمرقندی ص ۲۳۲-۲۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یا متصل، اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس میں عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر تفاسیر سے ظاہر ہے اگر یہ استثناء متصل ہو تو پھر اس میں بیوہ عورتوں کے و رثاء سے خطاب ہے کہ تم بیوہ عورتوں کے زبردستی وارث نہ بنو اور نہ تم ان کو اس لئے کسی جگہ نکاح کرنے سے روکو مگر تم ان کو دیئے ہوئے مہر سے کچھ واپس لے لو سو اس صورت کے کہ وہ زنا کریں پھر یہ طور سزا ان کے مہر سے کچھ رقم لے لو، لیکن حدود کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا اور تم ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو، یہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے، یعنی جب عورتیں

بے حیائی کا کام نہ کریں اور جائز اور نیکی کے کاموں میں تمہاری اطاعت اور مدد کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ان کو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ پھر فرمایا اگر تم ان کو ناپسند کرو، تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو، اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے، یعنی جس عورت کی شکل و صورت تم کو ناپسند ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے بہت حسین و جمیل اولاد پیدا ہو، اور نیک سیرت بچے ہوں جو بڑھاپے میں تمہارا سارا بنیں، اور ان کی نیکیاں تمہاری بخشش اور نجات کا ذریعہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو، اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مل دے چکے ہو تو اس مال میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم اس مال کو بہت باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے؟ (النساء : ۲۰)

زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو کوئی عورت ناپسند ہو اور اس کے علاوہ دوسری عورت پسند ہو اور تم یہ ارادہ کرو کہ تم اپنی عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کر لو تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مطلقہ عورت کو جو مہر دیا تھا اس کو واپس لے لو، خواہ وہ ڈھیروں مل کیوں نہ ہو، کیا تم اس عورت پر کوئی تہمت یا بہتان باندھ کر اس مال کو واپس لو گے؟ اور تمہارے لئے اس عورت سے مل لینا کس طرح جائز ہو گا حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ عمل ازدواج کر کے جسمانی قرب حاصل کر چکے ہو، اور تم اس عورت سے مہر پر عقد نکاح کر چکے ہو جس پر مسلمان گواہ ہو چکے ہیں اور اللہ بھی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۲۸-۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے۔

قنطار کا معنی

اس آیت میں عورت کو دی ہوئی رقم کے لئے قنطار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی مقدار میں حسب ذیل آثار ہیں: حضرت ابو ہریرہ نے کہا قنطار بارہ ہزار ہیں، ابو نضرہ العبدی نے کہا نیل کی کھل میں جتنا سونا بھرا جاسکے، حسن بصری نے کہا اس سے مراد بارہ ہزار ہیں، مجاہد نے کہا اس سے مراد ستر ہزار دینار ہیں، حضرت معاذ نے کہا اس سے مراد بارہ سو اوقیہ ہیں (ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہے) مجاہد سے ایک اور روایت ہے کہ اس سے مراد ستر ہزار مثقال ہیں۔

(سنن داری، رقم الحدیث : ۳۲۷۰-۳۲۶۳، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

تاہم اس آیت میں قنطار سے مراد ڈھیروں روپیہ ہے۔ امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۲۰ھ نے کہا اس سے مراد مال کثیر ہے (جامع البیان : ج ۴ ص ۲۱۳) اسی طرح علامہ آلوسی خفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی لکھا ہے اس سے مراد مال کثیر ہے۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۳۳)

حضرت عمر کا زیادہ مہر رکھنے سے منع فرمانا

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ انہوں نے اللہ کی حمد و ثناء کی پھر

فرمایا سنو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ رکھا کرو۔ اگر مجھے کسی کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کے باندھے

ہوئے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے تو میں آپ کے مقرر کردہ مہر سے زائد رقم کو بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ اس وقت قریش کی ایک عورت نے کہا اے امیر المومنین آیا اللہ کی کتاب پر عمل کرنا زیادہ حقدار ہے یا آپ کے حکم پر عمل کرنا؟ حضرت عمر نے کہا بلکہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا، اس عورت نے کہا آپ نے ابھی عورتوں کا زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا ہے حالانکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے : اگر تم نے کسی عورت کو قنطار (ڈھیروں مال) بھی دیا ہو تو اس سے واپس نہ لو، حضرت عمر نے فرمایا ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہ ہے آپ دو یا تین بار یہ فرما کر منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں نے تم کو زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا سنو اب جو شخص جتنا چاہے مہر رکھ سکتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث : ۵۹۸، مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث : ۱۰۳۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۳، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے اور جب اس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تو آپ نے فرمایا اے اللہ مجھے معاف فرما ہر شخص کو عمر سے زیادہ قرآن کی سمجھ ہے، اور زبیر بن بکار نے عبد اللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے کہ اس عورت کے اعتراض کے بعد حضرت عمر نے فرمایا مرد نے خطا کی اور عورت نے درست کیا۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۳) دوسری روایت کو حافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی عبد اللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۱) حضرت عمر کے علم پر شیعہ کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیعہ اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا تو وہ خلافت کے اہل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے مثلاً ”کوئی کہے کہ اگر فلاں شخص تمہارے بیٹے کو قتل کر دے پھر بھی تم اس کو معاف کر دینا اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح یہاں فرمایا کہ اگر تم عورت کو قنطار دو پھر بھی اس سے واپس نہ لینا۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے“ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں قنطار دینے کا ذکر ہے نہ یہ کہ قنطار بہ طور مہر دیا جائے اس لئے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور خاوند کا عورت کو بہہ کر کے واپس لینا صحیح نہیں ہے، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا سب سے آسان مہر ہو، حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے کہ عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر سہل ہو۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۳۵)

ہمارے نزدیک علامہ آلوسی کے یہ دونوں جواب صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور اس عورت کی رائے کو صحیح اور اپنی رائے کو خطا قرار دے کر اس سے رجوع فرمایا تھا اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی للیت اور بلند ہمتی کی دلیل ہے کہ بھرے مجمع میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمایا۔ رہا شیعہ کا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عالم کل ہونا لازم نہیں ہے، امام بخاری نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو جلادیا۔ حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو اور میں ان زندیقوں کو قتل کر دیتا، کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کر دو۔ (صحیح البخاری، رقم الحديث : ۲۶۲۲)
امام حسین بن محمد بغوی متوفی ۵۵۶ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا : ابن عباس نے سچ کہا۔ اور تمام اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

(شرح السنہ ج ۵ ص ۴۳۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ نے اس کا جواب دیا اس شخص نے کہا یہ مسئلہ اس طرح نہیں اس طرح ہے، حضرت علی نے فرمایا تم نے درست کہا اور میں نے خطا کی۔ وفوق کل ذی علم علیہم اور ہر علم والے سے زیادہ علم والا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عبد البر نے بھی اس اثر کو محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۳۱)
ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی ایک مسئلہ کا علم نہ ہونا خلافت کے منافی نہیں اور یہ حضرت علی کی عظمت ہے کہ انہوں نے حدیث کے سامنے ہونے کے بعد اپنے موقف سے رجوع فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس مال کو کیونکر واپس لو گے! جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں (النساء : ۲۱)

خلوت صحیحہ کی وجہ سے کامل مہر کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

اس آیت میں زن و شو کے لئے انشاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے، حضرت ابن عباس، مجاہد، اور سدی سے یہ روایت ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور اگر شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو طلاق کے وقت عورت صرف نصف مہر لینے کی مستحق ہے خواہ ان کے درمیان خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہو۔ زجلج کا بھی یہی مختار ہے، اور انشاء کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنبلی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

فرانے کہا ہے کہ انشاء کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان خلوت صحیحہ ہو، خواہ جماع ہو یا نہ ہو، اور اس سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے، کلبی نے کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی ایک بستر میں جمع ہوں تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ خاوند اس کے ساتھ جماع کرے یا نہ کرے، زرارہ بن اوفی متوفی ۹۳ھ نے بیان کیا ہے کہ خلفاء راشدین مہر تین نے یہ فیصلہ کیا کہ جس نے دروازہ بند کر کے پردہ ڈال دیا اس پر پورا مہر اور عورت پر عدت واجب ہو گئی (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۲۵) اور مقاتل نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ انشاء کا معنی جماع ہے اور ہمارے علماء رحمہم اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب خلوت صحیحہ ہو گئی تو پورا مہر اور عدت واجب ہو جائے گی خواہ جماع ہو یا نہ ہو۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۴۳، ۳۴۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا حالانکہ وہ عورتیں تم سے میثاق غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں۔ اس کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ قول ہے جو نکاح کرانے والے کہتے ہیں کہ ہم نے اس عورت سے تمہارا نکاح اس عہد و پیمان پر کیا

ہے کہ تم اس عورت کو دستور کے مطابق رکھو گے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو گے، اور ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد یہ قول ہے کہ تم نے ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پر عقد میں لیا ہے اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو ہو چکا، بے شک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔ (النساء : ۲۲)

باپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کے متعلق مذہب فقہاء عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا زناہ جاہلیت میں لوگ محرمات کو حرام قرار دیتے تھے لیکن اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے، اسی طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حرام قرار دے دیا۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کی ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام ہے، خواہ وہ عورت اس کے باپ کی بیوی ہو یا باندی ہو یا اجنبی عورت ہو جس سے اس نے زنا کیا ہو، اور یہ فقہاء احناف کا مذہب ہے، اور اکثر مفسرین کا مختار ہے، اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام نہیں ہے کیونکہ زنا قبیح بنفسہ ہے اس لئے وہ کسی امر مشروع کے لئے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امر مشروع سے مراد تحریم مصاہرت (سرالی رشتوں کی تحریم) ہے کیونکہ یہ ایک نعمت ہے اور نعمت کسی حرام چیز کو شامل نہیں ہوتی، ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے سبب سے ماں باپ ایک دوسرے کے جز ہو جاتے ہیں اسی لئے بچہ دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے، اور عورت کے اصول و فروع بچہ کیلئے مرد کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں اور مرد کے اصول و فروع بچہ کے لئے عورت کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں، اور باپ نے جس عورت سے مباشرت کی ہو اس سے بیٹے کا نکاح اس لئے حرام ہے کہ یہ مباشرت اولاد کا سبب ہے نہ اس لئے کہ یہ مباشرت بہ صورت زنا ہے۔ اسی طرح جس عورت کو باپ نے شہوت سے مس کر لیا ہو یا اس کی فرج کو شہوت سے دیکھا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے، اور امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، اور نکاح کا حقیقی معنی وطی اور مباشرت ہے۔ ایجاب اور قبول کا عقد نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے : **وَابْتَئُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ** اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔ (النساء : ۶)

اس آیت میں نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے، کیونکہ انسان جب وطی اور مباشرت کی صلاحیت کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تب ہی وہ بالغ ہوتا ہے ورنہ عقد تو بچپن میں بھی ہو سکتا ہے اور جوانی اور بڑھاپے میں بھی۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ پھر اگر اس کا شوہر اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت اس شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے کیونکہ دوسرے شوہر کے صرف عقد نکاح، اور نکاح کے دو

بول پڑھوانے سے وہ عورت پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے وطی نہ کرے۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً (النور : ۳)

زانی صرف زانیہ سے ہی نکاح کرتا ہے
اس آیت میں نکاح سے مراد اگر عقد لیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے اس لئے یہاں لامحالہ وطی اور مباشرت ہی مراد ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے نکاح الید ملعون (عنایہ القاضی ج ۱ ص ۳۹۹) ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے، یہاں نکاح سے مراد عقد نہیں ہو سکتا اس سے مراد بھی وطی اور مباشرت ہے، اور جن آیات میں نکاح عقد کے معنی میں ہے مثلاً "فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء : ۳) یا جس طرح آپ نے فرمایا النکاح سنتی (الجامع الکبیر ج ۸ ص ۸) وہاں نکاح مجازاً عقد کے معنی میں ہے۔

امام اللغۃ امام اسماعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں :
نکاح کا معنی وطی ہے اور کبھی یہ عقد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۲۱۳، مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۹۶ھ)
علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :
ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور تزوج کو بھی نکاح کہتے ہیں کیونکہ تزوج وطی مباح کا سبب ہے۔ (لسان العرب : ج ۲ ص ۶۲۶، مطبوعہ قم ایران ۱۳۰۵ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :
نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وطی کے لئے عقد کرنے کو بھی نکاح کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وطی مباح کا سبب ہے، قرآن مجید میں نکاح عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ وطی، جماع کے لئے صریح ہے، اور عقد جماع سے کنایہ ہے اور بلاغت اور ادب کے بھی موافق ہے، اسی طرح زمخشری اور راغب اصفہانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔
(تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۲۲۲، مطبوعہ المطبعة الخیریہ ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :
باپ کی منکوحہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے کیونکہ نکاح، جماع اور تزوج (شادی) دونوں کو کہتے ہیں پس اگر باپ نے کسی عورت سے شادی کی ہو یا بغیر نکاح کے کسی عورت سے وطی کی ہو تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیتے تھے۔ عمرو بن امیہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور اس سے مسافر اور ابو معیط دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ابو قیس ایک صالح انصاری تھے وہ فوت ہو گئے تو ان کے بیٹے قیس نے اپنے باپ کی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا اس نے کہا میں تو تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گی۔ اس نے آکر آپ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۰۲-۱۰۳، مطبوعہ ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الفرج علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :
نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے، کیونکہ نکاح کا معنی جمع کرنا ہے اور جمع صرف وطی میں ہے اور عقد اس کا سبب ہے اس لئے عقد کو بھی نکاح کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۲، مطبوعہ بیروت ۱۳۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باپ کی مدخلہ سے بیٹے کا نکاح کرنا مطلقاً حرام ہے خواہ دخول نکاح سے ہو خواہ زنا سے، اور امام شافعی کے نزدیک باپ کی منکوحہ سے بیٹے کا نکاح حرام ہے اور باپ کی مزنہ سے بیٹے کا نکاح حرام نہیں ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی سزا

باپ کی منکوحہ بیٹے کی ماں ہے اور جو شخص اپنی ماں یا کسی اور محرم کے ساتھ نکاح کرے اس کی سزا اسلام میں یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے۔ امام ابو داؤد براء کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے چچا نے مجھے اس شخص کو قتل کرنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لئے بھیجا جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا (سنن ابو داؤد رقم الحدیث : ۴۳۵۷) امام ابو حنیفہ اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں جو شخص اپنی محرم سے نکاح کرے اس کو تعزیراً قتل کر دیا جائے اور جو شخص اس کے ساتھ زنا کرے اس پر حد جاری کی جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری بیوپیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور

أَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي

تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے

حُجُورُكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا

تم محبت کر چکے ہو، اور اگر تم نے ان بیویوں

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ

سے محبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے نسلی بیٹیوں کی بیویاں، اور تم

مِّنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

اسلام کیا گیا ہے (یکہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے،

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ

بیشک اللہ بہت بخشنے والا ہے ۵ اور تم پر حرام کی گئی ہیں وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں

إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا

مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ، یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے، اور ان کے علاوہ سب عورتیں

وَمَا آءَ ذَلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرِ مُسَافِحِينَ ۚ

تم پر حلال کی گئی ہیں، کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو، دراصل حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

نہ کہ محض عیاشی کرنے والے ہو، پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی ہے، تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کر

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرَاءَوْا مِنْهُنَّ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ ۚ

وہ (یہ اللہ کا کیا ہوا) فرض ہے، اور مہر مقرر کرنے کے بعد جس (کمی بیشی) پر تم باہم راضی ہو گئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بیشک

اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ

اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ۵ اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی ٹالی

يَتَّكِهَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمِنْ

طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی ملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے)

فَتَيْتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِنْ

اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جانتے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس

بَعْضٌ فَأُنْكِحُوهُنَّ بِأَذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ

سے ہو، تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو

بِالْعُرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرِ مُسَفِّحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ

دراصل حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں، بدکار نہ ہوں، نہ غیروں سے آشنائی کرنے

أَحْدَانٍ فَإِذَا أَحْصَيْتَ فَإِنَّ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ

والی ہوں ، اور جب وہ قلمہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری)

مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَذَابَ

عورت کی آدمی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو

مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ع ۲۵

اپنے نفس پر چلنی کا خدشہ ہو، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

محرمات نکاح کا بیان

جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام کیا گیا ہے ان کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جن سے نسب اور نسل کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کے ساتھ رضاعت (دودھ شریک ہونے) کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور تیسری قسم وہ ہے جن کے ساتھ نکاح کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا اس کو عربی میں مصاہرت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے نسبی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی پھر رضائی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی اور پھر نکاح کے رشتوں کی وجہ سے حرمت بیان فرمائی ہم بھی اسی ترتیب کے ساتھ احادیث اور فقہاء کے حوالوں سے ان رشتوں کی تفصیل بیان کریں گے۔

نسبی محرمات کی تفصیل

محرمات نسبہ میں مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دامنہ حرام ہے۔ ماؤں میں داوی، پرداوی، نانی اور پر نانی اور ان سے بھی اوپر کی دایاں اور نائیاں داخل ہیں اور بیٹیوں میں اس کی اپنی بیٹی، اس کی پوتی، پر پوتی اور اس سے نچلے درجہ کی بیٹیاں سب داخل ہیں، اور بہنوں میں عینی (سگی) علاقائی (باپ کی طرف سے سوتیلی) اخینائی (ملاں کی طرف سے سوتیلی) بہنیں داخل ہیں، اسی طرح بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجہ کی بھی داخل ہیں، اور پھوپھیوں میں اس کے باپ کی عینی بہن، علاقائی بہن اور اخینائی بہن داخل ہیں۔ اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ملاں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں اور ان سے اوپر کے درجہ کی بھی، اور عینی اور علاقائی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے اور اخینائی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام میں ہے یعنی باپ کی اخینائی بہن کی پھوپھی، اور خالائوں میں ملاں کی سگی بہن، ملاں کی علاقائی بہن اور ملاں کی اخینائی بہن سب حرام ہیں اور عینی خالہ کی خالہ اور اخینائی خالہ کی خالہ بھی حرام ہیں البتہ علاقائی خالہ کی خالہ حرام نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

خانی محرمات کی تفصیل

لام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جن رشتوں کو ولادت کی وجہ سے حرام کیا ہے ان کو رضاعت کی وجہ سے بھی حرام کر دیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۳۸۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۴۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۵۰)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو رشتہ نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۳۰۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک مرد بیٹھا ہوا تھا، آپ پر وہ شاق گزرا اور میں نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے۔ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے آپ نے فرمایا اپنے رضاعی بھائیوں کے متعلق غور و فکر کیا کرو کیونکہ رضاعت اس مدت میں ثابت ہوتی ہے جب صرف دودھ سے بھوک مٹے (یعنی جس زمانہ میں اس کی غذا صرف دودھ ہو)۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۵۵)

مدت رضاعت میں دودھ کم پیا ہو یا زیادہ اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے (ہدایہ) قلیل کا معیار یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں پہنچ جائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے (فتاویٰ قاضی خان) مدت رضاعت گزرنے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ تحریم (ہدایہ) حرمت رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے (ظہیر) دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول اور فروع حرام ہیں خواہ وہ اصول اور فروع نسباً ہوں یا رضاعی، حتیٰ کہ دودھ پلانے والی کا اس شخص (شوہر) سے یا کسی اور سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے یا اس شخص (شوہر) کا کسی اور عورت سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے تو یہ سب اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہیں اور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے، اور دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا اور دادی کا حکم ہے، اور رضاع میں حرمت مصاہرت بھی ثابت ہوگی حتیٰ کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والے پر حرام ہوگی اور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۳۴۳-۳۴۲، مطبوعہ امیرہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

رشتہ نکاح کے سبب محرمات کی تفصیل

نکاح کے سبب محرمات کی چار قسمیں ہیں :

(۱) بیویوں کی مائیں اور ان کی دادیاں خواہ اوپر کے درجہ میں ہوں۔ (۲) بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد۔ (۳) بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی، نواسے کی بیوی خواہ نیچے کے درجہ میں ہوں۔ (۴) باپ اور دادا کی عورتیں خواہ وہ علقاتی ہوں یا اخیانی۔ یہ سب عورتیں دایماً حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا۔ نبی ﷺ نے اس کے ساتھ اور رشتے بھی لاحق فرمائے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بسحستانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے اور نہ پھوپھی کا اس کی بھتیجی پر نکاح کیا جائے اور نہ کسی عورت کا اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے اور نہ خالہ کا اس کی بھانجی پر نکاح کیا جائے اور نہ (رشتہ میں) بڑی کا چھوٹی پر اور نہ (رشتہ میں) چھوٹی کا بڑی پر۔ (یہ پہلے جملوں کی تاکید ہے۔)

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۰۶۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۲۹)

اس نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رحم کے رشتے ہیں اور سوکنوں میں عداوت اور جلاپا ہوتا ہے سو اگر دو بہنوں یا خالہ اور بھانجی دونوں کو ایک نکاح میں جمع کر لیا جائے تو یہ صلہ رحم کے منافی ہے اور قطعیت رحم کو مستلزم ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں نہ جمع کیا جائے خواہ وہ نسبی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں میں سے جب بھی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے (محیط) اس لئے ایک عورت اور اس کی نسبی یا رضاعی پھوپھی یا خالہ کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۷، مطبوعہ امیر یہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک ہو جاؤ۔ یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔ (النساء : ۲۳)

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق

میدان جنگ میں جو کافر قید ہو جائیں ان کو غلام بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور جو کافر عورتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں اور قید ہو جائیں ان کو باندیاں بنالیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان باندیوں کے ساتھ ان کے مالک بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتے ہیں۔ مخالفین اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں انسانوں کو غلام اور باندیاں بنالیا جاتا ہے اور یہ شرف انسان کے خلاف ہے بلکہ تذلیل انسانیت ہے۔ اس اعتراض کی وجہ اس مسئلہ سے ناواقفیت ہے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس، جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کئے جاتے رہے اور ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور ان کو آزاد کرنے پر جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا، نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنلایا جائے بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے یا جسمانی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دیا جائے یا ان کو لونڈی اور غلام بنالیا جائے چونکہ اس زمانہ میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا اس لئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں تو تم بھی مکافات عمل کے طور پر ان کے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں تو تم بھی ان کے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو اور اگر وہ تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں تو تم بھی ان کے

جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیں تو مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ مُحْتَسِبًا
إِذَا أَتَخْتَمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوُثَاقَ فَمَا مَتًا بَعْدَ
وَمَا فِدَاءٌ حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا
جب تم کافروں سے نیرو آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو یہل تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر یا تو ان پر محض احسان کر کے ان کو آزاد کر دو یا ان سے (ملی یا بدنی) فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔ (محمد : ۴)

اور اگر کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنائیں تو مکافات عمل کے طور پر ان کے جنگی قیدیوں کو بھی لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ : ۴۰)
اور برائی کا بدلہ تو اس کی مثل برائی ہے
اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنانے کی ہدایت نہیں دی ہے۔
ہم نے قرآن مجید کی آیت سے یہ بیان کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا ملی یا جانی فدیہ لے کر آزاد کرنا اسلام میں جائز ہے اب ہم اس پر احادیث سے دلائل پیش کر رہے ہیں مکہ جنگ سے فتح ہوا تھا اور تمام اہل مکہ جنگی قیدی تھے پھر نبی ﷺ نے اتنا "ان کو آزاد کر دیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (صحیح مسلم 'رقم الحدیث : ۱۷۸۰، صحیح ابن حبان 'رقم الحدیث : ۳۷۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۲، ۵۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۳ ص ۴۷۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۸، مطولاً و مختصراً)
امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللہ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف اسی نے تمام لشکروں کو شکست دی، سنو زمانہ جاہلیت کی ہر زیادتی، ہر خون اور ہر مال آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے یہل کعبہ کی چوکھٹ اور حجاج کی سبیل پر، اے قریش کی جماعت! اللہ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دوا پر فخر کو دور کر دیا ہے، تمام انسان آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ اے قریش کی جماعت تمہارا کیا گمان ہے میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (مختصراً)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام علی ہامش الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ فاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص ۲۳۲)
امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس خطبہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۱۸، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

علی فدیه کے بدلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث
نبی ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیه لے کر رہا فرمایا تھا۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جیسر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا
اور وہ مجھ سے ان بدو داروں (قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو آزاد کر دیتا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳۹۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۶۸۹، مسند حمیدی، رقم الحدیث : ۵۵۸، مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث :
۷۲۲، شرح السنہ، رقم الحدیث : ۲۷۱۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۶۷، مسند احمد ج ۳ ص ۸۰، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۱۵۰۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے فدیه لے کر (قیدیوں کو) آزاد کر دیا۔

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کے لئے چار سو
(درہم) فدیه مقرر فرمایا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۶۹۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے لئے فدیه کی رقم بھیجی تو حضرت
زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے فدیه کے لئے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے
ان کی ابو العاص سے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہو
گئی اور آپ نے فرمایا : اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو (بلا معلوضہ) آزاد کرو اور ان کا ہار ان کو واپس کر
دو۔ صحابہ نے کہا ٹھیک ہے، اور نبی ﷺ نے ابو العاص سے وعدہ لے لیا یا اس نے از خود وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی
اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہما کو بھیجا
اور فرمایا تم بطن یا حج میں ٹھہرنا حتیٰ کہ تمہارے پاس سے (حضرت) زینب گزریں وہ دونوں حضرت زینب کو حضور کے پاس
لے کر آئے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۶۹۲، المستدرک ج ۳ ص ۲۳، مسند احمد ج ۶ ص ۷۷)

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا چار سو درہم فدیه مقرر کیا تھا، عباس نے کہا ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو وہ مال کہاں ہے جس کو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں
اس مہم میں کام آگیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل، عبداللہ اور قثم کے لئے ہو گا۔ عباس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ
ﷺ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

امام بخاری اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض انصار نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب
کی اور عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے عباس سے فدیه نہ لیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بہ
عنا تم ان سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔ آپ نے بعض سے چار ہزار فدیه لیا بعض سے دو ہزار، بعض سے ایک ہزار اور
بعض پر احسان کر کے ان کو بلا فدیه آزاد کر دیا۔

اہل مکہ کو لکھنا آتا تھا اور اہل مدینہ کو لکھنا نہیں آتا تھا، جن اہل مکہ کے پاس مل نہیں تھا آپ نے ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں اور جب وہ لڑکے لکھنے میں ماہر ہو گئے تو وہ آزاد کر دیئے گئے، حضرت زید بن ثابت نے بھی ان ہی سے لکھنا سکھا تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۶۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

مسلمان قیدیوں سے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث نبی ﷺ نے تبادلہ میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے درآں حالیکہ وہ بندھا ہوا تھا اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حجاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ یعنی عضباء، اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف کے بدلہ میں پکڑا ہے پھر آپ چلے گئے اس نے کہا یا محمد! یا محمد! رسول اللہ ﷺ مہربان اور رقیق القلب تھے، آپ لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں! آپ نے فرمایا اگر تو گرفتار ہونے سے پہلے یہ کتا تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا آپ چلے گئے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد! یا محمد! (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا اور پیاسا ہوں مجھے کھانا اور پانی دیجئے آپ نے اس کی حاجت پوری کی، پھر اس کو ان دو مسلمانوں کے بدلہ میں آزاد کر دیا گیا جن کو ثقیف نے پکڑا تھا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۶۴۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۳۲۱، مسند حمیدی، رقم الحدیث : ۸۲۹، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۳۸۵۹، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث : ۹۳۹۵، مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۰، ۳۴۳، سنن بیہقی ج ۹ ص ۷۲، دلائل النبوة للسیوطی ج ۴ ص ۱۸۸، المعجم الکبیر للبرانی ج ۱۸ ص ۴۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رات کے آخری حصہ میں اتریں، پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا گیا، اور ہم ان کے پانی پر پہنچے اور جس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا، میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو سب ٹھہر گئے میں ان سب کو گھیر کر لے آیا، ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی، میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا حضرت ابو بکر نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی، ہم مدینہ پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے بھی نہ اتارے تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے بہہ کر دو، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس بھی نہیں اتارا، اگلے دن میری پھر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے دے دو تمہارا باپ بہت اچھا

جنگی قیدیوں کو مال کے بدلہ آزاد کرنے، جنگی قیدیوں کے بدلہ آزاد کرنے، اور بلا معاوضہ آزاد کرنے کے متعلق ہم نے احادیث بیان کی ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی آراء بھی بیان کر دیں :

جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ مکمل الدین محمد بن عبدالواحد بن حمام حنفی متونی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے قدوری اور صاحب ہدایہ کا یہی مختار ہے، اور امام ابو حنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، مگر عورتوں کا فدیہ لینے میں ان کا اختلاف ہے اور امام احمد نے بچوں کا بھی فدیہ لینے سے منع کیا ہے اور سیرکیر میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کا فدیہ لیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ظاہر روایت یہی ہے، امام ابو یوسف نے کہا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا فدیہ لیا جائے بعد میں نہیں اور امام محمد نے فرمایا ہر حال میں ان کا فدیہ لے لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر جنگی قیدی کافروں کو لوٹا دیئے گئے تو وہ ان کی قوت اور مسلمانوں کے لئے ضرر کا باعث ہوں گے اور دوسرے قول اور تمام ائمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدی کو قتل کرنے یا اس کو غلام بنانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مسلمان قیدی کو کافروں سے چھڑا لیا جائے کیونکہ مسلمانوں کی حرمت بہت عظیم ہے، اور جنگی قیدی کو ان کے حوالے کرنے سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کی جو دلیل دی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کے بدلہ میں ہمارا مسلمان قیدی ہمارے پاس آجائے گا تو اس ضرر کا توڑ ہو جائے گا اور یہ معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اس کے علاوہ ایک مسلمان کو کافروں کی قید سے چھڑانے کی فضیلت اور اس کو اللہ کی عبادت کرنے کا موقع فراہم کرنا اس پر مستزاد ہے اور جب کہ یہ نبی ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۶۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

کافر جنگی قیدی کو مسلمان قیدی کے بدلہ میں آزاد کیا جائے یا مال کے بدلہ میں، قول مشہور کے مطابق پہلی صورت جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ سیرکیر میں ہے۔ امام محمد نے فرمایا جب ان قیدیوں سے نسل متوقع نہ ہو جیسے شیخ فلانی پھر بھی ان کے تباولہ میں کوئی حرج نہیں ہے (الاختیار) قیدیوں کے تباولہ میں اختلاف ہے لیکن محیط میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ جائز ہے اس کی پوری بحث قسطنطنیہ میں ہے، اور زیلعی نے سیرکیر سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ظاہر قول جواز ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ ثلاثہ سے بھی یہی منقول ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے دو مسلمانوں قیدیوں کا دو مشرک قیدیوں سے تباولہ کیا اور ایک عورت کے بدلہ میں مکہ میں قید بہت سے مسلمانوں کو آزاد کرایا (ہدایہ، قدوری) اور دیگر متون میں جو مذکور ہے قیدیوں سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جب ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ لینا بھی جائز ہے اور مسلمان قیدیوں سے تباولہ بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

لیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قلیل اعتراض ہے

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام میں اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی خواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؟ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کے میں نے قبول کیا، اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب و قبول کر لیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے، آخر ایجاب و قبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکل مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب و قبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کر دیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب و قبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں، بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لئے جائز نہیں ہے، اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے، اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قلیل اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قلیل اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کو مالکوں پر حلال کر دیا ہے بشرطیکہ اس کا باندی ہونا شرعاً صحیح ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳)

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء : ۲۴)

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْرُوسِهِمْ حَافِظُونَ ۖ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (المؤمنون : ۵۶) (المعارف : ۳۰-۲۹)

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں باندیوں کے ساتھ مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ عقد نکاح میں عورت اپنے اختیار سے یہ عقد کرتی ہے جب کہ جب باندی کو بہہ کیا جاتا ہے یا اس کو فروخت کیا جاتا ہے تو اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی پلاش میں بہ طور سزا اس کا یہ اختیار سلب کر لیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب سے دنیا میں لونڈی اور غلام

بنانے کا رواج ہوا لونڈیوں کے ساتھ یہی معاملہ روار کھا گیا ہے اس لئے اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو ان کے ساتھ بھی عمل مکافات کے طور پر یہی معاملہ روار کھا گیا، لیکن جو شخص کسی باندی کے ساتھ مباشرت کرتا ہے اور اس سے اولاد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حقیقی اولاد اور اس کی وارث ہوتی ہے اور وہ باندی ام ولد ہو جاتی ہے اور اس شخص کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے، اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بہت اقدامات کئے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہت بشارتیں دی ہیں، ہم ان شاء اللہ النساء : ۳۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کے نتیجہ میں اب دنیا سے غلامی کا چلن ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء : ۲۴)

مہر کے مال ہونے پر دلیل

اس آیت میں امام اعظم ابو حنیفہ کی یہ دلیل ہے کہ مہر مال ہوتا ہے۔ بعض شوافع اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ عرف عام میں مال کو مہر قرار دیا جاتا ہے اس لئے یہاں مال کا ذکر کیا گیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لئے بہہ کر دیا ایک شخص نے جب دیکھا کہ آپ کو اس حاجت نہیں تو اس نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ جب اس شخص کو مہر کے لئے کچھ نہ مل سکا تو آپ نے اس سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے آپ نے فرمایا تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن بھی مہر ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن مہر کا بدل نہیں ہے آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا اور اس شخص پر مہر مثل واجب تھا۔ اس پر تفصیلی بحث ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض تمتع کیا ہے (لذت حاصل کی ہے) تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کر دو۔ (النساء : ۲۴)

جواز تمتع پر علماء شیعہ کے دلائل

مشہور شیعہ مفسر ابو علی فضل بن الحسن الطبرسی من القرن السادس لکھتے ہیں :

اس آیت سے مراد نکاح المنعہ ہے اور یہ وہ نکاح ہے جو مہر معین سے مدت معین کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، سدی، ابن سعید اور تابعین کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے، اور ہمارے اصحاب امامیہ کا یہی مذہب ہے اور یہی واضح ہے کیونکہ لفظ استمتاع اور تمتع کا لفظی معنی نفع اور لذت حاصل کرنا ہے لیکن عرف شرع میں وہ اس عقد معین کے ساتھ مخصوص ہے۔ خصوصاً جب اس لفظ کی عورتوں کی طرف اضافت ہو اس بناء پر اس آیت کا یہ معنی ہو گا جب تم ان سے تمتع کرو، تو ان کو اس کی اجرت دے دو، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماع کے بعد مہر کو واجب نہیں کیا بلکہ تمتع کے بعد مہر کو واجب کیا ہے اور حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اس آیت کی اس طرح قرأت کی ہے :

مَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاْتَوْهُنَّ
أَجُورَهُنَّ۔
ان کی اجرت (مہر) دے دو۔

اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس آیت میں استمتاع سے مراد عقد متعہ ہے۔
حکم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہیں کرے تو کسی بد بخت کے سوا کوئی زنا نہیں کرتا، اور عطائے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا ہے۔ نیز اس آیت میں لفظ استمتاع سے مراد متعہ ہے نہ کہ جماع اور انتقال، اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی جماع کیا ہے تو ان کو ان کا مہر ادا کر دو تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مہر واجب نہ ہو، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر مدخولہ کا بھی نصف مہر واجب ہوتا ہے۔ اس پر مزید تائید یہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں دو متعہ (متعہ نکاح اور تمتع بالجماع) حلال تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں، اور تمتع بالجماع بالاتفاق منسوخ نہیں ہے تو پھر تمتع بالنکاح بھی منسوخ نہیں ہو گا۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۵۳-۵۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۴۰۶ھ)

علماء شیعہ کے نزدیک متعہ کے فقہی احکام

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن سالم سے متعہ کا طریقہ پوچھا انہوں نے کہا تم یوں کہو اے اللہ کی بندی میں اتنے پیسوں کے عوض اتنے دنوں کے لئے تم سے متعہ کرتا ہوں، جب وہ ایام گزر جائیں گے تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۶، ۴۵۵، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۲۶ھ)
شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

منصور صیقل بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا مجوسی (آتش پرست) عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران ۱۳۶۵ھ)

زرارہ کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا متعہ صرف چار عورتوں سے کیا جاسکتا ہے؟ انہوں نے کہا متعہ اجرت کے عوض ہوتا ہے خواہ ہزار عورتوں سے کرلو۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۷)

عمر بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ میں فریقین کے درمیان میراث نہیں ہوتی۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۵۳)

شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین قمی متوفی ۳۸۱ھ لکھتے ہیں :

محمد بن نعمان نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کم از کم کتنی چیز کے عوض متعہ ہو سکتا ہے انہوں نے کہا دو مٹھی مکدم سے۔ تم اس سے کہو کہ میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق متعہ کرتا ہوں جو نکاح ہے زنا نہیں ہے اس شرط پر کہ نہ میں تمہارا وارث ہوں اور نہ تم میری وارث ہو، نہ میں تم سے اولاد کا مطالبہ کروں گا، یہ نکاح ایک مدت متعین تک ہے پھر اگر میں نے چاہا تو میں اس مدت میں اضافہ کروں گا اور تم بھی اضافہ کر دینا۔

(من لای بحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۲۴۹، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۶۱ھ)

شیخ روح اللہ طینی متعہ کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(۲۳۲۱) متعہ والی عورت اگرچہ حلالہ ہو جائے خبیث کا حق نہیں رکھتی۔

(۲۳۲۲) متعہ والی عورت (چار راتوں میں سے ایک رات) ایک بستر پر سونے اور شوہر سے ارث پانے اور شوہر بھی

اس کا وارث بننے کا حق نہیں رکھتا۔

(۲۳۲۳) متعہ والی عورت کو اگرچہ علم نہ ہو کہ وہ اخراجات اور اکٹھا سونے کا حق نہیں رکھتی تب بھی اس کا عقد

صحیح ہے اور نہ جاننے کی وجہ سے بھی شوہر پر کوئی حق نہیں رکھتی۔ (توضیح المسائل اردو، ۳۶۹، ۳۶۸، مطبوعہ سازمان تبلیغات)

علماء شیعہ کے جواز متعہ پر دلائل کے جوابات

علماء شیعہ نے الی اجل مسمى کی قرأت سے متعہ کے جواز پر جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قرأت شاذہ ہے قرآن مجید کی جو قرأت متواتر ہے حتیٰ کہ شیعہ کے قرآن میں بھی جو قرأت مذکور ہے اس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس لئے قرأت متواترہ کے مقابلہ میں اس قرأت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر جنگ خیبر کے موقع پر متعہ کو حرام کر دیا گیا، پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لئے متعہ حلال کیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کو دایماً حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کے جواز کے قائل تھے لیکن اخیر عمر میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور جب حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آپ نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا میرے نزدیک متعہ خون، مزار اور خنزیر کی طرح حرام ہے اور یہ صرف اضطرار کے وقت حلال ہے، یعنی جب نکل کرنا ممکن نہ ہو اور انسان کو غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو، لیکن اخیر عمر میں حضرت ابن عباس نے اس سے بھی رجوع کر لیا اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر نے اس سے منع کر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں تک متعہ کی حرمت نہیں پہنچی تھی وہ متعہ کرتے تھے حضرت عمر نے ان کو تبلیغ کر دی تو وہ متعہ سے باز آ گئے۔ حضرت عمر نے متعہ کو حرام نہیں کیا نہ یہ ان کا منصب ہے انہوں نے صرف متعہ کی حرمت بیان کی ہے جیسے اور دیگر احکام شرعیہ بیان کئے ہیں اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو کوئی بد بخت ہی زنا کرتا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ کی حرمت کو قرآن اور حدیث سے واضح نہ کرتے اور متعہ کی ممانعت پر سختی سے عمل نہ کراتے تو زنا بالکل ختم ہو جاتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سبرہ بن معبد جنہی رضی اللہ عنہم سے اباحت متعہ کے متعلق احادیث ہیں لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وطن میں متعہ کی اجازت دی گئی ہو، ان تمام احادیث میں یہ مذکور ہے کہ سفر میں متعہ کی اجازت دی گئی تھی۔ جہاں ان صحابہ کی بیویاں نہیں تھیں جب کہ وہ گرم علاقے تھے اور عورتوں کے بغیر ان کا رہنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے جہلو کے موقع پر ضرورتاً متعہ کی اجازت دی گئی حضرت ابن ابی عمر کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابتداء اسلام میں ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت تھی جیسے ضرورت کے وقت مردار کا کھانا مباح ہوتا ہے فتح مکہ کے موقع پر متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر تاکیداً اس تحریم کو دہرایا گیا ہم ان تمام امور پر باحوالہ احادیث پیش کریں گے۔

شیخ طبری نے لکھا ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی

ملع کیا ہے تو ان کا مراد کرو، تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مرد واجب نہ ہو حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیرہ خولہ کا بھی نصف مرد واجب ہوتا ہے، یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں ہے کہ تم صرف اسی عورت کا مراد کرو جس سے تم نے جماع کیا ہو۔

حرم متعہ پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَإِنْ كُنْتُمْ طَائِفًا مِّنَ النَّسَاءِ مَنَ لِي رَثَلَاثَ وَرُبْعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان سے نکاح کرو، دو سے تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے تو صرف ایک نکاح کرو یا اپنی کنیزوں پر اکتفاء کرو۔

یہ آیت سورہ نساء سے لی گئی ہے جو مدنی سورت ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قضاء شہوت کی صرف دو جائز صورتیں بیان فرمائی ہیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہیں، اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی باندیوں سے نفسانی خواہش پوری کر سکتے ہیں اور بس! اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان دو صورتوں کے ساتھ ذکر فرمادیتا اور اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے۔ لوائل اسلام سے لے کر فتح مکہ تک متعہ کی جو شکل معمول اور مباح تھی اس آیت کے ذریعہ اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

شیعہ حضرات کو اگر شبہ ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے لہذا نکاح کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کے لئے کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے اور متعہ میں عقد عارضی ہوتا ہے نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی کوئی حد نہیں۔ نکاح میں نفقہ، سکنی، نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء، ظہار، لعان اور طلاق عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں ان میں سے کوئی امر لازم نہیں ہے نہ عارض۔ لہذا نکاح اور متعہ دو متضاد حقیقتیں ہیں اور نکاح سے متعہ کا ارادہ غیر معقول ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَنْ فَنِيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (الی قولہ) ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ (النساء : ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کر لے۔ اور یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے شخص کے لئے صرف دو طریقے تجویز کئے گئے ہیں ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرہ کی زندگی گزارے اگر متعہ جائز ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے

کی صورت میں اس کو متعہ کی ہدایت دی جاتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کر سکتا اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں سے کرے اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا۔ متعہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَيْسَ تَعَفُّفٌ لِّلَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (النور : ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرمادیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو اگر متعہ جائز ہوتا تو نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی، جب کہ متعہ کی اجازت کی بجائے ضبط نفس کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کا کوئی تصور نہیں ہے۔

مُحْصِنَاتٍ غَيْرِ مُسَافِحَاتٍ (النساء : ۲۴)

در آں حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو نہ محض عیاشی کرنے والے۔

اور یہ واضح ہے کہ متعہ میں محض عیاشی ہوتی ہے اس میں متعہ والی عورت کا مرد پر نفقہ ہوتا ہے نہ اس کی طلاق ہے نہ عدت اور نہ وہ مرد کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے یہ محض عیاشی ہے۔ حفاظت صرف نکاح میں ہوتی ہے۔ حرمت متعہ پر احادیث سے دلائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کر دیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۲۲۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۳۰۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہم شہتہ الوداع پر اترے تو رسول اللہ ﷺ نے چراغوں کو دیکھا اور عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ جن عورتوں سے متعہ کیا گیا تھا وہ رو رہی ہیں آپ نے فرمایا نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو حرام کر دیا۔

(مسند ابویعلیٰ، رقم الحدیث : ۶۵۹۳، مطبوعہ مئوسۃ علوم القرآن بیروت، ۱۳۰۸ھ)

کیونکہ متعہ میں نہ طلاق ہوتی ہے نہ عدت اور نہ میراث، نہ اس کو نکاح کہا جاتا ہے بلکہ اس میں عورت کا نان نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسا کہ کتب شیعہ سے باحوالہ گزر چکا ہے اور نہ متعہ والی عورت پر بیوی کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں بیویوں کی وراثت بیان کی گئی ہے اور متعہ والی عورت وارث نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے امام بخاری نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اس کی سند کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم باہر گئے اور ہمارے ساتھ وہ عورتیں تھیں جن کے

متاحہ ہم نے متعہ کیا تھا جب ہم شیتہ الرکب پر پہنچے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے متعہ کیا تھا آپ نے فرمایا یہ قیامت تک کے لئے حرام کر دی گئی ہیں۔ (المعجم الاوسط : ۹۳۲، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض - ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی صدقہ بن عبد اللہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابو حاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا آپ نے متعہ کے جواز کا کیسا فتویٰ دیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا 'انا للہ وانا الیہ راجعون'، ان کی قسم میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا اور نہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا میں نے اسی صورت میں متعہ کو حلال کہا ہے جس صورت میں اللہ نے مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو حلال فرمایا ہے۔

(المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۱۰۶۰۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاة ثقہ ہے لیکن وہ مدلس ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا : سنو! اے لوگو! میں نے تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی تھی سنو اب اللہ نے متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے، سو جس شخص کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہے اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے وہ اس سے واپس نہ لے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عمرہ پر رحم فرمائے اگر وہ متعہ کی حرمت نہ بیان کرتے تو علی الاعلان زنا ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا سنو متعہ زنا ہے۔

(المصنف ج ۲، ص ۲۹۳-۲۹۲، مطبوعہ ادارة القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن ابی عمرہ انصاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے متعہ کے متعلق فتویٰ کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میں نے امام المتقین کے ساتھ متعہ کیا ہے، ابن ابی عمرہ نے کہا اللہ معاف فرمائے متعہ ضرورت کی بناء پر رخصت تھا جیسے ضرورت کے وقت مردار خون اور خنزیر کے گوشت کی رخصت ہوتی ہے۔

(المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۳۳)

ربیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو حرام کر دیا۔

(المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۳۳)

معمر اور حسن بیان کرتے ہیں کہ عمرہ القضاء کے موقع پر صرف تین دن کے لئے متعہ حلال ہوا تھا اس سے پہلے حلال

اتھانہ اس کے بعد۔ (المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۳۰، سنن سعید بن منصور، رقم الحدیث : ۸۳۲)

ربیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجتہ الوداع کے لئے مدینہ سے روانہ

ہے جب آپ مقام عسفلان پر پہنچے تو آپ نے فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ سراقہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ داما

ہے؟ آپ نے فرمایا دامنہ ہے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا پھر آپ نے ہم کو عورتوں سے متعہ کرنے کا حکم دیا ہم نے کہا ہم اس کو مدت معین کے لئے کریں گے آپ نے فرمایا کرو میں اور میرا ایک ساتھی باہر نکلے ہم دونوں کے پاس ایک ایک چادر تھی ہم دونوں ایک عورت کے پاس گئے اور ہم دونوں نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا اس نے میرے ساتھی کی چادر کی طرف دیکھا تو وہ میری چادر سے زیادہ غنی تھی اور میری طرف دیکھا تو میں اس سے زیادہ جوان تھا بلاآخر اس نے مجھ کو پسند کر لیا اور میں نے اپنی چادر کے عوض اس سے متعہ کر لیا میں اس کے ساتھ اس رات کو رہا جب صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ مدت معین کے لئے متعہ کیا ہے تو وہ اس کو طے شدہ چیز دے دے اور جو اس کو دے رکھا ہے اس سے واپس نہ لے لے اور اس سے الگ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے متعہ حرام کر دیا ہے۔

(المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۴۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۳)

حضرت ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ زنا ہے۔ (المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۴۲)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ متعہ صرف تین دن ہو پھر اللہ عزوجل اور اس کے رسول نے اس کو حرام کر دیا۔

(المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۴۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : متعہ کو طلاق، عدت اور میراث نے منسوخ کر دیا۔

(المصنف : ۱۳۰۴۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا رمضان نے ہر روزہ کو منسوخ کر دیا، زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کر دیا

اور طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کر دیا۔

(المصنف، رقم الحدیث : ۱۳۰۴۶، سنن کبریٰ : ج ۷ ص ۲۰۷، موارد الظمان : ص ۳۰۹)

احادیث شیعہ سے حرمت متعہ پر دلائل

زید بن علی اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے

پالتو گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام کر دیا۔

(تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۳۵۱، الاستبصار ج ۳ ص ۱۳۲، مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب خیبر کے دن متعہ حرام کر دیا گیا تھا تو پھر فتح مکہ کے موقع پر متعہ کیوں ہوا اس کا جواب

یہ ہے کہ متعہ خیبر کے دن ہی حرام کر دیا گیا تھا فتح مکہ کے موقع پر ضرورت کی وجہ سے تین دن کے لئے عارضی رخصت دی

گئی اور پھر اس کو دامنہ حرام کر دیا گیا۔ اور حجتہ الوداع کے موقع پر تاکید اس کی حرمت کو دہرایا گیا جیسے اور کئی حرام کاموں

کی حرمت کو اس موقع پر بیان کیا گیا۔

بعض مفسرین کا تسامح

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں : فرمان باری تعالیٰ شانہ والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او

ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تویل کی گنجائش نہیں۔ اس سے

حرمت متعہ صاف ظاہر ہے اس کے مقابلہ میں بعض شیعہ قراتوں کا سارا لینا قطعاً غلط ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ آلوسی (روح المعانی : ج ۵ ص ۷) امام رازی (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵) پیر محمد کرم شاہ الازہری (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۳۵) اور دیگر مفسرین نے بھی سورہ المؤمنون (۲۳) کی اس آیت کو حرمت متعہ کی قطعی دلیل بنایا ہے لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ المؤمنون مکی سورت ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ میں متعہ حرام ہو گیا تھا جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ ۷ ہجری تک مدینہ میں متعہ حلال رہا اور جنگ خیبر کے موقع پر متعہ کو حرام کیا گیا جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث میں ہے اور مفتی محمد شفیع نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اسی لئے ہم نے النساء اور النور کی آیتوں سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے اور یہ دینی سورتیں ہیں اور ان پر شیعہ علماء کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ فافہم و تشکر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) (النساء : ۲۵)

اہل کتاب باندیوں سے نکاح میں فقہاء کے مذاہب

امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت کے باوجود باندی یا کتابیہ باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے کیونکہ باندی کی اولاد بھی اس کے مالک کی غلام ہوتی ہے اور آزاد شخص کے لئے یہ باعث عار ہے کہ اس کی اولاد لونڈی اور غلام بن جائے۔

اس آیت میں باندیوں کے ساتھ مسلمان ہونے کی صفت کو ذکر کیا ہے امام شافعی کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ صفت بمنزلہ شرط ہے اور جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ باندی سے اسی وقت نکاح کر سکتا ہے جب باندی مسلمان ہو، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک باندی کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے باندی اگر اہل کتاب ہو پھر بھی وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(النکاح والعیون ج ۱ ص ۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک کے نزدیک جو شخص آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ بھی باندی سے نکاح کر سکتا ہے، اور امام اعظم کے نزدیک آزاد مسلمان عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح جائز نہیں (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۶) اہل کتاب باندیوں سے نکاح کے جواز پر امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے علاوہ ہر عورت سے نکاح کرنے کو حلال قرار دیا ہے ماسوا ان کے جن کی کتاب اللہ میں تخصیص کر لی گئی ہے اور اہل کتاب باندی کی تخصیص نہیں کی گئی، وہ آیتیں یہ ہیں :

فَإِنْ كُنْتُمْ مَلَاحِقًا عَلَى الْيَتَامَىٰ (النساء : ۴) تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کر لو۔

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ لَكُمْ (النساء : ۲۴) ان محرمات کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ اہل کتاب باندی کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

غیر سید کا فاطمی سیدہ سے نکاح

بعض سادات کرام نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نسب کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی ان آیات کے عموم کے لئے مخصوص ہیں اور سیدہ کا نکاح غیر سیدہ سے حرام ہے۔ سادات کرام کا احترام اور اکرام مسلم ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہیں اور خبر واحد قرآن مجید کے عموم کے لئے مانع نہیں ہو سکتی، بعض سادات کرام نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کی آواز پر آواز اونچی کرنا جائز نہیں ہے تو آپ کے نسب کے اوپر نسب کرنا کیسے جائز ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نسب بیوی کے نسب سے اونچا ہو جائے ورنہ کسی سید کا نکاح بھی سیدہ سے جائز نہیں ہو گا۔ نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کا نکاح تو یقیناً "غیر فاطمی شخص سے ہوا ہے کیونکہ ہماری شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بیان میں گزر چکا ہے، اس بحث میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ہم یہ دعوت نہیں دیتے کہ غیر فاطمی سید فاطمی سیدہ سے نکاح کریں نہ یہ ہمارا منصب اور حق ہے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر کہیں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو اس کو حرام کہنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر ہمارے کسی استدلال سے سادات کرام کی دل آزاری ہوئی ہے تو ہم ان سے معافی چاہتے ہیں اور سادات کرام کی محبت کو حرز ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر اس نکاح کو حرام کہا جائے تو جس سیدہ خاتون نے اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی سے غیر سید سے نکاح کیا اس فاطمی سیدہ خاتون کو مرتکب حرام زانیہ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا کہنا لازم آئے گا، اور مانعین ایسا کہتے بھی ہیں لیکن ہم شہزادی رسول اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی کے متعلق ایسا فتویٰ لگانا رسول اللہ ﷺ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہما کو اذیت پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو خطرہ ایمان گردانتے ہیں، سو جو لوگ اس نکاح کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں وہ نادانستگی میں شہزادی رسول کو زانیہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کسی بھی نکاح رجسٹرار کے ریکارڈ شدہ رجسٹر کو دیکھ لیں ملک کے طول و عرض میں غیر فاطمی سید کے فاطمی سیدہ سے نکاح کے بہت مندرجات مل جائیں گے، آخر جس فاطمی سیدہ خاتون نے غیر سید سے نکاح کیا ہے وہ بھی تو بنت رسول ہے اس کو زنا کی گالی دینا کسی مسلمان کے لئے کس طرح زیبا ہے کیا اس کا احترام اور اکرام واجب نہیں ہے۔ کیا اس کو گالی دینے سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت نہیں پہنچے گی؟ خدا را سوچئے کہ ہم اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر رسول اللہ ﷺ کی شہزادیوں کی عزتوں کا تحفظ کر رہے ہیں یا العیاذ باللہ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ مانعین اس نکاح کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو جس سیدہ خاتون یا اس کے سادات والدین نے جائز سمجھ کر نکاح کر دیا تو آپ کے نزدیک وہ العیاذ باللہ کافر ہو گئے اور کافر کا ٹھکانہ دوزخ ہے آخر آپ خون رسول کو دوزخ میں کیوں پہنچانے کے درپے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مراد کرو در آں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں، بدکار نہ ہوں نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔ (النساء : ۲۵)

باندیوں سے نکاح کے احکام

اس آیت میں باندیوں کے اہل سے مراد ان کے مالک ہیں اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ باندی کے مالک کی

اجازت کے بغیر اس کانکال صحیح نہیں ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۰۷۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۱۳)

اس آیت کے آخر میں فرمایا یہ حکم تم میں سے ہر اس شخص کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر بد چلنی کا خدشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اس میں یہ بتایا ہے کہ اگرچہ باندیوں سے نکاح کی تم کو اجازت دی گئی ہے لیکن اگر تم آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہو اور پاک دامنی کے ساتھ رہ سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ باندی پر اس کے مالک کا حق شوہر کے حق سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تمہاری خدمت اور حقوق کے لئے سبیل نہیں پاسکیں گی اور ان کے مالک سفر اور حضر میں ان سے خدمت لینے اور جس کو چاہے فروخت کرنے پر قادر ہوں گے اور اس میں شوہروں کے لئے دشواری ہے کیونکہ باندی کے مہر کا مالک اس کا مولیٰ ہو گا اور اس باندی سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ اس کے مالک کی غلام ہوگی۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر صبر نہ کر سکا تو اللہ اس کو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں پھر بے حیائی کے کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدمی سزا ملے گی۔

یعنی اگر باندیاں زنا کریں تو ان کی سزا وہ ہے جو آزاد کنواریوں کو سزا دی جاتی ہے اور آزاد کنواری عورت کو زنا کرنے پر سو کوڑے لگائے جاتے ہیں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ تبارک نے یہ وضاحت احکام بیان کرنا چاہتا ہے، اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کے راستوں پر چلنا چاہتا ہے جو تم سے پہلے

وَيَتُوبُ عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ

گزر چکے ہیں اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے اور اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے

عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ يُسَلِّطُوا مِيلًا

اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا

عَظِيمًا ﴿٢٤﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ

چاہتے ہیں ○ اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا

ضَعِيفًا ۲۸) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

گیا ہے ۵ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ

بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاحٍ مِّنْكُمْ وَلَا

کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو

تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۲۹) وَمَنْ يَفْعَلْ

ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ۵ اور جو شخص زیادتی اور

ذٰلِكَ عُدُوْا وَاَنَا ظَلِيْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَّكَانَ ذٰلِكَ

علم کی بناء پر ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دیں گے، اور یہ اللہ پر

عَلٰى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۳۰) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبِيْرًا مَّا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

آسان ہے ۵ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم

عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مَّدَآخِلًا كَرِيْمًا ۳۱) وَلَا تَتَّبِعُوْا مَا

تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے ۵ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو

فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِۦ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے

اُكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اُكْتَسَبْنَ وَسُئِلُوا اللّٰهَ مِنْ

حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل

فَضْلِهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۳۲) وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

کا سوال کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۵ اور ہم نے ہر شخص کے

مَوَالِيَ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُونَ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

نذر کے لیے وارث مقرر کر دیے ہیں اولاد اور قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد

اِيْمَانُكُمْ فَاتَّوَهُمُ نَصِيْبُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

ہو چکا ہے سو تم انہیں ان کا حصہ دے دو بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۵

احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہارے لئے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے۔ (النساء : ۲۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام شرعیہ بیان کر دیئے اور حلال کو حرام سے متمیز کر دیا اور اچھے اور نیک کام کو برے اور فبیح کام سے ممتاز کر دیا۔ پھر فرمایا : اور تمہیں ان نیک لوگوں کے راستہ پر چلانا چاہتا ہے جو گزر چکے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم سے پہلے جو نیک صالحین اور حق پرست لوگ گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ان کی سیرتیں بیان کر دی ہیں تاکہ تم حق کی اتباع کرو اور باطل سے اجتناب کرو، پھر فرمایا اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بیان کئے ہوئے احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں اور اہل حق کی اتباع کرنے میں اگر تم سے کوئی تقصیر یا کوئی زیادتی یا کمی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا چاہتے ہیں (النساء : ۲۷)

خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ زنا حلال ہو جائے یا بعض محرمات حلال ہو جائیں۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ تم زنا کرو۔

بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں وہ علاقائی بہنوں سے نکاح جائز قرار دیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔

ابن زید نے کہا اس سے مراد اہل باطل ہیں وہ چاہتے تھے کہ تم اللہ کے دین کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرو۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۱۹، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الیث سمرقندی حنفی متوفی ۷۵۷ھ لکھتے ہیں :

یہود، نصاریٰ اور مجوس یہ چاہتے تھے کہ تم کوئی بہت بڑا گناہ کر بیٹھو، کیونکہ بعض کافر علاقائی بہنوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز کہتے تھے، اور جب اللہ نے مسلمانوں پر یہ رشتے حرام کر دیئے تو انہوں نے کہا خالہ اور پھوپھی محرم ہیں جب تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کہتے ہو تو بھائی اور بہن کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کیوں نہیں کہتے؟ اور ایک قول یہ ہے کہ یہود یہ چاہتے تھے کہ تم سے کوئی بڑا بھاری گناہ ہو جائے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۹-۳۴۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

اس آیت میں ایسے تمام لوگ داخل ہیں جو اپنی عقل سے احکام شرع پر اعتراض کرتے ہیں مثلاً مردوں کو عورتوں کے مسلولی کیوں نہیں رکھا، مبلغ لڑکی کا نکاح کرنا کیوں جائز ہے، یتیم پوتے کو دوا کی میراث سے ترکہ کیوں نہیں ملتا، تجارتی سود تو نفع کا مبادلہ ہے اس کو کیوں حرام کیا گیا ہے، پردہ کی قیود سے عورتوں کا حق آزادی مجروح ہوتا ہے، موسیقی تو روح کی

غذا ہے اس کو کیوں ناجائز کیا گیا اور اس قسم کے تمام احکام کو ملا کی رجعت پسندی اور فرسودگی قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں ہے، اور عورت کو بیک وقت چار خلوندوں سے نکاح کی اجازت کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ شریعت کا مزاج آسان احکام بیان کرنا ہے نہ کہ مشکل

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آسانی کر کے ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کرنا ان کے لئے جائز کر دیا، اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان احکام مشروع کئے ہیں ایسے سخت اور مشکل احکام کا ہم کو مکلف نہیں کیا جیسے مشکل احکام کا بنو اسرائیل کو مکلف کیا تھا۔ ہمارے لئے تمام روئے زمین پر نماز پڑھنے کو جائز کر دیا اور خصوصاً ”مسجد میں نماز پڑھنے کا مکلف نہیں کیا۔ پانی نہ ملنے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے تیمم کو جائز کر دیا، قربانی کو کھانا اور مل غنیمت ہمارے لئے حلال کر دیا، گناہ کے لئے استغفار اور توبہ رکھی بنو اسرائیل کی شریعت کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو تمہاری توبہ ہوگی، سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی نیز سفر میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر دیا غرض پچھلی شریعتوں میں جو مشکل احکام تھے وہ ہمارے لئے آسان کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : ۱۵۷)
يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ : ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ط اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

(الحج : ۷۸)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۲۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۷۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (شائل ترمذی، رقم الحدیث : ۳۳۸)

اسی طرح جب کسی مسئلہ میں علماء اور فقہاء کے مختلف قول ہوں تو مفتیان کرام کو اس قول پر فتویٰ دینا چاہئے جو مسلمانوں کے لئے آسان ہو۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفیق و تیسر (آسانی اور تخفیف) پسند فرماتی ہے نہ معلوم اللہ

تشدید و تنفیق (سختی اور تنگی) لہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علماء کرام انہیں (ان ہی) روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ کتاب النکاح ص ۲۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

ہمارے دور میں آج کل بعض مفتیوں کی روش اس کے برعکس ہے۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے کو ناجائز کہتے ہیں، ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ اور عید کو ناجائز کہتے ہیں، ایلو پیٹھک اور ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج کرنے اور پرفیوم لگانے کو حرام کہتے ہیں، کالروالی قمیص کو بھی حرام کہتے ہیں، جس عورت کا خاوند مفقود الخیر (لاپتہ) ہو اس کو ستریانوے سال سے پہلے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے، جس عورت کا خاوند اس کو نہ طلاق دے اور نہ خرچ دے اور عدالت اس بناء پر اس کا نکاح فسخ کر دے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں دیتے، نماز میں اگر سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہ لگیں تو کہتے ہیں نماز فاسد ہو گئی، اسی طرح اور بہت سے معاملات میں سخت اور مشکل احکام کو بیان کرتے ہیں جب کہ اس کے بالمقابل آسان احکام اور دلائل بھی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ (النساء : ۲۹)

مال حرام کی انواع اور اقسام

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جسموں اور بدنوں میں تصرف کرنے کی ہدایت دی تھی، زنا اور عمل قوم لوط سے منع فرمایا، اسی طرح محرمات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا تھا، اور اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے اموال میں تصرف کے متعلق ہدایت دی ہے بیع و شراء کے ذریعہ دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ہبہ، وراثت اور کسی چیز کو بنا کر اس کا مالک ہونا جائز ہے، اور جوا، سٹہ، سود، غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔

سود کے متعلق ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں باقی چیزوں کا ناجائز اور گناہ ہونا واضح ہے اس لئے ہم یہاں رشوت کے متعلق گفتگو کریں گے۔

رشوت کی تعریف، وعید اور شرعی احکام

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متونی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

کوئی شخص حاکم یا کسی اور افسر مجاز کو کوئی چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۵۰، مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متونی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت، پھر سوال کیا گیا کہ فیصلہ پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (نازل کردہ) احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (المائدہ : ۴۴)

(سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۳۹ مطبوعہ نشر السنۃ لمطان)

کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا کوئی ناجائز کام کرانے کے لئے کچھ دینا رشوت ہے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے یا خود کو ظلم سے بچانے کے لئے کچھ دینا یہ رشوت نہیں ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ روایت کرتے ہیں :

روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطایا دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا نبی ﷺ نے فرمایا (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو، پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۱۰ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے ان کا کچھ سامان چھین لیا گیا انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے کر وہ سامان چھڑا لیا۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گناہ گار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لئے دی جائے، رشوت وہ چیز ہے کہ تم اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے کچھ دو جو تمہارا حق نہیں ہے اس میں دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ نثر اللہ ملتان)

قاضی خاں اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۴ھ نے رشوت کی چار قسمیں لکھی ہیں :

(۱) منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا اس میں رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دے یہ رشوت جانبین سے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور اس پر فرض ہے۔

(۳) اپنی جان اور اپنے مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لئے رشوت دینا یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لئے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(۴) کسی شخص کو اس لئے رشوت دی کہ وہ اس کو سلطان یا حاکم تک پہنچا دے تو اس کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش البندیہ ج ۲ ص ۳۶۳، ۳۶۲، مطبوعہ مصر، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵، طبع سکھر، بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۲۶۹، طبع فیصل آباد، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۱، طبع مصر)

اپنے آپ کو قتل کرنے کی ممانعت کے تین محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۲۹)
اس آیت کے تین معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۸۶) اس لئے اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اپنے آپ کو قتل کیا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے نتیجے میں تم ہلاک ہو جاؤ اس کی مثل یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سردرات میں جنبی ہو گئے تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا

مقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ ”تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔“ پھر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے (ان کو) ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری : کتاب النہیم باب ۷ سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ۳۳۳)

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خودکشی کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسی آیت کی بناء پر خودکشی کرنا حرام ہے۔

خودکشی کرنے والے کے عذاب کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس ہتھیار سے خودکشی کرے گا تو دوزخ میں وہ ہتھیار اس شخص کے ہاتھ میں ہو گا اور وہ شخص جہنم میں اس ہتھیار سے ہمیشہ خود کو زخمی کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۰۹)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خودکشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کفر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب سے انسان دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا پھر خودکشی کرنے والا دائمی عذاب میں کیوں مبتلا ہو گا؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں : اول یہ کہ یہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جس کو خودکشی کے حرام ہونے کا علم تھا اس کے باوجود اس نے حلال اور جائز سمجھ کر خودکشی کی، دو سرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خلود کا استحقاق بیان کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے کہ مستحق خلود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے یا پھر خلود مکث طویل کے معنی میں ہے۔

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

جس نے خود کو قتل کر لیا خواہ عمداً اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کی بہ نسبت یہ زیادہ بڑا گناہ ہے، امام ابن ہمام نے امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۵۸۳، علی ہامش رد المحتار)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور بہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس پر نماز جنازہ زجراً نہیں پڑھی جس طرح آپ نے مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ میں سے بھی کسی نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی کیونکہ دوسروں کی نماز آپ کی نماز کے برابر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کی صلوٰۃ ان کے لئے سکون ہے۔ شرح المنیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اہل سنت و جماعت کے قواعد پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں ہے، کیونکہ مطلقاً گنہگار کی توبہ مقبول ہوتی ہے بلکہ اگر کسی توبہ بھی کفر سے قطعاً مقبول ہوتی ہے حالانکہ اس کا گناہ زیادہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ نزع روح کے

وقت توبہ مقبول نہیں ہوتی اور جس نے ایسے فعل سے خود کشی کی جس سے فوراً "مر جائے" (مثلاً) کپٹی پر پستول رکھ کر فائر کر دینا) تو اس کو توبہ کا وقت ہی نہیں ملایا نزع روح کے وقت چند لمحے ملے اور اس وقت کی توبہ مقبول نہیں ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی آلہ سے زخمی کر لیا اور اس کے بعد وہ کچھ دن زندہ رہا اور اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کی قبولیت کا یقین رکھنا چاہئے یہ ساری بحث اس کے متعلق ہے جس نے عدا "خود کو قتل کیا اور جس نے خود کو خطا" قتل کیا اس کا شمار شہداء میں ہو گا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۸۵، ۵۸۶)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بڑے عالم اور مفتی کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھانا چاہئے اور عام مسلمان کو چاہئے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔ (النساء : ۳۱)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تحقیق

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ، یہ غور کرو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ گناہ کبیرہ ہیں۔ قاضی ابوبکر بن طیب، استاذ ابوالحق اسفرائی، ابوالملی، ابونصر عبدالرحیم قیسری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ یا کبیرہ کہا جاتا ہے مثلاً "زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس و کنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ۔

اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشنے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یہ جو قرآن مجید میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم (النساء : ۳۱) اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں، یعنی اگر تمام انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا، نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہر چند کہ (اس شخص کا حق) تھوڑی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا : ہر چند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورہ نساء کی تینتیس (۳۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے "ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ" وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے

قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے) گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں، میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ“ میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”إِنَّهُ لَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ“ میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے خوفی سے گناہ کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَفَامَنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْتِيَنَّكَ مِنَ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (الاعراف: ۹۹) کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے، پھر زنا ہے، پھر شراب نوشی ہے پھر نماز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱-۱۵۹ ملخصاً انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے: جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خوفی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے علامہ نووی شافعی اور علامہ بھوتی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریضیں صادق آتی ہیں اس لئے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لئے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔ اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ فرض کے ترک کا عذاب واجب کے ترک کے عذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا عذاب مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے عذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرض اور واجب کے ترک کا عذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف ثبوت کے لحاظ سے فرق ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں۔ استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے گناہ کبیرہ کی چار تعریضیں ہیں۔

(۱) جس معصیت پر حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) جس معصیت پر کتب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) امام نے ”ارشاد“ میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو

اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں۔ بعض علماء نے گناہ کبیرہ کو تفصیلاً "شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے : قتل، زنا، لواطت، شراب پینا، چوری، قذف (تمت لگانا) جھوٹی گواہی دینا، مل غصب کرنا، میدان جملہ سے بھاگنا، سود کھانا، مل یتیم کھانا، ولدین کی نافرمانی کرنا، رسول اللہ ﷺ پر عدا "جھوٹ باندھنا، بلاعذر شہادت کو چھپانا، رمضان میں بلاعذر روزہ نہ رکھنا، جھوٹی قسم کھانا، قطع رحم کرنا، ناپ اور تول میں خیانت کرنا، نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا، بلاعذر نماز قضاء کرنا، مسلمان کو ناحق مارنا، صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا، رشوت لینا، دیوثی (فاحشہ عورتوں کے لئے گاہک لانا) حاکم کے پاس چغلی کھانا، زکوٰۃ نہ دینا، نیکی کا حکم نہ دینا، بلوغ قدرت کے برائی سے نہ روکنا، قرآن مجید بھلانا، حیوان کو جلانا، عورت کا بلا سبب خلوند کے پاس نہ جانا، اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا، علماء کی توہین کرنا، ظہار، بلاعذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا، جلوہ کرنا، حالت حیض میں وطی کرنا اور چغلی کھانا۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے : اجنبی عورت کو دیکھنا، غیبت کرنا، ایسا جھوٹ جس میں حد ہے نہ ضرر، لوگوں کے گھروں میں جھانکنا، تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا، زیادہ لڑنا جھگڑنا اگرچہ حق پر ہو، غیبت پر سکوت کرنا، مردہ پر بین کرنا، مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا، اترا اترا کر چلنا، فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا، اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا، مسجد میں خرید و فروخت کرنا، بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا، جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا، نماز میں عبث کام کرنا، جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا، قبلہ رخ بول و براز کرنا، عام راستہ پر بول و براز کرنا، جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا، صوم وصال رکھنا، استمناء، بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا (یعنی بوس و کنار اور بغل گیر ہونا) بغیر کفارے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا، اجنبی عورت سے خلوت کرنا، عورت کا بغیر محرم اور خلوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا۔ (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) بخش، احتکار، مسلمان کی بیع پر بیع کرنا، اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا، شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا، دیہاتی قافلہ سے بیع کے لئے ملاقات کرنا، تصریہ (بیع کے لئے تھنوں میں دودھ روک لینا) بغیر عیب بیان کئے ہوئے عیب دار چیز کو فروخت کرنا، بلا ضرورت کتار کھانا، مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا، بلا ضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلا ضرورت خلوت میں اپنی شرمگاہ کھولنا۔

عدالت (نیک چلنی) میں صغائر سے بالکل اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلا توبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ (روضۃ الطالبین و عمدة المتقین ج ۱۲ ص ۲۲۵-۲۲۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح جنبل متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں :

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو جس طرح حدیث میں ہے : من غش فلیس منا "جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے" یعنی یہ وہ کلام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے، اور فصول، غنیہ اور مستوعب میں ہے کہ غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب

زیادہ ہو اور صغیر وہ ہے جس کا عقاب کم ہو۔ ابن حلد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔

(کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵-۵۶۳ مطبوعہ عالم الکتب بیروت ۱۳۸۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی متونی ۱۰۴۶ھ بیان کرتے ہیں :

گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس شخص کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو۔

جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور استمرار نہ ہو البتہ جھوٹی گواہی دینا، نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تسمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لئے، بیوی کو راضی کرنے کے لئے اور جنگی چال کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے ہر وہ نیک مقصد جو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اس کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ غیبت میں اختلاف ہے علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ صاحب الفصول، صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے، ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے، فخر اور غرور کے لئے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے، جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے، کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے، غیر اللہ کو سجدہ کرنا، بدعت کی دعوت دینا، خیانت کرنا، بدفالی نکالنا، سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، وصیت میں زیادتی کرنا، خمر بیچنا، سودی معاملہ لکھنا اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے، دو چروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور باطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ خود کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا، جانور سے بد فعلی کرنا، بلا عذر جمعہ ترک کرنا، نشہ آور اشیاء استعمال کرنا، نیکی کر کے احسان جتلاتا، لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا، کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا، غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں، اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا، معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(کشاف القناع ج ۶ ص ۴۲۲-۴۱۹، ملخصاً، مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لئے یہ اسی درجہ کی معصیت ہونی چاہئے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا : اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کر لے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ

اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں احکام شریعہ کی تخفیف اور بے وقتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقتی گناہ کبیرہ ہے، جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرض اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقتی بھی گناہ کبیرہ ہے، اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ!

اس کے بعد اس بحث کو لکھتے وقت جب میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر یہ مشکف ہوا کہ قرآن اور حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا الذُّنُوبَ وَمَنْ يُغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
أُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَبَّتْ نَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَلَنْ نَنْعِمَ آخِرُ الْعَالَمِينَ ۝ (آل عمران : ۱۳۶-۱۳۵)

اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کئے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنت ہیں جن کی نیچے دریا جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے :

عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ (المائدہ : ۹۵)

جو ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے لئے عذاب ہو جو اپنے کئے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے (گناہ پر) استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ۱۵۱۳)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا :

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹، مطبوعہ ایران)

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کر لے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۶۲، مطبوعہ بیروت) قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا اور اس سے لاپرواہی برتنا یہی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (النساء : ۳۲) اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور اس کی عطا کے خلاف تمنا کرنے سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں لوگوں کے اموال کی طمع اور خواہش کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی آیت میں ظاہری اعضاء سے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں دل سے حسد کرنے سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ ظاہر اور باطن میں موافقت ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کو جو مال، عزت اور مرتبہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے اور جو بھی ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس میں رغبت کی جاسکے اس کے حصول کی دوسرے تمنا نہ کریں نہ اس پر حسد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک، مختار اور علیم اور حکیم ہے وہ جس کو جو چاہتا ہے نعمت عطا فرماتا ہے، اس لئے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ کاش میرے پاس فلاں مل ہو یا فلاں نعمت ہوتی یا فلاں حسین عورت ہوتی۔ رشک کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ دعا کرے کہ اس شخص کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ مجھے بھی ایسی نعمت عطا کر دے سو رشک کرنا جائز ہے، اور حسد کا معنی یہ ہے کہ انسان یہ چاہے کہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے اور حسد جائز نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کوئی مرد یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ عورت ہوتا اور کوئی عورت یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ مرد ہوتی، اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کا حصہ عورتوں سے دگنا کیا تو بعض عورتوں نے کہا ہم چونکہ صنف ضعیف ہیں اور ہم کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو ہمارا حصہ دگنا ہونا چاہئے تھا، تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ اس آیت کے

شان نزول کے متعلق تین روایات ہیں :

مجلد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ جو جملہ کرتے ہیں اور ہم جملہ نہیں کرتے اور ہمارے لئے آدمی میراث ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے جملہ کا سوال کیا اور انہوں نے کہا ہاری بھی یہ خواہش ہے کہ ہم بھی مردوں کی طرح جملہ کریں اور ہمیں بھی ان کی طرح اجر ملے۔

قلادہ اور سدی نے بیان کیا ہے کہ مردوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو وراثت میں دگنا حصہ دیا جاتا ہے ہماری عبادتوں کا بھی ہم کو عورتوں سے دگنا اجر ملے اور عورتوں نے کہا ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہمارے آدمی گنہ مردوں پر ڈال دیئے جائیں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۳۹۹۔ مطبوعہ ایران)

اس کے بعد فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، یعنی اللہ سے اپنے اعمال کا صلہ نہ مانگو اور نہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عدل کی بناء پر سوال کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشلگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحديث : ۳۵۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لئے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ لولاد، قربت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو تم انہیں ان کا حصہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (النساء : ۳۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس انسان کا مال اور ترکہ ہے ہم نے اس کے لئے وارث بنا دیئے ہیں پھر ان وارثوں کا بیان فرمایا وہ اس کی لولاد اور اس کے قربت دار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔

امام ابن جریر نے قلادہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص دوسرے شخص سے (جس سے اس کی نسب قربت نہیں ہوتی تھی) یہ عہد کرنا کہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا نقصان تمہارا نقصان ہے تم میرے وارث ہو گے اور میں تمہارا وارث ہوں گا تم مجھ سے مطالبہ کرنا اور میں تم سے مطالبہ کروں گا پھر زمانہ اسلام میں اس کا چھٹا حصہ مقرر کر دیا گیا اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ورثہ میں ترکہ تقسیم کیا جاتا تھا پھر جب سورہ انفال میں یہ آیت نازل ہوئی :

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِی رِکَابِ اللّٰهِ (الانفال : ۷۵)

اور قربت دار ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کی کتب میں زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد جس شخص سے کسی نے عہد کیا تھا اس کی وراثت منسوخ ہو گئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۳۳)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے

حَفِظْتَ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّيْلِ تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ

مردوں کے پس پشت اللہ کی توفیق سے حفاظت کرنے والی ہیں۔ اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو

فَعُظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرُوهُنَّ فَإِنْ

نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو، اور ان کو (تادیبا) مارو، پس اگر وہ

أَطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝۳۴

تمہاری فرماں برداری کر لیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو، بیشک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے ۵

وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا

اور (اے مسلمانو) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف

مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ

عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرنے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن و شو) کے درمیان اتفاق پیدا کرے

كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ۝۳۵ وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَ

گا، بیشک اللہ بڑا جانتے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ۵ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ السَّكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پر دوسی اور

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ

اجنبی پر دوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ

أَيْمَانُكُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ۝۳۶ الَّذِينَ

(نیکی کرو) بیشک اللہ مغرور تکبر کو پسند نہیں کرتا ۵ جو لوگ

يَخْلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ

خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے ان کو جو کچھ اس

اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝۳۷

سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ۝ اور (ان کے

الَّذِينَ يَنْفَقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

یہی بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ

اور نہ قیامت کے دن پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو تو وہ کیسا بُرا ساتھی

قَرِينًا ۝۳۸ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا

ہے ۝ آخر ان پر کیا آفت آجاتی اگر وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیے

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۖ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ۝۳۹ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ

ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے ۝ بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مَنْ

نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگن کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے

لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۴۰ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ

اجر عظیم عطا فرماتا ہے ۝ تو اس وقت کیسا سامان ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے

وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝۴۱ يَوْمَ يَذَّوِّدُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور (اے رسول محرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ۝ جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی اس دن وہ

وَعَصَوْا الرُّسُولَ ۖ لَوُتَّسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ ۖ وَلَا يَكْتُمُونَ

تہمتا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کر کے) ان پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات

اللَّهُ حَدِيثًا ۝۴۲

کو چھپا نہ عیس گے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

قرآن مجید سے عورتوں کی حاکمیت کا عدم جواز

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس کا شان نزول یہ تھا کہ بعض عورتوں نے یہ کہا تھا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور وراثت میں ان کا حصہ دگنا رکھا گیا حالانکہ ہم صنف ضعیف ہیں اس لئے ہمارا زیادہ حصہ ہونا چاہئے تھا، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا جواب دیا ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے۔

قوام کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

قوام کا معنی ہے کسی چیز کو قائم کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۴۲۱، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :

مرد عورت کا قوام ہے یعنی اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کا خرچ برداشت کرتا ہے۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۵۰۳، مطبوعہ نشر ادب الموزعہ ایران ۱۳۰۵ھ تاج العروس ج ۹ ص ۳۵)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نبوت، رسالت، حکومت، امامت، اذان، اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایام جمل میں ہو سکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا، اس موقع پر مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنالیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (خروی) نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنالیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۳۲۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۳۶۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۳۰۳، صحیح ابن حبان ج ۱۰

ص ۲۵۶، مسند احمد ج ۵ ص ۵۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۱۸۸-۱۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۶۶، شرح السنہ، رقم الحدیث

: ۲۳۸۶، مسند ابی یاسی، رقم الحدیث : ۸۷۸، المستدرک ج ۳ ص ۵۲۵-۵۲۳، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں، تمہارے اغنیاء نیک

اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو، تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں، اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۳)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، نبی ﷺ نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔) (المستدرک ج ۲ ص ۲۹۱)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں فقہاء اسلام کی آراء
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :
اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۸۳، مطبوعہ ایران)
امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۸۱ھ لکھتے ہیں :
امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی، کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ (شرح السنہ ج ۱۰ ص ۷۷، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :
جمہور فقہاء اسلام نے حضرت ابوبکر کی حدیث کی بناء پر عورت کے قاضی بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے، علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن معاملات میں عورت شہادت دے سکتی ہے وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز کہا ہے۔ (عمدة القاری ج ۲ ص ۲۰۳، مطبوعہ ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۳۸ھ)
علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو منصب قضاء سونپا جائز نہیں ہے اور علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ عورت کی قضاء مطلقاً جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۶، مطبوعہ لاہور)
ہر چند کہ علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ علامہ طبری نے بعض امور میں اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے لیکن اول تو یہ ثابت نہیں، اور ثانیاً ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ، اسلام کے عمومی احکام اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے سامنے ان اقوال کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ طبری اور بعض مالکیہ نے عورت کی عمومی سربراہی کو جائز نہیں کہا بلکہ بعض امور میں عورت کی صرف حاکمیت کو جائز کہا ہے۔

علامہ یعنی اور علامہ عسقلانی نے بغیر کسی ثبوت کے علامہ طبری اور بعض مائیکہ کی طرف عورت کی قطعہ کے جواز کی نسبت کردی، حقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اور مالکی فقہاء دونوں اس تہمت سے بری ہیں، علامہ ابوبکر ابن العربی مالکی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکر کی روایت کردہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ علامہ محمد بن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت ایسے ہی غلط ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ غلط منسوب کر دیا گیا ہے کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔

نیز قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں :

عورت سربراہی کی اس لئے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی محاصل حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مرد انجام دے سکتا ہے عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی کیونکہ عورت کے لئے مردوں کی مجالس میں جانا اور ان سے اختلاط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ عورت جو ان ہے تو اس کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا مخدوش ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۳۵۸، ملخصاً، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ملکہ بلقیس کی حکومت سے استدلال کا جواب

قرآن کریم میں ملکہ بلقیس کے واقعے کا جس قدر ذکر ہے اس میں اس کی حکومت کے خاتمہ کا ذکر ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اس کی حکومت کے تسلسل کا ذکر نہیں ہے لہذا اس واقعہ میں عورت کی سربراہی کا کوئی جواز بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض بلقیس کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت کا ثبوت ہو بھی تو وہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے۔

جنگ جمل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب

بعض متجدد علماء جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً باطل ہے اول تو حضرت عائشہ امارت اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں ہاں وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور وہ اس پر تاحیات نادم رہیں، امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وقرن فی بیوتکن ”تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو“ کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوشہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔

(طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو اور ان کو (تادیبا) مارو پس ماگروہ تمہاری فرمانبرداری کر لیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔ (النساء : ۳۴)

ان کو مارنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا : اے لوگو! عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان میں حاصل کیا ہے اور اللہ کی اجازت سے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اس طرح مارو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۲۱۸)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

سلیمان بن عمرو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا : سنو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو وہ تمہارے پاس تمہاری قید میں ہیں تم اس کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں تو ان کو ان کے بستر پر اس طرح مارو کہ چوٹ کا اثر ظاہر نہ ہو اور اگر وہ تمہاری اطاعت کر لیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ تلاش نہ کرو سنو تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہاری عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں اور جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو تمہارے گھروں میں آنے نہ دیں اور سنو تمہاری عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۶۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۱)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن زیاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مارا نہ کرو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ بد خلقی اور بد زبانی کرتی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت دی پھر بہت ساری عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر جا کر اپنے خاوندوں کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا آل محمد (ﷺ) کے پاس آکر بہت سی عورتوں نے اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے اور یہ لوگ تمہارے اچھے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۳۶۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی شخص سے اس پر باز پرس نہیں ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ہے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۳۷۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن زمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے پھر دن گزرنے کے بعد اس سے جمل کرے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۲۰۴)

ان کو مارنے کے متعلق فقہاء کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (احناف) نے یہ تصریح کی ہے کہ چار صورتوں میں مرد عورت کو مار سکتا ہے۔ (۱) جب خاوند مرد کو کہ بیوی بناؤ سنگھار کرے اور بیوی میک اپ نہ کرے۔ (۲) خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے (۳) جب وہ مرد نہ پڑھے ایک قول یہ ہے کہ جب وہ غسل نہ کرے۔ (۴) جب وہ بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلے، ایک قول یہ ہے کہ جب وہ خاوند کو ناراض کرے، حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت زبیر بن العوام کی چوتھی بیوی تھی جب وہ کسی بیوی سے ناراض ہوتے تو وہ اس کو کھونٹی کی لکڑی سے مارتے حتیٰ کہ وہ لکڑی ٹوٹ جاتی، واضح رہے کہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا اس کو مارنے سے افضل ہے الا یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن و شوہر) کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

اختلاف زن و شوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ منصف حاکم ہیں اور ان منصفوں کو از خود یہ اختیار ہے کہ وہ مناسب جائیں اور اس کی بیوی کو نکاح پر برقرار رکھیں یا ان میں سے کسی ایک کے ذمہ کسی چیز کی ادائیگی لازم کر دیں یا مناسب جائیں تو ان کا نکاح فسخ کر دیں، اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ منصف وکیل ہیں اور ان کو اختیار نہیں ہے الا یہ کہ زوجین ان کو فسخ نکاح کا اختیار بھی تفویض کر دیں۔

امام ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متونی ۷۰۷ ۳۷ لکھتے ہیں :

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت اور مرد کی طرف سے جو دو شخص مقرر کئے جائیں وہ ان کے وکیل ہوں گے اور بہ حیثیت وکیل کے ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان کے حکم کے بغیر از خود ان کا نکاح فسخ کر دیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۰۔ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۰ء)

امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متونی ۵۹۷ ۵۹ لکھتے ہیں :

یہ دونوں حاکم زوجین کے وکیل ہیں اور ان کے فیصلہ میں ان دونوں کی رضا کا اعتبار ہو گا یہ امام احمد، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، اور امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ حاکموں کے فیصلہ کے لئے زوجین کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ (زاوالمسیر ج ۲ ص ۷۸-۷۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد باوردی بصری شافعی متونی ۴۵۰ ۳۷ لکھتے ہیں :

جن دو شخصوں کو بھیجا جائے گا اس کے متعلق دو قول ہیں وہ وکیل ہیں اور ان کو از خود زوجین میں تفریق کا اختیار نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حاکم ہیں اور ان کو اس کا اختیار ہے۔

(الکتب والعیون ج ۱ ص ۳۸۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متونی ۶۷۶ ۶۷ لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ وکیل ہیں۔

(رونتہ الطالین ج ۵ ص ۶۷۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت یہ ہے کہ یہ دونوں شخص حاکم ہیں اور جب یہ دونوں شخص زوجین کے درمیان تفریق کر دیں تو تفریق واقع ہو جائے گی، کیونکہ نکاح سے مقصود الفت اور حسن معاشرت ہے اور وہ ان کے نزدیک نہیں پائی گئی (الی قولہ) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر خاوند کی جانب سے زیادتی پائی گئی، تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اگر عورت کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو ہم عورت کو مرد کا تابع کریں گے اور اگر دونوں کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو بھی ان میں تفریق کر دی جائے گی اور مرد کو بعض مراد اکراہ ہو گا نہ کہ پورا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۴۱-۵۴۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۲۶۸ھ لکھتے ہیں :

جملہ دونوں حاکم زوجین کے درمیان تفریق کر دیں گے تو یہ طلاق بائن کے قائم مقام ہے اور حاکموں کا منصب طلاق واقع کرنا ہے وکالت کرنا نہیں ہے، امام مالک، امام اوزاعی اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ”فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا“۔ ”ایک حاکم مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک حاکم عورت کی طرف سے بھیجو“ یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ یہ دونوں قاضی اور حاکم ہیں وکیل یا شاہد نہیں ہیں، اور وکیل کی شریعت میں اور حریف ہے اور حاکم کی شریعت میں اور تعریف ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تعریف الگ الگ بیان کر دی ہے تو کسی شخص یا کسی عالم کے لئے یہ کس طرح جائز ہو گا کہ وہ ایک لفظ کی تعریف کو دوسرے لفظ پر محمول کر دے (اس کے بعد علامہ قرطبی نے اپنے موقف پر سنن دار قطنی سے حدیث پیش کی) (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۷۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران) فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے :

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اور اس کا خاوند آئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی ان لوگوں نے عورت کی طرف سے بھی ایک حکم پیش کیا اور مرد کی طرف سے بھی ایک حاکم پیش کیا، حضرت علی نے ان دونوں حاکموں سے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ دونوں پر کیا فرض ہے؟ اگر تمہاری رائے میں ان دونوں میں تفریق ہونی چاہئے تو تم ان میں تفریق کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کو اکٹھا ہونا چاہئے تو تم ان کو اکٹھا کر دو، خاوند نے کہا رہی فرقت تو میں اس کو اجازت نہیں دیتا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بہ خدا تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤ گے جب تک تم اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف، عورت نے کہا میں اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی ہوں خواہ وہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف۔

صنف رقم الحدیث : ۱۸۸۳، جامع البیان : ج ۵ ص ۳۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶-۳۰۵

امام ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں :

اس حدیث میں حضرت علی نے خبر دی ہے کہ حاکموں کا فیصلہ اس وقت تک معتبر نہیں ہو گا جب تک کہ دونوں فریق

اس فیصلہ پر راضی نہ ہو جائیں اسی لئے ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ حاکموں کا تفریق کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ خلوٰۃ اس پر راضی نہ ہو جائے کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر خلوٰۃ اس کا اقرار کر لے تو بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور نہ قاضی جانبدار سے حاکم بنانے سے اس کو طلاق پر مجبور کرے گا اسی طرح سے اگر عورت خلوٰۃ کی نافرمانی کا اقرار کر لے تو قاضی اس کو طلع پر مجبور کرے گا اور واپس کرنے پر اور جب جانبدار سے حاکم مقرر کرنے سے پہلے یہ حکم ہے تو جانبدار سے حاکم مقرر کرنے کے بعد بھی یہ حکم ہو گا اور خلوٰۃ کی مرضی کے بغیر ان حاکموں کا اس کی بیوی کو طلاق دینا صحیح نہیں ہو گا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۳۳۰ھ)

امام مالک کی طرف سے یہ جواب دیا جائے گا کہ حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بیوی اور خلوٰۃ کے بھگڑنے میں حاکم بنانے کا معنی ہی یہ ہے کہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ فریقین کے بیان لینے کے بعد وہ اپنی صوابدید سے فیصلہ کرے خواہ نکاح برقرار رکھے خواہ نکاح کو فسخ کر دے اور حاکم بنائے جانے کے بعد بھی ان کو یہ اختیار نہ ہو اور طلاق دینے کا اختیار خلوٰۃ کے پاس ہی رہے تو پھر ان کی حیثیت حاکم کی نہیں وکیل کی ہوگی، حالانکہ قرآن مجید نے ان کو حاکم فرمایا ہے نیز حسب ذیل آثار بھی امام مالک کے موید ہیں :

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابو سلمہ بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم ان میں تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کر دیں اور اگر ان کو ملانا چاہیں تو ان کو ملا دیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم چاہیں تو ان میں تفریق کر دیں اور اگر چاہیں تو ان کو ملا دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت معلویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو حاکم بتلایا گیا، ہم سے کہا گیا کہ اگر تمہاری رائے ان کو جمع کرنا ہو تو ان کو جمع کر دو اور اگر تمہاری رائے ان میں تفریق کرنا ہو تو ان میں تفریق کر دو، معمر نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان دونوں کو حضرت عثمان غنیؓ نے بھیجا تھا۔

(المصنف رقم الحدیث : ۵۱۲-۵۱۱ جامع البیان ج ۵ ص ۳۶ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶)

اگر خلوٰۃ اور بیوی کے درمیان اختلاف کو دونوں طرف کے وکیل یا منصف ختم کرنا کر صلح نہ کر سکیں تو جو فریق مظلوم ہو اس کو داد رسی کے لئے عدالت میں جانا چاہئے۔

اگر شوہر بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے زمانہ میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کا خرچ نہیں دیتا اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیتی ہے شوہر عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت گواہوں کی بنیاد پر یک طرفہ فیصلہ کر کے اس نکاح کو فسخ کر دیتی ہے اور اس کو موجودہ مجسٹریٹ اپنی اصطلاح میں خلع سے تعبیر کرتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ از روئے شرع قابل عمل ہے یا نہیں۔

امام دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا : یا رسول اللہ میرے عیال کون ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی جو کتنی ہے

علامہ ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں :

جو شخص بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اس کے بارے میں امام مالک، امام شافعی اور احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں تفریق نہیں کی جائے گی جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نامرد ہو تو بالاتفاق ان میں تفریق کر دی جاتی ہے اور جب کہ نفقہ نہ دینے کا ضرر مباشرت نہ کرنے کے ضرر سے زیادہ ہے تو اس میں بہ طریق اولیٰ تفریق ہونی چاہئے (کیونکہ شوہر کے جملع نہ کرنے پر تو صبر ہو سکتا ہے لیکن بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا)۔ (بدایۃ المجتہد ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت، المہذب مع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۲۶۷، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو البرکات سیدی احمد درددیر مالکی لکھتے ہیں :

جب عورت فسخ نکاح کا ارادہ کرے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش کرے تو اگر خاوند کا افلاس ثابت نہ ہو تو حاکم خاوند کو کھانے کا خرچ اور کپڑے دینے کا حکم دے جبکہ عورت نے نفقہ نہ دینے کی شکایت کی ہو یا اس کو طلاق دینے کا حکم دے یا کہے کہ یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے گا۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اب رہا یہ سوال کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق جو اقوال پیش کئے گئے ہیں ان میں خاوند عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور ہمارے زیر بحث جو صورت ہے اس میں خاوند عدالت میں حاضر نہیں ہوتا اور غائب ہوتا ہے تو غائب کے خلاف جو فیصلہ کیا جائے گا وہ کیسے نافذ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کر دی گئی اور قاضی کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہئے اسی طرح مفتی بھی یہ فتویٰ دے سکتا ہے تاکہ حرج نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور اس میں ضرورت ہے علاوہ ازیں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا، نور العین میں اس کو برقرار رکھا گیا ہے اور عنقریب مسخر میں اس کا ذکر ہوگا اسی طرح فتح القدیر کے باب المفقود میں ہے کہ جب قاضی غائب کے خلاف یا اس کے حق میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات

کسی مظلوم اور نیک و نفقہ سے محروم عورت کے حق میں جب عدالت فسخ نکاح کر دیتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو اس پر بعض علماء کرام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عدالت کے فیصلہ کی بناء پر اس نکاح کو اجازت کا دروازہ کھول دیا جائے تو جو عورت بھی اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے گی وہ عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کر

کے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گی۔ اس اعتراض کے جواب میں پہلے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں :

ابام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی آپ ان کے پاس باہر گئے اور فرمایا میں صرف بشرہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو (بہ فرض محال) اگر میں کسی شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ صرف آگ کا ٹکڑا ہے وہ اس کو لے یا ترک کر دے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۷۸۱۲۳۵۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۳)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

یعنی میں (از خود) غیب اور مخفی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے اور آپ صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور مخفی چیزیں اللہ کی ولایت میں تھیں، اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو مخفی امور پر مطلع فرما دیتا حتیٰ کہ آپ (صورت واقعہ کے مطابق) یقین کے ساتھ فیصلہ فرماتے لیکن اللہ نے آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا اس لئے آپ نے ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کا اتباع کرنے میں آسانی اور اطمینان ہو۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۵)

اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت خاوند کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیتی ہے تو عدالت تو بہر حال ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرے گی لیکن اس جھوٹ کا وہیل اس عورت کے سر پر ہو گا۔ ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے : جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ نے واپس آکر ان سے باز پرس کی تو اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ (منافقین) آئے انہوں نے مختلف بہانے کئے اور قسمیں کھائیں سو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر کردہ بہانوں کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی امور کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۳۱۸)

دوسرا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف حجت ظاہریہ کا اعتبار ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

جھوٹے گواہوں کے ساتھ ظاہراً "وباطناً" عقود اور فسوخ میں قضا نافذ ہو جاتی ہے بہ شرطیکہ قضا کے محل میں اس قضا کی صلاحیت ہو اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۳)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

فسوخ سے مراد ایسا فیصلہ ہے جو عقد کے حکم کو فسخ کر دے، لہذا یہ طلاق کو بھی شامل ہے اور اس کی فروع میں سے یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند اس کا منکر ہو اور اس عورت نے اپنے دعویٰ پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ان میں علیحدگی کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے عدالت کے

کسی اور شخص سے نکاح کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے خواہ اس کو حقیقت حل کا علم ہو اور ان دو گواہوں میں سے بھی اگر کوئی اس عورت سے نکاح کرے تو عدت کے بعد اس عورت سے نکاح اور مباشرت کرنا جائز ہے اور اس کے پہلے خاوند کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے اور اس عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے کا موقع دے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اس اعتراض کا دو سرا جواب یہ ہے کہ جس عورت پر اس کا خاوند ظلم کرے اس کو نہ گھر میں رکھے اور نہ کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے اور نہ عورت جو ان ہو وہ اپنے معاش کے حصول کے لئے محنت مزدوری یا ملازمت کرے تو اس کو اپنی عزت اور عفت کے لٹ جانے کا بھی خطرہ ہو (اور ایسے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں) تو اس صورت حل کے مطابق اگر عدالت اس کے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو یہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ایک جائز عمل ہے، اب اگر کوئی عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا کر جھوٹے گواہوں کے ذریعہ شوہر کے آباد نہ کرنے کی فرضی داستان بنا کر اپنے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ کرا لے تو اس کا وہاں اس عورت کے سر ہو گا اور اس کے اس جھوٹ کی وجہ سے اس جائز طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے :

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی لکھتے ہیں :

علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ زیارت قبور کو اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ زیارت قبور میں بہت سے منکرات اور مفسد (ناجائز اور برے کام) مثلاً "مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور دوسرے امور (مثلاً" قبور پر سجدہ کرنا) داخل ہو گئے ہیں کیونکہ عبادات کو ان کاموں کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ان عبادات کو بجالائے اور ان غلط کاموں کا رد کرے اور حسب استطاعت ان بدعات کو زائل کرے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۶۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ثانیاً یہ کہ جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں عدالت سے فیصلہ کرانا صرف فسخ نکاح کے عقد کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں پیشہ ور جھوٹے گواہ عدالت کے باہر مل جاتے ہیں اور ان کی بناء پر بہت سے مقدمات میں ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو اب اگر کسی مقدمہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر عدالت کے فیصلہ کو اس لئے معتبر نہ مانا جائے کہ یہ شہادت فی الواقع جھوٹی تھی تو پھر عدالت کا کوئی بھی فیصلہ معتبر نہیں رہے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ جھوٹی گواہی کی بناء پر ہو اور اس کا حل یہی ہے کہ عدالت کا کام ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے اگر کسی فریق نے جھوٹے شواہد پیش کئے ہیں تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہو گا اور حقیقت کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

تہام علی الغائب کے متعلق مذاہب ائمہ

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں :

للم مالک اور امام شافعی کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے انہوں نے کہا جو دور دراز غائب ہو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ غائب کے خلاف مطلقاً فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

جس طرح حاضر کے خلاف ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح غائب کے خلاف بھی ایک گواہ اور قسم سے

فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ (روضة الطالبین ج ۸ ص ۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ایک شخص قاضی کے سامنے پیش ہو اور شہر سے غائب شخص کے خلاف دعویٰ کرے یا شہر میں حاضر ہو لیکن بھاگ جائے یا شہر میں حاضر ہو اور چھپ جائے اور اس کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا کیونکہ اس دعویٰ کا سننا غیر مفید ہے اور اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ ہوں تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے گواہوں کو بھی سنا جائے گا کیونکہ اگر ہم اس کے دعویٰ کو نہ سنیں تو اس مدعی علیہ کا غائب ہونا یا شہر میں چھپ جانا لوگوں کے حقوق ساقط کرنے کا سبب ہو گا جب کہ ان حقوق کی حفاظت کے لئے حاکم کو نصب کیا جاتا ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب بیروت، شرح المہذب ج ۲ ص ۲۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

جس غائب شخص کے خلاف کوئی حق ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا (الی قولہ) غائب کے خلاف صرف آدمیوں کے حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود میں اسقاط کی گنجائش ہے اگر کسی غائب شخص کے چوری کرنے پر گواہ قائم ہوں تو اس سے مل واپس لینے کا حکم دیا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا (المغنی ج ۱ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مجلس عدالت سے غائب ہو یا اس شہر سے غائب ہو اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوں تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ اس مقدمہ کا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود سے۔ (مغلی ابن حزم ج ۹ ص ۳۶۶)

قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ابو سفیان ایک کم خرچ کرنے والے انسان ہیں اور مجھے ان کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۷۱۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۷۱۳)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس مجلس سے غائب تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا، امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے باب القضاء علی الغائب۔ اس حدیث میں مالی معاملات میں غائب کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر اور عثمان نے فتح نکاح میں غائب کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے :

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود (لاپتہ) شخص کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد چار ماہ و س دن (عدت و فوات گزارے) پھر اگر اس کا پہلا خلود آجائے تو اس کو اپنے دیئے ہوئے مہر اور بیوی کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (المصنف رقم الحدیث : ۱۳۱۷)

امام مالک بن انس اسکی متونی ۷۹۱ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس عورت کا خلود لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر وہ حلال ہو جائے گی۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے خلود کا اس پر کوئی حق نہیں رہا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک عورت کو اس کے خلود نے طلاق دے دی اور وہ غائب ہو گیا اور اس حال میں اس نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔ زینت کو طلاق کی خبر پہنچی اور اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچی اور اس نے دوسری جگہ شادی کر لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا جب اس عورت نے نکاح کر لیا تو اب پہلے خلود کا اس پر کوئی حق نہیں رہا خواہ دوسرے خلود نے اس سے دخول کیا ہو یا نہیں۔ (موطأ امام مالک، رقم الحدیث : ۱۳۱۹)

ان دو حدیثوں میں فسخ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے لیکن فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر کوئی حنفی قاضی یا مفتی ائمہ ثلاثہ کے اس قول پر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے اور جس عورت کو اس کا خلود تنگ کرنے کے لئے نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دیتا ہو اور اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ ملازمت کر کے اس کے لئے روٹی کمانا مشکل اور دشوار ہو اور اندریں صورت وہ عدالت میں اپنا کیس پیش کرے، خلود حاضر نہ ہو اور عدالت خلود کے خلاف یک طرفہ ڈگری دے کر خلع کر دے (یعنی نکاح فسخ کر دے) تو یہ فیصلہ صحیح ہے اور عدت کے بعد اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے۔

دفع حرج، مصلحت اور ضرورت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر فیصلہ اور فتویٰ کا جواز

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی متونی ۱۳۵۲ھ لکھتے ہیں :

جو فقہاء احناف قضاء علی الغائب کو جائز کہتے ہیں وہ یہ فرق نہیں کرتے کہ حنفی قاضی یہ فیصلہ کرے یا غیر حنفی فیصلہ کرے، قینہ میں بھی یہی مذکور ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا حنفی ہونا شرط نہیں ہے، اس تصریح سے علامہ ربیع اور علامہ مقدسی کا یہ کہنا غلط ہو جاتا ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا مجوزین میں سے ہونا شرط ہے اور یہی صاحب البحر الرائق کا نظریہ ہے، صاحب البحر نے قضاء علی الغائب کو مفقود کے ساتھ خاص کیا ہے، علامہ ربیع نے ان کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں عموم ہے، جامع الفصولین میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء مضطرب ہیں پس میرے نزدیک یہ ظاہر ہے کہ تمام مقدمات میں غور و فکر کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے اور حرج اور ضرورت کا لحاظ رکھا جائے، اور اگر جواز کا تقاضا ہو تو اس کو جائز کہا جائے ورنہ اس کو ناجائز کہا جائے، مثلاً ایک شخص نے اپنی بیوی کو چند نیک لوگوں کے سامنے طلاق دی پھر وہ شر سے عتاب ہو گیا اور اس کی جگہ کا پتہ نہیں یا پتہ تو ہے لیکن اس کو حاضر کرنا مشکل ہے یا عورت یا اس کے وکیل کا اس کے پاس جانا مشکل ہے کیونکہ وہ جگہ دور ہے یا کوئی اور مانع ہے، اسی طرح اگر مقروض غائب ہو جائے اور اس کا شہر میں مل ہو، اس قسم کی مثالوں میں اگر قاضی کے سامنے عتاب کے خلاف گواہ پیش کر دیئے جائیں اور قاضی کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ گواہ سچے ہیں اور ان میں کوئی جمعوت یا حیلہ نہیں ہے تو قاضی کو چاہئے کہ عتاب کے خلاف فیصلہ کر دے اور مفتی کو بھی چاہئے کہ حرج اور حاجت کو دور کرنے کے لئے اس کے جواز کا فتویٰ دے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہیں جب کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ

ہے، ائمہ ثلاثہ اس کو جائز کہتے ہیں اور ہمارے اصحاب (احناف) کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی جانب سے ایک ایسا وکیل کر لیا جائے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ غائب کی جانب سے مکمل رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا، نور العین میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے اسی طرح مسخر میں ہے اور فتح القدیر کے باب المفقود میں بھی یہی مذکور ہے کہ غائب کے خلاف قضاء جائز نہیں لیکن جب قاضی غائب کے حق میں اس کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے تو فیصلہ کر دے اور یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ خواہ قاضی حنفی ہو۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آزاد کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لَّتَعْتَلُوْا (البقرہ : ۲۳۱) اپنی بیویوں کو حسن سلوک کے ساتھ رکھو ورنہ ان کو معروف طریقہ سے علیحدہ کر دو اور ان پر زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے کی نیت سے ان کو اپنے پاس نہ رکھو۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متونی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

علماء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ خلود کے پاس جب بیوی کو نفقہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ بیوی کو معروف طریقہ سے علیحدہ کرنے کی حد سے نکل گیا پھر حاکم کو چاہئے کہ وہ اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے، کیونکہ جو شخص اس کو خرچ دینے پر قادر نہیں ہے اس کے نکاح میں رہنے سے اس عورت کو ضرر لاحق ہو گا اور بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابو ثور، ابو عیید، یحییٰ بن القطان اور عبد الرحمن بن مہدی کا یہ قول ہے، اور صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی قول ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب نے کہا یہی سنت ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے اس کو نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵، مطبوعہ ایران ۱۳۸۷ھ)

علامہ درودیر مالکی لکھتے ہیں :

حاکم پر لازم ہے کہ وہ خلود سے کہے یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کر دے۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ بیروت)

سو اگر کوئی عورت اپنے خلود کے خلاف یہ مقدمہ دائر کرے کہ اس کا خلود اس کو خرچ دیتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے اور اس پر گواہ قائم کر دے اور خلود بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو عدالت پر لازم ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کر دے، خواہ وہ قاضی حنفی ہو یا شافعی یا مالکی یا حنبلی۔

مفتی محمد عبد السلام چاٹ گامی رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں :

ہاں شوہر کا ظلم و زیادتی اگر عدالت میں شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے اور شوہر شرعی طریقہ سے اسے آبلو کرنے پر رضامند نہیں ہو تانہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلع پر رضامند ہوتا ہے تو ان مجبوریوں کے بعد عدالت گواہوں کی گواہی کی

بنیاد پر یک طرفہ منع نکاح کا اختیار رکھتی ہے۔ (جواہر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی) مفتی رشید احمد کراچی نے بھی اسی صورت میں عدالت کے فیصلہ کو نافذ العمل قرار دیا ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۱۱۔ مطبوعہ کراچی)

میں نے اس مسئلہ کو شرح صحیح مسلم میں بھی لکھا تھا اور یہاں مزید تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جب کوئی مظلوم عورت ہمارے زمانہ کے مفتیوں کے پاس جاتی ہے جس کو خلوند نہ خرچ دیتا ہے نہ طلاق، خاوند عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت یک طرفہ ڈگری دے دیتی ہے تو ہمارے مفتی اس فیصلہ کو نہیں مانتے اور اس عورت کو عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور وہ عورت یہ کہتی ہے کہ اس کے مسئلہ کا اسلام میں کوئی حل نہیں ہے، سو میں نے صرف اسلام کے دفاع کے جذبہ سے یہ تحقیق پیش کی ہے اور اللہ ہی نیتوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ (نیکی کرو) اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قربات دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ نیکی کرو (النساء : ۳۶)

اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں دراز گوش پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا : اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا : اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرے وہ اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان کو خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی پر توکل کر کے بیٹھ جائیں گے (عمل نہیں کریں گے) (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۸۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۳۰، سنن ترمذی : ۲۶۵۲، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۲۹۶، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۲۱۰، مسند ابو عوانہ : ج ۱ ص ۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے جو اللہ پر بندوں کے حق کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے فضل اور کرم سے شرک نہ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے ورنہ عمل کی وجہ سے کسی بندہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یہ حدیث بیان کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں خود رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت دے دی تو حضرت معاذ نے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان فرمایا تاکہ علم کو چھپانے پر جو وعید ہے اس میں داخل نہ ہوں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اس نے کہا اے اللہ کے نبی مجھ کو وصیت کیجئے آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو خواہ تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلادیا جائے اور کسی وقت کی نماز ترک نہ کرو اور شراب نہ پو کیونکہ وہ برائی کی کنجی ہے۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۰۳۳، الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۵، مجمع الزوائد : ج ۴ ص ۲۱۷-۲۱۸)

میں باپ کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ
إِلَى الْمَصِيرِ (لقمان : ۱۴)

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے کنواری پر کنواری عداوت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹا دوسری میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف لوٹنا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کون لوگ میرے اچھے سلوک کے مستحق ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں، کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں، کہا پھر کون ہے؟ فرمایا پھر تمہاری ماں، کہا پھر فرمایا پھر تمہارا باپ۔

(صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۵۳۸، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۳۹۹، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۱۹۰۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث : ۲۷۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۳۱، الادب المفرد، رقم الحديث : ۵۹۷۱، سنن کبریٰ للسیوطی ج ۸ ص ۲، شرح السنہ، رقم الحديث : ۳۲۱۲)

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے شکر کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ انسان کے حق میں سب سے بڑی نعمت اس کا وجود اور اس کی تربیت اور پرورش ہے اور اس کے وجود کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں، اسی طرح اس کی تربیت اور پرورش میں حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں۔ نیز جس طرح اللہ بندے کو نعمتیں دے کر اس سے اس کا عوض نہیں چاہتا اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بلا عوض نعمتیں دے دیتے ہیں، اور جس طرح اللہ بندہ کو نعمتیں دینے سے محنت اور آگاہی نہیں والدین بھی اولاد کو نعمتیں دینے سے محنت اور آگاہی نہیں، اور جس طرح اللہ بندے کو گناہوں سے بچھڑاتا اور اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا، اسی طرح اگر اولاد نالائق ہو پھر بھی ماں باپ اس کو اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتے، اور جس طرح اللہ اپنے بندوں کو دائمی ضرر اور عذاب سے بچانے کے لئے ہدایت فراہم کرتا ہے، ماں باپ بھی اپنی اولاد کو ضرر سے بچانے کے لئے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

ماں باپ کے ساتھ اہم نیکیاں یہ ہیں کہ انسان ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہے، ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، ان کے ساتھ سختی سے بات نہ کرے، ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے، اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے، ان کے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے، ان کی اطاعت کرے اور ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرے خواہ اس کے خیال میں وہ اس پر ظلم کر رہے ہوں ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے، ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے اگر اس کا باپ یہ کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس کو طلاق دے دے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمرؓ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا پھر حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا نبی ﷺ نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۵۱۳۸، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۰۸۸، مسند احمد ج ۲ ص ۵۳، ۲۰، ۲۲)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے حضرت ابو درداءؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے، تم چاہو تو اس کو ضائع کر دو اور تم چاہو تو اس کی حفاظت کرو، سفیان کی ایک روایت میں ماں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں باپ کا ذکر ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۰۶)

حافظ عبدالعظیم بن عبد القوی لکھتے ہیں :-

سب سے پہلے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو طلاق دینے کا حکم دیا تھا اور بیٹے کی باپ کے ساتھ نیکی یہی ہے کہ جس کو باپ ناپسند کرے اس کو بیٹا بھی ناپسند کرے اور جس سے اس کا باپ محبت کرتا ہو اس سے محبت کرے خواہ اس کو وہ ناپسند ہو، یہ اس وقت واجب ہے جب اس کا باپ مسلمان ہو، ورنہ مستحب ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۸ ص ۸۳۵) نیز باپ کے ساتھ یہ بھی نیکی ہے کہ باپ کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے، نبی ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اور ان کو تحائف بھیجتے تھے، جب بیویوں کی سہیلیوں کا یہ درجہ ہے تو باپ کے دوستوں کا مقام اس سے زیادہ بلند ہے، نیز ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے لیے استغفار کرنا بھی ان کے ساتھ نیکی ہے، ایک شخص بنی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد میں ان کے ساتھ کس طرح نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا ان کی نماز جنازہ پڑھو، ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو، انہوں نے لوگوں سے جو وعدے کئے تھے ان کو پورا کرو، ان کے دوستوں کی عزت کرو اور جن کے ساتھ وہ صلہ رحم کرتے تھے ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(عارفۃ الاحوذی ج ۸ ص ۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ)

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

جو پڑوسی رشتہ دار ہو اس کا ایک حق اسلام ہے اور ایک رشتہ داری کا حق ہے اور ایک پڑوسی کا حق ہے، اور جو پڑوسی جنبی ہو اس کے ساتھ اسلام اور پڑوسی کا حق ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے دوبار پوچھا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے ہدیہ بھیجا یا نہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل مجھ کو ہمیشہ کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو میرا وارث کر دے گا۔

ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۹، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۶۰۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۲۲۳، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۵۱۵۱، سنن ابن

ماجہ، رقم الحدیث: ۳۶۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے دوستوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور جو شخص اپنے پڑوسیوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۹۵۱، الادب المفرد، رقم الحدیث: ۱۵، سنن داری ج ۲ ص ۲۸۵)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۳۶۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں، میں ان میں سے کس کے ساتھ ابتداء کروں، فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازہ کے زیادہ قریب ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (الوسط ج ۳ ص ۵۰، صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۰۲۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میرے پڑوسی کلمچہ پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ بیمار ہو تو تم اس کی عیادت کرو، اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اگر وہ بد حال ہو تو اس پر ستر کرو، اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو، اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو، اپنے گھر کی عمارت اس کی عمارت سے بلند نہ کرو کہ اس کی ہوارک جائے۔

(المعجم الکبیر: ج ۱۹ ص ۳۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سالن پکائے تو اس میں شوربا زیادہ کرے۔ پھر اپنے پڑوسی کو بھی اس میں سے دے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۶۱۵، کشف الاستار عن زوائد البرہار رقم الحدیث: ۱۹۰۱، مسند احمد، رقم الحدیث: ۱۳۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص پیٹ بھر کر رات گزارے اور اس کو علم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے اس کا مجھ پر ایمان نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۷۵۱، کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث: ۱۸۹)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ جس شخص کا گھریا دکان تمہارے گھریا دکان سے متصل ہو وہ تمہارا پڑوسی ہے، بعض علماء نے چالیس گھروں تک اتصال کا اندازہ کیا ہے۔ (اکمل اکمل المعلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے غلاموں کے ساتھ نیکی کرو

غلاموں اور خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ) تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کر دیا ہے۔ سو جو تم کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ اور ان کے ذمہ ایسا کام نہ لگاؤ جو ان پر بھائی ہو اور اگر تم ان کے ذمہ ایسا کام لگاؤ تو تم ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۳۲۸۹)

ابوداؤد، رقم الحدیث: ۵۱۵۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۱۹۵۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۳۶۹۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم بنی التوبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس شخص نے اپنے غلام کو تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے بری تھا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر حد قائم کرے گا، سو اس کے کہ وہ بات صحیح ہو، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۵۳، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۶۸۵۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۶۶۰، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۵۱۱۵)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے سنا کوئی شخص میرے پیچھے کھڑا یہ کہہ رہا تھا ابو مسعود تحمل کرو، ابو مسعود تحمل کرو، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے، آپ نے فرمایا جتنا تم اس پر قہر ہو اللہ تم پر اس سے زیادہ قہر ہے۔ سنن ابو داؤد میں یہ اضافہ ہے میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ اللہ کے لیے آزاد ہے، آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ میں جاتے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۵۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۶۵۹، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۵۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو دن میں کتنی بار معاف کروں، آپ نے فرمایا ہر دن میں ستر بار۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۵۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور اس کو خدا یاد آجائے تو اس کو مارنا چھوڑ دے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بحسب تلمی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو آزاد کر دیا وہ ایک تنکے سے زمین کرید رہے تھے انہوں نے کہا اس عمل میں ایک تنکے کے برابر بھی اجر نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا یا پیٹا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کر دے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۵۱۶۸)

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے غلام آزاد کیا اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کر دے گا حتیٰ کہ اس کی فرج کے بدلہ میں اس کی فرج آزاد کر دے گا۔

اسلام میں غلامی کو ختم کرنے کے لئے بہت سے طریقے مقرر کیے گئے قتل خطا کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے، ظہار کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے، عدا "روزہ توڑنے کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے اور جس کے غلام نہ ہوں تو وہ کفارہ قسم میں تین دن روزے رکھے گا، اور باقی صورتوں میں دو ماہ کے روزے رکھے گا۔

تعلیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ خود بخل کرتے ہیں، اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں، اور اللہ نے جو کچھ ان کے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء : ۳۷)

میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے وعید

اللہ نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد اللہ کے دشمن احل کتب ہیں، اللہ کا جو ان پر حق ہے یہ اس میں بخل

کرتے ہیں، اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے ذکر کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان کا ذکر ان کے پاس تورات میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو انصار مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے ان سے یہودی کہتے تھے کہ تم اپنے اموال خرچ نہ کرو کیونکہ ہم کو تم پر فقر کا اندیشہ ہے تمہارا مال ضائع ہو جائیگا اور تم کو پتا نہیں ہے کہ آگے چل کر اسلام کا کیا ہوگا، سو یہ لوگ خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے تھے اور نبی ﷺ کی تصدیق کے متعلق تورات میں جو آیات مذکور ہیں ان کو چھپاتے تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (ان لوگوں کے لئے بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو وہ کیسا برا ساتھی ہے۔

(النساء: ۳۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال تقسیم کرو، منافقین اس حکم کی نافرمانی دو طرح سے کرتے تھے۔ یا تو خود مال خرچ نہیں کرتے تھے اور خرچ کرنے والوں کو بھی منع کرتے تھے یا پھر لوگوں کو دکھانے سنانے اور نام آوری کے لیے خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آخر ان پر کیا آفت آجائی اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (النساء : ۳۹)

جبریہ کا رد اور ایمان میں تقلید کا کلفی ہونا

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے میں کیا نقصان ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے، اس سے ان منافقوں کو زجر و توبیخ اور ان کو ملامت کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے۔

اس آیت میں جبریہ کا رد اور ابطال ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، اگر بندے مجبور محض ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نہ لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر ملامت نہ فرماتا، آج کل بھی بہت سے پڑھے لکھے لوگ گناہ کرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے وہی کیا جو ہمارے لیے مقدور ہو چکا تھا اگر اللہ چاہتا تو ہم یہ گناہ نہ کرتے حالانکہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے کرتا ہے اس کو کسب کہتے ہیں اور جس چیز کا وہ کسب کرتا ہے اللہ اس کو پیدا کر دیتا ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ بندہ کا سب اور اللہ خالق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان لانے بہت آسان اور سہل ہے، اسی وجہ سے مقلد کا ایمان لانا معتبر ہے، کیونکہ اللہ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کرنا اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور امور آخرت پر دلائل قائم کرنا آسان اور سہل نہیں ہے، عام لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور ماں باپ کے اسلام کی وجہ سے ان کی تقلید میں مسلمان ہوتے ہیں اور ہر شخص ان دلائل میں غور و فکر کرنے کا اہل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ صحت ایمان کے لیے تقلید کفنی ہے اور استدلال ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ (النساء : ۴۰)

اللہ کے ظلم نہ کرنے کا معنی

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص محل کے سوا کسی یا زیادتی کر کے کسی اور جگہ رکھنا، سو اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کسی کی نیکیوں کے ثواب میں کمی کرتا ہے نہ کسی کی برائیوں کے عذاب میں کمی کرتا ہے، اس لیے بندوں کو چاہئے کہ ان کو جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کریں اور جس کام سے منع کیا ہے اس سے رک جائیں۔

ظلم کا یہ معنی بھی ہے : غیر کی ملک میں تصرف کرنا، اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے اور مالک اپنی ملک میں جو تصرف بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا لیکن پھر بھی بہ فرض محال اگر وہ تمام مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور وہ مالک علی الاطلاق ہے، ہم نے بہ فرض محال اس لیے کہا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں اور ایمان والوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرما چکا ہے اور اپنے وعدے کے خلاف کرنا اس کے حق میں محال ہے کیونکہ انعام کا وعدہ کر کے انعام نہ دینا عیب ہے اور عیب اللہ کے لیے محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب بڑھانے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ ایک نیکی پر دس گنے اجر کا مستحق ہے تو اللہ اس کو بیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا تیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا اس سے بھی زیادہ عطا فرمایگا۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

زازان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو جمع فرمایگا، پھر اللہ کی طرف سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ جس شخص نے اپنا حق لینا ہو آئے اور اپنا حق لے لے، بہ خدا اگر بچے کا اپنے باپ پر یا کسی کا اپنے بیٹے پر یا اپنی بیوی پر جو بھی حق ہو گا وہ لے لے گا، خواہ وہ چھوٹا حق ہو، اور اس کا مصداق کتب اللہ میں یہ آیت ہے :

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ
يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (المؤمنون : ۱۰۱)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن رشتے (باقی) نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

ایک شخص سے کہا جائیگا ان لوگوں کے حقوق ادا کرو وہ شخص کہے گا اے رب! دنیا تو گذر چکی ہے میں ان کے حقوق کہاں سے ادا کروں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایگا اس شخص کے نیک اعمال کو دیکھو، اور مستحقین کو اس کی نیکیاں دے دو، پھر جب اس کی ایک ذرہ کے برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے کہیں گے (حلا نکہ اللہ کو خوب علم ہے) اے ہمارے رب ہم نے ہر حقدار کو اس کی نیکی دیدی اب اس کی صرف ایک نیکی رہ گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمایگا میرے اس بندہ کی نیکی کو دگنا چو گنا کر دو، اور اس کو میرے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل کر دو، اور اس کا مصداق یہ آیت ہے، اور اگر وہ بندہ شقی ہو اور اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں تو فرشتے عرض کریں گے کہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور اس کی صرف برائیاں رہ گئی ہیں اور لوگوں کے حقوق باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمایگا حقداروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دو اور اس کے لیے جہنم کا پورا نہ لکھ دو۔ (بخاری رحمہ اللہ)

ابو عثمان التمدی بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ

آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک نیکی کا اجر بڑھا کر ایک کروڑ درجہ کر دیا جاتا ہے، انہوں نے کہا تم کو اس پر کیوں تعجب ہے بہ خدا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو ہزار ضرب ہزار (ایک کروڑ) درجہ تک پہنچا دے گا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۵۸-۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے، اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بندہ کا عمل اتنے بڑے اجر کا مقتضی نہیں ہے یہ اجر اللہ اپنے پاس سے عطا فرماتا ہے، دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر و ثواب بڑھا لیا ہے جس سے بندہ کو جنت میں جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے جس سے بندہ کو روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ روحانی لذتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ جنت میں حاصل ہونے والی سب سے عظیم نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس وقت کیسا سنا ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے (رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ (النساء : ۴۱)
تمام نبیوں کے صدق پر رسول اللہ ﷺ کی شہادت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا یعنی کافر کو جو عذاب دے گا وہ ظلم نہیں ہوگا، اور مومنوں کو بشارت دی تھی کہ ان کی نیکیوں کے اجر کو بڑھا دے گا، اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ جزا اور سزا نبیوں اور رسولوں کی گواہی پر مترتب ہوگی جس کے خلاف وہ گواہی دیں گے اس کو سزا ملے گی اور جس کے حق میں گواہی دیں گے اس کو اجر و ثواب بیش از بیش ملے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل ہوا ہے، آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں کسی اور سے قرآن سنوں، میں نے سورہ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امة بشہید و جئنا بک علی ہؤلاء شہیدا (النساء : ۴۱) میں نے سر اٹھا کر دیکھا کسی نے میرے پہلو میں ٹوکا دیا اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۸۰۰)

رسول اللہ ﷺ کا رونا خوف خدا کے غلبہ سے تھا کیونکہ اس سے پہلی آیت میں ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء صادقین علیہم السلام کے صدق پر گواہی دیں گے، یا انبیاء سابقین کی تقویت کے لیے ان کی امت کے کافروں کے خلاف شہادت دیں گے، اور اس میں ہمارے نبی ﷺ کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ تمام نبیوں اور رسولوں کی شہادت آپ کی شہادت سے مانی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کافر اور رسول کی نافرمانی کرنے والے اس دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کر کے) ان پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔ (النساء : ۴۲)

قیامت کے دن کفار کے مختلف احوال

اس آیت میں رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا کافروں پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغفرت کو چاہتا ہے، اس سے یہ

واضح ہوا کہ کفر الگ گناہ ہے اور رسول کی نافرمانی کرنا الگ گناہ ہے اور کافروں کو کفر کی وجہ سے بھی عذاب ہو گا اور رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بھی عذاب ہو گا اور کافروں کو رسول کی نافرمانی کی وجہ سے اسی وقت عذاب ہو گا جب یہ مانا جائے کہ کافر فروعی احکام کے بھی مخاطب ہیں۔ نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس روز کافر یہ تمنا کریں گے کہ ان پر زمین برابر کر دی جائے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ ان کو زمین میں دفن کر دیا جائے دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا اور وہ اسی طرح زمین میں مدفون رہتے تیسرا معنی یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ جانوروں کو مٹی بنا دیا گیا ہے تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو بھی مٹی بنا دیا جائے۔

پھر فرمایا اور وہ اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپا سکیں گے اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما رہا ہے جنہوں نے شرک نہیں کیا تو وہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین (الانعام : ۲۳) ”ہمیں اپنے پروردگار کی قسم ہم شرک کرنے والے نہیں تھے“ اس وقت ان کے منہ اور ہاتھ اور پیر ان کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ الانعام میں یہ مذکور ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن مختلف احوال ہوں گے ایک وقت میں وہ کہیں گے کہ ما کنا نعمل من سوء (النحل : ۲۸) ”ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے“ اور کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور ایک وقت ہو گا کہ شہد علیہم سمعہم وابصارہم وجلودہم بما کانوا یعملون (حم السجدہ : ۲۰) ”ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے“ اس وقت وہ کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان پر زمین برابر کر دی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

لے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تم یہ

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا

جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

وَأِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت

الْغَايِبِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا

کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے متعارف کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو

طَيِّبًا فَاَمْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا

سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرو، بیشک اللہ نہایت معاف کرنے والا بہت

عَفُوًّا ۳۳ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

بخشنے والا ہے کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۳۴ وَاللّٰهُ

وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ۳۴ اور اللہ تمہارے

اَعْلَمُ بِاَعْدَائِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۳۵ وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ۳۶

دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ تمہارا کافی کارساز اور کافی مددگار ہے ۳۵

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاَسْمَعُ غَيْرُ مَسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لِيَئَا بِالسِّنَةِ هُمْ

ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ کہتے ہیں) نیسے آپ نہ مانے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ دینی

طَعَنَافِي الَّذِيْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاَسْمَعُ وَ

کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں، اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات

اَنْظُرْنَا لَكَ اِنْ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۚ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

نہیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۳۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

فرمائی ہے سوائے ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے ۳۶ اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلُ اَنْ تَطِيْسَ وُجُوْهُكُمْ

جس کو ہم نے نازل کیا ہے درآں حاکم وہ اس (اصل) کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے

فَنَدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ تَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ

کہ ہم بعض چہروں کے نقوش شادیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں جس طرح ہم نے

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۴۵﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ

ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے ۵۰ بیشک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً

اُخْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۴۶﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنْفُسَهُمْ بِلِ

اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا ۴۶ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ

اللَّهُ يَزَكِّيٰ مَنْ يَشَاءُ وَلَا يُلْظَمُونَ فِتْيَلًا ﴿۴۷﴾ أَنْظِرْ كَيْفَ

ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ۴۷ دیکھئے یہ لوگ کس طرح

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۴۸﴾

اللہ پر عدا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے ۴۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (النساء : ۴۳)

حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کا شان نزول

لام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانے کی دعوت کی، اور ہم کو (تحریم شراب سے پہلے) شراب پلائی، ہم نے شراب پی اور نماز کا وقت آگیا، انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے لام بنا دیا میں نے پڑھا قل یا ایہا الکافرون لا عبد ما تعبدون ونحن نعبد ما تعبدون (آپ کہیے کہ اے کافرو میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۳۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۶۷۱)

لام ابن جریر متوفی ۳۳۰ھ نے از ابو عبدالرحمن از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف اور

حضرت علی نے شراب پی اور نماز حضرت عبد الرحمن بن عوف نے پڑھائی اور ان کو اس آیت کے پڑھنے میں التباس ہوا تب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۶۱)
 امام ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۱)
 امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث میں یہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو امام بتلایا گیا اور اس نے قرات میں یہ غلطی کی پھر یہ آیت نازل ہوئی یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام ذہبی نے بھی اس کو صحیح لکھا ہے۔
 (المستدرک ج ۲ ص ۳۰۷)

امام ابو الحسن واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(الوسیط ج ۲ ص ۵۶، تفسیر سفیان الثوری ص ۵۶، تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۵۶)

بعض مفسرین نے کہا اس آیت کا معنی ہے جب تم پر نیند کا غلبہ ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔
 اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص سفر میں جنبی ہو جائے اور اس کو غسل کے لیے پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے، زجاج نے کہا اس کی حقیقت یہ ہے کہ حالت جنابت میں تم نماز نہ پڑھو، قسبی نے کہا اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد موضع الصلوٰۃ ہے یعنی مسجد اور اس کا معنی ہے کہ حالت جنابت میں تم مساجد کے قریب نہ جاؤ مگر صرف راستہ گزرنے کے لیے۔
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم بیمار ہو یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو، سو تم اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔
 تیمم کی مشروعیت کا سبب

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں گئے، جب مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، رسول اللہ ﷺ اس ہار کو تلاش کرنے کے لیے رک گئے، اور آپ کے ساتھ تمام قافلہ رک گیا، اس جگہ پانی تھا اور نہ صحابہ کے ساتھ پانی تھا، صحابہ نے حضرت ابو بکر سے شکایت کی اور کہنے لگے کہ تم نہیں دیکھ رہے کہ (حضرت) عائشہ نے کیا کیا ہے؟ تمام لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھہرا لیا، اس مقام پر پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ (یہ شکایت سن کر) حضرت ابو بکر میرے پاس آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے محو نیند تھے، حضرت ابو بکر نے مجھے ڈانٹنا شروع کیا اور کہنے لگے تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کو پریشان کیا ہے اور ایسی جگہ روک لیا ہے جہاں بالکل پانی نہیں ہے، نہ صحابہ کے پاس پانی ہے، پھر حضرت ابو بکر ناراض ہو کر جو کچھ ان کے دل میں آیا کہتے رہے اور اپنے ہاتھ سے میری کونکھ میں اپنی انگلی چبھوتے رہے، اور میں رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل آنے کے خیال سے اپنی جگہ سے مطلقاً نہیں ہلی، یہاں تک کہ اسی حال میں یعنی جب کہ لوگوں کے پاس پانی نہ تھا، صبح ہو گئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی، پھر نعباء میں سے حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے ابو بکر یہ کوئی آپ کی پہلی برکت نہیں ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس لوٹ کو کھڑا کیا جس پر میں سوار تھی

اس کے نیچے سے نکل آیا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۶۷، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۲۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۵۶۸)

حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے علم کی بحث اس حدیث میں ہے :

حضرت عائشہ نے فرمایا : ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہار نکل آیا۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :

صحیح بخاری میں ہے : رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس کو ہار مل گیا (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳۳) ایک روایت میں دو شخصوں کا ذکر ہے، اور یہ ایک ہی واقعہ ہے، علماء نے کہا ہے کہ جس شخص کو بھیجا وہ حضرت اسید بن حضیر اور اس کے متبعین تھے، وہ گئے تو ان کو کچھ نہیں ملا، پھر واپسی میں حضرت اسید کو اس اونٹ کے نیچے سے وہ ہار مل گیا۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۶۰، مطبوعہ کراچی)

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء "نہیں بتایا یا اس طرف متوجہ نہیں کیا کہ ہار کہاں ہے کیونکہ اس میں متعدد حکمتیں تھیں اور آپ کی امت کو بہت سے مسائل کی تعلیم دینا تھی بعض ازاں یہ ہیں :

حدیث تیمم سے استنباط شدہ مسائل

علامہ بدرالدین عینی نے بیان کیا کہ اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں :

- ۱۔ بعض علماء (علامہ ابن حجر عسقلانی) نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس جگہ قیام کرنا جائز ہے، جہاں پانی نہ ہو اور اس راستہ پر سفر کرنا جائز ہے جہاں پانی نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسی ہی جگہ سفر اور قیام کیا تھا۔
- ۲۔ کسی شادی شدہ خاتون کی شکایت اس کے والد سے کرنا، خواہ اس کا خاوند موجود ہو، صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس لیے شکایت کی تھی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے اور صحابہ کرام آپ کو نیند سے بیدار نہیں کرتے تھے۔
- ۳۔ کسی فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا، کیونکہ پانی نہ ملنے کا سبب حضرت عائشہ کے ہار کا گم ہونا تھا۔
- ۴۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا خواہ اس وقت اس کا خاوند موجود ہو، جب اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا خاوند اس پر راضی ہو گا۔

۵۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کو سرزنش کرنا خواہ وہ بیٹی شادی شدہ ہو اور صاحب منصب ہو۔

۶۔ اگر کسی شخص کو ایسی تکلیف یا آفت پہنچے جو حرکت اور اضطراب کا موجب ہو تو وہ صبر کرے اور اپنے جسم کو ہلنے سے باز رکھے جب کہ اس کی حرکت سے کسی سونے والے، بیمار یا نمازی یا قاری یا علم میں مشغول شخص کی تشویش اور بے آرامی کا خدشہ ہو۔

۷۔ سفر میں تہجد کی رخصت، یہ اس قول پر ہے کہ آپ پر تہجد کی نماز واجب تھی۔

۸۔ پانی کو تلاش کرنا صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز کا وقت آجائے، کیونکہ عمرو بن حارث کی روایت میں ہے نماز کا وقت آگیا تب پانی کو تلاش کیا گیا۔

۹۔ آیت وضو کے نازل ہونے سے پہلے وضو واجب تھا، اسی وجہ سے ان کو بہت تشویش اور صدمہ لاحق ہوا کہ وہ ایسی جگہ ٹھہرے ہیں جہاں پانی نہیں ہے، اور حضرت ابو بکر نے حضرت عائشہ پر ناراضگی کا اظہار کیا، علامہ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ تمام اہل سیرت اس پر متفق ہیں کہ جب سے نبی ﷺ پر نماز فرض ہوئی ہے، آپ نے وضو کے ساتھ نماز پڑھی ہے (آیت وضو آیت تیمم کے ساتھ نازل ہوئی ہے یہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶ ہے) اگر یہ اعتراض ہو کہ وضو پہلے ہی واجب تھا تو آیت وضو کو نازل کرنے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ وضو کی فرضیت کی آیت کی قرآن مجید میں تلاوت ہو۔ نیز پہلے وضو کی فرضیت سنت سے تھی اور اب وضو کی فرضیت قرآن مجید سے ہو گئی، بعض روایت میں ہے کہ حضرت اسلحہ اعرجی، جو نبی ﷺ کے لیے سواری لاتے تھے ایک دن انہوں نے نبی ﷺ سے کہا میں جنبی ہوں تو تیمم کی آیت نازل ہو گئی، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا واقعہ بھی ہارگم ہونے والے دن پیش آیا ہو کیونکہ وہی نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور سواری والا تھا۔

۱۰۔ اس حدیث میں تیمم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔

۱۱۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ تندرست، مریض، بے وضو اور جنبی سب کے لیے تیمم مشروع ہے، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں قرار دیتے تھے، لیکن فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول پر عمل نہیں کیا، کیونکہ احادیث صحیحہ میں جنبی کے لیے تیمم کا جواز ثابت ہے۔

۱۲۔ اس حدیث میں سفر میں تیمم کرنے کے جواز کی دلیل ہے، اس پر سب کا اجماع ہے، اور حضر میں تیمم کرنے میں اختلاف ہے، امام مالک اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ سفر اور حضر میں تیمم کرنا مسلوٰی ہے، جب پانی نہ ملے، یا مرض یا خوف شدید یا وقت نکلنے کے خوف سے پانی کو استعمال کرنا مشکل ہو، علامہ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے کہا جو شخص تندرست ہو اور مقیم ہو اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو، علامہ طبری نے کہا امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک مقیم کے لیے مرض اور خروج وقت کے خوف کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے، امام شافعی، لیث اور طبری نے یہ بھی کہا ہے کہ جب خروج وقت کا خوف ہو تو تندرست اور بیمار دونوں تیمم کر سکتے ہیں، وہ نماز پڑھ لیں اور ان پر اعلاہ لازم ہے، اور عطاء بن ابی رباح نے یہ کہا ہے کہ جب پانی دستیاب ہو تو مریض اور غیر مریض دونوں تیمم نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن عبد البر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خروج وقت کے خوف سے تیمم جائز ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقیم کے لیے خروج وقت کے خوف کے سبب سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ امن کے زمانہ میں ازواج کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اگر ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں تو وہ کسی ایک کو ساتھ لے جائے، اور قرعہ اندازی کر کے اس کو لے جانا مستحب ہے جس کے نام کا قرعہ نکلے، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی کرنا واجب ہے۔

جنبی کے لیے جواز تیمم میں صحابہ کا اختلاف

جنبی کے لیے تیمم کرنے میں صحابہ کا اختلاف تھا، حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس سے

منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کرنا جائز تھا۔

امام مسلم بن حجاج قیسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں مل سکا، حضرت عمر نے فرمایا نماز مت پڑھ۔ حضرت عمار کہنے لگے، اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک سفر میں تھے۔ ہم دونوں جنبی ہو گئے اور ہمیں پانی نہیں ملا۔ آپ نے بہر حال نماز نہیں پڑھی، لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا، اور میں نے نماز پڑھ لی (جب حضور کی خدمت میں میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا : تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم دونوں ہاتھ زمین پر مارتے پھر پھونک مار کر گرد اڑا دیتے، پھر ان کے ساتھ اپنے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کرتے، حضرت عمر نے کہا اے عمار خدا سے ڈرو، حضرت عمار نے کہا اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث کسی اور سے نہ بیان کروں، امام مسلم نے ایک اور سند بیان کر کے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمار کے جواب کے بعد حضرت عمر نے فرمایا، ہم تمہاری روایت کا بوجھ تمہیں پر ڈالتے ہیں۔

شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت ابوموسیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مخاطب ہو کر فرمایا، اگر کسی شخص پر غسل فرض ہو اور اس کو ایک ماہ تک پانی نہ مل سکے تو وہ شخص کس طرح نمازیں پڑھے گا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا وہ شخص تیمم نہ کرے خواہ اس کو ایک ماہ تک پانی نہ ملے، حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا، پھر آپ سورہ مائدہ کی اس آیت کا کیا جواب دیں گے۔ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً ”جب تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کرو“ حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ اگر اس آیت کی بناء پر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو وہ پانی ٹھنڈا لگنے کی بناء پر بھی تیمم کرنا شروع کر دیں گے۔ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا کیا آپ نے حضرت عمار کی یہ حدیث نہیں سنی، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، راستہ میں (جب میں سویا تو) مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ پس میں خاک پر اسی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگا، جس طرح جانور لوٹ پوٹ ہوتے ہیں، پھر جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر ایک مرتبہ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں پر مسح کیا اور دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر اور چہرہ پر مسح کیا، حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کیا تمہیں پتہ نہیں کہ حضرت عمر نے حضرت عمار کی حدیث پر اطمینان نہیں کیا تھا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۶۸، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۴۶-۳۴۰، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۲۲-۳۲۱)

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک سردرات کو جنبی ہو گئے، انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب : ۷)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا بعض مسائل میں اختلاف ہوتا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کو طعن تشنیع نہیں کرتے تھے اور فروعی مسائل میں اختلاف کو وسعت طرف سے لیتے تھے، اگر اس قسم کا اختلاف آج کے مسلمانوں میں ہو تو دوسرے کے خلاف نہ جانے کتنے رسالے لکھے جائیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کی جائے اور آپس میں جو تم پیرا

شروع ہو جائے۔

تیمم کی تعریف، اس کی شرائط اور مذاہب فقہاء

تیمم، کتب، سنت اور امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے، تیمم کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت کو سرفراز کیا ہے، امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث اصغر ہو یا حدیث اکبر، تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے، ہمارا اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں (دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مارنا) ضروری ہیں، ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور ایک ضرب سے کھنٹیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا جائے، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حسن بصری، شعبی، سالم بن عبداللہ بن عمر، سفیان ثوری، امام مالک، امام ابو حنیفہ، اصحاب رائے اور دوسرے تمام فقہاء رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے، عطاء، کھول، لوزاعی، امام احمد، اسحق، ابن المنذر، اور علامتہ المحدثین کا مسلک یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ضرب واجب ہے۔ زہری نے یہ کہا ہے کہ ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے، علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ کھنٹیوں سے بلوراء تیمم نہیں ہے، اور ابن سیرین سے منقول ہے کہ تیمم میں تین ضربات ہیں، ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب ہتھیلیوں کے لیے اور تیسری ضرب کلائیوں کے لیے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے، تیمم حدیث اصغر کے لیے بھی ہے اور حدیث اکبر (جنبی، حائض اور نفساء) کے لیے بھی ہے، سلف اور خلف میں سے اس کا کوئی مخالف نہیں ہے، ماسوا حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے، یہ بھی روایت ہے کہ ان دونوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا، جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے ثبوت میں بہ کثرت احادیث مشہورہ مروی ہیں، جب جنبی تیمم سے نماز پڑھ لے تو اس پر غسل کرنا بلا اجماع واجب ہے، اس میں صرف ابو سلمہ عبدالرحمن تابعی کا قول مخالف ہے لیکن یہ قول بلا اجماع متروک ہے، اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں وارد ہے کہ جب پانی مل گیا تو نبی ﷺ نے جنبی کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۴۳) اگر مسافر کے پاس پانی نہ ہو تو وہ پھر بھی اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے، وہ (اگر اتنا پانی ہو تو) اپنی شرمگاہوں کو دھو کر تیمم کریں اور نماز پڑھ لیں اور اگر انہوں نے اپنی شرمگاہیں دھو لیں تو ان پر نماز کا اعلاہ نہیں ہے، اور اگر مرد نے اپنے آلہ کو نہیں دھویا اور اس پر رطوبت فرج لگی ہوئی تھی جس قول کے مطابق رطوبت فرج نجس ہے اس کو نماز کا اعلاہ کرنا ہو گا ورنہ نہیں، جس شخص نے کسی مرض یا زخم کی وجہ سے تیمم کیا تو اس پر نماز کا اعلاہ نہیں ہے اور جس نے پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تو اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں پر غالباً پانی نہیں ہوتا، مثلاً سفر میں ہے تو اس پر اعلاہ واجب نہیں ہے، اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں پر کبھی کبھی پانی نہیں ہوتا اور اکثر ہوتا ہے تو اس پر نماز کا اعلاہ ہے (جو شخص ڈیڑھ انگریزی میل کی مسافت پر شر سے دور ہو اور اس کو پانی دستیاب نہ ہو تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک تیمم کر سکتا ہے اور اس پر نماز کا اعلاہ نہیں ہے۔ ہدایہ)

امام شافعی، امام احمد، ابن المنذر، داؤد ظاہری اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمم صرف ایسی پاک مٹی کے ساتھ جائز ہے جس کا غبار عضو کے ساتھ لگ جائے، اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تمام اقسام سے تیمم کرنا جائز ہے، حتیٰ کہ دھلے ہوئے پتھر سے بھی تیمم کرنا جائز ہے، اور بعض اصحاب مالک نے یہ کہا ہے کہ جو چیز زمین کے ساتھ متصل ہو، اس کے ساتھ تیمم کرنا بھی جائز ہے اور برف کے متعلق ان کی دو روایتیں ہیں، اور لوزاعی اور سفیان ثوری نے

ہما کہ برف اور ہر وہ چیز جو زمین پر ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔
تیمم کے بعض مسائل

امام مسلم بن حجاج قیسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیر جمل (مدینہ کے قریب ایک جگہ) کی طرف جا رہے تھے ایک مسلمان نے آپ کو سلام کیا، آپ نے اس کو سلام کا جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس گئے اور تیمم کر کے اس کو جواب دیا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۶۹)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس وقت پانی نہیں تھا کیونکہ جب پانی موجود ہو اور اس کے استعمال پر قدرت ہو تو تیمم جائز نہیں ہے، خواہ فرض نماز، نماز عید، یا نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو، یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عید اور جنازہ کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تیمم جائز ہے، کیونکہ ان کی قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مٹی کی جنس سے تیمم کرنا ضروری ہے اور اس پر غبار ہونا ضروری نہیں جیسا کہ احناف کا مذہب ہے کیونکہ عام طور پر دیوار پر غبار نہیں ہوتا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ دیوار کے مالک کی اجازت کے بغیر آپ نے کیسے تیمم کر لیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دیوار مباح تھی یا کسی ایسے شخص کی دیوار تھی جس کو آپ جانتے تھے اور آپ کو علم تھا کہ آپ کے تصرف سے اس کو اعتراض نہیں ہوگا، اس حدیث میں نوافل کے لیے تیمم کرنے پر بھی دلیل ہے، پیشاب کرتے وقت جس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کا فوراً جواب نہیں دیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ قضاء حاجت کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس حالت میں اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اسی طرح اس حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح جماع کی حالت میں بھی ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس حال میں مطلقاً "کلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے لیکن ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں مثلاً کسی نابینا کو کوئیں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھے تو بتا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (النساء : ۴۴)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں (جامع البیان ج ۵ ص ۷۳) زبجج نے کہا وہ لوگوں سے رشوت لینے کو رسول اللہ ﷺ کی تصدیق پر ترجیح دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ کلنی کار ساز اور کلنی مددگار ہے۔

(النساء : ۴۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اس کی نصرت تم کو دوسروں سے مستغنی کر دے گی۔ خصوصاً وہ دینوں سے جن کی نصرت کی تم توقع رکھتے ہو، زبجج نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اور دوسرے کافروں کی دشمنی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ

تفسیر طبری میں ہے کہ اس پر یہ لعنت نہیں کی جائے گی خواہ وہ مشہور فاسق ہو جیسے یزید۔

(۳) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ جب کفار پر لعنت کی جائے تو شرعاً اس کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے بالکل دور کرنا اور جب مومنین پر لعنت کی جائے تو اس کا معنی ہے ان کو ابرار اور مقربین کے درجہ سے دور کرنا البحر الرائق کی بحث لعان میں ہے کیا معین کذب پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ غایت البیان کے باب العدة میں مذکور ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا جو شخص چاہے میں اس سے مبالغہ کر لوں اور مبالغہ کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت کرنا اور جب ان کا کسی چیز میں اختلاف ہو تا تو وہ کہتے تھے کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو اور فقہاء نے کہا یہ لعنت ہمارے زمانہ میں بھی مشروع ہے قرآن مجید میں مومن پر لعن معین کا ثبوت ہے جب لعان میں پانچوں دفعہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والا مرد کہتا ہے:

وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (النور: ۷)

اور پانچویں گواہی یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ مومن پر لعنت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو مقربین اور ابرار کے درجہ سے دور کیا جائے نہ کہ اللہ کی رحمت سے بالکل دور کیا جائے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۱، مختصر مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتب! اس کتب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے در آں حالیکہ وہ اس (اصل) کتب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں، یا ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی، اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے اے اہل کتب قرآن مجید کی تصدیق کرو جو توحید، رسالت، مبداء اور معاد اور بعض احکام شرعیہ میں تورات کے موافق ہے، اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں، یعنی آنکھوں اور ناک کی بناوٹ کے ابھار کو دھنسا کر چہرے کو بالکل ساٹ بنا دیں یا چہرے کو گدی کی جانب لگا دیں، اس میں اختلاف ہے کہ یہ وعید دنیا کے متعلق ہے یا آخرت کے۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے کہا اس آیت کا معنی ہے کہ اے اہل کتب! قرآن مجید پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ تم کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن صوریہ، کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے فرمایا: اے یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ بہ خدا تم کو یقین ہے کہ میں جس دین کی دعوت لے کر آیا ہوں وہ حق ہے، انہوں نے کہا اے محمد (ﷺ) ہم اس دین کو نہیں جانتے انہوں نے انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

عیسیٰ بن مغویہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم کعب احبار بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے انہوں نے محص میں ایک شخص سے یہ آیت سنی تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا اے رب میں ایمان لاتا ہوں اور اس سے پہلے کہ مجھے یہ وعید پہنچے میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۷۹)

یا اس سے پہلے ایمان لے آئیں کہ ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ان لوگوں پر لعنت کی تھی جن کو ہفت

کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی صورتیں کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ اس گنہ کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ شرک ٹپکایا جائے اور جو اس سے کم گنہ ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑے گنہ کا بہتان باندھا۔

(النساء : ۴۸)

شرک کی تعریف

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

شرک کا لغوی معنی ہے دو یا دو سے زیادہ لوگ کسی ایک معین چیز کے مالک ہوں تو وہ دونوں اس کی ملکیت میں شریک ہیں، اور دین میں شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سب سے بڑا کفر ہے اور شرک صغیر یہ ہے کہ بعض کاموں میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی رعایت کرے جیسے ریاء اور نفاق۔

(المفردات ص ۲۱۰، المکتبۃ الرضویہ ایران ۱۳۳۳ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں :

شرک کرنے کی تعریف یہ ہے : کسی شخص کو الوہیت میں شریک ماننا جیسے مجوس اللہ کے سوا واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

(شرح عقائد نسفی ص ۳۱، مطبوعہ مطبعہ یوسفیہ ہند)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو واجب بالذات یا قدیم بالذات ماننا، یا اللہ کے سوا کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات ماننا (مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کو از خود علم ہے یا از خود قدرت ہے) یا کسی کو اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ماننا (مثلاً کسی کو سجدہ عبودیت کرنا) یا کسی کو اس اعتقاد سے مصائب میں پکارنا کہ وہ از خود سن لے گا یا از خود مدد کرے گا یا جو عبادت اللہ کے ساتھ خاص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے بجالانا، مثلاً کسی بزرگ کی نذر ماننا یا کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اپنی قدرت سے رزق اور اولاد دیتا ہے، بارش برساتا ہے، بلاؤں کو مالتا ہے، نفع پہنچاتا اور ضرر دیتا اس کی ذاتی قدرت میں ہے یا حادث ہونے کے قصد سے کسی کے نام کی قسم کھانا یہ تمام امور شرک ہیں)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے لکھا ہے کہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی یہ بھی شرک ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰)

یہ تعریف دو وجہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ شرک کا تعلق کسی چیز کو سمجھنے اور جاننے سے نہیں ہے، ماننے اور اعتقاد کرنے سے ہے، ماننا اس وجہ سے کہ کوئی کسی شخص کو دور سے پکارے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو خبر ہو گئی۔ یہ اس وقت شرک ہو گا جب وہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ بے عطائے غیر مستقل سننے والا ہے، شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ کی اس سلسلہ میں بہت محتاط عبارت ہے وہ لکھتے ہیں :

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل

عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرمادیوے گا یا بلاؤ نہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا یا بلاؤ نہ تعالیٰ ملائکہ پہنچادیوں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسرو حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطاب یہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسلمع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸، مطبوعہ ناشران محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اسی طرح مفتی محمد شفیع نے کسی کو سجدہ کرنا بھی شرک لکھا ہے، جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے، سجدہ عبودیت شرک ہے اور سجدہ تعظیم ہماری شریعت میں حرام ہے سابقہ شریعتوں میں جائز تھا۔ کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا بھی شرک لکھا ہے، جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے اگر عبادت کی نیت سے قبر کا طواف کرے اور یہ مسلمان کے حل سے بہت بعید ہے تو یہ شرک ہے اور اگر تعظیم کی وجہ سے طواف کرے جیسا کہ اکثر جاہل مسلمان کرتے ہیں تو یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا، اس کو بھی شرک لکھا ہے، جب کہ عبادت کی نیت سے شرک ہے خواہ حد رکوع تک ہو یا اس سے کم ہو اور تعظیم کی نیت سے حد رکوع تک جھکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے، حالانکہ ان کو صرف موثر حقیقی ماننا شرک ہے، نیز ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا شرک نہیں ہوتا اعتقاد اور ماننا شرک ہوتا ہے، اور اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ستارے نظام عالم میں اللہ کی قدرت کی علامات ہیں اور مثلاً کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو یہ کفر نہیں ہے۔ البتہ مکروہ ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۵۹، مطبوعہ کراچی)

اور کسی مہینہ کو منخوس سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰) اس سے قطع نظر کر کے کہ سمجھنے کا شرک سے تعلق نہیں ہے، منخوس کا اعتقاد شرک نہیں ہے بلکہ خلاف واقع اور خلاف شرع ہے رسول اللہ ﷺ نے بدشگونی لینے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کسی نے کسی چیز کو منخوس سمجھا تو وہ گناہ گار ہو گا شرک نہیں ہو گا۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک کے سوا ہر گناہ بخش دیا جائے گا خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ اس پر توبہ کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اور اس آیت میں معتزلہ اور خوارج کا صراحتہ ”رد ہے۔“ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے رب کے پاس سے آنے والے نے مجھے بشارت دی کہ میری امت میں سے جو شخص اس حل میں فوت ہوا کہ اس نے شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو آپ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۴۳۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے یقیناً بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

(النساء : ۴۸)

اس کا معنی ہے جس شخص نے ایسا گناہ کیا جس کی مغفرت نہیں کی جائے گی اور وہ شرک ہے، اور اس کا دوسرا معنی

جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ افتری کا لفظ فری سے ماخوذ ہے فری کا معنی ہے قطع کرنا اور جیسے کسی چیز کو کاٹا جائے

تو وہ عموماً "فاسد ہو جاتی ہے اس لیے انفری کا معنی بہ طور غلبہ کے فساد ہو گیا اور قرآن مجید میں یہ لفظ ظلم، کذب اور شرک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۵۰)

اپنی پاکیزگی اور فضیلت بیان کرنے کی ممانعت

تزکیہ کا معنی ہے صفاء باطن اور اس آیت میں جو اپنے تزکیہ سے منع فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے متعلق یہ نہ کہو کہ ہم گناہوں سے پاک ہیں اور اپنی تعریف اور ستائش نہ کرو۔ امام ابن جریر نے قلعہ سے روایت کیا ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے، ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہودیہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ صرف اتنے ہیں جتنے ہمارے نوزائیدہ بچوں کے گناہ ہوتے ہیں جس دن وہ پیدا ہوئے ہوں اگر ان کے گناہ ہیں تو ہمارے بھی گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو یہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جن سے اپنی پاکیزگی اور اپنی تعریف کا اظہار ہوتا ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زینب کا نام برہ (نیکی کرنے والی) تھا ان سے کہا گیا کہ تم اپنی پارسل بیان کرتی ہو! تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۳۱)

محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا، تو مجھ سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع کیا ہے میرا نام برہ رکھا گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی پارسل نہ بیان کرو اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے، مسلمانوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۳۲، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۱۹۲)

حضرت سمروہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چار نام اپنے بیٹوں کے نہ رکھو اقلح (ہست فلاح پانے والا) رباح (نفع حاصل کرنے والا) یسار (آسانی کرنے والا) نافع (نفع پہنچانے والا) (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۳۶)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بختانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

مقدام بن شریح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ نے سنا کہ لوگ ان کو ابو الحکم کی کنیت کے ساتھ پکار رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا : اللہ تعالیٰ ہی حکم (فیصلہ کرنے والا) ہے اور اسی کی طرف حکم راجع ہوتا ہے۔ تم نے اپنی کنیت ابو الحکم کیوں رکھی ہے، انہوں نے کہا جب میری قوم کا آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بہت اچھی بات ہے تمہاری اولاد بھی ہے؟ اس نے کہا میرے تین بیٹے ہیں شریح، مسلم اور عبد اللہ، آپ نے فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح، آپ نے فرمایا تو

ابو الشریح ہو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۹۵۵، سنن نسائی رقم الحدیث : ۵۳۰۲، الادب المفرد رقم الحدیث : ۸۱۳، المستدرک ج ۱ ص ۲۳)
جس شخص کا کسی شخص یا کسی چیز کے ساتھ زیادہ اشتغال ہو وہ اس کے ساتھ کنیت رکھ لیتا ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ اشتغال تھا تو ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھ دی، ابو کا معنی والا یا صاحب ہے اور ابو ہریرہ کا معنی بلی والا ہے، ابو الشریح کا معنی شریح والا ہے، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات کے ساتھ کنیت نہیں رکھنی چاہئے اس اعتبار سے ابو الاعلیٰ کنیت بھی صحیح نہیں ہے۔

غرض صحیح کی بناء پر اپنی پاکیزگی اور اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز

قرآن مجید اور ان احادیث میں اپنی پارسائی اور بڑائی بیان کرنے سے منع فرمایا ہے یہ اس وقت ہے جب انسان کسی پر اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اپنی بڑائی بیان کرے، لیکن جب اس سے اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو یا جب کسی جگہ اپنی پاک دامنی کا اظہار کرنا مقصود ہو یا کسی عیب اور الزام سے اپنی برکات بیان کرنا مطلوب ہو یا اپنا حق اور اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے محامد بیان کرنے مقصود ہوں تو پھر اپنے محامد اور اپنے فضائل اور اپنی برکات اور پاکیزگی کو بیان کرنا جائز ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں ہے، اور حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہو گا اور فخر نہیں ہے، اور تمام بنی آدم ہوں یا ان کے غیر سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۱۳۸، ۳۱۱۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۴۳۰۸، مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۶۰۹، المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹، دلائل النبوة للسیقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ثمامہ بن حزن قیسری بیان کرتے ہیں کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں ان کے سامنے حاضر تھا، حضرت عثمان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو وہاں چاہ رومہ کے سوا اور کوئی بیٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا، آپ نے فرمایا چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے کون وقف کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس سے بہتر چیز لے گا! تو اس کنویں کو میں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا تھا اور آج تم نے مجھ پر اس کنویں کا پانی بند کر دیا ہے اور میں سمندر کا کھاری پانی پی رہا ہوں، کون نے کہا اے اللہ! ہاں، حضرت عثمان نے کہا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ جب مسجد نمازیوں سے تنگ ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فلاں شخص کی زمین کو خرید کر مسجد کے ساتھ کون لاحق کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس کو اس سے بہتر چیز مل جائے گی! تو میں نے اپنے ذاتی مال سے زمین کو خریدا اور آج تم مجھ کو اس مسجد میں دو نماز پڑھنے سے بھی منع کرتے ہو! انہوں نے کہا : اے اللہ! ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں نے جیش العسرة (غزوہ تبوک کے لشکر) کے لیے مالی مدد فراہم کی تھی، انہوں نے کہا اے اللہ!

ہاں، حضرت عثمان نے کہا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک پہاڑ شیر پر تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور میں تھا، پہاڑ ٹپنے لگا، حتیٰ کہ اس کے پتھر ثیب میں گرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا : اے شیر ساکن ہو جا تجھ پر صرف نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں، انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں! حضرت عثمان نے کہا اللہ اکبر! انہوں نے میرے حق میں گواہی دی ہے اور تین بار کہا رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۷۰۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۶۰۵، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۸۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۸، کنز العمال، رقم الحدیث : ۳۶۳۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی غرض صحیح کی بناء پر اپنے فضائل بیان کرنا جائز ہے، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جو اپنی پاکیزگی اور تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے اس کا محمل یہ ہے کوئی شخص یہ نہ بیان کرے کہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اس کا یہ درجہ ہے اور جنت میں یہ مقام ہے اور وہ اخروی عذاب سے بری ہے، اور یہودی کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہو گا اور اگر ہوا بھی تو صرف چالیس دن ہو گا، اور اس سے اس لیے منع فرمایا کہ آخرت کا حال غیب ہے اور غیب کا علم نبی ﷺ کے خبر دیئے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا، اور نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ براہ راست مطلع فرماتا ہے، یا فرشتہ کی وساطت سے آپ کو مطلع فرماتا ہے، اور جو دنیاوی فضائل ہیں یا نبی ﷺ کے بتلانے سے جن درجات کا علم ہوا ان کا ضرورت کے وقت بیان کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : دیکھئے یہ لوگ کس طرح اللہ پر عدا "جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے۔ (النساء : ۵۰)

اللہ پر عدا "جھوٹ باندھنے سے مراد ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک گناہوں سے پاک ہیں، حالانکہ وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ اس کے محبوب ہیں نہ گناہوں سے پاک ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ بت اور شیطان پر ایمان

وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ

لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت

الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَن يَلْعَنِ

زیادہ صحیح راستہ پر ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جن پر اللہ

اللَّهُ فَلَئِنْ تَجَدَّلْتُمْ فِيهِ نَصِيرًا ﴿۵۲﴾ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا

کرے تو (اے مخاطب) تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا ۵۲ یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں

لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿۵۳﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا

کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے ۵۳ یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے

أَنَّهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَ

ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے، تو بیشک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا

الْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَمَنَ بِهِ وَ

کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا ۵۴ سو ان میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لائے

مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّاعَهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۵۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ

اور بعض لوگوں نے اس سے منہ موڑا، اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے ۵۵ بیشک جن لوگوں نے ہماری

كَفَرُوا وَإِنَّا لَيَتَنَاسُوْنَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا أَوْ لَكُمَا نَفِجَتْ جُلُودُهُمْ

آیتوں کا انکار کیا ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈال دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی

بَدَلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا

ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو (ہمیشہ) چھتے رہیں، بیشک اللہ بہت غالب

حَكِيمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ

بڑی حکمت والا ہے ۵۶ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ

کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ

مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿۵۷﴾ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا

سہاں میں اور ہم ان کو گنے گنے میں داخل کریں گے ۵۷ بیشک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں

الْأَمْنَتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا

کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ

بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعْمًا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَبِيعًا

کرو بیشک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے بیشک اللہ سننے والا، دیکھنے

بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

والا سب سے ۵۸ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ

اور جو تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول

وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ

کی طرف لوٹا دو بشرطیکہ تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے

خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے ۵۹

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ جنت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

(النساء : ۵۱)

جنت اور طاغوت کا معنی

ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے وہ جنت ہے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۶۳) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت سے مراد بت ہیں اور طاغوت سے مراد بتوں کے ترجمان ہیں جو بتوں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور بتوں کی طرف منسوب کر کے لوگوں سے جھوٹی اور من گھڑت باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں، حضرت عمر نے فرمایا جنت سے مراد ساحر ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مجاہد نے کہا طاغوت سے مراد وہ شیطان ہے جو انسان کی صورت میں آتا ہے اور لوگ اس کے پاس اپنے مقدمات پیش کرتے ہیں، مجاہد نے ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ طاغوت سے مراد کاہن ہے اور جنت سے مراد ساحر ہے، حضرت ابن عباس سے ایک تفسیر یہ ہے کہ جنت سے مراد ایک یہودی عالم جی بن اخطب ہے اور طاغوت سے مراد ایک یہودی سردار اور عالم کعب بن اشرف ہے۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۸۲-۸۳)

لام رازی نے بیان کیا ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن الاشرف چند یہودیوں کے ساتھ مکہ گئے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کفار قریش کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے۔ قریش نے کہا تم اہل کتاب ہو اور ہماری بہ نسبت تم (سیدنا) محمد (ﷺ) کے زیادہ قریب ہو۔ ہم تمہاری بات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہیں کرو گے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں سو انہوں نے بتوں کو سجدہ کر لیا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعض اہل کتب جنت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں، پھر ابوسفیان نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ ہم زیادہ ہدایت کے طریقہ پر ہیں یا (سیدنا) محمد (ﷺ) تو کعب نے پوچھا (سیدنا) محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ قریش نے کہا وہ کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو، بتوں کی عبادت نہ کرو اور انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کر دیا ہے اور لوگوں میں جدائی ڈال دی ہے، کعب نے پوچھا اور تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم بیت اللہ کے محافظ ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تو کعب بن اشرف نے کہا تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہودی اہل کتاب کافروں کے متعلق کہتے ہیں یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے مخاطب) تو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء: ۵۲)

چونکہ یہودیوں نے بت پرستوں کو موحدین پر فضیلت دی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی، اور اللہ کی لعنت کا معنی ہے ان کو اللہ کی رحمت سے بالکل دور کر دیا جائے، اور یہ ان پر دنیا میں لعنت ہے یہ جہاں کہیں بھی ہوں لعنتی رہیں گے اور آخرت میں ان پر زیادہ لعنت ہوگی جس دن کوئی شخص کسی کافر کے کام نہیں آسکے گا، اس کے برخلاف مومنوں کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

یہود کے بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو قتل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے۔

(النساء: ۵۳)

یہاں سے یہود کی برائیوں کا بیان شروع کیا گیا ہے، اس آیت کا معنی ہے ان کا ملک میں کوئی حصہ نہیں ہے، یہود کہتے تھے کہ آخر زمانہ میں ملک ان کی طرف لوٹ آئے گا اس آیت میں ان کے اس دعویٰ کا رد ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ملک سے مراد نبوت ہو، یعنی ان کے لیے نبوت سے کوئی حصہ نہیں ہے حتیٰ کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور اتباع لازم ہو، پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا بعد کے جملہ کے ساتھ ربط ہے کیونکہ اگر ان کا ملک ہو تا یا اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ لوگوں کو قتل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے، یعنی ضرورت مندوں کو کچھ نہ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے، تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا۔ (النساء: ۵۴)

یہود کے حسد کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بخل کی مذمت کی تھی اور اس آیت میں ان کے حسد کی مذمت کی

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنے فضل سے جو نعمت عطا فرمائی تھی یہود اس پر حسد کرتے تھے وہ کس نعمت پر حسد کرتے تھے اس میں اختلاف ہے، قلدہ نے کہا ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل سے آخری نبی مبعوث فرمایا تو وہ اس پر حسد کرنے لگے، اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہود نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) اس قدر تواضع کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نکاح میں اتنی ازواج ہیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۸) لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس آیت کے دوسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ سے حسد کیوں کرتے ہیں یہ نعمت تو حضرت ابراہیم کی آل کو بھی ملی تھی اور ان کو بھی مل چکی ہے۔

اس آیت میں کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور وہ تورات، انجیل اور زبور اور دیگر صحائف کو شامل ہے اور حکمت سے مراد نبوت ہے یا وہ اسرار ہیں جو اللہ کی کتاب میں ودیعت کیے گئے ہیں، حضرت ابراہیم کی آل میں نبی اور رسول مبعوث کیے گئے جن کو یہ کتابیں اور حکمتیں دی گئیں اور وہ سب ان یہودیوں کے آباء اور اسلاف تھے، اور ان کے آباء اور اسلاف کو ملک عظیم بھی دیا گیا جیسے حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو ملک دیئے گئے، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے لیے بہت زیادہ بیویاں حلال کی گئی تھیں۔ پھر سیدنا محمد ﷺ پر یہ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام ابو داؤد نے سنن میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے روایت کیا ہے کہ ملک عظیم سے مراد عورتوں سے نکاح ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی نانوائے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے کثرت ازواج کس طرح باعث اعتراض ہو گا!

اور حاکم نے مستدرک میں محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۳، مطبوعہ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان میں سے بعض لوگ ابراہیم پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے ان سے منہ موڑا اور (ان کے لیے) بھڑکتی ہوئی دوزخ کھلی ہے۔ (النساء : ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یا ان کی آل میں سے جو انبیاء اور رسول مبعوث ہوئے ان پر سب لوگ ایمان نہیں لائے، بعض ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے تو جب بعض کا ایمان نہ لانا حضرت ابراہیم کی نبوت اور ان کی نسل میں سے دوسرے انبیاء کی نبوت کے لیے موجب نقصان نہیں ہے تو اگر کچھ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے آپ کی نبوت اور رسالت میں کیا فرق پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو عنقریب آگ میں جھونک دیں گے جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو ہمیشہ چکھتے رہیں۔ (النساء : ۵۶)

دوزخ میں جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدلنے پر تعذیب بلا معصیت کی بحث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ کافروں کی کھال چالیس ہاتھ موٹی ہوگی اور ان کا دانت ستر ہاتھ بڑا ہوگا اور ان کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں پہاڑ سما جائے۔

حسن بیان کرتے ہیں ایک دن میں ستر ہزار بار ان کی کھال جلے گی اور بدل جائے گی۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۹۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۵۱)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ ایک تیز رفتار سوار تین دن میں طے کرتا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۵۲)

قرآن مجید کی اس آیت پر یہ اشکل ہوتا ہے کہ کافر کی کھال جلنے کے بعد اس کو نئی کھال دی جائے گی اور اس کو عذاب دیا جائے گا تو یہ تعذیب بلا معصیت ہے کیونکہ اس نئی کھال نے تو کوئی گناہ نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور جسم اور اس کے اجزاء تو روح تک عذاب پہنچانے کے آلات ہیں، لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ مذہب یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

روح اور جسم دونوں پر عذاب کی دلیل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے، آپ ہم سے آٹے اس وقت ہم نے نماز میں تاخیر کر دی تھی، ہم نے وضوء کیا اور پیروں پر مسح کر لیا، تو آپ نے دو یا تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا : (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہوگا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روح اور بدن دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

نیز علامہ محمد بن احمد سفاری متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں :

امت کے تمام متقدمین اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۱۱ھ)

تعذیب بلا معصیت کے اشکل کے صحیح جوابات

اس لیے اس اشکل کا صحیح جواب یہ ہے کہ کھال کے جل کر پکنے کا معنی ہے اس کا سیاہ پڑ جانا، اور اس کو دوسری کھال سے بدلنے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کھال کا رنگ اپنی قدرت کلمہ سے سفید کر دے گا جیسے دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور صحت مند ہونے کے بعد اسی چہرہ کا رنگ نکھر کر تروتازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح سار ایک انگوٹھی کو توڑ کر یا اس کو پگھلا کر اسی مادہ سے دوسری نئی صورت کی

انکو بھی بتارتا ہے، اسی طرح بلا تشبیہ و تمثیل اللہ تعالیٰ ایک کھل کو جلا کر اس سے نئی کھل پیدا کر دے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں عذاب بدن کے اجزاء املیہ اور روح کو ہوتا ہے اور وہ ختم نہیں ہوتے بلکہ باقی اعضاء جل جانا اور دوبارہ بن جانا صرف روح اور اجزاء املیہ تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

اور جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے دانت، اس کی کھل اور دیگر اعضاء کی جسامت بڑھ جاتی ہے ان پر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ جس دانت نے گنہ کیا تھا وہ تو احد پہاڑ جتنا نہیں تھا اس دانت کے ساتھ جو اضافہ کیا گیا ہے اس پر عذاب بغیر کسی معصیت کے ہو گا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی اجزاء اور اعضاء کو کسی اضافہ کے بغیر اتنا بڑا کر دے گا، یا زائد حصہ کو عذاب نہیں ہو گا اور کافر کی شکل قبیح بنانے کے لیے اس کے اعضاء کو بڑا کر دیا جائے گا اور صحیح جواب یہی ہے کہ اصل عذاب بدن کے اجزاء املیہ اور روح کو ہو گا یہ اضافات تو ان اجزاء تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

روح اور جسم دونوں کے مستحق عذاب ہونے کی ایک مثل

عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اس سلسلہ میں علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے علامہ سفیری کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن روح اور بدن میں بحث ہوگی، روح جسم سے کہے گی کہ گنہ تم نے کیے ہیں میں تو ایک ہوا کی مانند تھی اگر تم نہ ہوتے تو میں کوئی عمل نہیں کر سکتی تھی، اور جسم کہے گا تم نے مجھے کلام کرنے کا حکم دیا تھا اگر تم نہ ہوتے تو میں درخت کے تنے کی طرح ہوتا اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کو کبھی حرکت نہ دیتا، تب اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا وہ کہے گا تم دونوں کی مثل ایک لہجے اور ایک اندھے کی ہے یہ دونوں ایک بلغم میں گئے لہجے نے اندھے سے کہا میں یہاں پھل دیکھ رہا ہوں لیکن ان کو توڑ نہیں سکتا، تو اندھے نے کہا تم مجھ پر سوار ہو جاؤ پھر جہاں پھل ہوں تم دیکھ کر توڑ لینا، سو دونوں مجرم ہیں اور دونوں سزا کے مستحق ہیں لہذا یہ منزلہ روح ہے اور اندھا بہ منزلہ جسم ہے، علامہ آلوسی نے اس مثل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اندھے اور لہجے دونوں کو شعور ہے اور یہاں صرف روح کو شعور ہے جسم کو شعور نہیں ہے، پھر اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے جسم کو شعور ہو اور ہم کو اس کا پتا نہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۵۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میرے نزدیک اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ مثل صرف مسئلہ کی تفہیم کے لیے ہوتی ہے اس کا مثل لہجے سے بالکل مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ (النساء : ۵۷)

اخروی نعمتوں کے لیے نیک اعمال چاہئیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وعد کے بعد وعید یا وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے، اس لیے آخرت میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اب آخرت میں مومنوں کے ثواب کا ذکر فرمایا۔

اس آیت میں کئی مسائل ہیں ایک یہ کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں، کیونکہ اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور

مخافت کو چاہتا ہے، دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اخروی انعامات کو ابتداءً حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں اس کے ساتھ نیک عمل بھی ضروری ہیں البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے۔ قلعہ یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے جس کو چاہے اس قلعہ سے مستثنیٰ کر دے۔ جنت میں دوام کا ذکر فرمایا اس میں ہم بن صفوان اور ان جیسے لوگوں کا رد ہو گیا جن کے نزدیک جنت میں ثواب اور دوزخ میں عذاب فانی ہے، پاکیزہ بیویوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی۔ جنت میں دھوپ نہیں ہوگی اس کے باوجود جنت میں سائے کا ذکر فرمایا کیونکہ یہاں سائے سے مراد آرام اور سکون ہے جس شخص کو جلتے ہوئے ریگستان میں سایہ میسر آجائے تو وہ اس کے لیے بہت بڑی راحت ہوتا ہے سو یہاں بھی گھنے سائے سے مراد راحت اور آرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کر دو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (النساء : ۵۸)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعدہ کا ذکر فرمایا، اس کے بعد پھر احکام تکلیفیہ کا ذکر شروع فرمایا، نیز اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ ان کی کتب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ ان کو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے اور اس میں خیانت کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا۔ امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے خواہ مذاہب میں ہو، عقائد میں ہو معاملات میں ہو یا عبادات میں ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، فتح مکہ کے دن جب نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس سے کعبہ کی چابیاں لے لیں پھر آپ بیت اللہ کے باہر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آئے، پھر آپ نے عثمان کو بلایا اور انہیں چابیاں دے دیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۲)

امانت ادا کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات
قَالَ اٰمِنْ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ فَلْيُوْذِ الْاٰمِنُ
اَوْثٰمًا مَّا لَكُمْ وَلِيَتْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ

پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

(البقرہ : ۲۸۳)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو درآں حالیکہ تم کو علم ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوْا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اٰمَانِيْكُمْ وَاَنْتُمْ

مُؤْمِنُوْنَ (الانفال : ۲۷)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لَا مُنِيْعَتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ

(المؤمنون : ۸)

امانت ادا کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو، سائل نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی ناکمل کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت لو کرو اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۳۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۲۶۸، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۲۵۹۷، مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۳، المستدرک ج ۲ ص ۳۶)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے ماسوا اس کے کہ کسی کا ناجائز خون بہانا ہو، یا کسی کی آبرو ریزی کرنی ہو یا کسی کا مل نامحق طریقہ سے حاصل کرنا ہو (یعنی اگر ایسی بات ہو تو اس کی صاحب حق کو اطلاع دے کر خبردار کرنا چاہئے) (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۸۶۹)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو وضو نہ کرے اس کا ایمان نہیں۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۲۵۳)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو امانت ادا کرو، جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو، جب تم بات کرو سچ بولو، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔

(شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۲۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس امت میں سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی وہ حیا اور امانت ہیں، سو تم اللہ عز و جل سے ان کا سوال کرو۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۲۷۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی شخص کی نماز اور روزے سے تم دھوکے میں نہ آنا، جو چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے روزے رکھے لیکن جو امانت دار نہیں ہے وہ دین دار نہیں ہے۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث : ۵۲۷۹)

اللہ کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یا مخلوق کے ساتھ اور ہر معاملہ کے ساتھ اس پر لازم ہے کہ وہ اس معاملہ کو امانت داری کے ساتھ کرے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام بجالائے اور جن چیزوں سے اللہ نے اس کو منع کیا ہے ان سے رک جائے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہر چیز میں امانت داری لازم ہے۔ وضو میں، جنابت میں، نماز میں، زکوٰۃ میں اور روزے میں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان میں شرم گاہ پیدا کی اور فرمایا میں اس امانت کو تمہارے پاس چھپا کر رکھ رہا ہوں، اس کی حفاظت کرنا، ہاں اگر اس کا حق ادا کرنا ہو، یہ بہت وسیع معاملہ ہے، زبان کی امانت

یہ ہے کہ اس کو جھوٹ، جعلی، غیبت، کفر، بدعت اور بے حیائی کی باتوں میں نہ استعمال کرے، آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس سے حرام چیز کی طرف نہ دیکھے۔ کلن کی امانت یہ ہے کہ اس سے موسیقی، فحش باتیں، جھوٹ اور کسی کی بدگوئی نہ سنے، نہ دین اور خدا اور رسول کے خلاف باتیں سنے، ہاتھوں کی امانت یہ ہے کہ ان سے چوری، ڈاکہ، قتل، ظلم اور کوئی ناجائز کام نہ کرے، منہ میں لقمہ حرام نہ ڈالے، اور پیروں کی امانت یہ ہے کہ جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہاں نہ جائے اور تمام اعضاء سے وہی کام لے جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا
وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ
ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب : ۷۲)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے، اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

خلق خدا کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

تمام مخلوق کی امانت کو ادا کرنا، اس میں یہ امور داخل ہیں : اگر کسی شخص نے کوئی امانت رکھوائی ہے تو اس کو واپس کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، لوگوں کے عیوب بیان نہ کرنا، حکام کا عوام کے ساتھ عدل کرنا، علماء کا عوام کے ساتھ عدل کرنا، بایں طور کہ ان کی صحیح رہنمائی کرنا، تعصب کے بغیر اعتقادی مسائل کو بیان کرنا، اس میں یہود کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے جو دلائل تورات میں مذکور ہیں ان کو نہ چھپائیں، اور یہودی کے لیے ہدایت ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور جس شخص کا گھر میں آنا اسے ناپسند ہو اس کو نہ آنے دے، تاجر ذخیرہ اندوزی نہ کریں۔ بلیک مارکیٹ نہ کریں، نقلی دوائیں بنا کر لوگوں کی جان سے نہ کھیلیں، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ نہ کریں، ٹیکس نہ بچائیں، اسمگلنگ کر کے کسٹم ڈیوٹی نہ بچائیں۔ یہودی کا روبرو نہ کریں۔ ہیروئن، چرس اور دیگر نشہ آور اور مضر صحت اشیاء کو فروخت نہ کریں، بیرو کرپشن رشوت نہ لیں، سرکاری افسران اپنے محکمہ سے ناجائز مراعات حاصل نہ کریں، ڈیوٹی پر پورا وقت دیں، دفتری اوقات میں غیر سرکاری کام نہ کریں۔ آج کل شناختی کارڈ، پاسپورٹ مختلف اقسام کے لائسنس اور ٹھیکہ داروں کے بل غرض کوئی کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہو تا جب ان کاموں کا کرنا ان کی سرکاری ڈیوٹی ہے تو بغیر رشوت کے یہ کام نہ کرنا سرکاری امانت میں خیانت ہے، اسی طرح ایک پارٹی کے ممبر کو عوام اس پارٹی کی بنیاد پر ووٹ دیتے ہیں ممبر بننے کے بعد وہ رشوت لے کر لوٹا کر کسی کی بنیاد پر پارٹی بدل لیتا ہے تو وہ بھی عوام کے انتخاب اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے، حکومت کے ارکان اور وزراء جو قومی خزانے اور عوام کے ٹیکسوں سے بلاوجہ غیر ملکی دوروں پر غیر ضروری افرو کو اپنے ساتھ لے جا کر الالے تلے اور عیاشیل کرتے ہیں وہ بھی عوام کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، اسکول اور کالجز میں اساتذہ اور پروفیسر حضرات پر جانے کی بجائے گپ شپ کر کے وقت گزار دیتے ہیں۔ یہ بھی امانت میں خیانت ہے، اسی طرح تمام سرکاری لوگوں میں کام نہ کرنا اور بے جا مراعات حاصل کرنا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو نوازنا، کسی اسمیٰ پر رشوت یا سفارش کی وجہ سے نااہل کا تقرر کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے، کسی وکیل کی منفعت کی وجہ سے عدل کو ووٹ دینا یہ بھی خیانت ہے۔ اگر ہم گہری نظر سے جائزہ لیں تو ہمارے پورے معاشرہ میں خیانت کا ایک جل بچھا ہوا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال ہو گا، حاکم نگہبان ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق جواب طلبی ہو گی، اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنے اہل کے متعلق جواب طلبی ہو گی، اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے امور خانہ کے متعلق جواب طلبی ہو گی، نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور تم میں سے ہر شخص (کسی نہ کسی چیز کا) نگہبان ہے اور اس سے اس چیز کے متعلق جواب طلبی ہو گی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۸۹۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۲۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۹۲۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۷۱۱، مسند احمد ج ۲ ص ۵)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا حالانکہ اس کی جماعت میں اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بندہ تھا تو بنانے والے نے اللہ، اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی، اس حدیث کی سند صحیح ہے، لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۹۳-۹۲)

علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا حالانکہ وہ شخص جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔ (کنز العمال ج ۶ ص ۷۹)

ان دونوں حدیثوں کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا، اور جس شخص نے اپنے بھائی کی رہنمائی کسی چیز کی طرف کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ اہلیت اور صلاحیت اس کے غیر میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۶۵۷)

اپنے نفس کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا اپنے نفس کے ساتھ امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اس چیز کو پسند کرے جو دین اور دنیا میں اس کے لیے زیادہ مفید اور نفع آور ہو، اور غلبہ غضب اور غلبہ شہوت کی وجہ سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے ملل کار دنیا میں اس کی عزت و ناموس جاتی رہے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو، انسان کی زندگی اور صحت اس کے پاس اللہ کی امانت ہے وہ اس کو ضائع کرنے کا مجاز نہیں ہے، اس لیے سگریٹ پینا، چرس، ہیروئن اور کسی اور طرح تمباکو نوشی کرنا، افیون کھانا، یہ تمام کام صحت اور انسانی زندگی کے لیے مضر ہیں، اسی طرح شراب پینا یا کوئی اور نشہ آور مشروب کھانا اور

مذکورہ دائیں استعمال کرنا یہ بھی انسان کی صحت کے لیے مضر ہیں اور آخرت میں عذاب کا باعث ہیں، اور یہ تمام کام اپنے نفس کے ساتھ خیانت کے زمرہ میں آتے ہیں، ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنا، لوگوں پر ظلم کرنا یہ بھی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ خیانت کرنا ہے، فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اور حرام کاموں کا ارتکاب کر کے خود کو عذاب کا مستحق بنانا یہ بھی اپنی ذات کے ساتھ خیانت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور اپنے گھروالوں کو بھی نیک بنائے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ
وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم : ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اگر کوئی شخص خود نیک ہے اور پابند صوم و صلوة ہے لیکن اس کے گھروالے اور اس کے ماتحت لوگ بدکار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور وہ ان کو برے کام ترک کرنے اور نیک کام کرنے کا حکم نہیں دیتا تب بھی وہ بری الذمہ نہیں ہے اور اخروی عذاب کا مستحق ہے اور اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص ان کے متعلق جواب دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (النساء : ۵۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو حاکم بنایا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے، ہم اس جگہ قضاء کے متعلق احادیث بیان کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں قضاء کے متعلق کیا ہدایات ہیں :

قضاء کے آداب اور قاضی کے ظلم اور عدل کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا، آپ نے پوچھا تم کیسے فیصلہ کرو گے، انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں (مطلوبہ حکم) نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ نے پوچھا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں مطلوبہ حکم نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو توفیق دی۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۳۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۹۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بختان میں اپنے بیٹے کی طرف خط لکھا کہ تم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا، کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کوئی شخص غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۷۵۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۱۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۳۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس دو شخص مقدمہ پیش کریں تو تم دوسرے شخص کا موقف نہ سن لو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرو۔

(سنن ترمذی، رقم الحديث : ۳۳۶۱، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۳۵۸۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث : ۳۳۶۱)
حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہو گا اور دو دوزخ میں ہوں گے، جنت میں وہ قاضی ہو گا جو حق کو پہچان لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور جو حق کو پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کرے وہ دوزخ میں ہو گا، اور جو شخص جہالت سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے وہ بھی دوزخ میں ہو گا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۳۵۸۳)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے دواجر ہیں اور جب وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور غلط نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۳۵۸۳)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے نزدیک سب سے مقرب شخص امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے دور امام ظالم ہو گا۔ (سنن ترمذی، رقم الحديث : ۳۳۶۱)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک قاضی ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا اور شیطان اس سے چٹ جاتا ہے۔ (سنن ترمذی : ۳۳۵)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں کرتا جس میں اس کے کمزور کا حق اس کے طاقت ور سے نہ لیا جائے۔ (اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں المثنیٰ بن صباح ہے یہ ضعیف رلوی ہے، ایک روایت میں ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے اور ایک روایت میں کہا ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اس کو ترک نہیں کیا جائے گا، اور دوسروں کے نزدیک یہ متروک ہے۔)

(کشف الاستار عن زوائد البرہان، رقم الحديث : ۳۵۸۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحديث : ۳۳۶۱)

امام طبرانی متوفی ۳۲۰ھ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲ ص ۳۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس دن کسی کا سلیہ نہیں ہو گا اس دن سلت آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے۔ عدل کرنے والا حاکم، وہ شخص جو اللہ کی عبادت میں جو ان ہوا، جس کا دل مسجدوں میں معلق رہا، وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملیں اور اللہ کی محبت میں جدا ہوں، وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو بہیں، وہ شخص جس کو خوب صورت اور باختیار عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے ہاتھیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا دیا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث : ۶۶۰، صحیح مسلم، رقم الحديث : ۱۰۳۱، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۲۳۹۱، صحیح ابن خزیمہ، رقم الحديث :

۳۵۸، مسند الیالی، رقم الحديث : ۲۳۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۹، صحیح ابن حبان، رقم الحديث : ۳۳۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی :

شعب الایمان رقم الحدیث : (۷۳۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : چار آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے : جو بہت قسمیں کھا کر سودا بیچے۔ متکبر فقیر، بوڑھا زانی اور ظالم حاکم۔

(صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۵۵۳۲، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۷۳۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عدل کرنے والے حاکم کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین میں حد کو قائم کرنا اس زمین پر چالیس روز کی بارش سے زیادہ نفع آور ہے۔

(المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۱۱۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۲، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۷۳۷۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور جو تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو، یہ شرطیکہ تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔ (النساء : ۵۹)

کتاب، سنت، اجماع اور قیاس کی حیثیت پر استدلال

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس، اطيعوا اللہ سے مراد کتاب اللہ کے احکام ہیں۔ اطيعوا الرسول سے مراد سنت ہے اور اولی الامر منکم سے مراد اجماع ہے یعنی ہر زمانہ کے علماء حق کی اکثریت کیونکہ علماء حق کی اکثریت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی اور فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ والی رسول اس سے مراد قیاس ہے یعنی جس مسئلہ کی کتاب اور سنت میں صاف تصریح نہ ہو اس کی اصل کتاب اور سنت سے نکال کر اس کو کتاب اور سنت کی طرف لوٹا دو اور اس پر وہی حکم جاری کر دو۔

اولی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال اور مصنف کا مختار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”اولی الامر منکم“ سے مراد امراء اور حکام ہیں، ابن وہب نے کہا اس سے مراد سلاطین ہیں، مجاہد نے کہا اس سے مراد اصحاب فقہ ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد اہل دین اور اہل فقہ ہیں یعنی دیندار علماء، عطاء بن سائب نے کہا اس سے مراد صاحبان علم اور اصحاب فقہ ہیں، حسن بصری نے کہا اس سے مراد علماء ہیں، مجاہد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں، امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اور حکام ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے (ان میں) نیک حاکم بھی ہوں گے اور فاسق بھی، تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اگر وہ نیک کام کریں گے تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں گے تو تم کو نفع ہو گا اور ان کو ضرر، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمان شخص پر حکم کی اطاعت لازم ہے خواہ اس کو وہ حکم پسند ہو یا ناپسند، ہاں اگر اس کو اللہ کی معصیت کا حکم دیا جائے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۵-۹۳، ملخصاً، مطبوعہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا ”اولی الامر منکم“ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں (۱) خلفاء راشدین (۲) عمد

سلط میں لشکروں کے حاکم (۳) وہ علماء حق جو احکام شرعیہ کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں

یہ قول حضرت ابن عباس، حسن بصری اور مجاہد سے مروی ہے اور روافض سے مروی ہے کہ اس سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ ”اولی الامر منکم“ سے مراد علماء حق ہیں جو قرآن اور سنت سے مسائل استنبلا کرتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں فتوے دیتے ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے :

وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۚ (النساء : ۵۹) اس کا (حل) وہ لوگ ضرور جان لیتے جو ان میں سے کسی مسئلہ کو مستنبط کر سکتے ہیں۔

اور خلفاء راشدین کے دور کے بعد ہر زمانہ میں مسلمان، امراء اور حکام کے مقابلہ میں ائمہ فتویٰ کی پیروی کرتے ہیں۔ آج بھی اگر عدالت کسی عورت کا ایک طرفہ فیصلہ کر کے اس کا نکاح فسخ کر دیتی ہے تو مسلمان اس فیصلہ کو ائمہ فتویٰ کے پاس لے جاتے ہیں اگر وہ اس کی تائید کر دیں تو اس فیصلہ پر عمل کر کے عورت کا نکاح کر دیتے ہیں ورنہ نہیں کرتے اور خلفاء راشدین خود اصحاب علم اور ائمہ فتویٰ تھے اس سے معلوم ہوا کہ ”اولی الامر منکم“ سے مراد ہر دور میں ائمہ فتویٰ اور علماء اور فقہاء ہی ہیں۔

اللہ اور رسول کی اطاعت مستقل ہے اور اولی الامر کی اطاعت بالاتباع ہے

اس آیت میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فرمایا ہے اور ”اولی الامر منکم“ سے پہلے ”اطیعوا“ کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کا پہلے اطیعوا پر عطف کیا گیا تاکہ ان کی اطاعت بالاتباع ہو اس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ کی مستقل اطاعت ہے اور رسول کی بھی مستقل اطاعت ہے اور علماء اور حکام کی مستقل اطاعت نہیں ہے جب ان کے احکام اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں تو ان کی اطاعت ہے ورنہ نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنادیا اس نے آگ جلائی اور لشکر سے کہا اس میں داخل ہو جاؤ، بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا دو سروں نے کہا ہم آگ ہی سے بھاگ کر (اسلام میں) آئے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو جن لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس آگ ہی میں رہتے اور دو سروں کی آپ نے تعریف کی اور فرمایا اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اطاعت صرف نیکی میں ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۳۰) قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اقوال صحابہ پر مقدم ہیں

نیز اس آیت میں فرمایا : پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹادو۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات باقی تمام لوگوں پر مقدم ہیں، ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنہی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ نے جنہی کے لیے تیمم کو مشروع کیا ہے اس لیے جمہور صحابہ، فقہاء تابعین اور مجتہدین اسلام نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی جلالت شان کے باوجود ان کے قول کو قبول نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کو مقدم رکھا۔

اس کی ایک اور مثل یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو حضرت سہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی، ہائے میرے صاحب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے سہیب تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۲۸۷) جب حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت عمر کا یہ قول بیان کیا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے۔

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

(الزمر : ۷)

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۲۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا گزر ایک یہودیہ (کی قبر) سے ہوا جس پر لوگ رو رہے تھے، آپ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہ عام قاعدہ نہیں بیان کیا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے کیونکہ کسی کے گناہ کا دوسرے کو عذاب نہیں ہوتا، بلکہ آپ نے ایک خاص واقعہ میں ایک یہودی عورت کے متعلق یہ فرمایا تھا، مرتبہ صحابیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ ہے لیکن حضرت عائشہ نے اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا۔

اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان ج تمتع سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ حج تمتع رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے اس لیے جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین اور علماء اسلام نے آپ کی سنت ثابتہ کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہیں کیا : مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا، حضرت عثمان تمتع اور حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کرتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو آپ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور کہا لبیک بعمرہ وحجۃ میں نبی ﷺ کی سنت کو کسی کے قول کی بناء پر ترک نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۵۶۳)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن نازل ہوتا رہا اور ایک شخص نے اپنی رائے سے جو کہا سو کہا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۵۷۱)

سالم بن عبد اللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ اہل شام سے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع، (الگ الگ احرام کے ساتھ حج اور عمرہ جمع کرنے) کے متعلق سوال کیا، حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا وہ جائز ہے، اس نے کہا آپ کے باپ تو اس سے منع کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا یہ بتاؤ کہ میرے باپ حج تمتع سے منع کرتے ہوں اور رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ ﷺ کے حکم پر! اس شخص

نے کہا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کیا جائے گا حضرت عبد اللہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج منع کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۸۲۵)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ اکابر کا کوئی قول اگر قرآن مجید اور حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اصغر کے لیے یہ جائز ہے کہ اس قول سے اختلاف کریں اور اللہ اور رسول کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہ کریں اور اس میں ان کی کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بڑائی کا اظہار ہے اور سورہ نساء کی اس آیت پر عمل ہے : پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

ائمہ اور فقہاء کے اقوال پر احادیث کو مقدم رکھنا ان کی بے ادبی نہیں ہے اسی طرح اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی امام کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ اس آیت پر عمل ہے، امام ابو حنیفہ نے عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے خواہ متصل روزے رکھے جائیں یا منفصل تاکہ فرض پر زیادتی کے ساتھ تشبیہ نہ ہو، لیکن حدیث صحیح میں اس کی فضیلت اور استحباب ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی مثل ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۱۴۳) لیکن چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول حدیث صحیح کے خلاف ہے اس لیے علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متونی ۹۷۰ھ نے لکھا ہے کہ لیکن عام متاخرین فقہاء کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنے میں مطلقاً کوئی کراہت نہیں ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

علامہ ابن ہمام متونی ۸۶۱ھ علامہ طحاوی متونی ۱۲۳۱ھ علامہ حسن بن عمار شربلی متونی ۱۰۶۹ھ اور علامہ ابن عبدین شامی متونی ۱۲۵۲ھ سب نے اسی طرح لکھا ہے اور ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام محمد نے امام ابو حنیفہ سے یہ روایت کی ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا (الجامع الصغیر ص ۵۳۴) اور تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا ہے (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹، عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲)

لیکن چونکہ بہ کثرت احادیث سے عقیقہ کا سنت ہونا ثابت ہے اس لیے امام احمد رضا قادری متونی ۱۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۵۳۲، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

والاعمال کی بناء پر اکابر سے اختلاف کرنا ان کی بے ادبی نہیں ہے۔

اسی طرح امام احمد رضا قادری کے بعد کے علماء نے امام احمد رضا قادری سے بھی اختلاف کیا ہے۔

امام احمد رضا قادری متونی ۱۳۴۰ھ بدھ کے دن ناخن کاٹنے کے متعلق لکھتے ہیں :

نہ چاہئے حدیث میں اس سے نہی (ممانعت) آئی کہ معاذ اللہ مورث برص ہوتا ہے بعض علماء رحمہم اللہ نے بدھ کو ناخن کتروائے کسی نے بربناء حدیث منع کیا، فرمایا صحیح نہ ہوئی فوراً برص ہو گئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۳۷، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی قادری متونی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

ایک حدیث میں ہے جو ہفتہ کے دن ناخن ترشوائے اس سے بیماری نکل جائے گی اور شفا داخل ہوگی اور جو اتوار کے دن ترشوائے فاقہ نکلے گا اور تو نگری آئے گی اور جو پیر کے دن ترشوائے جنون جائے گا اور صحت آئے گی اور جو منگل کے دن ترشوائے مرض جائے گا اور شفا آئے گی اور جو بدھ کے دن ترشوائے وسواس و خوف نکلے گا اور امن و شفا آئے گی الخ۔
(در مختار- رد المحتار) (بہار شریعت ج ۱۶ ص ۱۲۲، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً "اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کا کھانا حرام لگانا حرام بدن یا لپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہوئی ہو نماز نہ ہوگی۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۹۶۶ء لکھتے ہیں :

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنائی معلوم ہوا کہ یہ (اسپرٹ) بھی شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً "خمر" کہا جاتا ہے بلکہ یہ (اسپرٹ) ایسی شراب کا جو ہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے۔

(فتاویٰ مظہریہ ص ۲۸۹، مطبوعہ مدینہ پبلیکیشن کمپنی کراچی)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سید ممدی حسن مارہرہ کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں :

حضور عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً "منوع و سنت نصاریٰ و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۵۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ لکھتے ہیں :

پھر حدیث صحیح سے بھی یہ مسئلہ تعلیم الکتابہ للنساء ثابت ہے مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۷۲، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۷، سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹ میں حضرت شفاعت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بلکلمات متقاربہ ثابت ہے کہ حضور پر نور ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے اور میں بھی حاضر تھی تو مجھے فرمایا کیا تو اس کو رقیہ النملۃ کی تعلیم نہیں دیتی جیسے اس کو کتابت کی تعلیم تم نے دی ہے حاکم نے کہا یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فتاویٰ نوریہ ج ۳ ص ۷۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

نیز امام احمد رضا قادری نے سماع مع الزامیر کو حرام لکھا ہے اور استاذ العلماء مولانا حافظ عطا محمد چشتی دامت برکاتہم اور حضرت غزالی زہل امام اہل سنت سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کو جائز لکھا ہے۔

علماء اور مجتہدین حضرات معصوم نہیں دلائل کے ساتھ ان سے اختلاف کرنا جائز ہے

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کا معصوم نہیں پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس کو رد بھی کیا جاتا ہے ماسوائے نبی ﷺ کے جس کی جو بات خلاف حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا

جو جماعت کا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز فرماتے ہیں :

و یا بای اللہ العصمة الا لکلامہ و لکلام رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے رسول ﷺ کے کلام کے سوا کسی کے کلام کو معصوم قرار دینے سے انکار فرماتا ہے (پھر فرمایا) انسان سے غلطی ہوتی ہے مگر رحمت ہے اس پر جس کی خطا کسی امر دینی مہم پر زد نہ ڈالے۔

(الملفوظ ج ۳ ص ۳، مطبوعہ مکتبہ پبلیشنگ کمپنی کراچی)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت مجددانہ حاضرہ نے گھڑی کے چین اور عورتوں کی آئینہ اور انگریزی لباس وغیرہ کو ناجائز لکھا ہے اور آپ نے ان کو جائز لکھا ہے کیا وہ فتویٰ وقتی اور عارضی تھا اور اب یہ امور جائز ہو گئے ہیں؟ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ نے اس کے جواب میں لکھا :

۱۔ ہاں مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے؟ بلکہ عملاً خود مجدد وقت ہی اس کا سبق بھی دے چکے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خالصاً "لوجه اللہ تعالیٰ ہو" تعجب ہے کہ خود مستفتی صاحب کو روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کے محققانہ اقوال و فتاویٰ شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما جہ تلامذہ بلکہ متاخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاویٰ ہیں جو ان کے خلاف ہیں جن کی بنا قول صوری و ضروری وغیرہ اصول سے ہے جس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۳۸۵ وغیرہ میں ہے بلکہ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خود ہمارے مجدد برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزار ہا تطفلات ہیں جو صرف متاخرین نہیں بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خاں وغیرہ کے اقوال و فتاویٰ شرعیہ پر ہیں جن میں اصول سے کے علاوہ سبقت قلم وغیرہ کی صریح نسبتیں بھی مذکور ہیں اور یہ بھی نہاں نہیں کہ ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا؟ کیا کسی مجدد کی ہی کوئی ایسی تصریح ہے یا کم از کم اتنی ہی تصریح ہو کہ اصول سے کا زمانہ اب گزر گیا لہذا لکیر کا فقیر بننا فرض عین ہو گیا؟ کیا تازہ حوادث و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور عملاً "اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے" اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزار ہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی ایک جواب سے نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے جواب بھی واضح ہیں البتہ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں مگر شرعاً "اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں" غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں، مثلاً یہ کہ وہ لباس جو کفار یا فجار کا شعار ہونے کے باعث ناجائز تھا کیا اب بھی شعار ہے تو ناجائز ہے یا اب شعار نہیں رہا تو جائز ہے، مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آرزو خیالی کا باعث بن رہا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(فتاویٰ نوریہ ج ۳ ص ۷۰-۷۱)

الْمُتَرَاتِلِ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ

کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس

وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

نے جائیں حالانکہ انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے بہت دور کی گمراہی

ضَلَالًا بَعِيدًا ۶۰ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

میں ڈال دے ۵ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور

الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ۶۱ فَكَيْفَ

رسول کی طرف تو آپ دیکھتے ہیں منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں ۵ اس وقت کیا

إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ

حال ہوگا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں

بِاللَّهِ إِنَّ أَرَادْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ۶۲ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ

کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ما سوائیکی اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا ۵ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۖ فَاعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے

أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۶۳ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِبُطْءٍ

بہت اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے ۵ اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ

يَاذُنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت

اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوْ جَدَّوَاللَّهُ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿٥﴾

طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرماتا ہے۔

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم: یہ لوگ اس وقت تک یمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (ہر) باہمی جھگڑے میں آپ

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦﴾

کو حاکم نہ مان میں پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں ٹکلی بھی نہ پائیں اور اس کو غرضی سے مان میں ۵

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ

اور اگر ہم ان پر یہ فرمیں کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل

دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا

جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے

يُوعِظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ ثَبَاتًا ۖ وَإِذْ آلَافٌ مِنْ

اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور ثابت قدمی کے لیے بہت مضبوط ہوتا ۵ اور اس وقت

مِّنْ لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۖ وَلَهْدَيْنَهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٧﴾ وَهِنَ

ہم انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتے ۵ اور ہم ضرور ان کو سیدھے راستہ پر چلا دیتے ۵ اور جو اللہ

يُطِيعُ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَ

ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ کیا ہی

حَسَنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۖ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَىٰ

عمدہ ساتھی ہیں ۵ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کا

بِاللّٰهِ عَلِيمًا ٥

ہے جاننے والا ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے مقدّمے طاغوت (سرکش کافر) کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔

(النساء : ۶۰)

حضور کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو حضرت عمر کا قتل کر دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ منافقین رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے اور اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں، امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ اس آیت میں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے، یہ ایک یہودی عالم تھا۔

ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا، یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم ﷺ فیصلہ کریں گے، اور منافق نے کہا میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کریں گے، کیونکہ کعب بن اشرف بہت رشوت خور تھا اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر تھا اور منافق باطل پر تھا، اس وجہ سے یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا، اور منافق کعب بن اشرف کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا، جب یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے، رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ کر دیا، منافق اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا اور کہا میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر فیصلہ کریں گے، دونوں حضرت عمر کے پاس گئے، یہودی نے بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ کر چکے ہیں لیکن یہ مانتا نہیں ہے، حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے، اس نے کہا ہاں! حضرت عمر نے فرمایا ٹھیکرو انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں، گھر گئے تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا، پھر اس منافق کے گھر والوں نے نبی ﷺ سے حضرت عمر کی شکایت کی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے پوری تفصیل معلوم کی، حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے آپ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا تھا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا عمر فاروق ہیں انہوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا، نبی ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا تم فاروق ہو اس قول کی بناء پر طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۸-۲۳۹ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵-۲۶۶ الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۹ روح المعانی ج ۵ ص ۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان سے کہا جاتا ہے اؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے تو منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ اس وقت کیا حال ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے، تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ماسوائیکہ اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ (النساء : ۳۳-۳۶)

ابن جریق نے بیان کیا کہ جب مسلمان منافقوں سے کہتے تھے کہ آؤ اپنے مقدمہ کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرو تو وہ ۷۰ : ۷۰ ذکر کرتا رہتے ہوئے نکل جاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۹)

بہس منافق : حضرت عمرؓ نے قتل کیا تھا اس کا قصاص لینے کے لیے اس کے لہل آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ ہم نے جو حضرت عمرؓ سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا تھا اس سے ہمارا صرف یہ مقصد تھا کہ اس منافق کے ساتھ نیک سلوک ہو اور اس منافق اور اس کے مخالف یہودی کے درمیان صلح ہو جائے اس آیت میں اس مصیبت سے مراد اس منافق کا قتل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان منافقوں کے دلوں میں جو شر اور فتنہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو جاتا ہے، آپ ان کے بہانوں کو قبول کرنے سے اعراض کیجئے کیونکہ ان کے بہانوں کے قبول کرنے کا مطلب ہے حضرت عمرؓ سے قصاص لینا اور جو رسول اللہ کا فیصلہ نہ مانے اس کا خون مباح ہے اور اس کا کوئی قصاص نہیں ہے، آپ ان کو زبان سے نصیحت کیجئے اور ان کے نفاق سے درگزر کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان سے ان کے نفسوں میں اثر آفریں بات کیجئے۔ (النساء : ۷۳)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ان کو تنہائی میں نصیحت کیجئے، کیونکہ تنہائی میں نصیحت کے قبول کرنے کی توقع زیادہ ہوتی ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان سے ایسی اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے لوگوں سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آ جاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا پاتے (النساء : ۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو سرزنش کی ہے جو دعویٰ یہ کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ یہودی عالم کے پاس لے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کے لیے جب انہیں بلایا جاتا تو وہ منہ موڑ کر کترا کر نکل جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اسی کو نصیب ہوتی ہے جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ نعمت مقدر کر دی ہے۔

پھر فرمایا جب ان منافقوں نے کعب بن اشرف کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر ہی لیا تھا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ آپ کے پاس آ کر معذرت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی چاہتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت بخشے والا اور مہربان پاتے۔

نبی ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گنہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آ کر استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے، مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے

میں الشیخ ابو منصور الصبلغ بھی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الشال میں عبتی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی ﷺ کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے : ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک الا یہ اور میں آپ کے پاس آگیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں، پھر اس نے دو شعر پڑھے :

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے پھر وہ اعرابی چلا گیا، عبتی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آگئی، میں نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا اے عبتی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹-۳۲۸ الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۳، مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متونی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے، اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عبتی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۰-۳۵۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

معروف دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں :

عبتی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیمًا وحدثًا اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بہ سند امام ابو منصور صبلغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل، اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجلوا اللہ تواوبا رحیما اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوں آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے، غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت تکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا (نثر الیب ص ۲۵۴) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں :

”کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں، اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکمل رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی مشہور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے

ہیں : پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

(اعلاء السنن ج ۲ ص ۳۰)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم میں ثابت ہے، بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء المقام ص ۳۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(تسکین الصدور ص ۳۶۱-۳۶۵، ملخصاً، مطبوعہ دار نصرت العلوم کوثر انوار)

گنبد خضراء کی زیارت کے لیے سفر کا جواز

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی قبر انور کے لیے سفر کرنا مستحسن اور مستحب ہے، شیخ ابن تیمیہ نے اس سفر کو سفر معصیت اور سفر حرام کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف کبھو نہ کے جائیں (سفر نہ کیا جائے) مسجد حرام، مسجد الرسول، اور مسجد اقصیٰ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۸۹، صحیح مسلم، الحج: ۵۸، (۳۹۷) ۲۲۲۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵، سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۰۹، مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۴۳، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳، ۲۳۸، ۲۷۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۶۹۰، جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۸۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا ہے: اس حدیث میں ان تین مساجد کے علاوہ مطلقاً سفر سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۶۵، مطبوعہ لاہور)

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کسی سواری کا کجاوہ نہ کسا جائے سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۳، طبع قدیم دار الفکر، مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۵۵۲، طبع دار الحدیث قاہرہ ۱۴۲۱ھ) شیخ عبد الرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شربین حوشب سے مروی ہے اور وہ کثیر الادھام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التعریب میں لکھا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷، طبع ملکن) میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التعریب میں لکھا ہے کہ شربین حوشب، بہت صلوٰۃ ہے اور یہ بہت ارسال کرتا ہے اور اس کے بہت وہم ہیں۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۲۳، مطبوعہ دار الکتب الطیبہ بیروت)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شربین حوشب کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں: امام احمد نے اس کے متعلق کہا اس کی حدیث کتنی حسین ہے اور اس کی توثیق کی، اور کہا کہ عبد الحمید بن بحر اس کی

صحیح کے قریب ہیں جو شہر بن حوشب سے مروی ہیں 'داری نے کہا امام احمد شہر بن حوشب کی تعریف کرتے تھے
امام ترمذی نے کہا امام بخاری نے فرمایا شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا امر قوی ہے 'ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے 'ان کے
علاوہ اور بہت ناقدین فن نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے (تمذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ جمال الدین مزی متوفی ۷۴۲ھ اور علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی شہر بن حوشب کی تعدیل
میں یہ 'اور بہت ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں (تمذیب الکمل ج ۸ ص ۳۰۹ میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۹۰ طبع بیروت)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے خصوصیت سے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے 'فتح
الباری ج ۳ ص ۶۶) اور شیخ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۳ھ نے بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے 'کیونکہ
امام احمد اور امام ابن معین نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱۰ ص ۲۰۱ طبع قاہرہ)

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مسجد کو نہ مانا جائے 'بلکہ عام مانا جائے اور یہ معنی
کیا جائے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی جگہ کا بھی سفر کا قصد نہ کیا جائے تو پھر نیک لوگوں کی زیارت 'رشتہ داروں سے ملنے
دوستوں سے ملنے 'علوم مروجہ کو حاصل کرنے 'تلاش معاش 'حصول ملازمت 'سیر و تفریح 'سیاحت اور سفارت کے لیے سفر
کرنا بھی ناجائز 'حرام اور سفر معصیت ہو گا۔

شیخ مبارک پوری نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے رہا تجارت یا طلب علم یا کسی اور غرض صحیح کے لیے سفر کرنا تو
ان کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہے (اس لیے یہ ممانعت عموم پر محمول ہے)۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱ مطبوعہ نثر السہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے جو سفر کی انواع ذکر کی ہیں وہ سب غرض صحیح پر مبنی ہیں اور ان کے جواز پر کون سے دلائل ہیں
جو صحیح ستہ کی اس حدیث کی ممانعت کے عموم کے مقابلہ میں رائج ہوں؟ خصوصاً 'نیک لوگوں 'رشتہ داروں 'دوستوں کی
زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنے 'اسی طرح سائنسی علوم کے حصول 'تلاش معاش 'حصول ملازمت اور سیر و
تفریح کے لیے سفر کرنے کے جواز پر کون سے دلائل ہیں؟ جو اس حدیث کی ممانعت پر رائج یا اس کے لیے ناخ ہوں! نبی ﷺ
کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے جواز پر اور بھی بہت دلائل ہیں اور ممانعت کی اس حدیث کی ہم نے ان
ذکور توجیہات کے علاوہ اور بھی کئی توجیہات ذکر کی ہیں اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۶۳-۷۶۴ ملاحظہ فرمائیں
شیخ ابن تیمیہ نے جو اس سفر کو حرام کہا ہے 'حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ ان کا انتہائی مکروہ قول ہے۔

اور ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں۔

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تقریط کی ہے 'کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے
اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں افراط کیا ہے اور اس سفر کے منکر کو کافر کہا ہے اور یہ دوسرا قول صحت اور صواب کے زیادہ
قریب ہے کیونکہ جس چیز کی لہانت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استجاب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار
دینا بہ طریق لولی کفر ہو گا۔ (شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۳ مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب
کہ ہر بھی جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مل لیں 'پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ

پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں۔ (النساء : ۶۵)

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والا مومن نہیں ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے سامنے زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی ایک نالی میں جھگڑا کیا وہ دونوں اس سے اپنے درختوں کو پانی دیتے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا : اے زبیر تم اپنی زمین کو پانی دو پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو وہ انصاری غضبناک ہوا اور اس نے کہا یہ آپ کے عم زاد ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا : اے زبیر تم پانی دو پھر پانی کو روک لو حتیٰ کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے حضرت زبیر نے کہا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۳۶۰، ۲۳۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۳۵۷، سنن ابوداؤد : ۳۶۳۷، سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۰۳۸، سنن نسائی رقم الحدیث : ۵۳۳۱، ۲۵۳۱، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث : ۳۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۲۳۸۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵۳)

امام ابن جریر نے اس آیت کے شان نزول میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں مذکور الصدر حضرت عبد اللہ بن الزبیر کی روایت بھی ذکر کی ہے اور وہ روایت بھی ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوا منافق یہ فیصلہ کعب بن اشرف سے کرانا چاہتا تھا بعد ازاں جس کا حضرت عمر نے سراڑا دیا تھا امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننے والا مومن نہیں ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک فیصلہ کو بہ ظاہر مان لیتا ہے، لیکن دل سے قبول نہیں کرتا اس لیے فرمایا کہ وہ آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی تنگی نہ پائیں، بعض اوقات ایک عدالت سے فیصلہ کے بعد اس سے اوپر کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ کی جاسکتی ہے لیکن نبی ﷺ کے فیصلہ کرنے کے بعد پھر کسی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ نہیں کی جاسکتی اس لیے بعد میں فرمایا اس فیصلہ کو خوشی سے مان لو اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جو فیصلہ کریں وہ خطا سے مامون اور محفوظ بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اگر کوئی شخص کتنا ہی عبادت گزار ہو لیکن اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر حضور ایسا نہ کرتے اور ایسا کر لیتے تو وہ مومن نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔

(النساء : ۶۶)

پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں۔ (النساء : ۶۵)

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والا مومن نہیں ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے سامنے زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی ایک نالی میں جھگڑا کیا وہ دونوں اس سے اپنے درختوں کو پانی دیتے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا : اے زبیر تم اپنی زمین کو پانی دو پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو وہ انصاری غضبناک ہوا اور اس نے کہا یہ آپ کے عم زاد ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر آپ نے فرمایا : اے زبیر تم پانی دو پھر پانی کو روک لو حتیٰ کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے حضرت زبیر نے کہا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۳۶۰، ۲۳۵۹، صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۳۵۷، سنن ابوداؤد : ۳۶۳۷، سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۰۳۸، سنن نسائی رقم الحدیث : ۵۳۳۱، ۲۵۳۱، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث : ۳۱۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۲۳۸۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۵۳)

امام ابن جریر نے اس آیت کے شان نزول میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں مذکور الصدر حضرت عبد اللہ بن الزبیر کی روایت بھی ذکر کی ہے اور وہ روایت بھی ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوا منافق یہ فیصلہ کعب بن اشرف سے کرانا چاہتا تھا بعد ازاں جس کا حضرت عمر نے سراڑا دیا تھا امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننے والا مومن نہیں ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک فیصلہ کو بہ ظاہر مان لیتا ہے، لیکن دل سے قبول نہیں کرتا اس لیے فرمایا کہ وہ آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی تنگی نہ پائیں، بعض اوقات ایک عدالت سے فیصلہ کے بعد اس سے اوپر کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ کی جاسکتی ہے لیکن نبی ﷺ کے فیصلہ کرنے کے بعد پھر کسی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ نہیں کی جاسکتی اس لیے بعد میں فرمایا اس فیصلہ کو خوشی سے مان لو اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جو فیصلہ کریں وہ خطا سے مامون اور محفوظ بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اگر کوئی شخص کتنا ہی عبادت گزار ہو لیکن اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر حضور ایسا نہ کرتے اور ایسا کر لیتے تو وہ مومن نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

(النساء : ۶۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان منافقین پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے وطن سے نکل جاؤ تو ان منافقوں میں سے بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی رحمت سے ہم پر آسان اور سہل احکام فرض کیے تو ان منافقوں کو چاہئے تھا کہ یہ نفاق کو ترک کر دیتے، دکھاوے اور سنانے کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوتے اور اگر یہ ایسا کرتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا ○

نبی ﷺ کی زیارت کے لیے صحابہ کا اضطراب

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں غمزدہ حالت میں حاضر ہوا، آپ نے پوچھا کیا ہوا میں تم کو غمزدہ کیوں دیکھ رہا ہوں، اس نے کہا : اے اللہ کے نبی میں اس چیز پر غور کر رہا ہوں کہ ہم ہر صبح و شام آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں، کل جب آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنت کے بلند درجہ میں ہوں گے، اور ہم آپ کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں تو ہمارا کیا حال ہو گا، نبی ﷺ نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل ؑ یہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے : اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے، اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ (الآیہ جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

اہل جنت کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ان کے درجوں میں مساوات کو مستلزم نہیں اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین سب جنت کے ایک درجہ میں ہوں گے، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل اور مفضل کا ایک درجہ ہو جائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جنت میں رہنے والے سب ایک دوسرے کی زیارت کرنے پر قادر ہوں گے اور ان کے درجات کا فاصلہ ایک دوسرے کی زیارت اور مشاہدہ کے لیے حجاب نہیں ہو گا۔

اس آیت میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ذکر کیا گیا ہے ہم سطور ذیل میں ان کی تعریفات ذکر رہے ہیں :
نبی، صدیق، شہید اور صالح کی تعریفات

(۱) نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل ہو اور جس کو اللہ نے مخلوق تک اپنے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا ہو۔

(۲) صدیق وہ شخص ہے جو اپنے قول اور اعتقاد میں صادق ہو۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر فاضل صحابہ، اور انبیاء صدیقین علیہم السلام کے اصحاب کیونکہ وہ صدق اور تصدیق میں دوسروں پر فائق اور غالب ہوتے ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو

دین کے تمام احکام کا بغیر کسی شک اور شبہ کے تصدیق کرے وہ صدیق ہے۔

(۳) شہید وہ شخص ہے جو دلائل اور براہین کے ساتھ دین کی صداقت پر شہادت دے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہوا مارا جائے جو مسلمان ظلماً قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔

(۴) صالح نیک مسلمان کو کہتے ہیں جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں۔

اس آیت میں چونکہ صدیقین کا ذکر آیا ہے اس لیے ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل ذکر کر رہے ہیں۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات اور فضائل

(۱) امام بخاری حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا، تم لوگوں نے کہا آپ جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور ابوبکر نے تصدیق کی اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری غم خواری کی۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۶۶۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نبی ﷺ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے تھے جب اور لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر نے امت میں سب سے پہلے تبلیغ اسلام کی اور ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ایسے اکابر صحابہ اسلام آئے۔

(۳) نبی ﷺ نے سفر ہجرت میں اپنی رفاقت کے لیے تمام صحابہ میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔

(۴) نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر کو حج میں مسلمانوں کا امیر بنایا۔

(۵) نبی ﷺ نے دو مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

(۶) نبی ﷺ نے ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا اور حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔

(۷) واقعہ معراج کی جب کافروں نے تکذیب کی تو حضرت ابوبکر نے آپ کی سب سے پہلے تصدیق کی اور یہیں سے آپ کا لقب صدیق ہوا۔

(۸) غزوہ تبوک میں گھر کا سارا سامان اور مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

(۹) نبی ﷺ نے متعدد احادیث میں آپ کو صدیق فرمایا۔

(۱۰) قرآن مجید میں نبوت کے بعد جس مرتبہ کا ذکر ہے وہ صدیقیت ہے اور متعدد آیات میں رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابوبکر کے صدیق ہونے پر امت کا اجماع ہے اور چونکہ نبی کے بعد صدیق کا ذکر اور مقام ہے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ بَعْدَ ثُبَاتِكُمْ

اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو، پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی طرف

جَمِيعًا ۴۱) وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيَبْغِضَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ

روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو ۴۱) بیشک تم میں وہ (گروہ بھی) ہے جو ضرورتاً خیر کرے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ

قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۴۲) وَلَئِنْ

کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا ۴۲) اور اگر تمہیں

أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ

اللہ کا فضل (مال غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی

مَوَدَّةٌ يَلِيَّتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۴۳) فَلْيُقَاتِلْ

نہ متقی کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ۴۳) پس اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۵

ان لوگوں کو دینا چاہیے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں ۔

وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے تو ہم عنقریب

نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۴۴) وَمَالَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے ۴۴) اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے

وَالْمُسْتَضْعِفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ

حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں

يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۶

اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور

اجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۷) وَاجْعَلْ لَّنَا مِن لَّدُنكَ

ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنائے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا

نَصِيرًا ۝ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

دے ۝ جو ایمان ولے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر

كُفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ

ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو (اے مسلمانو!) تم شیطان

الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ۝

کے مددگاروں سے لڑو، بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو، پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو۔ (النساء: ۷۱)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق وعید نازل فرمائی تھی، اور ان کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا تھا، ان آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور کافروں سے جہاد کے لیے سلمان جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ کہیں کفار اچانک حملہ نہ کر دیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا حال بیان فرمایا جو جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تھے، اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کے ملک کے داخلی اور اندرون ملک کی اصلاح کے لیے آیات نازل فرمائی تھیں اور اب بیرون ملک اور میدان جنگ کے سلسلہ میں ہدایات نازل کی ہیں۔

جہاد کی تیاری اور اس کی طرف رغبت کا بیان

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار کے دافع اور اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ اور ہتھیار فراہم کریں، اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کر رہا ہے ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں خالد بن ولید کو لکھا دشمنوں کے مقابلہ میں ان جیسے ہتھیار استعمال کرو۔ تلوار کے مقابلہ میں تلوار اور نیزہ کے مقابلہ میں نیزہ سے لڑو۔ اب دنیا میں اپنی بقاء کے لیے ایسی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ہمارے طالب علم جدید ثقافت کے نام پر بین الاقوامی کھیلوں کے میدان میں ہیرو بننا چاہتے ہیں، ڈسکو میوزک، لڑکے لڑکیوں کے مخلوط رقص، اور اچھل کود کے شوز میں ڈوبے ہوئے ہیں اور متوسط گھر ڈش اینٹینا اور ٹی۔وی اور وی۔سی۔ آر کے سیلاب میں بے جا رہے ہیں۔ ایسے میں مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ جہاد کہاں سے پیدا ہو گا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تم میں (وہ گروہ) ہے جو ضرور تاخیر کرے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا، اور اگر تمہیں اللہ کا فضل (مل غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی کاش میں بھی ان کے ساتھ نہ ہوتا۔

تو یہی پہلی ساری کر لیتا (النساء : ۷۳-۷۴)

ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ تمہارے درمیان منافق بھی ہیں اور بزدل اور کمزور ایمان والے بھی ہیں، منافقوں کو تو جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، کیونکہ ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی محبت نہیں ہے اور جو بزدل اور کمزور ایمان والے ہیں۔ وہ موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے، یہ لوگ جہاد کے نتیجہ اور انجام کے منتظر رہتے ہیں اگر کسی معرکہ میں مسلمان قتل ہو جائیں یا بہت زخمی ہو جائیں تو یہ جہاد میں اپنے شریک نہ ہونے اور قتل سے بچنے کی وجہ سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس لشکر میں وہ نہیں تھے، اور اگر مسلمان فتح یاب ہو کر لوٹیں اور بہت سامان غنیمت لائیں تو یوں کہتے ہیں جیسے ان کا تمہارے دین سے کوئی تعلق ہی نہیں، کاش ہم بھی اس معرکہ میں ہوتے اور ہم کو بھی مال غنیمت سے حصہ ملتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہئے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے تو ہم عنقریب اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۷۴)

اخروی اجر و ثواب کے لیے جہاد کرنا

اس سے پہلی آیتوں میں جہاد سے منع کرنے والوں کی مذمت کی تھی اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کر رہا ہے، اس آیت میں فرمایا ہے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو اخروی ثواب کے بدلہ میں اپنی دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں، انسان طبعاً اپنی زندگی خرچ کرنے کو بھاری سمجھتا ہے لیکن جب اس کو یقین ہو گا کہ یہ زندگی خرچ کرنے سے اس کو آخرت کی نعمتیں ملیں گی تو وہ بہت خوشی سے اس راہ میں زندگی خرچ کرے گا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے اور اخیر میں فرمایا پس تم نے جو اللہ سے بیع کی ہے، اس بیع پر خوش ہو جاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اس جنگ میں شہید ہو گئے تو اللہ کی راہ میں شہادت کا بڑا اجر ہے اور اگر تم غالب آ گئے تو اخروی اجر کے ساتھ دنیاوی منفعت بھی حاصل ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کرنے میں تمہارا سراسر فائدہ ہے خواہ تم غالب ہو یا مغلوب۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے، حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکل لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کار ساز بنا دے۔ (النساء : ۷۵)

مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مزید ترغیب دی اور جہاد کے خلاف جیلوں اور بہانوں کو زائل فرمایا ہے، اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے، جہاد کی وجہ سے شرک کے اندھیروں کی جگہ توحید کا نور پھیلتا ہے، شر اور ظلم کے بجائے خیر اور عدل کا دور دورہ ہوتا ہے اور مکہ میں تمہارے جو مسلمان بھائی مرد، عورتیں اور بچے کفار کے ظلم کا شکار ہیں، کفار ان کو ہجرت کرنے نہیں دیتے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی تڑپیں پہنچا رہے ہیں، اور تم خود مکہ کی زندگی میں ان کے مظالم کا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہو، بلال، صہب اور عمار

بن یا سر پر کس طرح مشق ستم کی جاتی تھی، سو کفار کے خلاف جہاد کر کے تم اپنے مسلمان بھائیوں کو کفار کی دست سے بچا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو (اے مسلمانو) تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو، بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔ (النساء : ۷۶)

مسلمانوں اور کافروں کی باہمی جنگ میں ہر ایک کا ہدف اور نصب العین

اس آیت میں یہ بتایا کہ جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو اس جنگ سے کافروں کی غرض کیا ہوتی ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہئے، کافر مادی مقاصد کے حصول کے لیے جنگ کرتے ہیں اور بت پرستی کا بول بالا کرنے کے لیے اور اپنے وطن اور اپنی قوم کی حمایت میں لڑتے ہیں، ان کے پیش نظر زمین اور مادی دولت ہوتی ہے، نام و نمود اور اپنی بڑائی کے لیے اور دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے لڑتے ہیں اور کمزور ملکوں کی زمین، ان کی معدنی دولت اور ان کے ہتھیاروں کو لوٹنے کے لیے لڑتے ہیں، اس کے برعکس مسلمانوں کے سامنے اخروی مقاصد ہوتے ہیں، وہ اللہ کی بڑائی اور اس کے دین کی سر بلندی کے لیے لڑتے ہیں، وہ بت پرستی، کفر، شر اور ظلم کو مٹانے، نظام اسلام کو قائم کرنے، خیر کو پھیلانے اور عدل و انصاف کو نافذ کرنے کے لیے لڑتے ہیں، ان کا مقصد زمین کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے، وہ اپنے استعمار اور آمریت قائم کرنے کے لیے اور دوسروں کی زمین اور دولت پر قبضہ کرنے اور لوگوں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے نہیں لڑتے بلکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرنا اور سب لوگوں کو خدائے واحد کے حضور سرسجود کرانے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی ترغیب جہاد کے نکات

اپنے ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کے لیے اسلحہ کو حاصل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ توکل کا معنی ترک اسباب نہیں ہے بلکہ کسی مقصود کے حصول کے اسباب کو فراہم کر کے اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔

اسی طرح آلات حرب کو حاصل کرنا بھی تقدیر کے خلاف نہیں ہے بلکہ جہاد کی تیاری کرنا بھی تقدیر سے ہے۔ اس رکوع کی آیات میں بتایا گیا ہے کہ جہاد کے لیے پے در پے مجاہدوں کے دستے بھیجنا بھی جائز ہے اور یک بازی مل کر حملہ کرنا بھی جائز ہے اور یہ کہ ہر دور میں کچھ لوگ اپنی بدنیتی یا بزدلی کی وجہ سے یا غداری اور منافقت کی وجہ سے جہاد سے منع کرنے والے بھی ہوتے ہیں، لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ اخروی اجر و ثواب کی وجہ سے جہاد کریں، وہ جہاد میں غالب ہوں یا مغلوب ہر صورت میں ان کے لیے اجر ہے، نیز یہ بتایا ہے کہ جہاد کا ایک داعیہ اور سبب یہ ہے کہ جس خطہ زمین میں کافروں نے مسلمانوں کو غلام بنایا ہوا ہے یا ان کے ملک پر قبضہ کر کے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہوا ہے، ان کو کافروں اور ظالموں سے آزاد کرانے کے لیے بھی جہاد کرنا چاہئے اور آخر میں یہ بتایا کہ کافروں کا جنگ میں کیا مطمح نظر ہوتا ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہئے۔

ترغیب جہاد کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :) جو شخص میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلا اور وہ شخص صرف مجھ پر ایمان رکھنے اور میرے رسول کی تصدیق کی وجہ سے نکلا ہو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا جنت میں داخل کر دوں (آپ نے فرمایا :) مگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں کسی لشکر میں شامل ہوئے بغیر نہ رہتا اور بے شک میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۶، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۷۶، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۰۳۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا اللہ عز و جل کی راہ میں جہاد کرنا کسی عبادت کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، انہوں نے دو یا تین مرتبہ یہی سوال کیا آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، تیسری بار آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور وہ روزے اور نماز سے مہکتا نہ ہو۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۷۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۶۲۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہر شخص کا خاتمہ اس کے عمل پر کر دیا جاتا ہے۔ ماسوا اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا رہے گا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۶۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۵۰۰، المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۸۰۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۳۴، مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۰۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ افضل اعمال ہیں، ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتلائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ در آں حالیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کی نیت کرنے والے ہو آگے بڑھ کر وار کرنے والے ہو پیچھے ہٹنے والے نہ ہو، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم نے کیا کہا؟ اس شخص نے کہا میں نے کہا یہ بتلائیے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں بہ شرطیکہ تم صبر پر قائم ہو، اور تمہاری نیت ثواب کی ہو، تم آگے بڑھنے والے ہو، پیچھے ہٹنے والے نہ ہو تو قرض کے سوا تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، مجھ سے ابھی جبرائیل نے یہ کہا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۸۵، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۷۱۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۱۵۶)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : شہید کو قتل ہونے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی شخص کو چیونٹی کے کاٹنے سے۔

(سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۱۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۱۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۸۰۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس مسلمان شخص نے کوئی کام اللہ کے وقت کے برابر بھی جملو کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی، اور جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہو یا اس کا خون بہا تو قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کا بہت زیادہ خون بہہ رہا ہو گا اس خون کا رنگ زعفران کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہوگی۔
(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۲۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۵۳۱، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۳۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو، اور نماز

وَاتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ

قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انہوں

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا

سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور انہوں نے کہا اے ہمارے

لَمْ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ

رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی،

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَا

آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے، اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور

تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۚ ۝۷۰ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكَكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

تم پر ایک دھال کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں

فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ

میں ہو، اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ

عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ

کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول موم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ

آپ بھیجے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں

يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ۝ مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ وَأَمْرُ سُلَيْكَ

پاتے ۰ (اے مخاطب) تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے اور

مَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ وَأَمْرُ سُلَيْكَ

تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے ، اور ہم نے آپ کو تمام

لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ

لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (بہ طور) گواہ کافی ہے ۰ جس نے رسول کی اطاعت کی

فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝

تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی ، اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا ۰

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَدُوا مِّنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ

وہ آپ کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۚ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضُ

رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا اور اللہ اس کو لکھتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں تو آپ ان سے

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ

اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ (بہ طور) کارساز کافی ہے ۰ وہ قرآن میں غور کیوں

لَقَدْ أَنُتُوكَ لَوْ كَانُوا مِن عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

ہیں کرتے : اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف

كَثِيرًا ۝ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا

تے ۰ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پسند

بِهِ وَكَوَرْدُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّ

دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا اپنے صاحبان علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا ترجمہ

الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَ

کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ

رَحْمَتُهُ لَا تَبْعَثُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ

ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم شیطان کی پیروی کر لیتے ۝ سو آپ اللہ کی راہ میں قتال

اللَّهُ لَا تُكَلِّفُ الْإِنْفُسَ وَحَرَضَ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ

کہئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا، اور آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، عنقریب اللہ کا قول

أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۝ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ

کے زور کو روک دے گا اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب

تَنْكِيلًا ۝ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا

بہت شدید ہے ۝ جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے،

وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِّنْهَا ۝ وَكَانَ

اور جو بری شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ

اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ۝ وَإِذَا أَحْيَيْتُمْ بِرَحْمَتِي فَحْيُوا

ہر چیز پر قادر ہے ۝ اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے

بِأَحْسَنِ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

بہتر لفظ کے ساتھ سلام کر دیا اسی لفظ کو لوٹا دو، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا

حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

۝ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جو

لَا مَرِيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اٰصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا

میں کوئی شک نہیں ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی آپ کہنے کہ دنیا کا مسلمان بہت تھوڑا ہے اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۷۷)

شان نزول اور ربط آیات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :
 قنادر بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہجرت سے پہلے بعض صحابہ کفار سے جلد جنگ کرنا چاہتے تھے انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم مشرکین سے مکہ میں قتل کریں نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع کیا اور فرمایا ابھی مجھے کفار سے قتل کرنے کی اجازت نہیں ملی اور جب ہجرت ہو گئی اور مسلمانوں کو مشرکین سے قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں نے اس کو مکروہ جانا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ دنیا کا مسلمان تھوڑا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۸) امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور بعض دیگر صحابہ نے ایسا کہا تھا۔ (سنن کبری ج ۶ ص ۳۲۵) واللہ اعلم بالصواب۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کی تیاری کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ لوگ موت کے ڈر سے جہاد کرنے سے گھبراتے ہیں اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جہاد سے منع کرنے والے کچھ ضعیف مسلمان اور منافقین تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم پر فتنل کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، فتنل کا معنی باریک دھاگا بھی ہے اور کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا چھلکا ہوتا ہے اس کو بھی فتنل کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول مکرم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے، آپ کہئے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں پاتے۔

(النساء : ۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت ایک حتمی چیز ہے اور جب انسان کی مدت حیات پوری ہو جائے تو اس کو موت بہر حال آ لیتی ہے خواہ وہ کھلے میدان میں ہو یا کسی مضبوط قلعہ میں ہو یا وہ میدان جنگ میں ہو۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے متعدد معرکوں میں حصہ لیا اور بہت جنگیں لڑیں لیکن وہ کسی جنگ میں شہید نہیں ہوئے ان کو بستر پر طبعی موت آئی

اس سے واضح ہو گیا کہ جہاد میں شرکت کرنا موت کا سبب نہیں ہے، موت صرف اپنے وقت پر آتی ہے خواہ انسان میدان جنگ میں ہو یا اپنے گھر کے بستر پر!

البتہ مضبوط قلعوں اور مستحکم مکانوں کا بنانا ناجائز نہیں ہے، اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے اسباب مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، نبی ﷺ نے خندق میں کھدوائیں اور صحابہ کرام زرہ پہن کر لڑتے تھے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز انسان کو موت سے بچا نہیں سکتی۔

اچھائی اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور برائی ہمارے گناہوں کے نتیجہ میں

جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے محترم اصحاب رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ آئے اور اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کو اچھائیاں اور برائیاں، راحتیں اور مصیبتیں پہنچیں تو انہوں نے کہا جب سے یہ مدینہ میں آئے ہیں ہمارے پھلوں اور کھیتوں کی پیداوار کم ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، سختی ہو یا آسانی، کامیابی ہو یا ناکامی فصلوں کی پیداوار زیادہ ہو یا کم، فائدہ ہو یا نقصان، اور بیماری ہو یا صحت، تمام امور کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی قضا اور قدر سے ہوتا ہے، البتہ جب تم پر رزق کی وسعت، خوشحالی اور فراخ دستی ہو تو یہ محض اللہ کا فضل اور انعام ہے۔ سو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرو اور جب تم کو تنگی اور رزق میں کمی پہنچے تو یہ تمہارے گناہوں اور شامت اعمال کا نتیجہ ہے اس کی نسبت اپنی طرف کرو۔

بعض پڑھے لکھے جاہلوں نے ”کل من عند اللہ“ کا غلط معنی سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ نیک اعمال اور برے اعمال دونوں اللہ کی طرف سے ہیں تو اس میں بندے کا کیا قصور ہے! اور اس کو آخرت میں سزا کیوں ملے گی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اچھائی اور برائی اور ہر چیز کا تعلق امور نیکو مبینہ سے ہے امور تشریعیہ سے نہیں ہے، امور نیکو مبینہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے پیدا ہونا، مرنا، صحت، بیماری، بارش کا ہونا نہ ہونا، طوفانوں اور زلزلوں کا آنا وغیرہ، اور امور تشریعیہ سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے یا ان کو نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا ہے مثلاً نیک کام کرنا اور برے کاموں کو ترک کرنا، نیک اور بد کاموں میں سے جس کا بھی بندہ قصد اور ارادہ کرتا ہے اللہ اس کو پیدا فرما دیتا ہے، بندہ کے ارادہ کو کسب اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق اور ایجا کہتے ہیں، اور بندہ کو اس کے کسب کی وجہ سے جزاء یا سزا ملتی ہے، جو کسب اور خلق کا فرق نہیں کرتے ان میں سے بعض کہتے ہیں انسان پتھروں کی طرح مجبور ہے اور ہر نیک اور بد کام کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یہ جبریہ ہیں، اور بعض کہتے ہیں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ معتزلہ ہیں، اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے، جبریہ اور معتزلہ مردہ مذاہب ہیں لیکن ان کے نظریات اور آثار اب بھی بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا ○ وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا، اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں، تو آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ (بہ طور) کار ساز کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول کی اطاعت حجت ہے، امام شافعی نے الرسلہ میں ذکر کیا ہے کہ ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کیا ہے مثلاً حج، نماز اور زکوٰۃ، اگر رسول اللہ ﷺ ان کا بیان نہ فرماتے تو ہم ان کو کیسے ادا کرتے اور کسی بھی عبادت کو انجام دینا ہمارے لیے کس طرح ممکن ہوتا، اور جب احکام شرعیہ کا آپ کے بیان کے بغیر ادا کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر آپ کی اطاعت کرنا حقیقت میں اللہ عز و جل کی اطاعت ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری معصیت کی اس نے اللہ کی معصیت کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی معصیت کی اس نے میری معصیت کی۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۳۵، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۷۱۳۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۸۵۹، مسند احمد ج ۲ ص ۷۱) قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اور معصیت میں اس کی اطاعت حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم دینا اللہ کا حکم دینا ہے، آپ کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے، آپ کا وعدہ اللہ کا وعدہ ہے اور آپ کی وعید اللہ کی وعید ہے، آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے اور آپ کا غضب اللہ کا غضب ہے، اور آپ کو ایذا پہنچانا اللہ کو ایذا پہنچانا ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور سورہ آل عمران : ۳۱ میں آپ کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے، اگر آپ کے قول یا عمل میں معصیت اور گناہ آ سکے تو پھر معصیت اور گناہ میں بھی آپ کی اتباع واجب ہوگی اور یہ محل ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) اگر کوئی شخص زبان سے اسلام کو قبول کر لیتا ہے اور دل سے ایمان نہیں لاتا تو آپ اس کے نگران نہیں ہیں کیونکہ آپ کے احکام صرف ظاہر ہیں۔

(۲) اگر کوئی شخص آپ کی تبلیغ کے بلوجود ظاہراً بھی اسلام نہیں لاتا تو آپ غم نہ کریں، کیونکہ آپ کسی کو جبراً مسلمان بنانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا : وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو۔ الخ۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین موافقت اور اطاعت کو ظاہر کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے

جاتے ہیں تو اس کے خلاف کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہتے تھے کہ ہم اللہ

اور اس کے رسول پر ایمان لائے تاکہ اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیں، اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے تو اس کے خلاف کہتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۱۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سرزنش فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ جو کرنا "کاتین مقرر" کیے ہیں وہ ان کی باتوں کو لکھ لیتے ہیں، اس کے بعد فرمایا آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے، یعنی آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کا مواخذہ نہ کریں اور نہ (ابھی) ان کے نفاق کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات کو اللہ پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ ان کے شر کو آپ سے دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے! اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (النساء: ۸۲)

قرآن مجید میں اختلاف نہ ہونے کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لوگ قرآن مجید کے معانی میں اور اس کے الفاظ بلیغ میں غور کیوں نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قرآن مجید میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ اضطراب ہے نہ تعارض اور تضاد ہے اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف اور تعارض ہوتا، اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

غیر اللہ کے کلام میں اختلاف تین وجہ سے ہو سکتا ہے، اس کے الفاظ میں اختلاف ہو یا معنی میں یا ترتیب میں، الفاظ میں اختلاف اس طرح ہو سکتا تھا کہ بعض الفاظ تو فصاحت اور بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہوں اور بعض اس حد سے کم ہوں اور جب قرآن مجید کا تمام متن کلام معجز ہے اور اس کی ہر سورت اور ہر آیت حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے تو اس میں الفاظ کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اس میں معانی کے اعتبار سے اس طرح اختلاف ہو سکتا تھا کہ اس میں غیب کی خبریں جو بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں، اسی طرح مبدء اور معاد کے جو تکوینی احکام بیان کیے گئے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے حالانکہ ہر زمانہ میں قرآن مجید کی صداقت تسلیم کی جاتی رہی ہے، اور قرآن مجید نے ماضی کی جو خبریں اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے جو احوال بیان کیے ہیں وہ حرف بہ حرف صادق ہوئے، اسی طرح قرآن مجید نے جو عقائد اور احکام شرعیہ بیان کیے ان میں بھی کسی قسم کا کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔

قرآن مجید میں روز افزوں واقعات اور نئے نئے احوال کے مطابق آیات نازل ہوتی رہیں اور بہ یک وقت کئی کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہیں اور نبی ﷺ ہر آیت کو اس سے متعلق سورت میں لکھواتے رہے اور کسی جگہ ترتیب میں کوئی خطایا کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

دنیا کی ہر کتاب میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ سے کوئی خطاء اور کوئی غلطی اور کوئی تعارض اور تضاد واقع ہو جاتا ہے صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کسی وجہ سے کہیں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا صاحب علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور ان کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے۔

(النساء : ۸۳)

اس آیت میں استنباط کا لفظ ہے، استنباط کا معنی ہے کسی چیز سے کسی چیز کو نکالنا اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ عالم اپنی عقل اور علم سے کسی خبر میں غور و فکر کر کے اس سے صحیح نتیجہ نکالے، قرآن اور حدیث میں غور و فکر کر کے ان سے احکام شرعیہ اخذ کرنے کو بھی استنباط کہتے ہیں۔

شان نزول

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوتے اور لشکر کو شکست ہوتی یا اس کو مل غنیمت حاصل ہوتا تو وہ نبی ﷺ کے خبر دینے سے پہلے اس خبر کو اڑا دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دل کمزور ہوں اور نبی ﷺ کو اذیت پہنچے، اگر وہ یہ خبر نہ پھیلاتے حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے معظم اصحاب میں سے مثلاً حضرت ابو بکر اور حضرت عمرو وغیرہ اس خبر کی خود تحقیق کرتے تو وہ اس خبر سے صحیح نتیجہ نکال لیتے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۷)

امام ابن جریر نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد منافق ہیں یا ضعفاء مسلمین (جامع البیان ج ۵ ص ۱۱۳) اس آیت میں اولی الامر سے مراد یا تو ان لشکروں کے امیر ہیں یا اصحاب علم و فضل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۷۲) قیاس اور تقلید کے حجت ہونے کا بیان

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں قیاس بھی حجت اور دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ خبر کے ظاہر پر عمل نہ کیا جائے بلکہ غور و فکر کر کے اس خبر سے صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام ظاہر نص سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ ظاہر نص سے جو حکم مستنبط کیا جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں ان میں عوام پر واجب ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ بھی مسائل شرعیہ میں استنباط کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد پیش آمدہ واقعات اور مسائل حاضرہ میں اصحاب علم کو قرآن اور احادیث سے استنباط اور اجتہاد کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو آپ اللہ کی راہ میں قتل کیجئے، آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

(النساء : ۸۳)

شان نزول اور ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جملہ کی بہت زیادہ ترغیب دی تھی، اور ان لوگوں کی مذمت کی تھی جو جملہ سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا آپ ان لوگوں کے منع کرنے کی طرف توجہ اور التفات نہ کیجئے بلکہ آپ خود اللہ کی راہ میں قتل کیجئے۔

نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جملہ کا حکم دیا ہے خواہ آپ کو تنہا کافروں سے جملہ کے لیے جانا پڑے، ابوسفیان نے بدر الصغریٰ میں آپ سے مقابلہ کا وعدہ کیا تھا، بعض مسلمانوں نے وہاں جانا ناپسند کیا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، آپ نے کسی کے منع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی اور ستر مسلمانوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے اگر کوئی نہ جاتا تو آپ تنہا روانہ ہو جاتے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے اور قتل کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف نبی ﷺ کو قتل کا مکتب کیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے، سو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے بہت ارشادات فرمائے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا، اللہ کے کلام میں جب بھی عسیٰ (عنقریب) کا لفظ آئے تو وہ یقین کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں یہ پیش گوئی ہے کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور مسلمان غالب ہوں گے، سو بعد میں ایسا ہی ہوا اور تمام جزیرہ عرب مسلمانوں کے تسلط میں آگیا اور جب تک مسلمان احکام شرعیہ سے تغافل، عیاشی اور باہمی تفرقہ میں مبتلا نہیں ہوئے اور تبلیغ اسلام کے لیے دنیا میں جہاد کرتے رہے تمام ممالک ان کے زیر تسلط آتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (النساء : ۸۵)

شفاعت کا معنی اور اس کی اقسام

شفاعت کا لفظ شفع سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ایک انسان دوسرے ضرورت مند انسان کے ساتھ مل جائے اور دونوں مل کر اس ضرورت کے متعلق سوال کریں، اور یہاں یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں اور جو مسلمان آپ کی ترغیب سے جہاد کریں گے تو ان کی اس نیکی میں آپ کا بھی حصہ ہوگا، یہ شفاعت حسنہ ہے، اور شفاعت سیئہ یہ ہے کہ منافق اپنے بعض منافقوں کو جہاد میں شریک نہ کرنے کے لیے حضور ﷺ سے شفاعت کرتے تھے کہ ان کو فلاں فلاں عذر ہے اس لیے ان کو جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت دیں چونکہ یہ بد نیتی پر مبنی شفاعت ہوتی تھی اس لیے یہ بری شفاعت ہے اور اس شفاعت سے جہاد میں شریک نہ ہونے کا گناہ دونوں کو ہوگا ان کو بھی جو شریک نہیں ہوئے اور ان کو بھی جنہوں نے ان کے لیے اس کی سفارش کی۔

اسی طرح کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے مثلاً کسی طالب علم کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے سفارش کرنا، کسی ضرورت مند عالم دین کے لیے کسی توکر سے سفارش کرنا کہ ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو خرید کر دیں، مسجد اور دینی مدرسہ بنوانے کے لیے سفارش کرنا، کسی مجاہد کے لیے اسلحہ کے حصول میں سفارش کرنا، کسی غریب لڑکی کی شادی کے لیے رشتہ یا جینز کی سفارش کرنا، کسی بے روزگار کے لیے ملازمت کی سفارش کرنا، شرطیکہ وہ اس ملازمت کا اہل ہو، اللہ کے حضور کسی مسلمان کے لیے دعا کرنا اس کی مغفرت چاہنا، یہ سب اچھی سفارشات ہیں، اور بری سفارش یہ ہے کہ شراب خانہ کے پر مٹ کے لیے سفارش کی جائے، سینما ہانے کے لیے کسی سے سفارش کی جائے، آلات موسیقی کی دکان کے لیے کسی سے سفارش کی جائے، بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کے لیے سفارش کی جائے یا کسی نالال اور غیر مستحق کے لیے سفارش کی جائے۔

نیکی کے کاموں میں شفاعت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی شخص حاجت

لے کر آپ فرماتے تم شفاعت کرو تمہیں اجر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گافصلہ فرمائے گا۔
(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۶۷۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۳۲، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۲۵۵۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۸۱، مسند احمد ج ۳ ص ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۶۷، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۳۱) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ کے پاس اس وقت کوئی سواری نہیں تھی۔ آپ نے اس کی کسی اور شخص کی طرف رہنمائی کی اس شخص نے اس کو سواری دے دی، اس سائل نے نبی ﷺ کے پاس آکر اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا نیکی کی رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۶۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۳۹، مسند احمد، رقم الحدیث : ۱۷۰۸۳، الادب المفرد، رقم الحدیث : ۱۳۲)

کسی برے کام کے حصول کے لیے شفاعت کی ممانعت پر اس آیت میں دلیل ہے :

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

(المائدہ : ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹاؤ، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (النساء : ۸۶)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جملہ کا حکم دیا تھا اور جملہ کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب فریق مخالف صلح کرنے پر تیار ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو، قرآن مجید میں ہے :

وَلَنْ جَنَحُوا لِلْإِسْلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا
اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف

(الانفال : ۶) مائل ہوں۔

اسی طرح جب کوئی شخص سلام کرے تو اس کے سلام کا عمدہ طریقہ سے جواب دینا چاہئے ورنہ کم از کم اسی لفظ سے سلام کا جواب دیا جائے۔ مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کے۔

اسلام میں سلام کے مقرر کردہ طریقہ کی افضلیت

عیسائیوں کے سلام کا طریقہ ہے منہ پر ہاتھ رکھا جائے (آج کل پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں) یہودی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں، مجوسی جھک کر تعظیم کرتے ہیں، عرب کہتے ہیں حیاک اللہ (اللہ تمہیں زندہ رکھے) اور مسلمانوں کا سلام یہ ہے کہ کہیں السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام طریقوں سے افضل ہے کیونکہ سلام کرنے والا مخاطب کو یہ دعایتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آفتوں، بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے، نیز جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو ضرر اور خوف سے مامون اور محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے، مکمل سلام یہ ہے السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ، اور تشہد میں بھی اتنا ہی سلام ہے، جب کوئی شخص فقط السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہ، اور اگر کوئی سلام علیکم ورحمتہ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ و برکاتہ کہے اگر کوئی سلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے تو اس کے جواب میں دعلیم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے، اور بعض روایات میں ومغفرۃ کالغفرۃ بھی ہے۔ (سنن ابوداؤد : ۵۹۶۶) سلام کی ابتداء کرنے والا پہلے لفظ السلام کہتا ہے اور جواب دینے والا دعلیم السلام کہہ کر بعد میں لفظ السلام کہتا ہے، اس میں نکتہ یہ ہے کہ سلام اللہ کا نام ہے اور مجلس کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے ہو اور انتہا بھی اللہ کے نام پر ہو، اور ابتداء بھی سلامتی کی دعا سے ہو اور انتہاء بھی سلامتی کی دعا پر ہو۔

مصافحہ اور معافقہ کی فضیلت اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کا کون سا وصف سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا : تم کھانا کھاؤ اور ہر (مسلمان) کو سلام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۹۹۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو گے، اور جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے تمہارا ایمان (کامل) نہیں ہو گا، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم ایک دوسرے سے محبت کرو؟ ایک دوسرے کو بہ کثرت سلام کیا کرو۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۹۹۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۹۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث :

۳۶۹۲، الادب المفرد، رقم الحدیث : ۲۶۹، کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث : ۲۰۰۲، شعب الایمان، رقم الحدیث : ۸۷۳۵)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۹۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۹۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے اگر ہم کسی درخت کی وجہ سے جد ہو کر پھر مل جاتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۷۹۸۳)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : السلام علیکم آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے فرمایا : دس (نیکیاں)، پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ نے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا پھر آپ نے فرمایا (تیس) نیکیاں، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، امام بیہقی نے بھی اس کو حسن کہا ہے، امام ابوداؤد نے سہل سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے : پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرۃ آپ نے فرمایا :

چالیس (نیکیاں)

سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۱۹۵، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۲۶۹۸، کتاب الادب للیستی، رقم الحديث : ۲۸۰، الادب المفرد، رقم الحديث : ۹۸۶، عمل اليوم واللیلہ للنسائی، رقم الحديث : ۳۳۹

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب بھی دو مسلمان ملاقات کے بعد مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے الگ ہونے سے پہلے ان کو بخش دیا جاتا ہے۔
(سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۲۱۳، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۲۷۳۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحديث : ۳۷۰۳، کشف الاستار، رقم الحديث : ۲۰۰۳)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے اصحاب جب ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معافہ کرتے۔ حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔
(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۳۲۳، المعجم الاوسط، رقم الحديث : ۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہد کی تعلیم دی درآں حالیکہ میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں میں تھیں۔ (صحیح البخاری کتاب الاستیذان، باب ۲۸، الاخذ بالیدین، رقم الحديث : ۶۲۶۵)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرے، اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرے۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۲۰۰)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سلام کرنے میں ابتداء کرے وہ تکبر سے بری ہو جاتا ہے۔
(شعب الایمان، رقم الحديث : ۸۷۸۶)

کن لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوار، پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(صحیح بخاری، رقم الحديث : ۶۳۳۲، صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۶۰، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۱۹۸، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۷۲۱۳، الادب المفرد، رقم الحديث : ۹۹۵، مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث : ۱۹۳۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا آپ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث : ۷۳۳۷، صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۶۸، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۵۲۰۲، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۷۲۱۳)

۷۲۰۵: عمل الیوم واللیلۃ للنسائی رقم الحدیث : ۳۳۱ سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۲۷۰۰ صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث : ۲۷۰۵ (ج ۶ ص ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جھوٹا بڑے کو سلام کرنے، اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور قلیل کثیر پر۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۳۳۱، سنن ترمذی رقم الحدیث : ۲۷۰۳، سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ۵۸۸) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحسب متنی ۵۲۷۵ روایت کرتے ہیں : اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہم عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ہم کو سلام کیا۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث : ۵۲۰۳، سنن ترمذی رقم الحدیث : ۳۹۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۳۷۱، مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۷، المعجم الکبیر رقم الحدیث : ۲۳۸۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے میرے بیٹے جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو اس سے تم پر برکت ہوگی اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہوگی۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث : ۲۷۰۷) حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کلام سے پہلے سلام کرو، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث منکر ہے (سنن ترمذی : ۲۷۹۸) امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کو اہل کتب سلام کریں تو تم کوہو علیکم۔ (صحیح مسلم : ۲۶۱۳، سنن ابوداؤد : ۵۲۰۷)

جن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہئے

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

(۱) نبی ﷺ نے فرمایا ہے یہودی کو سلام کی ابتداء نہ کرو، امام ابو حنیفہ نے کہا ہے اس کو خط میں بھی سلام نہ کرو، امام ابویوسف نے کہا نہ ان کو سلام کرو نہ ان سے مصافحہ کرو، اور جب تم ان پر داخل ہو تو کہو السلام علی من اتبع الهدی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو ابتداء "سلام کرنا جائز ہے" (مثلاً کسی کا افسر کافریا بد مذہب ہو تو اس کو اس کے دائیں بائیں فرشتوں کی نیت کر کے سلام کرے) اور جب وہ سلام کریں تو وہ علیک کتنا چاہئے، حسن نے کہا ہے کہ کافر کو علیکم السلام کتنا تو جائز ہے لیکن علیکم السلام ورحمۃ اللہ کتنا نہیں چاہئے کیونکہ یہ مغفرت کی دعا ہے اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں، شعبی نے ایک نصرانی کے جواب میں کہا علیکم السلام ورحمۃ اللہ، ان پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا کیا یہ اللہ کی رحمت میں جی نہیں رہا!

(۲) جب جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو تو حاضرین کو سلام نہ کرے کیونکہ لوگ امام کا خطبہ سننے میں مشغول ہیں۔

(۳) اگر حمام میں لوگ برہنہ نہا رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرے اور اگر ازار باندھ کر نہا رہے ہوں تو ان کو سلام کر سکتا ہے۔

(۴) جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو، روایت حدیث کر رہا ہو، یا مذاکرہ علم میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرنا چاہئے۔

ہو شخص کو ان امور اقامت میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۶) امام ابو یوسف نے کہا جو شخص چور یا شطرنج کھیل رہا ہو یا کبوتر اڑا رہا ہو، یا کسی معصیت میں مبتلا ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۷) جو شخص قضاء حاجت میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے۔

(۸) جو شخص گھر میں داخل ہو تو اپنی بیوی کو سلام کرے اگر اس ساتھ کوئی اجنبی عورت ہو تو اس کو سلام نہ کرے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۰)

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے، اگر جماعت مسلمین کو سلام کیا تو ہر ایک پر جواب دینا فرض کفایہ ہے لیکن جب کسی ایک نے جواب دے دیا تو باقیوں سے جواب دینے کا فرض ساقط ہو جائے گا، فساق اور فجار کو پہلے سلام نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اگر بوڑھی ہو تو اس کا جواب دینا چاہئے اور اگر جوان ہو تو اس کے سلام کا جواب نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو۔ (النساء : ۸۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سلام کا احسن طریقہ سے جواب دینے کا حکم دیا تھا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو اجنبی شخص تم کو سلام کرے تم اس کو مسلمان جانو، اور یہ نہ سمجھو کہ اس نے جان بچانے کے لیے سلام کیا ہے اور اس کے دل میں کفر ہے کیونکہ باطن کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں وہ کافر تھا اس کا حساب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے گا، اس لیے اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو، لہذا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے صدق کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

انتفاع کذب کا بیان

اللہ تعالیٰ واجب بالذات ہے اور اس کی تمام صفات قدیم اور واجب بالذات ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا صدق بھی قدیم اور واجب بالذات ہے اور کذب صدق کی نفیض ہے، جب کذب آئے گا تو صدق نہیں رہے گا اور کذب آ نہیں سکتا لہذا صدق جا نہیں سکتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے۔

انتفاع کذب پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور اس کے کلام میں کذب اور خلف محال ہے، ہمارے اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا زوال ممتنع ہو گا، کیونکہ قدیم کا عدم ممتنع ہے، اور جب کذب کا زوال ممتنع ہو گا تو اس کا صدق ممتنع ہو گا، کیونکہ ایک ضد کا وجود دوسری ضد کے وجود سے مانع ہے، اس لیے اگر اللہ کو کذب مانا جائے تو اس کا صلوٰۃ ہونا ممتنع ہو گا، لیکن اس کا کذب ممتنع ہے کیونکہ ہم بالبداهت جانتے ہیں کہ جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس علم کے مطابق اس چیز کی خبر دے سکتا ہے اور یہی صدق ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا کذب ہونا ممتنع ہو گیا۔

(تفسیر کبرج ۳ ص ۲۸۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ کذب کا امکان صدق کے عدم کے امکان کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور قدیم ہے اس کا عدم اور سلب ممکن نہیں ہے لہذا اس کے کلام میں کذب بھی ممکن نہیں ہے۔

امتناع کذب پر علامہ تفتازانی کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر رازی تفتازانی متوفی ۷۴۳ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا کلام ازل میں ماضی، حل اور استقبال کے ساتھ متصف نہیں تھا ورنہ لازم آئے گا کہ ازل میں اللہ کا کلام مثلاً نعیمی فرعون ”فرعون نے معصیت کی“ کلوب ہو کیونکہ ازل میں فرعون تھا نہ اس نے معصیت کی تھی، اور اللہ تعالیٰ کا کذب محل ہے اولاً ”اس لیے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، ثانیاً ”اس لیے کہ معجزہ کی دلالت سے انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا صدق تواتر سے ثابت ہے اور ان کا صدق اللہ کے کلام پر موقوف نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اللہ کے کلام کے صدق پر موقوف ہو، ثالثاً ”اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محل ہے کیونکہ نقص مجز، جہل یا عبث کو مستلزم ہے، رابعاً ”اس لیے کہ اگر ازل میں اللہ تعالیٰ کی خبر کلوب ہو تو ازل میں اس کا صدق ممتنع ہو گا“ کیونکہ جس چیز کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے، جب ازل میں اللہ تعالیٰ صادق ہے تو ازل میں کذب محل ہو گا۔

(شرح القاصد ملخص ۳ ص ۱۵۹-۱۵۸ مطبوعہ ایران)

امتناع کذب پر میر سید شریف کے دلائل

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۴۳ھ لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کذب کے محل ہونے کی تین دلیلیں ہیں : پہلی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محل ہے، نیز اگر اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب واقع ہو تو لازم آئے گا کہ بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کامل ہوں یعنی جس وقت ہمارا کلام صادق ہو (اور اس کا کلام کلوب ہو) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محل ہو گا جو کذب کا مقابل ہے ورنہ اس کی صفت کذب کا زوال ممکن ہو گا اور ہم پہلے اس کے زوال کو محل فرض کر چکے ہیں کیونکہ اس کی صفات قدیم ہیں اور جس کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے اور لازم باطل ہے یعنی اللہ پر صدق کا ممتنع ہونا باطل ہے کیونکہ ہم بالبداہت جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس علم کے مطابق خبر دے۔ اور تیسری اور معتد دلیل جو کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں میں کذب کے محل ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے ہر کلام میں صادق ہیں اور نبی ﷺ کا دین میں صادق ہونا بالبداہت معلوم ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ تواتر سے منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں صادق ہے، جس طرح تواتر سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے، اگر اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے صادق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق کی اور ان کو صادق فرمایا اب اگر اللہ کا صادق ہونا اور اس پر کذب کا ممتنع ہونا انبیاء علیہم السلام کے قول اور ان کی خبر سے ثابت ہو

یہ دور ہو جائے گا انبیاء کا صلوٰۃ ہو اللہ کی خبر پر اور اللہ کا صلوٰۃ ہو انبیاء کی خبر پر موقوف ہو اور یہ کسی شے کا اپنے نفس پر موقوف ہونا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صلوٰۃ اللہ کی تصدیق پر موقوف نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت پر موقوف ہے، انبیاء علیہم السلام اپنے دعویٰ نبوت پر معجزہ خارق عادت پیش کرتے ہیں جس سے ان کا صلوٰۃ ثابت ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا صلوٰۃ اور متکلم ہونا انبیاء علیہم السلام کی خبر پر موقوف ہے، وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم اور صلوٰۃ ہے۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۱۰۳-۱۰۱، مطبوعہ ایران)

شرح مواقف کے دلائل پر علامہ میر سید شریف کے اعتراضات

صاحب مواقف نے اتماع کذب پر پہلی دلیل یہ قائم کی کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے، پھر اس پر یہ اعتراض کیا کہ کلام نفسی میں کذب نقص ہے کلام لفظی میں کذب نقص نہیں ہے، کیونکہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم میں کلام کاذب پیدا کر دے، اس کا جواب یہ دیا کہ کلام کاذب کو پیدا کرنا بھی نقص ہے اور وہ اللہ پر محال ہے، ثابت ہوا کہ اللہ کے کلام میں کذب مطلقاً محال ہے، اس پر علامہ میر شریف نے یہ اعتراض کیا کہ اشاعرہ افعال کا حسن اور قبح شرعی مانتے ہیں اور قبح عقلی کے قائل نہیں ہیں اور قبح عقلی اور نقص میں کوئی فرق نہیں ہے اور جب اللہ پر قبح عقلی جائز ہے تو اس پر نقص بھی جائز ہونا چاہئے اور جب اللہ پر نقص جائز ہو گیا تو اس کے کلام میں کذب کا ممتنع ہونا ثابت نہیں ہوا۔

(شرح المواقف ج ۸ ص ۱۰۳، مطبوعہ ایران)

علامہ میر سید شریف کے اعتراضات کے جوابات

ماترید یہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فی نفسہ حسن ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے وہ فی نفسہ قبیح ہے مثلاً منعم کا شکر ادا کرنا حسن ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ بھی دیتا تب بھی فی نفسہ حسن ہی رہتا اور قتل ناحق فی نفسہ قبیح ہے اگر اللہ تعالیٰ اس سے منع نہ بھی فرماتا تب بھی یہ قبیح ہی رہتا، کیونکہ اول الذکر کے حسن اور ثانی الذکر کے قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے اور یہ معنی ہے ان کے اس قول کا کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے، اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے یعنی جس کا شارع نے حکم دیا ہے وہ حسن ہے اور جس سے منع کیا ہے وہ قبیح ہے عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں، اگر بالفرض شارع قتل ناحق کا حکم دیتا تو وہ حسن ہوتا اور شکر منعم یا عبادت کرنے سے منع کرتا تو وہ قبیح ہوتا۔ اور اس بحث میں حسن کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مدح کا اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو اور قبح کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو، اس حسن اور قبح کو اشاعرہ کہتے ہیں کہ شرعی ہے عقلی نہیں ہے یعنی عقل اس کے ادراک میں مستقل نہیں ہے مثلاً عقل کیسے جان سکتی ہے کہ تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے یا نموزہ کے لوہے پر مسح کرنے سے طہارت ہو جاتی ہے یا سونے اور ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے ان کا حسن اور قبح شرعی ہے اور ماترید یہ یہ کہتے ہیں کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے یعنی عقل، ان کے حسن اور قبح کی ادراک میں مستقل ہے۔ اشاعرہ اور ماترید یہ کا افعال کے حسن اور قبح کے عقلی ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف اسی معنی میں ہے۔

حسن کا دوسرا معنی ہے صفت مکمل جیسے علم اور صدق، قبح کا دوسرا معنی ہے صفت نقصان جیسے جہل اور کذب اس میں ماترید یہ اور اشاعرہ سمیت تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا حسن اور قبح عقلی ہے اور جب یہ واضح ہو گیا تو مواقف

میں جو یہ لکھا ہے کہ کذب نقص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محل ہے پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کذب کا نقص عقلی ہے اور اس کو اشاعرہ نہیں مانتے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ اشاعرہ حسن اور قبح کے جس معنی کو شرعی کہتے ہیں اور اس کے عقلی ہونے کی نفی کرتے ہیں وہ اور معنی ہے گویا یہ ہے کہ جس کلام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو وہ قبیح ہے اور جس کی وجہ سے دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو وہ حسن ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لیے اس معنی کے لحاظ سے نہ کوئی فعل حسن ہے نہ قبیح، اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے حسن وہ فعل ہے جس میں مکمل ہو اور قبیح وہ ہے جس میں نقص ہو اور اس معنی کے لحاظ سے حسن اور قبح کا عقلی ہونا اشاعرہ سمیت سب کے نزدیک مسلم ہے اس لیے کذب صفت نقص ہے اور نقص اللہ پر محل ہے اور اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے، مسلم اثبات اور اس کی شروحات میں بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے قارئین کی سہولت کے لیے اس کو بہت آسان، سہل اور واضح کر کے پیش کیا۔ (شرح مسلم الثبوت للحیجر آبادی ص ۸۳-۵۲ ملخصاً، مطبوعہ کوئٹہ، نواتج الرحمت مع المتصفی ج ۱ ص ۳۶-۳۷، ملخصاً مطبوعہ مصر)

صاحب مواقف نے دوسری دلیل یہ قائم کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محال ہو گا جو کذب کا مقابل ہے اور اگر کذب قدیم نہ ہو تو اس کا زوال ممکن ہو گا اور ہم پہلے فرض کر چکے ہیں کہ کذب اس کی صفت ہے اور قدیم ہے اور جس کا قدیم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے، پس اگر کذب کو اللہ کی صفت مانا جائے تو اس کا صدق ہونا محال ہو گا اور یہ باطل ہے کیونکہ ہم بداحتہ "جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس کے مطابق خبر دے سکتا ہے۔"

علامہ سید شریف نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی میں کذب محال ہو، کیونکہ قدیم کلام نفسی ہے، رہا کلام لفظی تو وہ مخلوق اور حادث ہے اور کلام لفظی جو صلوٰۃ ہو وہ ممکن اور حادث ہونے کی وجہ سے زائل بھی ہو سکتا ہے اور کلام لفظی میں صدق کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ کا کلام لفظی صلوٰۃ اور حادث ہے اور حادث کا زوال بھی ممکن ہے لیکن کلام صلوٰۃ کے زوال سے کلام کا کذب کا امکان لازم نہیں آتا، کیونکہ کذب کا معنی ہے ایسی خبر جو واقع کے خلاف ہو اور کلام صلوٰۃ کے زوال اور عدم کے امکان سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ایسی خبر جو وجود میں آجائے جو واقع کے خلاف ہو، خلاصہ یہ ہے کہ کلام لفظی صلوٰۃ کے زوال کا امکان عام ہے اور کلام کا کذب کا ثبوت خاص ہے اور عام کا ثبوت خاص کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا، عام کی خاص پر دلالت نہ مطابقتی ہوتی ہے نہ تضمنی نہ التزامی، اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کلام صلوٰۃ لفظی کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے۔

امتناع کذب پر علامہ میر سید شریف کی تصریحات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۸۶ھ لکھتے ہیں :

(فرق باطلہ میں سے) مزار یہ نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے، علامہ میر سید شریف اس کا رد فرماتے ہیں : اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو وہ جھوٹا خدا ہو گا، اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

(شرح مواقف ج ۸ ص ۳۸۱، مطبوعہ ایران)

کتاب کے حلق دیگر علماء کی تصریحات اور دلائل

علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں :

”اللہ تعالیٰ کی ذات پر جمل اور کذب دونوں محال ہیں۔“

(حاشیہ عبدالحکیم علی الجہالی ص ۲۵۷، مع مجموعہ الحواشی البیہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۳۹۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ صادق نہیں ہو سکتا اور کذب اللہ پر محال ہے کیونکہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں : زیادہ صادق ہونے کی نفی کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص صدق میں اللہ کے مساوی بھی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کے حق میں کذب عقلاً اور شرعاً محال ہے کیونکہ جھوٹ یا تو کسی ضرورت کی بناء پر بولا جائے گا یا بلا ضرورت، کسی ضرورت کی بناء پر جھوٹ بولنا اللہ پر اس لیے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہے اور بلا ضرورت جھوٹ عدم علم کی وجہ سے بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز اس سے غائب نہیں، یا بلا ضرورت قصداً جھوٹ بولا جائے گا اور یہ حماقت ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل سے تو کلام نفسی میں جھوٹ محال ہو گا اور کلام لفظی میں تو جھوٹ ممکن رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں ایسی خبر پیدا کر دے جو واقع کے خلاف ہو یا اس طور کہ وہ اس مخلوق کا کلام نہ ہو بلکہ اللہ کا کلام ہو اور غیر کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جیسے قرآن کلام لفظی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی نقص ہے کیونکہ اس سے جمل تو لازم نہیں آتا لیکن اس میں تجہیل ہے اور دوسروں کو جاہل بنانا ہے اور یہ بھی اللہ کے لیے نقص ہے اور نقص اللہ پر عقلاً محال ہے، علاوہ ازیں یہ محال شرعی بھی ہے۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ”اور کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے زیادہ سچی ہو۔“ اس کا معنی ہے، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے نہ کوئی صدق میں اس کے برابر ہے اور نہ کوئی صدق میں اس سے زیادہ ہے، مخلوق میں سب سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کا صدق واجب بالغیر ہے اور ان کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، اگر اللہ کا صدق بھی اسی طرح ہو اس کے کلام میں بھی کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو تو انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ صدق میں مساوی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو، یعنی وہ سب سے زیادہ سچا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کا صدق قدم اور واجب بالذات ہو اور اس کا کذب ممتنع بالذات ہو۔

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں :

”اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا جب بالذات ہونا چاہئے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہو گا۔“

(نور العرفان ص ۳۳۳، مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

کتاب کذب کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

شیخ رشید احمد کنگوی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں :

آپ نے مسئلہ امکان کذب کو استفسار فرمایا ہے مگر امکان کذب میں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے خلاف پر وہ قہراً ہے مگر اختیار خود اس کو وہ نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے اور اس عقیدہ پر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ شہد ہیں اور علامہ امت کا بھی یہی عقیدہ ہے مثلاً فرعون پر لوطیل نادر کی وعید ہے مگر لوطیل جنس فرعون پر بھی قہراً ہے اگرچہ ہرگز اس کو نہ دیوے گا اور یہی مسئلہ سموت اس وقت میں ہے بندہ کے جملہ احباب یہی کہتے ہیں اس کو لحداء نے دوسری طرح پر بیان کیا ہو گا اس قدرت اور عدم ابطال کو امکان ذاتی و امتناع بالغیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط

(تکوئی رشیدیہ کمال سبب ص ۸۵-۸۴ مطبوعہ قرآن محل کراچی)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع اور محال بلذات ہے اور محال بلذات تحت قدرت نہیں ہوتا، مثلاً اللہ تعالیٰ کا عدم محال بلذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جمل اور کذب بھی محال بلذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل عبارت میں ہے۔

خلف وعید کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے کذب کو مستلزم نہیں ہے

علامہ سید محمد امین ابن عبدین شامی متوفی ۱۲۵۵ھ لکھتے ہیں :

لام قرآنی اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ کافر کی مغفرت کی دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کو طلب کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ (امی قولہ) کیا خلف فی الوعد جائز ہے؟ مواقف اور مقاصد کی ظاہر عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اشاعرہ خلف فی الوعد کے قائل ہیں کیونکہ خلف فی الوعد جو دور کرم ہے نقص نہیں ہے اور علامہ تفتازانی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خلف فی الوعد جائز نہیں ہے علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ خلف فی الوعد محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ما یبدل القول لدی اور فرمایا ہے لن یخلف اللہ وعدہ ای وعیدہ اور اشہ بالحق یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خلف فی الوعد جائز ہے اور کفار کے حق میں جائز نہیں ہے تاکہ دونوں طرف کے دلائل میں تطبیق ہو جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء اس میں یہ تصریح ہے کہ شرک کی مغفرت نہیں ہوگی اور مسلمان نے خلو کبیرہ گنہ کیا ہو اس کی مغفرت ہو جائے گی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی : ربنا اعفر لی ولوالدی وللؤمنین یوم یقوم الحساب ان آئینوں کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے مذاب کی جو وعید فرمائی ہے اس کا خلاف محال ہے اور گنہ گار مسلمانوں کے لیے جو مذاب کی وعیدیں ہیں ان کے خلاف ہو جائے گا اور وہ اللہ کا کرم ہے نیز گنہ گار مسلمانوں کے لیے مذاب کی جو وعیدیں ہیں وہ عدم ضو کے ساتھ متعین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شرک کے سوا ہر گنہ کو بخش دے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے لیے جو مذاب کی وعید ہے اس کا خلاف محال ہے اور گنہ گار مسلمانوں کے لیے جو مذاب کی وعید ہے اس کا خلاف ہو جائے گا کیونکہ مسلمان کے حق میں وعید کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے فلاں گنہ کیا تو میں تم کو مذاب دوں گا یہ شرطیکہ میں نے چاہا میں نے تم کو معاف نہ کیا اور اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ گنہ گار مسلمانوں کے لیے آیات وعید عدم ضو یا مشیت کے ساتھ متعین ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۵ مطبوعہ مکتبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

شیخ ظلیل احمد انیسوی متوفی ۱۳۶۱ھ لکھتے ہیں :

امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدام میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید جائز ہے یا نہیں؟

(براصین قاطعہ ص ۲، مطبوعہ مطبعہ بلالی ہند)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اشاعرہ جو خلف وعید کے قائل ہیں وہ گناہ گار مسلمانوں کے حق میں خلف وعید کے قائل ہیں اور عذاب کی آیات کو عدم عفو کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور کفار کے حق میں خلف وعید کے قائل نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کذب کے ثلوم سے برات کا اظہار کرتے ہیں :

علامہ مکمل الدین بن ابی شریف اشعری المذہب متوفی ۹۰۵ھ لکھتے ہیں :

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ شخص جو بندوں کے حق میں نقص ہو وہ اللہ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے سو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ (سامرہ ج ۱ ص ۱۸۳، مطبوعہ مکران) اور علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں :

حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنے کا موجب موجود ہے اور وہ گناہ گار مسلمانوں، نہ کہ مشرکوں کے لیے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت آفتاب نیم روز کی طرح قطعی اور یقینی ہے پس کفار کے غیر (گناہ گار مسلمانوں) کی وعیدوں میں ظاہر سے عدول کرنا ضروری ہے پس یا تو آیات وعید کو عدم عفو کے ساتھ مقید کیا جائے گا، (یعنی اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو یہ سزا دے گا) یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ نے گناہ گار مسلمانوں کو عذاب دینے کی خبر نہیں دی بلکہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا ہے) رہا وعد تو اس میں حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ آیات اپنی حقیقت پر ہیں۔ (فوائد الرحمت مع المستغنی ص ۶۲، مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرْكَسُهُمْ بِمَا كَسَبُوا

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئیں حالانکہ اللہ نے ان (منافقوں) کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے

أَتْرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنَ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ

اوندھا کر دیا ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ نے گمراہی

اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ۝۸۸ ۝ وَذُوالْوَتَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا

کو پیدا کر دیا، تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پاسکو گے وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر

فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجَرُوا

ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہذا تم ان کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُواهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

کراہ میں جہاد کے لیے نکلیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پھڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

وَجَدْتَهُمُ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝۸۱

اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ۝ اسماں

الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ

کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جس قوم کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو یا وہ

جَاءُكُمْ حَصْرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا

تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آچکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے

قَوْمِهِمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَتُلُوكُمْ فَاِن

لڑیں ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بیشک وہ تم سے لڑتے، سوار گرد

اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَالِيكُمْ السَّلَامَ ۖ فَمَا

تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام پہنچائیں تو اللہ نے

جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝۸۲ سَتَجِدُونَ آخِرِينَ

تمہارے لیے ان کے خلاف (لڑنے کا) کوئی طریقہ نہیں رکھا ۝ عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے

يُرِيدُونَ أَنْ يُبَايِعُواكُمْ وَيُبَايِعُوا قَوْمَهُمْ طَبْعًا كَمَا رَدُّوهُ إِلَى

جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف

الْفِتْنَةِ أُرَاكُسُوا فِيهَا ۖ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمْ

(سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود پڑیں، پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں

السَّلَامَ وَيَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پھڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

تَقْتُلُوهُمْ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَاكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا قَبِينًا ۝۸۳

وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے ہمیں کھلا اختیار دیا ہے ۝

ارشاد ہے : تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئی ہیں حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں، پہلے قول کے متعلق یہ حدیث ہے :
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ احد کی طرف نکلے تو آپ کے لشکر میں سے کچھ لوگ پیس ہو گئے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک فریق نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے اور دوسرے فریق نے کہا ہم ان کو قتل میں کریں گے۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : فما لكم في المنافقين فئتين (النساء : ۸۸) اور نبی ﷺ نے فرمایا یہ لوگوں کو اس طرح نکل دیتا ہے جسے بھٹی لوہے سے زنگ نکل دیتی ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۸۸۳، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث : ۲۱۶۵۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آ گئے تھے، انہوں نے مسلمانوں پر یہ ظاہر کیا کہ مسلمان ہیں پھر وہ مکہ واپس چلے گئے اور مکہ والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مشرک ہیں : امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

مجاہد اس آیت کے شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ظاہر

کیا کہ وہ مہاجر ہیں، پھر اس کے بعد وہ مرتد ہو گئے، انہوں نے نبی ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ سے اپنا مال لا کر تجارت کریں گے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا، بعض مسلمانوں نے کہا وہ منافق ہیں اور بعض نے کہا وہ مومن

سے ہلال بن عویر اسلمی نے ملاقات کی، اس کا نبی ﷺ سے معاملہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس کا مسلمانوں سے لڑتے لڑتے

ننگ ہو چکا تھا یا وہ اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے عاجز ہو چکا تھا، اس نے ان لوگوں کی مدافعت کی اور کہا یہ مومن ہیں۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۲۶۳-۲۶۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ

نے گمراہی کو پیدا کر دیا تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پاسکو گے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کی سرکشی اور ان کے کفر کی وجہ سے دین سے گمراہ کر دیا

مسلمان یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ منافق سچے اور مخلص مسلمان بن جائیں، اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ کیا تم

لوگوں کو جنت کا راستہ دکھانا چاہتے ہو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے راستہ سے گمراہ کر دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ

جنت کے دن کفار کو جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دے گا۔

تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ۔ لہذا تم ان کو

سنت نہ پہنچاؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاد

کی کڑواہٹ اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ○ (النساء : ۸۹)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم ان منافقوں کو ہدایت یافتہ بنانا چاہے ہو، اور آیت میں فرمایا : حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ تم کو کافر بنانا چاہتے ہیں اس لیے تم ان کو دوست نہ بناؤ۔ کفار کو دوست بنانے سے قرآن مجید اور احادیث میں منع کیا گیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّ
وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا
بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ
تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو ان کے پاس آیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میری امت کے آخر میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دلاوے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : آخر زمانہ میں دجل اور کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دلاوے تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم)
امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحسب تلمی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : منکرین تقدیر کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ان سے پہلے مخاطب ہو۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۷۱۰)

ہجرت کی تعریف اور اس کی اقسام

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان (منافقوں) کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ منافق پہلے خلوص قلب سے اسلام لائیں پھر ہجرت کریں کیونکہ ایمان اور اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔

ہجرت کا معنی ہے دار الحرب کو ترک کر کے دارالاسلام میں منتقل ہونا، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تو مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت واجب ہو گئی اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اب یہ ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ اب مکہ دارالاسلام بن گیا، جو مسلمان کسی کافر ملک میں رہتے ہوں اور وہاں ایمان کے اظہار کی وجہ سے ان کی جان، مال اور عزت کے ہلاک ہونے کا یقینی خطرہ ہو ان پر واجب ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر دارالاسلام میں منتقل ہو جائیں، النساء : ۹۷ میں انشاء اللہ ہم اس ہجرت کی فرضیت کو بیان کریں گے نبی ﷺ نے ہجرت کو سخت اور مشکل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے یہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی، ہجرت کی ایک اور قسم ہے دارالخوف سے دارالامن میں منتقل ہونا، جیسے مسلمان مکہ سے حبشہ میں منتقل ہو گئے تھے یا جیسے مسلمان بھارت سے برطانیہ، ہالینڈ، جنوبی افریقہ اور جرمنی وغیرہ کافر ملکوں میں منتقل ہو جائیں، اور ہجرت کی تیسری قسم ہے گناہوں سے ہجرت کرنا، اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

تک ہجرت کا مشروع ہونا

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۳۷۹، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث : ۱۶۷۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے، لیکن جہاد اور نیت ہے، جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۶۳، ۱۸۶۳، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۸۳۳، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۳۸۰، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۵۹۰، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۴۱۸۰)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ مکہ فتح ہونے کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور مطلقاً دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت قیامت تک مشروع ہے۔

اصل ہجرت گناہوں کو ترک کرنا ہے

ہجرت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو چھوڑ کر توبہ کرنا اور نیک کاموں کی طرف منتقل ہونا، اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کی۔ (یعنی ان کو ترک کر دیا) (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۰)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن حبشی ششمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کر لی۔

(سنن نسائی، رقم الحدیث : ۲۵۲۵، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۱۳۳۹، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۱۳۲۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے متعلق دریافت کیا، آپ نے کچھ دیر توقف کیا پھر فرمایا سائل کہل ہے، اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا

ہجرت یہ ہے کہ تم تمام بے حیائی کے کاموں کو چھوڑ دو خواہ وہ کام ظاہر کیے جائیں یا چھپ کر اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر تم مہاجر ہو خواہ تم اپنے شہر میں مرجاؤ۔ (مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث : ۷۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عبید بن میریسی بیان کرتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے حلقہ میں کیا آپ نے : اب ہجرت نہیں رہی، پہلے مسلمانوں میں کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کر جاتا تھا اس کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ دین پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ کسی فتنہ میں جلا نہ ہو جائے، لیکن اب اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کر دیا، اب انسان جہل چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہل اور نیت باقی ہے۔

(صحیح بخاری، رقم الحديث : ۴۰۰۰)

ہجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اگر اب کسی جگہ اسلام کی وجہ سے مسلمان کو فتنہ کا خطرہ ہو تو اب بھی اس پر ہجرت فرض ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد یعنی حنفی متونی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنا مستحب ہے، علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے ایک مسلمان اپنے مال اور گھریلو کو چھوڑ کر نبی ﷺ کے پاس چلا جاتا تھا فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی، اور دوسری ہجرت وہ ہے جسے اعراب ہجرت کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہل کرتے تھے اور لول الذکر کی طرح ہجرت نہیں کرتے تھے یہ ہجرت قیامت تک باقی ہے، میں کہتا ہوں ہجرت کی ایک اور قسم بھی ہے وہ ہے گناہوں سے ہجرت کرنا، امام احمد حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرو اور دوسری قسم یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرو اور جب تک تو منقطع نہ ہو یہ ہجرت منقطع نہیں ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو تو بے منقطع نہیں ہوگی۔

(عمدة القاری ج ۱ ص ۳۰-۳۹، مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ماسوا اس کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو، یا تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آچکے ہوں، یا وہ اپنی قوم سے لڑیں اور اگر اللہ چاہتا ہو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بے شک وہ تم سے لڑتے۔ (النساء : ۹۰)

جن کافروں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو اس کی پابندی کی جائے گی

اس میں اختلاف ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے جہل کے حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے وہ کون ہیں، آیا وہ مسلمان ہیں کافر، جمہور نے کہا وہ کافر ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہل کو واجب قرار دیا ہے مگر جہل کفار کے ساتھ معاہدہ ہو یا انہوں نے تم سے قتل کرنا ترک کر دیا ہو تو پھر ان کے خلاف قتل واجب نہیں ہے، اس تقدیر پر یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے فاذا انسلخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم (التوبة : ۵) (جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین کو جہل پاؤ قتل کرو) البتہ جن مشرکوں سے مسلمان نے نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں ان کے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ

فَاَتَمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلَىٰ مَدِيْنَتِهِمْ (التوبہ : ۴)
تمہارے ساتھ اس عہد میں کوئی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف
کسی کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے ان کا عہد ان کی مدت معینہ
تک پورا کرو۔

وَ اَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاٰهَدْتُمْ (النحل : ۹۱)
اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔
خلاصہ یہ ہے کہ جن کافروں سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تو سورہ النساء : ۹۰ کی اس آیت کے
مطابق ان سے جنگ نہیں کی جائے گی اور جن کافروں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا ہے اور وہ جنگ سے تنگ آچکے ہیں
ان سے نہ لڑنے کا حکم التوبہ : ۵ کے حکم سے منسوخ ہے۔

ابو مسلم اصفہانی نے کہا یہ استثناء مسلمانوں کے متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب تمام مسلمانوں پر ہجرت کو فرض
کر دیا تو جو لوگ ہجرت کرنے سے معذور تھے ان کو مستثنیٰ کر دیا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کا قصد
کریں لیکن ان کے راستہ میں کفار ہوں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو جس کی وجہ سے وہ ہجرت نہ کریں یا جو مسلمان اس
لیے کفار سے جہاد نہ کریں اور وہاں سے ہجرت نہ کریں کہ ان کافروں کے درمیان ان کے اہل اور رشتہ دار ہوں اور ان کو یہ
خوف ہو کہ اگر انہوں نے وہاں سے ہجرت کی یا ان کافروں کے خلاف جہاد کیا تو وہ ان کے اہل اور رشتہ داروں کو قتل کر دیں
گے تو وہ بھی معذور ہیں اور ان مسلمانوں کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے
رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود
پڑیں۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں منافقین کی ایک اور قسم بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے اسلام کو
ظاہر کرتے تھے تاکہ وہ قتل کیے جانے، گرفتار ہونے اور اموال کے چھن جانے سے محفوظ رہیں اور درحقیقت وہ کافر تھے اور
کافروں کے ساتھ تھے اور جب بھی کفار ان کو شرک اور بت پرستی کی طرف بلاتے تو یہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان کے
مصدق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور بہ طور تقیہ اسلام لے آئے تھے، تاکہ اپنے آپ کو
اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کیے جانے سے محفوظ رکھیں اور جب کفار ان کو بت پرستی کی طرف بلاتے تو وہ چلے جاتے تھے،
اس تقدیر پر فتنہ سے مراد شرک اور بت پرستی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تمامہ کا ایک قبیلہ تھا، انہوں نے کہا تھا اے اللہ
کے نبی ہم آپ سے قتل کریں گے نہ ہماری قوم آپ سے قتل کرے گی اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ سے بھی امان
میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، اس کے باوجود جب بھی مشرکین فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکاتے تو وہ اس میں کود پڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ
دوکیں تو تم ان کو پکڑ لو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا
ہے۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر یہ منافق اپنی روش پر قائم رہیں تو ان سے کھلا جہاد کرو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً

اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) اور جس نے کسی مسلمان کو خطا

فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْهُ وَدِيَةٌ مُّسْلِمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا

(بلا قصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے مگر اس کے کہ وہ

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

معاف کر دیں پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ (مقتول) مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد

مُّؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ

کرنا لازم ہے ، اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو

فَدِيَةٌ مُّسْلِمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْهُ فَمَنْ

اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے ، سو جو شخص

لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ

(غلام یا باندی کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۙ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعِدًّا

اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ۝ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی

فَجَزَاءُهَا جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَ

سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت

أَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۙ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ

کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے ۝ اے ایمان والو ! جب تم اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ

جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو

السَّلَامُ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

تو مسلمان نہیں ہے ، تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو ،

فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ

تو اللہ کے پاس بہت نعمتیں ہیں ، اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے

اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٦﴾

تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو ، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ۰

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ

بلا غدر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھے رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے

وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ

(کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں ، اپنے جان اور مال سے جہاد کرنے والے

اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ

مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے ،

دَرَجَةً وَكَلَّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ

اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے ، اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں

عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے ۰ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور

رَحْمَةً وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾

رحمت ، اور اللہ بہت بخشنے والا ہے حد درجہ فرمانے والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے

(مختلف طور پر) (النساء : ۹۴)

۷۵۳

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی اور کفار کے خلاف جہاد نہ کرنے والوں کی مذمت کی تھی، اس آیت میں جہاد سے متعلق بعض احکام بیان کیے ہیں کیونکہ جب مسلمان کافروں پر حملہ کریں گے تو بلا قصد و ارادہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے، ایسی صورت کا اللہ تعالیٰ نے حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو یا کسی معاہدہ ملک کا باشندہ ہو تو اس کے ورثاء کو اس کی دیت لو اکی جائے گی اور اس خطا کے کفارہ میں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر وہ مقتول دارالحرب کا باشندہ ہو تو صرف ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں گے۔

قتل خطاء کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں نے حضرت حذیفہ کے والد یمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تھے اس وقت ابلیس لعنت اللہ علیہ نے چلا کر کہا : اے اللہ کے بندو اپنے پیچھے والوں پر حملہ کرو، پھر اگلی صفوں نے پچھلی صفوں پر حملہ کیا اور وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اچانک حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت یمان پر حملہ کر رہے ہیں، انہوں نے چلا کر کہا یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے باپ ہیں، حضرت عائشہ نے بیان کیا کہ خدا وہ اس وقت تک باز نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل نہیں کر دیا، حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۰۶۵) دوسرا قول یہ ہے کہ بنو عامر کا ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا، حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کی خبر نہ تھی انہوں نے غلط فہمی سے اس کو قتل کر دیا، اس کی تفصیل یہ ہے :

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جہل بن ہشام کے اخیانی (سوتیلے) بھائی تھے، وہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ چلے گئے، ابو جہل، حارث بن ہشام اور ان کے ساتھ بنو عامر کا ایک اور شخص تھا، یہ ان کو لینے مدینہ پہنچ گئے، عیاش سے ان کی ماں بہت محبت کرتی تھی، انہوں نے کہا تمہاری ماں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لے گی سائے میں نہیں بیٹھے گی، وہ دھوپ میں لیٹی ہے، تم جا کر اپنی ماں کو دیکھ لو، پھر واپس چلے جانا، اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کو واپس مدینہ پہنچا دیں گے، جب وہ مدینہ کی حدود سے باہر آئے تو انہوں نے حضرت عیاش کو باندھ لیا اور بنو عامر کے شخص نے ان کو کوڑے مارے، اس پر انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عامری کو قتل کر دیں گے، پھر وہ کلنی عرصہ تک مکہ میں قید رہے اور فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے، ایک دن ان کے سامنے سے عامری آ رہا تھا، وہ مسلمان ہو چکا تھا حضرت عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا، انہوں نے اس کو قتل کر دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے غلط فہمی سے حارث بن زید کو قتل کر دیا تھا،

ل کیا تھا اس کے گمن میں وہ کافر تھا ان کو اس کے اسلام لانے کی خیر نہیں تھی۔

(الوسیط ج ۲ ص ۹۳-۹۴، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الاثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے کہ حارث بن زید مکہ میں مسلمانوں کو ایذا پہنچایا کرتا تھا وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کے اصحاب کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی حتیٰ کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا تو عیاش بن ربیعہ نے اس کو قتل کر دیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۳)

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی :

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء کسی لشکر کے ساتھ جا رہے تھے وہ قضاء حاجت کے لیے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا انہوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا اس نے کہا لا الہ الا اللہ حضرت ابوالدرداء نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کے پاس آگئے پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا! اس نے تم کو اپنی زبان سے اسلام لانے کی خبر دی اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی، حضرت ابوالدرداء نے کہا یا رسول اللہ! اب میرا کیا ہو گا، آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ کا کیا ہو گا، میں بار بار حضور سے یہی عرض کرتا اور آپ یہی فرماتے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کاش یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے کا ہوتا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

چوتھا قول سعید بن جبیر کا ہے انہوں نے کہا کہ یہ آیت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے غلط فہمی سے مرد اس بن عمر کو خطا "قتل کر دیا تھا۔ (روح المعانی، الدر المنثور) اس کی تفصیل یہ ہے :

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا، ہم صبح کے وقت جینہ کے ایک مقام حرقات میں پہنچے، میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اس نے کہا لا الہ الا اللہ میں نے اس کو نیزہ سے مار دیا، پھر مجھے اضطراب ہوا تو میں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا پھر تم نے اس کو قتل کر دیا! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ اس نے حملہ کے خوف سے لا الہ الا اللہ کہا تھا، آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتیٰ کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں! آپ بار بار یہ کلمت فرماتے رہے حتیٰ کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۶۱، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۳۷۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۶۳۳)

قتل خطا کا معنی اور اس کی دیگر اقسام

قتل خطا کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ فعل میں خطا ہو جائے مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی، اور دوسری صورت یہ ہے کہ قصد میں خطا ہو، قتل کرنے والا کا گمن یہ تھا کہ وہ شخص کافر

ہے اور وہ درحقیقت مسلمان تھا، قتل خطا کی دوسری قسم قتل قائم مقام خطا ہے مثلاً ایک انسان کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر گئی جس سے دوسرا شخص ہلاک ہو گیا، اس کا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔ اس میں مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا، اور ایک قتل بالسبب ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر سوار تھا اور اس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا، اس میں صرف عاقلہ پر دیت ہے۔ (آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار، ٹرک یا بس کے نیچے آکر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں وہ بھی قتل بالسبب ہیں) (عالمگیری ج ۶ ص ۳، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

دیت کا معنی

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں، اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا، مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی۔ علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے کہ دیت کا معنی ہے مقتول کا حق (القاموس ج ۳ ص ۵۷۹) اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا ذی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً مالی توان لازم آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں، اور بعض اوقات جان کے توان کو دیت اور عضو کے توان کو ارش کہتے ہیں۔

قتل خطا، قتل شبہ عمد اور عقل عمد میں دیت کی مقدار

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا کی دیت یہ مقرر کی ہے : ایک سل کی بیس اونٹیاں، ایک سل کے بیس اونٹ، دو سل کی بیس اونٹیاں، تین سل کی بیس اونٹیاں، اور چار سل کی بیس اونٹیاں (اس حدیث کی سند ضعیف ہے خشف بن مالک مجمل الحل ہے اور معروف یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے۔) (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۹۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۳۵، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۸۸۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۶۳۱، موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۲۰۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل خطا کی دیت اسی طرح ہے جس طرح اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد (کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو قتل کرنا نہ ہو لیکن اس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مر جائے) کی دیت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ پچیس ایک سل کی اونٹیاں، پچیس دو سل کی اونٹیاں، پچیس تین سل کی اونٹیاں اور پچیس چار سل کی اونٹیاں۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۲۳، مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے کسی مومن کو عمداً قتل کیا اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں، قتل عمد کی دیت یہ ہے : تین سل کی اونٹیاں، تین چار سل کی اونٹیاں اور چار سل کی اونٹیاں۔

پانچ سال کی لوثیاں اس کے علاوہ جس مقدار پر وہ صلح کر لیں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۹۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۵۰۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۶۲۶)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵-۵۸۴، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

ایک ہزار دینار (۳۶۳ ۷۳) چار اعشاریہ تین سات چار کلوگرام سونے کے برابر ہے اور دس ہزار درہم (۳۰۶۱۸)

تین اعشاریہ چھ ایک آٹھ کلوگرام چاندی کے برابر ہے۔

دیت کی ادائیگی کی مدت اور جن لوگوں کے ذمہ دیت کی ادائیگی ہے

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں :

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دیت تین سال میں لی جائے گی ہر سال میں تہائی (۱/۳) دیت وصول کی جائے گی اور قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے، باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں وہ عاقلہ ہیں، یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے، بعض ائمہ نے کہا دیت صرف ان مردوں پر ہے جو عصبات ہوں عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے، اور ہر شخص پر چوتھائی (۱/۴) دینار دیت لازم کی جائے گی۔ بعض ائمہ نے کہا کہ نصف دینار تک دیت لازم کی جائے گی اگر ان رشتہ داروں سے دیت پوری ہو جائے تو فہماور نہ جو قریب ترین قبیلہ کے لوگ ہیں ان پر دیت لازم کی جائے گی۔

(سنن ترمذی ج ۳ ص ۹۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک عمد، شبہ العمد اور خطائیں کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے اور جمہور فقہاء کے

ز نزدیک دیت العمد معجل ہے اور باقی دیت تین سال میں ادا کی جائے گی۔ (ہدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۷)

علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

عاقلہ عصبات کو کہتے ہیں یعنی باپ کی طرف سے رشتہ دار جو قتل خطاء میں قاتل کی جانب سے مقتول کی دیت ادا

کرتے ہیں اور اسی معنی میں حدیث ہے ”دیت عاقلہ پر ہے“

علامہ سید عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں :

امام شافعی کے نزدیک باپ، دادا، بیٹا اور پوتا، عاقلہ میں داخل نہیں ہیں، امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے، امام مالک

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک آباء اور ابناء عاقلہ میں داخل ہیں کیونکہ دیت کو برداشت کرنے میں عصبات میراث کی طرح

ہیں، جس طرح میراث میں عصبات اقرب فلا قرب اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح دیت کو برداشت کرنے میں بھی ان کا اعتبار

ہو گا۔ (التشریح البنائی ج ۲ ص ۱۹۸-۱۹۵، ملخصاً، مطبوعہ بیروت)

جو لوگ کسی کمپنی کی بس، ٹرک یا ٹریلر کے نیچے آکر حادثہ میں ہلاک ہو جاتے ہیں اس میں قاتل کی عاقلہ وہ کمپنی یا

لوہارہ ہے اور اس کی دیت اس کمپنی کو لوانی چاہئے۔

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کی جو مقدار مقرر ہوگی وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے، امام

شافعی کے نزدیک امیر آدمی پر نصف دینار اور متوسط شخص پر چوتھائی مشغل ہے، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک کسی شخص سے

تین یا چار درہم سے زیادہ نہ لیے جائیں (نصف دینار، پانچ درہم یعنی ایک اعشاریہ تین ایک دو تولہ چاندی کے برابر ہے اور

ربع مقتل ایک اعشاریہ ایک ایک پانچ گرام چاندی کے برابر ہے)

اگر کسی شخص کے عصمت نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال سے لوا کی جائے گی، ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ، امام محمد اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ قاتل کے مال سے دیت وصول کی جائے گی دیت کی لوائیگی کی مدت تین سال ہے۔ (الشریع الجنائی ج ۲ ص ۹۸-۹۵، ملخصاً، مطبوعہ بیروت)

عورت کی نصف دیت کی تحقیق

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے، یہ حضرت علی سے موقوفاً روایت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، کیونکہ عورت کا حل اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے، عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵، مطبوعہ شرکت ملیہ ملتان)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۸ ص ۹۵، مطبوعہ نثرانیہ ملتان)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں :

امام ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔ (کتاب الآثار ص ۳۶، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ)

امام مالک بن انس صبحی متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں :

سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے، ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۱۲۰۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۲۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۵)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کا نصف ہے۔

(روضة الطالبین ج ۹ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱۰ ص ۶۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۷۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں بھی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اس پر تمام ائمہ مذاہب کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کسی مسلمان کو خطا (بلا قصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا

باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت لوا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ (النساء : ۹۲)

غل غلام کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی حکمت

اس آیت میں مسلمان کو خطاء "قتل کرنے والے پر دو چیزیں واجب کی ہیں، کفارہ اور دیت، اور کفارہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے کیونکہ قاتل نے مسلمان شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرے، غلام ہونا بہ منزلہ موت ہے، اور آزادی بہ منزلہ حیات ہے، تو ایک مسلمان کو مارنے کی تلافی اس طرح ہوگی کہ ایک مسلمان کو زندہ کیا جائے، ہرچند کہ یہاں غلام کا مطلقاً ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ قلمدہ ہے کہ جب مطلق کو ذکر کیا جائے تو اس سے ذات کے اعتبار سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور صفت اپنے اطلاق پر رہتی ہے، اس لیے اندھا، لنگڑا، مجنون اور لولا غلام آزاد کرنا معتبر نہیں اور نہ ہی مکاتب، مدیر یا ام ولد کا اعتبار ہوگا، اس کے علاوہ غلام کا چھوٹا یا بڑا ہونا، مرد یا عورت ہونا، کالا یا گورا ہونا، یہ از قبیل صفات ہیں اور کسی بھی صفت کا غلام آزاد کیا جاسکے گا، اب چونکہ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت کی وجہ سے غلام بنانے کا دور ختم ہو چکا ہے، اس لیے اب قتل خطاء کے کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں گے۔

ورثاء مقتول میں دیت کو تقسیم کرنے کے احکام

مسلمان مقتول کی دیت کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سو اونٹ ہیں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم، اور یہ دیت تین سال کے اندر مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی اور جس طرح ورثاء میں مرنے والے کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے اسی قلمدہ اور تناسب سے دیت تقسیم کی جائے گی، مقتول کی تجیز و تکفین کے بعد اس میں سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر تہائی (۱/۳) دیت سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر دیت بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔

یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب مقتول کے ورثاء دیت معاف نہ کریں لیکن اگر انہوں نے معاف کر دی تب بھی کفارہ بہر حال ادا کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مقتول مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔ (النساء : ۹۲)

دارالحرب میں کسی مسلمان کو خطاء "قتل کرنے پر دیت لازم نہ کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے مسلمان کو دارالحرب میں خطاء "قتل کر دیا تو اس کے کفارہ میں صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا اور مقتول کے اولیاء کو دیت ادا نہیں کی جائے گی، کیونکہ دیت بہ طور وراثت دی جاتی ہے اور دارالاسلام اور دارالحرب کے رہنے والوں کے درمیان وراثت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاملہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے۔ (النساء : ۹۳)

یہی کافر کی دیت میں مذاہب ائمہ

جس کافر قوم سے مسلمانوں نے معاملہ کیا ہو اس کے کسی فرد کو اگر کسی مسلمان نے خطاء "قتل کر دیا یا مسلمان ملک

کسی ذی کافر کو مسلمان نے خطاء "قتل کر دیا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ اس کے ورثاء

کو بھی دیت ادا کی جائے گی، اور کفارہ میں ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا، امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذی کفر اور مسلمان کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیت کو کسی خاص مقدار سے معین نہیں فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی، نیز اہل عرب میں دیت کا لفظ سولوں میں معنوف تھا اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مقتول کی دیت سولوں کو ادا کرنے کا تعادل تھا، اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معلہد اور ذی کو اگر خطاء قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت ادا کی جائے گی تو اس کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا معنی ہو گا کہ ذی مقتول کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی، نیز اس آیت کے نزول سے پہلے مسلم اور کافر کی دیت میں فرق نہیں تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذی کی دیت کو مسلم کی دیت کے ذکر کے بعد بغیر کسی فرق کے ذکر کیا لہذا اس آیت میں بھی دیت کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور ذی کافر کی بھی پوری دیت ادا کی جائے گی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۳۲۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک نے کہا کہ ذی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۷، ملخصاً، مطبوعہ ایران) ذی کافر کی نصف دیت پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل اور اس کا غیر مستحکم ہونا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے کیونکہ عمرو بن شعیب از والد از جد مختلف فیہ ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۱۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۸۲۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۶۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث :

(۳۵۸۳)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

یہودی اور نصرانی کی دیت میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض اہل علم کا مذہب اس مسئلہ میں اس حدیث کے مطابق ہے، اور عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے، امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے، اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے، امام مالک بن انس، امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے، اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے، یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ ص ۱۰۸-۱۰۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند سے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی محمد بن راشد ہے اس کے متعلق امام

عبد اللہ بن المبارک نے کہا یہ صادق تھا لیکن یہ شیعی یا قدری تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۵)

اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی عبد الرحمن بن الحارث بن

عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ ہے اس کے متعلق امام احمد نے کہا یہ متروک ہے اور علی بن المدینی نے اس کو ضعیف کہا

ہے تاہم اس کی تعدیل بھی کی گئی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۳۳)

ان حوالوں سے واضح ہو گیا کہ جس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے وہ اس قدر مستحکم نہیں کہ وہ قرآن مجید کے ذکر کردہ لفظ کے متعارف معنی کے مزاحم ہو سکے۔

ذی کافر اور مسلم کی دیت کے مساوی ہونے پر امام اعظم کے دلائل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل نفس میں مسلمان اور کافر ذمی یا معاهد کی دیت برابر ہے، قرآن مجید میں لفظ دیت کے متعارف معنی کے علاوہ ان کے موقف پر حسب ذیل احادیث دلیل ہیں، امام ابو حنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔

(مسند ابی حنیفہ مع شرح القاری ص ۲۰۸، مطبوعہ بیروت)

امام قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں :

ابراہیم نخعی نے کہا ذمی مرد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث : ۹۶۹)

زہری نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل ذمہ کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث : ۹۷۲)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو الیشتم روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے

کہ ذمی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار، رقم الحدیث : ۵۸۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے نصرانی کی دیت اور یہودی کی

دیت کو آزاد مسلمان کے برابر قرار دیا۔ امام محمد نے کہا ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔

(کتاب الآثار، رقم الحدیث : ۵۸۹)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ذمی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔

(المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۷۹۵)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابو کرز ضعیف ہے لیکن باقی احادیث اور آثار صحیحہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف

پر قوی دلیل ہیں اور ظاہر قرآن بھی آپ کے موقف پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے مسلم اور کافر کی دیت عمد اور دیت

خطا میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص (غلام یا باندی) کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے

(اس کی) توبہ ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۹۲)

قتل خطاء کے کفارہ کا بیان

کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو دارالاسلام میں خطاء قتل کیا ہو یا کسی مسلمان کو دارالحرب میں خطاء قتل کیا ہو یا کسی

ذی کو دار الاسلام میں قتل کیا ہو تینوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے اور وہ ایک مسلمان کرنا (بندی یا غلام) کو آزاد کرنا ہے، اب اگر کسی شخص کی قدرت میں غلام آزاد کرنا نہ ہو یا غلام کا رولج ہی ختم ہو گیا ہو جیسا کہ آج کل ہے تو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا، بایں طور کہ یہ روزے رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ میں اس ترتیب سے رکھے جائیں کہ عیدین اور ایام تشریق کے دن ان میں حائل نہ ہوں، اس لیے یہ روزے ایام تشریق کے بعد رکھنے چاہئیں اور جو شخص نادم ہو کر خطاء، قائم مقام خطا، قتل شبہ عمد اور قتل بالسبب میں دیت اور کفارہ لوا کر دے گا تو اللہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(النساء : ۹۳)

قتل عمد کی تعریف اور اس کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمداً "مسلمان کو قتل کرنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے اس لیے قتل عمد کی تعریف کو جانتا ضروری ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لیے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لیے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط ج ۲ ص ۵۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۷۰۷ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے وہ قتل عمد ہے، مثلاً بانس کی کچھی یا لاشی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کر دے جو ہتھیار کا کام کرتی ہو یا آگ سے جلا دے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۸، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

احادیث میں تلوار اور پتھر سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تلوار کے علاوہ ہر چیز خطاء ہے اور ہر خطاء کا ایک تاوان ہے۔ (مسند احمد ج ۶، رقم الحدیث ۱۸۳۵۱، ۱۸۳۲۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۴۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لیے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا، اس لڑکی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی، اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تم کو کس نے

آلِ عَمَد پر اللہ اور اس کے رسول کے غضب کا بیان

پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوا ہو گا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے
برہ رہا ہو گا اور وہ شخص کسے گا اے میرے رب اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔

(مسند احمد ج ۱ رقم الحديث : ۲۳۲۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

مسلمان کے قاتل کی مغفرت نہ ہونے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اشکل وارد ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے، اور شرک کے سوا ہر گناہ لائق مغفرت ہے
حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو عدا "قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور جہنم میں خلود کفار کے لیے
ہوتا ہے اور جو گناہ لائق معافی ہو اس کے لیے جہنم میں خلود نہیں ہوتا، اس اشکل کے حسب ذیل جوابات ہیں :

۱۔ جب مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے لہذا اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس
شخص نے کسی مومن کو اس کے مومن ہونے کے سبب سے قتل کیا تو اس کی سزا جہنم میں خلود ہے اور جو شخص کسی مومن
کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے گا وہ کافر ہو گا اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۲۔ اس آیت میں "من" کا لفظ ہر چند کہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس سے ہر قاتل خواہ مومن ہو
یا کافر، مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کافر قاتل مراد ہے اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۳۔ یہ آیت ایک خاص قاتل کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر اس نے مرتد ہو کر ایک مسلمان کو اس
کے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ روح المعانی میں اس کے متعلق روایت بیان کی گئی ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۸۵)

۴۔ اگر اس آیت میں قاتل سے مراد مسلمان لیا جائے تو آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کی سزا جہنم میں خلود ہے، یعنی وہ اس
سزا کا مستحق ہے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

۵۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو خلود سے مجازاً "کٹ طویل مراد ہے یعنی وہ لمبے عرصے تک جہنم میں رہے گا۔

۶۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو اس آیت میں شرط محذوف ہے یعنی اگر اس کی مغفرت نہ کی گئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔
اس کو خلف وعید سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ بہ طور کرم خلف وعید جائز ہے لیکن یہ بظاہر خلف وعید ہے، حقیقت میں
چونکہ یہاں شرط محذوف ہے اس لیے کوئی خلف نہیں ہے۔

۷۔ یہ آیت انشاء تخویف پر محمول ہے یعنی مسلمانوں کو قتل کرنے سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے، حقیقت میں کسی
مسلمان قاتل کو جہنم میں خلود کی سزا دینے کی خبر نہیں دی گئی۔

۸۔ اگر کسی مسلمان نے قتل مسلم کو معمولی سمجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور پھر اس کی سزا جہنم میں
خلود ہے۔

۹۔ اگر کسی مسلمان نے بغض اور عناد کے غلبہ کی وجہ سے قتل مسلم کی حرمت کا انکار کر دیا اور پھر کسی مسلمان کو قتل کر دیا
تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۱۰۔ اگر معاذ اللہ کسی مسلمان نے مسلمان کے قتل کرنے کو حلال اور جائز قرار دے کر یا اس حکم کی توہین کرنے کے لیے
کسی مسلمان کو قتل کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

مذہبی کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیاوی زندگی کا مسلمان طلب کرتے ہو تو اللہ کے پاس بہت عنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (النساء : ۹۴)

سلام کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن ابی حدردیثؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور یمامہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا اس جماعت میں ابو قلوہ بن ربیع اور محلم بن جشمہ بھی تھے ہم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب اضم میں پہنچ گئے تو ہمارے پاس سے عامر الشجعی کا گزر ہوا جو ایک اونٹ پر اپنا مسلمان رکھے ہوئے جا رہا تھا اور اس کے پاس دودھ کا ایک مشکیزہ بھی تھا جب وہ ہمارے پاس سے گزرا تو اس نے ہم کو سلام کیا ہم نے اس کو کچھ نہیں کہا اور محلم بن جشمہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور اس کا مسلمان چھین لیا۔ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی : اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ (النساء : ۹۴) (مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث ۲۳۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سلیم کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے پاس سے بکریاں چراتے ہوئے گزرا اس نے سلام کیا صحابہ نے کہا اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے ہم کو سلام کیا ہے انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی ﷺ کے پاس پہنچے اس موقع پر یہ آیت (النساء : ۹۴) نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۵۹۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۰۲۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۹۷۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۴۱، سنن کبریٰ للبخاری، رقم الحدیث : ۳۱۶، مسند احمد، رقم الحدیث : ۲۰۲۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۲۷۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۵)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص مرداس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نبی ﷺ نے غالب لیشی کی قیادت میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ کیا ان کو وہاں مرداس، غطفان کے لوگوں کا ساتھ ملا، مرداس کے ساتھی بھاگ گئے، مرداس نے کہا بہ خدا میں مومن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا تھا، پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی مرداس نے ان کو سلام کیا تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مل و متاع لوٹ لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کے شان نزول میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حل پر ہے اور کسی شخص کے باطن کو ٹٹولنے سے ہم کو منع کیا گیا ہے اور دل کے حل کو جاننا انسانوں کا منصب نہیں ہے، یہ صرف اللہ عز و جل کی شان ہے جو علام الغیوب ہے اور کسی شخص کے متعلق بدگمانی کر کے

اس کو قتل کرنا ممنوع ہے، اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت امیر نے ایک کلمہ پڑھنے کے بعد اس خیال سے قتل کر دیا تھا کہ شاید اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے تو رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے، آپ نے حضرت اسامہ سے اس شخص کے قصاص لینے کا حکم نہیں دیا، لورڈ کورالدر احادیث میں جن میں ایک شخص کو سلام کرنے کے بعد قتل کر دیا تھا آپ نے ان کو بھی قصاص میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ لورڈ ابتداء اسلام کے واقعات ہیں ثانیاً یہ کہ انہوں نے تویل سے قتل کیا تھا، البتہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لورڈ اس حکم معلوم ہونے کے بعد جس نے کسی کے متعلق بدگمانی کر کے اس کو قتل کر دیا اس سے قصاص لیا جائے گا، بہر حال اس آیت سے فقہ کا یہ عظیم ضابطہ معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حل پر ہے۔

نیز اس آیت میں یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کا جملہ سے مقصود صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہونا چاہئے لورڈ غنیمت حاصل کرنا ان کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلاعذر اور بلا ضرر (جملہ سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں (کافروں کے خلاف جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر ایک درجہ میں فضیلت دی ہے، اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے) اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور رحمت اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

بلاعذر جہاد میں شریک نہ ہونے والے، مجاہدین کے برابر نہیں ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں سفر میں سختیاں اور بھوک اور پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ میں زخم کھاتے ہیں ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو بغیر کسی جسمانی عذر کے جہاد کے لیے نہیں جاتے اور اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لا یستوی القاعدون من المؤمنین۔ الا یہ تو حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے وہ ٹہینا تھے، انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں ٹہینا ہوں۔ آپ مجھے جہاد کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی غیر اولی الضرر۔ نبی ﷺ نے فرمایا (چوڑی) ہڈی اور دوات لاؤ یا فرمایا لوح اور دوات لاؤ۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۴۲، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۵۹۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر سے مراد وہ مسلمان ہیں جو بغیر کسی ضرر یا عذر کے جنگ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے اور جہاد کرنے والوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو جنگ بدر میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ جب غزوہ بدر میں شریک ہونے کا حکم آیا تو نبی ﷺ کے پاس حضرت عبد اللہ بن جحش اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ ہم ٹہینا ہیں کیا ہمارے لیے رخصت ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۴۳، سنن کبریٰ للسنائی ج ۶، رقم الحدیث : ۳۱۷)

در کی وجہ سے جملہ نہ کرنے والے مجاہدین کے برابر ہیں

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو مسلمان جہاد میں شامل ہونے کی نیت رکھتے ہوں لیکن جسمانی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں وہ اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلا عذر جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے وہ مجاہدوں کے برابر نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذر والے مجاہدین کے برابر ہیں، اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک غزوہ میں فرمایا : ہم مدینہ میں کچھ مسلمانوں کو چھوڑ آئے ہیں اور ہم نے جب بھی کسی گھائی یا وادی کو عبور کیا ہے تو وہ ہمارے ساتھ تھے، وہ عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۲۸۳۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا تم نے جب بھی کسی رات سفر کیا یا کسی وادی کو عبور کیا تو مدینہ کے کچھ مسلمان تمہارے ساتھ ہوتے تھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو مدینہ میں ہیں، آپ نے فرمایا : وہ مدینہ میں ہیں لیکن عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے۔ (امام مسلم نے یہ حدیث اختصار کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کی ہے۔)

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۶۵، ۲۷۶۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۴۹۰۹، مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۰، ۱۸۲)

غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بھی فضیلت بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو مال دار لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیگر فرائض اور واجبات کو بجالاتے ہیں اور جن کاموں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں ان کو نفلی عبادت کرنے والوں پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ وہ اپنے مال کو جہاد، اسلام کی ترویج و اشاعت اور دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

اس مسئلہ میں بحث کی گئی ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے یا فقیر صابر افضل ہوتا ہے، بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کو فضیلت اور درجہ حاصل ہے، نیز غنی کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور فقیر عاجز ہوتا ہے اور قدرت عجز سے افضل ہے، اور بعض نے کہا فقیر صابر افضل ہوتا ہے، کیونکہ غنی شاکر کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے جو اجر ملتا ہے وہ دس گنا ہے، سلت سو گنا ہے یا چودہ سو گنا ہے اور بہر حال حد اور حساب سے ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے،

قرآن مجید میں ہے :

صرف صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔

إِنَّمَا يُوقَى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ

حِسَابٍ (الزمر : ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر سے فقیر صابر افضل ہے، نیز غنی دنیا کی طلب میں رہتا ہے جب کہ فقیر دنیا کو ترک کرتا ہے اور دنیا کو طلب کرنے سے دنیا کو ترک کرنا افضل ہے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی یہ بحث رہتی تھی کہ فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر افضل ہے اور ہر ایک اجر و ثواب میں دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مہاجر لوگ تو بڑے بڑے درجات اور جنت کی نعمتیں لے گئے، نبی ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے، وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس سے تم ان سے بڑھ جاؤ گے جو تم پر سبقت کرتے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے بھی بڑھ جاؤ گے؟ اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو سکے گا مگر وہ جو تمہاری طرح اس کام کو کرنے، فقراء مہاجرین نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو، (دوسری روایت میں ہے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو) فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا : ہمارے مہاجر بھائیوں نے بھی اس کام کو سن لیا اور وہ بھی اس طرح کرنے لگے، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۹۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقیر صابر سے غنی شاکر افضل ہے کیونکہ اس کو ایسی عبادات انجام دینے کا موقع ملتا ہے جو فقراء کی پہنچ میں نہیں ہوتیں، یہ بھی واضح رہے کہ فقیر صابر سے مراد آج کل کے گداگر نہیں ہیں اور نہ غنی شاکر سے مراد آج کل کے سرمایہ دار ہیں بلکہ فقراء سے مراد ایسے فقراء ہیں جیسے فقراء مہاجرین تھے مثلاً حضرت بلال، حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہب رومی وغیرہ، اور اغنیاء سے مراد ایسے اغنیاء ہیں جیسے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ تھے، اور فقیر صابر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ شاکر نہ ہو، اور غنی شاکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ صابر نہ ہو، بلکہ ہر دو کو جب کوئی نعمت ملے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کریں لیکن غنی کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو شکر کرنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں اس لیے اس کو غنی شاکر سے تعبیر کرتے ہیں اور فقیر کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو صبر کے مواقع زیادہ ملتے ہیں، اس لیے اس کو فقیر صابر سے تعبیر کرتے ہیں اور صبر کرنا بھی عبادت ہے اور شکر کرنا بھی عبادت ہے تاہم اگر اغنیاء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کو ایسی عبادت کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں جو فقراء کی دسترس میں نہیں ہیں تو فقراء کے لیے یہ فضیلت کچھ کم نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے جو زندگی گزاری ہے وہ عیش، نعمت اور اغنیاء کی زندگی نہیں ہے وہ فقراء کی زندگی ہے اگر اغنیاء کو عبادت میں سبقت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کو رسول اللہ ﷺ کی حیات اپنانے کی فضیلت حاصل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت کے دن اللہ عز و جل فرمائے گا، اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی! وہ کہے گا اے میرے رب میں تیری کیسے عیادت کرتا تو رب العالین ہے،

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا : اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا تو رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اس کو کھانا کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا! وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۶۹)

فقراء کے لیے یہ کچھ کم اعزاز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے، اگر اغنیاء کو کثرت عبادت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کے لیے یہ کم فضیلت نہیں ہے کہ اللہ ان کے حل کو اپنا حل فرماتا ہے۔ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِينَ أَنْفُسُهُمْ قَالُوا فِيمَ

بیشک فرشتے جن لوگوں کی روصیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے کہتے ہیں کہ تم

كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعِفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ

کن حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ

تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُولَٰئِكَ

کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا

مَا وَهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝۹۷ إِلَّا الْمُسْتَضْعِفِينَ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے ۝ مگر جو (دافقی) کمزور ہوں

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً

مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہیں

وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝۹۸ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ

وہ م راستہ جانتے ہوں ۝ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر

عَنْهُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۙ وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ

فرمائے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے ۱۰ اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے

اللَّهُ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ

وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا، اور جو اپنے گھر سے

مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلتے پھر اس کو موت پالے

فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝

تو بیشک اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۱۱

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک فرشتے جن لوگوں کی رو میں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم

کرنے والے تھے۔ (النساء : ۹۸-۹۷)

فرضیت ہجرت کی آیات کا شان نزول

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو فرض فرمایا ہے اور مکہ کے جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی ان

پر سخت وعید فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمن بن اسود بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا گیا۔ میرا نام بھی اس میں لکھا گیا

تھا اس وقت حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے اس جنگ میں شامل

ہونے سے سختی سے منع کیا اور کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ (مکہ کے) کچھ مسلمان (جنگ

بدر میں) مشرکین (کی تعداد بڑھانے کے لیے ان) کے ساتھ تھے، یہ لشکر رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کے لیے آیا تھا، آپ

کے لشکر کی طرف سے کوئی تیر آکر ان مسلمانوں کے لگتا اور وہ ہلاک ہو جاتا یا لڑائی میں مارا جاتا، اس موقع پر یہ آیت نازل

ہوئی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۵۹۶، سنن کبریٰ للنسائی : ج ۶، رقم الحدیث : ۱۱۹)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میری ماں ان کمزور لوگوں میں سے تھی جن کا اللہ نے کفر کی سرزمین سے ہجرت

کرنے کے حکم سے استثناء فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۵۹۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مکہ کے ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی جو

ان میں سے مکہ میں فوت ہو گئے وہ ہلاک ہو گئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی : بے شک فرشتے جن لوگوں کو

میں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (فرشتے کہتے ہیں) کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے۔۔۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ مگر جو (واقعی) کم زور ہوں مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے۔۔۔ سو یہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا۔ (النساء : ۹۷-۹۸) حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور میری والدہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس بھی ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے، جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے گئے، ان میں سے بعض مسلمان جنگ میں مارے گئے، مسلمانوں نے کہا ہمارے یہ اصحاب مسلمان تھے ان کو زبردستی جنگ میں لایا گیا تھا، انہوں نے ان کے لیے استغفار کیا اس موقع پر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ تب مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیجی گئی اور ان سے یہ کہا گیا کہ اب ان کے لیے ہجرت میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے وہ مکہ سے نکلے تو مشرکین ان کے مقابلہ میں آئے اور وہ فتنہ میں پڑ گئے اس وقت ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی :

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةً لِلنَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ (العنکبوت : ۱۰) اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف دی جائے تو وہ لوگوں کے فتنہ کو اللہ کے عذاب کی طرح کر دیتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۱۷-۳۱۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)
نیز امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اور ان کمزور مسلمانوں کو جو مشرکین کے زیر تسلط ہیں، جن کو وہاں سے نکلنے کے لیے کسی حیلہ پر قدرت ہے نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۲۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی سمع اللہ لمن حمدہ پڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے اور سجدہ سے پہلے آپ نے یہ دعا مانگی : اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما، اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما، اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما، اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما، اے اللہ! مضرب اپنی گرفت سخت فرما، اے اللہ! ان پر ایسے سل مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف کے زمانہ میں (قحط کے) سل مسلط کر دیئے تھے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۵۹۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے، پھر اس کو موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۹۹)

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لیے مشرکوں کے ملک سے اللہ اور اس کے

رسول کی طرف بھاگے، اور ارض اسلام اور داد ہجرت میں پہنچنے سے پہلے اس کو موت آئے تو اس کے اس عمل کا اجر و ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے، اور اس نے اسلام کی خاطر اپنے وطن اور رشتہ داروں کو جو چھوڑا ہے اللہ اس کی جزاء اس کو عطا فرمائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کا نام ضمہ بن العیص یا العیص بن ضمہ تھا، جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو وہ بیمار تھا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا وہ اس کو چارپائی پر ڈال کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلیں، وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے وہ ابھی مقام تنعیم (مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں) پر پہنچے تھے کہ اس شخص کی وفات ہو گئی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ہجرت کا شرعی حکم

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جس ملک یا شہر میں مسلمانوں کو دین اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور یہ کہ ابتداء میں مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض تھا اور مکہ فتح ہونے کے بعد جب مکہ دارالاسلام بن گیا تو یہ ہجرت منسوخ ہو گئی، اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مرد، عورتیں اور بچے کمزور ہوں یا بیمار ہوں اور ان کو ہجرت کرنے کی کوئی تدبیر معلوم نہ ہو، نہ راستے کا علم ہو ان کے ہجرت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا، اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان نیک نیتی سے کوئی عبادت شروع کرے اور اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس نیک کام کا پورا پورا اجر عطا فرماتا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب

ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے حسب ذیل اسباب تھے :

(۱) مدینہ منورہ میں نبی ﷺ پر وقتاً فوقتاً احکام شرعیہ نازل ہو رہے تھے اور دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان ہر طرف سے اس مرکز علم کی طرف آئیں، اسی طرح اب بھی اگر کوئی مسلمان کسی ایسے علاقہ میں رہتا ہو جہاں علماء دین نہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف ہجرت کرے جہاں علماء دین ہوں، اور وہاں جا کر علماء دین سے علم حاصل کرے نکاح کرنے سے پہلے نکاح اور طلاق کے ضروری مسائل سیکھے حج اور عمرہ سے پہلے حج اور عمرہ کے مسائل معلوم کرے، تجارت کرنے سے پہلے تجارت، بیع شراء اور سود کے مسائل کا علم حاصل کرے، اور بالغ ہونے سے پہلے نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کا علم حاصل کرے علیٰ ہذا القیاس۔

(۲) مدینہ میں مسلمان آزادی سے احکام شرعیہ اور شعائر اسلام پر عمل کرتے تھے جب کہ فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شعائر اسلام پر عمل نہیں کیا جاسکتا تھا سو اب بھی اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان اسلام کے شعائر پر آزادی اور امن سے عمل نہ کر سکے تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۳) مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ بتلایا جائے کہ اسلام میں وطن کی اہمیت نہیں ہے بلکہ دین کی اہمیت ہے اور دین کی خاطر وطن کو چھوڑ دیا جائے گا، اور یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت اور آپ کی اتباع مسلمانوں پر فرض ہے اور جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تو آپ کی اتباع میں مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض کر دی گئی، اور

اس لیے بھی کہ مدینہ منورہ اسلام کی پہلی ریاست تھی سو اس ریاست کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے وہاں مسلمانوں کی مددی قوت بڑھانا ضروری تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان مدینہ میں جمع ہو جائیں۔
دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام

- قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں :
- (۱) دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا، ہجرت کی یہ قسم قیامت تک کے لیے فرض ہے، سو جو شخص دار الحرب میں اسلام قبول کرے اس پر دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے، اگر وہ دار الحرب میں ہی مقیم رہا تو گنہ گار ہو گا۔
- (۲) جس علاقہ میں اہل بدعت کا غلبہ ہو اور سلف صالحین پر وہاں تبرا کیا جاتا ہو اور صالح مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں اس علاقہ سے ان مسلمانوں کا ہجرت کرنا واجب ہے، اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :
- وَلَا ذَا ۱۱ رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيْ اَيَارِنَا
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِيْ حَدِيثٍ غَيْرِهِ
وَلَمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِى
مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (الانعام : ۶۸)
- اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بجھی کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتی کہ وہ کسی اور موضوع پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔
- (۳) جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اس سرزمین سے نکل جائے کیونکہ حلال کو طلب کرنا اور حرام سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۴) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے جسم کے نقصان کا خطرہ ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

اِنِّىْ ذَا هَبْتُ اِلَى رَبِّىْ (العنکبوت : ۲۶)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىْ
مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ (القصص : ۲۱)

سوموسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے، وہ انتظار کرتے تھے (کہ اب کیا ہو گا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

(۵) جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو، اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ وباء نہ ہو، اس قلعہ سے صرف ظالمون مستثنیٰ ہے۔

(۶) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پر امن علاقہ میں چلا جائے۔

(۷) اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے بھی نکلنا واجب ہے، کیونکہ مسلمان پر اپنی جان، مال اور عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے، امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خلیفہ مجتہد اوداع میں فرمایا : یہ حج اکبر کا دن ہے تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن اس شہر کی حرمت ہے۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۰۵۸، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۵۹۸، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۰۵۸)
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں ہے ورنہ ہجرت فرض نہ ہوتی کیونکہ انسان تقیہ کا
کافروں اور فاسقوں سے ظاہری موافقت کر کے ایسی جگہ رہ سکتا ہے۔
یہ ہجرت کی وہ اقسام ہیں جن میں کسی ضرر سے بچنے کے لیے ہجرت کی جاتی ہے، اور ہجرت کی بعض اقسام وہ ہیں جن
میں کسی نفع کے حصول کے لیے ہجرت کی جاتی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) کسی علاقہ کے آثار عذاب سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا، قرآن مجید میں ہے :
أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (يوسف : ۱۰۹) سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ دو اقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ زمین
کے عجائبات دیکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے زمین میں سفر کیا تھا۔
(۲) حج کرنے کے لیے سفر کرنا، یہ سفر زندگی میں ایک بار بشرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

(۳) جہاد کے لیے سفر کرنا، اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سرحد پر ملک جن لوگوں کو جہاد کے لیے بلائے گا
کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔
(۴) اگر اپنے شہر میں رزق حلال اور معاش کا حصول متعذر اور مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع
حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال کو طلب کرنا فرض ہے، قرآن مجید میں ہے :

وَأَخْرَفُونَ يَصْرُبُونَ فِي الْأَرْضِ يَتَتَّبِعُونَ مِنْ
فَضْلِ اللَّهِ (المزمل : ۲۰) اور کچھ لوگ زمین میں سر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش
کرتے ہوئے۔

(۵) تجارت کے لیے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لیے جانا، اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی
تجارت کی اجازت دی ہے :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِمَّنْ
رَبَّكُمْ (البقرہ : ۱۹۸) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کے فضل کو تلاش
کرو۔

(۶) علم دین اور علم نافع کی طلب کے لیے سفر کرنا، قرآن مجید میں ہے :
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ
لَيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (التوبہ : ۱۲۲) تو (مسلمانوں کے) ہر گروہ سے کیوں نہ ایک جماعت دین
سیکھنے کے لیے روانہ ہوئی تاکہ وہ واپس آکر اپنی قوم کو ڈرائیں۔
شاید وہ گناہ سے بچتے رہیں۔

(۷) متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین مسجدوں کے
سوا مسلمان سفر نہ باندھنا میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۸۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث :
۱۳۹۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۰۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۲۸۹۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۲۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۰۵۸)

سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۳، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۱۳۲۱، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۳

- (۸) اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا اور دشمن سے مقابلوں کے لیے مجاہدوں کا جمع ہونا۔
 (۹) ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر کرنا، رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے حقوق کی لوائیگی کے لیے سفر کرنا۔
 (۱۰) ملک کے نظم و نسق چلانے اور انتظامی امور کے لیے سفر کرنا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۶۱۲-۶۱۱، مع توضیح و زیادہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم

تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ

نماز میں قصر کر لو، اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں

كَفَرُوا إِنْ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا ۚ وَإِذَا كُنْتُمْ

گئے، بیشک کافر تمہارے کئے ہوئے دشمن ہیں ○ اور (اے رسول پر) جب

فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ

آپ ان (مسلمانوں) کے درمیان ہوں اور آپ (حالت جنگ میں) نماز کے لیے کھڑے ہوں تو مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ

وَلْيَأْخُذُوا بِسِلَاحِهِمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ

نماز پڑھے اور یہ لوگ اپنے ہتھیاروں سے مسلح رہیں اور جب وہ سجدہ کر لیں تو پیچھے چلے جائیں

وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

اور مسلمانوں کی دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آکر آپ کے ساتھ (دوسری رکعت) نماز پڑھے

حِذَارَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَذَٰلَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ

اور وہ بھی، اپنے اسلحہ کے ساتھ مسلح رہیں، کافریہ چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور ساز و سامان سے

أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً

غافل ہو جاؤ تو وہ یکبارگی ٹوٹ کر تم پر حملہ کر دیں

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم بارش یا بیماری کی وجہ سے اپنے ہتھیار

مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ

اتار کر رکھ دو اور (ضروری) سامان لیے رہو، بیشک اللہ نے کافروں

أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٠٣﴾ فَإِذَا قُضِيَتْ الصَّلَاةُ

کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ۰ پس جب تم نماز ادا کر لو تو حالت قیام

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا طُمَأْنِنْتُمْ

میں، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو، پھر جب تم مامون ہو جاؤ

فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا

تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ بیشک ایمان والوں پر نماز وقت مقرر میں فرض کی گئی

مَوْقُوتًا ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ

ہے ۰ اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو

فَاِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا

بھی تکلیف پہنچی ہے جیسا کہ تم کو تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو، اس کی دعا امید

يَرْجُونَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٥﴾

نہیں رکھتے، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو، اگر تم

کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے۔ (النساء: ۱۰۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم مسافت کے مطابق سفر کرو (یہ اسٹھ میل چھ سو چالیس گز ہے) تو اس میں کوئی

مضائقہ نہیں ہے کہ تم چار رکعت کی نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھ لو، قرآن مجید سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر کی

رخصت صرف اس صورت میں ہے جب کفار کے حملہ کرنے کا خطرہ ہو لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سفر شری میں یہ

رخصت زمانہ جنگ اور امن دونوں کو شامل ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے عنقریب بیان کریں گے، پہلے ہم اس آیت کا شان نزول بیان کریں گے، اور صلوٰۃ خوف پڑھنے کا طریقہ بیان کریں گے، پھر زمانہ امن میں نماز قصر پڑھنے کے دلائل ذکر کریں گے اور اخیر میں مسافت شرعیہ کا بیان کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق

نماز خوف کا شان نزول

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابو عیاش الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسقلان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) میں تھے اور مشرکین کے امیر خالد بن ولید تھے، ہم نے ظہر کی نماز پڑھی، مشرکین نے کہا ہم نے ان کو غافل پایا کاش ہم ان پر اس وقت حملہ کر دیتے جب یہ نماز میں تھے، اس موقع پر ظہر اور عصر کے درمیانی وقت میں قصر کے متعلق (یہ) آیت نازل ہو گئی، جب عصر کی نماز آئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی، آپ نے ہمارے دو گروہ کر دیئے، ایک گروہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا اور دوسرا گروہ آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ (الحديث)

(سنن نسائی، رقم الحديث : ۱۵۳۹، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۱۲۳۶، المستدرک : ج ۱ ص ۳۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۶-۲۵۷)

(۲۵۳)

نماز خوف پڑھنے کا طریقہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گیا، ہم دشمن کے سامنے کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ہماری صفیں بنائیں، ایک صف نے نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، نبی ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی، پھر یہ لوگ پہلے گروہ کی جگہ چلے گئے (جو دشمن کے سامنے تھا) جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آکر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نبی ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی پھر آپ نے سلام پھیر دیا، پھر ان میں سے ہر گروہ نے (بقیہ) ایک رکوع اور دو سجدے کیے (جس نے آپ کے پیچھے پہلی رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت لاحق کی طرح پڑھی اور جس نے آپ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت مسبوق کی طرح پڑھی)

(صحیح البخاری، رقم الحديث : ۹۳۲، صحیح مسلم، رقم الحديث : ۸۳۹، سنن ابوداؤد، رقم الحديث : ۱۲۳۳، سنن ترمذی، رقم الحديث : ۵۶۳، سنن نسائی، رقم الحديث : ۱۵۳۸، مصنف عبدالرزاق : ۲۲۲۱، مسند احمد ج ۲ ص ۴۸-۴۷، سنن دار قطنی ج ۲ ص ۵۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۳)

امام محمد از امام ابو حنیفہ، از حملو از ابراہیم روایت کرتے ہیں :

جب امام اپنے اصحاب کو نماز خوف پڑھائے تو ایک جماعت امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے، جو جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہے امام اس کو ایک رکعت نماز پڑھائے، پھر جس جماعت نے امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی وہ کوئی کلام کیے بغیر دوسری جماعت کی جگہ جا کر کھڑی ہو جائے اور وہ دوسری جماعت امام کے پیچھے آکر نماز پڑھے امام اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے، پھر یہ جماعت کوئی کلام کیے بغیر پہلی جماعت کی جگہ جا کر کھڑی

ہو جائے اور پہلی جماعت آئے اور تہاتما (بقیہ) ایک رکعت پڑھے، پھر وہ جا کر دوسری جماعت کی جگہ کھڑے ہو جائے۔
پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی تہاتما اپنی (بقیہ) پہلی رکعت پڑھے۔

امام محمد از امام ابو حنیفہ، از حارث بن عبد الرحمن از حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی مثل روایت کرتے ہیں، امام محمد نے کہا ہم اس پوری روایت پر عمل کرتے ہیں، لیکن پہلی جماعت اپنی بقیہ دوسری رکعت کو بغیر قرأت کے پڑھے گی کیونکہ اس نے امام کے ساتھ پہلی رکعت پالی ہے، اور دوسری جماعت اپنی بقیہ پہلی رکعت کو قرأت کے ساتھ پڑھے گی کیونکہ اس کی امام کے ساتھ ایک رکعت رہ گئی ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

امام محمد از امام ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ جو شخص تہا نماز خوف پڑھ رہا ہو وہ قبلہ کی طرف منہ کرے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سواری پر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھے، منہ جس طرف بھی ہو، اشارہ کرتے ہوئے کسی چیز پر سجدہ نہ کرے، اپنے رکوع میں سجدہ سے زیادہ جھکے، اور وضو کو ترک نہ کرے اور نہ دو رکعتوں میں قرأت کو ترک کرے، امام محمد نے کہا ہم اس پوری حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار رقم الحدیث : ۱۹۱-۱۹۵-۱۹۳، ص ۳۰-۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
علامہ المرغینانی حنفی متونی ۵۹۳ھ، اور علامہ حنفی حنفی متونی ۱۰۸۸ھ نے بھی نماز خوف کا یہی طریقہ لکھا ہے۔

(بدایہ اولین ص ۱۷۷، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان، در مختار علی ہاشم رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۹-۵۶۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یہ لوگ ہتھیاروں سے مسلح رہیں۔ (النساء : ۱۰۲)

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت سے آیا یہ مراد ہے کہ جو جماعت نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہی ہے وہ مسلح رہے، یا جو جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہے وہ مسلح رہے، ثانی الذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لیے ہتھیار اٹھانا دشوار تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی : اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار دو۔

سفر شرعی میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا وجوب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر سفر میں کفار کے حملہ کا خوف ہو تو نماز کو قصر کر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امن میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کی رخصت نہیں ہے لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ رخصت زمانہ امن میں سفر کو بھی شامل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قسری متونی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم سفر میں قصر کر لو (النساء : ۱۰۱) اور اب لوگ سفر میں کفار کے حملہ سے مامون ہیں! حضرت عمر نے کہا جس چیز سے تم کو تعجب ہوا ہے مجھے بھی تعجب ہوا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (قصر) صدقہ ہے جس کا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے، تم اس کے صدقہ کو قبول کر لو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۶۸۶، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۱۱۹۹، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث : ۳۳۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۰۶۵، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۳۵۳، صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث : ۱۰۱)

مسئلہ : ج ۱ رقم الحدیث : ۱۷۳ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۱-۳۰

اس حدیث میں نبی ﷺ نے امر فرمایا ہے کہ اللہ کے صدقہ کو قبول کرو اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے سو اگر کسی نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہو گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

امیہ بن خالد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن مجید میں حضور میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز خوف کا بھی قرآن میں ذکر ہے اور سفر میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہم نے جو سیدنا محمد ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم وہی کرتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۰۶۶ سنن نسائی رقم الحدیث : ۱۳۳۳)

مسافت شرعی کی مقدار میں مذاہب ائمہ

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۷۰ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر

بھی جائے تو قصر کرے گا۔ (السراج المولج ج ۱ ص ۲۷۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔

(بدایۃ المجتہد ص ۱۳۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المہذب مع شرح المہذب ج ۳ ص ۳۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک بھی مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المغنی ج ۲ ص ۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۵ھ)

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں :

میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تین دن سے کم سفر میں مسافر قصر کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے پوچھا اگر وہ تین دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے؟ فرمایا : اپنے شر سے نکلنے کے بعد قصر کرنا شروع کر دے، میں نے پوچھا تین دن کے تعین کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کوئی عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے، میں نے اس مسئلہ کو عورت کے سفر پر قیاس کیا ہے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۲۶۵ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳۸۶ھ)

مسافت قصر کا اندازہ بحساب انگریزی میل و کلومیٹر

احناف کے نزدیک قصر کا موجب درحقیقت تین دن کا سفر ہے جس کو پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر انسانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ متاخرین فقہاء کرام نے مسلمانوں کی سہولت کے لیے اندازہ کیا کہ اس اعتبار سے یہ مسافت کتنے فرسخ میں طے کی جائے گی۔ بعض فقہاء نے اس مسافت کو اکیس (۲۱) فرسخ قرار دیا بعض نے پندرہ فرسخ قرار دیا اور مفتی بہ اٹھارہ فرسخ کا قول ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۴۹ مطبوعہ مصر غیتہ المستملی ص ۴۹۸ مطبوعہ مجبائی دہلی)

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ مسافت کے پیمانے بھی بدلتے گئے اور پھر مسافت کو پہلے انگریزی میلوں اور بعد میں کلومیٹر سے نپا جانے لگا۔ لہذا ائمہ حاضر کے علماء نے مسافت قصر کا اندازہ انگریزی میلوں سے قائم کیا۔

اس سے پہلے کہ ہم انگریزی میل اور کلومیٹر کے اعتبار سے مسافت قصر کا ذکر کریں وہ قلمہ بیان کیا چاہئے۔
 سے فرسخ کی مسافت انگریزی میل اور کلومیٹر میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہے اور ایک شرعی میل چار ہزار ذراع (انگیوں سے کئی ہاتھ) کا ہوتا ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۰ مطبوعہ مصر) اور ایک متوسط ذراع ڈیڑھ فٹ یعنی نصف گز کا ہوتا ہے لہذا ایک شرعی میل دو ہزار گز کا قرار پایا اور اکیس فرسخ تریسٹھ میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ چھبیس ہزار گز یعنی اکثر انگریزی میل چار فرلانگ ایک سو ساٹھ گز ہیں اور یہ ایک سو پندرہ اعشاریہ ایک آٹھ نو (۱۸۶۱۸۹) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا دو سرا قول پندرہ فرسخ ہے اور پندرہ فرسخ پینتالیس میل شرعی ہیں جو نوے ہزار گز یعنی اکیون انگریزی میل، ایک فرلانگ بیس گز ہیں جو بیاسی اعشاریہ دو چھ آٹھ (۸۲۶۳۶۸) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا تیسرا قول جو مفتی بہ ہے وہ اٹھارہ فرسخ ہے اور اٹھارہ فرسخ چون میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ آٹھ ہزار گز یعنی اکٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز ہیں اور یہ اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸۶۷۳۳) کلومیٹر کے برابر ہے۔

اس اعتبار سے مفتی بہ قول پر سفر شرعی اور قصر کے احکام اکٹھ میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸۶۷۳۳) کلومیٹر کی مسافت کے بعد شروع ہوں گے۔ زمانہ قریب کے علماء نے بھی مسافت شرعیہ کو انگریزی میلوں کے حساب سے بیان کیا ہے لیکن کسی کا حساب بھی فقہاء کے مذکورہ قلمہ کے موافق نہیں ہے۔
 سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا چون میل) اس میں قصر کیا جاسکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر، ابن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۹۰، مطبوعہ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس عبارت میں چون میل سے چون میل شرعی مراد ہیں۔ مودودی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی چاہئے تھی اور بتلانا چاہئے تھا کہ چون میل شرعی اکٹھ انگریزی میل کے برابر ہیں کیونکہ عام اردو پڑھے لکھے لوگ چون میل سے چون انگریزی میل ہی باور کریں گے۔
 شیخ عزیز الرحمن لکھتے ہیں :

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین دن کا سفر ہو اور وہ جگہ جس کی طرف سفر کا ارادہ ہے تین منزل ہو لیکن بہت سے مشائخ نے فرسخ کا اعتبار کیا ہے اور اس میں فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ، یعنی اڑتالیس میل پر ہے، مگر آنکہ عبارت مذکور سے واضح ہے کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین منزل کا سفر ہو پس اگر حساب منازل کا سہل ہو تو اس کو دیکھا جائے مگر چونکہ ہر ایک کو اعتبار منازل میں دشواری ہوتی ہے اس وجہ سے مشائخ نے کل منازل کی تحدید میلوں سے کر دی ہے جس میں تین قول ہیں جو اوپر معلوم ہوئے میل کی مقدار شرعی ذراع سے چار ہزار ذراع لکھی ہے اور ذراع شرعی اس زمانہ کے گز کے حساب سے قریب دس گرہ کے ہوتا ہے۔ پس اس کے موافق میلوں کا حساب کر لیا جائے اور اڑتالیس میل کا اندازہ کر لیا جائے۔ (فتویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ ص ۲۸۵، مطبوعہ کراچی)

شیخ عزیز الرحمن نے اس عبارت میں کئی غلطیوں کی ہیں اول یہ کہ پندرہ فرسخ، پینتالیس شرعی میل کا ہے کیونکہ تین

میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور انہوں نے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انہوں نے میل کے ساتھ شرعی کی قید نہیں لگائی اس لیے عوام اردو داں لوگ اس کو انگریزی مروجہ میل پر محمول کریں گے۔ سوم یہ کہ انہوں نے ذراع شرعی دس گرہ قرار دیا ہے جو ڈیڑھ فٹ سے زیادہ ہے اس حساب سے شرعی مسافت اکٹھ انگریزی میل سے متجاوز ہو جائے گی جب کہ وہ اڑتالیس انگریزی میل بیان کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے (الی ان قال) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ میل کے بارے میں قول مختار فقہاء کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا کیونکہ چوبیس انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے جیسا کہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکرورتی گزر گیا ہے۔ (الی ان قال) اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔ بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چوں میل ہوتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے۔ عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہلیہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے۔ (اوزان شرعیہ ص ۳۶-۳۳، ملخصاً مطبوعہ کراچی)

مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ جتنے اصول بیان کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن ان اصولوں کی بنیاد پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے لکھتے ہیں :

محققین علماء ہندوستان نے اڑتالیس (۴۸) میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر یا آسانی طے کر سکتا ہے اور فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اسی کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ پینتالیس (۴۵) میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔ (اوزان شرعیہ ص ۳۶)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ ۴۵ میل شرعی اکلون انگریزی میل ایک فرلانگ بیس گز کے برابر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

اگر اپنے مقام اقامت سے ساڑھے ستون میل کے فاصلے پر علی الا اتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کاٹل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۹۰، مطبوعہ فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے ساڑھے ستون میل کس ضابطہ اور قلعہ سے مقرر کیے ہیں۔

علماء دیوبند نے مسافت قصر ۴۸ انگریزی میل قرار دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

ہمارے اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل انگریزی اختیار فرمایا ہے کیونکہ روزانہ اگر چہ گھنٹہ سفر کے لیے مقرر کیے جائیں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ میل یعنی

۳۶ کوس کو قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم مدلل ج ۳ ص ۴۹۲-۴۹۱)

۴۸ انگریزی میل کو ثابت کرنے کے لیے یہ انتہائی عجیب طریقہ ہے، کھانے پینے، آرام، نمازوں کے لوگت رات کی نیند بھی نکال لی جائے تو ۲۴ گھنٹوں میں سے سفر کے لیے یقیناً چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت بچے گا۔ اور جو شخص کرتا ہے وہ یقیناً دن رات میں سے سفر کے لیے چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت نکالے گا اور متوسط لونٹ کی رفتار سے ایک انسان ایک دن میں یقیناً بیس میل سے زیادہ سفر کر سکتا ہے پھر جمہور فقہاء کے مطابق یہ قول کیوں نہ اختیار کیا جائے کہ مسافت قصر ۴۵ میل شرعی ہے جو اکٹھ میل انگریزی اور چھ سو چالیس گز کے برابر ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے ۴۸ انگریزی میل کے ثبوت میں لکھا ہے کہ :

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ آن حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي آذُنِي مِنْ
أَرْبَعَةِ بَرَدَمٍ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ
اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۵۳۱، اوزان شرعیہ ص ۲۶)

لیکن مفتی صاحب کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے نہ کہ بارہ میل انگریزی کا، سترہ فروری ۱۹۸۸ء کو ایک علمی مجلس میں مذاکرہ کے دوران مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی محمد رفیع عثمانی نے بھی تسلیم کیا کہ یہ تسامح ہے اور ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مسافت قصر ۴۸ میل شرعی قرار پائے گی جو ۵۴ انگریزی میل ۹۶۰ گز کے برابر ہے۔ تاہم یہ روایت سنداً "ضعیف ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے بھی تصریح کی ہے اس لیے مدار سفر تین دن کی مسافت ہے، جس کو جمہور فقہاء نے ۵۴ میل شرعی کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے یہ متوسط قول ہے اور یہ اکٹھ انگریزی میل اور چھ سو چالیس گز اور اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸۶۷۳۳) کلومیٹر کے برابر ہے۔ علماء دیوبند کے ایک مستند عالم مفتی رشید احمد لکھتے ہیں :

اکثر مشائخ احناف نے ۱۸ فرسخ ۵۴ میل شرعی، سو اکٹھ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۹۴، مطبوعہ کراچی)

اس بحث کے اخیر میں مفتی محمد رفیع عثمانی نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم اب مسافت قصر کو تبدیل کریں تو لوگ کہیں گے کہ ہماری پچھلی پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہو گا؟ اس آخری دلیل کی بناء پر انہوں نے ۴۸ انگریزی میل ہی کو قائم رکھا۔ سمندری سفر میں مسافت شرعیہ کا معیار

سمندری سفر میں تین دن کی مسافت معتبر ہے جب کہ ہوا معتدل ہو نہ بہت تیز ہو نہ بالکل ساکن ہو، جیسا کہ پہاڑ میں بھی تین دن کی مسافت معتبر ہوتی ہے۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۳۹، مطبوعہ مصر)

علامہ شامی متونی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

سمندر کے سفر میں جب ہوا معتدل ہو تو پھر تین دن کی مسافت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ لوگوں کو اپنے عرف

معلوم ہوتا ہے لہذا اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا جائے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ سمندری سفر میں بادیانی کشتی تین دن میں جتنی مسافت طے کرتی ہے وہ سفر شرعی کا معیار ہے، خواہ وہ خالی کشتی کے ذریعہ وہ سفر ایک دن یا اس سے کم میں بھی طے کر لیا جائے، اب یہ بادیانی کشتیوں کے ملاحوں سے معلوم کرنا چاہئے کہ معتدل ہوا کے ساتھ وہ تین دن میں کتنا سفر طے کر لیتے ہیں وہی سفر شرعی کا معیار ہو گا۔

کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرنا
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس جب تم نماز ادا کرو تو حالت قیام میں، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو، پھر جب تم
ناموں ہو جاؤ تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ (النساء : ۱۰۳)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی بعض آیات میں ذکر کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے لیکن یہاں ذکر سے مراد ذکر بالقلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور صنعت میں جو اپنی ذات اور اپنی وحدانیت پر دلائل رکھے ہیں ان میں غور و فکر کر کے اس کی ذات اور اس کی وحدانیت تک پہنچنا، اور یا ذکر سے مراد زبان سے اس کی تسبیح، تقدیس اور تہلیل کرنا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ کے ذکر کرنے میں صرف وہی شخص معذور ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۵، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہو یعنی تم کفار سے کھڑے ہوئے لڑ رہے ہو اور اسی حال میں نماز کا وقت آجائے تو عین لڑائی کے عالم میں کھڑے ہوئے نماز پڑھو، یا تم بیٹھ کر تیر اندازی کر رہے ہو، یا زخموں سے چور ہو کر پہلو کے بل گر گئے ہو تو اسی عالم میں نماز پڑھو، اور یہ معنی امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کفار سے دست بہ دست لڑائی کی حالت میں بھی نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ لی جائے اور پھر بعد میں اس نماز کی قضاء کر لی جائے، لیکن یہاں پر یہ معنی بعید ہے کیونکہ اس آیت کا معنی ہو گا جب تم نے نماز پڑھ لی ہے تو پھر نماز پڑھو نیز ذکر کا معنی نماز مجازاً ہے اور بغیر ضرورت شرعیہ کے کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر کبرج ص ۳۰۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ایمان والوں پر نماز وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ (النساء : ۱۰۳)

حالت جنگ میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نماز کے اوقات مقرر ہیں اور کسی نماز کو اس کے وقت کے بغیر ادا نہیں کیا جاسکتا، اس لیے سفر میں نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے گا، اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضر میں چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے اور سفر میں دو رکعت نماز فرض کی گئی سو ہر حال میں اس حل کے مطابق نماز ادا کی جائے گی، امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جب کافر اور مسلمان کی تلواریں نکل رہی ہوں تو اس وقت بھی مسلمان اپنے وقت پر نماز پڑھے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز فرض نہیں ہے اور وہ شخص وقت نکلنے کے بعد اس نماز کی قضا کرے گا۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفریہ کہتے ہیں کہ حالت جنگ میں نماز نہیں پڑھی جائے گی، اگر کسی

فحس نے نماز پڑھتے ہوئے قتل کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، امام مالک اور ثوری یہ کہتے ہیں کہ جب رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے، حسن بن صالح نے کہا جب لڑائی کے وقت رکوع پر قادر نہ ہو تو ہر رکوع کے بدلہ میں ایک تکبیر کہ لے، امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نماز کی حالت میں ضرب لگائے یا نیزہ مارے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس نے مسلسل نیزے مارے یا ضرب لگائی یا کوئی اور عمل طویل کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، امام ابو بکر رازی کہتے ہیں کہ قتل سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کئی مقلات پر نماز خوف پڑھائی ہے اور جنگ خندق میں آپ نے چار نمازیں نہیں پڑھیں حتیٰ کہ رات داخل ہو گئی پھر آپ نے فرمایا اللہ ان کے گھروں اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے، پھر آپ نے ان چاروں نمازوں کو ترتیب وار قضا کیا، اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ قتل میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں اگر حالت قتل میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو آپ نماز کو ترک نہ فرماتے، جس طرح آپ نے بغیر قتل کے حالت خوف میں نماز کو ترک نہیں کیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۲ مطبوعہ لاہور)

نمازوں کے اوقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر نماز ایک وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ فجر کی نماز کا وقت فجر صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت سورج کے استواء اور نصف النہار سے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے (اور دو مثل سایہ تک رہتا ہے) اور عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور سرخی کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کے مکمل چھپنے تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت اس سفیدی کے چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور فجر صادق کے طلوع تک رہتا ہے۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۳۶۹۹)

ایک نماز کے وقت میں دو سری نماز ادا کرنے کا عدم جواز

چونکہ یہ اوقات نمازوں کے لیے شرط ہیں اس لیے ہر نماز اپنے وقت میں ہوگی اور دو سری نماز کے وقت میں یا اپنا وقت آنے سے پہلے ادا نہیں ہوگی۔ ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جاسکتا ہے۔ مثلاً عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیا جائے یا عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھ لیا جائے، ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا اس آیت کے خلاف ہے، بعض احادیث صحیحہ میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت ہیں کہ جب نبی ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھ لیتے۔

(صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۱۱۰۷۱)

ہمارے نزدیک یہ جمع صوری پر محمول ہے یعنی آپ ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے یا مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے ہم نے ان حدیثوں کو حقیقتہً جمع پر اس لیے محمول نہیں کیا تاکہ اخبار آحاد سے قرآن مجید کے عموم کا نسخ لازم نہ آئے اور میدان عرفات میں جو ظہر کے وقت میں عصر کو پڑھا جاتا ہے اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب کو پڑھا جاتا ہے تو یہ خبر واحد نہیں ہے بلکہ تواتر سے ثابت ہے اور یہ خبر متواتر اس آیت کے عموم کے لیے قصص ہے۔

قطبین میں نمازوں اور روزوں کا مسئلہ

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قطبین میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں روزے اور نمازوں کی کیا صورت ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ :

اگر فی الواقع قطبین کے افق پر چوبیس گھنٹے کے بعد سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور وقت کی باقی علامات بھی افق پر ظاہر ہوتی ہیں جن سے ظہر اور عصر اور مغرب وغیرہا کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ تب تو وہاں چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں، رمضان کے روزے بھی فرض ہیں اور لیلۃ القدر بھی متحقق ہوگی اور اگر وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور سورج اور چاند کا طلوع اور غروب چھ ماہ کے بعد ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والوں پر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں نہ رمضان کے روزے اور نہ وہاں شب قدر کا وجود ہو گا کیونکہ یہ تمام چیزیں چوبیس گھنٹہ کے بعد سورج کے طلوع اور غروب پر موقوف ہیں۔ البتہ نماز اور روزے میں عبادت کی مشابہت اختیار کرنی چاہئے اور قطبین کے قریب جس ملک میں چوبیس گھنٹے کے بعد سورج کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اس کے اوقات کے مطابق نماز کے اوقات مقرر کیے جائیں اور اسی ملک کے حساب سے روزے رکھے جائیں اور شب قدر کی بجائے یعنی جب اس قریب کے ملک میں رمضان ہو اس وقت وہاں رمضان کا اعتبار کر لیا جائے اور اسی ملک کے اوقات کے لحاظ سے سحر و افطار کا تعین کیا جائے لیکن یہ تشبہ العبادت ہے اور عبودیت اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بعینہ نماز کے اوقات اور رمضان کا مہینہ نہیں پایا لیکن اس کے مشابہ اوقات میں ہم ان عبادت کو کر رہے ہیں، آخر وہاں دنیا کے دوسرے تمام کاموں کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں، کاروبار، سیرو تفریح، کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں، صبح سے لے کر شام تک کام کرنے والے لوگ وہاں چھ ماہ کے دن میں مسلسل کام کرتے ہیں، نہ چھ ماہ سوتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد دوپہر کا کھانا تین ماہ بعد یا شام کا کھانا چھ ماہ بعد تو نہیں کھاتے جس طرح زندگی کے باقی معمولات کو وہاں کے غیر معمولی حالات اور اوقات میں معین کیا جاتا ہے خواہ باقی دنیا کے اعتبار سے وہ غیر معمولی لگتا ہو کہ سورج نکلا ہوا ہے اور وہ شام کا کھانا کھا رہے ہیں، اسی طرح عبادت کے نظام کو بھی قریب ترین ملک کے اوقات کے لحاظ سے ترتیب دینا چاہئے۔ جہاں معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا ہو ہرچند کہ یہ معمول کے مطابق عبادت نہیں ہیں لیکن وہاں کے حالات سے اعتبار سے یہی ترتیب معمول ہوگی اس لیے وہاں چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں اور سال کے بعد روزے فرض عین تو نہیں لیکن فرض کے مشابہ ضرور ہیں اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ عبادت کسی حل میں ترک نہیں کرنی چاہئیں اور جب وہ اپنے قریب ترین ملک کے لحاظ سے شب قدر مقرر کر کے اس میں عبادت کریں گے تو انشاء اللہ اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو، اس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

(النساء : ۱۰۴)

مناسبت اور شان نزول

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جہلو کی ترغیب کے لیے آیات نازل کی تھیں انہی کے ضمن میں جہلو کے دوران نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے احکام نازل کیے، اس کے بعد پھر جہلو کی ترغیب دی اور فریضہ جہلو میں کفار کا پیچھا کرنے سے تم

ہمت نہ ہارو اگر تم زخمی ہو گئے ہو تو کافر بھی تو زخمی ہو گئے ہیں، جب کہ تمہیں اپنے زخموں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر و
کی امید ہے کافروں کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں ہے، اس آیت کے شان نزول میں یہ حدیث ہے :
امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو ہزیمت پہنچی تو نبی
ﷺ پہاڑ پر پہنچ گئے، ابوسفیان نے کہا یا محمد (ﷺ) آپ کو جو زخم پہنچے ہیں وہ ہمارے زخموں کے بدلہ ہیں اور جنگ کنوئیں
کے ڈول کی طرح ہے، ایک دن ہمارا ہوتا ہے اور ایک دن تمہارا ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس کو جواب دو
آپ کے اصحاب نے کہا ہم اور تم برابر نہیں ہیں، ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں ہیں، ابوسفیان
نے کہا ہمارا عزی ہے اور تمہارا عزی نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعلیٰ اور اجل ہے، ابوسفیان نے کہا : ہماری اور
تمہاری ملاقات بدر صفریٰ میں ہوگی، اور مسلمانوں کو زخمی ہونے کے باوجود نیند آگئی، اس موقع پر آل عمران کی یہ آیت
نازل ہوئی) ان یمنسکم قرح فقد مس القوم قرح مثله (ال عمران : ۱۳۰) اور سورہ نساء کی یہ آیت نازل
ہوئی : ان تکنوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون (النساء : ۱۰۴)

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۵۸-۳۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ بِالْحَقِّ لِنُحْكِمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا

بیشک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق

أَمْرًا لِّلَّهِ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝۱۰۵ وَاسْتَغْفِرِ

فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں ۱۰۵ اور آپ اللہ سے مغفرت

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝۱۰۶ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ

طلب کریں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۱۰۶ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے

الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ

نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے والے ہیں، بیشک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو

خَوَانًا اتَّبِمَا ۝۱۰۷ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

بہت بددیانت گنہگار ہو ۱۰۷ یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا

مِنْ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ

سکتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا رہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں جو بات اللہ کو پسند نہیں

وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٣٦﴾ هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ

اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ○ ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ان (مجرموں) کی

عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ يَوْمَ يَوْمِ

طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا ، تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے

الْقِيَمَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا

ساتھ جھگڑا کرے گا یا کون ان کا حمایتی ہو گا ؟ ○ اور جو شخص کوئی بُرا کام کرے

أَوْ يَظْلِمُ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١١٠﴾

یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا ○

وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ

اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہوگا اور اللہ بہت جاننے

عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ

والا بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی

يَهْدِيكَ فَقَدْ اُحْتَلَّ بِهَتَانَا وَاشْمَامِينَا ﴿٣٧﴾

بے گناہ پر لگا دے تو بیشک اس نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ

بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

رہنما آیات

اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں پہلے منافقین کے احوال اور ان کے احکام بیان فرمائے تھے، اس کے بعد کفار سے جہاد کرنے

کی ترغیب میں آیتیں نازل فرمائیں اور اس ضمن میں یہ فرمایا کہ اگر کسی نے کسی مسلمان یا ذی کو خطا "قتل کر دیا تو اس کا حکم کیا ہے اور جس نے کسی مسلمان کو عدا "قتل کر دیا تو اس کا کیا حکم ہے" پھر اسی سلسلہ میں نماز خوف اور حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہدایت دی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر منافقوں کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا منافق یہ چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو حق کے خلاف اور باطل کے موافق فیصلہ کرنے پر ابھاریں، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا کہ منافقوں کا موقف باطل ہے، اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر ہیں آپ منافقوں کے قول اور قسموں کی طرف توجہ نہ کریں۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن ان کے خلاف جہاد کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ بے انصافی کی جائے، بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر ان کا موقف صحیح ہو تو ان کے حق میں فیصلہ کیا جائے اور اگر ان کا موقف غلط ہو تو ان کے خلاف فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کے ظاہری اسلام کی وجہ سے کسی کافر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

منافقوں کے چوری کرنے اور بے قصور پر اس کی تہمت لگانے کے متعلق مختلف روایات

اس آیت میں کسی منافق کی چوری یا خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس نے کسی بے قصور مسلمان یا یہودی پر اپنی چوری یا خیانت کی تہمت لگادی تھی پھر اس منافق اور اس کے اقرباء نے یہ چاہا کہ نبی ﷺ اس منافق کی حمایت کریں اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیں اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، منافق ابیرق کا بیٹا بشیر تھا اور ایک روایت میں اس کا نام طعمہ ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں سے ایک گھر تھا جس کو بنو ابیرق کہتے تھے، وہ تین شخص تھے بشر، بشیر اور مبشر، بشیر ایک منافق آدمی تھا، وہ نبی ﷺ کے اصحاب کی ہجو میں شعر کہتا تھا پھر بعض عرب کو وہ اشعار بہہ کر دیتا، پھر کہتا کہ فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے اور فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یہ شعر سنتے تو وہ کہتے کہ یہ خدا یہ اشعار اس خبیث شخص کے کہے ہوئے ہیں، اور وہ کہتے تھے کہ یہ اشعار ابن ابیرق کے کہے ہوئے ہیں، اور بنو ابیرق زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بہت تنگ دست اور فاقہ زدہ تھے، اور مدینہ میں لوگ بالعموم کھجوریں اور جو کھاتے تھے، اور جب کوئی شخص خوشحال ہوتا اور شام سے کوئی غلہ کا مسلمان لاتا تو وہ اس سے آنا خرید لیتا اور اس آٹے سے صرف وہ روٹی کھاتا تھا اور اس کے گھر والے حسب معمول کھجور اور جو کھاتے تھے ایک دفعہ شام سے غلہ کا قافلہ آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے اس سے آٹے کی ایک بوری خرید لی، اور اس کو اپنے گھر کی کوٹھڑی (انسور) میں رکھ دیا اور کوٹھڑی میں ہتھیار، زرہ اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی، پھر گھر کے نیچے سے چوری کی گئی اور کوٹھڑی میں نقب لگائی گئی اور کھانے کی چیزیں اور ہتھیار چوری کر لیے گئے، صبح کو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہا اے میرے بھتیجے! اس رات ہمارے گھر میں چوری کی گئی ہے، اور ہماری کوٹھڑی سے غلہ اور ہتھیار اٹھالے گئے ہیں، ہم نے اپنی حویلی میں پوچھ گچھ شروع کی، ہمیں بتایا گیا کہ اس رات بنو ابیرق روشنی کرتے پھر رہے تھے اور ہمارا یہی گمان ہے کہ وہ تمہارا طعام چرا کر لائے ہیں اور جس وقت ہم یہ تفتیش کر رہے تھے تو بنو ابیرق نے کہا بہ خدا ہمارا گمان یہ ہے کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے، یہ شخص ہم میں سے نیک مسلمان تھا، جب ابید نے یہ سنا تو اس نے تلوار سونت لی اور اس نے کہا میں چوری کروں گا! خدا کی قسم میں تم کو اس تلوار سے قتل کر دوں گا ورنہ تم یہ بتاؤ کہ یہ چوری کس نے کی ہے، انہوں نے کہا اے شخص پرے ہٹو!

مسئلہ اس چوری سے کوئی تعلق نہیں ہے، پھر ہم نے اس حویلی میں تفتیش کی حتیٰ کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ بنو امیہ نے ہی چوری کی ہے، پھر مجھ سے میرے چچا نے کہا، اے بھتیجے! تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کرو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا، اور میں نے عرض کیا کہ ہمارے گھروں میں بعض خائن لوگ ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کی کوٹھڑی (گودام یا سنور) میں نقب لگائی اور وہاں سے ہتھیار اور غلہ اٹھا لیا وہ ہمارے ہتھیار ہمیں واپس دے دیں اور غلہ (طعام) کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا میں عنقریب اس کا فیصلہ کروں گا، جب بنو امیہ نے یہ سنا تو وہ اپنے ایک آدمی کے پاس گئے، جس کا نام اسیر بن عروہ تھا، اور اس سے اس مسئلہ میں بات کی اور اس معاملہ میں حویلی کے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے ایک گھر کو (پھنسانے کا) قصد کر لیا ہے وہ لوگ مسلمان ہیں اور نیک ہیں انہوں نے بغیر گواہ اور ثبوت کے ان پر چوری کی تہمت لگائی ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور میں نے آپ سے اس مسئلہ میں بات کی تو آپ نے فرمایا : تم نے ایک گھر والوں کے خلاف ارادہ کیا ہے جن کے اسلام اور نیکی کا ذکر کیا جاتا ہے تم نے ان پر بغیر گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ میں واپس آگیا اور میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میرا کچھ مال چلا جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ میں بات نہ کی ہوتی، پھر میرے چچا رفاعہ آئے اور کہا : اے میرے بھتیجے یہ تم نے کیا کیا، میں نے ان کو بتایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے، میرے چچا نے کہا اللہ مدد کرنے والا ہے، پھر تھوڑی دیر بعد قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں : ”بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے، اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)“ یعنی بنو امیہ کی طرف سے نہ جھگڑا کریں اور اللہ سے استغفار کیجئے۔“ (النساء : ۱۰۶) اس بات کے متعلق جو آپ نے قتادہ سے کسی تھی، ”بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفوس سے خیانت کرنے والے ہیں، بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہ گار ہو یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔“ (النساء : ۱۰۸) الی قولہ غفوراً رحیماً یعنی اگر یہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا (النساء : ۱۱۰) ”اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وہیل اسی شخص پر ہوگا۔ (النساء : ۱۱۱) منافقوں نے بید پر اس چوری کی تہمت لگائی تھی اس کے متعلق فرمایا ”اور جو شخص کوئی خطایا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان باندھا اور کھلے گناہ کا ارتکاب کیا (النساء : ۱۱۲) جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ ہتھیار لائے گئے اور آپ نے وہ ہتھیار رفاعہ کو واپس دے دیئے، قتادہ کہتے ہیں جب میں نے اپنے چچا کو وہ ہتھیار دیئے تو انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے ”میں یہ ہتھیار اللہ کی راہ میں دیتا ہوں، مجھے پہلے ان کے اسلام کے متعلق شک پڑتا تھا اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ ان کا اسلام صحیح ہے، جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو بشیر جاکر مشرکین سے مل گیا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں ٹھہرا، اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ”جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔“ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

اور جو گناہ اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گناہ بخش دے گا، اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔“ (النساء : ۸۶-۸۵) جب بشیر سلفہ کے ہاں ٹھہرا تو حسان بن ثابت نے اس کی مذمت میں اشعار کہے اور وہ اپنا سلمان لے کر اس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۴۷ المستدرک ج ۳ ص ۳۸۷-۳۸۵)

امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے طعمہ بن ابیرق (یہ منافق تھا) کی کوٹھڑی (گودام، حفاظت کے لیے سلمان رکھنے کی جگہ) میں کچھ سلمان رکھوایا اس سلمان میں ایک زرہ بھی تھی، پھر وہ انصاری کہیں چلا گیا، جب وہ انصاری واپس آیا اور اس کو ٹھڑی (سٹور) کو کھولا تو اس میں وہ زرہ نہیں تھی اس نے طعمہ بن ابیرق سے اس کے متعلق سوال کیا اس نے زید بن السمین نام کے ایک یہودی پر اس کی تہمت لگا دی، اس انصاری نے طعمہ سے ہی اپنی زرہ کا مطالبہ کیا، جب طعمہ کی قوم نے یہ معاملہ دیکھا تو وہ نبی ﷺ کے پاس گئی اور یہ چاہا کہ آپ طعمہ کو اس الزام سے بری کر دیں، اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۶۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام بشیر بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت ایک نیک مسلمان لبید بن سہل پر لگائی تھی اور منافقوں نے چاہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشیر کو بری کر دیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان منافقوں کی مدافعت کرنے سے منع کیا اور ظاہر فرمایا کہ لبید بے قصور ہے اور منافقوں کی مذمت کی اور بالآخر بشیر مشرکوں سے جا ملا، اور امام ابن جریر کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت زید بن السمین یہودی پر لگا دی، اللہ تعالیٰ نے اس منافق کی ملامت کی اور زید بن السمین یہودی کی برات بیان کی، اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ من یشاقق الرسول۔ الا یہ نبی ﷺ کا کبھی دلیل ظاہر اور کبھی علم غیب کے مطابق فیصلہ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

اس آیت میں دکھانے سے مراد تعلیم اور خبر دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی ﷺ کو بتلادیا تھا کہ دراصل مجرم اور خائن بشیر بن ابیرق یا طعمہ بن ابیرق ہے، اور منافقوں نے لبید بن سہل مسلمان یا زید بن السمین یہودی کے خلاف جو چوری کی گواہی دی ہے وہ جھوٹی ہے، اس لیے آپ منافقوں کی ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کریں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو غیب منکشف کر دیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے دکھانے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ یہ علم اس قدر یقینی تھا کہ یہ علم بہ منزلہ مشاہدہ کے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ یہ صرف نبی ﷺ کی خصوصیت ہے اس لیے تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں جو مجھے اللہ نے دکھائی ہے بلکہ یہ کہے کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ نبی ﷺ صرف وحی الہی سے فیصلہ کرتے تھے، اور اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنا آپ کے لیے جائز نہ تھا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اصل صورت حال منکشف کر دی تاکہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے، لیکن کئی مرتبہ آپ نے ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ کیا، امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسی (۸۰) سے

زیادہ منافی نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے، جب آپ واپس آئے تو یہ منافق آپ کے پاس آکر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے عذروں کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لیے استغفار کیا، آپ نے ظاہر حال کے مطابق عمل کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کر دیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۴۱۸)

نبی ﷺ نے غزوہ تبوک میں منافقوں کے جھوٹے اعذار کو قبول فرما کر ان کے لیے استغفار کیا، اور اس میں امت کے لیے یہ نمونہ ہے کہ تم نے ظاہر حال کے مطابق عمل اور فیصلہ کرنا ہے اور باطن اور غیب کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اور نبی ﷺ کا اکثر اور غالب عمل ظاہر دلیل کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں : حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا، میں نے عبد اللہ بن ابی ابن سلول کو یہ کہتے ہوئے سنا ”جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ (سب) منتشر ہو جائیں۔“ (المنافقون : ۷) اور یہ کہتے ہوئے سنا ”اگر (اب) ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔“ (المنافقون : ۸) میں نے اس کا اپنے چچا سے ذکر کیا، میرے چچا نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا انہوں نے قسمیں اٹھالیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق کر دی اور میری تکذیب کر دی، مجھے اس پر اتنا غم ہوا کہ ایسا غم کبھی نہیں ہوا تھا تب اللہ عز و جل نے یہ آیت نازل کی۔ یہی لوگ ہیں جو یہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتیٰ کہ یہ (سب) منتشر ہو جائیں اللہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیات پڑھیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کر دی (صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۴۹۰۱) حضرت زید بن ارقم کے پاس اپنے قول کی صداقت پر گواہ نہ تھے اور منافقوں نے ان کے خلاف قسمیں کھالی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ظاہر دلیل کے مطابق منافقوں کے ساتھ سچوں کا معاملہ کیا اور حضرت زید بن ارقم کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر نبی ﷺ پر امر باطن کو منکشف کر دیا اور آپ کو غیب پر مطلع فرمادیا اور آپ نے حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کر دی اور اس غیب کی خبر دینے سے نبی ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلیل قائم ہو گئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اکثر و بیشتر ظاہر دلیل کے مطابق اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے، تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ قائم ہو کہ مقدمات کے فیصلہ میں ظاہر حال اور حجت ظاہرہ کا اعتبار ہوتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی معاملہ میں اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لیے آپ پر حقیقت حل کو منکشف کر دیتا اور آپ کو غیب پر مطلع فرماتا اور آپ اس غیب کی خبر کے مطابق فیصلہ کرتے اور اس سے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو جاتی اور طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق منافق کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کا آپ کو منافقوں کی حمایت سے منع فرمانا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

جو لوگ عصمت نبوت پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر نبی ﷺ نے خائون کی طرف سے جھگڑنے اور ان کی حمایت کا ارادہ نہیں کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع نہ فرماتا، اور خائون کی طرف سے جھگڑنا اور ان کی حمایت کا ارادہ کرنا گناہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ منافق ظاہراً ”مسلمان تھے اور ان پر مسلمانوں کے

احکام جاری تھے اور ایک سے زیادہ منافقوں نے طعمہ بن امیہ یا بشیر بن امیہ کے اس چوری سے بری ہونے کی کوشش کی اور اس ظاہری شہادت کا قبول کرنا واجب ہے اس لیے ان قرائن اور شہادتوں کی بناء پر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ ﷺ ان کی حمایت اور ان کی طرف سے محاسنت کریں، اگرچہ بالفعل آپ نے ان کی حمایت اور ان کی طرف سے محاسنت نہیں کی تھی لیکن ان کی شہادتوں کی وجہ سے آپ کا ان کی طرف سے محاسنت کرنا متوقع تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی سے منع فرما دیا ”اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔“ اور اس میں کوئی چیز آپ کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرماتے والا ہے۔

(النساء : ۶۶)

طعمہ کے معاملہ میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دینے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے طعمہ بن امیہ کے معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے، جو لوگ عصمت انبیاء کے منکر ہیں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد نہ ہوئی تھی تو اللہ آپ کو استغفار کرنے کا حکم نہ دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد ہوئی تھی، اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اس معاملہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر آپ طعمہ یا بشیر کی حمایت کی طرف مائل تھے اور اس میں کوئی معصیت نہیں ہے اس کے باوجود آپ کو استغفار کرنے کا حکم دینا، حسنات الابرار سینات المقرین کے باب سے ہے۔

(۲) جب منافقوں نے یہودی کے چوری کرنے اور طعمہ کی براءت پر شہادت قائم کر دی اور بہ ظاہر اس شہادت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر غیب منکشف کر دیا اور آپ پر واضح ہو گیا کہ منافق جھوٹے ہیں اور اگر آپ ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کر دیتے تو ہر چند کہ آپ شرعاً معذور تھے لیکن یہ فیصلہ حقیقت میں صحیح نہ ہوتا، اس لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں آپ کو ان مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہو جو ظاہری شہادت کی بناء پر طعمہ کے حامی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفوس سے خیانت کرنے والے ہیں۔ بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہگار ہو۔ (النساء : ۱۰۷)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہے، اور آپ ہی کو ان کی حمایت سے منع کیا گیا ہے لیکن کسی شخص کو کسی چیز سے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس چیز کا ارتکاب بھی کیا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر (بہ فرض محل) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ (الزمر : ۶۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ”اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو بہت زیادہ خیانت کرتا ہو۔“ یہاں پسند نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے بغض رکھتا ہے، ”خواتا“ مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے بہت زیادہ خیانت کرنے والا، یعنی جو بار بار قصداً خیانت کرتا ہو اور بار بار قصداً گناہ کرتا ہو اور جس شخص سے بلا قصد اور غفلت سے

نہ ہو جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے، حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں، جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (النساء : ۱۰۸)

یعنی جو لوگ کوئی برا کام کرتے ہیں تو لوگوں سے حیاء کرتے ہیں اور چھپ کر وہ کام کرتے ہیں یا لوگوں کے ضرر کے خوف سے چھپ کر وہ کام کرتے ہیں اور یہ لوگ اللہ سے حیاء نہیں کرتے، یعنی اللہ کے خوف سے اور اس کے عذاب کے ڈر سے اس برائی کو ترک نہیں کرتے، جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اس سے مراد جھوٹ ہے اور بے قصور پر تہمت لگانا اور بہتان باندھنا ہے اور اللہ ہر کام کو محیط ہے، خواہ کوئی کام چھپ کر کیا جائے یا لوگوں کے سامنے وہ ہر ایک کے کام سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ان (مجرموں) کی طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا، تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے ساتھ جھگڑا کرے گا، یا کون ان کا حمایتی ہو گا؟ (النساء : ۱۰۹)

مجاہد کے معنی ہیں بہت زیادہ جھگڑا کرنا، اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف معاملات سپرد کر دیئے جائیں اور محافظ اور حمایتی کو بھی وکیل کہتے ہیں، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں تو تم ان کی طرف سے جھگڑا کر لو گے لیکن قیامت کے دن اس خائن اور بددیانت کو اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا۔ (النساء : ۱۱۰)

جن لوگوں نے ایک بے قصور شخص پر تہمت لگائی تھی، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گناہ پر توبہ اور استغفار کرنے کی ترغیب دی ہے، برا کام کرنے سے مراد ایسا فعل ہے جیسے طعمہ نے کیا تھا اور اس کی تہمت ایک یہودی پر لگا دی، یعنی ایسی برائی جس کا ضرر دوسروں کو پہنچے، اور اپنی جان پر ظلم کرنے سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا اثر صرف اس گناہ کرنے والے تک محدود رہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے گناہ پر توبہ مقبول ہو جاتی ہے، خواہ کفر ہو، قتل عمد ہو، غصب اور سرقہ یا کسی پر تہمت لگانا ہو، اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو توبہ کی ترغیب دی اگر یہ سچے دل سے نادم ہو کر اخلاص سے توبہ اور استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے تو اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وہیل اسی شخص پر ہو گا اور اللہ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۱۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کی سزا اسی شخص کو ملے گی اور کسی دوسرے شخص کو اس کا ضرر نہیں پہنچے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (الزمر : ۷)

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے

گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرنے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس بہتان باز اور کھلے ہوئے گناہ کار تکاب کیا۔ (النساء : ۱۱۳)

اس آیت میں خطا اور گناہ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے، اس کے معنی کی کئی تفسیریں ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد صغیرہ گناہ ہے اور گناہ سے مراد کبیرہ گناہ ہے، دوسری تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر صرف گناہ کرنے والے کو پہنچے جیسے نماز نہ پڑھنا، روزہ نہ رکھنا، اور گناہ سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچے، جیسے ظلم، قتل، چوری اور خیانت وغیرہ، تیسری تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد وہ برا کام ہے جس کو کرنا نہیں چاہئے اور گناہ سے مراد وہ برا کام ہے جس کو عموماً کیا جائے۔ بہتان کا معنی ہے کسی بے قصور پر کسی برے کام کی تہمت لگا دی جائے، اس آیت میں اس کی مذمت کی ہے کہ کوئی شخص خود برا کام یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے قصور پر لگا دے کیونکہ یہ دہری برائی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (اے رسولِ محرم) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (من فقیہین) کی ایک جماعت ضرور

أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ

آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کر لیتی، اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں

مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

پہنچا بیس گے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۖ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝۱۱۳

ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا ہے جن کو آپ (پیغمبر) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے ۝

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّبْوَاهُمْ إِلَّا مَنَ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ

ان کے اکثر پرشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی

مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا ۔ اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام

ابْتَغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُوْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾

کے تو عنقریب ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے ۰

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ

اور (تمام) مسلمانوں کے راستے کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف

جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۱۴﴾

وہ پھر اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے رسول مکرم!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) کی ایک جماعت ضرور آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کر لیتی اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ (النساء : ۱۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ پر وحی نازل فرما کر آپ کو اصل واقعہ سے مطلع نہ فرماتا اور آپ پر غیب کو منکشف نہ کرتا اور یہ نہ بتاتا کہ اصل مجرم طعمہ یا بشیر بن ابیرق منافق ہے اور جس یہودی یا مسلمان پر ان منافقوں نے خیانت یا چوری کی تمت لگائی ہے وہ اس تمت سے بری ہے تو یہ منافق ضرور اس بات کا قصد کر لیتے کہ آپ پر اصل مجرم کو ملے اور مشتبہ کر دیں گے اور جو یہودی یا مسلمان بے قصور ہے اس کو آپ کی نظر میں مجرم اور خائن ٹھہرا دیں گے اور اپنے منافق ساتھیوں کو خیانت سے بری کرالیں گے لیکن اپنی اس نامشکور سعی میں یہ خود ہی گمراہی میں پڑ گئے انہوں نے ایک شخص کامل چرایا یا اس میں خیانت کی پھر اس برائی پر مزید برائی یہ کی کہ اپنی اس خیانت کا بہتان ایک بے قصور شخص پر باندھا اور انہوں نے اصل صورت حال کو آپ پر مشتبہ بنانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس سے وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اصل صورت واقعہ سے آپ کو مطلع فرمادیا اور غیب آپ پر منکشف کر دیا۔ نیز فرمایا :

اور اللہ نے آپ پر کتب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان (تمام) چیزوں کا علم عطا فرمادیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ (النساء : ۱۱۳)

ماکان وما یكون کا علم

لام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

اللہ نے آپ پر کتب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے ہدایت اور نصیحت ہے اور آپ پر حکمت نازل کی ہے

حکمت سے مراد یہ ہے کہ حلال، حرام، امر، نہی، دیگر احکام، وعد، وعید اور ماضی اور مستقبل کی خبریں، ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل ہم نے وحی خفی کے ذریعہ آپ پر نازل کی ہے اور یہی حکمت کو کرنے کا معنی ہے اور جن تمام چیزوں کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے ہم نے ان سب کا علم آپ کو عطا فرمایا، اس کا معنی تمام اولین اور آخرین کی خبریں اور ماکان و مایکون پر آپ کو مطلع فرمایا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۷۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ) امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کے دو محمل ہیں، ایک محمل یہ ہے کہ : اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتب اور حکمت کو نازل کیا اور آپ کو کتب کے اسرار پر مطلع فرمایا اور ان کے حقائق سے واقف کیا جب کہ اس سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا، اسی طرح اللہ آپ کو مستقبل میں بھی علم عطا فرمائے گا اور منافقین میں سے کوئی شخص آپ کو گمراہ کرنے اور بہکانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولین کی خبروں کا علم عطا فرمایا، اسی طرح اللہ آپ کو منافقین کے مکر اور ان کے جیلوں کی خبر دے گا، پھر فرمایا یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے، یہاں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا : وما اوتینم من العلم الا قليلا (الاسراء : ۸۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا : قل منافع الدنيا قليل (النساء : ۷۷) اور نبی ﷺ کو جو کچھ عطا فرمایا اس کے متعلق فرمایا : وكان فضل الله عليك عظيما، سو جس کے سامنے ساری دنیا کا علم اور خود ساری دنیا قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۲، روح المعانی ج ۵ ص ۳۳)

علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت کے متعلق تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وحی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ (۲) مقاتل نے کہا اس سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔ (۳) ابو سلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد کتاب کے معانی کا بیان اور دل میں صحیح اور نیک بات کا القا کرنا ہے اور علمک عالم نکتہ تعلم کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں :

(۱) حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا اس سے مراد شریعت ہے۔ (۲) ابو سلیمان نے کہا اس سے مراد اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔ (۳) اور ماوردی نے کہا اس سے مراد کتاب اور حکمت ہے، اور وکان فضل الله عليك عظيما کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں : (۱) ایمان عطا کرنے کا احسان (۲) نبوت عطا کرنے کا احسان، یہ دونوں حضرت ابن عباس کے قول ہیں (۳) ابو سلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد نبی ﷺ کے تمام فضائل اور آپ کے تمام خصائص ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ماکان و مایکون کے علم کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے

میں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آگیا، پھر آپ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی، پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا، آپ پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی، آپ نے پھر منبر کو زینت بخشی اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، پھر آپ نے ہمیں ماکن و مایکون کی خبر دی سو ہم میں جس کا حافظہ زیادہ تھا اس کا علم زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۹۲)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : آج رات میرا رب تبارک و تعالیٰ میرے پاس بہت حسین صورت میں آیا، یعنی خواب میں، اس نے کہا یا محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا نہیں، آپ نے کہا پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی، سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں! کفارات میں۔ الحدیث (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۲۲۳، مسند احمد ج ۱، رقم الحدیث : ۳۳۸۳، مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث : ۲۶۰۸، الشریعہ بلا جری، رقم الحدیث : ۴۹۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں : پس میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۲۳۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آنے میں دیر کر دی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا، پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی صفوں پر بیٹھے رہو، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی، آپ نے فرمایا میں رات کو اٹھا اور میں نے وضوء کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی، پھر مجھے نماز میں نیند آگئی اچانک میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب لبیک، فرمایا مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب مجھے (از خود) علم نہیں، یہ مکالمہ تین بار ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی، پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے جان لیا۔ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۲۳۶، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث : ۲۲۷۰)

حافظ نور الدین البیہقی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بے شک اللہ عز و جل نے دنیا کو میرے لیے اٹھالیا جس دنیا کی طرف لو رہو جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے، اس کی طرف دیکھ رہا ہوں، جس طرح میں اپنی ان دو تیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ضعف کثیر کے باوجود اس کے

راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷، حلیۃ الاولیاء : ج ۶ ص ۸۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ سو اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرے تو عنقریب ہم اس کو اچھے عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۱۳)

دو آدمی آپس میں جو سرگوشی کرتے ہیں اس کو عربی میں نجوی کہتے ہیں، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا وہ رات کو ایسی بات کرتے ہیں جو اللہ ناپسند کرتا ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو اللہ کو پسند ہیں، اور وہ ہیں صدقہ و خیرات کا حکم دینا، نیکی کا حکم دینا اور لوگوں میں صلح کرانا، صدقہ اور خیرات کرنا جسلمنی نیکی ہے، نیکی کا حکم دینا روحانی نیکی ہے اور ان دونوں نیکیوں سے جلب منفعت ہوتی ہے اور لوگوں میں صلح کرانے سے ضرر اور نقصان دور ہوتا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے، سو اس کے کہ اس نے نیکی کا حکم دیا ہو یا برائی سے روکا ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۹۷۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے، تو ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (النساء : ۱۱۵)

طعمہ بن ابیرق (چوری کرنے والے منافق) کا انجام

امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ جب قرآن مجید نے طعمہ بن ابیرق کی تکذیب کردی اور اس کے ظلم کا بیان کیا، تو اسے اپنی جان کا خطرہ اور رسوائی کا خوف ہوا پھر وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا، اور مشرکین سے جا ملا، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، مقاتل نے کہا کہ طعمہ مکہ پہنچ کر حجاج بن علاط سلمی کے ہاں ٹھہرا، اس نے طعمہ کو اچھی طرح ٹھہرایا، طعمہ کو یہ پتا چلا کہ حجاج کے گھر میں سونا ہے، اس نے رات کو اٹھ کر گھر کی دیوار میں سوراخ کیا، گھر والوں کو معلوم ہو گیا انہوں نے اس کو موقع پر پکڑ لیا، انہوں نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا لیکن حجاج کو حیاء آئی کیونکہ وہ اس کا مہمان تھا، پھر گھر والوں نے اس کو چھوڑ دیا، وہ وہاں سے نکل کر بنو سلیم کے علاقہ میں چلا گیا اور وہاں ان کے بت کی پرستش کرنی شروع کر دی، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ الا یہ ”اللہ اس کو نہیں بخشنے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا“ اور بعض روایات میں ہے کہ وہ تاجروں کے ساتھ نکل گیا اور وہاں اس نے کوئی چیز چرائی، انہوں نے اس کو سنگسار کیا حتیٰ کہ قتل کر دیا، ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوا وہاں اس نے کچھ مال چرایا اور پکڑا گیا پھر اس کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کا مصداق ہے کیونکہ اس نے چوری کی تھی جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تھا اور جب نبی ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعہ اس کی چوری کی خبر دے دی تو اس کو شرح صدر ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ سچے نبی ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور تمام مسلمان جس دین پر ہیں وہ سچا دین اسلام ہے، اس کے باوجود اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا اور تمام مسلمانوں کے خلاف طریقہ کو اختیار کیا اور اسلام کو چھوڑ کر شرک اور بت پرستی کو اپنا لیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ جس گمراہی میں پھرا ہے ہم اس کو اسی گمراہی میں پھیر دیں گے، یعنی اس کو اسی شرک اور بت پرستی میں رہنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

من یشاقق الرسول، الآتیہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب مشرکین کو قتل کرنے کے متعلق سورہ توبہ میں آیت نازل ہوئی اور خصوصاً "مرتدین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر کیرج ۳ ص ۳۱۳) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کوئی حکم نہیں بیان کیا گیا بلکہ طعمہ بن ابیرق اور اس جیسے لوگوں کو ان کی اختیار کردہ گمراہی میں رکھنے کی خبر دی گئی ہے اور نسخ احکام (مثلاً امر اور نہی) میں جاری ہوتا ہے اخبار میں جاری نہیں ہوتا، آیت سیف سے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کا قول تب صحیح ہوتا جب اس آیت میں ان کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اجماع کا حجت ہونا، نبی ﷺ کا معصوم ہونا اور دیگر مسائل

یہ آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت اجماع کے حجت ہوتے پر دلالت کرتی ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے قرآن مجید کو تین سو بار پڑھا تو میں نے اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا (تفسیر کیرج ۳ ص ۳۱۳) ان کی دلیل کلیان یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑنا حرام ہے لہذا تمام مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرنا واجب ہوا، نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تمام گناہوں سے معصوم ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ، سہواً ہوں یا عمداً، صورتاً ہوں یا حقیقتہً، کیونکہ گناہ کے خلاف کرنا واجب ہے اور اس آیت کی رو سے نبی ﷺ کے خلاف کرنا حرام ہے، نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے، نیز اس آیت میں ہدایت کے واضح ہونے کے بعد اس کی مخالفت کو حرام فرمایا ہے اور ہدایت نظر اور استدلال سے واضح ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کی تصحیح کے لیے نظر اور استدلال سے کام لینا واجب ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ

بجائے اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا اس کو جس کے

لِمَنْ يَشَاءُ ط وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا

بے جا ہے گناہ جس کے گناہ نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو بوشیہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت

يَعِيدًا ۱۱۶) اِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ الْاِلٰهِنَا اِنْ

دور جا پڑا ۰ یہ (شُرک) اللہ کے سوا مورت عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اللہ یہ مورت سرکش

يَدْعُونَ اِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۱۱۷) لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَا اخَذْتُ

شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں ۰ اللہ نے اس پر لعنت کی، اللہ (شیطان نے) کہا میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيًّا مَّفْرُوضًا ۱۱۸) وَلَا ضَلَمَ لَهُمْ وَلَا مِثْلَهُمْ

تیرے بندوں میں سے مفروض مقرر حصہ لوں گا ۰ اور بے قسم ہے میں مفروض ان کو گمراہ کر دوں گا اللہ

وَلَا مَرَمَ لَهُمْ فَلْيَبْتِكُنْ اِذَا نِ الْاَنْعَامِ وَلَا مَرَمَ لَهُمْ فَلْيُغَيِّرْ

میں مفروض ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو مفروض علم دوں گا تو وہ مفروض مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور میں

خَلَقَ اللّٰهُ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ

ان کو مفروض علم دوں گا تو وہ مفروض اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنایا تو وہ

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا ۱۱۹) يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمْ

کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا ۰ وہ (شیطان) ان سے دھمے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا

الشَّيْطٰنُ الْاَغْرُوْرًا ۱۲۰) اُولٰٓئِكَ مَا وَاوَهُمْ جَهَنَّمَ وَلَا يَجِدُوْنَ

ہے اور شیطان ان سے جرمہ کرتا ہے وہ مرف دھوکہ دیتی ہے وہ لوگ یہی ہیں کاٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے بچنے کی بجگ

عَنْهَا فَحِصًّا ۱۲۱) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

نہیں پائیں گے ۰ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو مغرب

جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۱۲۲)

ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

وَعَدَ اللّٰهُ حَقًّا ۱۲۳) وَمَنْ اٰصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۱۲۴) لَيْسَ

اللہ کا وعدہ حق ہے اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے ۰ (اللہ کا وعدہ)

بِمَا نَيْتُكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلَ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا

نہادی آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی بُرا کام کرے گا

يُجْزِيهِ وَلَا يَجْذَلَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٢٣﴾

اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابل میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار ○

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جن لوگوں نے حالتِ ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت

فَاُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿١٢٤﴾ وَمَنْ

میں داخل ہوں گے اور ان پر کعبور کی گھٹلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اس سے اچھا

اَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ

دین کس کا ہو گا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا درآں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا ۚ وَاَتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملتِ ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنا لیا اور اللہ ہی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط

مُحِيْطًا ﴿١٢٦﴾

○ ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے

کم ہو گا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ (النساء : ۴۱)

یہ آیت اس سے پہلے النساء : ۴۸ میں بھی گزر چکی ہے، یہاں اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ذکر فرمایا ہے،

کیونکہ قرآن مجید میں عموماً وعدہ اور عموماً وعید کا بار بار ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلی آیات میں زرہ چوری کرنے والے

عقوب کے متعلق آیات وعید ذکر فرمائی تھیں، اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ شرک نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ (شرک) اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ صرف سرکش شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ (النساء : ۱۱۷)

مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو مونث فرمایا ہے کیونکہ یہ خود اپنے بتوں کو مونث کہتے تھے، ابوالک نے کہا کہ لاجہ منات اور عزی سب مونث ہیں، ابن زید نے کمالات، عزی، سیاف اور نائلہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے وہ مونث ہیں، ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اور بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنے بتوں کا نام مونث رکھتے، اس لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۳۷۸-۳۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں، یہ ظاہر یہ حصر پہلے حصر کے مخالف ہے کیونکہ پہلے فرمایا تھا یہ صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ دوسرا حصر اس لیے فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کا حکم ان کو شیطان ہی دیتا تھا، اور یہ اس کی اطاعت میں بتوں کی عبادت کرتے تھے، گویا پہلا حصر حقیقت پر محمول ہے اور دوسرا مجاز پر، دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے حصر میں عبادت، معنی اطاعت ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے، امام ابن ابی حاتم نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان تھا، اور مقاتل سے مروی ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے، کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں جو شیطان کا قول مذکور ہے وہ ابلیس ہی کا قول ہے اور مرید کا معنی ہے جو بہت زیادہ نافرمانی کرتا ہو اور اطاعت سے مکمل خارج ہو، نادر اور متمرّد کا بھی یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے اس پر لعنت کی، اور (شیطان نے) کہا میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء : ۱۱۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان لعنہ اللہ نے کہا میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک مقدار معین کو اپنالوں گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو شیطان کے وسوسوں کو قبول کریں گے، اور اس کی اتباع کریں گے، اس آیت سے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے متبعین کم لوگ ہوں گے کیونکہ ”من“ تبعیض کے لیے آتا ہے حالانکہ شیطان کے متبعین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بہت کم ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (النساء : ۸۳)

(سب) شیطان کی پیروی کر لیتے سوا قلیل لوگوں کے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے شیطان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا :

قَالَ أَرَأَيْتَ يَتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْت عَلَىٰ لَيْلٍ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا حَتِيفَ لَكَ دُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا (بنو اسرائیل : ۶۲)

اور (شیطان نے) کہا بھلا دیکھو تو! جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے، اگر تو مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے تو میں اس (آدم) کی اولاد کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دوں گا سوا قلیل لوگوں کے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قلیل انسانوں کے سوا سب شیطان کے پیروکار ہیں، اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیروکار بعض ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ لاتعداد فرشتے اللہ کے عباد مخلصین ہیں اور ان کے اعتبار سے

شیطان کے متبعین بعض ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (شیطان نے کہا) اور مجھے قسم ہے میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا، اور میں ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا، اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا کہ وہ ضرور مویشیوں کے کلن چیر ڈالیں گے، اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ (النساء : ۱۱۹)

شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چار دعاوی ذکر کیے ہیں، پہلا دعویٰ اس نے یہ کیا تھا کہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے ہٹا دے گا، اور دوسروں نے کہا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے گا، اور یہی صحیح ہے۔

جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی

شیطان کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ میں ضرور لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا، اس کی تفسیر میں چار قول ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں کے دلوں میں یہ آرزو ہوگی کہ نہ جنت ہو نہ دوزخ، اور نہ حشر و نشر ہو، دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں توبہ اور استغفار میں تاخیر کرنے اور اس کے ٹالنے کو ڈالتا رہے گا، یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں یہ آرزو ڈالے گا کہ آخرت میں ہمیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے، ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیر اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے مجھے مقام و جاہت عطا کیا تو میں فلاں کو بخشوا لوں گا، اور جب میں محشر میں اٹھوں گا تو شور مچ جائے گا دیکھو فلاں شخص آگیا ہے، ہم اس قسم کے اقوال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہماری تو آرزو یہ ہے کہ اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے دے اور یہ اس کا ہم پر بہت بڑا کرم ہے، جنت اور اس کی نعمتوں کے ہم کب لائق ہیں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو ان کے لیے مزین کر دے گا۔

مویشیوں کے کلن چیرنے کا معنی

شیطان کا تیسرا دعویٰ یہ تھا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کلن چیر ڈالیں گے۔ قتادہ، عکرمہ، اور سدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کلن چیرنے کا حکم دے گا، بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور پانچواں بچہ نہ ہو، تو وہ اونٹنی کے کلن چیر دیتے اور اس سے نفع اٹھانا بند کر دیتے، وہ اونٹنی جس جگہ سے چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا، اور نہ کوئی شخص اس پر سوار ہوتا تھا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔ (زاوالمسیر ج ۲ ص ۱۱۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لیے منع کیا جاتا تھا، اور کوئی

شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۵۲۲)

تغییر خلق اللہ کا معنی

شیطان کا چوتھا دعویٰ یہ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔
تغییر خلق اللہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کرنے کی بھی پانچ صورتیں ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حسن بصری کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے ہاتھ پیروں پر نقش و نگار گودواتی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

ملقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم پر گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتا ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں، ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کیوں لعنت کرتے ہیں؟ کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی :
وما اتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ لے لو، اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس عورت پر لعنت کی جو ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملائی ہے اور جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی پر اور گودوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹۳۰، ۵۹۳۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۱۲۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۹۱، سنن نسائی : ۵۱۱۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۸۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۷۳۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۲۶، مسند حمیدی، رقم الحدیث : ۶۰۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث : ۲۱۳۹، ۲۱۳۳، ۲۱۳۴)
جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں، عورتوں کی طرح چوٹی کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے ہیں یہ سب اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کر رہے ہیں، سفید بالوں کو عنابی، زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت اور مطلوب اور مستحب ہے۔

اس سلسلہ میں دو سراقول حضرت ابن عباس اور حضرت ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، نفعی، ضحاک، ابن زید اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے، ان کے نزدیک تغیر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے دین کو بدلنا اور اس میں تغیر کرنا، حرام کو حلال، اور حلال کو حرام کہنا۔

تیسرا قول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ کا ہے ان کے نزدیک کسی انسان کا خصی ہونا اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے۔

چوتھا قول ابو شیبہ کا ہے کہ تغیر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے امر میں تغیر کرنا۔

پانچواں قول زجاج کا ہے کہ تغیر خلق اللہ کا معنی ہے سورج، چاند اور پتھروں کی عبادت کرنا، کیونکہ سورج، چاند اور

پھر ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے بنایا تھا اور مشرکوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔
شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ ہوں گے؟

ایک سوال یہ ہے کہ شیطان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اکثر انسانوں کو شکر گزار نہیں پائے گا (الاعراف : ۱۷) اور کہا میں قلیل لوگوں کے سوا آدم کی تمام ذریت کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا (بنو اسرائیل : ۶۲) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ابلیس کا گمان تھا جو واقع کے مطابق ثابت ہوا، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا : میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا (ص : ۸۵) تو شیطان نے جان لیا کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی، تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش ہو گئی تو اس نے جان لیا کہ ان کی اولاد کو بہکانا تو زیادہ آسان ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ کیا تو اس کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا۔ (البقرہ : ۳۰) تو اس نے جان لیا کہ اکثر انسان اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ شیطان نے جو کہا تھا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو ضرور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا، چھٹا جواب یہ ہے کہ جب اس نے جنت اور دوزخ کو دیکھا تو جان لیا کہ دوزخ میں رہنے کے لیے بھی ایک مخلوق بنائی جائے گی اس لیے اس نے کہا تھا : میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء : ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا ہے اور شیطان نے جو وعدے کیے ہیں وہ صرف دھوکا ہیں۔ (النساء : ۱۲۰)

شیطان کے کیے ہوئے وعدہ کے غرور ہونے کا بیان

غرور (دھوکا) کا معنی ہے، انسان کسی چیز کو لذیذ اور نافع گمان کرے اور وہ درحقیقت اس کے لیے بہت مضر اور تکلیف دہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ اس کی عمر لمبی ہوگی، اور دنیا میں اس کا مطلوب اور مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کرے گا، کیونکہ بعض اوقات اس کی عمر لمبی نہیں ہوتی، اور بعض دفعہ اس کی عمر لمبی ہوتی ہے لیکن اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور کبھی اس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن اچانک اس کو کوئی سخت بیماری آ لیتی ہے اور وہ اپنے مقصود سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا، اور یا اچانک وہ مرجاتا ہے، اور کبھی شیطان اس کے دل میں یہ آرزوئیں ڈالتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے نہ قیامت آنی ہے نہ حساب ہو گا نہ جنت اور دوزخ ہوگی اس لیے وہ انسان کو دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت میں منہمک کر دیتا ہے اور جب قیامت آتی ہے تو وہ ایمان اور نیک اعمال سے تہی دامن ہوتا ہے اور کبھی شیطان انسان سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے راستوں پر چلتا رہے وہ اس کو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچالے گا اور جب آخرت میں جزاء اور سزاء کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا : ”اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ حق تھا“ اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا“ اور میرا تم پر اس کے سوا اور کوئی زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو، تم نے اس سے پہلے جو مجھے (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں نے اس سے انکار کیا۔ بے شک ظالموں ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ اس سے نکلنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔ (النساء : ۳۱)
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا اس آیت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے۔ (النساء : ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے کہ وعید کے بعد وعدہ کا ذکر فرماتا ہے اور کافروں کے بعد مومنوں کا اور بدکاروں کے بعد نیکو کاروں کا اور شیطان کے جھوٹے وعدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے وعدہ کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار۔ (النساء : ۱۲۳)
اس آیت کے سبب نزول میں تین قول ہیں :

(۱) قولہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کیا، اہل کتاب نے کہا ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی، لہذا ہم کو تم پر فضیلت ہے، مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتابوں کی ناسخ ہے اس لیے ہم افضل ہیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جائع البیان ج ۴ ص ۳۹۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت)
(۲) مجاہد نے کہا یہ آیت قریش مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا تھا ہم مرکز دوبارہ انھیں گے نہ حساب و کتاب ہو گا، نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا، امام ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ (جائع البیان ج ۵ ص ۳۹۲)

(۳) مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ قول ہے : یہود نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا، اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو صرف چند دن ہو گا، اور نصاریٰ نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا اور مشرکین عرب نے کہا : ہم مرکز دوبارہ انھیں گے نہ ہمیں عذاب ہو گا تو یہ آیت نازل ہوئی : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر۔ (الآیہ جائع البیان ج ۵ ص ۳۹۲)
برگنہ پر سزا ہونے کے اشکل کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور برا کام عام ہے خواہ صغیرہ گناہ ہو یا بڑا۔

اس آیت میں دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے گناہوں کے متعلق ہے۔ اس تقدیر پر یہ اشکل ہے کہ اگر ہر گناہ کی سزا ہو تو پھر مسلمانوں کی نجات بہت مشکل ہوگی اس اشکل کے حسب ذیل جوابات ہیں :
پہلا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔
امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت من یعمل سوءا یجز بہ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت مت دشوار ہوئی، اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا ایک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو، مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کے کوئی کٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی اس کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث : ۷۳۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۷۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! اس آیت کے بعد کس طرح بہتری ہو گی؟ آپ نے پوچھا : کون سی آیت کے بعد عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہو گا نہ اہل کتاب کی خواہشوں کے مطابق ہو گا جو بھی برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی؟ فرمایا تمہاری برائیوں کی یہی سزا ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث : ۷۳۹۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ (مسند احمد ج ۹ رقم الحدیث : ۲۳۶۵۹، ۲۳۶۵۵)

دوسرا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی وجہ سے بھی برے کام مٹا دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا۔
اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہے دن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔ (النساء : ۳۱)

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ہود : ۱۱۳) بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

وضو کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں ایک نماز جمعہ سے دوسری نماز جمعہ کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک پچھلے اور ایک اگلے سال کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور حج کرنے سے ساری عمر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوریٰ : ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو انبیاء علیہم السلام، ملائکہ، اولیاء کرام، علماء، شہداء اور نیک اولاد کی شفاعت کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو اپنے فضل محض سے بھی معاف فرمائے گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یَغْفِرْ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبْ مَن يَشَاءُ وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

صفوان بن محرز مازنی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے

جا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے نبی (سرگوشی کرنا) کی کیا تفسیر سنی انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے : اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اس کے اوپر (رحمت کا) پردہ رکھ دے گا اور اس کو چھپالے گا اور فرمائے گا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے ہاں! اے میرے رب! حتیٰ کہ اللہ اس شخص سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور وہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اب ہلاک ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا اور آج میں تجھے بخش دوں گا پھر اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور رہے کافر اور منافق تو اللہ لوگوں کے سامنے فرمائے گا ان لوگوں نے اپنے رب کی تکذیب کی، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۳۳۱، ۳۶۸۵، ۶۰۷۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۷۶۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۳، مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث : ۱۲۶۰۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد مومنوں کے متعلق الگ آیت نازل فرمائی ہے : اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، نیز جب کفار کو ان کے ہر برے کام کی سزا دی جائے گی تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار فروع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۱۲۴) گناہ گاروں کے لیے نوید مغفرت

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا ملے گی تو اہل کتاب نے کہا ہم میں اور تم میں کیا فرق رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جن مسلمانوں نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیے ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا، اور یہ اس وقت ہو گا جب ان کے گناہ اور برے کام معاف کر دیئے جائیں، اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا اور نیک کاموں کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے، نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا جس نے ایمان کے ساتھ تمام اعمال نیک کیے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور چند مخصوص بندگان خدا کے سوا اور کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کا کیا ہوا ہر عمل نیک ہو اور اس سے کوئی برا کام نہ ہوا ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے حالت ایمان میں تمام نیک عمل کیے ہوں بلکہ فرمایا جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے ہم عام لوگوں کے لیے یہ نوید اور بشارت ہے جن کے بعض عمل نیک ہیں اور ان سے گناہ اور خطائیں بھی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے کرم اور فضل سے جنت میں داخل کر دے گا، اور یہ آیت معتزلہ اور خوارج کے خلاف بہت قوی دلیل ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، اور توبہ کے بعد یا بلا توبہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس سے اچھا دین کس کا ہو گا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا در آں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ملت ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے۔ (النساء : ۱۲۵)

دین اسلام کے برحق اور واجب القبول ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے واجب القبول اور برحق ہونے پر دو دلیلیں قائم فرمائی ہیں اول یہ ہے کہ دین اسلام ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہے اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سے سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہو گا جب اس کے رسولوں، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں اور اس کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اس کے ارشادات پر سر تسلیم خم کر لیا جائے اور اللہ کے آگے سر جھکانا اسی وقت صحیح ہو گا جب غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا جائے سو مشرک اور بت پرست جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں، اسی طرح یہودی اور عیسائی، حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی کو اپنا حاجت روا مانتے ہیں۔ اللہ کے آگے سر جھکانے والے نہیں ہیں، لہذا اللہ کے آگے اپنا منہ جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں اور یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہے، پھر فرمایا در آل حایکہ وہ نیکی کرنے والا ہے، یہ لفظ اپنے اختصار کے ساتھ تمام نیک اعمال کو بجالانے اور تمام برے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے، تو یہ صرف دین اسلام ہی ہے جو تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے تو اس سے اچھا اور کون سا دین ہو گا سو اسی دین کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت معزز اور مکرم تھے اور ان کی شخصیت سب کے نزدیک مسلم اور واجب القبول تھی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کی شریعت کے احکام صرف دین اسلام میں ہیں، ختنہ کرنا، ڈاڑھی برہانا، مونچھیں کم کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، ناک میں پانی ڈالنا، غرارہ کرنا، اور دیگر طہارت کے احکام یہ صرف دین اسلام میں ہیں، دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا، حج میں احرام باندھنا، صفا اور مروہ میں سعی کرنا، منیٰ میں جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنا، کعبہ کا طواف کرنا یہ تمام امور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں اور صرف دین اسلام میں بہ طور عبادت کے داخل ہیں تو پھر اسلام سے اچھا اور کون سا دین ہو گا لہذا اسی دین کو قبول کرنا سب پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل (اپنا مخلص دوست) بنا لیا۔ (النساء : ۱۳۵)

خلیل کا معنی اور حضرت ابراہیم کے خلیل اللہ ہونے کی وجوہات

اس آیت کے پہلے جزم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا تھا، اور اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اس لیے ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۵۲ھ لکھتے ہیں :

خلیل کا لفظ غلی سے بنا ہے، غلی کا معنی ہے کسی چیز کو دو چیزوں میں درمیان رکھنا، غلہ (بالکسر) کے معنی ہیں تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار اس کے درمیان ہوتی ہے۔ غلہ (بالفتح) کا معنی اختلال اور پریشانی ہے اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے اور غلہ (بالضم) کے معنی ہیں محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ کے محتاج تھے یا اس لیے

خلیل فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ سے بہت محبت کرتا تھا، حضرت ابراہیم کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی ہے اللہ کی رضا کے لیے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حل میں اس سے راضی رہنا، اور اللہ کی آپ سے محبت کا معنی ہے آپ پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا اور آخرت میں آپ کی ثناء جمیل کرنا۔

(المفردات ص ۱۵۶-۱۵۵، مطبوعہ المکتبۃ الرضویہ ایران)

انسان کا خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت انسان کے قلب کے خلال (درمیان) میں سرایت کر جائے، اور یہ انتہائی درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت (نشانوں) پر مطلع فرمادیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج کی الوہیت کو ساقط الاعتبار قرار دیا اور بتوں کی عبادت کرنے کو مسترد کر دیا اور بت پرستوں کے بڑے بت کے سوا تمام بت توڑ ڈالے اور فرمایا اس بڑے بت سے پوچھو کہ ان پھولے بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ اور قوم سے فرمایا کہ افسوس تم ان کی عبادت کرتے ہو جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے، اور قوم نے اس کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا، اور انہوں نے اللہ کے لیے خود کو آگ میں ڈلوانا قبول کیا، اپنے بیٹے کو قربان کیا اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کیا، اس طرح اللہ کے لیے انہوں نے اپنی جان، اپنے بیٹے اور اپنے مال کی قربانی دی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا، اور ان کی اولاد میں ملک اور نبوت کو رکھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اخلاق اور اوصاف سے کامل درجہ کے متخلق اور متصف تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گزار اور بہت متواضع تھے، قرآن مجید میں ہے : اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ : ۱۳۱) ”جب ابراہیم سے ان کے رب نے کہا اسلام لاؤ“ (اطاعت کرو) تو انہوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ ”لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فطرت بہت پاکیزہ تھی وہ جسمانی علائق اور ان کے تقاضوں سے مبرا تھے، اور ان پر روحانیت کا غلبہ تھا ان کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا نور جلال اور اس کا خاص فیضان ان کے تمام اعضاء اور قوی میں جذب ہو گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اے اللہ میرے دل میں نور کر دے میری آنکھوں میں نور کر دے، اور میرے کانوں میں نور کر دے، اور میرے دائیں نور کر دے، اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے سرپا نور کر دے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۳۱۶) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام اعضاء اور قوی میں نور جذب ہو گیا تھا اور ان کی بشریت صیقل اور مجلیٰ اور مصفیٰ ہو گئی تھی، سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا۔

حضرت ابراہیم کا خلیل اللہ اور آپ کا حبیب اللہ ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور حبیب کا مرتبہ خلیل سے زیادہ ہے، امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب بیٹھے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، آپ تشریف لائے، ان کے قریب پہنچے وہ بیٹھے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر رہے تھے، ان میں سے بعض

نے کہا کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اللہ نے اپنا کلیم بنایا، ایک اور نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں، اور دوسرے نے کہا آدم کو اللہ نے صفی بنایا، نبی ﷺ ان کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا، بے شک ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، اور موسیٰ اللہ کے نبی ہیں (جن سے اللہ نے سرگوشی میں بات کی) اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم اللہ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں، سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جہنذا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے، اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھاؤں گا، اللہ میرے لیے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۶۳۶)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور موسیٰ کو نبی بنایا اور مجھے حبیب بنایا پھر اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نبی پر فضیلت دوں گا۔ (شعب الایمان، رقم الحدیث : ۱۳۹۴)

حضرت ابراہیم اور سیدنا محمد علیہما السلام کے مقام خلعت کا فرق

ان دونوں حدیثوں کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ترمذی کی سند میں زمعہ بن صالح جندی اور بیہقی کی سند میں مسلمہ بن علی کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو بھی خلیل ہونے کا مقام حاصل ہے۔ آپ کا مرتبہ اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے بہت بلند ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھائیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو آسمان و زمین کے علاوہ خود اپنی ذات کا بے حجاب دیدار کرایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی صفات سے متصف تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مظہر تھے، قرآن مجید آپ کا خلق تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مغفرت کی دعا کی: اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطا معاف فرمائے گا (الشعراء : ۸۲) اور بغیر دعا اور طلب کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی بہ ظاہر خطاؤں کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔ (الفح : ۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی مجھے حشر کے دن شرمندہ نہ کرنا (الشعراء : ۸۷) اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے بغیر دعا اور طلب کے فرمایا : حشر کے دن اللہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔ (التحریم : ۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھنا (الشعراء : ۸۴) اور نبی ﷺ سے از خود فرمایا اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا (الانشراح : ۴) یہ سب خلیل ہونے کے آثار ہیں اور نبی ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور حبیب ہونے کے آثار کا کون احاطہ کر سکتا ہے، آپ تمام انبیاء اور رسل کے قائد ہیں۔ رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے، آپ کا حکم، اللہ کا حکم ہے،

آپ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ حشر کے دن آپ کی عزت دیکھنے والی ہوگی جب تمام نبیوں اور رسولوں کو اس کی حاجت ہوگی، جب آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے اور آپ اس وقت اللہ سے گنہ گاروں کی صفات کریں گے جب شمول نبیوں اور رسولوں کے کسی کو اللہ سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔ (النساء: ۱۲۶)

اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا ہے، اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اس لیے خلیل نہیں بنایا کہ اس کو کسی خلیل کی حاجت تھی جس طرح دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں، اور اللہ کو کیا ضرورت ہوگی کہ وہ کسی کو دوست بنائے جب کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے، نیز اس پوری سورت میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا علم کامل ہو اور کسی شخص کا کوئی کام اس کے علم سے مخفی نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مکمل قدرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے اور کمال علم کو بیان کرنے کے لیے فرمایا اللہ ہر چیز کو محیط ہے سو جب وہی علم اور قدرت میں کامل ہے تو اس کے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۚ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا

اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم

يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتْلَىٰ النِّسَاءِ الَّتِي لَا تَوْتُوهُنَّ

دیتا ہے اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جاتے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ ۚ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ ۚ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے متعلق

مِنَ الْوُلْدِ ۚ إِنْ ۖ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا

(بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو، اور تم جو بھی

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾ وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ

کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے ○ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی

مِنْ بَعْضِهَا نَشُوْنًا أَوْ اعْرَاضًا فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِنَّ أَنْ يُصْلِحَا

یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کریں

بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ

اور صلح کرنا بہتر ہے ، اور دلوں میں مال کی حرص رکھی گئی ہے ،

وَإِنْ تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ تَعْتَقُونَ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾

اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تو بیشک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو سو (جسے

تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَنَارُواهَا كَالْمَعْلَقَةِ ط وَإِنْ تَصْلَحُوا

تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں ٹکی ہوئی ہو ، اور اگر تم

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا

اصلاح کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ

يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ط وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾

ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کرے گا اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے ○

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو حکم

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ ط

دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو -

وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ،

وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي

اور اللہ بے نیاز ہے حمد و ثنا کیا ہوا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور

الْأَرْضِ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٣٢﴾ إِنَّ يُشَاقِدُكُمُ آيُهَا

زمینوں میں ہے ، اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا ○ اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فاکر

النَّاسِ وَيَأْتِ بِالْآخِرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿١٣٣﴾

دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے ، اور اللہ اس پر قادر ہے ○

مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے ،

وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿١٣٤﴾

اور اللہ سننے والا ، دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں ، آپ کہتے کہ اللہ تمہیں

عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ (النساء : ۱۳۷)

وراثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے ، پھر ان احکام کے عمل پر اجر و

ثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے ، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے علم اور

قدرت کی بیانی بیان فرماتا ہے تاکہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اس کے علم سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اس کی قدرت

سے خارج نہیں ، پھر اس کے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرماتا ہے اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مسلسل ایک ہی

قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتا جاتا ہے اس لیے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ ، غفلت اور بے توجہی سے

دور رکھنے اور اس کے ذہن کو بیدار ، اس کے ذوق و شوق کو تازہ اور اس کی توجہ کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلام

میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا جائے ، اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم

بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا ، پھر اس کے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے وعد اور وعید ، ترغیب اور ترہیب

اور اپنی عظمت اور کبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں اس کے بعد اب پھر عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرما رہا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتی ہیں : کسی شخص کی سرپرستی میں یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا وارث ہوتا تھا وہ لڑکی اس کو اپنے مال میں حتیٰ کہ کھجور کے خوشوں میں شریک کر لیتی وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور اس کو ناپسند کرتا کہ اور کوئی شخص اس لڑکی سے نکاح کرے اور اس لڑکی کے اس مال میں شریک ہو جائے جس میں وہ (سرپرست) شریک ہو چکا ہے اس لیے وہ اس کو دوسری جگہ نکاح سے منع کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۶۰۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۰۱۸، السنن الکبریٰ للنسائی، رقم الحدیث : ۱۱۳۳)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں : زمانہ جاہلیت میں صرف بالغ مرد وارث ہوتا تھا، نابالغ بچہ وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ عورت وارث ہوتی تھی، جب سورہ نساء کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کے حقوق کے متعلق آیات نازل فرمائیں، تو یہ مسلمانوں پر شاق گزریں انہوں نے کہا جو یتیم بچہ مال کما سکتا ہے نہ مال کی حفاظت کر سکتا ہے، اور عورت بھی مال کما سکتی ہے نہ اس کی حفاظت کر سکتی ہے، یہ دونوں کیسے مال کے وارث بنائے جائیں گے! ان کو یہ امید تھی کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو جائے گا اور ان کے متعلق کوئی اور حکم نازل ہو جائے گا، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اور کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا لگتا ہے یہ حکم واجب ہے اور اس پر عمل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں، پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ الائیہ۔

سعید بن جبیر نے کہا اگر عورت خوب صورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کر لیتا اور جب وہ خوب صورت نہ ہوتی تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اس کا نکاح نہ کرتا بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا کہ کہیں کوئی اور شخص اس کے مال کا وارث نہ بن جائے۔ بعض روایات میں ہے وہ اس کو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۴۰۵-۴۰۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فتویٰ کا معنی اور اس کے تقاضے اور مسائل

اس آیت میں استفتاء اور افتاء کا لفظ استعمال ہوا ہے، استفتاء کا معنی ہے فتویٰ معلوم کرنا، اور افتاء کا معنی ہے فتویٰ دینا، فتویٰ کا لفظ فتی سے ماخوذ ہے، فتی کا معنی ہے جوان آدمی، اور جوان آدمی قوی ہوتا ہے اس لیے فتویٰ کا معنی ہے قوی حکم۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ معلوم کیا اور فتویٰ اللہ تعالیٰ نے دیا۔ سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو مفتی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے افعال کے اطلاق سے مشتقات کا اطلاق لازم نہیں آتا مثلاً علم کا اطلاق معلم کے اطلاق کو مستلزم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سماع شرع

پر موقوف ہیں جن اسماء صفات کا قرآن مجید اور احادیث میں اطلاق آگیا ہے ان ہی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا جائز ہے۔ از خود اللہ تعالیٰ پر کسی اسم صفت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اسم ذات کا اطلاق کرنا جائز ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو خدا کہہ سکتے ہیں۔

فتویٰ میں جب کسی سوال کا جواب ذکر کیا جائے تو اگر اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت مل جائے تو پہلے اس کو ذکر کیا جائے۔ پھر حدیث شریف کو ذکر کیا جائے اور اس کے بعد آثار صحابہ اور اپنے امام کا قول ذکر کیا جائے ہمارے زمانہ میں مفتی حضرات بعض اردو یا عربی کی فقہ کی کتابوں کی عبارات کو نقل کر دیتا فتویٰ کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ یہ درحقیقت مفتی نہیں ہیں بلکہ ناقل مذہب ہیں اگر یہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرنے کے بعد امام کا قول ذکر کریں گے تو لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ ہمارے امام کا قول محض رائے اور قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآنی مجید اور احادیث صحیحہ پر مبنی ہے اور تب ہی یہ واضح ہو گا کہ یہ قوی جواب ہے اور صحیح معنی میں فتویٰ کا مصداق ہے۔

پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے رجوع کر کے فتویٰ لینا اور اس مسئلہ کا حل معلوم کرنا قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور صحابہ و تابعین کے تعامل سے ثابت ہے، قرآن مجید میں ہے :

فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

سو اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو۔

(النحل : ۴۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی میں نے (حضرت) مقداد سے کہا کہ نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کریں (آیا اس میں وضوء کافی ہے یا غسل ضروری ہے) انہوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضوء (کافی) ہے۔ (صحیح البخاری : ج ۱، رقم الحدیث : ۱۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام المومنین صفیہ بنت حبیبہ رضی اللہ عنہا کی زوجہ کو حیض آگیا انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو یہاں ٹھہرانے والی ہیں؟ صحابہ نے کہا وہ طواف زیارت کر چکی ہیں، آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں۔ (صحیح البخاری : ج ۲، رقم الحدیث : ۱۷۵۷)

طواف زیارت حج میں فرض ہے اور مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے روانہ ہونے لگے اور آپ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ان کو حیض آگیا ہے تو آپ نے خیال فرمایا شاید انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا جو حج میں فرض ہے اس لیے آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو مکہ میں روکنے والی ہیں؟ پھر آپ کو بتایا گیا کہ انہوں نے طواف زیارت کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا پھر روانہ ہونے میں کوئی حرج نہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طواف زیارت کرنے کے بعد کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر طواف وداع کرنا واجب نہیں ہے اور وہ مکہ سے روانہ ہو سکتی ہے، حضرت ابن عباس اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور حضرت زید بن ثابت کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی وہ یہ کہتے تھے کہ اگر طواف زیارت کے بعد کسی عورت کو حیض آگیا تو وہ مکہ سے روانہ نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طواف وداع نہ کرے لیکن جب ان کو یہ حدیث پہنچ گئی تو انہوں نے رجوع کر لیا، اسی طرح حضرت ابن عمر نے بھی بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک عورت طواف زیارت کرے پھر اس کو حیض آجائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ روانہ ہو جائے، اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے اور حضرت زید کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو اس حدیث کی تحقیق کر لینا، وہ مدینہ گئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی، انہوں نے حضرت ام سلیم سے سوال کیا، حضرت ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث کو بیان کیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۷۵۸)

امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جس عورت کو حیض آجائے وہ طواف وداع سے پہلے روانہ ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا : فلاں انصاریہ سے پوچھیں کیا رسول اللہ ﷺ نے اس کو روانہ ہونے کا حکم دیا تھا، حضرت زید بن ثابت نے اس عورت سے پوچھا اور اپنے قول سے رجوع کر لیا، اور ہنستے ہوئے فرمایا جس طرح آپ نے مسئلہ بیان کیا تھا حدیث اسی طرح ہے۔ (سنن کبریٰ للنسائی : ج ۲، رقم الحدیث : ۴۲۰۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ پہلے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سنا تھا کہ وہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ طواف وداع کیے بغیر حائضہ عورت روانہ نہ ہو، پھر بعد میں میں نے یہ سنا کہ وہ فتویٰ دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو روانہ ہونے کی اجازت دی تھی۔ (صحیح البخاری : ج ۲، رقم الحدیث : ۱۷۶۱)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ تابعین، صحابہ کرام سے فتویٰ لیتے تھے، اور ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے، اور اس کا نام تقلید ہے اور جب کسی صحابی کا قول حدیث کے خلاف ہو تا تو وہ صحابی حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے اور ان کی تقلید کرنے والے تابعین کو جب معلوم ہوتا کہ یہ قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث کی تحقیق کرنے کے بعد حدیث پر عمل کرتے تھے، اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ جب کسی مقلد کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے امام کا قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث پر عمل کرے، بہ شریک وہ حدیث صحیح ہو اور کسی دلیل سے منسوخ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جارہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء : ۱۲۷)

یتیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان

اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے جس حق کا ذکر کیا گیا ہے اس حق کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی میراث ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا مہر ہے، اور اس آیت کے مخاطبین کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کے سرپرست ہیں وہ عورتوں کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے تھے اور ان عورتوں کو ان کا مہر نہیں دیتے تھے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یتیم لڑکی کا ولی ہے جب وہ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرتا تھا تو اس کے مہر میں انصاف نہیں کرتا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے حسن و جمال اور ان کے مل و دولت کی وجہ سے ان کے ساتھ کرنے میں رغبت رکھتے ہو، اور حسن نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ تم ان کی بد صورتی کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح میں رغبت نہیں رکھتے اور ان کے مل و دولت میں رغبت کی وجہ سے ان کو اپنے پاس روکے رکھتے ہو اور ان کو کہیں اور نکاح نہیں کرنے دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔ (النساء : ۱۳۷)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پہلے لوگ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو وارث نہیں بناتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ہر حصہ دار کا حصہ مقرر فرمادیا، اور یتیموں کے متعلق انصاف کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا مہر مقرر کرنے میں اور وراثت میں ان کا حصہ ادا کرنے میں انصاف سے کام لیا جائے۔

(زلا المیرج ۲ ص ۳۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق کے متعلق نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے وہی احکام ہیں جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے تھے اور یہی مسلمانوں کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی احکام کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ مسلمان ان آیات میں غور و فکر کریں اور ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء : ۱۳۸)

عورت کا اپنے بعض حقوق کو ساقط کر کے مرد سے صلح کر لینا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر عورت کو متعدد قرینوں سے معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر اس کی طرف رغبت نہیں کرتا، مثلاً وہ اس کے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرے، اس کی ضروریات کا خیال نہ رکھے، اس سے بات چیت کم کرے یا بالکل نہ کرے نہ اس کے ساتھ عمل زوجیت کرے خواہ اس کی وجہ اس کی بد صورتی ہو یا وہ زیادہ عمر کی ہو یا اس کے مزاج میں شوہر کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو یا وہ مالی اعتبار سے شوہر کے معیار کی نہ ہو یا جینز کم لائی ہو، اور اب عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کر دے گا، اور عورت یہ چاہتی ہو کہ نکاح کا بندھن قائم رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ساقط کر دے اور شوہر کو طلاق دینے سے منع کرے، مثلاً وہ اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دے، اور اگر اس کی دوسری بیوی ہو جس سے شوہر کو دلچسپی ہو تو اپنی باری ساقط کر دے، یا اس کا خرچ جو شوہر کے ذمہ ہے اس کو ساقط کر دے، اور اس طرح شوہر کے ساتھ صلح کر لے شوہر اپنی پسند کی بیوی کے ساتھ وقت گزارے گا اور وہ مطلقہ ہونے سے بچ جائے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ نبی ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے، تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں، مجھے نکاح میں برقرار رکھیں۔

اے اللہ یہ میری وہ تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں مالک نہیں ہوں، ظلم ترمذی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان محبت میں برابری رکھنے کا میں مالک نہیں ہوں۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۱۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۹۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۷۷۱)۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

قد وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے یا اللہ! میرے دل میں جو محبت ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں اور اس کے سوا باقی امور میں مجھے امید ہے کہ میں عدل کروں گا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۲۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو محبت اور جملع میں دو بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۲۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (جس سے تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو، اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو، اور اگر تم اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (النساء : ۳۹)

بیویوں میں عدل نہ کرنے والوں کی سزا

ہشام نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ محبت اور عمل تزویج میں کسی ایک بیوی کی طرف بالکل راغب نہ ہو، حسن نے کہا عمل تزویج اور باریوں میں کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ، مجاہد نے کہا دوسری بیوی کے ساتھ عداوت اور سلوک اور ظلم نہ کرو، سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ دوسری بیویوں کو نہ باری دو اور نہ ان کو خرچ دو۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو، ربیع نے کہا اس کا معنی ہے نہ وہ مطلقہ ہو اور نہ شوہر والی ہو، مجاہد نے کہا نہ وہ بیوہ ہو نہ شوہر والی ہو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۲۷-۳۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۳۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۲۱۳۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۹۵۳، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۷۷۱، مسند احمد : ج ۳، رقم الحدیث : ۷۹۳۱، ۷۹۳۲، ۸۵۶۱، ۱۰۰۹۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۳۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب خاوند اور بیوی کے مزاج ہم آہنگ نہ ہوں اور ان میں موافقت اور صلح مشکل ہو جائے تو پھر وہ الگ الگ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ مرد کو عورت سے غنی کر دے گا، اس کو پہلی بیوی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے گا اور عورت کو مرد سے غنی کر دے گا اس کو پہلے خاوند سے بہتر خاوند عطا فرمائے گا اور اللہ بہت فضل والا اور بڑے احسان والا ہے اور اس کے تمام تلوینی اور تشریحی کاموں میں بہت حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اور بے شک ہم

لوگوں کو حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو، اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، اور اللہ بے نیاز ہے اور حمد ثناء کیا ہوا اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا۔ (النساء : ۱۳۲-۱۳۱)

بندوں کی اطاعت اور ان کے شکر سے اللہ کے غنی ہونے کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیا تھا، اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے نہیں فرمایا تھا کہ اس میں اللہ کا کوئی فائدہ ہے یا اللہ کو اس کی کوئی احتیاج ہے، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ بندوں کو نیکی اور خیر پر برا لگیتے کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور ان میں حاکم ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق اور اس کی مملوک ہے، اور جس طرح ہم نے تم کو احکام دیئے ہیں اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ کو بھی احکام دیئے تھے اور ہم نے ان کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ اللہ سے ڈریں اور صرف تمنا اس کی عبادت کریں اور اس کی دی ہوئی شریعت پر عمل کریں۔ اسی طرح ہم نے تم کو بھی یہ حکم دیا ہے، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا کفر (انکار) کرو تو تمہارے کفر اور معصیت سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جس طرح تمہارے ایمان، اطاعت اور شکر سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ مالک الملک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، اس نے یہ احکام اپنی رحمت سے صرف تمہارے فائدے کے لیے دیئے ہیں اس کا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اور یہ اس کی وصیت قدیمہ ہے صرف تم اس وصیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہو اور ہم نے پچھلی امتوں سے بھی کہا تھا اور تم سے بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ان احسانات کو نہ مانو اور اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کا شکر نہ بجالاؤ تو تمام آسمان اور زمینیں اللہ کی ملک میں ہیں اور ان میں سارے فرشتے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ اپنی ہر مخلوق اور اس کی عبادت سے غنی ہے وہ اپنی بے پایاں نعمتوں اور احسانات کی وجہ سے بذاتہ حمد و ثناء کا مستحق ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

دوسری آیت میں پھر ذکر فرمایا اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے، یہ تاکید کے لیے ہے کہ زمین و آسمان میں وہ جس طرح چاہے تصرف فرماتا ہے، زندہ کرنا، مارنا، صحت دینا، بیمار کرنا، مالدار اور مفلس کرنا یہ سب اللہ ہی کے تصرف سے ہوتا ہے، وہی اپنی تمام مخلوق کا محافظ اور ان کا کفیل ہے اور یہ اس لیے بھی دوبارہ ذکر کیا کہ بندے اس سے ڈریں اور اس کی اطاعت کریں کیونکہ وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے اس کا مالک ہے اور ان کا حاکم ہے، ان کا محافظ ہے اور ان میں متصرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء : ۱۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتہ "عام تمہید فرمائی ہے کہ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو وہ تم کو فنا کر دے گا اور تمہارے بدلہ میں ایک دوسری قوم پیدا کر دے گا، کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور وہ جس چیز کو چاہے پیدا کرنے اور فنا کے گھاٹ اتارنے پر قادر ہے اس آیت میں اللہ نے ان مشرکین پر غضب کا اظہار فرمایا ہے جو

بی ملہیم کو ایذا پہنچاتے تھے اور آپ کی دعوت کو مسترد کرتے تھے اور اس میں اپنی قدرت کا ہرہ اور سلطنت علیہ کا اظہار فرمایا ہے اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں :

وَلَنْ تَنَالُوا يَسْتَبْدِلَ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ (محمد : ۳۸)

اور اگر تم نے (حق سے) روگردانی کی تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

وَمَا ذَاكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (ابراہیم : ۲۰-۱۹)

اور اگر (اللہ) چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (النساء : ۱۳۳)

صرف دنیاوی اجر طلب کرنے کی مذمت اور دنیا اور آخرت میں اجر طلب کرنے کی مدح

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعمال اور جہاد سے دنیاوی مال اور عز و جاہ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر و ثواب ہے، مثلاً جو مجاہد اپنے جہاد سے مال غنیمت کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کیا ہوا کہ وہ فقط خیس اور گھٹیا چیز کا ارادہ کر رہا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کی خیر اور اجر و ثواب کا ارادہ کرے، اسی طرح جو موزن، امام، خطیب، واعظ، مفتی، محدث اور فقیہ اپنی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات سے صرف دنیاوی وظائف اور نذرانوں کا ارادہ کرتے ہیں وہ عارضی اور فانی اجر کے طالب ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنی خدمات میں اجر اخروی کی نیت رکھیں اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہ قدر حاجت اور فراغت وظائف کو حاصل کریں اور ہمارے دور میں جو امراء اور حکمرانوں کا طبقہ ہے اور اسکولوں اور کالجوں میں ماسٹروں اور پروفیسروں کا جو شعبہ ہے اور یہ لوگ جو عوام کو انتظامی اور تعلیمی خدمات مہیا کرتے ہیں ان کے ہاں تو ان خدمات کے مقابلہ میں اجر آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پھر حیرت یہ ہے کہ یہ لوگ علماء پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگوں کے چندوں سے اپنا پیٹ پالتے ہیں جب کہ امراء، حکام اور پروفیسروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں وہ عوام سے ٹیکس وصول کر کے دی جاتی ہیں اور ہمارے زمانہ میں (اکتوبر ۱۹۹۶ء) ایک متوسط امام مسجد کی تنخواہ دو ہزار سے تین ہزار تک ہوتی ہے اور دینی مدرس کی تنخواہ دو ہزار سے چار ہزار تک ہوتی ہے اور اس منگائی کے دور میں جب کہ دودھ بیس روپے لیٹر، آٹا آٹھ روپے کلو، اور گوشت ۱۲۵ روپے کلو ہے اس آمدنی سے بہ مشکل ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں، اس کے مقابلہ میں ایک متوسط پروفیسر کی تنخواہ ۱۰ ہزار روپے ہوتی ہے، انتظامی افسروں، حکمرانوں، وزراء اور گورنروں کی تنخواہیں، ان کے الاؤنسر اور دیگر مراعات کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے، جب یہ لوگ غیر ملکی دوروں پر جاتے ہیں تو اپنے ساتھ چالیس، پچاس افراد کو لے جاتے ہیں اور ان کی شاہ خرچیاں لاکھوں سے متجاوز ہو کر کروڑوں تک پہنچتی ہیں اور ان کے یہ تمام اخراجات عوام سے وصول کیے ہوئے جبری ٹیکسوں سے پورے ہوتے ہیں، جب کہ علماء کی جو خدمات کی جاتی ہیں وہ ظلم اور جبر سے نہیں بلکہ خوشی اور اختیار کے ساتھ دیئے ہوئے چندوں اور نذرانوں سے ہوتی ہیں، پھر بھی ان لوگوں کی زبانیں علماء کو یہ طعنہ دینے سے نہیں ٹھکتیں کہ یہ چندوں سے پلنے والے لوگ ہیں، جب کہ علماء اپنی خدمات پر اجر اخروی کے طالب ہوتے ہیں اور دنیا سے صرف بہ قدر ضرورت لیتے ہیں اور یہ امراء، حکام، وزراء اور گورنر ملکی اور ملی خدمات کا جو معروضہ لیتے ہیں اس میں ان کے ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے ان کے پیش نظر صرف

عالم کی ذمہ داری اور عیاشی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیات میں بھی اس طرز عمل کی مذمت کی ہے اور ان کی معذرت فرمائی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے طالب ہیں :

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ : ۲۰۰)

پھر لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ (الشوری : ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی زیادہ کریں گے، اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کو اس میں سے دیں گے، اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَنْ مَوْماً مَذْهُوراً ۖ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُوراً ۖ كَلَّا ثَمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوراً ۖ انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلِلْآخِرَةِ الْكِبَرُ كَرَجَاتٍ ۖ وَآكِبَرُ تَفْضِيلًا ۖ (الاسراء : ۲۱-۱۸)

جو لوگ صرف دنیا کے خواہش مند ہیں ہم ان میں سے جس کو جتنا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں، پھر ہم نے اس کے لیے دوزخ بنادی ہے وہ اس میں ذلت سے اور دھتکارا ہوا داخل ہو گا ۝ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے عمل کرے بہ شریک وہ مومن ہو تو اس کا عمل مقبول ہو گا ۝ ہم سب کی مدد فرماتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ اور آپ کے رب کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ہے ۝ دیکھیے ہم نے کس طرح ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یقیناً آخرت کا درجہ بہت بڑا ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ

اے ایمان والو ! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے

لِللّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنَّ

والے بن جاؤ، خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے، (فریق معاملہ)

يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَاقِرًا فَإِنَّهُ أُولَىٰ بِيَهُمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ

غراہ امیر ہو یا غریب، اللہ ان کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے لہذا تم خواہش کی پیروی کر کے مل

أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَأِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا

سے روگردانی نہ کرو، اگر تم نے گواہی میں ہیر پیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر

تَعْمَلُونَ خَيْرًا ۝۱۳۵ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

رکھنے والا ہے ۝ اے ایمان والو! (دائم) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس

رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُولِهِ وَالْكِتٰبِ

کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی، اور اس کتاب پر

الَّذِيْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖٓ وَ

جو پہلے نازل فرمائی - اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں،

كُتُبِهٖٓ وَرُسُلِهٖٓ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۝۱۳۶

اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت کے ساتھ کفر کرتا ہے تو بیشک گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت دور جا پڑا ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ اٰمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ اٰزَدُوْا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ

كُفْرًا لَّمْ يَكُنْ اللّٰهُ لِيَغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۝۱۳۷ بَشِيْرٌ

کئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشنے گا اور نہ کہی انھیں راہ راست پر چلائے گا ۝ منافقین کو

السُّفٰٓقِيْنَ ۚ يٰۤاِنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

خوش خبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْتَتُوْنَ عَنْهُمْ

دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝۱۳۹ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

ہیں بیشک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے ۝ اور بیشک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم

الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا

دار کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِكُمْ إِنَّكُمْ

تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (اور نہ) بلاشبہ تم بھی ان

إِذَا امْتَلَأْتُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ

کی مثل قرار دیے جاؤ گے، بیشک اللہ تمام منافقوں اور سب کافروں کو دوزخ میں جمع کرنے

جَمِيعًا ۱۳۱) الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْنَةٌ مِّنْ

والا ہے ۰ یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتنہ نصیب ہو

اللَّهُ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ ۚ

تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو

قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ عَلَيْكُمْ وَنَنْتَعِمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ

کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا؟ (تو اے منافق)

يُحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز سرگز

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۱۳۲)

کوئی سبیل نہیں بنائے گا ۰

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے مل باپ اور قرابت داروں کے (النساء : ۱۳۵)

ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور عورتوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ اگر انہیں اپنے شوہروں سے بے رغبتی اور علیحدگی کا خطرہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق ترک کر کے صلح کر لیں اور

شوہروں کو حکم دیا تھا کہ وہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کریں، فرض یہ کہ اس پورے رکوع میں مابقی اور باقی معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں عمومی طور پر عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں حقوق العباد کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ کے لیے کوئی دینے کا حکم فرما کر حقوق اللہ کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل پہلی آیت میں محض دنیا کو طلب کرنے کی مذمت کی تھی اور دنیا اور آخرت دونوں کو طلب کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس آیت میں بھی اسی نچ پر فرمایا ہے کہ تم اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے گواہی دو، خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہر عمل اللہ کے لیے ہو حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون، ہر قول اور ہر فعل اللہ کے لیے ہو، اور یہی انسانیت کی معراج ہے، ورنہ محض پیٹ بھرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے کھالینا اور جس سے چاہے قضاء شہوت کر لینا ہی مقصود ہو تو پھر انسان میں اور جانوروں اور درندوں میں کیا فرق رہے گا اپنے خلاف گواہی دینے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل اور انصاف کو قائم کرنے میں اور جو رد ظلم سے احتراز کرنے میں بہت مضبوطی اور بہت مستعدی سے قائم رہیں، خواہ یہ شہادت خود ان کے اپنے خلاف ہو یا ان کے آباء کے خلاف ہو یا ان کے قرابت داروں کے، اپنے خلاف شہادت دینے کی دو تفسیریں ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف کسی کے حق کا اقرار کر لیں، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اگر انہیں کسی طاقت ور ظالم یا کسی مقتدر شخصیت کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں خواہ اس کے نتیجے میں انہیں اپنے، اپنے والدین یا اپنے اقرباء پر مظالم اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں اور کئی متوقع فوائد کو ہاتھ سے کھو کر نقصان اٹھانا پڑے، واضح رہے کہ والدین کے خلاف شہادت دینا ان کے ساتھ نیکی کرنے کے متنافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان کے ساتھ نیکی ہے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ پھر کریں گے۔

عدل کو گواہی پر مقدم کرنے کی وجوہ

اس آیت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے کو اذائے شہادت پر مقدم فرمایا ہے، کیونکہ شہادت کے ذریعہ دوسرے شخص سے فیصلہ کرایا جاتا ہے، اور عدل و انصاف اسے خود کرنے کا حکم دیا ہے، اور جب تک انسان خود عدل و انصاف نہیں کرے گا تو دوسرے شخص کو عدل و انصاف کے لیے اس کا کتنا کب موثر ہو گا؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام برائیاں اور برے کام چھوڑ دے اور نیکیوں کو اختیار کرے اور جب تک کوئی انسان خود نیک نہیں ہو جاتا، اس کی کسی کے حق میں شہادت قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ فرائض کے تارک اور مرتکب کبیرہ کی شہادت شرعاً مقبول نہیں ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیا پھر شہادت دینے کا حکم دیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ عدل و انصاف کر کے انسان اپنے نفس سے ضرر کو دور کرتا ہے اور شہادت کے ذریعہ دوسروں سے ضرر کو دور کرتا ہے اور اپنے نفس سے ضرر کو دور کرنا دوسروں سے ضرر کو دور کرنے پر مقدم ہے اور جو تھی وجہ یہ ہے کہ عدل کرنا فعل ہے اور شہادت دینا قول ہے اور فعل قول سے قوی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اقویٰ کو مقدم فرمایا ہے۔

کسی فریق کی رعایت کی وجہ سے گواہی نہ دینے کی ممانعت

پھر فرمایا (فریق معاملہ) خواہ امیر ہو یا غریب، اس کا معنی یہ ہے کہ کسی امیر کی امارت کی وجہ سے رعایت کر کے اس کے خلاف شہادت دینے کو ترک نہ کرو، اور نہ کسی غریب کی غیبت کی وجہ سے اس کے خلاف شہادت کو ترک کرو بلکہ ان کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو، تمہاری بہ نسبت اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے اور اس کو علم ہے کہ ان کی اچھائی اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا لہذا تم خواہش کی پیروی کر کے حق سے روگردانی نہ کرو، انسان عصبیت کی وجہ سے یا عداوت کی وجہ سے خواہش کی پیروی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَا تَعْدِلُوْا
اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ : ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل نہ کرنے پر برا لگینے نہ کرے، تم عدل کرتے رہو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

پھر فرمایا اگر تم نے (گواہی میں) ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ولا تلوا“ اس کا مادہ ”لی“ ہے اس کا معنی ہے کلام میں تحریف کرنا اور عدا جھوٹ بولنا اور اعراض کا معنی ہے شہادت کو چھپانا اور اس کو ترک کرنا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اَرْسَلَ قَلْبُهٗ (البقرہ : ۲۸۳)

گار ہے۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں! بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کو طلب کرنے سے پہلے گواہی کو پیش کر دے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۱۹)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک انسان کا کسی شخص پر کوئی حق نکلتا ہو اور اس کو اپنے حق کا علم نہ ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس کے اس حق کا علم ہو تو وہ آکر اس کے پاس اس کے حق کی شہادت دے، اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہاں مجازاً ”سرعت مراد ہے یعنی جو شخص سوال کرنے کے فوراً بعد بغیر کسی توقف کے شہادت دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! (داعی) ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو پہلے نازل فرمائی۔ (النساء : ۱۳۶)

ایمان والوں کو ایمان لانے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں اے ایمان والو! فرمایا تو مسلمانوں سے خطاب ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو! اپنے ایمان پر ثابت قدم اور برقرار ہو، جیسے مسلمان ہر نماز میں دعا کرتا ہے اھدنا الصراط المستقیم ”اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم اور برقرار رکھ، اور یا اس آیت میں مومنین اہل کتاب سے خطاب ہے کہ تم (سیدنا) محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے ہو، اور جس شخص نے اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں فرق کیا اور بعض پر ایمان لایا اور بعض کے ساتھ کفر کیا اس کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اللہ کی نازل کی ہوئی کسی ایک کتاب یا کسی ایک رسول کا انکار کرنا سب آسمانی کتابوں اور سب رسولوں کا انکار کرنا

اس آیت کی زیادہ ظاہری تفسیر ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے منافقین اہل کتاب مراد ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں منافقین سے خطاب ہے یعنی زبان سے ظاہری ایمان لانے والو! اخلاص کے ساتھ دل سے ایمان لے آؤ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی اے وہ لوگ جو لات اور عزیٰ پر ایمان لائے ہو، اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی کتاب کی تصدیق کرو، اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس میں انبیاء سابقین سے خطاب ہے لیکن یہ تمام اقوال خلاف ظاہر ہیں اور صحیح یہی ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر وہ کفر میں اور بدھ گئے، اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہ راست پر چلائے گا۔ (النساء : ۱۳۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ پر رسول پر اور آسمانی کتبوں پر ایمان برقرار رکھیں اور اس میں ثابت قدم رہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان دو قسموں کا ذکر فرما رہا ہے جو ایمان سے خارج ہیں، ان میں پہلی قسم وہ ہے جو نفاق سے بہ ظاہر ایمان لائے تھے، پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور گمراہی میں مر گئے، انہوں نے توبہ کا موقع ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا، اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے جو ظاہری اسلام پر برقرار رہے اور درپردہ کافروں کے ہم نوا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : منافقین کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النساء : ۱۳۸)

خوش خبری کسی اچھی خبر کی دی جاتی ہے ان کو جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری اس طرح فرمایا ہے جیسے عرب کہتے ہیں نہایت الضرب تمہاری تعظیم مار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے ہیں، بے شک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے۔ (النساء : ۱۳۹)

اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان سے مراد منافقین ہیں اور کافروں سے مراد یہود ہیں، منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے اور بعض، بعض سے کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کا مشن کامیاب نہیں ہو گا، اور یہودیہ کہتے تھے کہ بالآخر غلبہ اور اقتدار ان ہی کو حاصل ہو گا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کر کے فرمایا : بے شک تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

غلبہ تو صرف اللہ، اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے

ہے۔ (المنافقون : ۸)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے بھی غلبہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اصل غلبہ صرف اللہ کے لیے ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے غلبہ عطا فرمادے اس کے لیے بھی غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا

میا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ (کسی) دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔ (النساء : ۱۳۰)

کفر اور معصیت پر راضی ہونا بھی کفر اور معصیت ہے

امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

منافقین، علماء یہود کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور وہ قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع فرمادیا۔ (الوسیط : ج ۲ ص ۱۲۹، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے منافق! تم بھی کفر میں ان علماء یہود کی مثل ہو، اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص کفر سے راضی ہو وہ بھی کافر ہے اور جو شخص کسی برے کام سے راضی ہو اور برا کام کرنے والوں کے ساتھ مل جل کر رہے تو خواہ اس نے وہ برا کام نہ کیا ہو پھر بھی وہ ان کے ساتھ گناہ میں برابر کا شریک ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ”(ورنہ) تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔“ یہ اس وقت ہے جب ان کی مجلس میں بیٹھنے والا وہاں بیٹھنے پر راضی ہو، لیکن اگر وہ وہاں بیٹھنے سے بیزار ہو اور ان کی کفریہ باتوں پر غضبناک اور متغیر ہو لیکن کسی مجبوری اور خوف کی وجہ سے وہاں بیٹھا ہو تو پھر وہ ان کی مثل نہیں ہو گا، اسی وجہ سے ہم یہ فرق کرتے ہیں کہ منافق مدینہ میں یہود کے پاس بیٹھتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف باتیں کرتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے اور منافق خوش ہوتے تھے اس لیے وہ بھی ان کافروں کی مثل قرار پائے، اور مکہ میں جب مسلمان مشرکوں سے رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف باتیں سنتے تھے تو ان کے دل ان باتوں سے بیزار اور متغیر ہوتے تھے اور مسلمان مشرکوں کے غلبہ اور ظلم کی وجہ سے مجبور تھے اس لیے ان مسلمانوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

ہمارے علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شخص کسی کے پاس مسلمان ہونے کے لیے جائے اور وہ اس سے یہ کہے کہ تم کل آنا، یا شام کو آنا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص اتنی دیر کے لیے اس کے کفر پر راضی ہو گیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے پاس بیٹھنا ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا مطلقاً ”منع نہیں ہے“ ان کے پاس بیٹھنا اس وقت ممنوع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں، ہاں کفار کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا ممنوع ہے اور معاشی، عمرانی، ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ضرورتاً ”ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا جائز ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم غالب نہیں آ گئے تھے؟ اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچلایا تھا؟ (النساء : ۱۳۱)

منافقوں کا مسلمانوں اور کافروں کو فریب دینا

ابو سلیمان نے کہا ہے کہ یہ آیت بالخصوص منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے، مقاتل نے کہا منافقین مسلمانوں کے حالات کو دیکھتے رہتے تھے، اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی تو وہ کہتے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ سو تم ہم کو غنیمت میں سے حصہ دو، اور اگر کافروں کو غلبہ ہو جاتا تو کہتے کیا ہم تمہاری رائے پر غالب نہیں آ گئے تھے یا ہم تمہاری دوستی میں غالب نہیں تھے یا کیا ہم نے تمہاری مدد نہیں کی تھی، یا کیا ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں، اور کہتے کیا ہم نے تم

کو مسلمانوں سے نہیں بچلایا تھا یعنی کیا ہم نے تم کو ان کے رسوا کرنے سے نہیں بچلایا تھا یا کیا ہم نے تم کو ان کے مسلمانوں سے آگاہ نہیں کیا تھا یا کیا ہم نے تم کو اسلام میں داخل ہونے سے نہیں روکا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس حکم سے کافروں کے مسلمان جتنا چاہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے منافقو!) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا۔ (النساء : ۱۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ منافقوں کی سزا کو موخر کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔

مسلمانوں سے وعدہ غلبہ کے باوجود غلبہ کفار کی توجیہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا مجھے یہ بتائیے کہ اللہ نے فرمایا ہے اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا ○ حالانکہ وہ ہم سے قتل کرتے ہیں اور (بعض لوقات) ہم پر غالب آجاتے ہیں، حضرت علی نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی مسلمانوں کے خلاف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۰۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا انجام کار مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے۔ (زوال المسیر ج ۲ ص ۳۱)

دلیل اور حجت کے اعتبار سے کبھی بھی کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳)

اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کافر دنیا کی جنگوں میں بھی ہرگز ہرگز مسلمانوں پر غلبہ نہیں پاسکیں گے بہ شرطیکہ مسلمان اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں اور توبہ کو نہ چھوڑیں اور جب وہ برے کاموں میں ملوث ہو جائیں اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیں اور لڑائی میں کافران پر غالب آجائیں تو یہ صرف ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ آيَاتُكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (الشوری : ۳۰)

اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہ ہونے سے فقہاء احناف اور شوافع کا استنباط مسائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

امام شافعی نے اس آیت سے کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر جب مسلمان پر غلبہ پالے اور اس کے مال کو دار الحرب میں محفوظ کر لے تب بھی وہ اس مال کا مالک نہیں ہوگا اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا (۲) کافر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمان غلام کو خریدے۔ (۳) مسلمان کو زمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا، ان تینوں مسئلوں پر یہ آیت دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر غلبہ سے مسلمان کے مال کا مالک ہو جاتا ہے۔

علامہ نظام الدین الشافعی حنفی اشارۃ النص کے بیان میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لِّلْمُفْقَرَاءِ الْمُحَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ (الحشر : ۵۹)
(یہ مال) فقراء محاجرین کے لیے (بھی) ہیں جو اپنے گھروں اور اموال سے نکل دیئے گئے ہیں۔

اس آیت کا سیاق مال غنیمت کے استحقاق کے بیان میں ہے اور یہ اس مسئلہ میں نص (تصریح) ہے اور آیت کے الفاظ سے اشارۃً ”یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ وہ محاجرین جو اپنے گھروں اور اموال سے نکل دیئے گئے تھے وہ اب فقیر ہو چکے ہیں (حالانکہ وہ پہلے صاحب جائیداد تھے) اور اس سے اشارۃً ”یہ معلوم ہوا کہ کافر کو جب مسلمان کے مال پر غلبہ ہو جائے (اور وہ مال مسلمان کے ہاتھ سے نکل جائے) تو کافر اس کے مالک ہو جاتے ہیں، کیونکہ اگر وہ مال بدستور مسلمان کی ملکیت میں رہتا تو اس پر قرآن مجید میں فقر کا اطلاق نہ ہوتا۔ (اصول الشاشی ص ۲۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر، مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے لیکن وہ اس سے خدمت نہیں لے سکتا۔ علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کافر کا مسلمان غلام کو خریدنا فاسد ہے کیونکہ اگر اس کا یہ خریدنا صحیح ہو تو کافر کا مسلمان پر مالکانہ تفوق ہو گا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا خریدنا صحیح ہے لیکن کافر کو اس سے منع کیا جائے گا کہ وہ مسلمان سے خدمت لے وہ اس سے صرف اشیاء کی خرید و فروخت کا کام لے سکتا ہے اور اس میں اس کا تفوق ظاہر نہیں ہو گا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے :

علامہ ابوالحسن احمد بن محمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں :

آزاد کو آزاد کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے گا۔

(مختصر القدوری ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح الطابع کراچی)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا میں سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والا ہوں۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۳۰)

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں :

علماء نے اس آیت سے چند مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر مسلمان کا وارث نہیں (۲) کافر مسلمان کے مال پر استیلاء یا کر مالک نہیں ہو سکتا (۳) کافر مسلمان کے خریدنے کا مجاز نہیں (۴) ذمی کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا۔ (جمل)

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اس میں سب کا اتفاق ہے اور موخر الذکر تینوں مسائل فقہاء شافعیہ کے نزدیک ہیں جیسا کہ خود حضرت نے جمل کا حوالہ دے کر اشارہ فرمایا ہے کیونکہ جمل، علامہ سلیمان بن عمر شافعی متوفی ۴۰۴ھ کی تالیف

اس آیت سے فقہاء احناف نے جو دیگر مسائل مستنبط کیے ہیں وہ یہ ہیں :

- (۱) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی مسلمان پر کوئی سبیل نہیں رکھی اس لیے اگر کسی عورت کا خلوند مرتد ہو جائے تو وہ تک دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو وہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور جب تک وہ ارتد لوپر رہے گا اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کرے گا وہ اس سے الگ رہے گی۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵)
- (۲) کافر مسلمان کے نکاح کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔
- (۳) کافر کی مسلمان کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔
- (۴) کافر کو مسلمان کا قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔
- (۵) کافر کو مسلمان کے لشکر کا امیر بنانا جائز نہیں ہے۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۳۲۳-۳۲۲)

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا

بیٹھ منافق (اپنے زم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں درآں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے اور جب

قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا

وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا

يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ مَذْبِذِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ

ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں ۝ وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں ،

لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَنْ

نہ ان (کافروں) کی طرف میں نہ ان (مسلمانوں) کی طرف میں ، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے

تَجِدَالَهُ سَبِيلًا ۖ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ

لیے کوئی راہ نہ پائیں گے ۝ اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو

أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا

دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے ایک

بِئْسَ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۖ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ

دراغ حجت قائم کرنا چاہتے ہر ۝ بیٹھ منافق دوزخ کے سب سے

الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَهُمْ صَدِيقًا ۝۱۳۱ إِلَّا الَّذِينَ

طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے ہر کوئی مددگار نہیں پائے گا ۝ مگر ان (منافقوں)

تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمُ لِلَّهِ

میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا

فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ

سودہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا

أَجْرًا عَظِيمًا ۝۱۳۲ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَ

فرمائے گا ۝ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور

أَمَنْتُمْ ۖ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ۝۱۳۲

(خالص) ایمان لے آؤ اور اللہ شکر کی جزا دینے والا بہت جاننے والا ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں در آں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔ (النساء : ۱۳۲)

منافقوں کے دھوکے کا معنی 'ان کے دھوکے کی سزا' اور شان نزول اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں اور ان کے خواص بیان فرمائے تھے، اس آیت میں ان کا تتمہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں : ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی، ابو عامر بن النعمان اور دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یخادعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسهم (البقرہ : ۹)

حسن نے بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق دونوں پر ایک نور ڈالا جائے گا جس میں چلتے ہوئے وہ پل صراط تک پہنچیں گے، پل صراط پر پہنچنے کے بعد منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مومن اپنے نور کی وجہ سے پل صراط پر چلتے رہیں گے اس وقت منافقین مومنوں سے کہیں گے :

یَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنَافِقَتُ لِلَّذِينَ كُنُوا انْظُرُونَا نَقْتِسِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے یہ کہیں

گے، ہمیں دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں، ان

وَرَأَىٰ كُفْرًا تَلْمِزُوا نُورًا فَنُصِرَ بِهِ بَيْنَهُم رُسُودًا
بَابُ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ
يُنَادُوهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ
فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْأَمَانَةُ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ
(الحديد : ۳۳-۳۴)

سے کہا جائے گا اپنے پیچھے واپس جاؤ اور وہاں کھڑے رہو
ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس کی
جانب کے دروازہ میں رحمت ہوگی اور دوسری جانب کے دروازے
عذاب ہوگا ○ منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے
ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن تم نے خود کو (خلق کے
قدرت میں ڈال دیا) اور تم (مسلمانوں کی مصیبتوں کے) شہر رہے (لوگوں
تم (اسلام کے حلق) تک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں
نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آگیا (شیطان
کے) دھوکے نے تم کو اللہ کے حلق دھوکے میں رکھا ○

حسن نے کہا اللہ تعالیٰ جو ان کو دھوکے کی سزا دے گا اس کا بھی یہی معنی ہے 'ابن جریج نے بھی اسی طرح روایت
کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۳۳۹)
خدا کے معنی ہیں کسی شخص کو کسی شے کی حقیقت کے خلاف وہم میں ڈالنا، اللہ کو ان کے دھوکا دینے کا معنی یہ
ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں جو کفر چھپایا ہوا تھا اس کے خلاف زبان سے اسلام کو ظاہر کرتے تھے تاکہ اس خلق کے
ذریعہ وہ دنیا میں اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیں اور جو فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں مثلاً صدقات اور مل قیمت اس
میں بھی حصہ دار بن جائیں۔

اکثر منافقین اللہ کو مانتے تھے اب یہ سول ہو گا کہ وہ اپنے زعم میں اللہ کو کس طرح دھوکا دیتے تھے کیونکہ ان کا بھی
یہ عقیدہ تھا کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی
رسالت کے منکر تھے اور وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے اور اللہ نے یہ فرما کر کہ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں
یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینا اللہ کو دھوکا دینا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا بسینہ اللہ
کے ساتھ معاملہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے نبی ﷺ کو ان
کے خلق پر مطلع فرما دیا اور آپ نے مسلمانوں کو اس کی خبر دے دی ان کا راز فاش ہو گیا اور وہ دنیا میں رسوا ہو گئے اور
آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو الگ سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے
لیے اور اللہ کا ذکر بت ہی کم کرتے ہیں۔ (نساء : ۳۲)

اس آیت میں منافقوں کی تین عاداتیں ذکر فرمائی ہیں سستی سے نماز پڑھنا لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنا اور
اللہ کا ذکر بت کم کرنا سستی اور کم ذکر کرنے پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے :

گروہ باری اور سستی سے نماز پڑھنے کے متعلق احادیث
امام مسلم بن حبان قسیری متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

علاء بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ وہ ابوہمیسہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے جب وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے

مکہ کے مسجد کے ساتھ تھا جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو، ہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، جب ہم فارغ ہوئے تو حضرت انس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اتنی تاخیر کرنا منافق کی نماز ہے، وہ بیٹھ کر سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جس وقت سورج دو سینکھوں کے درمیان ہوتا ہے، تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۲، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۱۳، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۰، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۱۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب سے بھاری ہے، اور فرمایا کاش ان کو معلوم ہوتا کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کتنا اجر ہے!

(صحیح البخاری : کتاب مواقیات الصلوۃ، باب : ۲۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۶۵۱)

ریا کاری سے عبادت کرنے کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک ریا شرک ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۵۳۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت محمود بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ریا، قیامت کے دن جب اللہ عز و جل لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا : جاؤ! انہی لوگوں کے پاس جن کے لیے تم ریا کاری کرتے تھے، دیکھو ان سے تمہیں کوئی جزا ملتی ہے! (مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف ہے، میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی، آپ نے فرمایا ہاں، لیکن وہ سورج، چاند، پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کرے گی، لیکن وہ اپنے اعمال میں ریا کرے گی، اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھے، پھر کسی نفسانی خواہش کی بناء پر وہ روزہ ترک کر دے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

حضرت بشیر بن عقرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محض لوگوں کے دکھانے اور سنانے کے لیے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ریا اور سمعہ (دکھانے اور سنانے) کے مقام پر کھڑا کرے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۰۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ کا ذکر کم کرنے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافق صرف دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور صرف سنانے کے لیے نیک کام کرتے ہیں، ان کے پاس جب دوسرے لوگ ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتے ہیں اور جب کوئی نہیں ہوتا تو وہ نماز نہیں پڑھتے اور یہ جو کام اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں جو تکبیرات بلا آواز سے پڑھی جاتی ہیں ان کو

پڑھتے ہیں اور نماز میں اللہ کا جو ذکر پست آواز سے کیا جاتا ہے اس میں وہ خاموش رہتے ہیں۔ مثلاً قرأت اور کلمات و غیرہ نہیں پڑھتے یا معنی یہ ہے کہ نماز کے علاوہ وہ اور کسی وقت میں اللہ کا ذکر نہیں کرتے، آج کل ہم اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھتے ہیں وہ اکثر اوقات گپ شپ، دوسروں کی غیبت، کہانیوں، لطیفوں اور کاروباری باتوں میں گزار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بحیرہ و تقدیس، تسبیح و تہلیل، توبہ، استغفار اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر ان کی زبانوں پر نہیں آتا، یا بہت کم آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں، نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں نہ ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ نہ پائیں گے۔ (النساء : ۱۳۲) منافق کا مذہب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافق کو مذہب فرمایا ہے، مذہب اس شخص کو کہتے ہیں جو دو چیزوں یا دو کاموں کے درمیان متردد ہو، مذہب کا اصل معنی تھیر اور اضطراب ہے، کیونکہ منافق اپنے دین میں متھیر ہوتا ہے، اور وہ کسی صحیح اعتقاد کی طرف رجوع نہیں کرتا، منافقین نہ مشرکین کی طرح صراحتہ "شرک کرتے تھے اور نہ مومنوں کی طرح مخلص تھے، وہ اس کے درمیان مذہب تھے اس کا معنی ہے وہ اسلام اور کفر کے درمیان مذہب ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قسری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان حیران ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہو اور کبھی اس ریوڑ کی طرف۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۲۸۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۰۵۲، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث : ۵۰۷۹، ۵۷۹۳)

ہدایت کے دو معنی اور ان کے محمل

"جس کو اللہ گمراہ کر دے، اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے کفر اور خباثت کی وجہ سے اللہ اس سے ہدایت کی استعداد اور صلاحیت کو سلب کر لے آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے، یہاں آپ سے ہدایت کے جس معنی کی نفی کی ہے اس کا معنی ہے کسی شخص کو ہدایت یافتہ اور مومن بنانا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اور ہدایت کا دوسرا معنی ہے سیدھا راستہ دکھانا، سو اس معنی میں نبی ﷺ ان کو بھی ہدایت دیتے تھے اور دیگر کافروں، منافقوں کو بھی بلکہ تمام مخلوق کو ہدایت دیتے تھے اور اس معنی میں ہدایت دینا آپ کا منصب ہے، اور قرآن مجید میں جہاں بھی آپ سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں ہدایت کا معنی ہدایت یافتہ اور مومن بنانا ہے یعنی سیدھے راستے پر چلانا اور جہاں آپ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے وہاں ہدایت سے مراد ہے سیدھا راستہ دکھانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو۔ (النساء : ۱۳۳)

کافروں کے متابع بچوں پر عذاب نہیں ہوگا

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو! اس سے مراد مخلصین مومنین ہیں، اور کافروں

سے مراد یہودی یا منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والو! یہودیوں یا منافقوں کو دوست نہ بناؤ۔

میں کو اپنا دوست بناؤ، تاکہ تمہیں بھی انخلاص نصیب ہو لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اپنے خلاف واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟ یعنی تم ایسی حجت اور دلیل قائم کرنا چاہتے ہو جس کی بناء پر تم عذاب کے مستحق ہو جاؤ، اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے عذاب نہیں دے گا، حالانکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو عذاب دے تو یہ اس کا عین عدل ہو گا کیونکہ وہ سب مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنے ملک میں جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن اس نے اپنی حکمت سے اور اپنے فضل سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنے مخلص اور صالح بندوں کو عذاب نہیں دے گا اور خلف وعدہ محال ہے اس لیے مخلصین اور صالحین کو عذاب ہونا بھی محال ہے، نیز اس آیت سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ بغیر دلیل کے عذاب نہیں دیتا تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرکوں اور کافروں کے نابالغ بچوں کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ نابالغ بچوں کے حق میں بعثت متحقق نہیں ہوئی اور نہ ہی نابالغ بچے مکلف ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء : ۱۳۵)

درک کا معنی اور دوزخ کے طبقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافق آگ کے سب سے نچلے درک میں ہوں گے، ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ درک کا معنی منزل ہے اور جہنم میں کئی منازل ہیں اور منافق سب سے نچلی منزل میں ہوا، گے، ابن الانباری نے کہا ہے کہ درک سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں، ضحاک نے کہا جب منازل میں یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض، بعض سے اوپر ہیں تو ان کو درج (درجہ) کہتے ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض بعض سے نیچے ہیں تو ان کو درک کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں، حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا منافق لوہے کے ایک ایسے تابوت میں ہوں گے جس کا کوئی دروازہ نہیں ہو گا۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۴۵۴)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

دوزخ کے سلت طبقات ہیں، پہلا طبقہ جہنم ہے دوسرا نفی ہے، تیسرا الحطمہ ہے چوتھا السعیر ہے، پانچواں سقر ہے چھٹا جحیم ہے اور ساتواں حلویہ ہے، اور کبھی ان تمام طبقات پر جہنم کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے، ان طبقات کو درکات اس لیے کہتے ہیں کہ یہ درجہ ہیں، اور منافقوں کا آخری طبقہ میں ہونا ان کے شدت عذاب پر دلالت کرتا ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۷۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

منافق کی علامتوں پر اشکل کے جو اہلیت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس لانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳، ۲۶۸۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۶، مسند احمد : ج ۴، رقم الحدیث : ۹۱۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہو گا، اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہوگی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳، ۲۶۸۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۸۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۶۸۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۰۳، مسند احمد : ج ۲، رقم الحدیث : ۶۷۸۲، سنن کبریٰ : ج ۹ ص ۲۳۰)

بہ نماہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان میں یہ چاروں خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو گا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی خصلت ہوگی، محدثین کرام نے اس حدیث کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) یہ علامتیں نبی ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص تھیں کیونکہ نبی ﷺ تو وحی کے نور سے لوگوں کے دلوں کے حل پر مطلع تھے، اور آپ جانتے تھے کہ کون منافق ہے اور کون منافق نہیں ہے اور چونکہ یہ غیب نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا اس لیے آپ نے اپنے اصحاب کو یہ نشانیاں بتائیں تاکہ وہ ان علامتوں سے منافقوں کو پہچان لیں اور ان سے احتراز کریں اور آپ نے معین کر کے نہیں بتایا کہ فلاں فلاں منافق ہے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو اور یہ لوگ مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص حلال اور جائز سمجھ کر یہ چار کام کرے وہ منافق کے حکم میں ہو گا۔

(۳) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو وہ منافقین کے مشابہ ہو گا، اور نبی ﷺ نے اس پر تنبیہ اور تہدید "منافق کا اطلاق فرمایا ہے اور یہ اس شخص کے متعلق فرمایا ہے جو علوہ" یہ چار کام کرتا ہو اور اس کے متعلق نہیں فرمایا جس سے ثلور" یہ کام سرزد ہوں۔

(۴) عرف میں منافق اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو سو ایسا شخص عرفاً "منافق ہے شرعاً" منافق نہیں ہے لہذا ایسے شخص کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا نہ وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہو گا۔

(۵) دینی معاملات میں ایسے شخص کا حکم منافق کا ہو گا اور اس کی خبر معتبر نہیں ہوگی۔

ایک حدیث میں تین کاموں کو منافق کی علامت فرمایا ہے اور دوسری میں چار کاموں کو منافق کی علامت قرار دیا ہے، یہ اختلاف مقتضی حل اور مقام کے اعتبار سے ہے۔ کبھی آپ کے سامنے ایسے منافق تھے جن میں چار خصلتیں تھیں اور کبھی ایسے تھے جن میں تین خصلتیں تھیں اس وجہ سے کبھی آپ نے تین علامتیں بیان فرمائیں اور کبھی چار۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا، اس آیت میں منافقین کی نصرت کی نفی کی ہے اور یہ تخصیص اس وقت صحیح ہوگی جب قلم مسلمانوں کی نصرت اور ان کی شفاعت

منافقین کی مدد کا نہ کیا جاتا ان کے لیے باعث حسرت اور افسوس ہو گا اور اگر مخلص مسلمانوں کی بھی مدد کی جائے تو منافقین کو کیوں ندامت اور حسرت ہوگی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مگر ان (منافقوں) میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا سو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء : ۱۳۶)

نفاق کے عذاب سے نجات کی چار شرطیں

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین سے عذاب کو دور کرنے کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ توبہ کریں اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک عمل کریں کیونکہ نفاق سے توبہ کے بعد کیے ہوئے نیک اعمال لائق اعتبار ہوتے ہیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کا دامن پکڑ لیں، کیونکہ توبہ اور نیک اعمال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اخروی فلاح اور سعادت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اور چوتھی شرط ہے اخلاص، یعنی ان کا ہر کام کو کرنا اور چھوڑنا محض اللہ کی خاطر ہو، یعنی نیک کاموں کو کرنا اور برائیوں کو چھوڑنا دونوں اللہ کی وجہ سے ہوں، اور ان کے کسی کام سے غیر اللہ کی نیت اس کی خوشنودی اور اس کی داد و تحسین کا دخل نہ ہو۔ اور جب یہ چار شرائط حاصل ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزاء بیان کی ہے کہ وہ آخرت میں مخلص مومنوں کے ساتھ ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور (خالص) ایمان لے آؤ، اور اللہ شکر کی جزاء دینے والا بہت جاننے والا ہے۔ (النساء : ۱۳۷)

اس آیت میں بھی منافقین سے خطاب ہے، ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مومنین سے خطاب ہے، اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین کو عذاب دینے یا نہ دینے کا مدار صرف ان کے کفر پر ہے اور کسی اور چیز پر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا، کیا اس سے اس کا غیظ و غضب ٹھنڈا ہو گا، یا اس کو اسے کوئی نفع حاصل ہو گا یا اس سے کوئی ضرر دور ہو گا؟ جیسے بلو شاہوں کو عموماً "کسی مجرم کو سزا دینے سے تسکین ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے، اور ان تمام چیزوں سے بلند اور منزہ ہے، منافقوں کو عذاب دینے کی وجہ صرف ان کا نفاق ہے جب وہ نفاق سے توبہ کر لیں اور ایمان لا کر اللہ کا شکر ادا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں دے گا!

شکر کو ایمان پر مقدم کرنے کے اسرار

اس آیت میں فرمایا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ" اور شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے، بہ ظاہر ایمان کو شکر پر مقدم ہونا چاہئے تھا کیونکہ ایمان تمام اعمال پر مقدم ہے، امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ اصل عبارت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی اصل عبارت یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آؤ اور شکر ادا کرو، اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ولو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۶) لیکن بلیغ کے کلام میں جب کوئی عبارت ظاہری کے خلاف ہو تو وہ کسی رمز اور نکتہ پر مبنی ہوتی ہے، اس لیے اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہاں کس حکمت یا کس رمزی مقصد کے لیے شکر کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

شکر کا ایک معنی ہے کسی نعمت کی بنا پر منعم کی تعظیم کرنا، اور یہ تین امور پر موقوف ہے پہلے اس شخص کو نعمت معرفت ہو اور جب نعمت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کا ذہن کسی نہ کسی منعم کو تلاش کرے تاکہ وہ اس کی تعظیم کرے اور اس تلاش کے بعد جب وہ منعم حقیقی تک پہنچ جائے تو بے اختیار تعظیم کرتا ہوا اس کے آگے جھک جائے اور یہی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اور اس طرح شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہوتا ہے اور اسی نکتہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شکر میں منعم کی تعظیم دل سے بھی ہوتی ہے، زبان سے بھی اور باقی ظاہری اعضاء سے بھی تعظیم ہوتی ہے۔ منافق کلمہ پڑھ کر زبان سے منعم کی تعظیم کرتے تھے، اور نماز پڑھ کر باقی اعضاء سے بھی تعظیم کرتے تھے لیکن دل سے اللہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے باطن میں کفر تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا کہ وہ صحیح اور کامل شکر ادا نہیں کرتے اگر وہ صحیح اور کامل شکر ادا کریں اور اخلاص سے ایمان لے آئیں تو اللہ انہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شکر کا دوسرا معنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے خرچ کرنا جس مقصد کے لیے وہ نعمتیں دی گئی ہیں، جس زمانہ میں سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا، اس زمانہ میں سب سے بڑی نعمت نبی ﷺ کی ذات مقدسہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر فرمایا ہے یجدونہ مکتوبا عندہم فی التورۃ والا انجیل (الاعراف : ۱۵۷) ”وہ آپ کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں۔“ اور اس نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آپ پر دل و جان سے ایمان لاتے اور تن من، دھن کی بازی لگا کر آپ کی اطاعت اور اتباع کرتے۔

جس نبی کے وسیلہ سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی، حضرت ابراہیم پر آگ گلزار ہوئی، حضرت اسماعیل کا گلا جس کے نور کی برکت سے کٹنے سے بچا، حضرت ابراہیم نے جس کی بعثت کی دعا کی، حضرت موسیٰ نے جس کے امتی ہونے کی تمنا کی، حضرت عیسیٰ نے جس کے آنے کی بشارت دی، عالم میثاق میں تمام نبیوں نے جس پر ایمان لانے اور جس کی نصرت کرنے کا قول و اقرار اور عہد کیا اور اللہ اس عہد پر خود گواہ ہوا ایسا عظیم الشان نبی اللہ نے ان کے عہد میں پیدا کیا، ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس جلیل القدر اور رفیع المرتبت نعمت پر اللہ کا احسان اور امتنان مانتے اور اس کا بے پایاں شکر ادا کرتے اور اس عظیم الشان نبی پر اخلاص سے ایمان لاتے اور دل و جان سے اس کی تصدیق کرتے، اس لیے فرمایا : اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ، ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں شکر کو ایمان پر مقدم کرنے میں کیا راز ہے، کیا لطافت ہے اور کیا بلاغت ہے!

شاکر، علیم میں ربط اور مناسبت

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ”اللہ تعالیٰ شاکر علیم ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے بہ طور استعارہ شکر کی جزاء کو بھی شکر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو شکر ادا کرنے کی جزا دے گا اور ثواب عطا فرمائے گا، اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں ہیں ان کا شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے، بلکہ اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے فرمایا وہ علیم ہے وہ جاننے والا ہے کہ محدود انسان لا محدود نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا وہ اپنے بندہ کے عجز کو جاننے والا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں اپنی بے مائیگی، کم ہمتی اور قصور عیلت کا اعتراف اور اقرار کرتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کو

اللہ تعالیٰ کا صرف کر کے اس کے سامنے نیاز مندی اور اطاعت سے سر جھکا کر اس کی تعظیم بجالاتا ہے اور وہ جاننے والے کے لئے کہ کون اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے سو وہ اس کو اس کے اس عمل کی اور اس کے شکر ادا کرنے کی جزا عطا فرمائے گا یہاں بھی بہ ظاہر پہلے علیم اور پھر شاکر کا ذکر ہونا چاہیے تھا، لیکن اس کے عکس ترتیب میں رمزیہ ہے کہ جس صفت کا بندوں پر اثر مرتب ہونا تھا یعنی شکر کی جزا دینا اس کا پہلے ذکر کیا اور جس صفت میں صرف اس کی شان کبریائی تھی جس کا صرف اس کے ساتھ تعلق تھا اس کا بعد میں ذکر فرمایا۔ اس نے بندوں کا حق مقدم رکھا ہم بندے ہیں اور ہم اس کے زیادہ لائق ہیں کہ ہم اپنے مولیٰ کے حق کو پہچانیں اور اس کے ذکر کو اپنے ذکر پر اور اس کے حق کو اپنے حق پر مقدم رکھیں۔

تفسیر

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ

اللہ تعالیٰ بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے،

وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ۝۱۳۸

اور اللہ بہت سننے والا، نہایت علم والا ہے ۝ اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر دو،

أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا قَدِيرًا ۝۱۳۹

یا کسی برائی کو معاف کر دو تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے ۝ بیشک جو

الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا

لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان

بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ

ببعضٍ لا يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۝۱۴۰

بعض پر چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا

اِنکاد کرتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنالیں ۝

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

بہت دردناک ہے جو یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب

فَرِیْئًا ۱۵۱) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ

تیار کر رکھا ہے ۰ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انھوں نے ان رسولوں میں سے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ اَوْ لَیْكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ) عنقریب ان کو ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے

عَفُوْرًا اَرَّحِیْمًا ۱۵۲

والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ۰

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے : اللہ تعالیٰ بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے۔

(النساء : ۱۳۸)

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں محدثین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے :

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کو برا کہا اور ان کو اذیت دی، حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو دوسری دفعہ اذیت دی پھر حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو تیسری بار اذیت دی تو حضرت ابوبکر نے اس سے بدلہ لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے جانے لگے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ شخص تم کو برا کہتا تھا تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی تکذیب کرتا تھا، اور جب تم نے اس سے بدلہ لیا تو شیطان آگیا اور جس جگہ شیطان آجائے تو میں وہاں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۳۸۹۶)

حضرت ابو ہریرہ نے بھی اس حدیث کو اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۳۸۹۷)

کسی شخص کو برا کہنا، گل دینا، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اور کسی شخص کی غیبت کرنا یا کسی شخص کی چغلی کرنا یہ تمام امور

اس آیت سے ممنوع اور ناجائز ہیں۔

کسی کی برائی، غیبت اور چغلی کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قسیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا

دبیل ابتداء کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ مظلوم تجلوز نہ کرے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۸۷، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۳۸۹۳)

۲۷۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو کہو (وہ) لور اس کو پرانہ کو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۸۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اپنے فوت شدہ لوگوں کی نیکیاں بیان کرو لور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۹۰۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے، صحابہ نے عرض کیا : اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے اس وصف کا ذکر کرو جس کو وہ پسند کرتا ہو، آپ سے عرض کیا گیا یہ بتائیے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو تم بیان کرتے ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کرو گے، اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو تو پھر تم اس پر بہتان باندھو گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۸۹، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۸۷۴)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا خلاف چوری ہو گیا۔ وہ چرانے والے پر بددعا کر رہی تھیں آپ نے فرمایا : اپنی دعا میں اس کی تخفیف نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۱۳۹۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ کے لیے صفیہ سے اتنا اتنا (قد) کافی ہے! ان کا ارادہ تھا کہ ان کا قد چھوٹا ہے، آپ نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس سے سارا پانی آلودہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی انسان کی نقل اتاری آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے اس کے بدلہ فلاں فلاں چیز مل جائے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۸۷۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جس کے پیتل کے ناخن تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے، میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہیں، انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے لور ان کی بے عزتی کرتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے)

حضرت جابر بن عبداللہ لور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی اس جگہ بے عزتی کرتا ہے جہاں اس کی عزت نہ کی جارہی ہو لور اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو تو اللہ اس کو ایسی جگہ بے عزت کرے گا جہاں وہ اپنی نصرت چاہتا ہو، لور جو شخص کسی مسلمان کی ایسی جگہ نصرت کرے گا جہاں اس کی توقیر میں کمی کی جارہی ہو لور اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو تو اللہ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد پسند کرتا ہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۸۸۴)

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چنل خورد داخل نہیں ہو گا۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۷۸۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نجات کیسے ہوگی؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان بند رکھو، اور اپنا گھر فراخ رکھو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (مسند احمد : ج ۸ رقم الحدیث : ۲۲۲۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو ہمارے متعلق اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۲۱۵، حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۰۹)

حضرت نعمان بن بشیر نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے۔ (صحیح بخاری : ۵۲)

سنن ترمذی کی روایت میں ہے تمام اعضاء کی صحت اور فساد کا مدار زبان پر ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں اس کا مدار دل پر ہے اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے، اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کون ہے جو میرے لیے اس کا ضامن ہو جو دو جہزوں کے درمیان اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۲۱۲، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۶۳۷۲، مسند احمد ج ۸، رقم الحدیث : ۲۲۸۸۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۱)

مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کو بیان کرنے کا جواز

پہلے اللہ تعالیٰ نے بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرمایا پھر اس حکم سے مظلوم کا استثناء فرمایا اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ مظلوم کے سوا کسی کے بری بات ظاہر کرنے کو ناپسند کرتا ہے لیکن مظلوم اپنے اوپر کیے ہوئے ظلم کو بیان کر سکتا ہے یہ زجاج کا قول ہے۔

(۲) مظلوم ظالم کے خلاف بددعا کر سکتا ہے، یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے۔

(۳) اصرم نے کہا کہ کسی کے پوشیدہ احوال کی لوگوں کو خبر دینا جائز نہیں ہے، تاکہ لوگ کسی کی غیبت نہ کریں، لیکن مظلوم شخص یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ہاں چوری کی یا غصب کیا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی غیبت کر سکتا ہے پس پشت اس کے ظلم کو بیان کر سکتا ہے، اس مناسبت سے ہم یہاں پر وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں غیبت کرنا جائز ہے۔

غیبت کرنے کی مباح صورتیں

جس غرض صحیح اور مقصد شرعی کو بغیر غیبت کے پورا نہ کیا جاسکے اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی داورسی کے لیے سلطان، قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان

کسی نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ برا کام کرتا ہے اس کو اس برائی سے روکا اور اس سے مقصود صرف برائی کا ازالہ ہو اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے استفسار۔ کوئی شخص مفتی سے پوچھے فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ برائی کی ہے کیا یہ جائز ہے؟ میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟ یا لہذا حق کس طرح حاصل کروں؟ اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟ تاہم تعین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

(۱) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا یہ اجماع مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

(ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کر دے۔

(ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کر رہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں اس کے ضرر کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیر خواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فسق پر اسے متنبہ کرے۔

(د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو، اس کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں تاکہ اہل اور کار آمد شخص کو حاکم بنایا جاسکے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فسق و فجور اور بدعت کا ارتکاب کرتا ہو مثلاً شراب نوشی، جو اکیلنا، لوگوں کے اموال لوٹنا وغیرہ تو ایسے شخص کے ان عیوب کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو، اس کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور چھٹا سبب یہ ہے تعریف اور تعین مثلاً کوئی شخص اعرج (لنگڑے)، اعم (بہرے)، اعمی (اندھے)، احو (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعین کے لیے اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعین کسی اور طریقہ سے ہو سکے تو وہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو یا کسی برائی کو معاف کر دو، تو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے۔ (النساء : ۱۳۹)

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت، ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان اللہ شاکراً علیما میں خالق کی عظمت کو بیان فرمایا، اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے، مخلوق سے ضرر کو دور کرنا اور ان کو نفع پہنچانا، مخلوق سے ضرر کو دور کرنے کے متعلق فرمایا لا یحب اللہ الجہر بالسوء۔ اور ان کو نفع پہنچانے کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ”تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر دو۔“ ”ملا، مودہ، صدقہ“ خیرات تمام اقسام کے نیک کاموں کو شامل ہے۔ فرائض علی الاطلاق ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے اور نوافل چھپا کر ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان کے اعمال میں زیادہ سے زیادہ اخلاص آ سکے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : قیامت کے دن سات آدمیوں پر اللہ اپنا سلیہ کرے گا جس دن اس کے سلیہ کے سوا اور کسی کا سلیہ نہیں ہو گا، آپ نے ان سات میں سے ایک اس شخص کا ذکر کیا جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۲۳)

اس آیت میں دوسری نیکی یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی برائی کو معاف کر دو اور اس پر دلیل یہ قائم فرمائی ہے کہ اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عذاب پر قہر ہونے کے بلوجود بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے سو تم بھی اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ اور اس کی صفات سے متصف ہو جاؤ اور انتقام لینے پر قدرت کے بلوجود لوگوں کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کر دو اور اگر تم نے لوگوں کی خطاؤں کو معاف نہ کیا تو تم اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی کی کیسے توقع رکھو گے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنالیں۔ (النساء : ۱۵۰)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا رد فرمایا تھا، اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا رد فرما رہا ہے، یہود حضرت موسیٰ پر اور تورات پر ایمان لائے تھے اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور قرآن مجید کے کلام اللہ اور آسمانی کتاب ہونے کا انکار کرتے تھے، اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لائے اور آپ کی نبوت اور قرآن مجید کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا رد فرمایا کیونکہ کسی بھی نبی کو نبی ماننے کی دلیل معجزہ ہے اور جب معجزہ کی دلالت کی وجہ سے یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو نبی مان لیا، اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو نبی مان لیا تو سیدنا محمد ﷺ نے بھی تو معجزات پیش کیے اگر معجزہ کی دلالت مقبول نہیں ہے تو پھر ہر نبی کا انکار کرو اور اگر معجزہ کی دلالت مسلم ہے تو سیدنا محمد ﷺ کو بھی مانو، غرض یہ کہ بعض نبیوں اور ان کی کتابوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا اس کی کوئی معقول وجہ اور صحیح دلیل نہیں ہے، یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کا بیان فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء : ۱۵۱)

اس آیت میں فرمایا کہ یہ یہود اور نصاریٰ جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں یہ یقیناً کافر ہیں، خولہ یہ اپنے آپ کو مومن کہتے رہیں ان کے خود کو مومن کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، یہ عذاب میں سب سے پہلے داخل ہوں گے، اور وہ عذاب ان کو ذلیل کرنے والا ہو گا، اس میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عذاب میں داخل کئے جائے گا لیکن ان میں اور کافروں کے عذاب میں یہ فرق ہو گا کہ اول تو وہ مسلمان کافروں کے بعد عذاب میں داخل ہوں گے۔ ”مانیا“ یہ کہ وہ عذاب ان بعض مسلمانوں کی تطہیر کے لیے ہو گا اور صورتہ ہو گا۔ اس کے برخلاف کافروں کو جو عذاب

میں نے اس کو گوارا کرنے کے لیے ہو گا۔

اس کا مطلب یہ ہے : اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ) عنقریب ان کو اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء : ۱۵۳)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ مومنوں کے ذکر کے بعد کافروں کا اور کافروں کے ذکر کے بعد مومنوں کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ایک ضد دوسری ضد سے پہچانی جاتی ہے سو پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو بعض نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور جو رسولوں میں فرق کرتے ہیں اور ان کے متعلق فرمایا یہ یقیناً کافر ہیں اور ان کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا اس کے بعد مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو رسولوں کے درمیان ایمان لانے کا فرق نہیں کرتے اور سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں پھر آخرت میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر کا وعدہ بھی فرمایا اور مغفرت کا بھی یعنی ان مسلمانوں میں سے جو کامل اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں ان کو اپنے فضل سے ثواب عطا فرمائے گا اور جن سے کچھ کوتاہیاں اور گناہ ہو گئے ان کو بخش دے گا یا ان کی توبہ سے ان کو بخش دے گا یا نبی ﷺ یا کسی فرشتے یا کسی اور نبی یا کسی اور مقبول بندہ کی شفاعت سے معاف کر دے گا یا محض اپنے فضل سے بخش دے گا یا پھر ان کو کچھ عرصے کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا اور پھر نکل لے گا اور جنت میں داخل کر دے گا!

اے بار الہ! اس کتاب کے مصنف کو اور اس کے خیر خواہ قاری کو بلا عذاب و حساب و کتاب اپنے محبوب نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دیتا۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنِزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ

اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں ،

فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرًا مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً

وہ بڑے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں ، انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا

فَاخْذَاهُمُ الصُّعْقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعُجْلَ مِنْ بَعْدِ

دکھاؤ تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسانی بجلی نے پڑھیں پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود

مَا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ وَإِنَّا مُوسَىٰ

میں نے ان کو (دیکھ کر) معاف کر دیا ، ہمارے پاس اس کو صاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا

سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

ہوا قلبہ دیا ۝ اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھایا ، اور ہم

لَهُمْ اَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ

نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ ، اور ہم نے ان سے کہا ہفتے کے

وَآخِذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ فَمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ

دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے سخت عہد لیا ۝ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے

وَكُفِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتِّلْهُمْ اِلَّا نَبِيَّاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ

اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے

قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ

کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو

اِلَّا قَلِيلًا ۝ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے ۝ اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انھوں نے مریم پر بہت بڑا

عَظِيمًا ۝ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بہتان باندھا ۝ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو

رَسُولَ اللَّهِ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

قتل کر دیا ۝ حالانکہ انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کئی شخص کو عیسیٰ علیہ السلام)

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ

مشاربنا دیا گیا تھا اور بیشک جنھوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں ، انھیں اس کا بالکل

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا ۝ ۱۵۵ ۚ بَلْ رَفَعُوْهُ

یقین نہیں ہے ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انھوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ۝ بلکہ اللہ نے ان کو

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٣﴾ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ

کتاب الیہا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ۵ اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے

الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ

ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۚ ﴿١٥٤﴾ فَيُظْلَمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا عَلَيْهِمْ

گواہ ہوں گے ۵ تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں

كُتِبَتْ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبُصِّدَ لَهُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ۚ ﴿١٥٥﴾ وَ

حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہت روکتے تھے ۵ اور

أَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلَهُمْ أَمْوَالِ النَّاسِ

ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق

بِالْبَاطِلِ ۚ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ ﴿١٥٦﴾

کھاتے تھے، اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے ۵

لَكِنِ الرُّسُلُ خَوَّنَتْ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں، وہ اس (وحی) پر ایمان لاتے

بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ

ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے

وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ

جو زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں

أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ۚ ﴿١٥٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم مغزیب اجر عظیم عطا فرمائیں گے ۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اہل کتب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتب نازل کر دیں بے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑ لیا پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود پھڑپھڑے کو (معبود) بنا لیا سو ہم نے اس کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ دیا۔ (النساء : ۱۵۳)

نبی ﷺ کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

امام ابن جریر متوفی ۳۴۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے 'موسیٰ اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے تو جب آپ بھی اللہ کے پاس سے (لکھی ہوئی) الواح لے آئیں گے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریج نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کریں گے حتیٰ کہ ہماری جانب اللہ کے پاس سے یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور فلاں شخص کے پاس بھی یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۰۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

جب یہودیوں نے ازراہ عناد نبی ﷺ سے یہ سوال کیا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتب آئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا : کہ یہ یہودی تو اس سے بڑے بڑے سوال حضرت موسیٰ سے کر چکے ہیں ہر چند کہ یہ سوال ان کے آباؤ اجداد نے کیے تھے لیکن چونکہ یہ ان سوالات پر راضی تھے اور ان ہی کی طرح سرکشی کر رہے تھے اور کئی معجزات دیکھنے کے باوجود نبوت پر ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان ہی کی طرح معاند تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی نسبت آپ کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف کر دی 'اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ اب کہہ رہے ہیں کہ تورات کی طرح آسمان سے لکھی ہوئی کتب نازل ہو تو پھر ایمان لائیں گے' حالانکہ جب ان کے آباؤ اجداد پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تو وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا یہ مطالبہ شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے نہیں تھا بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود پھڑپھڑے کو معبود بنالیا 'ان واضح دلائل سے مراد آسمانی بجلی ہے جو اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں پر گری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا' اس سے اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے تمام اور کامل ہونے پر دلالت ہوتی ہے اور اسی پر مدار الوہیت ہے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہے کہ ان کی دعا سے وہ دوبارہ زندہ کر دیئے گئے 'بہ ظاہر آسمانی بجلی ایک دلیل ہے لیکن یہ کئی دلائل کو متضمن ہے' اس کے علاوہ انہوں نے حضرت موسیٰ کا عصا دیکھا 'ید بیضا دیکھا' سمندر کو چیر کر اس میں بارہ رستوں کو بنانا دیکھا 'ان کے تعاقب میں آنے والے فرعون اور ان کے لشکر کا ان ہی راستوں میں ڈوبنا دیکھا 'ان تمام معجزات کو دیکھنے کے بعد انہوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنالیا اور اس کی پرستش کی 'تو اے رسول مکرم! آپ سے ان کا

ہوئی کہ ان کے پاس آئین سے لکھی ہوئی کتب آجائے انشراح صدر کے لیے نہیں ہے یہ ان کی وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے جو ان میں نسل در نسل چلی آرہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی گوسالہ پرستی کی سزائیں میں نے ان کو بالکل صفحہ ہستی سے نہیں مٹا دیا بلکہ ان کی سرکشی اور عناد کے بلوجود ان کو معاف کر دیا اور ہم نے حضرت موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا یعنی ان کی قوم کو ان کے مخالفین پر غلبہ عطا فرمایا اس میں نبی ﷺ کے لیے یہ رمز اور بشارت ہے کہ اگرچہ کفار آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور آپ کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ اور فتح عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھالیا، اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ، اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔ (النساء : ۱۵۳)

شریعت تورات کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اس آیت سے آیت : ۱۶۱ تک اللہ نے یہود کی باقی سرکشیوں اور جہالتوں کو بیان فرمایا ہے، ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی جب ان کے سروں کے اوپر پہاڑ طور اٹھالیا گیا، اور اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین سے نہ پھریں لیکن وہ دین سے پھر گئے پھر ان پر پہاڑ طور اٹھا کر ان سے عہد لیا گیا کہ وہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے یہ عہد کر لیا، دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی شریعت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں کے اوپر طور مسلط کر دیا اور انہوں نے اس پہاڑ کے خوف سے تورات کی شریعت کو قبول کر لیا۔

دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ، اس کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور تیسری سرکشی یہ تھی کہ ان سے اللہ نے فرمایا تھا کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھنا، اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا، دوسرا قول یہ ہے کہ تلاش روزگار اور حصول معاش کے لیے ہفتہ کے دن کوئی کام نہ کرنا اس کی تفصیل اور تحقیق بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے، اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور انہوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔ (النساء : ۱۵۵)

چار وجوہ سے یہود کا کفر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے کفر کی چار وجوہ بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بار بار عہد شکنی کی، دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا کفر کیا۔ آیتوں سے مراد معجزات ہیں اور معجزہ کا انکار کرنا نبوت کا انکار ہے اور ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے کیونکہ تمام نبیوں کی نبوت معجزہ سے ثابت ہوتی ہے اور ایک نبی کا انکار کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ تمام نبیوں کا انکار کیا جائے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل کرتے تھے

یہاں ناحق کے لفظ کو بالہ طور تاکید ذکر فرمایا ہے، کیونکہ نبی کو قتل کرنا ہوتا ہی ناحق ہے، اور جو قحی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، یعنی ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اس کی نظیر کافروں کا یہ قول ہے :

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكْثَٰثٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ وَفِيْ اْذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ .
اور انہوں نے کہا جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر ہمارے دلوں میں پردے پڑے ہوئے ہیں، اور ہمارے کانوں میں

(لحم السجدة : ۵) بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر حذر لگا دی ہے، یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور آپ کی بات ہم تک نہیں پہنچتی، یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہارے دل اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اپنے معظم رسول کی بات تم تک پہنچنے دیں کیونکہ تم مسلسل کفر اور گستاخیاں کر کے اپنے دلوں کو ارشادات رسول سننے کا نااہل بنا چکے ہو، اس لیے یہ نہ کہو کہ تم نہیں سنتے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تم سننے کے اہل نہیں رہے، اس کے بعد فرمایا تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے، اس آیت کے تین محمل ہیں، ایک محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم چیزوں پر ایمان لائیں گے، یعنی صرف حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لائیں گے اور باقی نبیوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے لیکن یہ ایمان بھی صرف ان کے زعم میں ہے حقیقت میں ایمان نہیں ہے، کیونکہ ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے، دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم وقت کے لیے ایمان لائیں گے اور تیسرا محمل یہ ہے کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان لائیں گے جیسے حضرت عبد اللہ بن سلام اور ان کی امثال۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ (النساء : ۱۵۶)

یسود کا کفر کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان باندھا

اس آیت میں یسود کی دو خرابیاں اور دو بد عقید گیل بیان کی ہیں، ایک ان کا کفر ہے اور دوسرا حضرت مریم پر بہتان ہے، کفر کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ سے پیدا ہونے کا انکار کیا، اور یہ انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے، اور اللہ کی قدرت کا انکار کفر ہے، دوسری وجہ کفر یہ ہے کہ اگر یہ ضروری ہو کہ ہر شخص کسی باپ سے پیدا ہو تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہو گا اور عالم قدیم ہو جائے گا اور عالم کا قدم ماننا کفر ہے اور ان کی دوسری بد عقیدگی اور سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگایا اور انہوں نے ایک پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائی، جب کہ ان کی پاک دامنی پر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مہد (پالنے) میں کلام کر کے دلیل قائم کی، اسی طرح منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور قرآن مجید نے حضرت عائشہ کی برأت بیان کی اور یسودیوں کی طرح روافض اب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تبرا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا) مشابہ بنادیا گیا تھا اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں۔ انہیں اس کا پائل

یہودیوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ (النساء : ۱۵۷)

یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا

اس آیت میں یہود کے ایک اور کفریہ قول کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا کفر ہے، کیونکہ اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں بہت کوشش کرتے تھے، ہرچند کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ فخریہ طور پر یہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے، اس لیے ان کا یہ قول کفریہ قرار پایا۔

یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا نہ انہوں نے ان کو سولی دی لیکن ان کے لیے کسی شخص کو (عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب یہودیوں نے ان کو گھیر لیا تھا، جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی، یہودیوں نے ان سے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے، تم یہ بتلاؤ کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی، انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا، اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا، یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھالیا تھا۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۱۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۵ھ)

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی روایات ذکر کی ہیں لیکن ان کا اعتماد صرف مذکور الصدر روایت پر ہے، ہم اس سلسلہ میں بعض دیگر روایات کا بھی ذکر کر رہے ہیں :

قلادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے تاکہ وہ قتل کر دیا جائے؟ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے نبی میں حاضر ہوں! سو اس شخص کو قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اپنے نبی کو بچالیا اور ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کے انیس حواریوں کو ایک مکان میں بند کر دیا، حضرت عیسیٰ نے اپنے اصحاب سے کہا کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ تاکہ وہ قتل کر دیا جائے! اور اس کو جنت مل جائے گی، تو ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت لے لی، اور حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ گئے، یہودیوں کو اس مکان سے نکالا گیا تو وہ کل انیس تھے، اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ کر چلے

گئے ہیں، یہودیوں نے ان کو گنا تو ان میں سے ایک شخص کو کم پایا، لورہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قتل کا ایک آدمی دیکھتے تھے، سو وہ شک میں پڑ گئے، اس کے بلوجود انہوں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا جو ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ تھے انہوں نے اس کو سولی پر چڑھا دیا لورہ یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

ابو علی جبائی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا لورہ اس کو ایک لوہی جگہ پر سولی دے دی، اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتیٰ کہ اس کا حلیہ خفیہ ہو گیا لورہ ان یہودیوں نے کہا ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تاکہ ان کے عوام اس دہم میں رہیں، کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا۔ لورہ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا اس نے یہودیوں سے تمیں درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا لورہ اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی، یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان ج ۶ ص ۱۸ لورہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ۲ ص ۳۳۱-۳۳۰ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔) (روح المعانی ج ۶ ص ۱۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہود کا کفر حضرت عیسیٰ کے قتل کے متعلق شک میں مبتلا ہونا اور آپس میں اختلاف کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں، انہیں اس کا بالکل یقین نہیں ہے، ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

(النساء : ۱۵۷)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۳۶۸ھ لکھتے ہیں :

یہودیوں نے جس شخص کو قتل کیا تھا اس کے متعلق یہودیوں کا اختلاف تھا کہ یہ عیسیٰ ہے یا نہیں، کیونکہ حضرت عیسیٰ کے جس مشابہ شخص کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے صرف چہرے پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالی گئی تھی لورہ اس کے باقی جسم پر حضرت عیسیٰ کی شبہ نہیں ڈالی گئی تھی، اس لیے جب انہوں نے اس کو قتل کر کے دیکھا تو کہا اس کا چہرہ تو عیسیٰ کی طرح ہے اور بدن کسی اور کا ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۱۳۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

جو شخص حضرت عیسیٰ کو ڈھونڈنے گیا تھا اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی یہودی کہتے تھے کہ اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ کہاں گئے؟ (زاوالمسیر ج ۲ ص ۲۲۵، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

حسن بصری نے کہا ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ بعض نے کہا عیسیٰ الہ ہیں اور بعض نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہیں، ایک

ہم نے یہ کہہ کر عیسٰی کو قتل کر دیا اور جنہوں نے ان کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھا تھا انہوں نے کہا ہم نے ان کو عیسٰی قتل کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ میں سے منطوریہ نے کہا عیسٰی کو بہ حیثیت ناسوت (جسم) کے سولی دی گئی اور بہ حیثیت لاہوت کے سولی نہیں دی گئی، اور فرقہ ملائییہ نے کہا کہ عیسٰی کو ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے قتل بھی کیا گیا اور سولی بھی دی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے کہا اگر یہ ہمارا صاحب ہے تو عیسٰی کہاں ہیں اور اگر یہ عیسٰی ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کہا کہ ہم نے عیسٰی کو قتل کیا ہے کیونکہ یہودیوں کے سردار یهوذا نے ان کو قتل کرنے کی سعی کی تھی اور عیسائیوں کے ایک گروہ نے کہا بلکہ ہم نے ان کو قتل کیا ہے اور اس میں سے ایک گروہ نے کہا بلکہ ان کو اللہ نے آسمان کی طرف اٹھالیا اور ہم ان کو دیکھ رہے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج: ۶ ص ۹، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

امام رازی کے اعتراض کا جواب

جس شخص پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس پر امام رازی نے دو اعتراض کیے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص پر دوسرے شخص کی شبہ ڈال دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ مثلاً جس شخص کو ہم زید سمجھ رہے ہیں وہ زید نہ ہو بلکہ اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو اس صورت میں اس کا نکاح اور اس کی ملکیت باقی نہیں رہے گی اور اس کی طلاق نافذ نہیں ہوگی، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس سے خبر تواتر میں نقص لازم آئے گا کیونکہ خبر متواتر کی انتہا کسی امر محسوس کے علم پر ہوتی ہے اور امر محسوس اب مشتبہ ہو جائے گا کیونکہ جس شخص کو مثلاً زید سمجھا جا رہا ہے ہو سکتا ہے وہ زید نہ ہو بلکہ ممکن ہے اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو۔

امام رازی نے ان اعتراضوں کا جواب یہ دیا ہے کہ ولکن شبہ لہم کا یہ معنی نہیں ہے کہ کسی انسان پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور یہودیوں نے اس کو حضرت عیسٰی سمجھ کر قتل کر دیا حتیٰ کہ یہ دو اعتراض لازم آئیں بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسٰی کو قتل کرنے کا قصد کیا تو اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ اب یہود کے سرداروں نے سوچا کہ اگر یہودی عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کو آسمانوں پر اٹھالیا گیا تو وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے تو انہوں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور لوگوں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ وہ مسیح ہیں اور لوگ مسیح کو صرف نام سے جانتے تھے شکل سے نہیں پہچانتے تھے کیونکہ حضرت مسیح لوگوں میں بہت کم مل جل کر رہتے تھے اور اس طریقہ سے یہ دونوں بول اٹھ جاتے ہیں۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ عیسائی اپنے اسلاف سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہوا مشاہدہ کیا تھا، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا تواتر چند لوگوں پر منتہی ہوتا ہے جو اس قدر کم ہیں کہ ان کا کذب پر متفق ہونا بعید نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۱-۳۴۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر ولکن شبہ لہم کا یہ معنی کیا جائے کہ ایک شخص پر حضرت عیسٰی کی شبہ ڈال دی گئی تھی تب بھی امام رازی کے اعتراض لازم نہیں آتے کیونکہ کسی شخص پر حضرت عیسٰی کی شکل کا ڈال دینا خرق عادت اور حضرت عیسٰی کا معجزہ ہے اور یہ علامہ "محل" ہے اور ہر معجزہ علامہ "محل" ہوتا ہے، اس لیے یہ اعتراض لازم نہیں آئے گا کہ پھر مثلاً زید محفل ہو گا کہ وہ زید نہ ہو بلکہ کسی اور شخص پر زید کی شبہ ڈال دی ہو۔ دیکھئے قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم پر آگ

معدی اور سلامتی دلی بن گئی، اب کوئی شخص کسی آگ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ بجلی کی بجائے دلی بن گئی ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ ٹھنڈک اور سلامتی دلی بن گئی تھی، لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاشی سناپ بن گئی تھی اور یہ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا، اب کوئی شخص کسی لاشی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے یہ لاشی سناپ بھی ہو، حضرت داؤد کے ہاتھ پر لوبازم ہو گیا تھا اس نے اب کوئی شخص کسی لوہے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بھی نرم ہو۔ اسی طرح مثلاً زید کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ زید نہ ہو اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو جیسا کہ کسی شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس لیے کہ وہ خرق عالت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، اور جو کام بہ طور اعجاز کیا جائے اس کا ہر شخص میں جاری ہونے کا احتمال نہیں ہوتا، میں نے اس مقام پر بہت سی تفسیروں کو دیکھا بعض مفسرین نے امام کے اعتراض کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اس گنہ گار کے سینہ پر اس جواب کو لٹا فرمایا ہے جیسے وہ گندی جگہ پر پاکیزہ سبزہ اگا رہا ہے، ایسے ہی وہ ایک کم علم بے ملیہ عمل، اور پرازمعاصی قلب پر لطیف اور پاکیزہ نکات وارد کر رہا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلکہ اللہ نے اہل کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔ (النساء: ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی کیفیت کا علم اس روایت سے ہوتا ہے :

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

نام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے، حضرت عیسیٰ جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سر سے پللی کے قطرے ٹپک رہے تھے، آپ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہو، تو ان میں سے ایک کم عمر نوجوان اٹھا، آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، پھر دوبارہ سوال دہرایا پھر وہ جوان اٹھا، اور کہا میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا ہاں تم ہی اس کے اہل ہو، پھر اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا، پھر یہود حضرت عیسیٰ کی تلاش میں آئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو پکڑ لیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس کو سولی پر لٹکا دیا، پھر ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا انکار کیا اور ان کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان خود اللہ تھا، جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے، دوسرے فرقے نے کہا وہ ابن اللہ تھا جب تک چاہا ہم میں رہا اور جب چاہا آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے، اور ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا اور یہ فرقہ مسلمان تھا، پھر دونوں کافر فرقے اس پر غالب آ گئے اور اس کو قتل کر دیا پھر اس وقت سے دین اسلام کا چراغ بجھا رہا حتیٰ کہ اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا

اس حدیث کی حضرت ابن عباس تک سند صحیح ہے امام نسائی نے اس حدیث کو از ابو کریب از ابو معلویہ اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کو متعدد اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۳۰-۳۲۹، مطبوعہ دارالاندلس بیروت)

علامہ ابوالحیاء محمد بن یوسف غریابی اندلسی متوفی ۷۵۳ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں یہودیوں کے اس دعویٰ کا انکار ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب بھی دوسرے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج میں ہے، اور وہ وہیں پر مقیم ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے انہیں زمین پر نازل فرمائے گا اور وہ زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دیں گے جس طرح پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی اور زمین پر چالیس سال زندہ رہیں گے جس طرح انسان زندہ رہتے ہیں پھر اس طرح وفات پا جائیں گے جس طرح انسانوں کو موت آتی ہے، قتلاہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا ان کو نور کا لباس پہنایا اور ان کے پر لگا دیے اور ان کو کھلنے پینے سے منقطع کر دیا اور وہ ملائکہ کے ساتھ عرش کا طواف کرنے لگے اور وہ ایسے انسان بن گئے جو ملکی سلوی اور ارضی تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور حکمت کا معنی کمال علم اور عزت کا معنی کمال غلبہ ہے، اس صفت کے لانے میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے آسمانوں کی طرف اٹھانا اگرچہ بشری متعذر اور دشوار ہے لیکن میری حکمت اور میرے غلبہ کے سامنے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے، حکمت اور غلبہ کی یہ تفسیر بھی ہے کہ یہودی نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو ناکام کیا اور اپنی قوت اور غلبہ سے حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھالیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے انہیں آسمان پر لے جائے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ تیس سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی اور تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں آپ کو اوپر اٹھالیا گیا، لہذا آپ کی نبوت کی مدت تین سال ہے، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھت کے ایک سوراخ میں داخل کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سوراخ سے آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۲۹-۱۲۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۲ھ علامہ ابوالحیاء اندلسی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل میں بھی اس عبارت کی تائید ہے، اور بعض حواریوں نے سولی کے واقعہ کے بعد حضرت عیسیٰ کو دیکھا تو وہ ان کی روح کے متشکل ہونے کے باب میں ہے کیونکہ قدسیوں کی روح کو اس عالم میں تشکل اور تطور (یعنی روح کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر آنا) کی قوت حاصل ہوتی ہے خواہ ان کی ارواح کسی بلند مقام پر ہوں، اور اس امت کے بہ کثرت اولیاء مختلف شکلوں میں آتے ہیں اور ان کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ حصر اور بیان سے باہر ہیں۔

(روح المعانی ج ۶ ص ۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

شیخ احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اللہ تعالیٰ کے آلے جنت کی آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں سورہ النساء کی زیر تفسیر آیت بیل رفعہ اللہ الیہ (۱۵۸) سے بھی انہوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔

(شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۷۵ مطبوعہ دار السلام ریاض)

نیز لکھا ہے کہ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی، (مرتفع، مستقر یا صلح) ہونے کا ذکر ہے اور یہ آیات ان کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور ان میں سلطنت کا غلبہ کا معنی کرنا باطل ہے۔

(شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۷۳)

علامہ تقی الدین ابوبکر حسنی دمشقی متوفی ۸۲۹ھ لکھتے ہیں :

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا، اس نے کہا اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی جوتیوں سے مرمت شروع کر دی، اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا، انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا، اس نے یہ آیت پیش کی الرحمن علی العرش استوی علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قولہ علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے، پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی، اینما تولوا فثم وجه اللہ (البقرہ : ۱۵) ”تم جہاں کیس (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو“ اللہ اسی طرف متوجہ ہے۔“ اس نے اس آیت کی باطل تویلات کیں۔ اس نے کہا اللہ حقیقتہ ”ہمارے ساتھ ہے“ اور اللہ عرش پر بھی حقیقتہ ”مستوی ہے“ اور یہ شخص نبی ﷺ سے بھی عدوت رکھتا تھا، علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا، قاضی مالکی کے حکم سے اس کو اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا گیا، اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے، امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا، اور شیخ شہاب الدین بن جہل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا، سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدر الدین بن جملہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی لہذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔ (کتاب دفع شبہ من شبہ و تہرید ص ۳۵-۳۶، ملخصاً، مطبوعہ دار الکتاب العربیہ حلب ۱۳۵۰ھ)

علامہ تاج الدین عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی السبکی المتوفی ۷۷۵ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

کذب ابن فاعلہ یقول لجهلہ اللہ جسم لیس کالجسمان

زانہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے، حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۷۹، ۸۰، دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا، لیکن اس کی عقل میں کمی تھی، دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے اس کو

پیش کیا گیا اور اس سے کہا ان اعتراضات کے جواب دو، اس نے کہا لا الہ الا اللہ اور کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ اس نے یہی جواب دیا اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا، میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا، یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا، دوران وعظ اس نے کہا اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا، پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا۔ اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا۔ اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں : اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقیں کو ایک طلاق قرار دیا، قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا، ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا۔ (رحلہ ابن بطوطہ ص ۱۳۳-۱۳۴، مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا، اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں، یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا، اور مصر، قاہرہ، اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۷۲۸ھ ہجری میں فوت ہوا، اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۱۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی، پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا جس طرح میں اتر اہوں اللہ اس طرح اترتا ہے، اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے۔ (الدر النکاح ج ۱ ص ۱۵۳، مطبوعہ دار الجیل بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ، پیر، چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تمیز اور انقسام لازم آئے گا، تو اس نے کہا میں یہ نہیں مانتا کہ تمیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے، اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تمیز اور انقسام کا قائل ہے، بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی ﷺ سے مدد نہیں مانگنی چاہئے، اس کے قول میں نبی ﷺ کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے، بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا، کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ آپ نے سترہ مقالات میں خطا کی، اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی، انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے، اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی، نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مہاجر سے محبت کرتے تھے، حضرت ابو بکر کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حضرت علی کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا۔ (الدر النکاح ج ۱ ص ۱۵۵، مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی کی متوفی ۹۷۳ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا، اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرا کیا اور ذلیل کیا۔ اس کی بدعت بڑے ائمہ نے تصریح کی ہے مثلاً امام مجتہد سبکی، اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عز بن جملہ اور ابن کے معاصرین اور دیگر شافعی، مالکی، اور حنفی علماء، اس شخص نے اکثر اکابر صوفیاء کو بدعتی کہا مثلاً عارف ابوالحسن شافعی کو اور ابن علی، ابن الفارح، ابن سبعین، الحلج حسین بن منصور کو، اس کے معاصر تمام علماء نے اس کو فاسق اور بدعتی کہا بلکہ بہت علماء نے اس کو کافر کہا، اس کے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم ہے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نے خود اس سے جامع الجلیل کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا ہے اس نے حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق کہا انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں، اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ حضرت علی نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور جت اور منتقل ہونے کا قول کیا، اور اس نے کہا اللہ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا ہے اور اس نے کہا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی اور انبیاء غیر معصوم ہیں، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی وجاہت نہیں اور نہ آپ کے ساتھ تو سل کیا جائے، اور اس نے کہا نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عنقریب آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہو گا، اور اس نے کہا کہ تورات اور انجیل کے الفاظ تبدیل نہیں ہوئے صرف معانی تبدیل ہوئے ہیں۔ ملخصاً (فتاویٰ حدیثہ ص ۱۰۰-۹۹، ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر) علامہ ابن حجر مکی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

تم اپنے آپ کو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ کی کتابوں سے بچائے رکھنا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی، اور اللہ نے اس کو علم کے بلوغد گمراہ کر دیا، اور اس کے دل اور اس کے کانوں پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (فتاویٰ حدیثہ ص ۱۷۳، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر ۱۳۵۶ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے افراط کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ زیارت (قبر کریم) کا عبادت ہونا ضروریات دینیہ سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے، اور ابن تیمیہ کی تکفیر کا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں : اللہ کی جناب میں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا مستحسن ہے، اور سلف اور خلف میں سے ابن تیمیہ کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، اس نے یہ بدعت کی اور وہ بات کسی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۷ھ)

مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں :

امام ابن تیمیہ کے علمی اختیارات و تفردات ہیں جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں، مثلاً یہ کہ سجدہ تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے، اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی، اور یہ کہ ہر

نصرت اور نصرت کے لئے ضروری ہے۔ (فقہی ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عدا "نماز چھوڑ دے تو اس کی عدا نہیں اور یہ کہ توسل درست نہیں اور استشفاء عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومت وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے مگر اپنے نظریات سے انہوں نے رجوع نہیں کیا اور تا دم مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔

(سماع الموتی ص ۱۳۳-۱۳۳، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "قبل موت" کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں، ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہو گا : اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے، امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

اسدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا : ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا، ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا جو شخص ڈوب رہا ہو یا آگ میں جل رہا ہو یا اس پر اچانک دیوار گر جائے یا اس کو درندہ کھا جائے وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا، حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۸-۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ تفسیر مروج ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مرجاتا ہے یا خود کشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی علوہ میں اچانک مرجاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا، اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے، امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو، بہر نوع اس صورت میں معنی یہ ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعد بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔

ابو مالک نے اس کی تفسیر میں کہا جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہو گا تو اہل کتب میں سے ہر شخص ان ایمان لے آئے گا۔

حسن نے اس کی تفسیر میں کہا حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

ابن زید نے کہا جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان ج ۶ ص ۲۶-۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں :

(۱) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔

(۲) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہوگی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تاکہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(۳) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتیٰ کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے، احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہو گا سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہو گا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے، وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(۵) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی ﷺ کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق احادیث

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، ہزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہو گا، حتیٰ کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مانیہا سے بہتر ہو گا، اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو : وان من اهل الكتب الا لیسؤمنن به قبل موته "اہل کتب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔"

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۴۳۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۴۲۲، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۴۳۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث :

۴۰۷۸، مسند احمد ج ۳، رقم الحدیث : ۱۰۹۴۳، صحیح ابن حبان ج ۱۵، رقم الحدیث : ۶۸۱۸، مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، ص ۳۹۹، رقم الحدیث :

۲۰۸۳۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، ص ۱۳، رقم الحدیث : ۱۹۳۴۱، شرح السنہ ج ۷، رقم الحدیث : ۴۱۷۵)

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہوگی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔

(صحیح البخاری، رقم الحديث : ۳۳۳۹، صحیح مسلم، رقم الحديث : ۲۳۳۲، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶، مصنف عبد الرزاق، رقم الحديث : ۲۰۸۳۱، شرح السنن ج ۷، رقم الحديث : ۴۱۷۲)

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتیٰ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، ان (مسلمانوں) کا امیر کے گا آئے آپ ہم کو نماز پڑھائیے۔ حضرت عیسیٰ اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے نہیں تمہارے بعض، بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴، ۳۸۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۳) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، عیسیٰ بن مریم فوج روعاء (مدینہ سے چھ میل دور ایک جگہ) میں ضرور بلند آواز سے تلبیہ (البیک اللہم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک) کہیں گے در آں حالیکہ وہ حج کرنے والے ہوں گے، یا عمرہ کرنے والے ہوں گے یا (دونوں کو ملا کر) حج قرآن کرنے والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحديث : ۱۲۵۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹادیں گے، اور ان کے لیے نماز جماعت سے پڑھائی جائے گی، وہ مال عطا کریں گے، حتیٰ کہ اس کو، کوئی قبول نہیں کرے گا، وہ خراج کو موقوف کر دیں گے، وہ مقام روعاء پر نازل ہوں گے، وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا قرآن کریں گے، پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی وان من اهل الكتاب الا لیؤمنن به قبل موته خلفه کا خیال ہے حضرت ابو ہریرہ نے ”قبل موت عیسیٰ“ پڑھا تھا، پتا نہیں یہ بھی حدیث کا جز ہے یا حضرت ابو ہریرہ نے خود تفسیر کی تھی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۶) امام محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، انصاف کرنے والے، امام علول ہوں گے، وہ ضرور راستوں پر حج یا عمرہ کرنے جائیں گے، وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے اور مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا، حضرت ابو ہریرہ نے (راوی سے) کہا اے میرے بھتیجے اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہنا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا، امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، المطاب العالیہ ج ۳ ص ۲۳)

(۷) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے دجل کا ذکر فرمایا اور اس کے ذکر میں آپ نے آواز پست بھی کی اور بلند بھی (یا اس کو بہت معمولی بھی قرار دیا اور بہت ہولناک بھی) حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں (ہمیں کہیں) ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپس ہوئے اور پھر حاضر ہوئے، آپ نے ہمارے چہروں کو وحشت زدہ دیکھ کر پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا؟ ہم نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے دجل کا ذکر کیا اور اس کی حقارت اور ہولناکی کو بیان کیا حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے، آپ نے فرمایا دجل سے زیادہ مجھے ایک اور چیز کا تم پر خدشہ ہے اگر (بافرض) دجل کا ظہور میرے سامنے ہوا تو تمہارے بجائے میں اس کے خلاف جہت پیش کروں گا، اور اگر دجل کا ظہور اس وقت ہوا جب میں تم میں نہیں ہوں گا تو ہر شخص خود اس کے مقابلہ میں جہت پیش کرے گا، اور میری طرف سے ہر مسلمان کا اللہ محافظ ہے، دجل کھنگھریالے پاؤں والا جوان ہو گا، اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہو گی (کنا ہو گا) گویا کہ میں اس کو (زمانہ جاہلیت کے ایک شخص) عزی بن قطن کے غلام کے مشابہ پاتا ہوں، تم میں سے جو شخص اس کو دیکھے وہ سورہ کف کی ابتدائی آیات پڑھے، آپ نے فرمایا وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد پھیلانے لگا، اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا زمین میں قیام کتنی مدت کے لیے ہو گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن تک، ایک دن ایک سال کی طرح ہو گا، اور ایک دن ایک مہینہ کی طرح ہو گا، اور ایک دن ایک جمعہ (سات دنوں) کی طرح ہو گا، اور باقی دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتلائیے جو دن ایک سال کی طرح ہو گا اس میں ہمیں ایک دن کی نمازیں کتنی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں، لیکن تم اندازہ سے نماز کے اوقات مقرر کر لینا، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر تیز رفتاری سے چلے گا؟ آپ نے فرمایا: جس تیز رفتاری سے ہوا بادلوں کو چلاتی ہے، پھر وہ لوگوں کے پاس جا کر ان کو اپنی دعوت دے گا وہ اس کی تکذیب کریں گے، اور اس پر رد کریں گے، جب وہ وہاں سے واپس ہو گا تو ان لوگوں کے اموال اس کے ساتھ چل پڑیں گے اور صبح کو وہ لوگ خالی ہاتھ رہ جائیں گے، پھر وہ دوسرے لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو دعوت دے گا وہ اس کی دعوت قبول کر لیں گے، اور اس کی تصدیق کریں گے، وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہونے لگے گی، زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو وہ درخت اگائے گی، شام کو ان کے مویشی اپنی چراگاہوں سے اس طرح لوٹیں گے کہ ان کے کوہان لمبے، کولمے چوڑے اور پھیلے ہوئے اور تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، پھر وہ ایک ویران زمین سے کسے گا کہ اپنے خزانے نکالو، اور جب وہ لوٹے گا تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے شد کی مکھیوں کے سرداروں کی طرح (بہ کثرت) چل رہے ہوں گے، پھر وہ ایک جوان شخص کو بلائے گا جو بھرپور جوان ہو گا، اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر اس کو بلائے گا تو وہ خوشی سے ہنستا ہوا اس کے پاس آئے گا، وہ اسی حال میں ہو گا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے جب آپ سرینچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے، جس کافر تک آپ کے سانس کی بو پہنچے گی وہ مرجائے گا اور آپ کے سانس کی بو حدنگاہ تک پہنچے گی، پھر حضرت عیسیٰ دجل کو تلاش کریں گے حتیٰ کہ اس کو لد کے دروازے پر پا کر قتل کر دیں گے، پھر جب تک اللہ چاہے گا وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ آپ کو

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے بوندوں کو پہاڑ طور کی طرف جمع کرو، کیونکہ میں وہاں اپنی ایک ایسی مخلوق اتاروں گا جس سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے، آپ نے فرمایا : اللہ یا جوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے، آپ نے فرمایا : یہ لوگ پہلے بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے، پھر یہاں سے ان کے آخری لوگ گزریں گے اور کہیں گے کہ شاید کبھی یہاں پانی تھا، پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس کے پہاڑ تک پہنچیں گے، اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تواب قتل کر لیا چلو اب آسمان والوں کو قتل کریں، وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے، اللہ ان کے خون آلودہ تیر واپس بھیج دے گا، اور حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کیا جائے گا، حتیٰ کہ (بھوک کی وجہ سے) ان کے نزدیک بیل کا سر تمہارے سودیناروں سے زیادہ قیمتی ہو گا، پھر حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان (یا جوج ماجوج) کی گردنوں میں ایک کیرا پیدا کرے گا حتیٰ کہ وہ سب یک لخت مرجائیں گے، پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اتریں گے تو ان کی بدبو، اور ان کی چربی اور ان کے خون سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے تو اللہ لمبی گردن والے اونٹوں کو مثل پرندے بھیجے گا، جو انہیں اٹھا کر پہاڑ کے غار میں پہنچا دیں گے، مسلمان ان کے تیر و ترکش سات سال تک جلائیں گے، پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جو ہر گھر اور ہر خیمہ تک پہنچے گی، اور تمام زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف شفاف کر دے گی، پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل باہر نکل اور اپنی برکتیں لوٹا، سو اس دن ایک جماعت ایک انار کھائے گی اور اس کے چھلکے کے سائے میں بیٹھے گی، دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ پوری جماعت کے لیے کافی ہو گا، ایک گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ سیر ہو جائے گا اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹے قبیلہ کے لیے کافی ہو گا، وہ اس حال میں ہوں گے کہ اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی پھر (برے) لوگ باقی رہ جائیں گے وہ عورتوں سے اس طرح کھلم کھلا جماع کریں گے جس طرح گدھے کرتے ہیں، ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہو گی، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۲۳۷، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۹۳۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۳۲۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۰۷۵، مسند احمد، رقم الحدیث : ۱۸، المستدرک ج ۴ ص ۹۲)

(۸) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں دجال نکلے گا وہ چالیس..... تک ٹھیرے گا، پتا نہیں آپ نے چالیس دن فرمایا تھا یا چالیس ماہ یا چالیس سال فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود کی مثل ہوں گے، وہ دجال کو ڈھونڈ کر اس کو ہلاک کر دیں گے، پھر لوگ سات سال تک ٹھیرے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا، اور روئے زمین میں جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو گا وہ اس کی روح کو قبض کرے گی اور زمین میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے نہ وہ کسی نیکی کو پہچانیں گے نہ کسی برائی کا انکار کریں گے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۹۳۰، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۱، المستدرک ج ۴ ص ۵۳۳)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ (شام یا دابق) دو مقلات جو حلب کے قریب ہیں) نہ پہنچ جائیں، پھر ان (سے لڑنے) کے لیے مدینہ سے ایک

لشکر روانہ ہو گا وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے نیک لوگ ہوں گے جب دونوں لشکر صف آراء ہوں گے تو مسلمانوں (مسلمانوں سے) کہیں گے تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان نہ آؤ جنہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا ہے مسلمان کہیں گے نہیں بہ خدا ہم تم کو اپنے بھائیوں سے لڑنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے پھر وہ ان سے لڑیں گے تو ان میں سے ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا اور ایک تہائی مسلمان قتل کر دیئے جائیں گے، وہ اللہ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے، بقیہ تہائی فتح حاصل کریں گے وہ کبھی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوں گے، وہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے، جس وقت وہ مل غنیمت کو تقسیم کریں گے اور اپنی تلواریں زینتوں کے درختوں پر لٹکا دیں گے، تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا، تمہارے بل بچوں کے پاس مسیح دجل پہنچ گیا ہے، مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے، حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی، جب یہ ملک شام پہنچیں گے تب دجل نکلے گا، جس وقت وہ لڑائی کے لیے صفیں درست کریں گے، اور نماز قائم کی جائے گی تو حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے، اور جب اللہ کا دشمن (دجل) ان کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پھل جلائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے، اگر حضرت عیسیٰ اس کو چھوڑ دیتے تب بھی وہ پھل کر ہلاک ہو جاتا، لیکن اللہ ان کو حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے قتل کرے گا اور ان کے نیزے پر اس کا خون (لوگوں کو) دکھائے گا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۹۷)

(۱۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے، آپ نے پوچھا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو، صحابہ نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا : قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس علامتیں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دخان (دھواں) دجل، وابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع، عیسیٰ بن مریم ﷺ کا نزول، یاجوج ماجوج، تین بار زمین کا دھنسا، مشرق میں دھنسا، مغرب میں دھنسا، جزیرۃ العرب کا دھنسا، اس کی آخری علامت آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم : ۲۹۰۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۳۱۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۹۸۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۰۴۱، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث : ۲۱۱۳۲، مسند الیاسی، رقم الحدیث : ۱۰۶۷، مسند الحمیدی، رقم الحدیث : ۸۲۷، شرح السنہ، رقم الحدیث : ۴۲۵۰) (۱۱) امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ آگ سے محفوظ رکھے گا، ایک وہ جماعت جو ہند میں جماد کرے گی، دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگی۔ (سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۱۷۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۸، المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۶۷۳۷، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں) (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲)

(۱۲) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بختانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے، اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے، جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے، ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہو گا، قد متوسط ہو گا دو ہلکے زرد حلقے پہنے ہوئے ہوں گے، ان پر تری نہیں ہوگی لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، وہ لوگوں سے اسلام پر قتل کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے جزیہ موقوف کر دیں گے، اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا اپنی

مذہب کو سادے گا وہ حج و جہل کو ہلاک کریں گے، چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنتہ پر پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۳۲۳، مسند احمد ج ۲ ص ۷۳۷، جامع البیان جز ۶ ص ۶۱، طبع دار المعرفہ)

(۴۳) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم، دجل کو لد (بیت المقدس کے قریب فلسطین کی ایک بستی ہے) کے دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۲۵۱، مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث : ۱۵۳۶۶، المعجم الکبیر ج ۱۹، رقم الحدیث : ۱۰۷۷، مسند الطیالسی، رقم الحدیث : ۳۲۷، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث : ۲۰۸۳۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحدیث : ۱۹۳۳۹)

(۴۴) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک تم میں عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے، اور اس قدر مل عطا کریں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہوگا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۳۷۶، نحوہ صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۵۵، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۰۷۸، مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحدیث : ۱۹۳۳۱)

(۴۵) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، پس میں شفاعت کروں گا، اور میری امت کے لوگ عنقریب عیسیٰ بن مریم کو پائیں گے اور دجل سے قتل کا مشاہدہ کریں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵، رقم الحدیث : ۳۱۷۲، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے المستدرک ج ۳ ص ۵۳۳، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۹)

(۴۶) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو پائے ان کو میری طرف سے سلام کہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۳ ص ۵۳۵)

(۴۷) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب تک دس علامتیں (ظاہر) نہ ہوں قیامت قائم نہیں ہوگی، مشرق میں زمین دھنس جائے گی، اور مغرب میں اور جزیرہ عرب میں، اور دجل کا خروج ہوگا اور دھوئیں کا ظہور ہوگا، اور عیسیٰ کا نزول ہوگا، اور یاجوج ماجوج اور دابة الارض، اور سورج کا مغرب سے طلوع، اور عدن کے وسط سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۲ ص ۸۰-۷۹، المستدرک ج ۳ ص ۳۲۸، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲۸)

(۴۸) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے امید ہے کہ اگر میری عمر طویل ہوئی تو میں عیسیٰ بن مریم کو پالوں گا، اور اگر مجھے لہو موت آگئی تو جو ان کو پائے وہ ان کو میرا سلام کہہ دے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹، ۳۹۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت عبداللہ بن سلام اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کی صفت لکھی ہوئی ہے اور عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن کیے جائیں گے، ابو موسیٰ نے کہا آپ کے روضہ میں ایک قبر کی جگہ رکھی ہوئی ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۶۳۷، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۶) (۱۹) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جامع دمشق کے سفید مشرقی کنارہ کے پاس نازل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث : ۵۹۰، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۵، الجامع الصغیر ج ۲ رقم الحدیث : ۱۰۰۲۳، الجامع الکبیر ج ۹ رقم الحدیث : ۲۸۹۰۴، تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۰۴) (۲۰) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میری امت میں سے بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے، جو ان سے عداوت رکھے گا ان پر غالب رہیں گے، حتیٰ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آجائے گا، اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۹، یہ حدیث صحیح ہے، اقائد البرہان ص ۵۸)

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے در آن حالیکہ میں رو رہی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم کس وجہ سے رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دجال کو یاد کر کے رو رہی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر (بالفرض) وہ میری زندگی میں نکلا تو میں اس کے لیے کفی ہوں، اور اگر میرے بعد دجال نکلا تو تمہارا رب عز و جل کا نا نہیں ہے، وہ اصفہان (ایران کا ایک شہر) کے یہودیوں میں سے نکلے گا، حتیٰ کہ مدینہ پہنچے گا اور اس کی ایک جانب میں ٹھہرے گا، اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ میں دو فرشتے ہوں گے، اور سب برے لوگ دجال کے ساتھ آئیں گے، حتیٰ کہ وہ شام میں پہنچے گا، اور فلسطین کی بستی لد کے دروازہ میں آئے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس کو قتل کر دیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے، در آن حالیکہ وہ امام عادل، اور انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحدیث : ۱۹۳۲۰، مسند احمد ج ۶ ص ۷۵، اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۸)

(۲۲) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سے اللہ نے آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ روئے زمین پر نازل نہیں کیا، اور میں تم کو اس کے متعلق ایسی بات بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی، وہ گندمی رنگ کا ہو گا، اس کے بال گھنگریالے ہوں گے اور اس کی بائیں آنکھ رگڑی ہوئی ہو گی۔ اس کی دونوں آنکھوں پر دبیز گوشت چڑھا ہوا ہو گا، وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں، سو جس نے کہہ دیا کہ میرا رب اللہ ہے وہ کسی آزمائش میں نہیں پڑے گا، اور جس نے کہہ دیا تو میرا رب ہے وہ آزمائش میں پڑ جائے گا، جب تک اللہ چاہے گا وہ تم میں سے ٹھہرے گا، پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، در آن حالیکہ وہ (سیدنا) محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، اور آپ کی ملت پر ہوں گے، امام، مہدی، حاکم اور عادل ہوں گے سو وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵، رقم الحدیث : ۳۵۷۷، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۸)

(۳۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ہمیں بہت طویل خطبہ دیا، اور ہمیں دجال سے ڈرایا، اور فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو زمین میں پھیلایا ہے دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے، اور اللہ عز و جل نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور میں نبیوں میں سب سے آخر ہوں اور تم امتوں میں سب سے آخر ہو، اور وہ لامحالہ نکلنے والا ہے اگر وہ (بالفرض) تمہارے درمیان میری موجودگی میں نکلا، تو میں ہر مسلمان کی طرف سے اس سے مقابلہ کروں گا، اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان میری طرف سے نگہبان ہے، اور وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا، وہ اپنے دائیں اور بائیں فساد برپا کرے گا، اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا، میں عنقریب تمہارے لیے اس کی صفات بیان کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں وہ ابتداء "یہ کہے گا کہ میں نبی ہوں، حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، پھر دوبارہ یہ کہے گا، میں تمہارا رب ہوں، حالانکہ تم موت سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھو گے، اور وہ کانا ہو گا اور تمہارا رب کانا نہیں ہے اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہو گا، جس کو ہر مومن پڑھے گا خواہ وہ لکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہو گی، حالانکہ اس کی دوزخ جنت ہو گی اور اس کی جنت دوزخ ہو گی، جو شخص اس کی دوزخ میں مبتلا ہو وہ اللہ سے مدد طلب کرے، اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے، تو اس پر وہ دوزخ ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی، اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا یہ بتا کہ اگر میں تیرے لیے تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو یہ گواہی دے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ہاں! پھر وہ دو شیطانوں کو اس کے ماں باپ کی صورتوں میں منتمل کر دے گا اور وہ کہیں گے اے میرے بیٹے اس کی اطاعت کرو یہ تمہارا رب ہے، اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک شخص پر مسلط ہو کر اس کو قتل کر دے گا اس کے آری سے دو ٹکڑے کر دے گا، پھر کہے گا اب میرے اس بندے کی طرف دیکھو میں اس کو زندہ کرتا ہوں پھر کیا یہ گمان کرے گا کہ میرے سوا اس کا کوئی رب ہے؟ اللہ اس شخص کو زندہ کر دے گا، اور وہ خبیث اس شخص سے کہے گا، تیرا رب کون ہے، وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے! اور تو اللہ کا دشمن ہے اور تو دجال ہے بہ خدا مجھے آج سے پہلے تیرے متعلق اتنی بصیرت نہ تھی!

ابو الحسن طائفی (امام ابن ماجہ کے شیخ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ شخص میری امت میں سے جنت کے سب سے بلند درجہ میں ہو گا، ابو سعید نے کہا بہ خدا، میں یہ یقین تھا کہ وہ شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں، حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے، محاربی نے کہا اب ہم پھر ابو رافع (حضرت ابو امامہ باہلی) کی روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں!

آپ نے فرمایا : اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہو گی، اور زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو زمین درخت اگائے گی، اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تکذیب کریں گے سو ان کے تمام مویشی ہلاک ہو جائیں گے، اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی

اور زمین کو ہنرہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگانے کی حتیٰ کہ ان کے موٹی چریں گے، اور وہ پہلے سے بہت مہلے فریہ ہو جائیں گے ان کی کو کھیں بھری ہوئی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے پر ہوں گے، وہ تمام روئے زمین کا سفر کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے گا ماسوا کہ اور مدینہ کے، ان کے درمیان پہاڑی راستوں پر وہ نہیں جائے گا اور ہر راستہ پر لڑنے تلواریں سونٹے کھڑے ہوں گے، حتیٰ کہ وہ بنجر زمین میں ایک چھوٹی پہاڑی پر اترے گا، پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے، اور ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت نکل کر اس کی طرف آجائیں گے۔ سومدینہ اپنے میل کچیل کو اس طرح نکل دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکل دیتی ہے، اور وہ دن یوم نجات کملائے گا، پھر ام شریک بنت النکر نے کہا یا رسول اللہ! اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا عرب اس دن کم ہوں گے، اور وہ سب بیت المقدس میں ہوں گے، اور ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا، جس وقت ان کا امام ان کو صبح کی نماز پڑھا رہا ہو گا، اس وقت صبح کو عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ امام اٹنے پر پیچھے ہٹ جائے گا، تاکہ حضرت عیسیٰ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ اس کے دو کندھوں پر رکھ کر فرمائیں گے، آگے بڑھو، نماز پڑھاؤ اقامت تمہارے لیے کی گئی ہے، پھر ان کا امام ان کو نماز پڑھائے گا، جب وہ نماز پڑھ لے گا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے (مسجد کا) دروازہ کھول دو، دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ دجل ہو گا، وہ سب موٹی چادریں اوڑھے تلواروں سے مسلح ہوں گے، جب دجل حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگے گا، عیسیٰ فرمائیں گے میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تو زندہ نہ رہ سکے گا پھر اس کو لد (فلسطین کی ایک بستی) کے مشرقی دروازہ کے پاس قتل کر دیں گے، پھر یہودی شکست کھا جائیں گے وہ جس چیز کے پیچھے جا کر چھپیں گے وہ چیز بتا دے گی یہاں یہودی چھپا ہوا ہے خولہ وہ پتھر ہو، درخت ہو، دیوار ہو یا کوئی جانور ہو۔ اس سے آواز آئے گی اے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے؟ اس کو قتل کر دے۔ الحدیث بطولہ۔ (سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۰۷۷، المستدرک ج ۳ ص ۵۳۶، شرح الموابہ اللہ نیج ج ۶ ص ۵۳۳)

(۲۴) امام جعفر صادق اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اور لوگوں کو خوش خبری دو، میری امت کی مثل بارش کی طرح ہے پتا نہیں اس کے اول میں خیر ہے یا آخر میں، یا اس بلغ کی طرح ہے جس سے ایک سال تک ایک فوج کھاتی رہی، پھر دوسرے سال ایک اور فوج کھاتی رہی اور شاید دوسری فوج زیادہ وسیع، عریض اور حسین تھی اور وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جبکہ اول میں ہیں ہوں وسط میں مہدی ہے اور آخر میں مسیح ہے لیکن ان کے درمیان ایسے ٹیڑھے لوگ بھی ہوں گے جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ (مشکوٰۃ ص ۵۸۳ مطبوعہ دہلی)

(۲۵) امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے در آں حایکہ وہ امام اور ہادی ہوں گے اور عدل و انصاف کرنے والے، جب وہ نازل ہوں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے، اور سب لوگ ایک ہی ملت پر ہوں گے، ان کے احکام زمین پر نافذ ہوں گے حتیٰ کہ شیر گائے کے ساتھ بیل کی طرح چلے گا، اور بھیڑیا بکریوں کے ساتھ کتے کی طرح۔ الحدیث (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، رقم الحدیث : ۲۰۸۳۳، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۰ھ)

(۲۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں، وہ امام عادل ہوں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ جزیہ کو موقوف کریں گے۔

رہا۔ کسی کے لیے ایک (طرح کا) سجدہ ہو گا، جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی اور زمین اسلام سے اس طرح بھر جائے گی جس طرح کھال پانی سے بھر جاتا ہے اور زمین کو دسترخوان بنا دیا جائے گا اور عداوت اور بغض کو اٹھالیا جائے گا بھیڑیا بکریوں میں گھسکی طرح ہو گا اور شیر اونٹنیوں میں ان کے زکری طرح ہو گا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۸، رقم الحديث : ۲۰۸۴۳)

(۲۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں۔ ان کا دین واحد ہے اور ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں۔ ان میں میرے سب سے قریب عیسیٰ بن مریم ہیں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی رسول نہیں ہے، وہ ضرور تم میں نازل ہوں گے ان کو پہچان لینا وہ متوسط القامت اور سرخی مائل سفید ہوں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، جزیہ کو موقوف کر دیں گے، اسلام کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کریں گے، ان کی دعوت صرف ایک ہوگی رب العلمین کے لیے۔ ان کے زمانہ میں عدل ہو گا، حتیٰ کہ شیر گایوں کے ساتھ اور بھیڑیا بکریوں اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، رقم الحديث : ۲۰۸۴۵، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحديث : ۱۹۳۷۲)

(۲۸) یزید بن اصبم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، اور بڑھاپے کی وجہ سے میں جاں بلب ہو رہا ہوں اور بہ خدا مجھے امید ہے کہ میں عیسیٰ کو پالوں گا اور ان کو میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کروں گا اور وہ میری تصدیق کریں گے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱، رقم الحديث : ۲۰۸۴۶)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عسی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

(۲۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جب دجال ان کو دیکھے گا تو اس طرح پکھل جائے گا جس طرح چربی پکھل جاتی ہے، پھر دجال قتل کر دیا جائے گا اور یہود اس سے منتشر ہو جائیں گے، پس ان کو قتل کیا جائے گا حتیٰ کہ پتھر کے گائے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحديث : ۱۹۳۴۰)

(۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کی جان ہے۔ فوجِ روحاء میں ضرور حضرت عیسیٰ ج یا عمرہ یا قرآن کا تلبیہ پڑھیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحديث : ۱۹۳۴۲، شرح السنہ ج ۷، رقم الحديث : ۳۱۷۲)

(۳۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مسیح کے خروج کے لیے مساجد کی تجدید کی جائے گی وہ عنقریب نکلیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، اور خنزیر کو قتل کریں گے، جو شخص ان کو پائے گا وہ ان پر ایمان لے آئے گا، تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ ان کو میرا سلام پہنچائے، پھر انہوں نے میری طرف (یعنی ابن المغیرہ کی طرف) توجہ کی اور کہا میرے خیال میں تم سب سے کم عمر ہو پس اگر تم ان کو پاؤ تو میرا سلام کہنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵، رقم الحديث : ۱۹۳۴۳)

(۳۲) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سنو عیسیٰ بن مریم اور میرے درمیان کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول ہے۔ سنو وہ میری امت میں میرے بعد خلیفہ ہوں گے، سنو وہ دجال کو قتل کریں گے، اور صلیب کو توڑ دیں گے، اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی، سنو تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ انہیں میرا سلام پہنچائے۔

سلام پہنچا دے۔ (۱) المعجم الصغیر، رقم الحدیث : ۷۲۵، المعجم الاوسط ج ۵، رقم الحدیث : (۳۸۹۵)

(۳۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور لوگوں میں چالیس سال ٹھہریں گے۔ (۱) المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث : (۵۳۶۰)

(۳۴) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دجل نکلنے والا ہے، وہ کانا ہو گا اس کی بائیں آنکھ پر ناخن کے برابر دبیز گوشت ہو گا، وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرے گا، اور مردوں کو زندہ کرے گا، اور لوگوں سے کہے گا میں تمہارا رب ہوں، پس جس نے کہا تو میرا رب ہے، وہ فتنہ میں پڑ گیا اور جس نے کہا میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ مر گیا، وہ دجل کے فتنہ سے بچ گیا اور اس پر کوئی فتنہ نہیں ہو گا، جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر ٹھہرے گا، پھر مغرب کی طرف سے عیسیٰ بن مریم نکلیں گے، وہ (سیدنا) محمد ﷺ کی تصدیق کریں گے، اور دجل کو قتل کریں گے، اور یہی نیامت کا قائم ہونا ہے۔

(۱) المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث : ۶۹۱۸، مسند احمد ج ۵ ص ۱۳، کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث : (۳۳۹۸)

(۳۵) امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صادق مصدوق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا جس زمانہ میں لوگوں کا اختلاف اور فرقے ہوں گے اس زمانہ میں کانا دجل مسیح الضلّٰہ مشرق کی طرف سے نکلے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو چالیس دن میں جہنم تک چاہے گا زمین پر پہنچائے گا، اس کی مسافت کی مقدار کا اللہ ہی کو علم ہے، اور مسلمان بہت سختی اٹھائیں گے، پھر عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہ آسمان سے نازل ہوں گے، پس وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، جب وہ رکوع سے سر اٹھائیں گے، تو کہیں گے سمع اللہ لمن حمدہ اللہ تعالیٰ مسیح دجل کو قتل کر دے گا اور مسلمانوں کو غالب کر دے گا، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (کشف الاستار عن زوائد البرہار، رقم الحدیث : ۳۳۸۷)

(۳۶) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دجل مدینہ میں داخل نہیں ہو گا، کیونکہ خندق اور مدینہ کے ہر راستہ میں فرشتے اس کی حفاظت کر رہے ہیں، سب سے پہلے عورتیں اور باندیاں اس کی اتباع کریں گی، پھر وہ چلا جائے گا پھر لوگ اس کی اتباع کریں گے پھر وہ غصہ میں بھر کر واپس جائے گا حتیٰ کہ خندق میں گر جائے گا اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ (۱) المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث : (۵۳۶۱)

(۳۷) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام محمد بن سعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور لوگوں کو ایک دین پر جمع کریں گے، اور جزیرہ کو موقوف کریں گے۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۹، رقم الحدیث : ۲۸۹۰۵)

(۳۸) امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : روئے زمین کے آٹھ سو بہترین مرد اور چار سو بہترین عورتوں پر عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو گا۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۹، رقم الحدیث : ۲۸۹۰۶)

(۳۹) امام ابو داؤد الطیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دجل پر حضرت عیسیٰ بن مریم کے سوالور کسی کو

مسئلہ نہیں کیا جائے گا۔ (الجامع الصغیر ج ۲، رقم الحدیث : ۷۲۱۳)

(۴۰) امام حسین بن مسعود بخوی متوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ کی قسم! ابن مریم ضرور نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، عدل کرنے والے، وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے، خنزیر کو ضرور قتل کریں گے، اور جزیہ ضرور موقوف کریں گے اور ضرور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور کوئی ان پر ڈاکہ نہیں ڈالے گا، اور کینہ، بغض اور حسد ضرور نکل جائے گا اور وہ مال کی طرف بلائیں گے سو اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔

(شرح السنہ ج ۷، رقم الحدیث : ۴۱۷۱، مسند احمد ج ۲ ص ۷۳۳، ۴۰۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق یہ چالیس احادیث میں نے کتب صحاح ستہ، مسانید اور معاجم سے منتخب کی ہیں اور ان تمام احادیث کی اسانید صحیح اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہیں، اکثر احادیث صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں اور کوئی سند بھی درجہ اعتبار سے ساقط نہیں ہے، کتب احادیث میں ان احادیث کے علاوہ اور بھی صحیح اور معتبر احادیث ہیں لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور بشارت کے حصول کے لیے چالیس احادیث پر اکتفاء کی نیز یہ خیال بھی تھا کہ کہیں قارئین اکتاہٹ اور ملال کا شکار نہ ہو جائیں اور ان احادیث کو جمع کرنے کا محرک اور باعث یہ تھا کہ مرزائی بڑے شد و مد سے نزول مسیح کا انکار کرتے ہیں۔ سو میں نے پہلے قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو واضح کیا۔ بعد ازاں یہ احادیث بیان کی ہیں جو اپنی کثرت کے اعتبار سے معنی "متواتر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں، اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے بہت روکتے تھے۔ (النساء : ۴۰)

اس آیت کا معنی ہے چونکہ یہود نے اللہ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ دیا، اور اللہ کی آیات کا انکار کیا، اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، حضرت مریم پر بہتان باندھا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین اور اس کے راستہ سے روکنے کے لیے، اللہ کی کتاب میں ترمیم اور تحریف کی، اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے صدق کے واضح ہونے کے باوجود اس کا انکار کیا تو اللہ نے بہ طور سزا کئی پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں ان چیزوں کا بیان انشاء اللہ سورۃ الانعام کی تفسیر میں وضاحت کے ساتھ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے سود لینے کی وجہ سے، حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے، اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ (النساء : ۴۱)

سود کی دو قسمیں ہیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل، ربا النسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ مدت میں تاخیر کی بنا پر مقروض سے اصل رقم سے ایک معین رقم معین شرح کے ساتھ زائد وصول کی جائے، اور ربا الفضل کی جامع تعریف یہ ہے کہ جن دو چیزوں کی جنس ایک ہو ان میں سے ایک چیز کو دوسری چیز کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا خواہ یہ زیادتی وزن میں ہو یا پیمانہ سے ملپ میں ہو یا عدد میں ہو، یہود مقروض سے سود بھی لیتے تھے اور لوگوں کا مال ناحق بھی کھاتے تھے، اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے رشوت لے کر کتاب میں تحریف کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں، وہ اس (وجہ) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے، اور

اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے، یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۷۳)

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے جن یہودیوں کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ آسمان سے کتب نازل کی جائے اور ان کی دیگر مذہبوں میں اللہ تعالیٰ نے ان علماء یہود کا استثناء فرمایا جو علم میں راسخ ہیں اور جو آپ پر نازل کی ہوئی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں، انہوں نے سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ کے متعلق جو بشارات پڑھی ہیں ان کے اطمینان کے لیے وہ کافی ہیں اور وہ آپ کی تصدیق کے لیے آپ سے کوئی اور معجزہ طلب نہیں کرتے، اور یہ لوگ اسلام کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جسمانی عبادت میں پانچ وقت کی نماز میں مشقت ہوتی ہے اور مالی عبادت میں زکوٰۃ کا ادا کرنا دشوار ہوتا ہے اور نماز اور زکوٰۃ ایسی بدنی اور مالی عبادتیں ہیں کہ ان کے ادا کرنے سے انسان باقی بدنی اور مالی عبادت بھی کرنے لگتا ہے نیز تمام عبادتوں کا خلاصہ خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت ہے اور نماز سے خالق کی تعظیم ہوتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے مخلوق خدا پر شفقت ہوتی ہے، اس کے بعد قیامت پر ایمان کا تذکرہ فرمایا کیونکہ تمام نیک اعمال کی تحریک اور گناہوں سے اجتناب کی توفیق قیامت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے، نیز قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ برے لوگوں کے بعد اچھے لوگوں کا اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر شے کی معرفت اس کی ضد سے ہوتی ہے۔ اس لیے پہلی آیتوں میں یہودی کافروں اور ان کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں یہودی مومنوں اور ان کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ

(اے رسول معظم!) بیشک ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی، اور ہم نے ابراہیم اور اسمعیل اور اسحق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف

وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَ

الْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ

اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی،

وَاتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۚ وَرَسَلْنَا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ

اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کیا ۝ اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے

قَبْلُ وَرَسَلْنَا نَقُصُّهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى

آپ کو بیان فرمایا اور ہم نے ایسے رسول بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (امحی تک) بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے (بلا واسطہ)

مَدَدُ

تبیان القرآن

marfat.com

Marfat.com

تَكْلِيمًا ۱۶۳ رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

یہ کثرت کلام فرمایا ۱۶۳ (اور ہم نے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۱۶۵

اللہ پر کوئی حجت نہ ہے ، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ۱۶۵

لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے بھی

يَشْهَدُونَ ۖ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۱۶۶ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاصَدُّوا

گواہی دیتے ہیں ، اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے ۱۶۶ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ۱۶۷ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ کے راستے سے روکا وہ گمراہ ہو گئے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ۱۶۷ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

وَكَلَمُوا أَلَمَ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا يَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ۱۶۸

اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشنے کا اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی راہ دکھائے گا ۱۶۸

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى

ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے ، اور یہ کام اللہ پر

اللَّهُ يَسِيرًا ۱۶۹ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

آسان ہے ۱۶۹ اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول (مظہم) تمہارے رب کے پاس سے

مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

حق سے کر آگیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ، اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۱۷۰ يَا أَهْلَ

آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے ، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ۱۷۰ اے اہل کتاب

الْكِتَابَ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ

تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو ،

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ الْقَهْمَاءُ

یسح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی

إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَلَا تَقُولُوا

طرف اتنا کیا اور اس کی روح ہے ، سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ

ثَلَاثَةٌ ۖ إِنَّهُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ سُبْحَنَهُ أَنْ

تین (معبود) ہیں ، (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے ، صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے ، وہ اس سے پاک

يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ ۚ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى

ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ، اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی

بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝

کارساز ہے ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول معظم!) ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد

دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی ، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف

اور عیسیٰ ، ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (النساء : ۱۶۳)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر یہود کے اعتراض کا جواب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (بنو قینقل کے یہودیوں میں سے) مسکین اور عدی بن زید نے

کہا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ

تعالیٰ نے جس طرح اور نبیوں کی طرف وحی نازل فرمائی ہے اسی طرح آپ پر بھی وحی نازل فرمائی ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اس طرح کتب نازل کی

جائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم

نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کو نبی مانتے ہو حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتب نازل نہیں کی گئی تھی، سو تمہارا آسمان سے کتب نازل کیے جانے کا مطالبہ کٹ جیتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نبوت کا ثبوت صرف اظہار معجزہ پر موقوف ہے آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر پیش کرنا جس میں کمی بیشی اور تحریف ثابت کرنا آج بھی پوری دنیا کے لیے چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا جب کہ باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ ان کے جانے کے بعد باقی نہیں رہا تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے کہ جن نبیوں کے معجزات فانی تھے ان کو نبی مانا جائے اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے اس کی نبوت کا انکار کر دیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے یا اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوت اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے اس طرح حضرت نوح کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔

حضرت نوح کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم کا نام لیا، یہ ان کے شرف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں، حضرت آدم، حضرت نوح اور پھر حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر یہود کا رد کرنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہود ان کی نبوت کے منکر تھے، اور حضرت داؤد کو زور عطا فرمانے کا ذکر فرمایا کیونکہ زور بھی اسی طرح قسط وار نازل کی گئی تھی جس طرح قرآن مجید قسط وار نازل ہو رہا تھا۔

قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

قرآن مجید کے قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا حالانکہ اس میں ہمارے نبی ﷺ کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ کتب نازل کرنے کا جو رابطہ حضرت موسیٰ سے زندگی میں صرف ایک بار قائم ہوا وہ رابطہ نبی ﷺ کے ساتھ تاحیات قائم رہا، حضرت موسیٰ تورات لینے پہاڑ طور پر گئے تھے، نبی ﷺ کو قرآن مجید کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا، بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے، قرآن مجید وہیں نازل ہو جاتا تھا، خواہ آپ بدر کے میدان میں ہوں، احد کی گھاٹیوں میں ہوں، غار ثور میں ہوں، کسی سواری پر ہوں، حضرت عائشہ کے بستر پر ہوں، جہاں آپ ہوتے تھے قرآن کریم وہیں نازل ہو جاتا تھا، لوگ آپ سے سوالات کرتے تھے ان کے جواب میں آیتیں نازل ہوتیں، یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابت میں، اور مختلف پیش گوئیوں کے سلسلہ میں آیات نازل ہوتی تھیں، یہ سولت یک بارگی نزول میں کہیں ہے پھر اگر یکبارگی کتب نازل ہوتی تو تمام احکام یک بارگی فرض ہو جاتے اور لوگوں کے لیے ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کا چھوڑنا مشکل ہوتا، بہ تدریج کتب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا، قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے میں یہ فضیلت، باریکیں اور فوائد ہیں جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے اور ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا، اور

اللہ نے موسیٰ سے (واسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا (التساء : ۱۴۳)
نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام عبد بن حمید، حکم ترمذی نے نوادر الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! نبی کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو اور تیرہ جم غفیر ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار سریانی ہیں : آدم، شیث، نوح اور خنوخ اور وہ اوریس ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا، اور چار عرب ہیں : ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی (ﷺ) اور بنو اسرائیل کے انبیاء میں سب سے پہلے موسیٰ ہیں اور سب سے آخری عیسیٰ ہیں، اور سب سے پہلے نبی آدم ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں، اور یہ دونوں حکم متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ صحیح ہے نہ موضوع ہے جیسا کہ میں (سیوطی) نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔

امام ابن ابی حاتم حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، ان میں سے تین سو پندرہ جم غفیر رسل ہیں۔

امام ابو یعلیٰ نے اور امام ابو نعیم نے حلیہ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے پہلے میرے بھائی انبیاء میں سے آٹھ ہزار نبی ہیں، پھر عیسیٰ بن مریم ہیں پھر ان کے بعد میں ہوں۔ امام حاکم نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا، ان میں سے چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل تھے۔

امام ابن عساکر نے کعب احبار سے روایت کیا ہے اللہ نے حضرت آدم پر انبیاء اور مرسلین کی تعداد کے برابر لاکھیاں نازل فرمائیں، پھر انہوں نے اپنے بیٹے شیث کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا : اے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو گے، تم اس لاکھی کو مضبوطی اور تقویٰ کے ساتھ پکڑ لو، اور جب تم اللہ کا نام لو تو اس کے ساتھ (سیدنا) محمد (ﷺ) کا نام لینا، کیونکہ میں نے ان کا نام عرش کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا جب میں ہنوز روح اور مٹی (کے پتلے) کے درمیان تھا، پھر میں نے آسمان کا طواف کیا تو میں نے آسمانوں میں ہر جگہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کا نام لکھا ہوا دیکھا، پھر اللہ نے مجھے جنت میں ٹھیر لیا تو میں نے جنت کے ہر محل اور ہر بلاخانہ میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کا نام لکھا ہوا دیکھا، اور میں نے بڑی آنکھ والی حوروں پر سر کندوں پر شجرہ طوبی کے پتوں پر اور سدرة المنتی کے پتوں پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان، مہنوں پر (سیدنا) محمد (ﷺ) کا نام لکھا ہوا دیکھا۔

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور نوح اور ابراہیم کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور ابراہیم اور موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان چار سو سال ہیں، اور عیسیٰ اور (سیدنا) محمد (ﷺ) کے درمیان چھ سو سال ہیں۔

علم نبوت پر ایک اعتراض کا جواب
 بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کلی علم (تمام مخلوق کا علم) نہیں عطا فرمایا، کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کا قصہ آپ کو بیان فرمایا ہے اور بعض کا قصہ بیان نہیں فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زمانہ ماضی میں بعض انبیاء کا قصہ بیان کرنے کی نفی ہے، اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ کی آخر عمر شریف تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان بعض انبیاء کے احوال کی خبر سے مطلع نہیں فرمایا نیز اس بحث میں اس آیت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے :

(الدر المنثور ج ۲ ص ۲۳۸-۲۳۷ مطبوعہ ایران)

وَكَلَّا تَقْصُصْ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُ

بِهِ فَوَاذَكَ (ہود : ۴۰)
 اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم سب باتیں آپ پر بیان فرماکتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثابت رکھتے ہیں۔
 ہرچند کہ سورہ نساء مدنی ہے اور سورہ ہود مکی ہے، لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ان سورتوں کا مکی یا مدنی ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہوتا ہے، ہر ہر آیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :
 احادیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے بتایا کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، اور رسول تین سو تیرہ ہیں، اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کا قصہ آپ سے بیان نہیں فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ بیان نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان انبیاء کا عدد بھی نہ بیان فرمایا ہو، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی خبروں سے مطلع نہ فرمایا ہو لیکن یہ اطلاع دی ہو کہ کل نبی اتنے ہیں، اس تقریر سے بعض معاصرین کا یہ اعتراض دور ہو گیا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے عدم علم کی تصریح ہے اور نبی ﷺ اس سے منزہ ہیں کہ آپ کو انبیاء کی تعداد کا علم نہ ہو۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۸-۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے میں یہود کا رد
 نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے (بلا واسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا۔
 جزمین جابر الشعمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہودی علماء سے سنا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان کے سوا ہر زبان میں حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ کہنے لگے، اے میرے رب میں اس کلام کو نہیں سمجھ رہا، حتیٰ کہ اللہ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کے مشابہ آواز میں کلام فرمایا، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا اگر میں اپنے کلام کے ساتھ تم سے کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ گے، حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! کیا مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا آسمانی بجلی کی گرج دار کڑک میری آواز کے مشابہ ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۱-۳۰- مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر آواز کے ہرجت اور ہر طرف سے سنا، جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر رنگ کے دکھائی دے گا اسی طرح اس کا کلام بغیر آواز کے سنائی دیتا ہے۔

اس آیت سے بھی یہود کا رد کرنا مقصود ہے انہوں نے کہا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ پر آسمان سے کتاب نازل ہوئی تھی اسی طرح آپ پر بھی آسمان سے کتاب نازل کی جائے تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف کلام سے نوازا اور باقی نبیوں سے ہم کلام نہیں ہوا حالانکہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو جس طرح حضرت موسیٰ کی خصوصیت کلام کی وجہ سے تم باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار نہیں کرتے تو اگر حضرت موسیٰ پر خصوصیت کے ساتھ آسمان سے کتاب نازل کی گئی ہے تو تم اس وجہ سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو!

ہمارے نبی ﷺ کا اللہ سے ہم کلام ہونا اور تمام معجزات کا بہ درجہ اتم جامع ہونا

واضح رہے کہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت ہم کلامی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء کے اعتبار سے ہے اور یہ خصوصیت اضافی ہے حقیقی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ شب معراج ہمارے نبی ﷺ سے بھی ہم کلام ہوا، اور آپ کو زیادہ شرف اور سیلت سے نوازا، بلکہ ہر وہ معجزہ جو دوسرے نبیوں کو دیا گیا وہ زیادہ کمال اور حسن کے ساتھ نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے، دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی مار کر زمین سے پانی نکالا، لیکن زمین میں پانی ہوتا ہے نبی ﷺ نے انگلیوں سے پانی جاری کر دیا جہاں پانی ہوتا ہی نہیں، حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا وہ اس سے زرہ بن لیتے تھے، لیکن لوہے کی طبیعت میں نرمی ہے وہ آگ سے نرم ہو جاتا ہے، نبی ﷺ نے پہاڑ میں سرداغل کر دیا تو وہ موم کی طرح نرم ہوتا چلا گیا جب کہ پتھر کی طبیعت میں نرمی نہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے نرم نہیں ہوتا۔ یہ حسی نرمی تھی اور معنوی نرمی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پتھر میں محبت نہیں ہوتی جو محبت نہ کرے اس کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن یہ تو ان کا کمال ہے کہ جس کی طبیعت میں محبت نہیں ہوتی اس میں بھی اپنی محبت پیدا کر دی، حضرت سلیمان کے لیے دور کی مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت لایا گیا، لیکن تخت ایسی چیز ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے، معراج کے بعد آپ مشرکوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کسی نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں ایک لمحہ کے لیے آپ کو تردد ہوا تو جبرائیل نے مسجد اقصیٰ آپ کے سامنے لا کر رکھ دی اور آپ مسجد کو دیکھ کر نشانیاں بتاتے رہے، حالانکہ مسجد ایسی چیز ہے جس کو صحیح و سالم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جاسکتا سو تخت لانے سے یہ زیادہ بعید ہے، حضرت عیسیٰ نے چار مروے زندہ کیے لیکن ان کے بدن موجود تھے جس بدن میں ایک بار حیات آچکی ہو اس میں دوبارہ حیات جاری کرنا، اتنا بعید نہیں ہے، آپ کی توجہ سے پتھروں نے کلام کیا، درخت چل کر آئے، کھجور کا ستون آپ کے فراق میں چلا چلا کر رونے لگا، گوشت کا ایک ٹکڑا آپ کے دہن میں بول اٹھا، پتھروں، درختوں اور ستونوں میں آپ کی توجہ سے حیات آئی جن میں عادی حیات نہیں ہوتی! سو واضح ہو گیا کہ ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا اس نوع کا معجزہ آپ کو زیادہ کمال اور زیادہ شرف کے ساتھ دیا گیا، بلکہ اس کائنات میں جس صاحب کمال کو کوئی کمال ملا ہے وہ آپ ہی کا تصدق ہے، جس کو جو روشنی ملتی ہے وہ آپ کے نور نبوت سے ملتی ہے اور حقیقت میں کمال وہی ہے جس کی

سرتما نازل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے، تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۶۵)

یک بارگی کتاب نازل نہ کرنے کے اعتراض کا ایک اور جواب

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر یک بارگی پوری کتاب کیوں نہیں نازل کی گئی، جواب کی تقریر یہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اور عبادت کرنے والوں اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور یہ مقصد صرف نبی پر کتاب نازل کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ کتاب الواح (تختوں) کی صورت میں یکبارگی نازل کی جائے یا متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے کر کے اللہ تعالیٰ کے احکام نازل کیے جائیں، بلکہ تھوڑے تھوڑے احکام وقتاً فوقتاً نازل کرنا مصلحت اور حکمت کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ اگر تمام احکام ایک دم نازل کر دیئے جائیں تو ان سب پر فوراً عمل کرنا دشوار ہو گا اور بنو اسرائیل کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان پر یکبارگی تمام احکام کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ پر اور آپ کے وسیلہ سے ہم پر یہ رحمت فرمائی کہ تھوڑے تھوڑے کر کے احکام نازل کیے، شراب کی حرمت تدریجاً نازل کی، کتوں سے اجتناب کا حکم بھی بہت بعد میں دیا، جوئے کو بھی بعد میں حرام کیا کیونکہ جو لوگ برسوں سے ان کاموں کے عادی تھے ان کے لیے ان کاموں کو یک لخت چھوڑنا آسان نہ تھا، مکہ کی زندگی میں پہلے ان کو نماز کا پابند کیا، پھر مدینہ منورہ میں جہاد، زکوٰۃ اور روزے کے احکام نازل کیے اس کے بعد حج فرض کیا، پھر بدرتج مسلمانوں کو تمام برے کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ سو واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو تھوڑے تھوڑے کر کے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ مصلحت اور اللہ کی رحمت کے بہت زیادہ قریب ہیں اور اس پر یہود کا اعتراض بالکل بے جا اور ان کی کم عقلی پر مبنی ہے۔

رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذاہب

علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں :

بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا اور اک کرنے میں عقل مستقل ہے، اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے، اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ، یہ بھی حرام ہے، حتیٰ کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کر سکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے، نیز

ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہذا اگر انسان اس کام کو ترک کر دے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہو گا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا اور عقل پر حملہ کلی نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا

ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ

(الاسراء : ۱۵) رسول نہ بھیج دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ امام فخر الاسلام نے اصول بزودی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے محکف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا اور اک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا۔ خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ پر ایمان لانے کے پاب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ بہر حال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔

ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہو اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو اور نہ اس نے ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا اور اک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہو گا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہو گا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔

(شرح مسلم الثبوت ص ۶۲-۶۰، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) جمہور مستحق عذاب اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے، اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہو گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہو گا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

(۳) اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجالانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء : ۱۶۵، الاسراء : ۱۵ اور حسب ذیل آیت سے ہے :

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَا هُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا ارْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی (طہ : ۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے، اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔ (النساء : ۱۶۶)

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب ہے، یہود نے کہا تھا کہ وہ اس قرآن کو منزل من اللہ نہیں مانتے، جو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے، سو آیت کا معنی یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود آپ کی کتاب اور آپ کی نبوت کو نہیں مانتے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات عطا فرمائے اور ان معجزات کی وجہ سے آپ کی تصدیق کرنا واجب ہے، اور اگر یہود آپ کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس سے آپ کو کیا کمی ہوتی ہے جب کہ اس کائنات کا رب اور آپ کا معبود آپ کی تصدیق کرتا ہے اور عرش، کرسی اور آسمانوں اور زمینوں کے فرشتے آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور یہود تو لوگوں میں سب سے خسیس درجہ کے ہیں اس لیے یہ اگر آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا، اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی رلہ دکھائے گا، ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔

(النساء : ۱۶۸-۱۶۹)

اس آیت میں یہود پر عذاب کی وعید ہے، اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا کفر کیا، اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو اسلام لانے سے روکا مثلاً ان سے کہا اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو آسمان سے یک بارگی کتاب لے کر آتے جیسے حضرت موسیٰؑ تورات لائے تھے، اور یہ کہا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت قیامت تک تبدیل نہیں ہوگی نہ اس میں کوئی تغیر ہو گا، اور انہوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد کے سوا اور کسی کی نسل سے نبی مبعوث نہیں ہو سکتا، ان اقوال کی وجہ سے یہ لوگ بہت دور کی

گمراہی میں جا پڑے اور وہ چہی اس گمراہی کو حق بلور کرتے تھے، اور اسی گمراہی کی وجہ سے دنیا کامل اور دنیوی منہب حاصل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی کہ ان کی ان گمراہیوں کی وجہ سے اور ان پر قائم رہنے اور ان کو حق سمجھنے کی وجہ سے اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور ان کو ہمیشہ ہمیش کے لیے دوزخ کے عذاب میں جہنم رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول (معلم) تمہارے رب کے پاس سے حق لے کر آیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۷۰)

سیدنا محمد ﷺ کی دعوت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دلائل کثیرہ کے ساتھ یہود کے قول باطل کا رد کیا، اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کے صادق اور برحق ہونے کو ظاہر کیا، اور اس آیت میں نبی ﷺ کی نبوت کو ماننے کی علم دعوت دی ہے۔ خولہ یہود ہوں یا غیر یہود ہوں سب کو سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو ماننے کی دعوت دی ہے، نیز فرمایا وہ اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں اس سے مراد یا تو قرآن عظیم ہے کیونکہ قرآن عظیم کلام معجز ہے اور یہ معجزہ آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا، سو قرآن عظیم کے اعجاز کو دیکھ کر تم آپ کو نبی مان لو اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آؤ، اور یا حق سے مراد دین اسلام ہے آپ نے یہ دعوت دی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور باطل خداؤں کی پرستش نہ کرو اور یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، سو تم اس دعوت کو قبول کر لو اور آپ کو نبی مان کر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نہ صرف تمہارے اسلام لانے سے بلکہ سارے جہانوں سے مستغنی ہے تمام آسمان اور زمینیں اس کی ملک میں ہیں اور وہ بہت علم والا اور بڑی حکمت والا ہے، اور اس کے علم اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافر اور مومن اور نیکوکار اور بدکار کو ایک درجہ میں نہیں رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتب تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو، اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو، مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔ (النساء : ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ کی شان میں افراط اور تفریط سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تفریط (کم) کرتے تھے، حضرت مریم پر بہت بڑا بہتان باندھتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نزاہت اور وجاہت بیان فرمائی، اور اہل کتب میں سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت افراط (حد سے بڑھانا) کرتے تھے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو، یعنی یہ نہ کہو کہ اللہ عیسیٰ کے بدن میں حلول کر گیا ہے، یا ان کے بدن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے، یا وہ عیسیٰ کی روح کے ساتھ متحد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح عقیدہ بیان کیا کہ مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔

عیسیٰ کے کلمہ اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا، کلمہ کا معنی بات اور کلام ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ لِمَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ
بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ -
بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔
(ال عمران : ۴۵)

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر کسی واسطہ اور نطفہ کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن اور اس کے امر سے پیدا ہوئے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے :

إِنَّ مِثْلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمِثْلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (ال عمران : ۵۹)
بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے
اس کو مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا ”ہو جا“ تو وہ ہو گیا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ محض اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمہ اللہ فرمایا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر انسان اللہ کے کن فرمانے سے پیدا ہوتا ہے تو پھر ہر انسان کو کلمہ اللہ ہونا چاہئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کا ایک سبب قریب ہے اور ایک سبب بعید ہے۔ سبب قریب نطفہ ہے اور سبب بعید اللہ کا کن فرمانا ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا کوئی سبب قریب نہیں تھا اس لیے ان کی خصوصیت کے ساتھ کلمہ کن کی طرف نسبت کی، ورنہ ہر انسان بلکہ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہی پیدا ہوئی ہے کلمہ اللہ کی وہ بشارت ہے جو حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے روح من اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : عیسیٰ اس کی طرف سے روح ہے، حضرت عیسیٰ کو اللہ کی طرف سے روح کہنے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) جب کوئی چیز بہت زیادہ طاہر اور نظیف ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ روح ہے، حضرت عیسیٰ چونکہ نطفہ کی آمیزش کے بغیر محض نوح جبرائیل سے پیدا ہوئے تھے، اس لیے وہ عام انسانوں کی بہ نسبت بہت طاہر اور طیب تھے اس لیے ان کو روح فرمایا۔
(۲) حضرت عیسیٰ اپنی نبوت اور تبلیغ کی وجہ سے لوگوں کے دین میں حیات پیدا کرنے کا سبب تھے اور ان میں روحانیت پیدا کرنے کا باعث تھے اس لیے ان کو روح فرمایا جس طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے روح فرمایا۔ وکذالک او حینا الیک روحا من امرنا (الشوری : ۴۲)

(۳) حضرت عیسیٰ لوگوں سے برائیوں کو دور کرتے ان کو نیکیوں سے آراستہ کرتے اور لوگوں کے حق میں یہی رحمت ہے کہ ان کو شر سے نکل کر خیر کی طرف لایا جائے تو وہ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں اس لیے فرمایا ”روح منہ“ جیسا کہ فرمایا

وایدهم بروح منہ (المجادلہ : ۲۲) ”اور ان کی اپنی طرف سے رحمت سے تائید فرمائی۔“

(۴) کلام عرب میں روح پھونک کو کہتے ہیں، حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے

حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اس لیے ان کو روح فرمایا اور چونکہ یہ پھونک اللہ کے لڑن اور اس کے امر سے کسی اس لیے فرمایا وروح منه وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں، قرآن مجید کی اس آیت میں بھی پھونک پر روح کا اطلاق ہے : فنفخنا فیہ من روحنا (التحریم : ۴) ”تو ہم نے (مریم کے) چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح (پھونک) پھونک دی۔“ یعنی حضرت جبرائیل کی وسالت سے۔

(۵) روح پر تنوین تعظیم کے لیے ہے، اس کا معنی ہے ارواح شریفہ قدسیہ علیہ میں سے آپ ایک عظیم، مقدس اور علی قدر روح ہیں اور اس روح کی اللہ کی طرف اضافت تعظیم اور تشریف کے لیے ہے، یعنی آپ اللہ کی طرف سے پسندیدہ معظم اور علی قدر روح ہیں، جس طرح بیت اللہ اور ثلثہ اللہ کہا گیا ہے۔

تشلیث کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں، (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے ہمت ہے۔ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ اللہ، عیسیٰ اور مریم اور ان کو وہ اقلیم ثلاثہ کہتے ہیں اور ہر اقلیم کا دوسری اقلیم میں حلول مانتے ہیں، قرآن مجید میں ہے :

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ آلِهَتَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟
(المائدہ : ۱۷)

عیسائیوں کا ایک اور فرقہ اللہ، عیسیٰ اور روح القدس کو تین خدا مانتا ہے، عیسائی ان تینوں کو الگ الگ خدا بھی مانتے ہیں اور ان تینوں کو ایک خدا بھی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں، یا تین اقلیم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عین ہے، اور ان میں سے ہر ایک کامل خدا ہے اور ان کا مجموعہ بھی ایک خدا ہے، کیونکہ اس نظریہ سے اس توحید خالص کا انکار ہوتا ہے جس کی دعوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور تشلیث کو جمع کرنا غیر معقول ہے اور اجتماع الاضداد ہے، اللہ تعالیٰ نے تشلیث کے قائلین کو کافر قرار دیا ہے :

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ
وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ (المائدہ : ۷۳)
بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا یقیناً اللہ تین میں سے تیسرا ہے، حالانکہ سوا ایک مستحق عبادت کے اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ
ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ : ۷۳)
بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

ابنیت مسیح کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے، وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی لولاد ہو، اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی کار ساز ہے۔ (النساء : ۱۷۱)
اس آیت کا معنی ہے : اللہ واحد ہے مستحق عبادت ہے، وہ تعدد اجزاء اور اقلیم سے منزہ ہے، اور نہ ہی وہ اجزاء

میں مرکب ہے کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو کسی کی طرف محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، وہ سبحان ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اس کا کوئی شریک ہو، عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے، اگر وہ حقیقی بیٹا کہتے ہیں تو یہ اللہ پر محل ہے کہ اس کی کوئی زوجہ ہو اور وہ کسی کا باپ ہو، کیونکہ باپ اولاد کے حصول میں زوجہ کا محتاج ہے اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، نیز حقیقی باپ ہونا جسمیت کا متقاضی ہے اور جسم مرکب اور محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا، نیز اس میں مسیح کی الوہیت کا بھی بطلان ہے کیونکہ بیٹا باپ کے بعد ہوتا ہے اور جو کسی کے بعد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا، اور اگر وہ مجازاً "مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو اس میں مسیح کی تخصیص نہیں ہے، نیز خدا پر باپ کا اطلاق اس لیے جائز نہیں کہ یہ لفظ مخلوق کی صفت ہے خالق کی صفت نہیں ہے، اللہ کی شان خالق ہے۔ باپ اس کی شان نہیں ہے۔

تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اللہ کی مملوک ہیں اور مسیح بھی اللہ کا مملوک ہے اور بیٹا مملوک نہیں ہوتا اور کائنات کی ہر چیز اس کے احکام کے تحت اور مسخر ہے، سب اس کے مقدور ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا أَنِي الرَّحْمَنُ عَبْدًا (مریم : ۹۳)

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنِّي يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةً (الانعام : ۱۰۱)

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز بندگی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والی ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ

مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے، اور نہ مقرب

الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفُ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشَرُهُمُ

فرشتے، اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرنے میں عار سمجھیں اور تکبر کریں تو اللہ ان سب کو اپنے

إِلَيْهِ جَمِيعًا ۖ فَاَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ

سامنے جمع کرے گا ۝ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا

أَجْرَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا

اجر ملاؤ گے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا، اور جن لوگوں نے (عبادت کر) مار سمجھا اور

اسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمُ عَذَابًا أَلِيمًا ۖ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ

تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا، اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی

دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ يَأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ

کار ساز اور مددگار نہیں پائیں گے ۵ اے لوگو! بیٹھ تمہارے پاس تمہارے رب

بُرْهَانٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ

کی طرف سے قوی دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے ۵ سو جو لوگ اللہ پر ایمان

أَمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ

لے آئے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل

فَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ۝ يَسْتَفْتُونَكَ

کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا ۵ آپ حکم معلوم کرتے ہیں،

قُلِ اللَّهُ يُقْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۝ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ

آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد

وَلَدٌ وَلَا أَوْلَادٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِيئُهَا إِن لَّمْ

ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی ایک حقیقی یا علاقائی بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر

يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۖ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا

اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر

تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حِظِّ

بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے

الْأُنثَيَيْنِ ۖ بَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضْلُوا ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ

برابر ہے۔ اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام و ضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

خوب جاننے والا ہے ۵

مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے، اور نہ مقرب فرشتے۔ (الآیہ : ۱۶۲)

مقامی مکتب

امام عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران کا وفد آیا اور انہوں نے کہا : اے محمد! (ﷺ) آپ ہمارے صاحب کو برا کیوں کہتے ہیں، آپ نے پوچھا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا عیسیٰ (علیہ السلام) آپ نے فرمایا میں ان کے متعلق کیا کہوں وہ اللہ کے بندے ہیں! انہوں نے کہا نہیں وہ اللہ ہے، آپ نے فرمایا ان کے لیے اللہ کا بندہ ہونا عار نہیں ہے، انہوں نے کہا نہیں بلکہ عار ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھیں گے اور نہ مقرب فرشتے۔ (زاوالمسیرج ۲ ص ۲۶۲، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ نے فرمایا اور نہ مقرب فرشتے (اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار سمجھیں گے) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ حضرت عیسیٰ غیب کی خبریں دیتے تھے، اور ان سے کئی امور خارقہ للعادت ظاہر ہوئے۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا اور بیماروں کو تندرست کیا، اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ صرف اتنی قدر سے کسی کو اللہ کی عبادت سے عار نہیں آتی۔ دیکھو ملائکہ مقربین کو اس سے زیادہ غیب کا علم ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں، اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ ہے، کیونکہ ان میں آٹھ فرشتے اللہ کے عظیم عرش کو اٹھائے رہتے ہیں، پھر جب مقرب فرشتے اس قدر عظیم علم اور قدرت کے حامل ہونے کے بلوجود اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو حضرت عیسیٰ اس سے کم علم اور کم قدرت کے ساتھ متصف ہونے پر کیسے اللہ کی عبادت کرنے کو باعث عار قرار دیں گے؟

نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کو نبیوں پر فضیلت حاصل ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں سے زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو گا، اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اجر و ثواب حضرت عیسیٰ سے زائد ہے۔ (تفسیر کیرج ۳ ص ۳۲۶، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے معتزلہ کے جواب کی زیادہ عمدہ تقریر کی ہے، وہ لکھتے ہیں :

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مقرب فرشتہ نبی سے افضل ہے اور اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مقرب فرشتے مل کر بہ حیثیت مجموعہ مسیح سے افضل ہیں۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ہر نبی ہر مقرب فرشتہ سے افضل ہو اور مقرب فرشتوں کا مجموعہ کسی ایک نبی سے افضل ہو، دو سراجواب سب سے عمدہ ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا اس لیے کہتے تھے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا بغیر باپ کے پیدا ہونے سے زیادہ عجیب و غریب وہ فرشتے ہیں جو مل اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور ملائکہ مقربین

ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جب وہ اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو مسیح علیہ السلام جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دیں گے!

(روح المعانی ج ۶ ص ۳۰-۳۸، ملخصاً، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیکن اس دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ ہر فرشتہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوا ہے پھر فرشتوں کے ساتھ مقربین کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (النساء : ۱۷۳)

اس آیت میں نیکو کار مومنوں کو جو زیادہ اجر کی بشارت دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اس کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۲۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ان کا اجر یہ ہے کہ اللہ انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور اپنے فضل سے جو ان کو زیادہ اجر دے گا وہ ان لوگوں کے لیے شفاعت کرنا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ دنیا میں کوئی نیکی کی تھی۔ (المعجم الکبیر ج ۱۰، رقم الحدیث : ۱۰۴۶۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ البیہقی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عبد اللہ الکندی ہے اس کی امام ذہبی نے تضعیف کی ہے اور اس حدیث کے بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳)

واضح رہے کہ فضائل میں اس قسم کا ضعف استدلال میں مضر نہیں ہے، البتہ حلال اور حرام سے متعلق روایات میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

جو مسلمان اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کا اجر و ثواب بیان کیا، پھر ان لوگوں کا اخروی عذاب بیان کیا جو اللہ کی عبادت کرنے کو عار سمجھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے وہ ترغیب اور ترہیب کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے، کیونکہ ہر چیز اپنی ضد کے ساتھ زیادہ بہتر طور پر پہچانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قوی دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف ہدایت دینے والا نور نازل کیا ہے۔ (النساء : ۱۷۳)

سیدنا محمد ﷺ کا برہان اور قرآن مجید کا نور ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق کفار، منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازالہ کیا اور اب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کو عمومی طور پر آپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا، اس آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس برہان یعنی قوی دلیل آگئی اس سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے اور یہ جو فرمایا ہے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

سیدنا محمد ﷺ کو برہان فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کو اپنی نبوت اور رسالت کو منوانے کے لیے کسی

اللہ اور خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کا وجود مسعود اور آپ کی ذات گرامی بجائے خود آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے نبیوں اور رسولوں نے اپنی نبوت اور رسالت پر خارجی معجزات پیش کیے اور سیدنا محمد ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت پر اپنی زندگی پیش کی۔ قرآن مجید میں ہے :

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

میں تم میں اس (نزل قرآن) سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ (یونس : ۲۱) گزار چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور یہ سب بغیر کسی معجزہ کے ایمان لائے تھے، ان کے لیے یہی دلیل کافی تھی کہ انہوں نے آپ کی زندگی کو دیکھا تھا اور آپ کی زندگی ہی آپ کے دعویٰ نبوت پر بہت قوی دلیل تھی۔

اس آیت میں قرآن مجید کو نور مبین فرمایا ہے، نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کر دے، قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے اور احکام شرعیہ، ماضی اور مستقبل کی خبروں، اور عقائد صحیحہ اور اسرار کونیہ کو بیان کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔

(النساء : ۱۷۵)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد ﷺ کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب الہی ہونا ثابت کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑ لیں، اور ان سے آخرت میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا، اللہ پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ اللہ کی ذات، صفات، اس کے اسماء، اس کے احکام اور اس کے افعال پر ایمان لایا جائے، اور اللہ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ان کو لغزش دینے سے بچائے رکھے اور وہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ بتائے گا، اس آیت میں ان سے تین وعدے کیے ہیں رحمت، فضل اور ہدایت کے، حضرت ابن عباس نے فرمایا رحمت سے مراد جنت ہے، اور فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا، اور صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہے دین مستقیم کی ہدایت، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہو اللہ عز و جل کی ذات کا دیدار اور عالم قدس کے انوار، یعنی پہلی دو نعمتیں جسمانی لذتوں پر مشتمل ہیں اور آخری نعمت روحانی لذت کے حصول کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہتے کہ اللہ تمہیں کلامہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ لولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اسے اس کے ترکہ کا نصف ملے گا، اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہو گا، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ (اس بھائی کے) ترکہ سے دو تہائی ہے، اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے، اللہ تمہارے لیے (ہے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (النساء : ۱۷۶)

آخری سورت اور آخری آیت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن جہز بیان کرتے ہیں کہ جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ توبہ ہے اور جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ یسفتونک (النساء : ۱۷۶) ہے۔ (صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث : ۳۰۰۵ صحیح مسلم ج ۳ رقم الحدیث : ۱۶۱۸ سنن ابوداؤد ج ۲ رقم الحدیث : ۲۸۸۸ سنن ترمذی ج ۳ رقم الحدیث : ۳۰۵۲) علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ آخری سورت النصر ہے اس کے نزول کے وقت میں کئی اقوال ہیں حق کے زیادہ قریب حضرت ابن عمر کا قول ہے کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کو سورہ التودیع بھی کہتے ہیں اس کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ : ۳) نازل ہوئی اس کے بعد نبی ﷺ اسی (۸۰) دن زندہ رہے اس کے بعد یسفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء : ۱۷۶) نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی ﷺ پچاس دن زندہ رہے پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : لقد جاءکم رسول من انفسکم (التوبہ : ۳۸) اس کے بعد نبی ﷺ پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : واتقوا یوما "ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ : ۱۲۸) اس کے بعد نبی ﷺ اکیس دن زندہ رہے اور مقاتل نے کہا سات دن زندہ رہے یہ ترتیب ابو الفضل محمد بن یزید نے ذکر کی ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۵ھ)

اس تحقیق کے اعتبار سے سورہ النساء کی اس آیت کو جو آخری آیت کہا گیا ہے اس سے مراد آخری اضافی ہے۔

کلالہ کا لغوی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۳۰۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) زندہ ہو نہ اولاد ہو یا کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو جیسے عم زانو بھائی یا اخیانی بھائی بہن ازہری نے کہا کہ سورہ نساء میں دو جگہ کلالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیت : ۱۲ اور آیت : ۱۷۶ میں آیت : ۱۲ میں فرمایا اگر ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کیا جائے جو کلالہ ہو اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پس اگر وہ (اخیانی بہن یا بھائی) ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں اور آیت : ۱۷۶ میں فرمایا : آپ کہئے اللہ تمہیں کلالہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک (حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا اور وہ اس (بہن) کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ الآیہ

ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ دور کے عم زانو کو کلالہ کہتے ہیں اور انخفش نے فراء سے نقل کیا ہے کہ والد (ماں باپ) اور اولاد کے سوا قربت داروں کو کلالہ کہتے ہیں اور ان کو کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ میت کے نسب کے گرد قربت کی جست سے گھومتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے والد (ماں باپ) اور ولد ساقط ہو جائیں وہ کلالہ ہے نیز کل کا معنی تھکنا ہے اور ضعیف کو تھکنا لازم ہے یہاں لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ جو وارث اصول اور فروع نہ ہوں وہ ضعیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کلالہ کا معنی ہے ضعیف وارث (تاج العروس ج ۸ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کلامہ کا ترجمہ

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ کا یہ قول ہے کہ جس کا نہ والد (میں باپ) ہو نہ اولاد ہو وہ کلالہ ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور صحابہ کی مثل ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو اور یہ ان کا آخری قول ہے۔ امام عبد الرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو موت کے وقت یہ وصیت کی کہ کلالہ تمہارے قول کے مطابق ہے، حضرت ابن عباس نے کہا میرا کیا قول ہے تو انہوں نے کہا جس شخص کی اولاد نہ ہو، حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کلالہ کون ہے؟ انہوں نے کہا والد اور ولد کے ماسوا کلالہ ہے، میں نے کہا اللہ عز وجل تو فرماتا ہے ان امرؤ ہلک لیس له ولد (النساء : ۱۷۶) ”اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو۔“ (یعنی اس آیت میں کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے) تو حضرت ابن عباس ناراض ہوئے اور مجھے جھڑک دیا، میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں کلالہ کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے، اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ آیت ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت جابر کی اولاد تھی نہ والد زندہ تھے۔ (حضرت جابر کی اس وقت والدہ بھی زندہ نہیں تھیں۔ اس لیے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں نہ اولاد ہو) (معالم السنن علی مختصر سنن ابو داؤد ج ۳ ص ۱۶۳-۱۶۴، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت) کلالہ کے متعلق حضرت جابر کی حدیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا، آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آگیا، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ میری میراث کس کے لیے ہوگی؟ میرا وارث تو کلالہ ہو گا! تو فرانس کی آیت نازل ہو گئی۔ صحیح مسلم میں ہے یہ آیت نازل ہوئی :

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (النساء : ۱۷۶) (صحیح البخاری ج ۱، رقم الحدیث : ۱۹۳، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث : ۲۸۸۶، سنن ترمذی ج ۳، رقم الحدیث : ۲۱۰۳، سنن ابن ماجہ ج ۲، رقم الحدیث : ۲۷۲۸، مسند احمد ج ۵، رقم الحدیث : ۱۳۱۹، مسند حمیدی ج ۲، رقم الحدیث : ۱۲۲۹)

اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی برکت کے آثار کا ظہور ہے، اور یہ کہ اکابر کو اصغر کی عیادت کرنی چاہئے، اور اہل علم سے مسائل معلوم کرنا چاہئے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ والد (میں باپ) ہو نہ اولاد، کیونکہ اس وقت حضرت جابر کی صرف بہنیں تھیں، نہ والدین تھے نہ اولاد۔ کلالہ کی تعریف میں جمل یہ کہا ہے کہ اس کا والد نہ ہو اس سے ماں اور باپ دونوں مرلوں اور جمل یہ کہا ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اس سے مرلویہ ہے کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔ (التفسیر المنیر ج ۶ ص ۵۷)

مناسبت

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اس کے آخر میں بھی

میراث کے احکام بیان کیے ہیں، تاکہ سورت کے اول اور آخر میں مناسبت ہو، اور اس سورت کے وسط میں یہود، نصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور ان کے شہادت کو زائل فرمایا ہے۔

کلامہ کی وراثت کے چار احوال

جو شخص کلامہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان فرمائے ہیں :

(۱) ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو، تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر اس کے عصباء ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا، اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائیوں میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

ایک اشکال کا جواب

اس کے بعد ارشاد ہے : اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام) بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ بہ ظاہر اس پر اشکال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کراہیت مضاف محذوف ہے اور معنی یہ ہے اللہ تمہارے لیے (احکام) بیان فرماتا ہے تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے، جیسے قرآن مجید میں ہے وسئل القریۃ (یوسف : ۸۲) دو سراجواب یہ ہے کہ یہاں حرف نفی محذوف ہے اور معنی ہے اللہ (احکام) بیان فرماتا ہے کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ جیسے ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا ای لا تزولا (فاطر : ۴۱) میں ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تمہارے لیے گمراہی کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ گمراہی ہے اور اس سے اجتناب کرو۔

سورت نساء کے اول اور آخر میں مناسبت

اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت اللہ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر بناء الوہیت ہے، کیونکہ جس کو علم نہ ہو کہ اس کی مخلوق اس کی اطاعت کر رہی ہے یا نہیں وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جس کو علم تو ہو لیکن وہ اطاعت کرنے والوں کو جزا دینے پر اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو وہ بھی خدا نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے خصوصیت کے ساتھ ان کے ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی ہے، حالانکہ ان کا کوئی وصف بھی ذاتی نہیں ہے۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۶ رجب ۱۴۳۱ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۹۶ء بروز پیر کو سحر کے مبارک وقت میں اس سورت کی تفسیر ختم ہو گئی فالحمد

اللہ رب العالمین - الہ العلمین! جس طرح سورۃ النساء تک آپ نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل اور کرم سے پورے قرآن کی تفسیر مکمل کرادینا مجھے اس تفسیر میں خطاء اور زلل سے محفوظ رکھنا اور ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول کرنا اور اس کو تاقیام قیامت باقی اور فیض آفریں رکھنا اور اس کو میرے لیے ذریعہ نجات اور صدقہ جاریہ بنادینا مجھے، اس تفسیر کے ناشر، اس کے مصحح اور اس کے معاونین، قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی نعمتوں اور سعادتوں سے بہرہ مند کرنا۔ اَمِّیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِجَاهِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ عَلَیْ اِلٰہِ وَاَصْحَابِہِ وَاَزْوَاجِہِ وِعُلَمَآءِہِ وَاَوْلِیَآءِہِ اٰمَنَیْہِ جَمْعِیْنَ۔

ماخذ و مراجع

کتب الیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتب احادیث

- ۴۔ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۵۔ امام مالک بن انس السجی متوفی ۱۷۹ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۹ھ
- ۶۔ امام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ، کتاب الزهد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۷۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سان لکے ہل
- ۸۔ امام محمد بن حسن شیبلی متوفی ۱۸۹ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۹۔ امام محمد بن حسن شیبلی متوفی ۱۸۹ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۷ھ
- ۱۰۔ امام سلیمان بن داؤد بن جارود طرابلسی خفی متوفی ۲۰۳ھ، مسند طرابلسی، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۹۱ھ
- ۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، المسند، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۰ھ
- ۱۲۔ امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ، کتاب المغازی مطبوعہ عالم الکتب بیروت، ۱۴۰۴ھ
- ۱۳۔ امام عبد الرزاق بن عمامہ منطلی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۹۰ھ
- ۱۴۔ امام عبد اللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ، المسند، مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۵۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۶۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ
- ۱۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، المسند، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
- ۱۸۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمن واری متوفی ۲۵۵ھ، سنن واری، مطبوعہ دار الکتب العربی، ۱۴۰۷ھ
- ۱۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
- ۲۰۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، الادب المفرد، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
- ۲۱۔ امام ابو الحسن مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۲۲۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ
- ۲۳۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

- ۲۴۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بسطانی متوفی ۲۷۵ھ، مراسل ابو داؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی
- ۲۵۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۲۶۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبہ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۵ھ
- ۲۷۔ امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۲۸۵ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر المکتبہ لکھنؤ
- ۲۸۔ امام احمد عمرو بن عبد الحلق بزار متوفی ۲۵۵ھ، البحر الزخار المعروف بحسنہ البرار، مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۲۹۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۳۰۔ ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ موعظۃ الکتاب الشافعیہ بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۳۱۔ امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۱ھ
- ۳۲۔ امام احمد بن علی المشی التمیمی المتوفی ۳۰۷ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دار الماسون تراث، بیروت، ۱۳۰۳ھ
- ۳۳۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ کتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۵ھ
- ۳۴۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۲۱ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۳۵۔ امام ابو عبد اللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ۳۲۰ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دار الریان التراث القاہرہ، ۱۳۰۸ھ
- ۳۶۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۳۷۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ، شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۳۰۳ھ
- ۳۸۔ امام محمد بن جعفر بن حسین خرائلی متوفی ۳۲۷ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعہ المدنی مصر، ۱۳۱۱ھ
- ۳۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ۳۵۳ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۴۰۔ امام ابو بکر احمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ، المشریعیہ مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض، ۱۳۳۳ھ
- ۴۱۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ، کتب اسلامی بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۴۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم اوسط، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض، ۱۳۰۵ھ
- ۴۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۴۴۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، مسند الشامیین مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۴۵۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، کتاب الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۳۳ھ
- ۴۶۔ امام ابو بکر احمد بن اسحاق بن عیسیٰ بن معروف بلبن السی متوفی ۳۶۳ھ، عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن
- ۴۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ۳۶۵ھ، الاکال فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت
- ۴۸۔ امام عبد اللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ متوفی ۳۹۶ھ، کتاب الغفرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۴۹۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ، المستدرک، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۵۰۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۵۱۔ امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ، دلائل النبوة، مطبوعہ دار النفاکس، بیروت
- ۵۲۔ امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر المکتبہ لکھنؤ

- ۴۸- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الاسماء والصفات' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۴۹- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'معرفتہ السنن والآثار' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۵۰- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'دلائل النبوة' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت۔
- ۵۱- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'کتاب الآداب' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۶ھ
- ۵۲- امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ 'شعب الایمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۱ھ
- ۵۳- امام ابو عمرو یوسف ابن عبد البر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ 'جامع بیان العلم وفضله' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۵۴- امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۲۱ھ 'شرح السنہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۵۵- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ 'مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۰۴ھ
- ۵۶- امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ 'تمذیب تاریخ دمشق' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۵۷- امام ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد مقدسی خلی متوفی ۶۳۳ھ 'الاحادیث المختارة' مطبوعہ مکتبہ النفت الحدیثیہ مکہ مکرمہ ۱۳۱۰ھ
- ۵۸- امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ 'الترغیب والترہیب' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ ۱۳۰۷ھ
- ۵۹- امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ 'التذکرہ فی امور الآخرۃ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۰۷ھ
- ۶۰- امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ 'مکثوۃ' مطبوعہ اصح المطابع دہلی
- ۶۱- حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زہلی متوفی ۷۶۲ھ 'نصب الراية' مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند ۱۳۵۷ھ
- ۶۲- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ 'مجمع الزوائد' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۱۳۰۲ھ
- ۶۳- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ 'کشف الاستار' مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۳۰۴ھ
- ۶۴- حافظ نور الدین علی بن ابی بکر البیہقی المتوفی ۸۰۷ھ 'مورد النعمان' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۶۵- امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ 'حسن حصین' مطبوعہ مصطفی البابی واولادہ مصر ۱۳۵۰ھ
- ۶۶- امام ابو العباس احمد بن ابو بکر صیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ 'زوائد ابن ماجہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۶۷- حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان مارونی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ 'الجوہر النقی مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
- ۶۸- حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ 'تخصیص المستدرک مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۶۹- حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'الطالب العالی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
- ۷۰- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الجامع الصغیر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۱ھ
- ۷۱- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'جامع الاحادیث الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۷۲- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الحصائص الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکمر
- ۷۳- علامہ عبد الوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ 'کشف الغمہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۷۴- علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ 'کنز العمل مطبوعہ مؤستہ الرسالہ بیروت ۱۳۰۵ھ

کتاب تفسیر

- ۸۰- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، تہذیب المتعبس، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۸۱- امام حسن بن عبداللہ البصری المتوفی ۱۱۰ھ، تفسیر الحسن البصری، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ، ۱۳۳۳ھ
- ۸۲- امام ابو زکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ، معانی القرآن، مطبوعہ بیروت
- ۸۳- شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ، تفسیر قمی مطبوعہ دارالکتب ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۸۴- امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ، جامع البیان مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۰۹ھ، دارالفکر بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۸۵- امام ابوالحسن ابراہیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۱۱ھ، اعراب القرآن، مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۸۶- امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص خفی متوفی ۳۷۰ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سبیل الکیڈمی لاہور، ۱۳۰۰ھ
- ۸۷- علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ، تفسیر سمرقندی، مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ، ۱۳۱۳ھ
- ۸۸- شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ، التبیان فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۸۹- علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۳۳۷ھ، مشکل اعراب القرآن، مطبوعہ انتشارات نور ایران، ۱۳۶۲ھ
- ۹۰- علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ، النکت والعیون، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۹۱- علامہ ابوالحسن علی بن احمد، واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ، الوسیط، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۹۲- علامہ جلال اللہ محمود بن عمر زحشری متوفی ۴۶۷ھ، کشاف، مطبوعہ نشر البلاغہ قم ایران، ۱۳۱۳ھ
- ۹۳- علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۰۸ھ
- ۹۴- علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ، التحرر الوجیر، مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
- ۹۵- شیخ ابو علی فضل بن حسن طبری متوفی ۵۴۸ھ، مجمع البیان، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۰۶ھ
- ۹۶- علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ، زاد المسیر، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۰۷ھ
- ۹۷- خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس، کشف الانوار وعدۃ الابرار، مطبوعہ انتشارات امیرکبیر تہران، ۱۳۷۱ھ
- ۹۸- امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
- ۹۹- علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۹۷۸ھ
- ۱۰۰- علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ
- ۱۰۱- قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ، انوار التنزیل مطبوعہ دارفراس للنشر والتوزیع مصر
- ۱۰۲- علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ، مدارک التنزیل مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
- ۱۰۳- علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ، لباب التأویل، مطبوعہ دارالکتب العربیہ پشاور
- ۱۰۴- علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ، تفسیر نیشاپوری، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۱۰۵- علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ، التفسیر الکبیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۹ھ
- ۱۰۶- علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ، بدائع التفسیر، مطبوعہ دار ابن الجوزیہ، مکہ مکرمہ، ۱۳۱۳ھ

- ۱- علامہ ابو العباس بن یوسف السعید متوفی ۷۵۴ھ، البحر المحیط، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۱۲ھ
- ۲- علامہ ابو العباس بن یوسف السعید الشافعی متوفی ۷۵۶ھ، الدر المنصون، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳۱۳ھ
- ۳- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ۱۳۸۵ھ
- ۴- علامہ عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف نقابلی متوفی ۸۷۵ھ، تفسیر الشعاب، مطبوعہ مؤسسۃ الاعلیٰ للمطبوعات بیروت
- ۵- علامہ ابو الحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ۸۸۵ھ، نظم الدرر، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ قاہرہ ۱۳۱۳ھ
- ۶- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الدر المنثور، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
- ۷- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جلالین، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی
- ۸- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ۹۵۱ھ، حاشیہ شیخ زادہ علی السیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند
- ۹- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ۹۷۷ھ، منہج الصالحین، مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران
- ۱۰- علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی خفی متوفی ۹۸۲ھ، تفسیر ابو السعود، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۱۱- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری خفی، متوفی ۱۰۶۹ھ، عنایتہ القاضی، مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ
- ۱۲- علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ، التفسیرات الاحمدیہ، مطبع کریمی بمبئی
- ۱۳- علامہ اسماعیل حقی خفی متوفی ۱۱۳۷ھ، روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ
- ۱۴- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجل متوفی ۱۲۰۴ھ، الفتوحات الالہیہ، مطبوعہ المطبعۃ البیتہ مصر ۱۳۰۳ھ
- ۱۵- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ۱۲۲۳ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر
- ۱۶- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ، تفسیر مظہری، مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ
- ۱۷- شاہ عبد العزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ، تفسیر عزیزی، مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی
- ۱۸- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، فتح القدر، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۱۹- علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی خفی متوفی ۱۲۷۰ھ، روح المعانی، مطبوعہ اراحياء التراث العربی بیروت
- ۲۰- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ، فتح البیان، مطبوعہ مطبع کبریٰ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ
- ۲۱- علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ۱۳۳۲ھ، تفسیر القاسمی، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ
- ۲۲- علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۵۳ھ، تفسیر المنار، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت
- ۲۳- علامہ حکیم شیخ منگلوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۹ھ، الجواہری تفسیر القرآن، المکتبۃ الاسلامیہ ریاض
- ۲۴- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۳ھ، بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور
- ۲۵- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ، خزائن العرفان، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
- ۲۶- شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ، شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، حاشیہ القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
- ۲۷- علامہ محمد طاہر بن عاشور متوفی ۱۳۸۰ھ، التحریر والتبیین، مطبوعہ تونس
- ۲۸- سید محمد قطب شہید متوفی ۱۳۸۵ھ، فی ظلال القرآن، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۸۶ھ
- ۲۹- مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۹ھ، نور العرفان، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

- ۱۳۵- مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ 'معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ
- ۱۳۶- سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ 'تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارۃ ترجمان القرآن لاہور
- ۱۳۷- علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ 'التیان مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان
- ۱۳۸- علامہ محمد امین بن محمد مختار بکلی شقیلی 'اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
- ۱۳۹- استاذ احمد مصطفیٰ الراغبی 'تفسیر الراغبی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۴۰- آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران ۱۳۶۹ھ
- ۱۴۱- جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری 'ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
- ۱۴۲- شیخ امین احسن اصلاحی 'تذکر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
- ۱۴۳- علامہ محمود صافی 'اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
- ۱۴۴- استاذ محی الدین درویش 'اعراب القرآن و بیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت
- ۱۴۵- ڈاکٹر وجہ زحلی 'تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۳۳ھ
- ۱۴۶- سعید حوی 'الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

- ۱۴۷- علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی متوفی ۷۹۳ھ 'البرہان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۴۸- علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
- ۱۴۹- علامہ محمد عبد العظیم زرقلی 'منہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

- ۱۵۰- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'الاستذکار' مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۳۳ھ
- ۱۵۱- حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور ۱۴۰۴ھ
- ۱۵۲- علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف بابی مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ 'المستقی مطبوعہ مطبع العلاء مصر ۱۳۳۲ھ
- ۱۵۳- علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'عارفۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۱۵۴- امام عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی ۶۵۶ھ 'مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت
- ۱۵۵- علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۱ھ 'شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ
- ۱۵۶- علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۳۳ھ 'شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۳۳۳ھ
- ۱۵۷- علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلف وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ 'اکمل اکمل المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ
- ۱۵۸- حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ

- ۱۲۰۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد یحییٰ حنفی متوفی ۸۵۵ھ، 'عمدة القاری'، مطبوعہ ادارۃ الباعثہ النیریہ مصر، ۱۳۳۸ھ
- ۱۲۱۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، 'کمل اکمل المعلم'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
- ۱۲۲۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، 'ارشاد الساری'، مطبوعہ مطبعہ مہینہ مصر، ۱۳۰۶ھ
- ۱۲۳۔ علامہ عبدالرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، 'فیض القدر'، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ
- ۱۲۴۔ علامہ عبدالرؤف منلوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، 'شرح الثمائل'، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۲۵۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، 'جمع الوصائل'، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
- ۱۲۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، 'شرح مسند ابی حنیفہ'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۰۵ھ
- ۱۲۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، 'مرقات'، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
- ۱۲۸۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، 'اخرز الثمین'، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ، ۱۳۰۴ھ
- ۱۲۹۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، 'تحفۃ الذاکرین'، مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
- ۱۳۰۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، 'اشعۃ اللغات'، مطبوعہ مطبعہ تیج کمار لکھنؤ
- ۱۳۱۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، 'تحفۃ الاحوذی'، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
- ۱۳۲۔ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، 'فیض الباری'، مطبوعہ مطبعہ مجازی مصر، ۱۳۷۵ھ
- ۱۳۳۔ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، 'فتح المعلم'، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی
- ۱۳۴۔ شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۳ھ، 'التطبیق'، مطبوعہ مکتبۃ عثمانیہ لاہور

کتاب اسماء رجال

- ۱۳۵۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، 'العلل المتباہیہ'، مطبوعہ مکتبۃ اثریہ فیصل آباد، ۱۳۰۱ھ
- ۱۳۶۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزنی متوفی ۷۳۲ھ، 'تہذیب الکمال'، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۳۷۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد زہبی متوفی ۷۴۸ھ، 'میزان الاعتدال'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۶ھ
- ۱۳۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، 'تہذیب التہذیب'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۵ھ
- ۱۳۹۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، 'تقریب التہذیب'، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۱۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۳ھ، 'موضوعات کبیر'، مطبوعہ مطبعہ مجتہبی دہلی

کتاب لغت

- ۱۴۱۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوهری متوفی ۳۹۸ھ، 'الصالح'، مطبوعہ دار العلم بیروت، ۱۳۰۴ھ
- ۱۴۲۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، 'المفردات'، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۳۲ھ

- ۱۸۲۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ، نہلیہ، مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران، ۱۳۶۳ھ
- ۱۸۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۱۸۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ، لسان العرب، مطبوعہ نشر ادب الحوزہ، قم، ایران، ۱۳۰۵ھ
- ۱۸۵۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
- ۱۸۶۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی خفی متوفی ۱۳۰۵ھ، تاج العروس، مطبوعہ المطبعة الخیریہ مصر
- ۱۸۷۔ لوئیس معلوف الیسوی، المنجد، مطبوعہ المطبعة الغاثو لیکہ بیروت، ۱۹۲۷ء
- ۱۸۸۔ شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۳۰۵ھ، لغات القرآن، مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور
- ۱۸۹۔ ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، قائمہ اللغات، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتاب تاریخ، سیرت و فضائل

- ۱۹۰۔ امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ، السیرۃ النبویہ، مکتبہ فاروقیہ ملتان
- ۱۹۱۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ
- ۱۹۲۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۹۳۔ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ، الاستیعاب، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۹۴۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ، الشفاء، مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان
- ۱۹۵۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ سیلی متوفی ۵۷۱ھ، الروض الانف، مکتبہ فاروقیہ ملتان
- ۱۹۶۔ علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، الوفا، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
- ۱۹۷۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۱۹۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیسی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ، الکامل فی التاريخ، مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت
- ۱۹۹۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران
- ۲۰۰۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۳ھ
- ۲۰۱۔ حافظ شباب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی ۸۵۲ھ، الاصابہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۰۲۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمودی متوفی ۹۱۱ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ
- ۲۰۳۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
- ۲۰۴۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشافعی متوفی ۹۴۲ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۳۱۳ھ
- ۲۰۵۔ علامہ احمد بن حجر کی شافعی متوفی ۹۷۴ھ، الصواعق المحرقة، مطبوعہ مکتبہ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ
- ۲۰۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۳ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ دار الفکر بیروت
- ۲۰۷۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، مدارج النبوت، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مُحَمَّدٌ

أَحْمَدُ

حَامِدُ

مُحَمَّدُ

فَسْمُو

عَقَبُ

وَسَلَامٌ

تَهْلِكُ

شَرُّهَا

تَشِيكُ

قَسْمُهُ

لِبَشِيرٍ

نَدِيْقُ

كَدَاغُ

شَفَا

هَلَا

مَسَا

مُنْجُو

مُنْجُو

تَهَامِي

شَيْخُ

نَبِي

أَمِي

أَمِي

رَسُولِي

رَسُولِي

رَسُولِي

رَسُولِي

رَسُولِي

عَزِيزِي

خَرِصِي

رُفُوفِي

رُفُوفِي

رُفُوفِي

طَائِرِي

مُجْتَبِي

طَائِرِي

مُنْجُو

خَيْرِي

مُصْطَفِي

لَيْسِي

أَوْ لِي

مُنْجُو

وَلِي

مَلَكُ

مَتِينِي

مُصْطَفِي

طَائِرِي

نُصْلِي

مُنْجُو

مُصْبِحِي

أَفْسِي

مُنْجُو

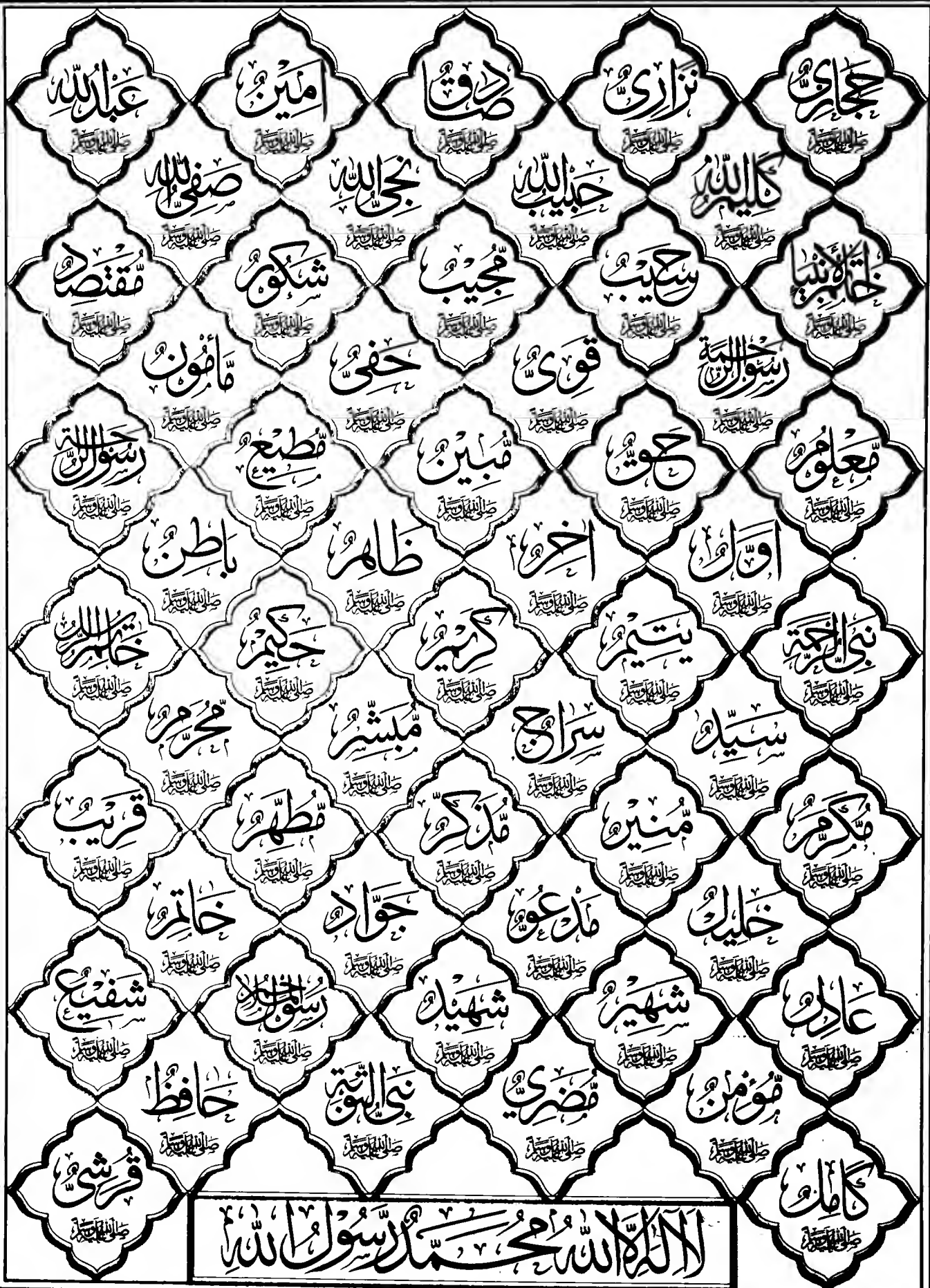
مُصْبِحِي

أَفْسِي

مُنْجُو

مُصْبِحِي

أَفْسِي



لا اله الا الله محمد رسول الله